

تاریخ اسلام

ابو نعیم عبد الحکیم

411

39
41
0

924
122
122
122
122
122

cc

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پہلا باب

عرب کی جغرافیائی حالت | عرب ایک جزیرہ نما ہے جو براعظم ایشیا میں ہندوستان کی مغربی جانب واقع ہے۔ اس کے شمال میں شام جنوب

میں بحر ہند مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان۔ مغرب میں بحیرہ قلزم۔ آبنائے سویز اور بحیرہ روم،
 یقبہ تقریباً ۱۲ لاکھ مربع میل اور آبادی تقریباً ایک کروڑ ہے۔ چار پانچ لاکھ مربع میل کا رقبہ یگستان

اور بے آباد علاقے نے گھیر رکھا ہے۔ ربح خالی سب سے مشہور ریگستان ہے۔ جگہ جگہ پہاڑوں
 کا جال بچھا ہوا ہے۔ لیکن سرسبز و شادابی کا نام تک نہیں۔ عراق، شام، یمن اور حجاز نسبتاً

زیادہ ہرے بھرے اور زرخیز ہیں۔ چلچلاتی دھوپ پڑتی اور بدن کو جھلس دینے والی ٹوچلتی ہے۔
 کھجور بہاں کی مشہور پیداوار ہے۔ زیادہ تر باشندے خانہ بدوشی کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

عرب کی قدیم قومیں | عرب قدیم زمانے سے سام ابن نوح کی اولاد کا گہوارہ حیات رہا ہے
 مورخین نے اسے تین طبقوں پر تقسیم کیا ہے :- (۱) عرب بانئذہ۔

(۲) عرب عاربہ اور (۳) عرب مستعربہ۔ عرب بانئذہ سے وہ لوگ مراد ہیں، جو سب سے
 زمانے میں عرب کے اندر بود و باش رکھتے تھے۔ عاد و ثمود اسی طبقے سے متعلق تھے۔

قدیم ترین طبقے کی تاریخ پر لا علمی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ عرب عاربہ یا قبیلے
 کے نواح میں آباد تھی۔ حمیری اور زیدی اس کے مشہور قبیلے ہیں۔ ہونی تھی۔ عفت و عصمت اور

قام کریں۔ جن کی منتہی تہائی یادگار میں اب تک گھنڈروں کی صورت میں پائی جاتی ہیں۔ اندوہان
 حال سے ان کی عظمت و جبروت کی افسانہ خواں ہیں۔ یمن میں ساتویں صدی عیسوی تک قحطانی
 سلاطین کی حکومت کا پرچم لہراتا رہا۔ عرب متعزیرہ سے مراد بنو عدنان یا اولادِ انجیل ہے۔ یہ
 لوگ باہر سے آکر عرب میں آباد ہوئے۔ اس لئے ان کا یہ نام رکھا گیا۔

حضرت **ابراہیم** کو عرب کی دینی تاریخ کا سدا بھینا چاہئے۔ ان کی ماویٰ زبان فارسی تھی۔
 پہلی بیوی کا نام سحارہ تھا جن کے بطن سے حضرت **اسحاق** پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی ہاجرہ تھی جن کا نام
 سہرا کی بیٹی تھیں۔ جن کے شکم سے حضرت **اسحاق** کی ولادت ہوئی۔ اور فرزانہ ہانی کے مطابق
 حضرت آدمؑ کے زمانے کی بنیادوں پر کہہ کر تیسرے شروع کر دی۔ دیوالہ کے ذرا بلند ہو جانے پر
 حضرت ابراہیمؑ نے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر کام کرنا شروع کر دیا۔ اسی جگہ کو مقام ابراہیم کہتے
 ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے ارشاد پر حضرت اسمعیلؑ حضرت جبریلؑ کی قیادت میں حجاز سودے
 آئے۔ جسے حضرت ابراہیمؑ نے امتیاز کے لئے مقام رکن پر رکھ دیا۔ یہی حجاز سودے ہے۔ جسے
 طواف کے وقت بوسہ دیا جاتا ہے۔

بنی جرہم اور علاقہ مکہ اور اس کے قریب وہاں میں آباد تھے۔ ان میں سے بعض لوگ حضرت
 اسمعیلؑ پر ایمان لے آئے۔ جرہم کے سروا مضامض کی بیٹی سے حضرت اسمعیلؑ کے بارہ بیٹے ہوئے
 ان کی نسل بڑھتے بڑھتے حجاز بھر میں پھیل گئی۔ پہلے کہے کی تولیت ان کے بیٹے نابت کو ملی۔
 پھر بنی جرہم نے اس پر قبضہ کر لیا۔ آل اسمعیلؑ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ لیکن بنی جرہم سے اتنی
 بڑی ذمہ داری کا کام سنبھالنا نہ گیا۔ وہ غرور و نخوت کے جوش میں بے اعتدال بیوں پر آتر آئے۔ آل
 اسمعیلؑ کی قوت برداشت نے جواب دے دیا۔ اور وہ دوبارہ کہہ پیر قحطانیوں سے ہوئے۔ ہوتے ہوتے
 سلسلہ عدنان تک پہنچا۔ یہ ایک مشہور تاریخی شخصیت ہے۔ عدنان کی اولاد نے بہت ترقی کی۔
 حجاز اور مصر کے مشہور قبائل اسی کی نسل سے تھے۔ مصر کی شاخ کنانہ میں نہرین مالک
 اور **اسحاق** کے مورثان اعلیٰ ہیں۔ نہر کا لقب قریش تھا۔ اس لئے اس کی نسل کو
 قریش میں قحطی جیسا تارا کہتی اور نام قریش ہی پیدا ہوا۔ اس نے قبائل

قریش کو گلے بلوا کر حجاز کے گوشے گوشے میں اقتدار کا پھر پرا بڑایا۔ منہ مکہ میں قصبی کا انتقال ہو گیا۔ اور مکہ کی حکومت اس کے بیٹے عبداللہ کے حصے میں آئی۔ عبداللہ نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ تو اس کے پوتے اور بھائی عبدمناف کے بیٹے حکومتِ مکہ کے لئے لڑنے مرنے پر تمل گئے۔ آخر ثالثوں نے فیصلہ کیا کہ عبدمناف کے بیٹے عبدشمس کو پانی بہم پہنچانے ٹیکس وصول کرنے اور حاجیوں کی میزبانی کے فرائض تفویض کئے جائیں۔ عبداللہ کے پوتوں کے کندھوں پر فوجی نظم و نسق کی صفات اور دارالندوہ کی نگرانی کا بار ڈالا جائے۔ کچھ عرصے کے بعد عبدشمس نے عنانِ حکومت اور زمامِ حقوق اپنے چھوٹے بھائی ہاشم کے ہاتھ میں دے دی۔ عبدشمس کے بیٹے امیہ کو اپنے چچا ہاشم کا یہ اقتدار و عروج خار پہلو بن گیا۔ اور اس نے ہاشم کو دعوتِ مقابلہ دی۔ شرط یہ تھی کہ ہارنے والا جیتنے والے کو پچاس اونٹ بطور تاوان دے اور مغلوب دس سال تک جلا وطنی کے طریق پر مکہ سے باہر رہے۔ منصف نے ہاشم کو فتح قرار دیا۔ امیہ نے اسے پچاس اونٹ دئے۔ اور خود دس سال کے لئے شام میں سکونت اختیار کی۔ ہاشم نے اس خوشی میں اہل مکہ کو شاہانہ دعوت دی۔ بس یہیں سے بنی امیہ اور بنی ہاشم کی مشہور تاریخی عداوت کا آغاز ہوتا ہے۔ جس نے فرزند ان توحید کے ساغر اتحاد میں زہر گھول دیا۔ اور ان کا شیرازہ تنظیم منتشر ہو کر رہ گیا۔

اسلام سے پہلے عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت

آتش پرستی کا رواج تھا۔ خانہ کعبہ بت پرستی کا مرکز تھا۔ جس کے اندر تین سوساٹھ بت رکھے تھے۔ ہر قبیلے کا بت جدا تھا۔ ہبل، لات، منات، عزی، ناکہ، یعوق، نسر زیادہ مشہور بت تھے۔ جن کے آگے سجاہ کیا جاتا تھا۔ اور دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

یعوق، یغوث اور نسر ستاروں کے نام ہیں جن سے عربوں کی ستارہ پرستی پر روشنی پڑتی ہے۔ سورج، چاند، مشتری، ہیل اور عطارد کی پوجا بڑے زور شور سے کی جاتی تھی۔ بعض قبیلوں میں آگ کی بھی پرستش کی جاتی تھی۔

عربوں کی اخلاقی حالت پرستی کی انتہائی گہرائیوں میں پہنچی ہوئی تھی۔ عفت و عصمت اور

تہذیب و شرافت کے الفاظ شرمندہ معنی نہ تھے۔ شراب اور بھو اور زمرہ کے محبوب مشغلے تھے پانی بھرنے اور گھوڑے بڑھانے پر تلواہیں نکل آتی تھیں۔ انتقام لینے میں بہت سخت تھے اگر کوئی شخص جیتے جی دشمن سے انتقام نہ لے سکتا۔ تو وہ اپنی اولاد کو وصیت کر جاتا۔ اور اولاد بدلی لیتی۔ چوری، ڈاکہ اور فسق و فجور طبیعت ثانیہ بنا ہوا تھا۔ ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر لیتا۔ لڑکی کا پیدا ہونا سخت منحوس جانتے، اور اسے پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔

ضعف اعتقاد اور رسم و رواج | توہم پرست اور ضعیف الاعتقاد حد سے زیادہ تھے بھوت پریت کے قائل تھے۔ کسی کام کے کرنے

یا کرانے کے لئے تیروں سے قال لیتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر انسان کسی بیماری والے مقام میں جائے۔ تو وہاں کے دروازے پر کھڑا ہو کر گدھے کی بولی بولے۔ اس پر بیماری کچھ اثر نہ کرے گی۔ اگر کسی عورت کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں، تو وہ کسی شریف معقول مرد کی لاش کو اچھی طرح بال مال کرے۔ اس کے بچے جینے لگیں گے۔ وہ سمجھتے کہ جن خرگوش سے خوف کھاتا ہے۔ لہذا اس سے محفوظ رہنے کے لئے خرگوش کی ہڈی گلے میں ڈال لینے۔

بڑے بڑے گھرانوں میں بھی بہت سی فضول اور احمقانہ رسمیں جاری تھیں۔ بیاہ شادی کے موقع پر تو لغو رسموں کا وہ طوفان بے تمیزی برپا کیا جاتا کہ حیا اور تہذیب ان کی بے نشی کا ماتم کرتیں کسی شخص کے مر جانے پر اس کے عزیز و خویش اپنے سر کے بال نوج نوج کر بڑا حال کر لیتے۔ عورتیں سوگ کے طور پر اپنا سر منڈواتیں۔ تیسرے دن، سواہینے پر۔

ششماہی اور برسی پر اجرت دے کر نوچہ خواں عورتیں بلوائی جاتیں، اور انھیں کھانا

کھلایا جاتا۔

آج بھی یہی جہالت موجود ہے

۱۲؎ کائنات کا مولد

دوسرا باب

ولادت نبوی

عرب کے گوشے گوشے میں جہالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ضلالت کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ کفر کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔ شرک کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا کہ دفعتاً مکہ رقصا سے عصیان و طغیان کے بادل چھٹنے لگے۔ شب و بچور کی سیاہی کا فود ہونے لگی۔ اور ستارہ سحر آفتاب رشد و ہدایت کا پیغام لانے لگا۔ غرض اپریل ۱۵۵۰ء کی فصل گل میں ۹ ربیع الاول دو شنبہ کو رحمت عالمین کے سدا بہار گھزار میں ایک گل سرید شکفتہ ہوا جس کی روح افزا خوشبو سے دنیا کا کونا کونا مہک اٹھا۔ عبد اللہ کی بیوی حضرت آمنہ کی گود ہری ہو گئی۔ بوڑھے اور غم زدہ دادا عبد المطلب کا غنچہ امید کھل گیا۔ سوکھے دھانوں پانی پڑ گیا۔ ماں نے فرشتے کے کہنے پر بیٹے کا نام احمد رکھا لیکن دادا نے ساتویں دن عقیقہ کر کے پوتے کو محمد کے نام سے موسوم کیا۔ قریش نے حیران ہو کر عبد المطلب سے دریافت کیا۔ کہ خاندانی دستور کے خلاف اس غیر مروج نام رکھنے کا کیا سبب ہے۔ عبد المطلب نے جواب میں کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا پوتا دنیا بھر میں مدح و ستائش کا شایاں قرار پائے۔ روایت ہے کہ عین آپ کی پیدائش کے وقت قصر نوشیرواں کے در و دیوار لرز اٹھے۔ اس کے چوڑے کنگرے گر گئے۔ اور استخر کا آتش کدہ ٹھنڈا ہو گیا۔

بچپن

ولادت کے بعد سات دن تک ابو لہب بن عبد المطلب کی آزاد کی ہونی لونڈی ثویبہ نے آنحضرتؐ کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد شرفائے مکہ کے دستور کے مطابق دادا نے پوتے کو بنی سعد کی ایک دایہ حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ حلیمہ نے دو سال تک آپ کو اپنا دودھ پلایا۔ اور چار سال تک اپنے گھر میں رکھ کر پرورش کی۔ پھر حلیمہ نے یہ امانت حضرت آمنہ کو واپس کر دی۔ جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی، تو آپ کی والدہ اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے مدینہ گئیں۔ ایک ماہ کے بعد واپسی پر مقام ابوا میں حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا۔ اور چھ سال کے یتیم و معصوم بچے کے سر سے ماں کا سایہ بھی اٹھ گیا۔ عبد المطلب کو یتیم پوتے کے ساتھ محبت

نہیں۔ عشق تھا۔ وہ آپ کو ایک لمحے کے لئے بھی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے لیکن دو ہی سال کے بعد جب آپ نے گلشن زندگی کی آٹھویں بہار دیکھی۔ تو دادا نے بھی سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اور آپ ان کی محبت سے بھی محروم ہو گئے۔ پندرہ سال

ابوطالب کی پرورش اور شام کا پہلا سفر | عبدالمطلب نے دنیا چھوڑنے سے پہلے اپنے نہایت عزیز پوتے کو اپنے بیٹے ابوطالب

کے سپرد کر دیا۔ اور وصیت کرتے وقت خاص طور پر کہا۔ کہ اپنے اس بیٹے کو آنکھ کا تارا سمجھتے ہوئے اس کی تربیت میں ذرا غفلت نہ کرنا۔ ابوطالب کو یتیم بھتیجے کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی۔ اور وہ آپ کو اپنے بچوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ابوطالب تاجر تھے۔ آنحضرتؐ بارہ سال کے ہوئے۔ تو ابوطالب نے تجارت کی غرض سے ایک قافلے کے ساتھ شام کی طرف جانے کے لئے رخصت سفر باندھا۔ وہ اپنے پیارے اور نو عمر بھتیجے کو راستے کی تکلیف کے خیال سے ہمراہ نہ لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ جدائی کے تصور سے بیتاب ہو کر ان کے ساتھ لپٹ گئے۔ اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ ابوطالب نے مجبور ہو کر آپ کو ساتھ لے لیا جب قافلہ بصری کے مقام پر پہنچا۔ تو ایک عیسائی راہب بھجرا نے آپ کو دیکھ کر پہچان لیا۔ کہ یہی وہ آخری نبی ہیں جن کا ذکر توریت اور انجیل میں آیا ہے۔ بھجرا نے ابوطالب کے پاس جا کر کہا۔ کہ اپنے اس بھتیجے کو آگے نہ لے جاؤ۔ ایسا نہ ہو۔ کہ یہودی کسی قسم کی شرارت کریں۔ میں ان میں ہی آخر الزماں کی تمام علامتیں دیکھ رہا ہوں۔ ان کی پوری طرح حفاظت اور نگرانی کرو۔ ابوطالب نے بھجرا کی باتیں سن کر وہیں جلد جلد اپنا مال بیچ ڈالا۔ اور مکہ کی طرف لوٹ آئے۔

ایک جنگ میں شرکت | عربوں کی جنگ جوئی شہرہ آفاق تھی۔ معمولی باتوں پر تیغ زبان سے کام لیتے لیتے شمشیر زنی پر اتر آتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ

عکاظ کے میلے پر یونہی باتوں باتوں میں قبائل قیس اور قبائل کنانہ میں جنگ چھڑ گئی۔ قریش حق پر تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے اس میں شرکت فرماتے ہوئے ان کا ساتھ دیا۔ آپ نے اس جنگ فجار میں اپنے بچوں کو تیراٹھا اٹھا کر روئے۔ لیکن خود کسی سے نبرد آزما نہ ہوئے۔

تجارت | جب آنحضرتؐ کے گل کردہ حیات میں جوانی کی بہار آئی۔ تو آپ نے کسب معاش

کے لئے تجارت کا خاندانی اور پاکیزہ شغل اختیار کرنے کا عزم فرمایا۔ چچا ابوطالب نے آپ کے اس ارادے کو پسند کیا۔ اور آپ نے تجارتی قافلوں کے ساتھ مال تجارت لے جا کر فروخت کرنے کا کام شروع کر دیا۔ آپ کو خوب نفع ہوا۔ اور دور دور تک آپ کی امانت۔ دیانت اور حسن معاملہ کی دھوم مچ گئی۔

قریش کی ایک دولت مند اور نیک سیرت بیوہ حضرت خدیجہ بنت خویلد **شام کا دوسرا سفر** کا تجارتی کاروبار بہت وسیع تھا۔ انھوں نے آنحضرت کے تجربے

اور دیانت کی شہرت سن کر عام نرخ سے ڈگنے معاوضے پر اپنا مال تجارت شام لے جانے کے لئے آپ سے درخواست کی۔ آپ اسے شرف قبول بخشے ہوئے عازم شام ہو گئے۔ اور سامان کی فروخت میں معقول نفع حاصل کیا۔ اسی طرح آپ متعدد مرتبہ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے سامان لے کر شام۔ یمن اور بحرین کی طرف گئے۔ اور ہر مرتبہ آپ کو معتد بہ نفع ہوا۔

حضرت خدیجہ کو اپنے وسیع کاروبار کے سلسلے میں ایک شریف النفس اور امین و دیانت **شادی** دار شوہر کی ضرورت تھی۔ مگر کے شرفائیں سے کون تھا، جو اس سعادت کا آرزو مند

نہ تھا۔ مگر انھوں نے آنحضرت کو سب پر ترجیح دیتے ہوئے ایک خاتون کے ذریعے سے آپ کی خدمت میں شادی کی درخواست کی۔ آپ نے منظور فرمائی۔ اور ابوطالب نے بھی اس رشتے کو پسند کیا۔ ابوطالب نے پان سو طلمانی درہم پر خطبہ نکاح پڑھا۔ اس وقت آنحضرت کا سن مبارک ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ +

یہ ایک عہد تھا۔ جو زمانہ ماضی میں بعض عربوں کے درمیان اس طرح **حلف الفضول** قرار پایا تھا۔ کہ ہم ظالم کو باک چنے چہو اگر مظلوم کی داد رسی کریں گے۔ اور

اس طرح صفو ہستی سے ظلم و ستم کا نام و نشان تک مٹا کر رکھ دیں گے۔ چونکہ تمام معاہدین کے ناموں میں "فضل" کا لفظ شامل تھا۔ اس لئے اس عہد یا حلف کا نام حلف الفضول پڑ گیا۔

جنگ فجار کے بعد آنحضرت کے چچا زبیر بن عبد المطلب کو خیال آیا۔ کہ اس پڑانے مگر معقول عہد کو پھر تازہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ انھوں نے بعض حضرات کو طلب کر کے عبد اللہ بن جعدا کے مکان پر ایک اجلاس منعقد کیا جس میں تمام حاضرین نے بالاتفاق حلف اٹھایا کہ ہم ظالم کا

مقابلہ اور مظلوم کی حمایت کریں گے۔ اس حلف میں آنحضرتؐ نے بھی جوان دنوں کم سن تھے، شرکت فرمائی۔ اب آنحضرتؐ گلزارِ شباب میں گامزن تھے۔ آپ نے فساد و جنگ کے انگاروں کو امن و صلح کے پھولوں میں تبدیل کرنے کے لئے ایک انجمن قائم کی۔ جس میں بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم شامل ہوئے۔ اس انجمن کے ہر رکن کو یہ عہد کرنا پڑتا تھا کہ :-

۱) میں زبردست کو زبردست پر تشدد کرنے سے روکوں گا (۲) فتنہ و شر کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر ملک میں امن و سکون قائم کروں گا (۳) غریبوں اور دسامدوں کی پشت پناہ بنوں گا۔ اور (۴) مسافروں کی حفاظت کو اپنا اہم فرض سمجھوں گا۔ اس انجمن نے نہایت سرگرمی سے کام کیا اور ہمدرد مخلوق اصحاب کی یہ جمعیت بے یار و مددگار عوام کے مزرع خشک کے لئے بارانِ رحمت ثابت ہو کر ہر طرف فوائد و منافع اور اطمینان و آشتی کے موتی برسانے لگی۔

نبوت کا آغاز | قدرت کا قاعدہ ہے کہ نسیم روح افزا موسیٰ گل کا پیغام لاتی ہے۔ اودی اودی گھٹا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہو بارش کی خوش خبری سناتی ہے۔ صبح صادق

کا دھندلکا طلوع آفتاب کی پیش گوئی کرتا ہے۔ اسی طرح جوں جوں آنحضرتؐ کا سن شریف بڑھتا اور نبوت کا وقت نزدیک آتا جاتا تھا، آپ کے عام حالات زندگی میں خاص تبدیلیاں پیدا ہوتی جاتی تھیں۔ جب آپ نے اپنے گلشن حیات کی بتیسویں بہار دیکھی تو دنیا کی نقش آرائیوں سے آپ کی طبیعت ہٹ کر حقیقت منتظر کی دید کے لئے بیتاب رہنے لگی۔ قلب پاکیزہ جلوت سے نفور ہو کر خلوت پر مائل ہونے لگا۔ گاہے گاہے ایک روشنی سی نظر آتا کرتی جس سے آپ پر سرور و انبساط کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ تنہائی میں قدرت باری تعالیٰ کے اسرار و رموز پر غور و خوض فرمایا کرتے اور حمد و تسبیح میں مصروف رہتے۔ عمر کے ساتھ ساتھ شوقِ خلوت نشینی بھی بڑھتا جاتا تھا۔ آپ ستوا اور پانی ساتھ لے کر مکہ کے باہر غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے۔ اسی اثنا میں خواب کے ذریعے سے آپ پر اسرارِ الہی ظاہر ہونے لگے۔ رات کو جو کچھ خواب میں نظر آتا۔ صبح کو وہ من و عن پورا ہو جاتا۔ چند سال تک فیضانِ ربانی کا یہ سلسلہ بتدریج تیزی رفتار سے بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ سن شریف چالیس کو پہنچ گیا، اور نبوت و رسالت کا آفتاب عالم تاب خاکدانِ تیرہ کے گوشے گوشے میں

نور توحید کی تجلیاں برساتا ہوا طلوع ہو گیا۔ سلسل ریاضت و مراقبہ سے قلب اطہر الہام و وحی کی برواشت کے لئے تیار ہو گیا۔ تو ایک دن غار حرا میں آپ کو فرشتہ نظر آیا، جو آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اِقْرَأْ (پڑھ)۔ فرمایا۔ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ پھر فرشتے نے آپ کو زور سے بھینچنے کے بعد چھوڑ کر کہا۔ اِقْرَأْ۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ اسی طرح فرشتے نے آپ کو تین دفعہ پکڑ کر زور سے بھینچنے اور چھوڑنے کے بعد ہر مرتبہ یہی کہا۔ آخری بار فرشتے نے کہا۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (اپنے رب کا نام پڑھ جس نے پیدا کیا)۔

یہ کہتے ہی فرشتہ تو غائب ہو گیا۔ لیکن آپ جلال الہی کی خوف افزا کیفیت کے زیر اثر گھر تشریف لائے۔ اور حضرت خدیجہؓ سے کہا۔ مجھے کمل اڑھا دو۔ انھوں نے تعمیل ارشاد کی۔ کچھ دیر کے بعد طبیعت میں سکون پیدا ہو جانے پر آنحضرتؐ نے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی۔ اور اپنے چچرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ انھوں نے کیفیت سن کر کہا۔ ”یہ تو وہی ناموس ہے، جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ کاش میری پیری شباب میں تبدیل ہو جاتی اور میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔ اور میں آپ کی خدمت کرتا۔“ اس کے بعد کچھ عرصے تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ آخر ایک دن ذات باری تعالیٰ کی بارگاہ معلیٰ سے ارشاد ہوا۔ یا ایھا الملک ثور قم واندسا (اے چادر اوڑھے ہوئے اٹھ اور لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرا) پھر وحی کا سلسلہ بدستور جاری ہو گیا۔

تخلیغ تبلیغ اسلام | تبلیغ کا حکم پاتے ہی آنحضرتؐ نے اس کے تمام پہلوؤں پر بخوبی غور فرمایا کر پہلے اپنے خاص اعزہ و احباب کو توحید کی دعوت دی۔ چنانچہ حضرت

خدیجہ الکبریٰؓ پہلی خاتون تھیں جو آپ پر ایمان لائیں حضرت علیؓ نے نو عمروں میں، حضرت زیدؓ نے غلاموں میں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مخلص دوستوں میں سب سے اول آپ کی دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ بہت بار سوخ تھے اور ان کا حلقہ احباب بڑا وسیع تھا ان کے اثر اور مخلصانہ و والہانہ جدوجہد سے حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اسلام قبول کیا۔ یہ خبر مشہور ہو جانے پر اس روحانی بجلی کی لہریں اکثر سعید الفطرت لوگوں کے دلوں

میں دوڑنے لگیں۔ چنانچہ حضرت ابوسلمہؓ، حضرت جناب بن ارثؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمیرؓ، حضرت ارقمؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت فاطمہؓ، ہمیشہ حضرت عمر بن الخطابؓ، ازوجہ حضرت سعیدؓ اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالب وغیرہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور شیعہ توحید کے پروانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہو گئی۔ اسی طرح تین سال تک اسلام کی تبلیغ خفیہ طور پر خاموشی سے ہوتی رہی۔ لیکن آنحضرتؐ ساری دنیا کے لئے نبی اور داعی حق بن کر آئے تھے۔ اور آپ کا فرض اہل عالم کو علانیہ دعوت اسلام دینا تھا۔ اس لئے حکم الہی نازل ہوا کہ "فاصلع بما توہمنا" (تجھے جو کچھ حکم دیا گیا ہے۔ اسے کھول کر سنا دے)۔

اس حکم کی تعمیل میں آنحضرتؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبائل قریش کو پکارا۔ آواز سن کر لوگ جوق در جوق چلے آئے۔ آپ نے سوال کیا: "اگر میں تم سے کہوں کہ

علانیہ تبلیغ

اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک بھاری لشکر تم پر حملہ کرنے کے لئے آرہا ہے۔ تو کیا تم یقین کر لو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا: "ہاں۔ ہم نے تمہیں ہمیشہ سچ ہی بولتے سنا ہے۔" فرمایا: "تو اچھا سنو میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں۔ کہ اللہ پر ایمان لے آؤ۔ ورنہ اس کا سخت عذاب تمہیں تہس تہس کر کے رکھ دے گا۔" یہ خلاف امید اور اپنے عقائد کے برعکس بات سن کر لوگ طنز کی ہنسی مہنتے ہوئے منتشر ہو گئے۔ اور طرح طرح کی باتیں بناتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

چند روز کے بعد آپ نے اپنے عزیزوں کو ایک دعوت میں طلب کیا۔ اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: "دیکھو میں تمہارے لئے وہ چیز لے کر آیا ہوں جس سے تمہارے دونوں جہان سنور جائیں گے۔ بتاؤ اس مشکل ہم کو انجام دینے میں کون میرا ہاتھ بٹائے گا؟ یہ سنتے ہی گویا سب کو سانپ سونگھ گیا۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اتنے میں حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا: "اگرچہ میری آنکھیں آئی ہوئی ہیں۔ کم سن اور کمزور ہوں۔ پھر بھی میں آپ کا ساتھ دوں گا۔" اس پر سب نے تہقیر لگایا۔ اور تمسخر اڑاتے ہوئے لوٹ گئے۔

قریش کی مخالفت | آغوش اسلام میں آنے والے گروہ میں سے بعض لوگ تو غلام تھے اور بعض بے مددگار ہونے کے باعث نہایت کمزور۔ مشرکین مکہ نے ان

نو مسلموں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں شدید جسمانی تکلیفیں دینی شروع کیں حضرت بلال حبشیؓ کے آقا امینؐ میں خلف کو جب ان کے قبول اسلام کا حال معلوم ہوا۔ تو کبھی انھیں گرم ریت پر لٹا کر سینے پر گرم پتھر رکھوا دیتا۔ کبھی مشکیں کس کر تازیانے لگواتا۔ بھوکا رکھتا۔ گردن میں رتی باندھ کر لڑکوں سے کہتا۔ کہ اسے مکہ کے گلی کوچوں اور باہر پہاڑیوں میں گھسیٹنے پھرد اور خوب پیٹو۔ حضرت بلالؓ (ع) ہزاراں مرجا گویم بلائے کو حبیب آید کے مصداق ان تمام ایذاؤں کو برداشت کرتے اور احد احد کا نعرہ لگائے جاتے۔ حضرت عمارؓ ان کے وال حضرت یاسرؓ اور والدہ حضرت سمیہؓ کو ابو جہل نے نہایت سخت سزا میں دیں۔ بلکہ حضرت سمیہؓ کو نیزہ مار کر شہید ہی کر دیا۔ حضرت زبیرؓ کو انتہائی شدت سے زد و کوب کرتے ہوئے اندھا کر دیا۔ غرض اکثر غلاموں اور لونڈیوں کو ایسی ایسی ہولناک اور وحشیانہ سزائیں دی گئیں۔ کہ ان کے تصور ہی سے انسان کا خون کھولنے لگتا ہے۔ لیکن اسے اسلام کا معجزہ کہئے۔ کہ کفار اپنی پوری قوتیں صرف کر دینے کے باوجود کسی ایک نو مسلم کو بھی اللہ کے دین سے برگشتہ نہ کر سکے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت جناب بن ارفثؓ بھی اسی پر خطر منزل عشق کے رہ نورد ہونے کے سبب زہرہ گداز عذاب و عقوبت کا شکار بنے۔

اب خود آنحضرتؐ کے ساتھ مشرکوں کی گستاخیوں اور سنگ دلائی ایذا رسانی کا حال سنئے۔ کبھی تو بد بخت قریش آپ کے راستے میں جہاں آپ کو رات کے وقت گزرنا ہوتا۔ کانٹے بٹھا دیتے۔ کبھی مکان پر پتھر برساتے اور کبھی گھر کے اندر گندگی پھینک دیتے۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن معیط نے گلوئے مبارک میں چادر ڈال کر اسے بل دیتے ہوئے اس زور سے کسا۔ کہ سانس بڑکنے لگا۔ یہ خبر سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ دوڑے آئے اور عقبہ کو پر سے ہٹایا۔ اس پر کفار حضرت صدیقؓ سے الجھ پڑے اور انھیں بری طرح پیٹا۔ ایک مرتبہ اسی عقبہ نے ابو جہل کے کہنے سے اونٹ کی ادھڑی لاکر نماز کی حالت میں پشت مبارک پر رکھی۔ کبھی کہا جاتا کہ آپ شاعر ہیں۔ جادوگر ہیں۔ کاہن ہیں۔ مجنون ہیں۔ قریش مکہ نے آنحضرتؐ کو ستانے اور شدید سے شدید تکلیف پہنچانے میں کوئی کمی نہ کی۔ لیکن ان کی اذیت رسانی کا ہر پتھر اس کو ہ عزم و ثبات اور ہمت و تحمل کی نبیانِ مخصوص کے ساتھ لگا کر خود ہی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

کفار کی ترغیب و تحریم اور اس کا حشر
آخر کفار نے مایوس ہو کر ترغیب و تحریم سے

کام لینا شروع کیا۔ اور عتبہ بن ربیعہ کو قاصد بنا کر آنحضرتؐ کے پاس بھیجا۔ عتبہ نے مصالحوانہ طریق سے نرم انداز بیان میں حضورؐ سے کہا تم اور تمہارا خاندان دونوں شریف اور معزز ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قوم کے اندر فتنہ برپا کرنے سے تمہارا مذاک کیا ہے۔ کہو کیا چاہتے ہو؟ مال و دولت؟ اگر اس کی ضرورت ہے، تو ہم سیم و زر کا مینہ برساکر تمہیں سب سے زیادہ دولت مند بنا دیں گے۔ کسی اونٹنے گھرانے کی پری تمثال لڑکی سے شادی؟ اگر یہی خواہش ہے۔ تو ہم ابھی اسے پورا کئے دیتے ہیں۔ حکومت اور بادشاہی؟ اس عروسِ آرد سے ہم اس خوش کرنے کے لئے بھی ہم ہر وقت اور ہر طرح حاضر ہیں۔ آنحضرتؐ کے دل پر دنیوی ترغیب کا مطلق اثر نہ ہوا۔ اور جواب میں آپ نے سورہ حم کی تلاوت شروع کر دی۔ عتبہ سن کر مسحور ہو گیا۔ اور (ع) شکر کرنے کو آئے شکر ہو گئے چلے۔ کے مصداق ناکام واپس جا کر قریش سے کہا۔ ”محمدؐ کو کچھ نہ کہو۔ ان کو انہیں کے حال پر چھوڑ دو۔ انہوں نے جو کلام پڑھ کر سنایا۔ وہ نہ جاوے نہ شاعری۔ کچھ اور ہی چیز ہے۔ میں نے اس سے موثر کلام آج تک نہیں سنا۔“ قریش نے ان کی بات نہ مانی اور معاملہ وہیں کا وہیں رہا۔

ابوطالب سے قریش کی شکایت
عتبہ کی ناکامی پر چندا کا برقریش کا ایک وفد آنحضرتؐ کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچا۔ انہوں نے وفد کی

شکایت سننے کے بعد معقول جواب دئے کر اسے واپس کر دیا۔ لیکن دوسرے دن پھر یہ لوگ وہاں پہنچے۔ ابوطالب نے ان کے سامنے آنحضرتؐ کو طلب کیا۔ اور دو بدو بات چیت ہونے لگی۔ وفد کے ارکان نے عتبہ کی کہی ہوئی باتیں دہرائیں۔ لیکن آنحضرتؐ نے جواب میں قرآن عزیز کی چند آیات پڑھ دیں۔ معززین قریش جل بھن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور چلتے چلتے ابوطالب کو بھی مقابلے کے لئے چیلنج دئے گئے۔ ابوطالب نے آنحضرتؐ سے کہا۔ بیٹا! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو، کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ میں قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بتوں کو برا کہنا چھوڑ دو۔ یہ سن کر آنحضرتؐ کی آنکھوں میں آنسو ٹپکنا آئے۔ کیونکہ بظاہر یہی چچا ان کی آخری امید گاہ تھے۔ پھر بھی حضورؐ نے ضبط سے کام لیتے ہوئے جی کڑا کر کے فرمایا۔ ”خدا کی قسم، اگر یہ لوگ میرے واسطے ہاتھ پر سورج اور باتیں پر چاند

لا کر رکھ دیں تو بھی میں اس فرض کو ترک نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد آپ اپنے پیارے اولاد کے سہارے چچا سے یہ کہتے ہوئے اٹھ کر چل دئے۔ کہ ”میں اپنا فرض انجام دینے سے اس وقت تک باز نہیں رہ سکتا۔ جب تک اس کی تکمیل نہ ہو جائے۔ یا میں اس راہ میں خود ہی ختم نہ ہو جاؤں۔“ اس جواب سے ابوطالب کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اور انھوں نے حضورؐ کو واپس طلب کر کے کہا ”اچھا بیٹا، جو چاہو کرو۔ میں آخر دم تک تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔“

ایک دن آنحضرتؐ کوہ صفا کے دامن میں تشریف فرما تھے۔ کہ اتفاق سے ابو جہل ادھر لہنگلا۔ اس نے

حضرت امیر حمزہؓ کا قبول اسلام

آپ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہنے کے بعد پتھر مار کر آپ کو مجروح کر دیا حضورؐ چپ چاپ گھر چلے آئے۔ ابو جہل کی لونڈی نے آنحضرتؐ کے چچا امیر حمزہؓ کو جو عرب کے ایک نامور بہادر جنگ جواد پہلوان تھے، اور شکار سے واپس آ رہے تھے۔ یہ سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت حمزہؓ کو آنحضرتؐ سے غیر معمولی محبت تھی۔ یہ واقعہ سن کر وہ آگ بگولا ہو گئے۔ اور ابو جہل کو تلامش کیے کے اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ وہ خون میں نہا گیا۔ پھر حضرت حمزہؓ آنحضرتؐ کے پاس جا کر کہنے لگے۔ ”بیٹا تمہیں خوش ہونا چاہئے۔ میں نے ابو جہل سے تمہارا اہتمام اس زور شور سے لیا ہے کہ وہ عمر بھر یاد رکھے گا۔“ حضورؐ نے فرمایا۔ ”چچا جان! میں تو جب خوش ہوں گا کہ آپ مسلمان ہو جائیں۔“ ^{یعنی مسلمان ہونے کے} حضرت حمزہؓ اسی وقت کلمہ پڑھ کر ^{اللہ} غلامانِ رسولؐ میں شامل ہو گئے۔ جس سے مسلمانوں کی چھوٹی سی بلاکش جماعت کو بڑا بھاری سہارا مل گیا۔ اس کے دست و بازو کمزور سے قوی ہو گئے اور کفار کے جوشِ مخالفت کی آگ ایک حد تک ٹھنڈی پڑ گئی۔

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا

حضرت امیر حمزہؓ کے قبولِ اسلام کی خبر دہسانے قریش کے خرمین دل پر برقی بے اماں بن کر گری جس سے ان کی آتشِ عناد اور بھی شعلہ افروز ہو گئی۔ حضرت عمرؓ بھی جن کی پہلوانی، سنگ جونی اور بہادری کے بھندے عرب کے گوشے گوشے میں گڑے ہوئے تھے۔ دوسرے اکابر قریش کی طرتِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی شدید مخالفت میں پیش پیش تھے۔ ایک دن کفار کی مجلس گرم تھی۔ ہر ایک آنحضرتؐ کو شہید کر دینے کی ڈینگیں مار رہا تھا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بول اٹھے۔ ”اے گروہِ قریش سنو! میں وعدہ کرتا ہوں

کہ تھا اس فتنے کے بانی محمد (صلعم) کا سر قلم کر کے اپنی قوم کو اس مصیبت سے نجات دلاؤں گا۔ یہ سن کر ابو جہل کی باجھیں کھل گئیں۔ بولا۔ ”عمر اگر تم نے یہ ہم سر کر لی۔ تو ستوا اونٹ اور ہزار اوقیہ چاندی بطور نذر پیش کروں گا۔ حضرت عمر ایفا عہد کی غرض سے شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے آنحضرت کی تلاش میں نکلے۔ راستے میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ملے۔ پوچھا۔ ”عمر ایوں تیغ بکف کدھر جا رہے ہو۔“ بولے۔ ”محمد (صلعم) کو قتل کرنے کے لئے“ حضرت سعد نے کہا۔ ”پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی تو خبر لو۔ وہ دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں۔“ حضرت عمر یہ چبھتا ہوا فقرہ سنتے ہی غیظ و غضب میں بھرے بہن کے گھر کو روانہ ہوئے۔ فطرت مسکرا کر زبان سکوت سے گویا ہوئی۔ کہ عمر کے راستے کی یہ تبدیلی اس کی تقدیر کی تبدیلی ہے۔ بہن کے گھر پہنچتے ہی آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ بہنوئی سے گتھم گتھا ہو گئے۔ اور مار مار کر کچھ مز کال دیا۔ بہن چھڑانے آئی۔ تو اسے بھی زور کو بکیا۔ آخر بہن نے ہمت و جرات سے کہا۔ ”عمر! جو چاہو کرو۔ ہم تو مسلمان ہو چکے“ حضرت عمر نے کہا۔ ”اچھا مجھے وہ کلام تو سناؤ۔ جو تم دونوں ابھی پڑھ رہے تھے۔ اور میں نے گھر میں قدم رکھتے ہی تمہاری آواز سن لی تھی۔“ حضرت عمر نے جب قرآن کریم کی آیات سنیں۔ تو ان پر گویا جاؤ کر دیا گیا۔ وہ بت سے بن گئے۔ اور آنسو تھے کہ مسلسل آنکھوں سے بہ رہے تھے تھوڑی دیر کے بعد اسی طرح شمشیر بدست آنحضرت کی طرف چلے۔ لیکن اب اس شمشیر کا خم سر تسلیم کے خم کا ترجمان تھا۔ حضور اس وقت دارالارقم میں مقیم تھے۔ حضرت عمر نے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ صحابہ کرام اس حالت میں دروازہ کھولنے سے ہچکچائے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ ”ہچکچاہٹ کس لئے۔ دروازہ کھول دو۔“ حضرت امیر حمزہؓ بولے۔ ”ہاں ہاں اسے اندر آنے دو۔ نیک نیتی سے آیا ہے۔“ نبھا۔ دروازہ ایک ہی وار سے اسی کی شمشیر عریاں اس کے گلے میں حائل کر دی جائے گی۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ اور حضرت عمر اندر آئے۔ آنحضرت نے ان کا دامن جھٹک کر فرمایا۔ ”کہو عمر! کس لئے آئے ہو؟“ عرض کی۔ ”مسلمان ہونے کے لئے۔“ آنحضرت نے دفور شادمانی سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ساتھ ہی صحابہ کرام نے اس زور سے اللہ اکبر کے نعرے لگائے۔ کہ اس پاس کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ سبحان اللہ!

آسمان شجاعت کے درختاں ستاروں حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے دائرہ اسلام

میں داخل ہو جانے سے مسلمانوں کی قلبیں بے کس جماعت کو بڑی بھاری تقویت حاصل ہو گئی۔
حضرت عمرؓ نے کھلم کھلا اپنے مسلمان ہو جانے کا اعلان کیا۔ اور شمع رسالت کے پروانے جو چھپ
چھپ کر اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرتے تھے، اب کھلے بندوں حرم میں فریضہ نماز ادا
کرنے لگے۔

اب مشرکین مکہ نے مسلم آزاری کی رفتار تیز سے تیز تر کر دی۔ اور سرزمین
حرم میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے انہیں

جیشہ کی ہجرت

جیشہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ شہد بعثت میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا چھوٹا سا قافلہ
عازم جیشہ ہو گیا۔ کفار نے تعاقب کیا، مگر بے سود۔ جیشہ کا عیسائی حاکم نجاشی شریف النفس
اور بے تعصب تھا۔ مسلمانوں کو وہاں پہنچ کر قدرے سکون و اطمینان نصیب ہوا۔ اس پر مسلمان
یکے بعد دیگرے ہجرت کر کے جیشہ جانے لگے۔ قریش کو بھلا یہ کب گوارا تھا۔ چنانچہ انھوں نے تیغ
مظالم کو اور آب دے کر مسلمانوں پر زیادہ صبر آزما مصیبتوں کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے۔
اور عمر بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو تحفے دے کر جیشہ بھیج دیا۔ کفار کے ان سفیروں نے

نجاشی کے درباریوں کا دل مٹھی میں لے کر نجاشی سے استدعا کی۔ کہ ہمارے بعض غلاموں نے
برگشتہ ہو کر اپنا موروثی مذہب ترک اور نیا دین اختیار کیا ہے۔ اور وہ یہاں بھاگ
آئے ہیں۔ اس لئے انھیں ہمارے سپرد کیا جائے۔ نجاشی نے ان مہاجر مسلمانوں کو بلا کر پوچھا۔
تم نے کون سا نیا مذہب اختیار کیا ہے؟ اس پر حضرت جعفرؓ نے یوں تقریر شروع کی :-

”اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل اور بتوں کے پجاری تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ سیاہ
کار تھے۔ قطع رحم اور ہمسایوں سے بدسلوکی ہمارا دیرہ تھا۔“ جس کی لالٹھی اس کی
بھینس“ ہم نے اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ اس اثنا میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں سے
ایک ایسے شخص کو ہمارے لئے رسول بنا کر بھیجا جس کی صداقت، امانت، دیانت،
شرافت اور خاندان سے ہم لوگ بخوبی واقف ہیں۔ اس نے ہمیں بتوں کی پوجا سے
ہٹا کر خدائے واحد کا پرستار بنایا اور ہدایت کی، کہ سچ بولیں۔ امانت و دیانت سے
کام لیں۔ صلہ رحمی کریں۔ خون ریزی اور لوٹ مار سے باز آئیں۔ پاک دامن عورتوں

پر بہتان نہ لگائیں۔ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی پابندی کریں۔ ہم نے اس رسول پر ایمان لا کر اس کی اطاعت کی، اور تمام بڑے کام چھوڑ دئے۔ بس یہ وجہ ہے کہ ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی۔ اور ہمیں گونا گوں تکلیفیں پہنچائیں۔ ہم مجبوراً ہجرت کرنے یہاں آپ کی پناہ میں آگئے۔“

نجاشی نے ہمد تن گوش ہو کر یہ تقریر سنی۔ پھر بولا۔ ”ذرا وہ کلام ربانی تو سناؤ، جو تمہارے رسول پر نازل ہوا ہے۔“ حضرت جعفر نے کہیں کس کے شروع کی آیات سنائیں۔ جن سے نجاشی اور اس کے تمام درباری پیکر رقت بن گئے۔ نجاشی نے کہا:۔ ”واللہ اس میں اور عیسیٰ کے کلام میں ایک ہی رنگ ہے۔“ اب قریش کے سفیروں نے دوسرا رنگ بدلا۔ نجاشی سے کہنے لگے ”یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو بھی اچھا نہیں سمجھتے۔“ حضرت جعفر فوراً بول اٹھے۔ ”غلط ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ”حضرت عیسیٰ خدا کے بندے، اس کے رسول اور اس کی روح ہیں۔“ نجاشی نے کہا۔ ”تم سچ کہتے ہو۔ انجیل میں بھی یہی لکھا ہے۔“ نجاشی نے سفیران قریش کو کوا جواب دے دیا۔ اور ان کے تحفے واپس کر کے انھیں ناکام لوٹا دیا۔

کچھ عرصے کے بعد حبشہ میں رہنے والے ہاجرین نے قریش مکہ کے مسلمان ہو جانے کی خبر سنی۔ اور اسی بنا پر مکہ واپس چل دئے۔ پاس پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے۔ ہاجرین میں سے بعض نے تو حبشہ کی جانب مراجعت کی۔ اور اکثر مکہ میں داخل ہو کر کسی نہ کسی کی پناہ میں آگئے لیکن ان لوگوں نے اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر پھر حبشہ کا رخ کیا۔ اسے حبشہ کی دوسری ہجرت کہتے ہیں۔

شعب ابی طالب | جب قریش نے دیکھا کہ ان کی انتہائی تشدد آفرینیوں اور ظلم آرائیوں کے باوجود اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ آئے دن اس کا حلقہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ تو انھوں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کر کے فیصلہ کیا کہ اہم حجت کے طور پر پہلے ابو طالب سے کہا جائے۔ محمد کو ہمارے سپرد کر دیں۔ اگر وہ نہ مانیں، تو ان سے شادی بیاہ، میل ملاقات وغیرہ ہر قسم کے تعلقات توڑ کر مکمل معاشری مقاطعہ کر دیا جائے۔ قریش نے ایک عہد نامہ مرتب کر کے اس پر دستخط کئے اور اسے

پوری طرح بناہنے کے لئے قسمیں کھائیں۔

ابوطالب جو اپنے بھتیجے کے سچے عاشق تھے۔ یہ کڑی شرط کیونکر مان سکتے تھے۔ چنانچہ وہ مجبوراً سینے پر صبر کی سل رکھ کر اپنے تمام افراد خاندان کے ہمراہ مکہ کے نزدیک ایک گھائی میں جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور تھی۔ چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد رسد کا سامان ختم ہو گیا اور مسلمانوں پر مصیبت و عسرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ فاقوں پر فاقے انھوں نے سہے۔ درختوں کے پتے انھوں نے کھائے۔ سوکھا چمڑا بھون کر انھوں نے چبایا۔ مگر ان کے پائے استقامت میں سرموفرق نہ آیا۔ آخر بنی ہاشم کے بعض قریبی عزیزوں کی رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ اور انھوں نے اس قبیلے کی مظلومیت پر ترس کھا کر عہد نامہ چاک کر دیا۔ محصور و مصیبت زدہ مسلمانوں کی جان میں جان آئی۔۔۔ وہ پورے تین سال تک مصائب و حوادث کے آتشیں سمندر میں تیرنے کے بعد ساحل امن پر اترے۔ اور مکہ پہنچ کر اپنے اپنے گھروں میں قیام پذیر ہو گئے۔

اسی سال آنحضرتؐ کو معراج ہوئی۔ حضورؐ براق پر سوار ہو کر مسجد اقصیٰ معراج اور نماز تشریف لے گئے۔ وہاں سے آسمان کی طرف پرواز کر کے حضرت جبریلؑ کی وساطت سے تمام افلاک کی سیر فرمائی۔ بعض انبیاءؑ سے ملاقات کی۔ بہشت و دوزخ کا معائنہ کیا۔ اور مقام محمود میں پہنچ کر ذات باری تعالیٰ کے بے حجاب دیدار اور ہم کلامی کے یگانہ شرف سے بہرہ یاب ہوئے۔ اسی معراج کے دوران میں پانچ وقتوں کی نماز فرض ہوئی۔

شعب ابی طالب سے نکلے اور قدرے اطمینان ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کا سانس لئے ابھی تھوڑے دن گزرے تھے

کہ آنحضرتؐ کے محبوب چچا ابوطالب نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ یہی نہیں۔ بلکہ اس سے تقریباً دو مہینے بعد سلمہ نبویؓ میں آپ کی اخلاص کیش و جان نثار حرم محترم حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کا بھی انتقال ہو گیا۔ گویا ایک ہی سال میں حضورؐ کے دو مخلص محسن اور ظاہری سہارے دنیا سے اٹھ گئے۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کے بعد قریش اور بھی مختلف قبیلوں میں تبلیغ اسلام کھل کھیلنے اور زیادہ سے زیادہ بے باکی و شدت کے

ساتھ ایذا رسانی پر تل گئے۔ مکہ والوں سے مایوس ہو کر آنحضرتؐ زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے رؤسا کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن وہ سنگ دلی، سرکشی اور ظلم و ستم کا طوفان برپا کرنے میں اہل مکہ سے بھی چار قدم آگے نکلے۔ ان ظالموں نے لونڈوں اور بد معاشوں کو حضورؐ کے پیچھے لگا دیا۔ جو تالیاں بجاتے، بکواس کرتے، اینٹیں برساتے، ڈھیلوں اور پتھروں کی لگاتار بارش سے سارا جسم مبارک اور خصوصاً پنڈلیاں لہو لہان ہو گئیں۔ اسی حالت میں آپ نے مایوس ہو کر مکہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ وہاں معطم بن عدی نے آنحضرتؐ کو اپنی ضمانت اور پناہ میں لے لیا۔ آپ کی ہمت بڑھ گئی، اور آپ نے مکہ کے قرب و جوار میں رہنے والے مختلف قبیلوں میں جا کر مشرکوں کو توحید کا پیغام سنایا۔ بنی کندہ، بنی عبداللہ اور بنی حنیفہ کی قیام گاہوں میں بھی تشریف لے گئے۔ لیکن موخر الذکر قبیلے کے ظالم افراد عرب بھر میں سب سے بڑی طرح آپ کے ساتھ پیش آئے۔ باہر سے آنے والے مسافروں اور حج کے دنوں میں مختلف ممالک کے قافلوں کی اقامت گاہوں پر جا کر آپ نے اسلام پیش کیا۔ بنی عامر، بنی محارب، بنی شیبان، بنی کلب، مرہ، فزارہ، ذہل، غسان، عذرہ، سلیم، حارث، عبید وغیرہ قبائل میں بھی حضورؐ نے تبلیغ اسلام فرمائی۔ ابو جہل اور ابولہب ہر جگہ آپ کے ساتھ ساتھ لگے پھرتے۔ اور لوگوں کو آپ سے بدگمان کرتے ہوئے آپ کی باتیں سننے سے منع کرتے تھے۔ ان حالات میں ایک روز آنحضرتؐ رات کے وقت مکہ سے کچھ فاصلے پر عقبہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک جگہ چند آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ پاس گئے تو چھ آدمی تھے۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ قبیلہ خزرج کے آدمی ہیں، جو مدینہ حج کرنے آئے ہیں۔ آپ نے انھیں پیغام حق سنا کر قرآن عزیز کی آیات تلاوت فرمائیں۔ وہ لوگ مسحور ہو کر نہایت حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اور اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ اس واقعے سے اسلام کی تاریخ کا نیا باب شروع ہوتا ہے۔ یہ سعید الفطرت مومنین ہیں سے مدینہ واپس چلے گئے۔ اور وہاں پہنچتے ہی دعوت و تبلیغ شروع کر دی۔ جس سے تھوڑے ہی دنوں میں مدینہ کے در و دیوار سے اسلام کی نورانی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکلنے لگیں۔

عقبہ کی پہلی اور دوسری بیعت | ۱۲ نبویؐ میں بھی حالات رو بہ اصلاح نہ ہوئے۔

قریش کی دشمنی حسب سابق زوروں پر تھی۔ آنحضرتؐ کو ان چھ مخلص نو مسلموں کا بہت زیادہ خیال تھا۔ جنہوں نے مدینہ میں تبلیغ اسلام کا کام شروع کر رکھا تھا۔ اسی فکر و خیال کی حالت میں حج کا ہینہ آگیا۔ اور آپ ایک روز عقبہ جا کر مدینہ کے قافلے پر نظریں دوڑانے لگے۔ اتفاق سے وہی نو مسلم نظر آ گئے۔ انہوں نے بھی آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ اور فرطِ محبت و عقیدت سے آگے بڑھ کر دست بوس ہوئے۔ اب کے یہ بارہ آدمی تھے۔ اور اوس و خزرج دونوں قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے ان بارہ اصحاب نے آنحضرتؐ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اسے عقبہ کی پہلی بیعت کہتے ہیں۔ حضورؐ نے ان حضرات کی درخواست پر مصعب بن عمیرؓ کو مبلغ کے طور پر ان کے ساتھ کر دیا۔

مصعبؓ مدینہ پہنچے تو وہاں کے رئیس سعد بن زرارہ کے یہاں قیام کیا۔ پھر اسی جگہ کو تبلیغ اسلام کا مرکز بنا کر مدینہ کے کوچہ و برزن کو اسلام کے نور سے لبریز کر دیا اور ینِ خلون فی دین اللہ افواج کا فروں نگاہ منظر سامنے آگیا۔

سالہ نبویؐ کے ذی الحجہ میں مصعب بن عمیرؓ بہتر مردوں اور دو عورتوں کا قافلے کر عازم مکہ ہوئے۔ آنحضرتؐ اس قافلے کے ورود مکہ کی خبر پا کر حضرت عباسؓ کو جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے، ساتھ لئے وادی عقبہ میں تشریف لے گئے۔ اس قافلے میں بعض غیر مسلم بھی تھے جو اسلام کو اچھا سمجھ کر مسلمانوں کو ہم روی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت عباسؓ اور آنحضرتؐ نے تقریریں فرمائیں۔ اور سارے کا سارا قافلہ بیعت کی سعادت سے مشرف ہوا۔ یہ عقبہ کی دوسری بیعت کہلاتی ہے۔



ابونعیم عبدالمحکم خان شہرہ جالندھری
 مسدّد صاحب حمید

تیسرا باب

مدینہ کی طرف ہجرت | اس بیعت کے بعد قریش نے مسلمانوں پر ستم آرائیوں کا شکنجہ اوکس

دیا۔ یہاں تک کہ ان پر عرصہ حیات تنگ کر کے مکہ میں ان کا قیام
 غیر ممکن بنا دیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔
 چنانچہ مسلمان رفتہ رفتہ مکہ سے نکل کر کثیر تعداد میں مدینہ پہنچ گئے۔ اور آنحضرتؐ، حضرت ابو بکر
 صدیقؓ اور حضرت علیؓ یا چند غریب و کمزور مسلمان باقی رہ گئے۔ قریش یہ سب کچھ دیکھتے اور
 وانت پھیس پھیس کر رہ جاتے تھے۔ ان حالات سے ان کی چھاتی پر سانپ لوٹ گیا۔ اور وہ رات
 دن اسی فکر میں رہنے لگے کہ کسی نہ کسی طرح اس نئے دین کے داعی ہی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ رہے
 بانس نہ بچے بانسری۔ چنانچہ اس اہم امر کا فیصلہ کرنے کے لئے قریش کے چیدہ چیدہ سرداروں نے
 دارالندوہ میں مجلس مشاورت منعقد کی۔ اس چڑیا گھر میں بڑے بڑے جنگجوؤں نے بھانت بھانت
 کی بولیاں بولنی شروع کیں۔ کسی نے کہا۔ محمدؐ کو پابجو لان کر کے ایک کمرے میں بند کر دو۔ کوئی بولا
 بھیس ہمیشہ کے لئے دس نکالادے دو۔ آخر ابو جہل کی طرف سے پیش کی ہوئی یہ قرارداد بالاتفاق
 منظور کی گئی، کہ ہر قبیلے سے ایک ایک بہادر چن لیا جائے۔ اور ایک بارگی ہر طرف سے محمدؐ کو
 حلقے میں نئے کرتلواریوں کا مینہ برساتے ہوئے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ اس تجویز کو لباسِ غسل
 پہنانے کے لئے کافی رات گزر جانے کے بعد کفار نے آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اور
 آپ کے باہر تشریف لانے کا استنظار کرنے لگے۔

ادھر ملیم حقیقی نے وحی کے ذریعے سے آنحضرتؐ کو قریش کی سازش سے آگاہ کر کے ہجرت کا
 حکم نازل فرمایا۔ آپ نے حضرت علیؓ کو بلا کر اہل مکہ کی تمام اہلیوں کے سپرد کیں۔ اور قرآنِ الہی
 کے مطابق فرمایا۔ میں مدینہ جا رہا ہوں۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اور طرح کر سو رہنا، اور میرے

ہی ہر امانت اس کے مالک کے حوالے کر کے تم بھی مدینہ چلے آنا۔ رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں آنحضرتؐ گھر سے نکلے۔ منٹھی بھر خاک لے کر اس پر دم کیا۔ اور کفار کی طرف پھینک دی۔ اس طرح آپؐ شمنوں کی آنکھوں میں مٹی ڈالتے ہوئے بے خوف ہو کر صاف نکل گئے۔ پہلے حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ان کے دیدہ و دل انتظار یار میں فرش راہ تھے۔ اسی وقت دونوں عازم سفر ہوئے۔ اور مکہ سے تین چار میل دور غار ثور میں جا کر چھپ رہے تین دن تک وہاں قیام فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ کا غلام روزانہ بکری کا دودھ لے آتا۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ دن بھر کفار مکہ کی نقل و حرکت دیکھتے رہتے۔ اور رات کو اگر تمام حالات بتا دیتے۔ ان کی صاحبزادے حضرت اسماءؓ کھانا تیار کر کے پہنچا جاتیں۔

ادھر کفار کی آنکھیں کھلیں، تو انہوں نے حضرت علیؓ پر آنحضرتؐ کا گمان کیا۔ اور بتیابی سے انتظار کرنے لگے کہ آپؐ کب باہر تشریف لاتے ہیں۔ جب حضرت علیؓ سو کر اٹھے، اور فجر کی نماز کے لئے باہر نکلے، تو کفار حیران و پریشان ہوئے، اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ کر چھوڑ دیا۔ پھر آنحضرتؐ کی تلاش میں تنگ و دو کرنے لگے۔ آخر ناکام و ناامید ہو کر اعلان کر دیا کہ جو شخص مجھ کو گرفتار کر کے لائے گا، اسے سواونٹ دئے جائیں گے۔ انعام کے لالچ میں بہت سے لوگ آپؐ کو ڈھونڈنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ آخر سراغ لیتے ہوئے غار ثور کے باطل پاس ہی پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اندر سے ان لوگوں کے پاؤں دیکھے اور آوازیں سنیں، تو ٹھہر کر بولے حضور! کفار تو یہاں بھی آ پہنچے۔ فرمایا۔ "مطلق نہ ڈرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" غرض کفار بائوس ہو کر واپس چلے گئے۔ اور آنحضرتؐ نے اطمینان سے عبداللہ بن اریقظ کو جو غیر مسلم ہونے کے باوجود ایک قابل اعتماد شخص تھا اور جسے دلیل راہ مقرر کر کے دو اونٹنیاں تیار رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اطلاع دے دی کہ اونٹنیاں لے کر دامن ثور میں پہنچ جاؤ۔ اس نے تعمیل ارشاد کی اور دونوں یار غار وہاں سے نکلے۔ القسموا اونٹنی پر آنحضرتؐ۔ دوسری اونٹنی پر حضرت ابو بکر صدیقؓ مع خادم عامر کے اور اونٹ پر عبداللہ بن اریقظ سوار ہوا۔ اور چار آدمیوں کا یہ چھوٹا سا قافلہ ایک غیر معروف راستے سے عازم مدینہ ہوا۔ آنحضرتؐ نے اونٹنی پر سوار ہوتے ہی مکہ کی جانب ایک حسرت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے فرمایا۔ مکہ! تو مجھے دنیا کے تمام شہروں سے پیارا ہے۔

لیکن تیرے باشندے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔ قریش کا ایک نامور بہادر سراقہ کسی شخص کے پتہ بتانے پر انعام کی طمع میں ہتھیار سجا کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور بتائے ہوئے راستے پر گھوڑا سرپٹ دوڑا کر ہوا ہو گیا۔ قریب پہنچ کر سراقہ کے گھوڑے نے لگاتار ٹھوکریں کھائیں۔ اور سراقہ ہر دفعہ زمین پر آ رہا۔ آخری مرتبہ تو گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ ڈر گیا کہ یہ تو بات ہی کچھ اور ہے۔ چنانچہ وہ گرفتاری کا خیال چھوڑ کر آنحضرت کی خدمت میں پہنچا اور معذرت طلب کرتے ہوئے امان نامہ عنایت فرمانے کی درخواست کی۔ آنحضرت نے عامر سے ایک تحریر لکھوا کر اسے دے دی۔ اور تیزی سے قطع مسافت کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ آٹھ دن کی مسلسل جاہدہ پیمائی کے بعد وہ نوردوان محبت کے میر کارواں آنحضرت مدینہ سے دو میل ادھر قبا کے قریب پہنچے۔ اہل مدینہ بیتابی سے حضور کے منتظر تھے۔ ہر روز صبح شہر سے باہر آ کر انتظار کرتے اور دوپہر تک راستہ دیکھنے کے بعد لوٹ جاتے۔ ایک دن اسی طرح انتظار کر کے واپس جا چکے تھے۔ کہ ایک یہودی جو اتفاقاً اس وقت اپنے مکان کی چھت پر چڑھا ہوا تھا بلند آواز سے بولا۔ عرب والو! جس کے انتظار میں تم بے چین تھے، وہ آپہنچا۔ یہ سننے ہی قبا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور تکبیر کے فلک پیمانوں سے فضائے آسمانی گونج اٹھی۔ آنحضرت نے قبا میں پہلی منزل کی اور کلثوم بن ہدم کو میزبانی کا فخر بخشا۔ انصاری گروہ درگروہ خدمت نبوی میں حاضر ہونے لگے۔ دو ہفتے تک آپ یہاں مقیم رہے۔ اور ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ تاریخ اسلام میں اس مسجد کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔

فوج قبیلہ بنی نضیر نے حضور کا دیوار کیا۔

یائے ماش ہم حج ان میں شامل ہوئے۔ کاتبین رسول اللہ

اس کے بعد آنحضرت عزم فرمانے مدینہ ہوئے۔ بنی سالم کے محلے میں مدینہ میں داخلہ جمعہ کی نماز ادا فرمائی۔ خیر مقدم کے لئے مدینہ کا شہر امنڈ آیا تھا۔ انصاریوں کے قبائل ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ جب کوکبہ رسالت وارد مدینہ ہوا تو شہر بھر میں مسرت و انبساط کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ عورتیں چھتوں پر چڑھ کر خوشی کے گیت گانے اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں دف بجا بجا کر استقبال کا ترانہ لاپنے لگیں۔ ہر قبیلہ حضور کا شرف میزبانی حاصل کرنے کے لئے بیقرار تھا۔ کہ ناقد نبوی حکم الہی کے مطابق خود بخود حضرت ابویوب انصاری

کے مکان کے پاس پہنچ کر ٹھہر گیا۔ آنحضرتؐ ناتے سے اترے۔ اور اسی مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ سات مہینے تک آپؐ یہیں اقامت فرما رہے۔ اسی وقت سے سن ہجری شروع ہوتا ہے۔

مسجد کی تعمیر آنحضرتؐ کی قیام گاہ کے پاس دو یتیم لڑکوں کی غیر آباد اکتادہ زمین تھی۔ لڑکوں کے رشتہ دار و سرورست معاد بن عفرار نے حضورؐ کا ارادہ معلوم کر کے مسجد کے لئے یہ زمین بے قیمت مندر کرنی چاہی۔ مگر آپؐ نے اصرار سے قیمت ادا فرما کر صحابہؓ کی معیت میں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی۔ جس کی دیواریں گارے سے۔ ستون کھجور کے تنوں سے۔ اور چھت کھجور کی لکڑی اور پتوں سے تیار کی گئی۔ پاس ہی غریب مسلمانوں کے رہنے کے لئے صفحہ کے نام سے ایک چبوترہ بنایا گیا۔ بعد میں ازواج مطہرات کے لئے حجرے تعمیر کئے گئے۔ مسجد کی تکمیل کے بعد باجماعت نماز کا اہتمام کیا گیا۔ اور حضرت عمرؓ کی تجویز کے مطابق اذان کے طریق پر عمل ہونے لگا۔

مہاجرین اور انصار میں بھائی چارا مدینہ میں وارد ہو کر آنحضرتؐ نے سب سے پہلے اس امر اہم کی طرف عنان توجہ منعطف فرمائی کہ شہر میں امن و امان قائم کر کے باشندوں کے درمیان محبت و اخوت کے تعلقات استوار کئے جائیں۔ ایک طرف تو آپؐ کو یہ خیال تھا کہ مہاجرین اہل مدینہ کے لئے ناقابل برداشت بوجھ ثابت نہ ہوں۔ دوسری طرف یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ مہاجرین نے محض دین قیوم کی خاطر گھر بار، رشتہ دار اور مال و دولت چھوڑ کر مدینہ کو اپنا مسکن بنایا ہے۔ کہیں ان کی دل شکنی نہ ہو لہذا آپؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کر کے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ یہ دینی بھائی چارا حقیقی بھائی چارے سے بڑھ گیا۔ انصار نے مہاجر بھائیوں کے باب میں ایسے خلوص ایسے ایثار اور ایسی مہمان نوازی کا ثبوت دیا کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انھوں نے مہاجرین کو اپنی ہر چیز اور ہر کام میں برابر کا شریک بنالیا۔ یہاں تک کہ بعض انصار نے جن کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کے عقد میں دے دی۔ مہاجرین بھی انصار کے لئے

بار خاطر ثابت نہ ہوئے۔ بلکہ انھوں نے محنت مزدوری اور کانداری اور تجارت شروع کر دی اور اپنا پار معاش آپ اٹھانے لگے۔

آنحضرتؐ کو یہود مدینہ کی طرف سے خطرات تھے۔ کیونکہ انصار کے مقابلے میں وہ نمایاں حیثیت اور اثر و اقتدار کے مالک تھے۔ اس لئے آپ نے ان سے ایک معاہدہ کر لیا۔ جس کی اہم شرائط یہ تھیں کہ فریقین تیسرے فریق کے ساتھ جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اور صلح میں بھی یکساں شریک ہوں گے۔ البتہ مذہبی جنگ پر اس شرط کا اطلاق نہ ہوگا۔ قصاص اور فدیہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ یہودی قریش مکہ کو مسلمانوں کے خلاف امان نہ دیں گے۔ مدینہ کے اندر قتل و خون حرام ہوگا۔

اسی سال یعنی ۳ھ میں حضرت سلمان فارسیؓ نے اسلام قبول کیا۔ اور زکوٰۃ فرض قرار دی گئی۔

حصہ ۵۶، صفحہ ۵۶

اب تک مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کے قبلہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ لیکن اسلام جیسے عالی شان مذہب کے لئے ایک خاص و ماہر الامتیاز قبلے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایک سال چار مہینے کے بعد شعبان ۳ھ میں حکم الہی کے مطابق کعبہ ابراہیمی ملت خلیلی کا قبلہ قرار پایا۔ اور رمضان کے روزے فرض کر دئے گئے۔

Contents غزوات

کفار مکہ کی مخالفت

مکہ میں کفار کی ناکامی ان کے سمندر انتقام کے لئے تازیانہ بن گئی۔

چنانچہ وہ دن رات اسی ادھیڑ بڑن میں رہنے لگے۔ کہ کس طرح آنحضرتؐ

اور مسلمانوں کو قتل و تباہ کیا جائے۔ ادھر حضورؐ بھی اس متوقع خطرے کو پوری طرح محسوس فرما چکے

تھے۔ اس دوران میں مکہ کے ایک رئیس کرز بن جبابر نے مدینہ کی چراگاہ پر دھاوا کر کے بہت سے

اُونٹ ٹوٹ لئے۔ علاوہ بریں کفار مکہ نے خفیہ طور پر عبداللہ بن ابی اور یہود مدینہ سے خط و کتابت

کر کے انھیں مسلمانوں کے خون کا پیاسا بنا دیا تھا۔

غزوہ بدر | قریش نے جنگ کی تیاری مکمل کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے باگ اٹھائی۔ ابو جہل

①

ایک ہزار جانبار بہادروں کی زبردست فوج لے کر جس میں سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے بڑے کروفر کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔ آنحضرتؐ کو اطلاع ہوئی۔ تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو طلب فرما کر ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ ہاجرین اور انصار دونوں نے پرجوش اور پرجوشانہ جذبات سے لبریز تقریریں کیں۔ انصار کے نمائندہ حضرت سعد بن معاذؓ نے تو یہاں تک کہ دیا کہ ان کفار کی تو ہستی ہی کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر آپؐ حکم دیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ جب حضورؐ کو پورا اطمینان ہو گیا۔ تو رمضان ۲ میں تین سو تیرہ مجاہدین کی کھلی بھر جماعت کو لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مقام بدر پر آئے تو معلوم ہوا کہ کفار پہلے ہی پہنچ کر مناسب جگہوں پر قابض ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں نے ایک چشمے کے قریب ڈیرے ڈالے صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے لئے ایک مختصر سی جھونپڑی بنا دی۔ آپؐ رات بھر عبادت کرتے اور دعائیں مانگتے رہے۔ صبح کو فوج کی ترتیب درست کر کے بارگاہ ایزدی میں التجا کی۔ "اے خدا اپنا وعدہ پورا کر۔ اگر آج تیرے یہ چند مخلص و جاں نثار بندے فاتحانہ طریق پر زندہ و سلامت نہ رہے۔ تو پھر قیامت تک تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔"

۱۴ رمضان المبارک ۲ کو لڑائی کا میدان گرم ہوا۔ رسم عرب کے مطابق کفار کی فوج میں سے عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں نکلے۔ اور مقابلے کے لئے اسلامی لشکر سے تین شخص طلب کئے چنانچہ انصار کے تین بہادر عوف، معوذ اور عبد اللہ آگے بڑھے۔ عتبہ نے ان سے نام وغیرہ پوچھ کر آنحضرتؐ سے کہا۔ ہمارے مقابلے کے لئے قریش میں سے ہاجرین کو بھیجو۔ اس پر حضرت حمزہؓ، حضرت عبیدہؓ اور حضرت علیؓ مقابلے کو نکلے۔ جنگ آزمائی ہونے لگی۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے اپنے حریفوں کو ایک ہی وار میں ختم کر دیا۔ شیبہ کے مقابلے میں حضرت عبیدہؓ بھروسہ ہوئے۔ لیکن حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد عام جنگ ہونے لگی۔ دونوں طرف سے خوب خوب بہادری کے جوہر دکھائے گئے۔ لیکن آخر کفار نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی۔ اور مسلمانوں نے غلیم فتح بلند کیا۔ کفار کے ستر آدمی مقتول اور نوے اسیر ہوئے اور مسلمانوں میں سے صرف چودہ صحابہؓ نے جام شہادت نوش کیا۔ جن میں چھ ہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ نے ابو جہل کا سر کاٹ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ

نے خدا اور رسولؐ کے اس سب سے بڑے دشمن کا سر دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اللہ اکبر

مدینہ پہنچنے پر آنحضرتؐ نے امیران جنگ کفار کو صحابہ میں تقسیم کر کے

قیدیوں سے سلوک

حکم صادر فرمایا کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ اس پر

صحابہؓ نے پوری طرح عمل کیا۔ خود کھجوریں کھائیں اور قیدیوں کو کھانا کھلایا۔ ضرورت مندوں کو

کپڑے بھی دئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے مسجد نبویؐ میں ایروں کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ کیا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے رائے دی۔ کہ قیدیوں کی گردن مار دی جائے۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ

نے اس رائے کا اظہار کیا۔ کہ فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ مسلمانوں کو کچھ مالی فائدہ

پہنچے اور ان کے جنگی ساز و سامان میں اضافہ ہو سکے۔ ممکن ہے کہ سعید الفطرت قیدیوں کو قبول

اسلام کا شرف حاصل ہو جائے۔ اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد بڑھ جائے۔ آنحضرتؐ نے

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے سے اتفاق فرمایا۔ اور فدیہ لے کر سب قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ جو

قیدی زر فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے۔ لیکن لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ انھیں حکم دیا گیا کہ دس دس بچوں

کو لکھنا پڑھنا سکھا دو۔ تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔

اسی رمضان المبارک کے اواخر میں صدق فطر واجب ہوا۔ عید الفطر و عید اللہ بضحیٰ کی نمازیں

اور قربانی مقرر ہوئی۔ آنحضرتؐ نے اپنی چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح سو اسٹوریوں

کی زرہ کے مہر پر حضرت علیؓ سے اور دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا عقد حضرت

عثمانؓ سے کیا۔ حضرت فاطمہؓ کا چیز ایک چارپائی، ایک چمڑے کے گدے، ایک چھاگل،

دو چکیوں اور دو مٹی کے گھڑوں پر مشتمل تھا۔

(۵)

غزوہ بدر میں قریش کے متعدد بڑے بڑے رئیس موت کے گھاٹ

غزوہ سویق

اتارے گئے تھے۔ اس لئے ان کے دلوں میں انتقام کی آگ پورے

زور سے بھڑک اٹھی۔ چنانچہ اس جنگ سے دو مہینے بعد ابوسفیان جو قریش کی مندریاست

پر متمکن تھا۔ دو سو سواروں کا دستہ لے چھپ چھپا کر مدینہ پہنچا۔ اور سلام یہودی سے وہاں

کے پوشیدہ راز معلوم کرنے کے بعد عمر بیض پر حملہ کر کے حضرت سعید بن عمرو انصاری اور

ان کے ایک حلیف کو شہید کر دیا۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو مسلمانوں کو ہمراہ لے کر اس کے

تعاقب میں نکلے۔ مگر ابوسفیان مع سواروں کے بھاگ چکا تھا۔ کفار بھاگتے ہوئے ستوؤں کے تھیلے رستے میں پھینکتے گئے۔ سلمان تھوڑی دُور تک تعاقب کرنے کے بعد لوٹ آئے۔ ستوؤں کو عربی میں سوئق کہتے ہیں۔ اس لئے یہ واقعہ غزوہ سوئق کے نام سے مشہور ہوا۔

(3) کفار کی آتش انتقام ابھی فروز ہوئی تھی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ کے باپ اور غزوہ احد

بھائی کو بدر کے میدان کارزار میں خاک و خون میں تڑپا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے شوہر کو غیرت دلائی۔ اس طرز جن لوگوں کے قرابت دار رزم گاہ بدر میں داخل جہنم ہو گئے تھے۔ انھوں نے ابوسفیان کے جذبات مشتعل کرنے میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔ اس پر ابوسفیان آگ بگولا ہو گیا۔ اور نہایت زور شور سے جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ قریش کو پورا سال لڑائی کی زبردست تیاریوں میں صرف کر دیا۔ اور مدینہ کے یہودی اور منافق بھی ان کی پشت پناہ بن گئے۔ چنانچہ کفار کے سپہ سالار اعظم ابوسفیان کی سرکردگی میں تین ہزار جنگ جو بہادروں کا لشکر

جرار مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ آنحضرت کو خبر ہوئی۔ تو صحابہ کرام کی ایک مجلس مشاورت طلب فرمائی۔ اکثر مجاہدین اور انصار نے بالاتفاق اس رائے کا اظہار کیا۔ کہ شہر کے اندر ہی رہ کر مدافعت کی جائے۔ لیکن پُر جوش نوجوان کہتے تھے کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ اس پر حضور ایک ہزار کی فوج کو لے کر مدینہ سے نکلے۔ تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ رئیس المنافقین

عبداللہ بن ابی اہبہ سواد میوں کو لے کر واپس چلا آیا۔ اور عذر لنگ یہ تراشا، کہ ہماری رائے پر عمل نہیں کیا گیا۔ غرض آنحضرت سات سو کی اس مٹھی بھر جمعیت مجاہدین کو ہمراہ لے کر

غروب آفتاب سے کچھ پہلے جبل احد کے دامن میں پہنچ گئے۔ کفار کی فوج بھی وہاں ڈیرے ڈالنے پڑی تھی۔ حضور نے پہاڑی کو پس پشت رکھ کر صف آرائی کی۔ رات طرفین نے خاموشی سے بسر کی۔ اگلے روز ارشوال سلمہ کو قلعہ جنگ میں طوفان برپا ہوا۔ پہلے کفار کی طرف سے

ابوعامر میدان میں آیا۔ اور بولا۔ ”مدینہ والو! مجھے پہچانتے ہو؟ انصار نے جواب میں کہا۔ ”بھکار! ہم تمہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں“ اس کے بعد قریش کا علم بردار طلحہ آگے بڑھ کر طنز یہ پکارا کیا کوئی ایسا شخص ہے جو مجھے دوزخ میں بھیج دے۔ یا میں اسے بہشت میں پہنچا دوں؟ حضرت علیؑ نے ایک ہی وار سے اسے جہنم داخل کر دیا۔ اس پر دونوں طرف سے تلواروں کی بجلیاں کوہنے لگیں۔

اور خدنگ سان کا مینہ برسنے لگا حضرت علیؓ اور حضرت ابو جہل نے ایسے ایسے بہاؤ مارے کارنا
انجام دئے، کہ مشرکین کے چھلکے چھوٹ گئے۔ اور ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ حضرت
حمزہؓ ہر طرف وار کرتے اور کفار کی صفوں کو اٹے پلٹے ہوئے دور تک نکل گئے۔ کہ وحشی نامی
ایک غلام نے چھپ کر آپ پر نیزے کا وار کر کے شہید کر دیا۔ مشرکین کے بارہ علم بردار ایک دوپٹے
کے بعد دونوں کا ایندھن بنائے گئے۔ آخری علم بردار صواب کے مقتول ہونے پر کسی کو جھنڈا
اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور کفار کے قدم کچھ اس طرح اکھڑے کہ پھر نہ جم سکے۔ مشرکوں کو
سر پر پاؤں رکھ کر بھلگتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں نے فتح کے جوش میں ٹوٹ مار شروع کر دی۔
یہاں تک کہ تیراندازوں کا دوستہ بھی جسے آنحضرتؐ نے پہاڑ کے پیچھے گھائی کی حفاظت کے
لئے متعین فرما کر حکم دیا تھا۔ کہ دو سرا حکم ملنے تک یہ جگہ نہ چھوڑنا۔ دشمن کے فرار کا نظارہ کرنے
اور تعاقب میں شریک ہونے کے لئے اپنے مقررہ مقام سے ہٹ گیا۔ خالد بن ولید نے
موقع پاتے ہی سو سواروں کا دستہ لے کر پشت سے حملہ کر دیا۔ ادھر سے عکرمہ بن ابو جہل نے
بھی دھاوا بول دیا۔ ابوسفیان بھی اپنے بھگوڑے ساتھیوں کو جمع کر کے لوٹا۔ اس طرح کفار کی
یاس آس میں بدل گئی۔ ٹوٹی ہوئی ہمت بندھ گئی۔ اور وہ نئے نئے ولولے اور نئے جوش سے
حملہ آور ہوئے۔ مسلمان اچانک حملوں کے اس بڑھتے ہوئے طوفان کی تاب نہ لاسکے اور جنگ کا
پانسہ پلٹ گیا۔ مسلمان مزاحمت اور پریشانی کی حالت میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ اور کفار نے
ہر طرف سے انھیں گھیر لیا۔ تیروں اور تلواروں کی بارش ہونے لگی۔ گھسان کارن پڑا۔ آنحضرتؐ
بھی چند صحابہؓ کے ساتھ دشمنوں میں گھر گئے۔ رسالت کا چاند صرف بارہ ستاروں کے جھرمٹ
میں چمک رہا تھا۔ پروانے توحید کی شمع کے گرد طواف کرنے لگے۔ اتنے میں ابن قیسہ نے
مسلمانوں کے علم بردار حضرت مصعبؓ بن عمیر پر جو کسی قدر حضورؐ کے ہم شکل تھے۔ حملہ کر کے
انھیں شہید کر دیا۔ کفار میں انواہ پھیل گئی۔ کہ محمد رسول اللہ صلعم شہید ہو گئے۔ مشرکین یہ خبر
سن کر خوشی سے جلے ہیں پھولے نہ سمائے۔ اور جوش مسرت سے اچھلنے کودنے اور ناچنے لگے
مسلمانوں کے اٹھوں کے طوطے اڑ گئے۔ جس کسی نے سنا اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔ حضرت عمرؓ
انتہائی شکستہ دلی کے عالم میں تلوار ہاتھ سے پھینک کر بولے۔ "اب لڑ کر کیا کریں گے۔" ابن نضرؓ

اس جس میں ابو جہل نے حملہ کیا۔

انصاری نے جواب دیا۔ "اب جی کر کیا کریں گے۔" اور کفار پر وار کرتے ہوئے عروس شہادت سے ہم آغوش ہو گئے۔ اس دوران میں اچانک کعب بن مالکؓ نے حضورؐ کو دیکھا اور اچھی طرح پہچان کر پکار اُٹھے۔ مسلمانوں! مبارک ہو۔ رسول اللہ صلیم زندہ و سلامت ہیں۔ یہ نوبہ روح افزا سن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی۔ سوکھے دھانوں پانی پڑا۔ ٹوٹے ہوئے دل جڑ گئے۔ اور عاشقانِ رسولؐ پر واہ وارجان تثار کرنے کے لئے حضورؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ اب کفار نے بھی حملوں کی رفتار تیز سے تیز تر کر دی۔ اور پورے زور سے آنحضرتؐ پر ٹوٹ پڑے۔ حضورؐ کے شیدائیوں نے آپؐ کو حلقے میں لے لیا۔ اور ٹوٹ کر مقابلہ کرنے کے لئے بنیانِ مرصوص بن کر کھڑے ہو گئے۔ چراغِ رسالت کے کتنے ہی پروانے ایک ایک کر کے قربان ہو گئے۔ حضرت ابو جہلؓ پشتِ کفار کی طرف اور منہ آنحضرتؐ کی جانب کر کے کھڑے ہو گئے اور تیروں کی بے پناہ بارش کو پیٹھ پر روکتے رہے۔ حضرت طلحہؓ نے قریش کی تلواروں کے وار ہاتھ کو ڈھال بنا کر روکے۔ مشرکین کا ریلہ تھمنے ہی میں نہ آتا تھا۔ کہ یکایک ابنِ تمیہ نے بڑھ کر آنحضرتؐ پر تلوار کا وار کیا۔ خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں گڑ گئیں۔ کچھ دیر کے بعد کشت و خون کا بازار ذرا سرد ہوا۔ تو حضورؐ صحابہ کرامؓ کی ایک مختصر جماعت کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان ایک اُدبھی جگہ چڑھ کر پکارا۔ کیا محمد (صلعم) یہاں ہیں؟ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو جواب دینے سے روک دیا۔ پھر ابوسفیان نے باری باری حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کو آواز دی۔ جب کوئی نہ بولا۔ تو خوشی سے اس کی باچھیں کھل گئیں اور جوشِ مسرت سے بولا۔ سب قتل ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو تاب ضبط نہ رہی۔ بلند آواز سے بولے۔ او دشمنِ خدا ہم سب زندہ ہیں۔ اور تو ذلیل ہو گا۔ یہ سن کر ابوسفیان نے ہیل کی جے کا نعرہ لگایا۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کے ایما سے جواب میں کہا۔ اللہ بزرگ اور برتر ہے۔ ابوسفیان بولا۔ عزتی بنت ہمارا ہے۔ تمہارا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ اللہ ہمارا والی ہے۔ تمہارا والی نہیں۔ اس کے بعد قریش شکستہ دل ہو کر لوٹ گئے۔

اس جنگ میں ۶۵ انصار اور ہم مہاجرین شہید ہوئے۔ کفار نے مقتولین بدر کے جوشِ انتقام میں بعض شہداء کی لاشوں کے ناک کان وغیرہ کاٹ دئے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے

حضرت حمزہؓ کی لاش کی سخت بے حرمتی کی۔ اور ان کا جگر کاٹ کر چبا گئی۔ **بزدق عورت**
 اس کے بعد مسلمان مدینہ واپس آ گئے۔ ہر گھر میں سوگ اور ماتم سے ایک قیامت برپا تھی۔
 آنحضرتؐ کو اپنے چچا حضرت حمزہؓ یاد آتے اور آپ کا جی بھرا آتا۔
 اسی سال حضرت حسنؓ ابن حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔ آئین وراثت نازل ہوا۔ اور قرار پایا کہ
 مشرک عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز نہیں۔

مختلف لڑائیاں | محرم ۳۲ھ میں قطن کے رہنے والے قبیلہ بنی اسد نے طلحہ اور سلمہ
 کی سرکردگی میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ آنحضرتؐ نے بیڑے
 سو غازیوں کا ایک دستہ ابو سلمہ کی کمان میں مقابلے کے لئے روانہ فرمایا۔ لیکن دشمن بھاگ گیا۔
 چند دن کے بعد سفیان بن خالد ہذلی کو بھی مدینہ پر حملے کا شوق چڑایا۔ حضورؐ نے اس کی گوشمالی
 کے لئے عبداللہ بن انیسؓ کو بھیجا۔ انھوں نے سفیان کا سر کاٹ کر آنحضرتؐ کے قدموں میں
 ڈال دیا۔

صفر ۳۲ھ میں ابو براء سردار بنی کلاب نے اپنی قوم میں تبلیغ اسلام کے لئے کچھ آدمی
 بھیجنے کے متعلق آنحضرتؐ سے درخواست کی۔ آپ نے ستر آدمی روانہ فرمائے۔ دشمن نے دھوکے
 سے عمرو بن امیہ کے سوا باقی سب کو شہید کر دیا۔ آنحضرتؐ کو اس خبر سے سخت صدمہ ہوا۔
 اس پہنچنے میں قبیلہ عضل و قارہ کے سات اشخاص نے مدینہ پہنچ کر آنحضرتؐ سے عرض
 کی کہ ہمارے سارے قبیلے نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انھیں دین کی تعلیم دینے کے
 لئے چند آدمی بھیج دیجئے۔ حضورؐ نے دس معلمین بھیج دئے۔ کفار کے دو سو آدمیوں نے انھیں
 گھیر لیا۔ اور بعد میں شہید کر دیا۔

اسی سال حضرت حسینؓ ابن حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔ ام المومنین حضرت زینبؓ، حضرت
 علیؓ کی والدہ اور آنحضرتؐ کے ۶ سالہ نواسہ عبداللہ بن عثمانؓ نے وفات پائی۔ آنحضرتؐ نے
 عبد السلام مخزومی کی بیوہ حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا۔ شراب حرام ہوئی۔

غزوہ بنی نضیر | عمرو بن امیہ نے بنی عامر کے دو شخصوں کو دشمن سمجھ کر قتل کر دیا۔ قبیلہ بنی
 نضیر بنی عامر اور مسلمانوں کا حلیف تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ خون بہا

طلب کرنے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ بنی نضیر نے یوں تو اداوائے خون بہا میں شرکت کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن خفیہ طور پر آنحضرتؐ کو شہید کرنے کی سازش کر کے عمرو بن محاسن کو اس کام پر مامور کیا کہ قلعے پر چڑھ کر ایک بھاری پتھر آنحضرتؐ پر لڑھکا دیا جائے۔ حضورؐ کو وحی کے ذریعے سے اس سازش کا علم ہو گیا۔ اور آپؐ بچ کر واپس چلے آئے۔ مدینہ پہنچ کر آنحضرتؐ نے معاہدے کی تجدید کا مطالبہ فرمایا۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ اور لڑائی پر تل گئے۔ آپؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ اور انھوں نے ناکام رہ کر مدینہ سے جلا وطن ہونے کے بعد خیبر اور شام میں سکونت اختیار کر لی۔

صنہ نسس ہولوی

کچھ عرصے کے بعد اس قسم کی خبریں مشہور ہونے لگیں کہ بنی محارب اور بنی ثعلبہ حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اور ایک نخلستان میں جمع

غزوة ذات الرقاع

ہیں۔ آنحضرتؐ جمادی الاولیٰ ۳ھ میں چار سو صحابہؓ کی معیت میں ان کے مقابلے کو نکلے۔ لیکن وہ معرکہ آرا ہوئے بغیر پہاڑوں میں بھاگ گئے۔

صنہ نسس ہولوی

مناقضین مدینہ نے قرارداد احد کے مطابق ابوسفیان سے باصرار کہا۔ کہ مسلمانوں سے جنگ کرنی چاہئے۔ مسلمان بھی تیار تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ

غزوة بدر ثانی

ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر لے کر بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ اب کے حضرت علیؓ علم بردار ہوئے۔ ابوسفیان دو ہزار کی فوج لے کر مکہ سے چل پڑا۔ لیکن عصفان بن ہنیحؓ کو اسے اسلامی لشکر کی تعداد معلوم ہوئی۔ تو قحط سالی کا بہانہ بنا کر مکہ واپس چلا گیا۔ آنحضرتؐ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے مدینہ کی جانب مراجعت فرمائی۔

صنہ نسس ہولوی

ربیع الاول ۳ھ میں آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ اکیس در حاکم دومتہ الجندل مدینہ پر دھاوا کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے حضورؐ نے

غزوة دومتہ الجندل

اس سرچشمہ فتنہ کو شروع ہی سے بند کرنے کا عزم فرمایا۔ تاکہ اس کے بڑھ کر قیامت بن جائے کا احتمال نہ رہے۔ اکیدر کے لشکر جواز کا مقابلہ کرنے کے لئے آنحضرتؐ نے ایک ہزار غازیان سرہانہ کی فوج لے کر دومتہ الجندل کی طرف باگ اٹھائی۔ اور منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے دشمن کی چراگاہ کے پاس پہنچ گئے۔ اکیدر لشکر اسلام کی اس ناگہانی چڑھائی کی خبر سنتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ

گیا۔ اور آنحضرتؐ اطمینان حاصل کرنے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

غزوة بنی مصطلق (۵)

شعبان ۳ھ میں اطلاع ملی کہ بنی مصطلق کا رئیس حارث بن ضرار مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور اس نے متعدد قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا

ہے۔ آنحضرتؐ نے متحقق و تصدیق کے بعد مسلمانوں کو فی الفور مدافعت کے لئے تیار ہونے کا

حکم دیا۔ لشکر اسلام کوچ کرتا ہوا چشمہ مرسیح کے کنارے کے پاس پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اُدھر حارث کی

فوج نے بھی اسی چشمے کے دوسرے کنارے پر ڈیرے ڈالے۔ پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد

نبویؐ کے مطابق حریف کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس نے شدت کے ساتھ انکار کیا۔ اس پر

دونوں طرف سے حرب و ضرب کے شعلے بھڑکنے لگے۔ حضرت ابو قتادہؓ نے کفار کے علم بردار کو

فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ دیکھ کر دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ بگ بگ بھاگ نکلا۔ حریف

کے دس آدمی ہلاک اور چھ سو گرفتار ہوئے۔ بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ واپسی

میں منافقوں کی ریشہ دوانیوں سے بعض ہجرت اور انصار میں ٹھن گئی۔ عبداللہ بن ابی رئیس

المنافقین کو کھل کھیلنے اور بھس میں چنگاری ڈالنے کا موقع مل گیا۔ حضرت عمرؓ آگ بگولا ہو گئے۔

اور آنحضرتؐ سے اس کی گردن اڑا دینے کی اجازت چاہی۔ حضورؐ نے اجازت نہ دی۔ عبداللہ

کے بیٹے کو خبر ملی۔ تو آنحضرتؐ کی خدمت میں گزارش کی کہ اگر آپ کو میرے باپ کا قتل منظور

ہے، تو بھی کو حکم دیجئے کہ میں ان کا سر قلم کر دوں۔ آنحضرتؐ نے تسلی دے کر فرمایا۔ میں ان

کی جان نہیں لوں گا۔ بلکہ رفیق مدارا سے پیش آؤں گا۔

واقعہ افک

اس سفر میں ایک قابل ذکر واقعہ پیش آیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ہمراہ تھیں

ایک پڑاؤ پر لشکر اسلام ٹھہر گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ رفع حاجت کے

لئے گئیں۔ اس اثنا میں لشکر نے کوچ کا نفاذ بجایا۔ ام المومنینؓ کا اونٹ بھی مع محل روانہ ہوا۔

آپ واپس آئیں۔ تو قیام گاہ کو خالی پا کر ہکا بکا رہ گئیں۔ صفوان بن مصلحؓ جن کے ذمے یہ فرسخ

خاند تھا کہ سارے قافلے کی روانگی کے بعد قیام گاہ کا بخوبی معائنہ کر کے عازم سفر ہوا کریں

پیچھے سے نمودار ہوئے۔ انھوں نے قیام گاہ کا معائنہ کیا۔ تو ام المومنینؓ کو دیکھ کر بھونچکا سے

رہ گئے۔ خود اونٹ سے اتر کر انھیں اس پر بٹھایا۔ اور لشکر کے ساتھ جانے۔ جتنے منہ اتنی

کر لیں۔ تو ان کے پائے ثبات میں ذرا العزش پیدا نہ ہوئی۔ اور انہوں نے پھرے ہوئے کی طرح نفی میں سر ہلا دیا۔ ہمت مردانِ مددِ خدا۔ جبار و قہار ذاتِ باری تعالیٰ کو امتِ مجہد کی یہ ادائے اولوالعزمی پسند آئی۔ اور اس نے تیز و تند آمدی کا طوفان برپا کر کے مشرکوں کے اکھاڑ ڈالے۔ ان کے ڈیروں کی آگ بجھ گئی۔ اور انہوں نے بدفالی سمجھتے ہوئے راتوں رات راہ فرار اختیار کی۔ آنحضرتؐ کو کفار کی طرف سے بالکل اطمینان ہو گیا۔ اور مسلمان خدا کا سزا ادا کرتے ہوئے ہنسی خوشی مدینہ میں داخل ہوئے۔

بنی قریظہ کا جحشر | بنی قریظہ اپنے معاہدے پر قائم نہ رہے۔ غزوہ احزاب کے کفار کے فرار کے بعد مسلمانوں کا رسوائے عالم دشمن حنی بن اخط

بنی قریظہ کے قلعے میں چلا گیا۔ اور ان کے جذبات کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کر کے تقریر سے ان کی آتشِ انتقام کو ہوا دینی۔ اس لئے آنحضرتؐ نے مدینہ میں برائے نام قیام کر کے بنی قریظہ کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ جب مسلمان ان کے قلعے کے قریب پہنچے بنی قریظہ آنحضرتؐ کی شان میں مغالطات بکنے لگے۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ پچیس دن تک برابر جاری رکھ کر ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ بنی قریظہ جو کڑی بھول آخر مجبوراً انہوں نے ہار مان کر ہتھیار ڈال دئے۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ ہم اس شرط پر سپردِ امان ہیں۔ کہ ہمارا معاملہ فیصلے کے لئے سعد بن معاذؓ کے سپرد کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے منظر فرمایا۔ حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے تمام مرد موت کے گھاٹ اتار دئے جائیں۔ بیوی بچے گرفتار کر لئے جائیں۔ اور ان کے سامان کو مالِ غنیمت سمجھ کر اس پر قبضہ لیا جائے۔ اگرچہ بنی قریظہ نے اس فیصلے پر سخت ناک بھوں چڑھائی۔ لیکن قولِ ہار چکے اور فیصلہ حکمِ تورات کے مطابق تھا۔ لہذا انہیں طوعاً و کرہاً سے تسلیم کرنا پڑا۔ صحیح روایت ہے۔ کہ اس غزوے میں چار سو یہودی قتل کئے گئے۔

متفرق واقعات | آنحضرتؐ کی پھوپھی ہین حضرت زینبؓ آپ کے غلام اور سہیلی حضرت زیدؓ کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں۔ لیکن اختلافِ مزار کے باعث دونوں میں ہمہ نہ سکی۔ حضرت زیدؓ نے طلاق دینی چاہی۔ آنحضرتؐ نے

مایا۔ مگر حالات اصلاح پذیر نہ ہوئے۔ آخر طلاق دے دی گئی۔ آنحضرتؐ نے حضرت زینبؓ کا تالیف قلب اور خصوصاً اس خیال کو دور کرنے کے لئے کہ متبہنی کی بیوی سے نکاح درست نہیں۔ انھیں اپنے خیال نکاح میں لے لیا۔

اسی سال عورتوں پر پردہ فرض کیا گیا۔ اور اس کے متعلق یہ حکم الہی نازل ہوا کہ "شریف ترین گھر سے باہر جائیں تو چادر اوڑھ کر، منہ چھپا کر، سینے پر دوپٹہ ڈال کر چلنے میں تازو انداز ظہار نہ کریں۔ پردے کی آڑ سے بولیں۔ آواز میں تصنع نہ ہو" عورتوں پر بہتان باندھنے والوں کے لئے حد جاری کرنے کا حکم صادر ہوا۔ پانی بہتانا ہونے کی حالت میں تیمم کی اجازت دی گئی۔
وہ خوف کا حکم آیا۔

ذی قعدہ ۳۳ھ میں آنحضرتؐ نے عمرہ کا عزم فرمایا۔ اور چودہ سو مجاہدین کو ہمراہ لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ احرام باندھا گیا۔ اور قربانی کے سترادنت ساتھ لے گئے۔ قریش کو تسلی دینے کے لئے کہ مسلمانوں کی یہ آمد جنگ وغیرہ کی نیت سے نہیں۔ مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا کہ کوئی شخص ہتھیار لگا کر نہ چلے۔ تلوار بھی میان کے اندر کر لی جائے۔ حلیف پہنچ کر آپؐ نے قریش کا حال معلوم کرنے کے لئے ایک شخص کو جاسوس بنا کر آگے بھجوا دیا۔ اس نے واپس آ کر اطلاع دی۔ کہ قریش نے آپؐ کے مقابلے کے لئے بڑی بھاری فوج جمع کر لی ہے۔ وہ آپؐ کو کعبے میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ آنحضرتؐ نے مجاہدین کو آگے بھجوانے کا حکم دیا۔ قریش نے خالد بن ولید کو ایک دستہ فوج دے کر مسلمانوں کی مزاحمت کے لئے بھیجا۔ خالد بن ولید مسلمانوں کی ناگہانی آمد سے پریشان ہو کر واپس چلے گئے۔ اور قریش نے کہا۔ مسلمان تو آگئے۔ آنحضرتؐ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا۔

مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ کے رئیس بدیل نے آنحضرتؐ کے پاس آ کر آپؐ کے آنے کی وجہ دریافت کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ قربانی کے اونٹوں کے ساتھ احرام بستہ ہونے پر نظر ڈالو۔ بدیل نے واپس جا کر قریش سے کہا۔ محمدؐ تم سے جنگ نہ کو نہیں آئے۔ صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ قریش کے بعض لوگوں نے کہا۔ ہم انہیں رہنے کے لئے بھی نہیں آئے دیں گے۔ پھر قریش نے ایک اور رئیس حلین کو بھیجا۔ وہ قربانی کے

ساح حدیبیہ

اونٹا دیکھ کر راستے ہی سے واپس چلا گیا۔ اور کہا۔ مسلمان صرف خانہ خدا کی زیارت کو آئے
قریش نے اسے باتوں میں اڑاتے ہوئے کہا۔ خواہ کچھ ہو۔ مسلمان مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے
سُن کر عیسیٰ کے تن بدن میں اُگ گئی۔ بولا، اگر تم یونہی منکر کر کے مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت
سے روکو گے۔ تو میں اپنا جتنا ساتھ لے کر تم سے جنگ کروں گا۔ اب قریش کے بھی حوالے
درست ہوئے۔ اور انھوں نے منتیں کر کے عیسیٰ کے غصے کی اُگ ٹھنڈی کی۔

آنحضرتؐ نے خراش بن امیہ کو قریش کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا
بیعت رضوان

ہمارے آنے کا مقصد جنگ نہیں۔ بلکہ زیارت کعبہ اور ادائے قربانیاں
قریش نے جو ہول کے گھوڑے پر سوار تھے۔ خراش کو قتل کر دینا چاہا۔ لیکن عیسیٰ وغیرہ نے انھیں
لیا۔ قریش کے سرکش نوجوانوں کی ایک جماعت مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھی۔
نے اسے گرفتار کر لیا۔ لیکن آنحضرتؐ کے ایمان سے چھوڑ دیا۔ آپ نے حضرت عمر فاروقؓ
قریش کے پاس بھیجا چاہا۔ لیکن حضرت فاروقؓ کی اس تحریک پر کہ ان کا جانا خطرے سے
نہیں۔ ان کی جگہ حضرت عثمانؓ کو بھیجا بہتر ہوگا۔ کیونکہ ان کے اپنے قبیلے کے بہت سے بزرگ
آدمی وہاں موجود ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو بطور سفیر قریش کے پاس بھیجا۔ انھوں نے آپ کو
رک لیا۔ واپسی میں دیر ہو جانے سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی۔ کہ حضرت عثمانؓ شہید
گئے۔ آنحضرتؐ نے یہ خبر سُن کر فرمایا۔ اگر یہ سچ ہے تو ہم اس قتل کا بدلہ لئے بغیر یہاں سے
آگے نہ بڑھائیں گے۔ چنانچہ حضورؐ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرامؓ سے جا بجا
کی بیعت لی۔ یہ نہایت اہم بیعت تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے
کے بعد معلوم ہوا کہ شہادت کی افواہ جھوٹی تھی۔

قریش نے جب دیکھا کہ مسلمان تو لڑتے مرنے پر تھے ہوئے ہیں۔ تو ان کا مسندہ پروا
بھی صلح کی طرف مائل ہو گیا۔ اور ان لوگوں نے عروہ بن مسعود کو معاملہ طے کرنے کے لئے آنحضرتؐ
کی خدمت میں بھیجا۔ عروہ نے حاضر ہوتے ہی کہا۔ محمدؐ تمہارے دشمن قریش تعداد میں
زیادہ ہیں اور تمہارے مقابلے کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ تمہارے ساتھی تمہیں اکیلا چھوڑ
منتشر ہو جائیں گے۔ اور قریش کے حملے کی تاب نہ لاسکیں گے۔ تمہیں اپنی جان تک کے

پڑ جائیں گے۔ اس پر حضرت صدیق اکبر نے عروہ کو نہایت دندان شکن جواب دیا۔ عروہ کے لبوں پر ہر سکوت لگ گئی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ہم جنگ کی غرض سے نہیں۔ بلکہ عروہ کی غرض سے آئے ہیں۔ لیکن اگر کفار آمادہ جنگ ہیں۔ تو اس خالق ذوالجلال کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اس وقت تک ان سے نہرو آزما ہوں گا۔ جب تک میری گردن سر سے جدا نہ ہو جائے۔ یا خدا اپنا فیصلہ صادر نہ فرمائے۔ یہ سن کر عروہ قریش کے پاس واپس گیا۔ اور کہا: اے گروہ قریش! تمہیں صلح کرنے ہی بن پڑے گی۔ محمدؐ کے ساتھیوں کو ان کے ساتھ اس قدر محبت اور عقیدت سے کہ میں نے شاہانِ روم و ایران کے دربار میں بھی یہ بات نہیں دیکھی۔

اس کے بعد قریش کو مصالحت کی سوجھی۔ اور انھوں نے سہیل بن عمرو کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ اس نے قریش کی ہدایت کے مطابق صلح کی حسب ذیل شرطیں پیش کیں۔ جنہیں آنحضرتؐ نے در فرمایا۔

(۱) مسلمان اس سال نہیں۔ بلکہ اگلے سال اگر عروہ کریں گے۔ غیر صلح ہوں گے۔ البتہ تلواریں تو میان میں بند ہوں گی۔ ساتھ لاسکیں گے۔ اور مکہ میں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں گے۔
(۲) صلح دس سال کے لئے ہوگی۔ اس دوران میں دونوں فریق امن و آشتی سے رہیں گے۔
(۳) عرب کے قبیلے اس امر کے مجاز ہوں گے۔ کہ وہ جس فوج کے چاہیں ہم عہد اور حلیف ہو جائیں۔

(۴) اگر مکہ کا کوئی شخص مدینہ چلا جائے گا۔ تو اسے واپس مکہ بھیج دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ آجائے گا۔ تو اسے واپس مدینہ لایا جائے گا۔

چوتھی شرط صحابہ کرام کو سخت ناگوار گزری۔ اتفاق دیکھئے کہ ابھی معاہدہ تحریر و تسویہ ہی کا مرحلہ طے کر رہا تھا کہ خود سہیل کے بیٹے ابو جندلؓ جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور اس جرم میں ان پر عیبیتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ کسی طرح بھاگ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ سہیل انہیں دیکھ کر بولا۔ دیکھو محمدؐ! یہ ایفانے عہد کا پہلا موقع ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ابھی تو معاہدے کی کتابت ہی ہو رہی ہے۔ سہیل جھٹ بول اٹھا۔ تو بس ہم صلح نہیں کرتے۔ آنحضرتؐ نے نہایت اچھے انداز میں سہیل کو سمجھایا۔ مگر اس کے سر پر تو جن سوار تھے۔ وہ نہ مانا۔ آخر

مجبوراً آنحضرتؐ نے ابو جندلؓ کو سہیل کے سپرد کر دیا۔ اور سہیل انھیں مارنا پھینکنا اپنے ساتھ لے گیا۔ صلح نامہ کی تکمیل کے بعد آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے قرہانی کے اونٹ ذبح کئے۔ احرام کھولا اور حجامت بنوائی۔

خزاعہ اور بنو بکر میں دیرینہ دشمنی تھی۔ اس صلح نامہ کے بعد قبیلہ خزاعہ آنحضرتؐ کا اور قبیلہ بنو بکر قریش مکہ کا ایف ہو گیا۔ اور آنحضرتؐ اور قریش کی طرح ان دونوں قبیلوں میں بھی صلح ہو گئی۔ صحابہ کرامؓ کے خیال میں یہ صلح ایک طرح کی شکست تھی۔ کیونکہ اس کی بعض شرائط انھیں اس سخت ناپسند تھیں۔ کہ ان سے مسلمانوں کے وہیل اور کمزور ہونے کی بو آتی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح نازل کر کے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا۔ اور بعد کے واقعات نے روشن دلائل سے ثابت کر دیا۔ کہ یہ صلح واقعی فتح مبین تھی۔ اس صلح کے بعد حرب و ضرب کے شعلے ٹھنڈے ہو کر امن و امان کا مینہ برسنا۔ اور صرف دو سال کے اندر مسلمانوں کی تعداد دو گنی ہو گئی۔

چوتھی شرط جسے خاص طور پر شکست کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ نتائج کے لحاظ سے ظفر و کامرانی کی ہم عنان ثابت ہوئی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ ایک نو مسلم ابو بصیرؓ کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مکہ سے مدینہ چلے آئے۔ قریش نے واپس کرنے کے لئے دو آدمی بھیجے۔ آنحضرتؐ نے ایفائے عہد کے طور پر ابو بصیرؓ کو ان دونوں آدمیوں کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ راستے میں ابو بصیرؓ نے ایک کو توجہ نہ دیا۔ دوسرا ڈر کے مارے مدینہ بھاگ آیا۔ اور آنحضرتؐ کے پاس فریاد لایا۔ ابو بصیرؓ نے حضورؐ سے عرض کی۔ کہ آپ نے مجھے مکہ والوں کے سپرد کر کے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب میں جانوں اور میرا کام۔ یہ کہہ کر وہ ایک ساحلی مقام عیص میں اقامت گزیرے ہو گئے۔ مسلمانان مکہ کا نخل تمنا بار آور ہوا۔ اور وہ بھاگ بھاگ کر عیص میں جمع ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ان کا ایک زبردست گروہ بن گیا۔ قریش کا جو قافلہ تجارت ان کے پاس سے ہو کر گزرتا۔ وہ لوگ چھاپہ مار کر اسے لوٹ لیتے۔ قریش یہ دیکھ کر چوکری بھول گئے۔ اور ان کی تجارت دم توڑنے لگی۔ ناچار انھوں نے نہایت منت و سماجت سے آنحضرتؐ کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ چوتھی شرط سے ہماری توبہ۔ اب جو مسلمان مکہ سے مدینہ جائے گا۔ ہم اس کی واپسی کے لئے نہ کہیں گے۔

براہ کرم ابو بصیرؓ کے گروہ مقیم عیص کو اپنے پاس مدینہ میں بلا لیجئے۔ آنحضرتؐ نے قریش کی درخواست کو شرف قبول بخش کر اس گروہ کو مدینہ واپس بلا لیا۔ اور قریش کی جان میں جان آئی۔

اب قدرے سکون و اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد
بادشاہوں کو اسلام کی دعوت | آنحضرتؐ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط بھیجے

کرا نہیں اسلام کی دعوت دی۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ نے مکتوب رسولؐ نجاشی شاہ حبش کے ہاتھ میں دیا۔ وہ پڑھتے ہی مسلمان ہو گیا۔ اور آنحضرتؐ کی خدمت میں گونا گوں تحفے ارسال کئے۔ اسی طرح ہرقل قیصر روم۔ خسرو پرویز شاہ ایران۔ مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ منذر شاہ بحرین ہوزہ شاہ یمامہ۔ حارث غسانی شاہ دمشق۔ حرث حمیری شاہ یمن اور شمر جیل بن عمرو والی بصری کے پاس علی الترتیب حضرت وحید کلبیؓ۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ۔ حضرت عمار بن الحمزومیؓ۔ حضرت سلیمان بن عامرؓ۔ حضرت شجاع بن وہبؓ۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی اور حضرت حارث بن عمیرؓ کی وساطت سے تبلیغی خطوط بھیجے۔

ہرقل قیصر روم نے سفیر کا بڑا احترام کیا۔ ابوسفیان کو طلب کر کے اسلام اور پیغمبر اسلام کے باب میں بعض باتیں دریافت کیں۔ ابوسفیان کے صحیح جواب سن کر قیصر نے آنحضرتؐ کی صداقت کو تسلیم کیا۔ اور کہا: "اگر میں اس پیغمبر تک پہنچ سکتا۔ تو اس کے پاؤں دھو دھو کر پیتا۔" قیصر کے یہ الفاظ اس کے بطریقوں کے دل پر تیر بن کر لگے۔ اور وہ حکومت کی ہوس میں اسلام کی گراں بہا دولت سے تہی دامن رہ گیا۔ خسرو پرویز شاہ ایران نے آپ کے مکتوب کو چاک کر ڈالا۔ آنحضرتؐ نے یہ خبر سن کر فرمایا: خسرو کی سلطنت اسی طرح پارہ پارہ کر دی جائے گی۔ چنانچہ یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ مقوقس شاہ مصر نے آپ کے مکتوب کو سرانگھوں پر رکھا۔ اور سفیر کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم کا سلوک کیا۔ جواب میں ادب و عقیدت سے لبریز ایک عریضہ تحریر کیا۔ اور خلعت، خنجر اور دو لونڈیاں تحفہ بھیجیں۔ شمر جیل والی بصری نے آگ بگولا ہو کر سفیر کو شہید کر دیا۔

اسی سال اکابر قریش میں سے دو جلیل المرتبت شخص خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ نے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ جس سے دین اللہ کو بڑا زور و قوت اور استحکام حاصل ہوا۔

آنحضرتؐ نے یہ سمجھ لیا کہ اب کفار مکہ کی طرف سے سکون اور فراغت حاصل ہو گئی۔

غزوہ خیبر لیکن مدینہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ اوزہ ہی گل کھلا ہوا ہے۔ اور خیبر میں یہودی مسلمانوں کے مقابلے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ نے جلاوطن ہونے کے بعد خیبر ہی کو سکن بنا لیا تھا۔ انھوں نے خیبر کے یہودیوں کو جی بھر کر مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ مکہ کے بعد اب خیبر ہی وہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ جہاں سے مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد کی آگ کے شعلے بھڑک بھڑک کر فلک بوس ہو رہے تھے۔ یہودیوں کے رئیس سلام بن ابی العقیق نے اپنے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے کام لے کر عرب کے مشہور قبیلہ غطفان اور اس کے قریب و جوار کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف یک جا کر لیا۔ اہل مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے دہر دست تیاریاں کر کے ایک لشکر جرار اکٹھا کر لیا۔ خیبر میں یہودیوں کے چھ قلعے تھے۔ مہرم سکہ میں آنحضرتؐ نے سولہ سو مجاہدین کے ساتھ خیبر کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ تو یہودیوں کے دو نامور بہادروں مرحب اور یاسر نے میدان میں نکل کر مبارز طلبی کی مسلمانوں کی طرف سے حضرت علیؑ اور حضرت زبیر بن العوامؓ آگے بڑھے۔ حضرت علیؑ نے مرحب کو اور حضرت زبیرؓ نے یاسر کو دوزخ کا ایندھن بنا لیا۔ یہودیوں نے سوچا کہ ہم میدان میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ قلعہ بند ہو گئے۔ حبش اسلام نے سب سے پہلے قلعہ ناعم پر چڑھائی کی۔ اور اسے فتح کر لیا۔ پھر قلعہ تموص پر دھاوا کیا۔ اسے بھی تسخیر کر لیا۔ اس لڑائی میں تمفیہ بنت حنی گرفتار ہوئیں۔ اور حضرت وحیہؓ کے چھٹے بیٹے ہیں۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا۔ آنحضرتؐ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ پھر وہ زوجیت رسولؐ سے شرف ہوئیں اس کے بعد قلعہ مصعب بن معاذ اور خیبر کا چوتھا قلعہ بھی مسخر کر لیا گیا۔ اب صرف دو قلعے باقی رہ گئے۔ وطح اور سلام۔ لیکن یہاں کے یہودیوں نے محاصرے سے سخت ہراس زدہ ہو کر اس شرط پر اطاعت قبول کر لی۔ کہ انھیں نصف پیداوار لے کر ان کی زمینوں پر قابض رہنے دیا جائے۔ غزوہ خیبر میں ۹۳ یہودی مقتول اور ۱۵ یا ۲۰ مسلمان شہید ہوئے۔

فتح خیبر کے بعد بھی یہودی شہزادوں سے باز نہ آئے۔ چنانچہ زینب بنت الحارث زوجہ سلام بن مشکم نے آنحضرتؐ کی دعوت کرتے ہوئے ایک بھنی ہوئی زہر آلود سالم بکری آپ

کے سامنے رکھی۔ آپ نے اس کی ہڈی سے معلوم کر لیا۔ کہ اس میں زہر کی آمیزش ہے۔ حضورؐ نے اسے چکھتے ہی تھوک دیا۔ لیکن آپ کے شریک طعام حضرت بشر بن برادر جو اس کا کچھ گوشت کھا چکے تھے۔ جاں بزنہ ہو سکے۔ زینب کو اس ہولناک جرم کا اقرار کر لینے پر قصاص کے لئے دارشان بشر کے سپرد کر دیا گیا۔ مگر وہ قبول اسلام کے باعث قتل ہونے سے بچ گئی۔

اس موقع پر گدھا، خچر، جنگل کے درندے اور بچوں والے پردے حرام قرار دئے گئے۔
متعد بھی حرام ٹھہرایا گیا۔
باذ، پھیل وغیرہ

خیبر سے واپسی پر تھوڑی دور ایک مقام فدک تھا۔ وہاں فدک۔ وادی القریٰ۔ تیمار کے یہودیوں نے خود جان کی امان طلب کی۔ جو دوسے دی

گئی۔ اور فرمان الہی کے مطابق فدک کو خدا و رسول کا مال قرار دیا گیا۔ وہاں سے غادیاں اسلام وادی القریٰ کی طرف بڑھے۔ یہودیوں نے ان پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ تو یہودیوں کا محاصرہ کر لیا گیا۔ انھوں نے یہود خیبر کی طرح نصف بٹائی پر اطاعت قبول کر لی۔ اس آویزش میں آنحضرتؐ کے غلام حضرت مدغم نے ہام شہادت نوش کیا۔ وادی القریٰ کے ایک قریبی مقام تیمار کے یہودیوں نے بھی اہل مادی کی تقلید کی۔

ذی قعدہ ۳ھ کے آغاز میں آنحضرتؐ دو ہزار مجاہدین کو ہمراہ لے کر ادائے عمرہ کے لئے عازم ہوئے۔ اور صلح نامہ حدیبیہ کی ایک شرط کے مطابق تمام اسلحہ اتار کر اور صرف ایک تلوار حائل کئے ہوئے گمیں داخل ہوئے۔ اکثر مشرکین مکہ اس نظارے کی رونق آفرینی سے محفوظ رہنے کے لئے ان دنوں خیبر کے باہر گھاٹیوں میں چلے گئے۔ آنحضرتؐ نے تین دن وہاں قیام فرمایا کہ عمرہ ادا کیا۔ اور مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

آنحضرتؐ نے حارث بن عمیر کے ہاتھ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں غزوہ موتہ والی بصری کے نام ایک خط ارسال فرمایا تھا۔ حارث موتہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں کے ساکن نے بلاوجہ انھیں گرفتار کر کے شہید کر دیا۔ یہ خبر سن کر آنحضرتؐ کو سخت صدمہ پہنچا۔ مگر اس وقت یہودیوں کے برسرفساد ہونے کے باعث اس طرف توجہ نہ ہو سکی۔ اب کے ان کی طرف سے فراغت ہوئی۔ حضورؐ نے جمادی الاولیٰ ۳ھ میں ہاکم موتہ کی سرزنش

کے لئے حضرت زید بن عارت کی سرکردگی میں تین ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر روانہ کیا۔ اور فرمایا کہ زید کے شہید ہونے پر جعفر بن ابی طالب سردار ہوں۔ ان کی شہادت پانے پر عبد اللہ بن رواحہ امیر ہوں۔ وہ بھی شہید ہو جائیں، تو فوج اپنا سردار آپ انتخاب کرے۔ عالم موتہ کو مسلمانوں کی تیاریوں کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ ایک لاکھ نفوس کا لشکر جرار لے کر میدان میں نکلا۔ مسلمانوں کو کچھ اضطراب اور پریشانی ہوئی۔ اور انھوں نے باہم مشورہ کیا۔ کہ آنحضرتؐ سے بذریعہ خط استعواہت رائے کر کے آپ کے حسب فرمان عمل کیا جائے۔ لیکن حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نے یہ کہہ کر انھیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ کہ ”تم لوگ جو شہادت سے ہم آغوش ہونے کے لئے آئے ہو۔ اس لئے اٹھو اور دین اسلام کی بے پناہ قوت کے بل بوتے پر اللہ پر توکل کر کے کفر کی لرزادینے والی طاقت کے ساتھ ٹکرا جاؤ۔ اس کے نتیجے میں یا تو ہمیں فتح حاصل ہوگی یا شہادت۔ اور دونوں صورتوں میں ہم شاید آرزو سے ہم کنار ہو جائیں گے۔“

حضرت عبد اللہؓ کے یہ شجاعت آفریں الفاظ گویا جادو کی چھڑی تھے۔ جن کے سننے ہی غازیانِ سر باز کے زگ و پے میں شوقِ شہادت اور جوشِ ظفر کا ایک سمندر موج زن ہو گیا۔ موتہ کے میدان میں دونوں فوجوں کی منٹ بھینٹ ہوئی۔ اور ایک لاکھ کفار کے مقابلے میں ہزار فرزند ان توحید نے سر دھڑکی بازی لگا دی۔ ارشاد نبویؐ کی تعمیل میں حضرت زیدؓ علم ہاتھ میں لئے مشرکین کی صفوں کو چیرنے اور انھیں فنا کے گھاٹ اتارتے ہوئے بہت دور نکل گئے۔ یہاں تک کہ وہ کفار کے زرعے میں آکر شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے آگے بڑھ کر علمِ اسلام سنبھالا۔ اور کشتوں کے پتے لگا دیے۔ لڑتے لڑتے ان کے دونوں ہاتھ کٹ کر الگ ہو گئے۔ لیکن جھنڈا نہ گرنے دیا۔ اور اسے گردن سے لگا کر سینے سے تھامے رہے۔ اسی حالت میں جامِ شہادت نوش کیا۔ اس پر حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا۔ یہ بھی خلعتِ شہادت سے مشرف ہوئے۔ تو فوج نے بالاتفاق حضرت خالد بن ولیدؓ کو امیر منتخب کیا۔ اور انھوں نے علم سنبھالتے ہی مسلمانوں کو غیرت دلا کر ان کے دلوں کو از سر نو جوشِ شہادت سے لبریز کر دیا۔ ٹوٹی ہوئی ہمتیں بندھ گئیں۔ حضرت خالدؓ نے ایسی خوش اسلوبی سے صف آرائی کی۔ اور اس بے جگری سے کفار کے لشکرِ جرار پر پے در پے

حملے کئے۔ کہ ان کے چھکے چھڑاوائے۔ رویوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ مسلمانوں نے کچھ دور تک تعاقب کیا۔ اور کسی قدر مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ اس جنگ میں صرف بارہ مسلمان شہید اور بے شمار کفار جہنم رسید ہوئے۔

فتح مکہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے سیف اللہ کے خطاب سے نوازا گیا۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت سے آنحضرتؐ کو بے حد رنج و

افسوس ہوا۔ اور بے اختیار آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے۔ غزوة موتہ کے ایک مہینے بعد قبیلہ قضاہ اور قبیلہ جہنیہ کو مغلوب کیا گیا۔ شہ میں بنی بکر حلیف قریش صلح حدیبیہ کی شرائط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بنی خزاعہ حلیف اہل اسلام پر شب خون مار کر رات کو سوتے میں انہیں قتل کرنے لگے۔ قریش نے بنی بکر کو امداد دی۔ بنی خزاعہ نے آنحضرتؐ سے فریاد کی۔ حضورؐ نے ان کی ڈھارس بندھاتے ہوئے فرمایا۔ کہ ہم ضرور تمہاری امداد کریں گے۔ قریش نے اپنی بد عہدی کے ہولناک نتائج پر غور کرنے کے بعد ابوسفیان کو مدینہ بھیجا۔ کہ جا کر نئے سرے سے صلح کی شرطیں طے اور استوار کرے۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ ابوسفیان نے مدینہ پہنچ کر آنحضرتؐ، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن جواب نہ پا کر سخت مایوس و شرمندہ ہوا۔ آخر حضرت علیؓ کے فرمانے پر مسجد نبویؐ میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے تجدید معاہدہ کا اعلان کر کے واپس چلا گیا۔ مگر پہنچے پر قریش نے اسے مذاق و استہزاء کا نشانہ بنا کر کہا۔ معاہدے کہیں یوں بھی قرار پایا کرتے ہیں۔

ابوسفیان کے چلے جانے کے بعد آنحضرتؐ نے مکہ پر حملہ کرنے کے لئے زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔ اور رمضان المبارک شہ میں دس ہزار مجاہدین کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ غازیان سر یاز نے منزل بہ منزل بڑھتے ہوئے مکہ سے چار کوس راد صحر مڑا نظر ان میں ڈیرے ڈال دئے۔ اور رات کے وقت ارشاد نبویؐ کی تعمیل میں ہزار ہزار کے دستوں نے علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے پڑاؤ میں آگ روشن کی۔ اس مقام پر لشکر اسلام کے خیمہ زن ہونے کی خبر گڈریوں کے ذریعے سے مکہ پہنچی۔ تو قریش نے ابوسفیان، بدیل بن

ورقہ اور ابن حزام کو تخلیق و تصدیق کے لئے بھیجا۔ ابوسفیان نے قریب پہنچ کر دیکھا کہ ہر طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ انتہائے تیز سے اس پر سکتے کا سامنا طاری ہو گیا۔ کہ مسلمانوں نے اتنی بڑی فوج کیوں کر جمع کر لی۔ حضرت عباسؓ نے جو آنحضرتؐ کے ذلہل پر مسواں ہو کر اس غرض سے عازم مکہ ہوئے تھے۔ کہ قریش کا کوئی ذمہ دار آدمی ملے۔ تو اسے خطرہ گتے سے خبردار کر کے قبول اسلام کی ترغیب دیں۔ ابوسفیان کی آواز پہچان کر اسے اپنے پاس بلا یا۔ اور حق وفاق ادا کرتے ہوئے اسے امان دینے کے لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں لے چلے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھ پایا۔ تو غصے سے آگ ہو گئے۔ اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ یا رسول اللہ! اجازت دیجئے۔ کہ اس کافر کو جہنم رسید کر دوں۔ لیکن حضرت عباسؓ نے بیچ بچاؤ کر کے اس کی جان بخشی کرا دی۔

حضرت عباسؓ نے آنحضرتؐ کے حسب فرمان ابوسفیان کو رات بھر اپنے نیچے میں رکھا۔ اور صبح کو وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اللہ اکبر! وہ اٹھا ہوا سمر اور وہ اگر ٹہری ہوئی گردن جو بارگاہ ایزدی میں بھی خم نہ ہوتی تھی۔ شہنشاہ کونین کے آستانہ عالیہ پر خم ہو گئی۔ العاقبة للہ! وہ ابوسفیان جو اسلام کا بہت بڑا دشمن۔ عرب کے بہت سے قبیلوں میں دین اللہ کے خلاف آتش عناد و انتقام بھڑکانے والا اور خود محبوب خدا کو شہید کر دینے کی سازش میں شریک تھا۔ اس کے سیاہ نامہ اعمال کو رحمتہ للعالمین نے آبِ عفود کر مے دھو ڈالا۔ گروہ جان بچائے کے لیے مسلمان ہوا۔

اس کے بعد غازیان اسلام کے ٹھاٹھیں مارنے والے سمندر نے مکہ کا رخ کیا۔ ابوسفیان آنحضرتؐ کی تجویز مبارک کے مطابق ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر جیش اسلام کا نظارہ کرنے لگا۔ جوں جوں وہ اسلامی لشکر کو قبیلہ بہ قبیلہ پرچم توجید بلند کئے گزرتے دیکھتا تھا۔ اس پر رعب اور ہیبت طاری ہوتی جاتی تھی۔ ابوسفیان نے مکہ پہنچ کر منادی کرا دی۔ کہ جو شخص خانہ کعبہ یا میرے گھر میں پناہ لے گا۔ اسے کوئی خطرہ نہیں۔ جب آنحضرتؐ نے دیکھا۔ کہ اب سے آٹھ سال پہلے جس محبوب سرزمین سے وہ انتہائی بے سرو سامانی اور کس پرسی کی حالت میں حسرت کی نگاہ ڈالتے ہوئے نکلے تھے۔ آج اسی میں شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ فاتحانہ

داخل ہو رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ قریش نے فرزند ان تو حید کا لشکر جرار دیکھا۔ تو وہ بہوت و خوف زدہ ہو گئے۔ اور ان کی تاب مقابلہ نکل ہو کر رہ گئی۔ آنحضرتؐ دھوم دھام سے مکہ میں داخل ہوئے۔ اور اعلان فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں انان لے گا یا سپر ڈال دے گا۔ یا گھر کا دروازہ بند کرے گا۔ اسے پناہ دی جائے گی۔ حضورؐ پہلے تمانہ کعبہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور اس کے تین سو ساٹھ بتوں کو گرا کر یا ہر پھینکوا دیا۔ پھر بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر شکرانہ کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد باب حرم پر کھڑے ہو کر انکا برقریش کے رو برو حسب ذیل شرک پاشی۔ الحاد شکن اور کفر بر انداز خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس کے مخاطب عربوں کے علاوہ تمام اہل عالم تھے :-

”اللہ ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اپنے عاجز بندے کی اعانت کی۔ اور تمام گروہوں کو توڑ کر رکھ دیا۔ اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانے والے کسی شخص کے لئے جائز نہیں۔ کہ وہ مکہ کی سرزمین کو خون سے آلودہ کرے۔ یا اس میں کسی سمرسبز درخت کو کاٹے۔ میں نے عہد جاہلیت کی تمام رسمیں اور رواج پامال کر کے رکھ دئے ہیں۔ لیکن کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کو آب زمزم پلانے کا انتظام حسب سابق قائم رکھا جائے گا۔ اسے جماعت قریش! اب خدا نے جاہلیت کے غرور اور نسب پر اترانے کی ممانعت کر دی ہے۔ تمام انسان آدمؑ کی نسل سے ہیں۔ اور آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

یا ایہا الناس انا خلقکم من ذکوانشی و
وخلقکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکم مکم
عند اللہ اتقاکم۔ ان اللہ علیمٌ خبیر۔
لوگو! میں تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا۔
اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک
دوسرے سے پہچان لئے جاؤ۔ مگر اللہ کے

نزدیک شریف وہ ہے۔ جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ اللہ داننا اور باخبر ہے :-

خطبہ کے بعد آنحضرتؐ نے قریش کے مجمع پر نظر دوڑائی۔ ان میں سب کے سب اسلام اور

پیغمبر اسلام کے بدترین دشمن اور ایسے خطرناک مجرم تھے۔ کہ ہر شخص کم از کم دار و رس کی سزا کا مستوجب تو ضرور تھا۔ حضور نے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر ہراس آفریں لہجے میں سوال کیا۔
 ”جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہوں؟“ قریش بیک آواز بول اٹھے۔
 ”آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف بھتیجے ہیں۔ اس لئے ہمیں آپ سے بھلائی کی امید ہے۔“ رحمۃ للعالمین نے فرمایا۔ لا تشریب علیکم الیوم اذہبوا فانتم الطلقاء۔ ”آج تم پر کوئی ملامت اور باز پرس نہیں۔ جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔“

خطبے سے فراغت پانے کے بعد آنحضرت نے کوہ صفا پر بیٹھ کر مردوں سے بیعت لی اور حضرت عمرؓ آپ کے حسب ارشاد عورتوں سے بیعت لینے لگے۔ حضور نے پندرہ دن تک وہاں قیام فرمایا۔ پھر حضرت معاذ بن جبل کو نو مسلموں کی تعلیم کے لئے مامور فرما کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرت نے قرب و بوار مکہ کے مشہور بتوں اور بت خانوں کی شکست و ریخت کے لئے چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے شروع کئے۔

غزوة حنین

چنانچہ حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت سعد بن زید کی سرکردگی میں اسلامی دستوں نے بہت سے معروف و غیر معروف بتوں اور صنم کدوں کو توڑ پھوڑ کر ہونہ زمین کر دیا۔ عرب کے ان قبائل نے جو نہ قریش کے حلیف تھے۔ نہ مسلمانوں کے۔ جب دیکھا کہ مکہ فتح ہو گیا۔ اور مختلف قبیلے فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو خیال کیا کہ اب وہ تو کہیں کے نہ رہے۔ مسلمان یقیناً ان پر حملہ کر کے ان کا تیا پانچا کر دیں گے۔ چنانچہ ان میں سے دو مشہور جنگجو قبیلوں ہوازن اور ثقیف نے اپنے متعدد ہم خیال قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کرتے ہوئے پوری طرح آمادہ جنگ کر کے اپنے گرد جمع کر لیا۔ آنحضرت کو کفار کی اس زبردست فوج کا علم ہوا۔ تو عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو تحقیقات کے لئے روانہ فرمایا۔ انھوں نے واپس آ کر عرض کی۔ کہ خبر صحیح ہے۔ اس پر آنحضرت یکم شوال ۶۰۰ھ کو بارہ ہزار مجاہدین کا عظیم الشان لشکر ہمراہ لے کر بڑے شکوہ و تحمل سے حنین پہنچ گئے۔ بعض مسلمان اس جاہ و جشم اور پر عظمت ساز و سامان پر اترا کر کہنے لگے۔ کہ آج کون سی طاقت ہمیں مغلوب کر سکتی

ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ تکبر پسند نہ آیا۔ اور مسلمان دشمن کے اچانک حملے اور تیروں کی بارش سے منتشر ہونے لگے۔ آنحضرتؐ کے پاس صرف مٹھی بھر جان نثار رہ گئے۔ تو آپ نے پر جلال آواز سے فرمایا۔ ”میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں۔“ پھر حضرت عباسؓ نے فرمان نبویؐ کے مطابق شمع رسالت کے پروانوں کو بلند آہنگی سے پکارا۔ آواز سنتے ہی غازیانِ سر باز ادھر دوڑے اور اس شدت و جوش کے ساتھ کفار پر ٹوٹ پڑے۔ کہ وہ سر اسبگی کی حالت میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ قبیلہ ثقیف کے ایک دستے نے کسی قدر استقلال دکھایا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد بھی چوکڑی بھول گیا۔ اور راہ فرار اختیار کی۔ اس جنگ میں کفار کے بڑے بڑے جنگ جو اور بہادر لوگ فنا کے گھاٹ اتارے گئے۔ اور بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ بھگوڑے دشمنوں کی ایک جماعت ادطاس میں اور دوسرا گروہ نخلہ میں پناہ گزیں ہوا۔ آنحضرتؐ نے ان کے تعاقب میں فوجی دستے روانہ کئے۔ مسلمانوں نے دونوں جگہ کفار کے چھتے چھڑا کر انہیں بھگا دیا۔ دشمنوں کا کمان دار اعظم مالک بن عوف بھاگ کر طائف چلا گیا تھا۔ وہیں قبیلہ ثقیف کے بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ اور اہل طائف نے ان کے لئے دیدہ و دل فرس راہ کر دی۔ آنحضرتؐ نے جنگ کے تمام قیدی اور مالِ غنیمت جعزانہ بھیج کر طائف کا عزم فرمایا۔ اور وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ بیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔ لیکن دشمن سپر انداز نہ ہوا۔ آخر آپ نے جعزانہ تشریف لا کر مالِ غنیمت تقسیم فرمایا اور نو مسلم اہل مکہ کو جن میں اکثر قریش تھے۔ دلجوئی کی غرض سے زیادہ حصہ عنایت کیا۔ اس پر بعض نوجوان انصار شکایت کے لہجے میں کہنے لگے۔ کہ سر بکف اور کفن بدوش ہو کر دشمن کی صفوں کو اٹھنے اور کشتوں کے پتے لگانے والے ہم اور مالِ غنیمت حاصل کرنے والے قریش۔ آنحضرتؐ کو اس شکایت کی خبر ملی۔ تو آپ نے انصار کو ایک جگہ جمع کر کے اس کی تصدیق کرنی چاہی۔ حضورؐ کے استفسار پر اکابر انصار نے عرض کی۔ ہماری ہمدردی اور روشن دماغ جماعت کے کسی فرد نے ایسا نہیں کہا۔ البتہ بعض نوجوانوں اور خام کاروں نے اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ آنحضرتؐ نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

”کیا یہ سچ نہیں کہ تم گمراہی میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے توسط سے تمہیں

ہدایت بخشی۔ تمہارا شیرازہ منتشر اور سناغرا تھا میں زہر گھل گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری وساطت سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم تنگ دست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے تمہیں سیم و زر میں کھیلنے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ انصار ہر ارشاد نبوی پر عرض کرتے جاتے تھے کہ "بے شک ہم پر اللہ اور اس کے رسول کا بڑا بھاری احسان ہوا۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "نہیں۔ تم جواب میں کہہ سکتے ہو۔ کہ ہر کس و ناکس نے تجھے جھٹلایا۔ لیکن ہم نے تیری تصدیق کی۔ سب لوگوں نے تجھے چھوڑ دیا۔ لیکن ہم نے پناہ دی۔ تو ناوار تھا۔ ہم نے تیری مدد کی۔ اور میں جواب دیتا جاؤں گا۔ کہ بے شک تم سچے ہو۔ مگر کیا تمہیں یہ پسند نہیں۔ کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں۔ اور تم محمدؐ کو ساتھ لے کر گھر جاؤ؟"

اس معجزانہ تقریر کا سننا تھا۔ کہ انصار بے اختیار اشک بار ہو گئے۔ روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ بھگی ہوئی ڈاڑھیوں سے ستارے برسنے لگے۔ یک بارگی بے ساختہ دروہ بھرے ہتھ میں بول اٹھے۔ "ہمیں محمد صلعم کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔" پھر حضورؐ نے فرمایا: "اگر انصار اور دوسرے لوگ الگ الگ راستوں پر چلیں۔ تو میں انصار کے راستے پر گام زن ہوں گا۔ اسے خدا! انصار اور ان کے لڑکوں پر رحمت نازل کر۔" یہ سن کر انصار اس قدر خوش ہوئے۔ کہ زبان اور قلم دونوں اس کے بیان سے قاصر ہیں۔ پھر آپؐ نے انصار کو اس طرح سمجھایا۔ کہ "اہل مکہ نے ابھی ابھی اسلام قبول کیا ہے۔ میں نے انہیں محض دلجوئی کے خیال سے زیادہ مال دیا۔ ورنہ ان کا حق زیادہ نہیں۔"

آنحضرتؐ نے جعرانہ سے مکہ آکر عمرہ ادا کیا۔ اور ۲۴ ذی قعدہ ۶ کو مع صحابہ کرام مدینہ واپس تشریف لائے۔ اسی سال حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی۔ اور صاحبزادی حضرت زینبؑ کا انتقال ہوا۔

مشبر کہیں مکہ جو کفر و شرک کے اندھیرے میں ٹانک ٹوسیے مار رہے تھے۔ عرب کے گوشے گوشے سے ایمان و توحید کے نور سے متور ہونے کے لئے خود بخود کھج کھج کر مدینہ آئے اور فوج در فوج دین اللہ میں داخل ہونے لگے۔ ۹ھ کے آغاز ہی میں عرب سے اس قدر وفد آکر خلعت اسلام سے مزین ہوئے۔ کہ اس سال کا نام ہی عام الوفود پڑ گیا۔

غزوہ تبوک

جنگ موتہ کی شکست نے رومیوں کے دل میں آتش انتقام کا جہنم بھڑکا دیا تھا۔ اور وہ موقع کی تاک میں تھے۔ رومی حکومت کے ماتحت شام میں

غسانی بادشاہ حکمران تھا۔ رومیوں نے اسے اس ہم پر مقرر کیا۔ ہرقل نے غسانی فرما کر وہاں کی درخواست پر چالیس ہزار کی فوج عظیم اس کے پاس بھیجی۔ اور خود بھی ایک لشکر جرار لے کر عقب سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا۔ آنحضرتؐ کو قیصر روم کی ان عظیم الشان تیاریوں کا علم ہوا تو آپ نے تمام مسلم قبائل کو مقابلے کے لئے لیس ہونے کی دعوت دی۔ عرب کے گوشے گوشے سے مجاہدین اسلام کے ٹھاٹھیں مارنے والے سمندر نے دیار حبیب کا رخ کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں مدینہ کے درو دیوار شمع توحید کے آن گنت پروانوں کی طواف گاہ بن گئے۔ آخر رجب ۶۲۴ء میں آنحضرتؐ تیس ہزار غازیانِ جانناز کی فوج ظفر موج لے کر

عازم شام ہوئے۔ اور تبوک پہنچ کر بیس روز تک وہاں قیام کیا۔ ایلہ کا حاکم یوحنا قبول اطاعت کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے ادائے جزیہ کی شرط پر اس کی درخواست منظور کر لی۔ جربا اور آذرخ کے باشندوں نے بھی جزیہ ادا کرنے کا اعتراف کر کے صلح نامہ حاصل کیا۔ لیکن دومتہ الجندل کے عیسائی حاکم اکیدر بن عبدالملک نے سرکشی پر کمر باندھ لی۔ اس لئے آنحضرتؐ نے اس کی گوشمالی اور گرفتاری کے لئے حضرت خالد بن ولید کو چار سو بہادروں کے ایک دستے کے ساتھ روانہ کیا۔ اکیدر اپنے بھائی حسان کے ساتھ نیل گائے کے شکار میں مصروف تھا۔ کہ حضرت خالدؓ نے انھیں گھیر لیا۔ انھوں نے مقابلہ کیا۔ لیکن بے سود۔ حسان مارا گیا۔ اور اکیدر کو گرفتار کر کے حضرت خالدؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اکیدر نے قبول اطاعت اور ادائے جزیہ کا اقرار کر کے جان بچائی۔ اور قلعے میں پہنچ کر ۸۰۰ گھوڑے، ۲۰۰۰ اونٹ، ۲۰۰ نیزے، اور ۴۰۰ زرہیں دربار حضورؐ میں ہدیہ ارسال کیں۔ سرحد شام کے حکمرانوں کو مطیع و منقاد بنا کر آنحضرتؐ اطمینان سے مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

مدینہ پہنچتے ہی پھر وفود کی ریل پیل شروع ہوئی۔ اور ہر وفد شرف اسلام سے مشرف ہونے کے ساتھ ہی انعام اور دینی تعلیم کے لئے معلم ساتھ لے کر واپس جانے لگا۔

ذیقعد ۳ میں آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ایڑھ بنا کر تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ ان کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ اس کے بعد سداۓ برات کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں۔ جو میں اس ارشاد باری کا اعلان تھا کہ اب مشرکین خانیہ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ کوئی شخص برائی کی حالت میں حج نہیں کرے گا۔ اور مشرکین کے ساتھ آنحضرتؐ کے تمام معاہدے گزار کی عہد شکنی کے سبب آج سے چار ماہ بعد باطل منسوخ ہوں گے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو یہ حکم دے کر روانہ کیا۔ کہ حج کے بعد قربانی کے دن یہ آیتیں سب کو سنا دیتا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سنت ابراہیمیؑ کے مطابق حج کے ارکان ادا کئے۔ اور حضرت علیؓ نے سورہ بقرہ کی چالیس آیتیں پڑھ کر سائیں۔ اسی سال حج فرض قرار پایا۔ اور یہ فریضہ مسلمانوں کے لیے انجام پذیر ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو مناسک حج سکھائے۔ اسی سال زکوٰۃ فرض کی گئی اور سورہ حرام کر دیا گیا۔

صفحہ 58 پر دیکھیے ؟

تبلیغ اسلام

سلسلہ کے آغاز سے آخر تک مختلف مذاہب سے وفود کے آنے اور قبائل عرب کے شرف بہ اسلام ہونے کا سلسلہ متواتر جاری رہا۔ بعض وفود کے نام یہ ہیں :- تیم، مزینہ، امید، مرہ، فزان، جس، سعد بن بکر، ثعلبہ، عاصم بن ابیکار، عقیق بن کعب، کلاب، بایز، کثادہ، شعیب، دامر بن سعید، بنی نعل، عامر، سلیم، عبد قیس، ثقیف، ربیعہ، حنیفہ، ثعلب، بکر بن باقر، مراد، شیبان سے۔ عدت، کنند، زبید، بل، سعد، بدیم، سنان، فزاد، بکر، حرم، حنین، کعب، عمارت بن کعب، فہان، ازد، بھیند، بھان، نخع، دوس، اشورین، خشم، مرد، اسلم، جذام، حمیر۔

غرض چند ہی سال میں عرب کا گوشہ گوشہ نور اسلام سے جگمگانے لگا۔

خطبہ الوداع

۱۶ ذیقعد ۱۰ میں آنحضرتؐ حج بیت اللہ کا عزم فرما کر مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ہاجرین و انصار اور مدینہ سے عرب کی ایک بھاری جمیعت ہمراہ تھی۔ ۱۳ ذی الحج کو مکہ میں ورود فرما ہوئے۔ اور لوگوں کو مناسک حج سکھانے کے بعد عرفات میں ایک خطبہ کے دوران میں فرمایا :-

"لو تبا جو کچھ میں کہوں۔ خود سے سنے جاؤ۔ شاید میں اس کے بعد یہاں تم سے نہ مل سکوں۔"

سکوں۔ اس دن اور اس مہینے کی طرح تم پر ایک دوسرے کے جان و مال بھی حرام ہیں۔ امانتیں مالکوں کو لوٹا دو۔ دوسروں پر ظلم روانہ رکھو۔ تاکہ تم بھی ظلم کا نشانہ نہ بنو۔ شوہر حرام ہے۔ شیطان کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی۔ اب یہاں اس کی پرستش نہیں کی جائے گی۔ لیکن معمولی امور میں اس کی اطاعت جاری رہے گی۔ اس لئے تم شیطان کی فرمانبرداری سے بچو۔ لوگو! جس طرح تم عورتوں پر حق رکھتے ہو۔ عورتیں بھی تم پر حق رکھتی ہیں۔ عورتوں پر احسان کرو۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ (۱) کتاب اللہ (۲) سنت نبویؐ۔ جب تک تم کتاب و سنت کو اپنا معمول بہ بنائے رکھو گے۔ گمراہی سے محفوظ رہو گے۔ مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ کسی ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا روا نہیں۔ ایک دوسرے پر مشق ستم نہ کرو۔

”ہاں جاہلیت کے تمام رسم و رواج میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ لوگو! بلاشبہ تمہارا پروردگار اور باپ ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر۔ سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی بڑائی نہیں۔ لیکن خوفِ خدا کی وجہ سے۔ غلاموں کے ساتھ برابر کا برتاؤ کرو۔ ہمارے غلام! تمہارے غلام! اپنی اور ان کی خوراک پوشاک یکساں رکھو۔ اللہ نے ہر حق دار کو وراثت کے رو سے اس کا حق دے دیا۔ اب وارثوں کے لئے وصیت ناجائز ہے۔ لڑکا اس شخص سے ہے جس کے بستر پر پیدا ہو۔ زنا کار کے لئے پتھر ہے۔ اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور نسب سے ظاہر کرے۔ اور جو غلام اپنے آپ کو اپنے آقا کے سوا کسی اور کے ساتھ منسوب کرے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ وراثت کو اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کچھ لینا جائز نہیں۔ قرض ادا یا بلے۔ مانگی ہوئی چیز لوٹانی جائے۔ عطیہ واپس کیا جائے۔ مناسن تاوان کا ذمہ دار ہے۔“

اس خطبے کے بعد آنحضرتؐ نے لوگوں سے پوچھا۔ ”خدا تم سے میری نسبت دریافت سے گا۔ تو کیا جواب دو گے؟“ سب نے بیک آواز عرض کی۔ ”ہم کہیں گے۔ آپ نے حکامِ الہی ہم تک پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا۔“ حضورؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر تین بار فرمایا۔ ”اے خدا! تو گواہ رہنا۔“ عرفہ کے دن جب آنحضرتؐ مکہ ہی میں تھے۔ یہ آیت

نازل ہوئی :-

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي
 ورضيت لكم الاسلام ديناً - آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت
 تمام کر دی۔ اور تمہارے لئے مذہب اسلام کا انتخاب کیا

حج سے فراغت پا کر آنحضرتؐ عازم مدینہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچنے کے بعد حضورؐ کے صاحبزادے
 حضرت ابراہیمؑ نے وفات پائی۔

تکمیل دین اور تمام نعمت کے ارشادِ ربّانی کے بعد آنحضرتؐ کی بعثت کا مقصد
 پورا ہو چکا تھا۔ اس لئے محبوب اپنے محبوب کے پاس جانے کی تیاریوں میں

مضروف ہو گیا۔ محرم ۱۱ھ میں حضورؐ کو بخارا آیا۔ اور روز بروز اقلقے کے بجائے اس
 میں شدت ہوتی گئی۔ ۲۶ صفر ۱۱ھ کو بیماری میں کسی قدر تخفیف ہوئی۔ تو آنحضرتؐ نے

مسلمانوں کو جنگِ روم کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو سپہ سالار مقرر
 فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے مدینہ سے ایک کوس آگے جرف میں قیام کیا۔ اور حضورؐ کی علالت کے

باعث کوچ نہ کر سکے۔ آپ نے بھی ان کے قیام جرف کو نامناسب قرار نہ دیا۔ بعض لوگوں
 نے حضرت اسامہؓ کی کمان داری پر لب اعتراض دیا۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا :-

”اگر تم اسامہؓ کی سالاری فوج پر معترض ہو۔ تو اس کے باپ کی سالاری پر بھی زبان نہ
 تعریفیں وراذ کر چکے ہو۔ واللہ وہ اس منصب کا حق دار اور مجھے سب سے زیادہ پیارا تھا۔

اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ پیارا ہے۔“
 بیماری آتے دن بڑھتی چلی گئی۔ آنحضرتؐ نے ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر جس

حضرت عائشہؓ کے گھر میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد باہر تشریف لا کر ایک خطبہ کے دوران میں
 میں فرمایا :- ”اللہ سے ڈرو۔ وہ تمہیں ہدایت دے۔ میں تمہیں اس کے سپرد کرتا ہوں۔ میں

تمہیں جنت کی بشارت دینے والا، اور جہنم سے ڈرانے والا ہوں۔ تکبر چھوڑ دو۔ جنت کی
 ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو تکبر نہیں کرتے اور فتنہ و فساد کے مرتکب نہیں ہوتے۔ عاقبت

کی بہتری پر میزگاروں کے لئے اور تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ مجھے میرے قریب
 عزیز غسل دیں۔ میری میت میری قبر کے کنارے رکھ کر تھوڑی دیر کے لئے الگ ہو جائے۔

ناکہ فرشتے مجھ پر نماز پڑھ لیں۔ پھر جماعت درجماعت مجھ پر نماز پڑھنا۔ پہلے میرے خاندان کے اور نماز پڑھیں۔ پھر عورتیں۔“

آنحضرتؐ بیماری کی حالت میں بھی آہستہ آہستہ چل کر مسجد میں نماز پڑھاتے رہے لیکن جب زیادہ کمزور ہو گئے۔ اور چلنے پھرنے کی سکت نہ رہی۔ تو حضرت ابو بکرؓ کو امام مقرر فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے معذرت کرتے ہوئے عرض کی۔ کہ رقیق القلب ہونے کے باعث یہ فریضہ انجام نہ دے سکیں گے۔ آپ یہ اہم خدمت حضرت عمرؓ کے سپرد فرمائیں لیکن حضورؐ نے اپنا پہلا فیصلہ بحال رکھا۔ اور حضرت ابو بکرؓ برابر امامت کا فرض ادا کرتے رہے۔ بخاری اور مسلم کی ایک متفقہ روایت ہے۔ کہ آپ حضرت ابو بکرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو بلا کر حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے۔ لیکن ہر اسے ضروری قرار نہ دیتے ہوئے فرمایا۔ ”مسلمان ابو بکرؓ کے سوا کسی اور کو منتخب نہ کریں گے۔ رضائے الہی بھی یہی ہے۔“

بیماری کے آخری دنوں میں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ”قلم دوات اور کاغذ لاؤ۔ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں۔ جس کے باعث تم گمراہی سے بچے رہو گے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ”بیماری کی اس شدت میں حضورؐ کو کسی قسم کی تکلیف نہ کھولنی چاہئے۔ ہمارے لئے قرآن عزیز ہی کافی ہے۔ اس پر صحابہؓ میں اختلاف ہوا۔ آخر متفقہ فیصلے کے بعد آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ ”بس مجھے اسی حالت پر چھوڑ دو۔ میں اس مقام پر ہوں وہ اس سے بہتر ہے۔ جس کی طرف تم مجھے بلا تے ہو۔“ تھوڑی دیر کے بعد حضورؐ نے سب کو طلب کر کے یوں وصیت فرمائی :-

”و نود کو انعام سے خوش کیا کرو۔ جزیرۃ العرب سے مشرکوں کو نکال دو۔ اسامہؓ کی فوج کو ضرور روانہ کر دینا۔ انصار کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ ان کی غلطیوں کو نظر انداز کر دینا۔ اپنی صحبت میں ابو بکرؓ سے افضل کسی کو نہ سمجھنا۔“

اس کے بعد پھر مرض کی شدت ہو گئی۔ اور آپ پر غشی کا عالم طاری ہو گیا۔ قدمے کھون ہونے پر حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ ”وہ جو پانچ چھ دینار تمہارے پاس ہیں،

انہیں خدا کی راہ میں خیرات کرو۔“ پھر حضرت علیؓ کو وصیت فرمائی کہ ”نماز اور متعلقین سے باخبر رہنا۔“

۱۲ ربیع الاول ۳۵ھ دو شنبہ کو فجر کی نماز کے وقت آنحضرتؐ باہر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ امامت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ آداب و تعظیم کے خیال سے پیچھے ہٹنے لگے تو حضورؐ نے روک دیا۔ اور داہنی جانب بیٹھ کر نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ ایک مختصر وعظ ارشاد فرمایا کہ اپنے مکان میں تشریف لے گئے۔ جوں جوں افق سے آفتاب ابھرتا جاتا تھا۔ کائنات کے مطلع پر ظلمت کی بدلیوں کے دھبے سے بن بن کر مٹتے اور مٹ مٹ کر بنتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد حالت نازک ہونے لگی۔ اس عالم میں حضرت عائشہؓ سے مسواک لے کر دانتوں پر پھیری۔ پانی کا برتن پاس رکھا تھا۔ اس میں ہاتھ ڈال کر چہرے پر پھیرتے جاتے اسی اثنا میں دفعہ بل التبیق الاعلیٰ (بس اب وہی رفیق درکار ہے) فرمایا۔ اور اسی رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وصال کے دن حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کو افاقہ کی حالت میں اور خوش و خرم دیکھ کر آپ کی اجازت سے اپنے گھر چلے گئے تھے۔ اس لئے انتقال کے وقت موجود نہ تھے۔ اس سانحہ ہوش ربا کو جس نے بھی سنا۔ وہ حواس باختہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ جوشِ محبت اور فداوازی عقیدت کے باعث ایسی خبر سن ہی نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ وہ از خود فنگی کی حالت میں تلوار کو بے نیام کر کے کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ صلم انتقال فرما گئے ہیں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی آہنچے۔ اور لوگوں کے شور غل کی پروا کئے بغیر سیدھے حجرہ مبارک میں چلے گئے۔ چہرہ پر نور کو غور سے دیکھ کر جبین مبارک کی چوہا، اور روتے ہوئے کہا۔

”میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ بے شک وہ موت جو آپ کی تقدیر میں لکھی تھی آپ پر طاری ہو گئی۔ اس کے بعد ہرگز کوئی موت نہیں آئے گی۔ واللہ آپ پر وہ موتیں وارد نہیں ہو سکتیں۔“

باہر آکر دیکھا، تو حضرت عمرؓ غیظ و غضب میں ویسی ہی باتیں کہہ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ ”بس خاموش رہو۔ اور بیٹھ جاؤ۔“ انہوں نے از خود رفتگی کے عالم میں کچھ پروا نہ کی۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے الگ مسلمانوں کو جمع کر کے ایک بصیرت افروز اور فراست آموز تقریر کے دوران میں فرمایا۔

”لوگو! اگر تم محمد صلعم کی پوجا کرتے تھے۔ تو وہ بے شک وفات پا گئے۔ اور اگر خدا کی پرستش کرتے تھے۔ تو بے شک وہ زندہ ہے۔ اور کبھی نہیں مرے گا۔“

پھر یہ آیت پڑھی۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل
ان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن
ینقلب علی عقبیہ فلن یرضی اللہ شیئاً و
یرضی اللہ الشاکرین۔

اور محمد صرف ایک رسول تھے۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس کیا اگر محمدؐ مرجائیں یا مارے جائیں تو تم لوگ اپنی پہلی حالت کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ اور جو شخص حالت کفر کی طرف لوٹ

جائے گا۔ وہ اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ اسلام پر استقلال سے قائم رہنے والوں کو جزا دے گا۔

اس معجزانہ تقریر کا یہ اثر ہوا۔ کہ حیران و ششدر صحابہؓ کی نظروں سے حجاب اٹھ کر انہیں اطمینان ہو گیا۔

تجہیز و تکفین

میت رسولؐ کو غسل وغیرہ: پینے کا شرف حضرات علیؓ، عباسؓ، فضل بن عباسؓ، تمیم بن عباسؓ اور اسامہ بن زیدؓ کو نصیب ہوا۔ اب یہ حل طلب مسئلہ سامنے آیا۔ کہ آنحضرتؐ کو دفن کہاں کیا جائے۔ بعض مسجد کا نام لیتے تھے۔ اور بعض مکان کا۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ تشریف لے آئے۔ فرمایا۔ میں نے رسول اللہؐ کا یہ ارشاد خود حضورؐ ہی کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ کہ ”نبی و ہن دفن کیا جاتا ہے، جہاں اس کا انتقال ہو۔“ چنانچہ حضرت طلحہؓ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک میں گورکنی کی سعادت حاصل کی۔ اور بغلی لحد نے ہاتھ پھیلا کر درج نبوت کے اس گورہر یکتا کو آغوش میں لے لیا۔ بے شمار مردوں، عورتوں اور لڑکوں نے باری باری سے علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ ادا کی۔ اس لئے بہت

ویر ہو جانے کے باعث ۱۲ ربیع الاول سے شنبہ کو رسم تدفین عمل میں لائی گئی۔

ازواج و اولاد آنحضرتؐ نے صرف پہلی شادی پچیس سال کی عمر میں ایک چہل سالہ بیوہ خاتون سے کی۔ باقی دس شادیاں جوانی و بچپن میں جانے کے بعد مختلف مصلحتوں کی بنا پر کیں۔ محل بیگم و شاریاں

حضرت خدیجہؓ خدیجہؓ نام، طاہرہ لقب، معزز قریشی خاندان سے اور دولت مند تھیں۔ پہلے بناوند ابوہالدین زرارہ کے انتقال پر عتیق ابن عائد سے اور اس کی وفات پر آنحضرتؐ سے عقد ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کے سوا باقی اولاد انھیں کے بطن سے ہوئی۔ آنحضرتؐ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کی زندگی میں دوسری شادی نہ کی۔ ہجرت سے کئی سال پہلے مکہ میں انتقال ہوا۔

حضرت سوودہؓ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ایک اور بیوہ خاتون سوودہ بنت زعمہ سے عقد کیا۔ انھوں نے مع اپنے پہلے شوہر سکران بن عمرو کے مسلمان ہو کر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں سے واپسی کے چند روز بعد سکران نے وفات پائی۔ اور اس کی بیوی کو آنحضرتؐ کی زوجیت کا شرف نصیب ہوا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں انتقال ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ انھیں سنہ بعثت میں آنحضرتؐ کے ساتھ عقد کی سعادت حاصل ہوئی۔ نہایت ذہین، ہمیدہ اور علم و فضل میں ممتاز تھیں۔ عورتیں ان سے نسوانی مسائل سیکھتی تھیں۔ اور نامور صحابہؓ اہم مسئلوں میں مشورہ لیتے تھے۔ ۵۷ھ میں انتقال کیا۔

حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور بیوہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ بن علیؓ تھے۔ ان کے بعد آنحضرتؐ کے عقد میں آئیں۔ طبیعت کی ذرا تیز تھیں۔ ۵۷ھ میں وفات پائی۔

امم المساکین حضرت زینبؓ زینبؓ نام، امم المساکین کنیت۔ یہ اس لئے مشہور ہوئیں کہ فقروں اور محتاجوں سے فیاضانہ سلوک

کرتی تھیں۔ پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش نے غزوہ احد میں جام شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کی حرم محترم بننے کا فخر نصیب ہوا۔ نکاح سے صرف دو تین مہینے بعد تیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔

حضرت ام سلمہؓ | ام سلمہ کنیت اور اصلی نام ہند تھا۔ پہلے شوہر عبداللہ بن عبدالاسد نے جنگ احد میں شہادت پائی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کی شمع خانہ بنیں۔ علم و فضل میں حضرت عائشہؓ سے دوسرے درجے پر تھیں۔ ۹۱ھ میں چوراسی سال کی عمر پا کر واصل بحق ہوئیں۔

حضرت زینبؓ | رسول اللہؐ کی پھوپھی پھیری بہن تھیں۔ ان کے پہلے شوہر آنحضرتؐ کے غلام حضرت زید بن حارث تھے۔ لیکن میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکنے کے باعث طلاق ہو گئی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے ان سے نکاح فرمایا۔ نہایت پرہیزگار اور سخی تھیں۔ ۲۰ھ میں تریچن سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔

حضرت جویریہؓ | حارث بن ضرار کی بیٹی اور قبیلہ بنی مصطلق کے معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ پہلا شوہر سافع ابن صفوان ایک جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تو یہ گرفتار ہو کر حضرت ثابتؓ انصاری کے حصے میں آئیں۔ پھر جوش غیرت سے بیتاب ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں داستان مصیبت عرض کرتے ہوئے امداد چاہی۔ حضورؐ نے ان کی مرضی سے حضرت ثابتؓ کو مقررہ رقم ادا کر کے ان کے ساتھ عقد کر لیا۔ ۱۰ھ میں جب انکی عمر پینسٹھ سال کی تھی۔ وفات پائی۔

حضرت ام حبیبہؓ | ام حبیبہ کنیت۔ پہلا شوہر عبید اللہ بن جحش اسلام قبول کرنے کے بعد عیسائی ہو گیا۔ اور بیوی سے قطع تعلق کر لیا۔ اس کے بعد یہ آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں۔ ۳۳ھ میں انتقال کیا۔

حضرت میمونہؓ | حارث کی بیٹی تھیں۔ پہلے شوہر سعود بن عمرو الشقفی سے طلاق پا کر ابوہریرہ بن عبدالعزیٰ سے عقد کیا۔ ان کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کی سلک ازواج میں منسلک ہوئیں۔ ۱۵ھ میں وفات پائی۔

حضرت صفیہؓ

زینبؓ نام، صفیہؓ عرف۔ پہلے یہودیہ تھیں۔ باپ رئیس اور ماں رئیس
 زادی تھیں۔ پہلے شوہر سلام بن مشکم یہودی نے طلاق دے دی۔ تو
 کناز بن ابی العقیق کے عقد میں آئیں۔ کناز غزوہ خیبر میں قتل ہو گیا۔ اور خود گرفتار ہو گئیں۔
 پہلے حضرت وحیہ کلبیؓ کے حصے میں آئیں۔ پھر آنحضرتؐ کے ازدواج کی زینت سے مزین
 ہوئیں۔

۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد چھ تھی۔ دو صاحبزادے حضرت قاسمؓ اور حضرت ابراہیمؓ
 اور چار صاحبزادیاں۔ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت کلثومؓ اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ
 دو اور صاحبزادوں حضرت طیبؓ اور حضرت طاہرؓ کا نام بھی بعض روایات میں درج ہے
 حضرت قاسمؓ نبوت سے دس بارہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ لیکن بچپن ہی میں وفات پا گئے
 حضرت ابراہیمؓ ۸۰ میں پیدا ہوئے اور صرف سوا دو مہینے کے بعد انتقال کر گئے۔
 حضرت زینبؓ کا عقد ان کے مویرے بھائی ابوانعاص کے ساتھ ہوا۔ ۳۰ میں
 صاحبزادہ علیؓ اور صاحبزادی امامہؓ کو یادگار چھوڑ کر وفات پائی۔

حضرت رقیہؓ کا نکاح اسلام سے پہلے ابو لہب کے بیٹے عتبہ کے ساتھ ہوا۔ اسلام
 کے بعد ابو لہب نے طلاق و لوادی۔ پھر حضرت عثمانؓ کے عقد میں آئیں۔ جنگ بدر کے زمانے
 میں انتقال کیا۔

حضرت ام کلثومؓ ابو لہب کے دوسرے بیٹے عتبہ کے عقد میں آئیں۔ لیکن ابو لہب
 نے انہیں بھی طلاق و لوادی۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال پر حضرت عثمانؓ سے نکاح ہوا۔
 ۳۰ میں وفات پائی۔

حضرت فاطمہ الزہراءؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا۔ آنحضرتؐ کو ان سے بہت زیادہ
 محبت تھی۔ حضرت علیؓ نے ان کے جیتے جی دوسری شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ تو آنحضرتؐ
 کو سخت رنج پہنچا۔ اس پر حضرت علیؓ نے یہ خیال چھوڑ دیا۔ اور ان کی زندگی میں دوسرا نکاح
 نہ کیا۔ ۳۰ میں وصال نبویؐ سے چھ مہینے بعد انتقال کیا۔ ان کے تین بیٹے تھے حضرت
 حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت محسنؓ، اور دو بیٹیاں حضرت ام کلثومؓ، حضرت زینبؓ۔

سیرت النبیؐ

انسان کی عظمت کا بہترین معیار اخلاق و عمل ہے۔ تاریخ عالم کے اوراق ایک ایک کر کے اُلٹ جائیے۔ عام مصلحین سے انبیاءؑ تک کی

سیرت پر ناقدانہ نظر ڈالئے۔ اور دیکھئے کتنے بزرگ ایسے نکلتے ہیں۔ جو صرف محراب و منبر ہی پر جلوہ گر ہو کر لوگوں کو خلقِ عظیم کا درس نہ دیتے۔ بلکہ خلوت میں بھی اس کا عملی نتیجہ بن جاتے تھے۔ آپ کو مکہ کے معلمِ امی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا جو پکار پکار کر لہہ تقولون مالا تقولون کہتے تھے۔ کوئی بزرگ ایسا نہ ملے گا۔ جس کی زندگی کا ایک بھی واقعہ اس کے ارشاداتِ زریں کی تائید میں پیش کیا جاسکے۔ مختصر یہ کہ اگر چلتا پھرتا اور بولتا چالتا قرآن دیکھنا ہو تو حضرت رسول کریمؐ کی ذات گرامی کو دیکھ لو۔ آپ کی سیرت یکسر قرآن تھی۔ مشہور الہامی کتابیں اپنے اپنے رسول کے اقوالِ زریں سے لبریز ہیں۔ لیکن کیا ان میں سے ایک بھی قول اپنے مبلغ کے عمل کی شہادت دے رہا ہے۔ اب قرآن عزیز کو دیکھئے۔ کہ کس طرح اپنے داعیِ حق کے باب میں ڈنکے کی چوٹ کہ رہا ہے۔

اے محمد! تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو

اِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ كَحٰی

اب اس شہنشاہِ کونین اور رحمتہ للعالمین صلعم کے فقید المثال اخلاقِ عظیمہ پر جو خدا کے بعد کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے۔ اجمالی روشنی ڈالنے کے لئے عنوانات کے ساتھ ساتھ ان کا بیان اور جزئی واقعات سپردِ قلم کئے جاتے ہیں:-

ایک دفعہ آنحضرتؐ درہ کوہ میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے۔ عقبہ بن عامر صحابی

ہمراہ تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا: "اؤ سوار ہو جاؤ"۔ وہ سوچ میں پڑ

گئے۔ کہ ایسی بے ادبی تو مجھ سے نہ ہو سکے گی۔ آنحضرتؐ نے دوبارہ فرمایا۔ اب انھوں نے محسوس کیا۔ کہ انکار کرنا تعمیلِ ارشاد کے خلاف ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ اتر پڑے۔ اور وہ سوار ہو گئے۔

ایک مرتبہ کسی سے اونٹ مستعار لیا۔ واپسی پر اس سے بہتر اونٹ دیا۔

اور فرمایا: "سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو ہوائے قرض میں خوش

معاملگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔"

ایک دفعہ کسی سے پیالہ قرض لیا۔ اتفاق سے وہ کھویا گیا۔ تو اس کی قیمت ادا فرمائی۔

عدل و انصاف

ایک مرتبہ خاندان محزون کی کسی عورت نے چوری کی۔ لوگوں نے اسے سزا سے بچانے کے لئے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ذریعے سے کہ حضور انھیں بہت محبوب رکھتے تھے۔ بارگاہ نبویؐ میں معافی کے لئے درخواست کرائی۔ آپ نے نہایت طیش میں آکر فرمایا۔ "بنی اسرائیل کو اسی چیز نے تباہ کیا۔ کہ وہ غریبوں کو ہزا دیتے اور امیروں کو چھوڑ دیتے تھے۔"

سخاوت

ایک دفعہ کوئی شخص خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا۔ اور آپ کی بکریوں کا ریوڑ دور تک پھیلا ہوا دیکھ کر سوال کیا۔ آنحضرتؐ نے تمام کی تمام اسے دے دیں وہ اپنے قبیلے میں جا کر کہنے لگا۔ "مسلمان ہو جاؤ۔ مجھ ایسے سخی ہیں۔ کہ انھیں تنگ دست ہونے کی کچھ پروا نہیں۔" انتہا یہ ہے۔ کہ زندگی بھر کسی کے سوال پر لب مبارک "نہیں" کے لفظ سے آشنا ہوئے۔

ایشارہ

ایک مرتبہ حضرت زبیرؓ کی صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ جو آپ کو اولاد میں سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ حاضر خدمت ہوئیں۔ اور عسرت و تنگ دستی کا حال کہہ کر عرض کی۔ کہ فلاں غزنے کی کینزوں میں سے ایک دو ہمیں عنایت فرمائیے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "بدر کے تیمم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔"

مہمان نوازی

ایک دفعہ کوئی کافر مہمان ہوا۔ آنحضرتؐ نے اسے ایک بکری کا دودھ پلایا۔ لیکن وہ سیر نہ ہوا۔ ہوتے ہوتے وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ اور آپ خندہ پیشانی سے پلاتے چلے گئے۔

گداگری سے نفرت

اگر کوئی شخص شدید ضرورت کے بغیر سوال کرتا۔ تو مزاج اقدس پر بہت گراں گزرتا۔ اور فرماتے۔ "اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا لاکر فروخت کرے۔ اور عزت و آبرو سے پیٹ پالے۔ تو سوال کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ قبیضہ نام ایک صاحب جو قرض کے باعث تنگ دست تھے۔ خدمت نبویؐ میں آکر سائل ہوئے۔ آنحضرتؐ نے وعدہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا۔ "اے قبیضہ! سوال کرنا

صرف تین شخصوں کے لئے جائز ہے۔ (۱) جو مقروض ہو۔ لیکن ضرورت پوری ہو جانے پر اسے یہ عادت ترک کر دینی چاہئے (۲) جس کا سرمایہ کسی اچانک حادثے کی نذر ہو گیا ہو۔ مگر جب حالت قدرت درست ہو جائے۔ تو گداگری چھوڑ دے۔ (۳) جو بھوکا ہو۔ اور محلے کے تین معتبر آدمی شہادت دیں۔ کہ وہ فلتے سے ہے۔ ان حالات کے سوا جو شخص مانگ کر کھاتا ہے۔ وہ حرام کھاتا ہے۔“

صدقے سے پرہیز | آنحضرتؐ نہ خود صدقہ و زکوٰۃ قبول کرتے تھے۔ اور نہ اسے اپنے خاندان کے لئے روا رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امام حسنؑ نے صدقے کی ایک کھجور منہ میں ڈال لی۔ حضورؐ نے ڈانٹ کر کہا۔ ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا۔“ پھر اسے اگلا دیا۔

تحفے قبول کرنا | آنحضرتؐ احباب سے اس لئے تحفے قبول فرمایا کرتے تھے۔ کہ اسے از دیاد محبت کا بہترین ذریعہ قرار دیتے تھے۔ بادشاہوں کے تحفے بھی روا نہ فرمایا کرتے تھے۔

تحفے دینا | آنحضرتؐ تحفے بھیجنے والوں کو خود بھی صلے کے طور پر تحفے دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ذی یزن حاکم مین نے حضورؐ کی خدمت میں ایک گراں قیمت عدا بھیجا۔ آپ نے قبول فرمانے کے بعد خود بھی اسے ایک قیمتی عدا ارسال فرمایا۔

احسان نہ اٹھانا | آنحضرتؐ کبھی کسی کا احسان نہ اٹھاتے تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں تعمیر مسجد کے لئے زمین کی ضرورت پیش آئی۔ مالکوں نے عرض کی بفت نذر ہے۔ مگر حضورؐ نے قیمت ادا فرمائی۔

تشدد سے احتراز | ایک دفعہ کسی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر گزارش کی مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے۔ مزار کے لئے حکم صادر فرمائیے۔ آنحضرتؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ نماز سے فراغت ہوئی۔ تو اس نے دوبارہ وہی عرض کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ”کیا تم نے نماز ادا نہیں کی؟“ کہا، ”ادا کر لی۔“ فرمایا۔ ”تو میں خدا نے تمہارا گناہ بخش دیا۔“

ترک دنیا کی ناپسندیدگی | ایک دفعہ کسی صحابی نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں ایک غار دیکھ آیا ہوں۔ جس میں قدرتی آب و دانہ موجود ہے۔

چاہتا ہوں، کہ دنیا چھوڑ کر وہاں چلا جاؤں۔ اور ساری زندگی عبادت الہی میں گزار دوں آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ "میں دنیا میں یہودیت یا عیسائیت لے کر نہیں آیا۔ بلکہ آسان ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں۔"

مدح و تعریف ناپسند تھی | ایک دفعہ مسجد میں کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ آنحضرت نے نام عرض کرنے کے ساتھ ہی اس کی حد سے زیادہ تعریف کی۔ حضور نے فرمایا۔ "دیکھو کہیں یہ نہ سن لے۔ ورنہ برباد ہو جائے گا۔" یعنی غرور اسے ہلاک کر دے گا۔

سادگی اور بے تکلفی | جیسا کھانا سامنے آتا، کھا لیتے۔ جیسا موٹا جھوٹا کپڑا مل جاتا۔ پہن لیتے۔ جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ غرض آپ کی زندگی سادگی اور بے تکلفی کی تصویر تھی۔

تکلف اور امارت سے احتراز | ایک دفعہ اپنی عزیز ترین صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء کا طلائی ہار دیکھ کر فرمایا۔ "کیا تم یہ پسند کرو گی۔ کہ لوگ کہیں۔ پیغمبرزادی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔"

مساوات | ایک دفعہ سفر میں کھانا تیار کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ہر صحابی نے ایک ایک کام تقسیم کر لیا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ جنگل سے لکڑیاں میں لاؤں گا۔ صحابہ نے ہر چند عرض کی۔ کہ ہم خادموں کے ہوتے ہوئے آپ تکلیف نہ فرمائیں لیکن ارشاد ہوا۔ کہ "میں اپنے آپ کو تم سے ممتاز نہیں کرنا چاہتا۔ خدا کے نزدیک ایسا بندہ پسندیدہ نہیں۔"

تواضع | اپنا کام آپ کرتے۔ جو ٹاٹوٹ جاتا، تو خود ہی گانٹھ لیتے۔ کپڑا پھٹ جاتا تو خود ہی سی لیتے۔ مفلس سے مفلس اور ادلے سے ادلے آدمی بھی بیمار ہو جاتا تو اس کی خبر گیری کرنے تشریف لے جاتے۔

ایک دفعہ کوئی شخص کسی کام کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ لیکن رعب نبوت سے تھر تھرا کا پنے لگا۔ فرمایا۔ ”گھبراتے کیوں ہو۔ میں فرشتہ نہیں۔ عام آدمیوں کی طرح میری ماں بھی ایک قریش عورت تھی۔ جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔“

آنحضرتؐ فرمایا کرتے۔ ”جس طرح عیسائی اپنے پیغمبر کی مدح میں بیانے سے کام لیتے ہیں۔

تعظیم اور انتہائی تعریف سے روکنا

میری تعریف اس طرح نہ کیا کرو۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔“

ایک دفعہ کوئی صاحب دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ باتوں باتوں میں کہنے لگے۔ ”جو خدا چاہے اور جو آپ چاہیں۔“ فرمایا۔ کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ کہو۔ ”جو خدا کیسلا چاہے۔“

آنحضرتؐ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے اور شرم و حیا کے پیکر تھے۔ حتام میں نہانے سے منع فرماتے۔ پھر صرف مردوں کو چادر باندھ کر نہانے کی اجازت دے دی۔

رسول اللہؐ کے مرقع زندگی میں جگہ جگہ عزم و ثبات کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ جنگ احد میں صحابہؓ نے آنحضرتؐ کے طلب مشورہ پر حملہ کرنے کی رائے دی۔ لیکن حضورؐ کے مسلح ہو جانے کے بعد حملے سے ہاتھ روک لینے کا خیال ظاہر کیا۔ ارشاد ہوا۔ ”پیغمبر زور نہیں کراتا نہیں سکتا۔“

شجاعت میں آنحضرتؐ کا کوئی حریف نہ تھا۔ بڑے بڑے بہادر آپ کی تیغ شجاعت کا لوہا مانتے تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں اچانک شورا اٹھا کہ غنیم آگیا۔ لوگ مقابلے کو نکل آئے۔ لیکن سب سے آگے آنحضرتؐ تھے۔ اور جلدی میں زمین کے بغیر برہنہ پشت گھوڑے پر سوار ہو کر ہر جگہ دیکھ بھال کر آئے۔ پھر لوگوں کو تسلی دی کہ کوئی خطرہ نہیں۔

یوں تو سچ بولنا اور پیغمبری لازم و ملزوم ہیں۔ لیکن یہاں صرف دشمنوں کی سچ بولنا

زبان سے آنحضرتؐ کی رسالتؐ کی ایک دو شہادتیں درج کی جاتی ہیں

جا دو وہ جو سر پر چڑھ کے لوے۔

نبوت کا دعویٰ کرنے کے وقت قریش مکہ نے حضور کو نعوذ باللہ مجنوں کہا، شاعر کہا، کاہر کہا۔ لیکن کاذب نہیں کہا۔

اور تو اور ابو جہل جیسے جانی دشمن نے کہا تو یہی کہا۔ ”محمد! میں تمہیں جھوٹا تو نہیں کہتا۔ لیکن تمہارے دعوے کے دلائل کو صحیح نہیں سمجھتا۔“

نبوت سے قبل کا ذکر ہے۔ کہ ایک دفعہ عبداللہ بن ابی العسار نے رسول اللہ سے کچھ معاملہ کرنے کے بعد کہا۔ ”آپ یہاں بیٹھے۔ میں ابھی واپس آ کر حساب

بے باق کروں گا۔“ عبداللہ کو دوسری مصر و فیتوں میں اپنا وعدہ یاد نہ رہا۔ تین دن کے بعد آگ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ حضور وہیں تشریف فرما ہیں۔ ارشاد ہوا۔ کہ میں تین دن سے یہاں بیٹھا تھا۔ انتظار کر رہا ہوں۔“

اس ارشاد ربانی کی روشنی میں کہ ”قیامت میں نعیم سے سوال ہوگا۔“ آنحضرت دنیا کی نعمتوں سے احتراز فرماتے تھے۔ اکثر فلتے سے رہتے تھے۔ رات

کو بارہا ایسا اتفاق ہوتا۔ کہ آپ صبح اہل و عیال بھوکے سو رہتے۔ حضور کا ارشاد ہے۔ کہ ”آدمی کو صرف انھیں چیزوں کا حق ہے۔ ایک گھر، ایک کپڑا، روکھی سوکھی روٹی اور پانی۔“

ایک دفعہ آنحضرت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ کہ ایک بدو حصول نیاز کے لئے حاضر ہوا۔ چھوڑی دیر کے بعد وہ مسجد ہی میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ لوگ

آنا فنا سے سزا دینے کے لئے جمع ہو گئے۔ ارشاد ہوا۔ کہ ”اسے چھوڑ دو۔ اور پانی کا ایک ڈول ڈال کر بہا دو۔ خدا نے تمہیں مشکل کے لئے نہیں۔ بلکہ سہولت کے لئے بھیجا ہے۔“

دشمنوں سے بدلہ لینے کا سب سے بڑا موقع وہ تھا۔ جب آنحضرت دشمنوں سے درگزر

نے کینہ خواہی کے مجنونانہ جوش میں آپ پر اذیت و ظلم کی بجلیاں گرانے میں تمام قوتیں صرف کر دی تھیں۔ لیکن رحمۃ اللعالمین نے انھیں یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔

لا تشوب علیکم الیوم اذھبوا فانتم المطلقاء۔ تم پر کوئی ملامت نہیں۔ جاؤ ادا ہو۔

ابوبصرہ غفاریؓ کفر کی حالت میں بمقام مدینہ رسول اللہؐ کے
کفار کے ساتھ سلوک | یہاں ہوئے۔ رات ہوئی۔ تو تمام بکریوں کا دودھ پیتے پیتے ختم
کر دیا۔ آنحضرتؐ خاموش رہے۔ اور گھر کے سب لوگوں نے فاقہ کیا۔

ایک دفعہ چند یہودی بارگاہ نبوتؐ میں حاضر
یہودیوں اور عیسائیوں سے سلوک | ہوئے۔ اور السلام علیکم کے بجائے

السلام علیکم (تمہیں موت آئے) کہا۔ حضرت عائشہؓ نے طیش میں آکر انہیں درشت جواب
دیا۔ لیکن حضورؐ نے روکتے ہوئے فرمایا: "عائشہؓ بدزبانی نہ کرو، نرمی کرو۔ خدا کو ہر بات میں
نرمی پسند ہے۔"

ایک دفعہ نجران کے عیسائی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ تو آپؐ نے ان کی خاطر داری
کر کے انہیں مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا۔ بلکہ ان کے اپنے رواج کے مطابق مسجد میں عبادت کرنے
کی بھی اجازت عطا فرمائی۔ مسلمانوں نے انہیں منع کرنا چاہا۔ تو آپؐ نے روک دیا۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے دعائیں فرمایا۔ "اے خدا! مجھے غریب
غریبوں پر شفقت | زندہ رکھ، غریب اٹھا، اور غریبوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر۔"

حضرت عائشہؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہؐ! یہ کس لئے؟" ارشاد ہوا: "اس لئے کہ غریب امیروں
سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔" پھر فرمایا: "عائشہؓ! کسی غریب کا سوال رد نہ کرنا۔ خواہ
ذرا سا چھہارا ہی کیوں نہ ہو۔ وہی دے دینا۔ خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔"

غزوہ احد میں جن دشمنوں نے آپؐ پر پتھروں۔ تیروں
دشمنوں کے لئے دعائے خیر | اور تلواروں سے قاتلانہ حملے کئے۔ ان کے حملوں کو

آپؐ نے اس دعا کے حربوں سے روکا۔ کہ:۔

اللهم اهد قومی فانہم لا یعلمون - اے اللہ! ان لوگوں کو ہدایت دے۔ کہ یہ نادان ہیں۔

رسول اللہؐ صلعم بچوں کے ساتھ نہایت محبت
بچوں سے محبت اور شفقت | کرتے اور ان پر شفقت فرماتے تھے۔ ایک صحابیؓ

بیان کرتے ہیں۔ "ایک دفعہ بچپن میں میں نے آنحضرتؐ کے پیچھے نماز ادا کی۔ نماز پڑھ کر

زندگی ہوئے کپڑے پہنے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ یہ دل گداز نظارہ دیکھ کر حضور کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

بیمار پرسی میں مسلم و غیر مسلم، یگانہ و بیگانہ، دوست و دشمن کا امتیاز نہ تھا۔ ایک دفعہ کوئی یہودی غلام بیمار ہوا۔ تو آنحضرت اس عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔

ایک مرتبہ کسی حبشی نے جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ انتقال کیا۔ لوگوں نے حضور کو اطلاع نہ دی۔ ایک دن اس کا حال دریافت کرنے کے بعد اس کی قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔

آنحضرت نہایت خوش طبع اور شگفتہ مزاج تھے۔ ظرافت میں انتہائی شش طبعی پاکیزگی پائی جاتی تھی۔ ایک صاحب نے دربار رسول میں حاضر ہو کر کوئی داری عنایت فرمانے کے لئے درخواست کی۔ فرمایا۔ "میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دوں گا۔" عرض کیا۔ "یا رسول اللہ میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا۔" ارشاد ہوا۔ کہ "کون سا اونٹ ہے۔ جو اونٹنی کا بچہ نہیں؟"

آنحضرت کو اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت تھی۔ حضرت فاطمہؓ جب اولاد سے محبت خدمت اقدس میں آئیں۔ تو حضور کھڑے ہو جاتے۔ پیشانی پر ہاتھ دیتے۔ اور اپنی جگہ بٹھاتے۔

ایک دفعہ آپ کسی دعوت میں تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت امام حسینؓ راستے میں میل رہے تھے۔ آپ نے انہیں پکڑ کر سینے سے چٹایا۔ اور فرمایا۔ "حسین میرا ہے۔ اور میں تمہارے کا بچوں کا۔"

حضرت امام حسنؓ کو گود میں اٹھا کر ان کے منہ میں منہ ڈالتے اور فرماتے "الہی! میں سے چاہتا ہوں۔ اور اُسے بھی چاہتا ہوں۔ جو اُسے چاہے۔"

دوسری جلد

خلافتِ راشدہ

TAHIRA

۱۲ سے ۱۳ تک

خلافتِ راشدہ ۶۶ تقریباً ۲۸ سالوں پر مشتمل ہے

۱۲ سے ۱۳ تک

Asif

پوتھاب

خلافت راشدہ

اسلامی خلافت | اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دو قسم کے نبی مبعوث کئے (۱) معلم نبی مثلاً حضرت موسیٰؑ اور (۲) بادشاہ نبی مثلاً حضرت سلیمانؑ۔ معلم نبی کا

جانشین کوئی نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ نبوت کا کام ختم کر جاتا ہے۔ نبی پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اس لئے اگر اس کا کوئی جانشین ہو۔ تو اس پر بھی وحی نازل ہونی چاہئے۔ پھر دونوں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ پہلا نبی اسی وقت واصل بحق ہوتا ہے۔ جب وہ فرائض نبوت پوری طرح انجام دے چکتا ہے۔ اس کے وصال کے بعد فوراً ہی اس کے جانشین یعنی دوسرے نبی کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن بادشاہ نبی کے انتقال پر فرائض نبوت کی بجا آوری کے لئے تو واقعی اس کا کوئی جانشین نہیں ہوتا۔ البتہ امور سلطنت میں جانشین کا ہونا ناگزیر ہے۔ کسروں کا تات فخر موجودات احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ نبی تھے۔ کیونکہ وہ نبی اور ختم الرسل ہونے کے علاوہ ایک مکمل و بہترین مجموعہ قوانین بھی لے کر آئے تھے۔ لہذا وصال حضور کے بعد امور سلطنت میں آپ کے جانشین یا خلیفہ کا ہونا قطعاً لا بدی تھا۔ چنانچہ مہمات حکومت میں آنحضرتؐ کے جانشین ہوئے۔ ان میں صرف چار اصحاب ایسے نکلے جو بلا واسطہ حضور کے فیض تربیت سے بہرہ یاب ہونے کے باعث اپنی حکومت و سلطنت کو شہنشاہ کونین کی حکومت و رسالت کے زیادہ سے زیادہ مشابہ رکھنے کے قابل ہوئے۔ انھیں چار یاروں کی حکومت و سلطنت یعنی خلافت کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ

۱۲ھ سے ۱۳ھ تک

تذکرہ صدیقؓ

عبداللہ نام، ابو بکر کنیت اور صدیق عتیق لقب تھا۔ حجاز کے یثرب اور قریش کے معزز خاندان بنی تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ چھٹی پشت

پر آپ نسب میں آنحضرتؐ سے مل جاتے ہیں۔ خوں بہا اور تاوان کا فیصلہ جو بنی تمیم سے متعلق تھا۔ آپ ہی کیا کرتے تھے۔ قبول اسلام سے پیشتر ذریعہ معاش تجارت تھا فطرتاً نیک دل ہونے کے باعث زمانہ جاہلیت میں بھی پاک باز تھے۔ اور آپ کا دامن کردار مرد جبہ برائیوں کے داغوں سے مبرا تھا۔ تمول نے حسن اخلاق کے سونے پر مہاگے کا کام کیا۔ اور آپ قریش کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔

حضرت ابو بکرؓ عمر میں آنحضرتؐ کے تقریباً برابر اور بچپن کے رفیق تھے۔ اکٹھے کھیلتے اور اکٹھے ہی اٹھتے بیٹھتے تھے۔ اس لئے دونوں ایک دوسرے کے اخلاق شناس اور سیرت آگاہ تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب رسول کریمؐ نے سب سے پہلی دفعہ دعوتِ اسلام دی۔ تو آپ نے بلا تامل اس کی تصدیق کی۔ اس کے صلے میں آپ کو "صدیق" کا امتیازی لقب عطا ہوا۔ آپ کو آنحضرتؐ سے انتہائی محبت بلکہ عشق تھا۔ تبلیغ اسلام کی سنگلاخ وادیوں اور دشوار گزار بیابانوں میں آپ حضورؐ کی قوتِ بازو بن گئے۔ جب کبھی موقع ملا خدمتِ اسلام کے رستے میں اپنا سارا مال و زر قربان کر دیا۔ اور گھر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے سوا کچھ نہ رکھا۔ سچ یہ ہے۔ کہ آپ آنحضرتؐ پر جان چھڑکتے تھے۔ اور حضورؐ کی عزت و آبرو کو اپنی عزت و آبرو سمجھ کر اپنا سب کچھ نثار کر دینے کو سعادتِ عظمیٰ جانتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کی سر بکف جدوجہد سے فرزندانِ توحید کی فہرست میں بڑی بڑی ہستیوں کے ناموں کا اضافہ ہوا۔ بنی اکرمؐ آپ کے اس بے نظیر ایثار کو نہایت قدردانیت کی نگاہ سے دیکھتے، اور فرمایا کرتے۔ کہ جانِ دین کے اعتبار سے میں ابو بکرؓ سے زیادہ کسی کا مرہونِ منت نہیں۔

یہ حقیقت سب پر بے نقاب تھی۔ کہ آنحضرتؐ کی نیابت کے لئے جن غیر معمولی محاسن کی ضرورت ہے۔ وہ سب سے زیادہ حضرت ابوبکرؓ میں پائے جاتے ہیں۔ لہذا وہی اس منصب کے لئے موزوں ترین و مستحق ترین شخص ہیں۔ کبھی کبھی ایسے مواقع بھی پیش آجاتے تھے جو زبان حال سے اس شرف کے لئے آپ کے انتخاب کی تائید کر دیتے تھے۔ باقی رہا یہ سوال کہ آنحضرتؐ نے متعدد موقعے میسرانے کے باوجود صریحاً کسی کو اپنا جانشین کیوں مقرر نہ فرمایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ایسا کرنا اسلام کے جمہوری نظام کے خلاف تھا۔ اور آپ کو دانش گاہ نبوت کے فارغ التحصیل صحابہؓ کے علم و نظر پر پورا اعتماد تھا۔ کہ وہ اسلامی نظام کو بہترین طریق پر قائم رکھیں گے۔ اور اس میں کسی قسم کا نقص یا خلل واقع نہ ہونے دیں گے۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت

فرما کر حضرت عمرؓ کا جوش ٹھنڈا کیا۔ ادھر یہ افسوس ناک اطلاع ملی۔ کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے موقع شناسی سے کام لے کر تجہیز و تکفین کے لئے حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ کو وہاں چھوڑا۔ اور خود حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ وہاں نزاع و اختلاف کا بازار گرم تھا۔ انصار کہہ رہے تھے۔ کہ ایک خلیفہ ہم میں سے ہونا چاہیے ایک ہاجرین میں سے۔ اس پر بڑی بحث ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت تحمل اور نرمی سے انصار کو سمجھا کر ایک برجستہ تقریر کی۔ جس سے مجلس کا رنگ بدل گیا۔ آخر خود حضرت بشیرؓ انصاری نے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد بیان کر کے کہ الامۃ من القیش انصار کو خاموش کر دیا۔ اس حدیث جمیل نے معجزانہ قوت سے جھگڑے کا بہترین فیصلہ کر دیا۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ کہ یہ عمرؓ بن الخطاب اور ابو عبیدہؓ موجود ہیں۔ ان میں سے جس کو چاہو۔ بیعت کے لئے منتخب کر لو۔ اس پر ان دونوں صاحبوں نے کہا۔ نہیں۔ اس بلند ترین منصب کے سب سے زیادہ اہل حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ جو رسول اللہ کے یار غار تھے۔ اور جنہیں حضورؐ نے زندگی ہی میں امامت نماز کے لئے اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔ اس کے بعد سب سے پہلے حضرت عمرؓ

نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ دیکھ کر ہر طرف سے مسلمانوں کے گروہ کے گروہ ٹوٹ پڑے۔ اگلے دن مسجد نبویؐ میں عام بیعت لی گئی۔ اس سے فارغ ہو کر آپ نے حسبِ قیلِ خطبہ ارشاد فرمایا:۔

”لوگو! میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں۔ حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں۔ اگر

میں نیک کام کروں۔ تو تمہارا فرض ہے۔ کہ میری اطاعت اور امداد کرو۔ اور اگر

غلط راستے پر چلوں۔ تو یہ بھی تمہارا فرض ہے۔ کہ مجھے سیدھے راستے پر چلاؤ۔

سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تمہارا کمزور شخص بھی میرے نزدیک طاقتور

ہے۔ جب تک میں دوسروں سے اس کا حق نہ دلوں اور تمہارا طاقتور

شخص بھی میرے نزدیک کمزور ہے۔ جب تک میں اس سے دوسروں کا حق

نہ لے لوں۔ جہاد کو نہ چھوڑنا۔ جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے۔ خدا نے ذلیل

کر دیتا ہے۔ اور جو قوم بدکاری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ خدا اس پر مصیبت نازل

کر دیتا ہے۔ جب تک میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کروں۔ تم میری اطاعت

کرو۔ اور جب نافرمانی کروں۔ تو میرا ساتھ چھوڑ دو۔ کیونکہ اس صورت میں تم پر

میری اطاعت فرض نہیں۔“ رسولؐ کا خلیفہ رسولؐ کی نافرمانی کیوں کرتا ہے

حضرت علیؓ کی بیعت میں توقف

حضرت علیؓ نے صرف اس شکایت کی بنا پر
چالیس دن تک بیعت نہ کی۔ کہ سقیفہ بنی

ساعده میں بیعت کے وقت ان سے کیوں مشورہ نہیں کیا گیا۔ اس دوران میں ایک دن ابو

سفیان نے مدینہ آکر یہ کہتے ہوئے ان کے جذبات کو مشتعل کرنا چاہا۔ کہ آپ کے ہوتے ہوئے

ابو بکرؓ کو خلافت کیوں نکرل سکتی ہے۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس کی چالاکی بھانپ کر اسے تلخ

جواب دیا۔ اور اسی وقت حضرت ابو بکرؓ کے پاس جا کر کہا۔ ”میں آپ کی خلافت سے انکار

نہیں کرتا۔ البتہ یہ بات ہے۔ کہ ہم رسول اللہؐ کے زیادہ قریبی رشتہ دار ہیں۔ اس لئے ہم اس

امارت کو اپنی حق تلفی خیال کرتے ہیں۔ مگر بایں ہمہ اگر آپ سقیفہ بنی ساعده میں ہمیں بھی بلوا

لیتے۔ تو ہم بھی سب سے پہلے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیتے۔“ حضرت ابو بکرؓ نے ابدیدہ

ہو کر فرمایا۔ "فات باری تعالیٰ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ مجھے رسول اللہ کے عزیزوں سے سلوک کرنا اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کرنے سے زیادہ محبوب و مرغوب ہے۔ میں سقیفہ میں بیعت کے لئے تھوڑا ہی گیا تھا۔ میرا مقصد تو ہاجرین اور انصار کا جھگڑا چکانا تھا۔ اور بس۔ لیکن لوگوں نے خود بخود متفقہ طور پر مجھ سے بیعت کر لی۔ اگر میں اس وقت بیعت لینے کو معرض التوا میں ڈال دیتا۔ تو یہی خطرہ دوبارہ زیادہ قوت سے پیدا ہو جانے کا قوی احتمال تھا۔ پھر آپ تو اس وقت تجہیز و تکفین کا نہایت ضروری کام انجام دے رہے تھے۔ آپ کو کیونکر بلواتا؟ اس گفتگو سے حضرت علیؓ کی پوری تسلی ہو گئی۔ اور بھرتے مجمع میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت ابوبکرؓ کے لئے خلافت استروں طوفان ارتداد اور حضرت اسامہؓ کی مہم کی مالا ثابت ہوئی۔ ادھر آپ نے مسند

خلافت پر قدم رکھا۔ ادھر قبائل عرب میں ارتداد کا طوفان اٹھ پڑا۔ ساتھ ہی ملک کے گوشے گوشے سے نبوت کے جھوٹے مدعیوں نے حشرات الارض کی طرح سر نکالا۔ اس پر مستزاد یہ کہ لشکر حضرت اسامہؓ کی روانگی کا نہایت اہم کام درپیش تھا۔ اس اثنا میں یہ خبریں بھی تیرول کی طرح برسنے لگیں۔ کہ دشمن کی طرف سے مدینہ پر حملہ کرنے کی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں کے سامنے آفات و مصائب کے پہاڑ کھڑے ہو گئے۔ لیکن محبوب خدا کے یار غار نے اس نازک موقع اور ہولناک وقت پر ایسی ہمت معزم، صبر، استقامت، بصیرت اور تدبیر سے کام لیا جس کی سب سے اعلیٰ سند انھیں دانش گاہ نبوت سے حاصل ہوئی تھی۔ یہ رنگ دیکھ کر صحابہؓ نے ابوبکرؓ سے عرض کی کہ حالات حاضرہ کی نزاکت کے پیش نظر اسامہؓ کی مہم کو ملتوی کر دینا مناسب ہو گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ارادے پر چٹان کی طرح قائم رہ کر ذوق یقین کی بخشی ہوئی قوت گویائی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ "قسم ہے اس قادر مطلق کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر مدینہ میں ایسا ہجو کا عالم ہو جائے۔ کہ درندے مجھے تنہا پا کر پھاڑا کھانے کو دوڑیں۔ تو بھی میں لشکر اسامہؓ کی روانگی کو ہرگز نہیں روک سکتا۔ کیونکہ اس کی روانگی کے لئے آنحضرتؐ نے

حکم دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے شکر روزانہ کیا۔ اور پیدل اسے رخصت کرنے کے لئے مدینہ سے باہر تک تشریف لے گئے۔ آپ نے رخصت کے وقت حضرت اسامہؓ کو یوں نصیحت فرمائی۔ کہ "خیانت نہ کرنا، جھوٹ بولنے سے بچنا، وعدے کی خلاف ورزی نہ کرنا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو جان سے نہ مارنا۔ ہاتھ پاؤں، ناک کان نہ کاٹنا پھل والے درخت کو نقصان نہ پہنچانا۔ کھانے کی ضرورت کے سوا کسی جانور کو یونہی ذبح نہ کرنا۔ لوگوں کو نرمی سے اسلام کی دعوت دینا۔ ملاقات کے وقت حفظ مراتب کا خیال رکھنا۔ کھانا کھانے سے پہلے خدا کا نام لینا۔ یہود و نصاریٰ کے راہبوں سے تعرض نہ کرنا۔ انجام امور کے وقت احکام رسولؐ میں کمی بیشی نہ کرنا۔ اور کفار سے خدا کے نام پر۔ خدا کی راہ میں جنگ کرنا۔"

مقام حرت سے لوٹتے وقت حضرت ابو بکرؓ نے مزید کہا۔ "اجازت ہو۔ تو میں عمرؓ کو مدد اور مشورے کے لئے اپنے پاس رکھ لوں۔" حضرت اسامہؓ نے اجازت دے دی۔ حضرت اسامہؓ کا مجاہد شکر روزانہ و بلقا میں پہنچ کر رومی فوج کے ساتھ معرکہ آرا ہوا۔ اور چالیس دن کے بعد فتح و ظفر کے پھریرے اڑاتا ہوا بہت سامانِ غنیمت اور قیدی لے کر مدینہ واپس آیا۔ وقت کی نزاکت، پیچیدگی اور ہولناکی کے پیش نظر حضرت ابو بکرؓ کی یہ جہاد آرائی بظاہر قرین مصلحت معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن نتائج کے اعتبار سے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ ممالک خارجہ پر قوتِ اسلام کی ہیبت چھا گئی۔ اور مرتدوں اور باغیوں کی کمرہمت ٹوٹ گئی۔

بعض آزاد نش اور مطلق العنان نو مسلموں نے جو ابھی کیفیت فتنہ ارتداد کی بیخ کنی

اسلام سے بخوبی ذوق آشنا نہ ہوئے تھے۔ ذکوۃ ادا

کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ انکار دوسرے مادیت پسند قبائل کے سمند آرزو کے لئے تازیانہ ہو گیا۔ اور اس آگ کی چنگاریاں اڑا کر عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں۔ اس ہولناک فتنے کو قیامت بننے سے پہلے آغوشِ لمحہ میں سلانے کے لئے حضرت ابو بکرؓ نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ لیکن ان کے تہیج و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب

بعض صحابہؓ نے یہ رائے دی۔ کہ ان مرتدین کو کفار کا ہم رنگ و ہم پہلو سمجھ کر ان کے خلاف ایسا جہاد نہ کرنا چاہئے۔ یہ ناقابل قبول مشورہ سن کر حضرت ابو بکرؓ پر جلالی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور فرمایا۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا ایک جانور یا ایک دانہ بھی دینے سے انکار کرے گا تو خدا کی قسم میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔

اس سلسلے میں مرتدین کے وفود نے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر زکوٰۃ معاف کر دینے کی استدعا کی۔ لیکن امیر المومنینؓ نے صاف جواب دے دیا۔ اس پر لوگ جنگ و پیکار کا بازار گرم کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے عالمین صوبہ کے نام ہدایت نامے اور سرداران قبائل کے نام خطوط ارسال فرمائے۔ نواح مدینہ میں مرتدین کی ایک جماعت حملہ کرنے پر تگ گئی۔ اور موقع پاتے ہی عیس اور بنی ذیبان نے اکٹھے ہو کر دھاوا بول دیا۔ لیکن مسلمانوں نے بہادری سے مقابلہ کر کے ان کے چھٹے چھڑا دئے۔ اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ اسی طرح باقی منکرین زکوٰۃ بھی مغلوب ہو گئے اور فتنہ ارتداد پیوند زمین ہو گیا۔

مدعیان نبوت کا قلع قمع | اب حضرت ابو بکرؓ نے جھوٹے نبیوں کا تیا پانچا کرنے پر کربامدھی۔ جس فتنہ انگیز گروہ نے بے شمار آدمیوں کو

اپنے ساتھ ملا کر بڑی بھاری جمعیت قائم کر لی۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے طلحہ پر حملہ کر کے اس کے پیروؤں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور تیس آدمیوں کو گرفتار کر کے مدینہ بھیج دیا۔ طلحہ نے راہ فرار اختیار کر کے شام کا رخ کیا۔ اور اپنے قبیلے کے داخل اسلام ہونے کے بعد خود بھی مسلمان ہو گیا۔

عکرمہ نے جلد بازی سے کام لے کر میلہ کے ساتھیوں بنی حنیفہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن وہ ناکام رہے۔ اس پر امیر المومنینؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس مہم پر روانہ فرمایا۔ میلہ کا لشکر چالیس ہزار نشوس پر مشتمل تھا۔ اور اسلامی فوج میں صرف تیرہ ہزار مجاہدین تھے۔ میلہ کے سپہ سالاروں رجال اور محکم نے لشکر اسلام پر نہایت زبردست حملہ کیا۔ مسلمانوں نے بنیان مرصوص بن کر اس زلزلہ نما حملے کو روکا۔ پھر عزم بلند اور ہمت عالی سے کام لیکر

اس بے جاگری سے دشمن پر لوٹ پڑے۔ کہ اسے بھاگتے ہی بنی۔ سیلمہ وحشی بن حرب کے ہاتھ سے جہنم رسید ہوا۔ اور اس کی مدعیہ نبوت بیوی سجاح نے راہ گریز اختیار کی۔ اس خونریز جنگ میں دشمنوں کے ستر ہزار آدمی مارے گئے۔ اور مسلمانوں میں سے ایک ہزار کے قریب مجاہدین نے جاہم شہادت نوش کیا۔ جن میں بہت سی تعداد حافظین قرآن کی تھی۔

عمان میں لقیط بن مالک نے نبوت کا دعویٰ کر کے دور و نزدیک کے بہت سے لوگوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حذیفہ بن حصن، عرفجہ بن ہرثمہ اور عکرمہ بن ابی جہل کو امت لقیط کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ یہ سن کر لقیط نے شہر و باہر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے صف آرائی کی۔ آغاز جنگ میں مسلمانوں کا پدہ کمزور رہا۔ لیکن آخر انھوں نے دشمن کو بڑی طرح پسا کر کے شاندار فتح حاصل کی۔ لقیط کے دس ہزار آدمی تہ تیغ اور چار ہزار گرفتار ہوئے۔

اسود عسی کے گروہ میں پھوٹ کی وبا پھوٹ پڑی۔ اور وہ نشے کی حالت میں اپنے ساتھی قیس بن مکشوح کے ہاتھ سے مارا گیا۔

روم اور ایران کی دو زبردست سلطنتیں عرب کی دیرینہ دشمن تھیں۔ وصالِ نبوت کے بعد جب عرب کے اطراف و اکناف میں ارتداد کے

روم اور ایران

باعث بدامنی اور افراتفری کا عافیت سوز طوفان اُٹھ پڑا۔ تو روم اور ایران نے گمی کے چراغ جلائے۔ اور موقع شناسی نے بڑھ کر ان کے کان میں کہا۔ "حکومت عرب کا تختہ الٹ کر اسے تہس نہس اور نیست و نابود کرنے اور اس ہلاکت بار خطرے سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جانے کا یہی وقت ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا چاہئے۔" چنانچہ ہرقل قیصر روم نے شام میں اور اردشیر حکمران ایران نے عراق میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے انتہائی مدبرانہ اور مال اندیشی سے کام لے کر پہلے ہی مشنی بن حارثہ شیبانی کی سرکردگی میں ایک دستہ فوج عراق کی طرف روانہ کر رکھا تھا۔ اب مشنی نے امیر المومنین سے عراق پر حملہ آور ہونے کی باقاعدہ اجازت حاصل کر کے استدعا کی۔ کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کی امداد کے لئے بھیج دیا جائے

چنانچہ حضرت خالدؓ نے جو مدعیان نبوت اور مرتدین کی ہم سے فارغ ہونے کے بعد ابھی واپس نہ ہوئے تھے۔ خلیفہ وقت کے حسب فرمان راستے ہی سے فوجوں کا رخ عراق کی طرف پھیر دیا۔ اور ابلہ میں حضرت خالدؓ اور مثنیٰ دونوں آکر مل گئے۔

دربار ایران کی طرف سے عراق کے صوبہ حضیر کا حاکم ہرمز
جنگ ذات السلاسل نام ایک بہادر مقرر تھا۔ حضرت خالدؓ نے ہرمز کو ایک خط

ارسال کرتے ہوئے لکھا۔ کہ "یا تو مسلمان ہو جاؤ، یا جزیہ دو۔ ورنہ تمہیں ایک ایسی سرباز جماعت سے رزم آرا ہونا پڑے گا۔ جو موت کی ایسی ہی دلدادہ ہے۔ جیسے تم زندگی کے۔" ہرمز نے یہ خط تو دربار ایران میں بھجوا دیا۔ اور خود حضرت خالدؓ کے مقابلے کو بڑھھا۔ لشکر اسلام ایرانی فوج کے مقابل میں خیمہ زن ہوا۔ حضرت خالدؓ نے میدان میں نکل کر مبارز طلبی کی۔ اور ہرمز سے ہرمز جھومتا جھومتا نکلا۔ ایک دوسرے پر وار کرنے کے بعد دونوں بہادر گتھم گتھا ہو گئے۔ آخر حضرت خالدؓ ہرمز کو گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اور اپنے حریف کا سر کاٹ لیا۔ اس پر ایرانی فوج یک بارگی آگے بڑھی اور دونوں لشکروں میں گھسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ اگرچہ ایرانیوں نے اپنے پاؤں میں زنجیریں ڈال لی تھیں۔ کہ میدان کا زار سے بھاگنے نہ پائیں۔ لیکن پھر بھی انھیں عربوں کے بے پناہ حملوں کی تاب نہ لاسکنے کے باعث زنجیریں توڑ کر بھاگتے ہی بنی۔ اور اسلامی فوج کو شامدار فتح حاصل ہوئی۔

ہرمز کے ذریعے سے حضرت خالدؓ بن ولید کے خط کی اطلاع دربار ایران
جنگ قارن میں پہنچی۔ تو اردشیر نے ایک مشہور جنگ جو سردار قارن کے زیر کمان

بھاری فوج ہرمز کی حمایت کے لئے بھیج دی۔ قارن کو مذار میں ہرمز کی پٹی ہوئی فوج ملی۔ تو اسے فتح کا سبب باغ دکھا کر وہیں ٹھہرا لیا۔ حضرت خالدؓ بھی اطلاع لینے پر مذار پہنچ گئے۔ اور طریقہ میں گھسان کارن پڑا۔ لشکر اسلام نے کشتوں کے پتے لگا دیئے۔ اور ایرانی شکست فاش کھا کر بھاگ گئے۔ اکثر نہریں ڈوب کر مر گئے۔ ایرانیوں کے تیس ہزار آدمی فنا کے گھاٹ اترے۔ جن میں قارن، انوش جان، قباد اور دوسرے بڑے بڑے افسر شامل تھے۔

جنگ اولجہ | اس تباہی خیز شکست کی خبر دربار ایران میں پہنچی۔ تو اردشیر غم و غصہ سے

عمل در آتش ہو گیا۔ اور فوراً ایک نامور جنگ جو اندازگر کے زیر قیادت لشکر جرار روانہ کیا۔ یہ لشکر اوجھ پہنچا، تو ایک اور بہادر بہمن جاذویہ کی سرکردگی میں دوسرا زبردست لشکر بھیجا۔ حضرت خالدؓ بھی اطلاع پا کر مقابلے کے لئے یہاں آگئے۔ ان کی آن میں حرب و ضرب کے شعلے بلند ہونے لگے۔ اور چشم زدن میں خون کی مدیاں بہ گئیں۔ ایرانیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کا سردار ابوزرگر معرکہ کارزار میں پیاس کی شدت سے مر گیا۔ بہمن جاذویہ نے اعلیس میں قیام کیا۔ اور شکست خوردہ ایرانی بھی وہاں پہنچ کر اس کی فوج میں مل گئے۔ اس جنگ میں بہت سے عیسائی عربوں نے بھی شامل ہو کر ایرانیوں کی مدد کی تھی۔ اور کثیر التعداد عیسائی مارے گئے تھے۔ اس لئے جوش انتقام میں تمام عیسائی قبائل ایرانی فوج میں شریک ہو گئے۔

جنگ اعلیس | حضرت خالدؓ کو خبر ملی۔ کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کی ایک فوج گراں اعلیس میں جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنے والی ہے۔ تو وہ بھی ساز و سامان جنگ سے لیس ہو کر اُدھر روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر کشت و خون کا بازار گرم کیا۔ ایرانیوں اور عیسائی عربوں کی متفقہ فوج کے دھوئیں اُڑا دیئے۔ اور پلک مارنے میں دشمن کے ستر ہزار آدمی خاک و خون میں تڑپنے لگے۔

جنگ حیرہ | اس کے بعد حضرت خالدؓ مغیشیا پر حملہ کر کے حیرہ پہنچے۔ اور اس کا محاصرہ کر کے اہل شہر کو ناک چنے چبوائے۔ وہاں کے سردار نے دو لاکھ درہم سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ اسلامی عسکری قوت اور حضرت خالدؓ کی اخلاقی تلوار سے مرعوب ہو کر مضافات حیرہ کے باشندوں نے بھی بیس ہزار درہم سالانہ خراج قبول کر کے راہ صلح اختیار کی۔ اور دجلہ تک کے سارے علاقے پر پرچم توحید لہرانے لگا۔

جنگ انبار | حیرہ میں حضرت خالدؓ کو اطلاع ملی۔ کہ انبار میں ایرانیوں نے شیرزاد کے زیر کمان ایک زبردست لشکر جمع کیا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ نے انبار کی جانب کوچ کیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ایرانی فوجیں قلعے میں پناہ گزین ہیں۔ حضرت خالدؓ نے محاصرہ کر لیا۔ ایرانیوں نے دلدے سے تیر برسائے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں نے ترکی بترک

جواب دیا۔ اور ایرانی حواس باختہ ہو گئے۔ آخر شیرزاد نے ہتھیار ڈال کر صلح کر لی۔

جنگ عین التمر انبار کا معرکہ سر کرتے ہی وہیں حضرت خالد کو خبر ملی۔ کہ مہران بن بہرام چوہیں نے بھاری ایرانی فوج اور عقبہ بن ابی عقبہ نے ایک زبردست

جمعیۃ عرب کے ساتھ عین التمر میں ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے انبار کی عنان

نظام زبرقان بن بدر کے ہاتھ میں دے کر خود عین التمر کی راہ لی۔ وہاں پہنچے تو پہلے عقبہ

مقابلے میں آیا۔ حضرت خالدؓ نے اسے گرفتار کر لیا۔ یہ حال دیکھ کر اس کی ساری فوج نے

راہ فرار اختیار کی۔ مہران بن بہرام نے یہ سنا۔ تو وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ عقبہ کی مفروضہ فوج نے

قلعے میں پناہ لی۔ حضرت خالدؓ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور عیسائی عربوں نے سپردال دی۔

جنگ دومتہ الجندل ان دونوں حضرت عیاض بن غنم دومتہ الجندل میں وہاں کے عربی

عیسائی قبائل سے برسر پیکار تھے۔ اس شہر میں دو حاکم تھے۔

(۱) اکید بن عبدالملک اور (۲) جوہی بن ربیعہ۔ ان دونوں نے مسلمانوں سے صف آرا

ہونے کے لئے قرب و جوار کے تمام عیسائی قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ یہ زبردست ہم

تہا حضرت عیاضؓ کے بس کی نہ تھی۔ اس لئے انھوں نے حضرت خالدؓ سے امداد طلب

کی۔ وہ فوراً مدد کو آ پہنچے۔ اکید نے حضرت خالدؓ کا نام ہی سن کر جنگ سے ہاتھ اٹھالیا اور

جوہی کو بھی لڑائی سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اسے حضرت خالدؓ

نے گرفتار کر کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ جس نے مقابلہ کیا۔ اسے تہ تیغ کر دیا گیا۔ اور جس نے

پناہ مانگی اسے پناہ دے دی گئی۔

جنگ حصید ایرانیوں نے دیکھا۔ کہ حضرت خالدؓ بن ولید تو حیرہ سے چلے ہی گئے ہیں۔

اب اس پر قبضہ کر لینا چاہتے۔ حیرہ کے عیسائی عربوں نے بھی جوش ارتقا

میں پوری طرح جنگ کی تیاری کر لی۔ دو مشہور ایرانی سردار زہرا اور روزبہ عرب فوج کو ساتھ

لے کر حصید کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر قعقاعؓ اور ابولیسؓ بھی اسلامی فوج کے ایک ایک

حصے کی کمان سنبھال کر حصید پہنچ گئے۔ اور طرفین میں خون ریز جنگ ہوئی۔ مسلمانوں نے

دونوں ایرانی سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور ان کی بے شمار فوج کو گاجرمولی کی

طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ جو بھاگ کر بچ گئے۔ انہوں نے خنافس پہنچ کر دم لیا۔ جہاں ایک نامور ایرانی سپہ سالار بہبودان بھاری فوج لئے ہوئے خیمہ زن تھا۔ ابو لیلیٰ نے ان بھگوروں کا تعاقب کیا۔ تو بہبودان نے خوف زدہ ہو کر مصیخ کی راہ لی۔ وہاں ہذیل عربوں کا لشکر جزائر لئے ہوئے پڑا تھا۔

جنگ مصیخ حضرت خالد بن ولید قعقاع اور ابو لیلیٰ کو فریان بھیجا۔ کہ الگ الگ راستوں سے اپنی اپنی فوج لے کر مصیخ پہنچ جاؤ۔ اور خود بھی ایک اور راستے سے وہاں پہنچ گئے۔ ان کی آن میں آتش جنگ کے شعلے آسمان کی خبر لانے لگے۔ غازیان اسلام نے کفار کی بڑی بھاری جمعیت کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالا۔ ہذیل اور ربیعہ جان بچا کر بھاگ گئے۔ حضرت خالد نے ربیعہ کے تعاقب میں تو قعقاع اور ابو لیلیٰ کو بھیجا۔ اور خود ہذیل کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوئے۔ ان بھگوروں میں مقابلے کی تاب کہاں تھی۔ آخر یہ دونوں مع کثیر التعداد ہراہیبوں کے مارے گئے۔ اس دوران میں ہلال بن عقبہ نے رضافہ میں مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست فوج جمع کرنی۔ یہ سن کر حضرت خالد نے رضافہ کی طرف باگ اٹھائی۔ کفار کا لشکر ڈر کے مارے سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ اور رضاب اور فراض پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا۔ یہ دونوں مقام نہایت اہم تھے۔ اور یہاں فارس، شام اور عرب کی سرحدیں ملتی تھیں۔

جنگ فراض فراض میں ایک طرف ایرانیوں، رومیوں اور عربوں کی سگاند متحدہ طاقتیں جمع تھیں۔ اور دوسری طرف وحدہ لا شریک کہنے والے تنہا مسلمان۔ اور میان میں دریائے فرات ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ دشمنوں کی تین متحدہ فوجیں نشر و پندار۔ شراب نخوت، اور مستی رعونت میں شرابور دریا کو عبور کر کے اس پار چلی آئیں۔ پیہم سفر اور مسلسل جنگ سے تھکا ہوا اکیلا اسلامی لشکر اپنے سے دس گنی تازہ دم تین فوجوں کے ساتھ ساحل پر جنگ آزما ہوا۔ سرباز اور مے جہاد سے مرشار مسلمان اس طرح جان توڑ کر لڑے کہ توحید کی شمشیر خارا شگاف سے تشلیٹ کا بت ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ دشمن کی سگاند فوجوں کو شکست فاش ہوئی۔ اور پیچھے دریا اور آگے اسلامی لشکر حائل ہونے کے باعث

بالا خانے پر جا کر لوگوں سے فرمایا۔ "میں نے اپنے کسی رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا۔ بلکہ صاحبزادے حضرات کے باہم مشورے سے عمر فاروق کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ کیا تم اس انتخاب پر صاف کرتے ہو؟" سب نے کہا۔ "بے شک۔ ہم آپ کے اس حسن انتخاب کی داد دیتے اور تائید کرتے ہیں۔" پھر آپ نے فرمایا۔ "تمہیں چاہئے۔ کہ عمر فاروق کا کہنا مانتے ہوئے اس کی اطاعت کرو۔" سب نے اطاعت کا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضرت فاروقؓ کو یوں وصیت کی۔

"اے عمر! میں نے تمہیں رسول اللہ کے اصحاب پر اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ظاہر و باطن ڈرتے رہنا۔ اے عمر! اللہ تعالیٰ کے بعض حقوق ہیں۔ جو رات سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں وہ دن میں قبول نہیں کرے گا۔ اسی طرح بعض حقوق دن سے علاقہ رکھتے ہیں۔ جنہیں وہ رات میں قبول نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نفلوں کو قبول نہیں فرماتا۔ جب تک فرائض ادا نہ کئے جائیں۔ اے عمر! قیامت میں جن کے نیک اعمال بھاری ہوں گے۔ وہی فلاح پائیں گے۔ اور جن کے اعمال صالحہ کم ہوں گے وہ مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔ اے عمر! فلاح و نجات کی راہیں قرآن حکیم پر عمل کرنے اور حق کی پیروی سے ملتی ہیں۔ اے عمر! کیا تم نہیں جانتے۔ کہ ترغیب و ترہیب اور انذار و بشارت کی آیتیں قرآن کریم میں ساتھ ساتھ نازل ہوئی ہیں۔ تاکہ مومن خدا سے ڈرتا اور مغفرت طلب کرتا رہے۔ اے عمر! جب قرآن عزیز میں اہل نارا کا ذکر آئے۔ تو دعا کرو۔ کہ اے اللہ! تو مجھے ان میں شامل نہ کرنا۔ اور جب اہل جنت کا ذکر آئے۔ تو دعا کرو۔ کہ اے اللہ! تو مجھے ان میں شامل کر۔ اے عمر! جب تم میری ان وصیتوں پر عمل کرو گے۔ تو مجھے گویا اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤ گے۔"

اس وصیت سے تاریخ ہو کر آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ "بیت المال کا جو قرض میرے ذمے ہے۔ اسے ادا کر دینا۔ مسلمانوں کے مال میں سے ایک لونڈی اور دو اونٹیاں میرے پاس ہیں۔ اگر ان کے علاوہ کوئی اور چیز بھی نکل آئے۔ تو وہ سب کچھ عمرؓ کے پاس

بھجوا کر بیت المال میں داخل کر دینا۔ میرے جسم ہی کے کپڑے کو دھو کر کفن دینا۔" غرض ۲۳ جمادی الاخریٰ کی درمیانی شب کو جو سہ شنبہ کی شب تھی۔ دو سال تین مہینے دس دن خلافت کرنے کے بعد ۶۳ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ رات ہی کو تہمیز و تکفین کی گئی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور خواجہ کونینؓ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے انتقال کی خبر موج برق کی طرح مدینہ بھر میں پھیل گئی۔ کوچہ و بازار میں کہرام مچ گیا۔ جگہ جگہ صف ماتم بچھ گئی۔ اور وصال نبویؐ کی یاد تازہ ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے سنا۔ تو بے اختیار اشک بار ہو گئے۔ اور اسی حالت میں آپ کے مکان پر پہنچے۔ پھر دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا:۔

”اللہ تم پر رحم کرے۔ واللہ تم ساری امت میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ اور ایمان کو اپنی سیرت بنایا۔ تم سب سے زیادہ صاحب یقین، سب سے زیادہ غنی اور سب سے زیادہ رسول اللہؐ کی حفاظت کرتے تھے۔ سب سے زیادہ مددگار اسلام اور بھی خواہ انام تھے۔ تم خلق، فضل، ہدایت میں آقائے نامدار سے قریب تر تھے۔ خدا تمہیں اسلام اہل اسلام اور پیغمبر اسلام کی طرف سے بہترین جزا دے۔ تم نے حضورؐ کی تصدیق کی۔ جب دوسروں نے تکذیب کی۔ اور اس وقت غم گساری کی۔ جب دوسروں نے دخل سے کام لیا۔ جب لوگ تائید و اعانت سے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ تم نے کھڑے ہو کر نبی کریمؐ کی امداد کی۔ اللہ نے تمہیں اپنے کلام میں صدیق کہا (والذی جاء بالصدق وصدق بہ) تم اسلام کے سہارے اور کفار کو بھگانے والے تھے۔ نہ تمہاری محبت بے رادہ اور نہ بصیرت کمزور تھی۔ تم نے کبھی بزولی کا اظہار نہ کیا۔ تم پیادگی طرح مستقل مزاج تھے تیز و تند ہوائیں نہ تمہیں اکھاڑ سکیں، نہ ہلا سکیں۔ تمہارے متعلق ارشاد نبویؐ ہے۔ کضعیف البدن قوی الايمان، منکسر المزاج، خدا کے نزدیک عالی مرتبہ، زمین پر بزرگ، مومنوں میں بڑے ہر نہ تمہارے سامنے کسی کو لالچ ہو سکتا تھا، نہ خواہش۔ کم زور تمہارے نزدیک طاقت اور طاقت ور کم زور تھا۔ حتیٰ کہ کم زور کا حق دلا دو اور طاقت ور سے حق لے لو۔“

حضرت عمر فاروقؓ نے وفات کی خبر سن کر فرمایا: ”اے خلیفہ رسول اللہ! تم نے اپنے

بعد قوم کو کڑی تکلیف دے کر مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ تمھاری گرد کو بھی پہنچنا مشکل ہے۔
 میں تمھاری برابری کا دم کیونکر بھر سکتا ہوں؟

ازواج و اولاد | حضرت ابوبکر صدیقؓ کی چار بیویاں تھیں۔ (۱) حضرت قتیبہؓ (۲) حضرت
 امّ رومانؓ (۳) حضرت اسماء بنت عمیسؓ اور (۴) حضرت حبیبہ بنت خارجہؓ پہلی سے
 حضرت عبداللہؓ اور حضرت اسماءؓ دوسری سے حضرت عبدالرحمنؓ اور حضرت عائشہؓ
 تیسری سے حضرت محمدؐ اور چوتھی سے حضرت امّ کلثومؓ پیدا ہوئیں۔

نظامِ خلافت

اسوۂ حسنہ رسولؐ کے کامل متبع حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں تمام ملکی
 معاملات عہد نبویؐ کے نظام پر قائم رہے۔ صحابہ کرامؓ کی مجلس شوریٰ تمام
 ضروری امور کو انجام دیتی تھی۔

جزیرۃ العرب آٹھ صوبوں پر منقسم تھا۔ (۱) مکہ (۲) مدینہ (۳) طائف (۴) صنعاء
 (۵) بحرین (۶) حضرموت (۷) بحرین اور (۸) دومتہ الجندل۔

حکام کا انتخاب اور نصیحتیں | آپ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر انھیں بزرگوں کو
 امور فرماتے تھے۔ جنھوں نے دانش گاہ نبویؐ سے فضیلت

کی سند حاصل کی تھی۔ مکہ، طائف، صنعاء اور زبید کی عنان نظام عہد رسالت کی طرح علی الترتیب
 عتاب بن اسید، عثمان بن ابی العاص، ہاجر بن ابی امیہ اور زیاد بن بید کے ہاتھ میں رہی
 نئے افسر اسی اصول کے مطابق منتخب کئے جاتے تھے۔ اور تعین کے وقت امیر المؤمنین
 انھیں نہایت اہم فائدہ مند نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ولید بن عقبہ محصل صدقات
 سے فرمایا:۔

”ہر وقت اور ہر جگہ خدا کا خوف رکھو۔ جو ایسا کرتا ہے۔ خدا اس کے لئے
 ایک ایسی سبیل اور اس کی روزی کا ایسا وسیلہ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کسی کے وہم
 و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ جو خدا سے ڈرتا ہے۔ خدا اس کے گناہ کم اور

اجر و گنا کر دیتا ہے۔ لاریب بنی نوع انسان سے ہمدردی بہترین تقویٰ ہے۔ تم خدا کے ایسے راستے میں ہو۔ جس میں کمی بیشی اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں۔ جن میں مذہب کی پختگی اور خلافت کا تحفظ پوشیدہ ہے۔ لہذا کاہلی اور تغافل نہ کرنا۔“

اسی طرح یزید بن ابی سفیان سے جب وہ شام کی مہم پر جا رہے تھے۔ فرمایا۔
 ”اے یزید! تمہاری رشتہ داریاں ہیں۔ شاید تم انہیں اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ۔ اصل میں یہی سب سے بڑا خطرہ ہے۔ جس سے میں ڈرتا ہوں۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ جو شخص مسلمانوں کا عاکم مقرر ہو۔ اور ان پر کسی کو استحقاق کے بغیر صرف رعایتاً افسر بنادے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا۔ حتیٰ کہ اسے دوزخ میں بھیج دے گا۔“

آمدنی کے ذرائع یہ تھے۔ (۱) زکوٰۃ (۲) عشر (۳) جزیہ اور (۴) غنیمت
مالی نظام اگرچہ اس طریق سے کافی روپیہ جمع ہو جاتا تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق نے قیام خزانہ کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کیونکہ پہلے اس روپے سے دینی ضروریات پوری کر لی جاتیں۔ پھر جو کچھ بچ جاتا۔ وہ عام مسلمانوں میں بلا امتیاز تقسیم کر دیا جاتا۔ چنانچہ پہلے سال دس دس اور دوسرے سال بیس بیس درہم تقسیم کئے گئے۔ کسی شخص نے اس مساوات پر صدائے احتجاج بلند کی۔ تو فرمایا۔ ”بزرگی اور بلند پایگی کو روق کی کمی بیشی سے کوئی واسطہ نہیں۔“

خلافت کے آخری دنوں میں آپ نے بیت المال کے لئے ایک مکان بنوایا تھا لیکن اس میں نہ کبھی کوئی رقم جمع کی گئی۔ اور نہ اس کی حفاظت کی ضرورت پیش آئی۔ ایک دفعہ کسی نے بیت المال کے لئے کوئی محافظ مقرر نہ کرنے کی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا۔ اس کی ضرورت نہیں۔ قفل ہی کافی ہے۔ بالعموم روپے کی تقسیم کے بعد بیت المال میں جھاڑو پھروادی جاتی ہے۔ چنانچہ وفات کے بعد بیت المال کا جائزہ لینے پر صرف ایک درہم پایا گیا۔
فوجی نظام زمانہ نبوت میں تو یہ صورت تھی کہ جب کبھی ضرورت پیش آتی۔ مسلمان

جوق در جوق جہاد کے لئے جمع ہو جاتے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لشکر اسلام کو دستوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر دستے کا ایک علیحدہ کمان دار اور ان سب پر ایک کماندار اعظم مقرر کیا۔ چنانچہ حملہ شام کے وقت حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت یزید بن ابی سفیان اپنے اپنے دستے کے سپہ سالار اور حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار اعظم تھے۔ فوجوں کی روانگی سے پہلے عہدہ داروں کو نصیحتیں فرماتے تھے۔ چنانچہ فوج شام کے حکام سے فرمایا:۔

” تمہیں ایسے لوگ ملیں گے۔ جنہوں نے اللہ کی عبادت کے لئے زندگی وقف کر رکھی ہے۔ ان سے مزاحم نہ ہونا۔ کسی بچے، بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا۔ پھلے والے درختوں کو نہ کاٹنا۔ کسی آباد جگہ کو برباد نہ کرنا۔ اونٹ اور بکری کو بے فائدہ ذبح نہ کرنا۔ نخلستان کو ہندیرا آتش نہ کرنا۔ مال غنیمت میں ظن سے بچنا اور بزدلی کا ثبوت نہ دینا۔“

بیت المال میں فوجی مصارف کی مدد علیحدہ تھی۔ یہ رقم اسلحہ اور بار برداری کے جانوروں کی خرید پر صرف کی جاتی تھی۔ جہاد کے گھوڑے اور اونٹ پالنے کے لئے خاص چراگا ہیں مقرر کی گئی تھیں۔

ذمی | عہد نبوت میں ذمیوں کے جو حقوق متعین تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وہی قائم رکھے۔ اور نئے ذمیوں کو بھی انہیں حقوق سے بہرہ یاب کیا۔ چنانچہ حیرہ کے عیسائیوں کو یہ حقوق دیئے گئے:۔

” ان کے گرجے اور خانقاہیں گرائی نہ جائیں گی۔ اور نہ کوئی ایسا عمل مسمار کیا جائے گا۔ جس میں وہ جنگ کے دوران میں قلعہ بند ہوتے ہیں۔ ناقوس بجانے کی اجازت ہوگی۔ تہوار کے موقع پر صلیب نکلانے سے انہیں منع نہیں کیا جائے گا۔“

جزیہ بہت کم لیا جاتا تھا۔ اور بہت سے ذمیوں کو معاف بھی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حیرہ کے ایک ہزار باشندوں کو جزیہ معاف تھا۔ اور باقیوں سے دس دس درہم سالانہ

وصول کیا جاتا تھا۔ مفلس اور اپاہج ذمیوں کا کفیل بیت المال تھا۔

علم و فضل | حضرت ابو بکر صدیقؓ زندگی بھر آنحضرتؐ کے فیض رفاقت سے مالا مال

رہنے کے باعث امور شریعت میں سب سے زیادہ باخبر اور اسرار و رموز اسلام کے بہترین نبض شناس تھے۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ تمام اسلامی امور میں کامل دسترس رکھتے تھے۔

قرآن فہمی کے اعتبار سے تو صحابہ کرامؓ میں آپؐ کا کوئی حریف نہ تھا۔ علم نسب میں آپؐ کا پار نہایت بلند تھا۔ علم تعبیر میں یکتا تھے۔ فصاحت تقریر آپؐ کے آئینہ کمال کا بے بدل جوہر تھی۔

دین کا تحفظ | آپؐ نے دین کی حفاظت کے لئے صحابہ عظامؓ کا محکمہ افتا قائم کر رکھا تھا جو بات عہد رسالت میں نہ ہوتی ہو۔ اسے کبھی نہ ہونے دیتے تھے۔

حدیث کے باب میں نہایت احتیاط اور تحقیق و تدقیق سے کام لیتے تھے۔

قرآن کی تدوین | آپؐ نے کتابی صورت میں قرآن کو مدون کر کے ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ چونکہ لڑائیوں میں حافظ قرآن صحابہؓ کی کثیر تعداد نے جام شہداء نوش کیا۔ اس لئے حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن کا ایک بڑا حصہ ضائع ہی نہ ہو جائے۔

چنانچہ ان کے مشورے اور مسلسل اصرار پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کا وحی نبویؐ کو قرآن جمع کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے نہایت محنت و کاوش سے قرآن کو کتابی صورت میں مدون کر دیا۔

معاشرت | خلافت سے پہلے آپؐ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ لیکن اس کے بعد گونا گوں اہم ذمہ داریوں کے باعث یہ مشغل قائم نہ رہ سکا۔ اور حضرت

کے اصرار پر بیت المال سے معمولی گزارے کے لئے روزینہ مقرر کر کے ہمد تن اسلامی قومی خدمت کے لئے وقف ہو گئے۔ بیت المال میں جو کچھ آتا۔ اسے غریبوں اور ناداروں

میں بانٹ دیتے۔ ہمسایوں اور محلہ والوں کا کام اپنے ہاتھ سے کر دیتے۔ محلے کی لڑکیاں بکریاں لے کر آجائیں۔ آپؐ خوشی سے بکریوں کا دودھ دہ دیتے۔ لوگوں میں اس طرح

جمل کر بیٹھتے۔ کہ کسی کو پتہ نہ چلتا۔ خلیفہ کون ہیں۔

سیرت الصّدیق

حضرت ابو بکر صدیقؓ آنحضرتؐ کے نقش قدم پر گام زن ہونے کے باعث مکارم اخلاق کا مجتمہ تھے۔ قلب میں رقت، طبیعت میں نرمی، تواضع اور خاکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دور جاہلیت میں بھی آپ کا دامن کردار مروّجہ برائیوں سے ترنہ ہوا۔ بالعموم قائم اللیل اور صائم النهار رہتے تھے۔ نماز کے دوران میں آپ پر بے حد رقت طاری ہو جاتی۔ دنیا کی ہر چیز سے درس عبرت لیتے۔ طیور کے چہرے سن کر فرماتے: "پرندو! تمہاری زندگی قابل رشک ہے۔ نہ دنیا کی خبر نہ عقبی کا خوف۔ کاش میں پرندہ ہوتا۔ کہ قیامت کے حساب کتاب سے تو بچار ہتا۔"

شجاعت

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ سب سے بہادر شخص کون ہے؟ سب نے بالاتفاق آپ ہی کا نام لیا۔ فرمایا: "نہیں۔ پھر سوچ کر بتاؤ۔" لوگوں نے عرض کی، "ہمیں علم نہیں۔" فرمایا: "جب سے بہادر ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ غزوہ بدر میں ہم نے رسول اللہؐ کے لئے ایک سائبان بنا کر پوچھا۔ آنحضرتؐ کو کفار کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے یہاں کون رہے گا۔ خدا کی قسم ہم میں سے کوئی شخص آگے بڑھ کر لٹیک کہنے کی جرأت نہ کرے گا۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ شمشیر برہنہ علم کر کے کھڑے ہو گئے اور مشرکین کے حملے کو روکنے کے لئے دیوار آہن بن گئے۔"

سخاوت

آپؐ انتہا درجے کے سخی تھے۔ ارشاد نبویؐ ہے: "کہ جتنا نفع مجھے ابو بکر صدیقؓ کے مال سے پہنچا ہے۔ اور کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔" یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے۔ اسی حالت میں عرض کی: "میں کیا اور میرا مال کیا۔ سب کچھ آپ ہی کا صدقہ ہے۔" ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے جنگ تبوک کے چندے کے سلسلے میں فرمایا: "آنحضرتؐ نے ہمیں ایثار مال کے لئے حکم دیا۔ تو میں نے اس میدان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے گونے سبقت لے جانے کا عزم مصمم کرتے ہوئے ادھا مال تصدق کر دیا۔ آنحضرتؐ نے استفسار فرمایا: "اپنے بیوی بچوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا؟" عرض کی: "باقی ادھا۔" اسی اثنا میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سارے کا سارا مال لے کر آگئے۔ رسول اللہؐ نے ان سے بھی وہی بات دریافت فرمائی۔ انہوں نے جواب میں عرض کی: "کہ بیوی بچوں کے لئے اللہ

اور اس کا رسول کافی ہیں۔ اس پر میں نے کہا۔ "واقعی میں کبھی کسی بات میں کبھی حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بازی نہ لے جاسکوں گا۔"



تاریخ اسلام
جلد دوم
صفحہ ۱۲۴
۱۲۴

پانچواں باب

حضرت عمر فاروقؓ

۱۳ھ سے ۲۳ھ تک

تذکرہ فاروقؓ | عمرؓ نام، ابو حفص کنیت اور فاروق لقب تھا۔ خطاب کے بیٹے اور قریش کے معزز قبیلہ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آنکھوں پشت برآپ کا سلسلہ نسب آنحضرتؐ سے مل جاتا ہے۔ عہدِ مجاہدیت میں بھی آپ کا خاندان ممتاز محترم تھا۔ سفارت اور تصفیہ مقدمات جیسے اہم کام آپ ہی کے خاندان سے متعلق تھے۔ مکین میں اونٹ چرایا کرتے تھے۔ پھر پہلوانی، سپہ گری، شہ سواری اور نسب دانی کی تعلیم حاصل کی۔ تجارت کے معزز پیشے سے کسب معاش کرتے تھے۔ قبول اسلام سے پہلے عکاظ کے مشہور قبیلے میں گشتی لڑا کرتے تھے۔ اور عرب کے بہترین پہلوانوں میں شمار ہوتے تھے۔ بعثت نبویؐ کے وقت قریش کے تعلیم یافتہ آدمیوں کی تعداد صرف سترہ تھی۔ ان میں سے ایک آپ بھی تھے۔ دوسرے اکابر قریش کی طرح اسلام اور اہل اسلام کے بانی دشمن تھے۔ بہن اور بہنوئی کے مسلمان ہو جانے کا حال سننے ہی انھیں مار مار کر بے ہوش کر دیا۔ پھر بہن سے قرآن سنا تو کلام پاک کے اعجاز نے ان کے دل کی دنیا ہی بدل ڈالی۔ اور دربار نبوت میں حاضر ہو کر سعادت اسلام سے مشرف ہوئے۔ اس وقت مسلمان مردوں کی تعداد چالیس اور بچوں کے درمیان تھی۔ لیکن نہ ان میں کلمہ کھلا سلام کے اظہار کی جرأت تھی۔ اور نہ انھیں کھلے بندوں نماز پڑھنے کی ہمت ہی پڑتی تھی حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو نقشہ ہی پلٹ گیا۔ اور انھوں نے بے ڈرک کہے کے اندر جا کر نماز پڑھی۔ اس پر آنحضرتؐ نے فاروق کا لقب عطا فرمایا۔

ہجرت کا حکم مل جانے پر سب مسلمانوں نے چھپ چھپ کر ترک وطن کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ تیج عریاں علم کئے اور تیر و کمان لئے ہوئے خانہ کعبہ میں آئے۔ اور سات و فوج طواف کرنے کے بعد نماز ادا کی۔ اور پھر قریش کے ایک ایک سردار سے لٹکار کر کہا جسے اپنی بیوی کو راند اور بچوں کو یتیم کرنا منظور ہو۔ وہ میرے مقابلے کو مکلے۔ لیکن شیر کی گرج سن کر بڑے بڑے بہادر مشرکین کا زہرہ آب ہو گیا۔ اور انھیں سانپ سونگھ گیا۔ کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

ہجرت کے بعد حضرت عمرؓ نے ہر جنگ میں رسول اللہ کے ساتھ رہ کر واد شجاعت وی غزوہ بدر میں اپنے عزیزوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ جنگ تبوک میں فرمودہ نبویؐ پر لٹیک کہتے ہوئے نصف مال اسلام کی راہ میں صرف کر دیا۔ ایک معتبر راوی حدیث کا بیان ہے کہ جب سے حضرت عمر فاروقؓ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسلام ایک با اقبال آدمی کی طرح ہو گیا۔ کہ قدم قدم پر ترقی کرنے لگا۔

۲۳ جمادی الاخریٰ ۳ھ کو حضرت عمر فاروقؓ اورنگِ خلافت

پر جلوہ افروز ہوئے۔ ۲۲ جمادی الاخریٰ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ

نے منشی بن عارض سے حالات سننے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو طلب کر کے حسب ذیل حکم دیا تھا:۔

”مجھے اُمید واثق ہے کہ میں آج ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ میری وفات کے بعد تم کل کا دن ختم ہونے سے قبل منشی کے ساتھ لوگوں کو جنگ پر بھیج دینا۔ تمہیں کوئی معیبت تمہارے دینی کام اور اللہ کے حکم سے غافل نہ کرنے پائے۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کے وصال کے بعد کیا کیا تھا۔ حالانکہ وہ شدید ترین معیبت تھی۔ جب شام فتح ہو جائے تو عراق والوں کو عراق کی طرف واپس بھیج دینا۔ کیونکہ وہ لوگ امور عراق ہی کو بخوبی طے کر سکتے ہیں اور عراق ہی میں انھیں ہر قسم کی آسائش تیسرے ہے۔“

حضرت عمرؓ کی سرزیر آرائی کے وقت شام اور عراق میں لڑائی ہو رہی تھی۔ اس لئے

پہلے سے پہلے اس فرض کے انجام دینے پر توجہ مبذول کی۔ اس سلسلے میں اس
 مع کے سامنے جو عرب کے تمام علاقوں کے مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ جہاد پر ایک پُر جوش تقریر
 کے لوگوں کو شرکت کے لئے ابھارا۔ لیکن ایک شخص بھی آمادہ نہ ہوا۔ انہوں نے صبر و
 تقامت سے کام لے کر تین دن تک وعظ جہاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر چوتھے دن مہر
 کوٹ ٹوٹی۔ اور ابو عبیدہ ثقفیؓ نے اپنے آپ کو جہاد عراق کے لئے پیش کیا۔ ان کے بعد
 ام مسلمان آمادہ جہاد ہو گئے۔ اور حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ ہی کو سالار فوج بنا کر مثنیٰ بن حارثہ
 کے ساتھ عراق کی مہم پر روانہ کیا۔ مثنیٰؓ کو حیرہ پہنچ کر معلوم ہوا۔ کہ ایرانیوں نے اہل عراق
 مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر سارے ملک میں آگ لگا دی ہے۔ منظم و مسلح قادیوں
 براتی فوج خراسان کے حاکم اور نامور بہادر رستم کے زیرِ یمن میدان کارزار میں کودنے کے
 لئے پرتول رہی ہے۔ اور سواد و حیرہ کے ناظم جنگ کے خونیں سمندر میں تیرنے کے لئے اشارے
 لے منتظر ہیں۔ رستم کو مثنیٰؓ کے حیرہ پہنچنے کی خبر ملی۔ تو اس نے ایک بھاری فوج حیرہ کی
 طرف۔ دوسری زبردست جمعیت سپہ سالار نرسی کے زیرِ سرکردگی کسکر کی جانب اور تیسرا
 لشکر جزار نامور سردار جابان کے ماتحت نشیبی فرات کی سمت روانہ کیا۔ نمارق میں ابو عبیدہؓ
 اور جابان کے درمیان مٹا بھیڑ ہوئی۔ اور ایک خون ریز جنگ سے مسلمانوں نے ایرانیوں کے
 پھٹے چھڑا دیئے۔ ایرانی بمقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ گئے۔ جابان کو اسلامی فوج کے مشہور
 بہادر مطربن نضہ نے گرفتار کر لیا۔ لیکن اس نے دو غلام دے کر رہائی حاصل کر لی۔ اور اپنی
 فرور فوج میں پہنچ کر دم لیا۔ اب یہ پٹی ہوئی فوج نرسی کے پاس کسکر میں پہنچی۔

بنگ کسکر | کسکر میں نرسی تیس ہزار جنگ آزمودہ فوج کے ساتھ ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔
 اب جابان کی شکست خوردہ فوج بھی وہاں پہنچ گئی۔ اُدھر سے رستم نے بھی
 مشہور بہادر جالینوس کے زیرِ قیادت سرفروش جنگ جوؤں کا دل بادل نرسی کی مدد کے
 لئے بھیجا۔ مگر یہ لشکر ابھی راستے ہی میں تھا۔ کہ ابو عبیدہ نے سقاطیہ کے مقام پر نرسی کے
 مقابلے میں بساط جنگ آراستہ کر دی۔ گنسان کارن پڑا۔ طرفین نے پورے زور سے داد
 شجاعت دی۔ لیکن آخر نرسی اپنے حریت سعد بن عبیدہ کے حملے کی تاب نہ لا سکا۔ اور

راہ فرار اختیار کی۔ سردار کو سپا ہوتے دیکھ کر فوج بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئی۔

جالینوس نرسی کی خبر شکست سن کر باقشیا میں ٹھہر گیا۔ ابو عبید نے وہاں پہنچ کر اس پر حملہ کیا۔ لیکن وہ مات کھا کر بے اوسان بھاگا اور مدائن پہنچ کر دم لیا۔

فتح باقشیا

جالینوس کی شکست اور فرار کی خبر ایران کے دربار اور دار الحکومت میں برقی غضب بن کر گری۔ اور مدار الہام رستم غم و غصہ سے سانپ کی طرح بل کھانے لگا۔ چنانچہ اس نے امرائے سلطنت کے مشورے سے ماہر جنگ اور

جنگ فرات

نامور سپہ سالار بہن جادویہ کو تین ہزار فوج، تین سو جنگی ہاتھی اور ضروری ساز و سامان لے کر عربوں سے انتقام لینے کے لئے روانہ کیا۔ اور ایرانیوں کا مبرک نشان فتح درفش کاویا

بھی ساتھ کر دیا۔ بہن جادویہ نے دریائے فرات کے ساحل پر قس ناطف میں چھاؤنی ڈالی اور ابو عبید نے دوسرے کنارے پر مروہ میں فوج اتاری۔ اب دونوں سپہ سالاروں میں

یہ گفت و شنید ہوئی کہ کس طرف کی فوج دریا کو عبور کر کے اس پار جائے۔ آخر ابو عبید نے

دوسرے سرداروں کی رائے کے خلاف فرات سے اُس پار چلے گئے۔ اور جنگ کا باز

گرم ہو گیا۔ ایرانی فوج کی سب سے اگلی صف ہاتھیوں کی تھی۔ ان فیل سواروں نے اسلام

فوج پر تیروں کا سینہ برسایا۔ مسلمان حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ تو ان کے گھوڑے

ہاتھیوں کو دیکھ کر پدک گئے۔ ابو عبید نے حکم دیا کہ پیدل ہو کر حملہ کرو۔ مسلمان گھوڑوں

سے اتر کر پھرے ہوئے تیروں کی طرح حملہ آور ہوئے۔ ہاتھیوں کی سونڈیں تلواروں سے

کاٹ ڈالیں۔ اگلے پاؤں پر تلواریں مار کر ہاتھیوں کو گرایا۔ اور ان کے سواروں کو تہ تیہ

کیا۔ لڑائی کی گرما گرمی انتہائی شدت پر پہنچی ہوئی تھی۔ کہ یکایک ایک جنگی ہاتھی ابو عبید نے

پل پڑا۔ انھوں نے نہایت مستعدی سے تلوار کا وار کر کے اس کی سونڈ کاٹ ڈالی لیکن ہاتھی

نے اسی حالت میں آگے بڑھ کر ان کے سینے پر پاؤں رکھ دیا۔ اور وہ شہید ہو گئے۔ اس کے

بعد سات بہادر یکے بعد دیگرے علم سنبھال کر حور شہادت سے ہم آغوش ہوئے۔ آخر

مشتی نے علم ہاتھ میں لے کر مدافعت کی۔ لیکن مسلمان دل شکستہ ہو چکے تھے۔ اس

کے بعد سات بہادر یکے بعد دیگرے علم سنبھال کر حور شہادت سے ہم آغوش ہوئے۔ آخر

مشتی نے علم ہاتھ میں لے کر مدافعت کی۔ لیکن مسلمان دل شکستہ ہو چکے تھے۔ اس

دو پسا ہونے لگے۔ پیچھے دریا تھا۔ جس کی شور انگیز موجوں نے بہت سے مسلمانوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس جنگ میں چار ہزار مسلمانوں نے جاہ شہادت نوش کیا۔ اور چھ ہزار ایرانی مارے گئے۔

جنگ بویب حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کے اس بھاری نقصان کی خبر سن کر بے حد رنج ہوا چنانچہ انھوں نے جوش انتقام میں خاص اہتمام سے جنگ کی زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔ اور ایک تازہ دم لشکر جرار مرتب کر کے محاذ پر بھیج دیا۔ مثنیٰ نے خود بھی ایک نئی فوج تیار کر لی۔ دربار ایران میں مسلمانوں کی ان تیاریوں کی خبر پہنچی۔ تو رستم نے مہر ان ہمدانی کی سرکردگی میں بارہ ہزار بہادروں کی چیدہ فوج مقابلے کے لئے روانہ کی۔ اسلامی لشکر ساحل فرات پر بویب میں جمع ہوا۔ اور مہران بھی دریا کی دوسری طرف خیمہ زن ہو گیا۔ اب کے مہران اپنی زبردست فوج کے ساتھ دریا کو عبور کر کے اس پار صف آرا ہوا۔ ایرانیوں نے حملے میں پہل کی۔ مسلمانوں نے جواب دیا۔ پھر دونوں فوجیں گتھ گتھیں۔ اور آن کی آن میں گشتوں کے پستے لگ گئے۔ آخر ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور انھیں بھاگتے ہی بنی۔ مثنیٰ نے پل توڑ دیا جس سے بے شمار ایرانی تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔ اور بہت سے دریا میں غرق ہو گئے۔ اس جنگ سے سو رو سے و جلد تک کے سارے علاقے پر مسلمانوں کا پرہم حکومت ہرانے لگا۔

ایرانیوں کا جوش انتقام ایرانی فوجوں کی اس شکست فاش اور ہولناک تباہی و بربادی کی خبر دار السلطنت ایران میں پہنچی۔ تو ملک بھر میں قیامت برپا ہو گئی۔ اور ہر متنفس جوش انتقام میں دیوانہ ہو گیا۔ امر اور و سانس نے بوران دخت کو تخت سے اتار کر شاہی خاندان کے ۲۱ سالہ نوجوان یزدجرد کو سریر آرا کیا۔ مسلمانوں کی قوت کو توڑنے اور پراگندہ کرنے کے لئے ایران کی تمام جماعتیں جو ایک دوسرے کے خلاف تھیں۔ متفق و متحد ہو کر ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئیں۔ ایرانیوں نے نئے سرے سے زبردست تیاریاں کر کے تمام قلعے مضبوط کر لئے۔ اور چھاؤنیوں کو فوجوں سے بھر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ چال بھی چلی۔ کہ سازش کی چنگاری سے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت

کی آگ بھڑکا دی۔ جس سے بہت سے علاقے مسلمانوں کی اطاعت سے منحرف ہو کر ایرانیوں کا کلمہ پڑھنے لگے۔

حضرت فاروق اعظم کی تیاریاں

حضرت فاروق اعظم کو ان حالات کی اطلاع تو انہوں نے پہلے مثنیٰ کے نام حکم بھیجا۔ کہ عراق

اور مدینہ کے درمیان آدمی مائے سے اُدھر رہنے والے ربیعہ اور مضر کے قبیلوں کو بلا کر ایک زبردست فوج تیار کرو۔ اور خطرناک علاقے کو چھوڑ کر عرب کی سرحد پر ہٹ آؤ۔ پھر تمام عمال حکومت کے نام ہر قبیلے سے جہاد کے لئے آدمی دینے کے احکام صادر کئے۔ وہاں دیر تھی۔ ملک کے گوشے گوشے سے غازیان اسلام جوق در جوق آنے شروع ہوئے اور چند ہی روز کے بعد مدینہ کے میدان میں فرزند ان توحید کا بے پایاں سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے بطریق احسن فوج مرتب کی۔ اور سپہ سالاری کی باگ خود ہاتھ میں لے کر روانہ ہوئے لگے۔ حضرت علیؓ کو طلب کر کے مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ اور خود فوج کے ساتھ روانہ ہو کر چشمہ ضرار پر قیام کیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ آپ کا خود میدان جنگ میں جانا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک جلسہ طلب کر کے مشورہ کیا۔ تو کثرت ہائے امیر المومنینؓ کی طرف سے لیکن حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے آگے بڑھ کر کہا۔ میں اس رائے کے خلاف ہوں۔ اس سے کسی سردار کو جنگ میں شکست ہو۔ تو امیر المومنینؓ آسانی سے اس کا مادا کر گئے ہیں۔ لیکن خدا نے خواستہ خود امیر المومنینؓ کو میدان کارزار میں کوئی حادثہ پیش آجائے۔ تو اس کا تدارک ممکن ہو جائے گا۔ اب تمام اکابر صحابہؓ کو جمع کیا گیا۔ حضرت علیؓ بھی مدینہ سے بلوائے گئے۔ اور بالاتفاق قرار پایا۔ کہ حضرت فاروق اعظمؓ خود تشریف نہ لے جائیں۔ اس کے بعد سپہ سالار کا انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا۔ تو قرعہ قال حضرت سعد بن ابی وقاص کے نام پڑا۔ حضرت عمرؓ نے سعد کو سپہ سالار اعظم بنا کر مناسب ہدایات دینے کے بعد بیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ اس لشکر میں تین سو بیعت الرضوان کے صحابی اور ستر شریک بدر صحاب تھے حضرت سعدؓ ابھی منزل شراف میں تھے۔ کہ انھیں حضرت عمرؓ کا یہ فرمان ملا۔ "قادسیہ کی طرف قدم بڑھاؤ۔ اور وہاں پہنچ کر یوں مورد چہ بندی کرو۔ کہ آگے فارس ہو اور پیچھے عرب کے پہاڑ

حضرت سعدؓ حکم کی تعمیل میں قادسیہ پہنچ گئے۔ اور دو مہینے تک ایرانی لشکر کی آمد کا انتظار کیا۔
مدائن سے ایرانی لشکر کی روانگی | قادسیہ میں اسلامی لشکر کے قیام کی خبریں پایے
 تحت ایران میں پہنچیں۔ تو یزدجرد شاہ ایران نے

اپنے وزیر جنگ رستم کو حکم دیا کہ تو خود ایک عظیم الشان لشکر لے کر عازم قادسیہ ہو۔ اور عربوں کو
 ہمیشہ کے لئے بے دست و پا کر دے۔ رستم ڈیڑھ لاکھ سرباز بہادروں کی جرّار فوج لے کر روانہ
 ہوا۔ جو زبردست جنگی سامان سے لیس اور نشہ انتقام میں چور تھی۔ حضرت سعدؓ نے ایرانیوں
 کی بے پناہ جنگی تیاریوں کے متعلق خلیفہ وقت کو اطلاع دی۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا۔
 کہ دشمن کی کثرت فوج اور اسلحہ جنگ کی زیادتی سے ہرگز خوف نہ کھاؤ۔ توکل کرتے ہوئے اللہ
 ہی سے مدد مانگتے رہو۔ اور لڑائی سے پہلے اتمام حجت کے طور پر چند موزوں ترس آدمیوں
 کی سفارت تبلیغ اسلام کے لئے دربار ایران میں بھیجو۔

اسلامی سفارت | حضرت سعدؓ نے حضرت عاصم بن عمر اور گیارہ دوسرے حضرات کو
 جو سب کے سب خطیب، جہاں دیدہ، بارعب اور بہادر تھے۔ مدائن

کی طرف روانہ کیا۔ دربار ایران میں پہنچ کر انھوں نے یزدجرد کو دعوت اسلام دیتے ہوئے کہا۔
 ہم روئے زمین سے شرک کا نام و نشان مٹانے اور توحید کا کلمہ پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔
 اگر کوئی شخص اللہ کے اس دین میں داخل نہیں ہونا چاہتا۔ تو وہ جزیہ دے۔ اور اگر ان دونوں
 باتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ تو جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ یہ سن کر یزدجرد آگ بگولا ہو گیا۔
 اور نہایت حقارت آمیز لہجے میں بولا کہ اگر سفیروں کا قتل کرنا روا ہوتا۔ تو تم میں سے ایک بھی
 بچ کر نہ جاسکتا۔ پھر اس نے مٹی کی ایک ٹوکری منگو کر رئیس وفد کو دینے ہوئے کہا۔ "لو ہماری زمین
 میں سے اپنا حصہ لیتے جاؤ۔" حضرت عاصمؓ یہ ٹوکری کندھے پر اٹھا کر ارکان وفد کے ساتھ
 واپس چلے آئے۔ اور حضرت سعدؓ کے پاس پہنچ کر کہا۔ "ایران کی فتح مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ
 نے اس سرزمین کی مٹی ہمیں عطا فرمائی ہے۔ حضرت سعدؓ نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ نیک
 فال ہے۔"

رستم کو مسلمانوں کی غیر معمولی بہادری کا خوب تجربہ تھا۔ اس لئے وہ جنگ شروع کرنے

میں لیت و لعل سے کام لے رہا تھا۔ مدائن سے قادسیہ میں چالیس کوس ڈور تھا۔ لیکن رستم چھ ہینڈ کے عرصے میں وہاں پہنچا۔ یزدجرد رستم کو پیغام پر پیغام بھیج کر تقاضا کر رہا تھا کہ جلد عربوں کے مقابلے میں صف آرا ہو کر انھیں ہنس نہس کرو۔ لیکن رستم پھونک پھونک کر قدم رکھتا اور چاہتا تھا کہ لڑائی کے بغیر ہی کام بن جائے۔ چنانچہ اس نے حضرت سعدؓ کو لکھا کہ اپنے کسی سفیر کو بھیج دو۔ تاکہ اس کے ساتھ صلح کی گفتگو کی جائے۔ حضرت سعدؓ نے حضرت ربیع بن عامر کو روانہ کیا۔ رستم نے نوشیروانی تجل و شکوہ کی نمائش کرنے کے لئے تخت زرین بچھوا کر ٹھاٹھ سے دربار منعقد کیا۔ حضرت ربیعؓ تیر کی لوک سے قالینوں کے فرش میں سوراخ کرتے ہوئے بڑی بے تکلفی کے ساتھ رستم کے برابر جا بیٹھے۔ درباریوں نے سخت چین بہ چین ہو کر اسلامی سفیر کو تخت سے اتارنے کا قصد کیا۔ لیکن رستم نے انھیں ایسا کرنے سے باز رکھا۔ پھر حضرت ربیعؓ نے خود ہی تخت سے اتر کر پیش قیمت فرش کو پھاڑ ڈالا۔ اور خالی زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا: تمہارا یہ دیا و حریہ اور قالینوں کا گراں بہا فرش ہماری نظروں میں بھیج ہے۔ ہمارے لئے زمین کا قدرتی فرش ہی کافی ہے۔ اس کے بعد رستم نے حضرت ربیعؓ سے دریافت کیا کہ آخر اس لڑائی سے تم چاہتے کیا ہو؟ انھوں نے فرمایا: ہم ظلم اور کفر کو مٹا کر انصاف اور اسلام کو قائم و روشن کرنا چاہتے ہیں۔ جو شخص ہماری بات مان کر اس پر عمل کرے گا۔ اس سے ہم تعرض نہیں کریں گے جو ہم سے متصادم ہوگا۔ ہم اس سے ٹکرا جائیں گے۔ یا تو اسے جہنم رسید کر کے فتح کا جھنڈا لہرائیں گے یا خود شہید ہو کر بہشت میں گھر بنالیں گے۔ اگر تم جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہو گے تو ہم تمہاری حفاظت اور مدد کریں گے۔ یہ سن کر رستم نے کہا: اچھا ہم ان باتوں پر غور و بحث اور مشورہ کریں۔ حضرت ربیعؓ واپس چلے آئے۔ پھر رستم کے پیغام بھیجنے پر دو سفیر اور یکے بعد دیگرے روانہ کئے گئے۔ تیسرے سفیر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے رستم نے بڑی لمبی چوڑی گفتگو کرنے کے بعد لالچ دلانے کے طور پر کہا: شاید تم نے بھوک سے تنگ آ کر جنگ کرنے کی ٹھانی ہے۔ ہم تمہارا پیٹ بھرنے اور ضرورتیں پوری کرنے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت مغیرہؓ نے جواب میں فرمایا: بے شک ہم مفلس تھے۔ لیکن اللہ نے ہمیں سے اپنا ایک رسول بھیجا۔ جس کی ہرودی سے ہماری فلاکت دور ہو کر قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ اس نے ہمیں

اور مسلمان تکبیر کے فلک پیمانے لگاتے ہوئے اس میں داخل ہوئے۔ اب حضرت سعد نے مدائن پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن درمیان میں وجہ حائل تھا۔ اور ایرانیوں نے پل توڑ دینے کے علاوہ کشتیوں کا بھی نام و نشان نہ چھوڑا تھا۔ ساحل پر آئے، تو یہ رنگ دیکھا۔ اس کے علاوہ ساحل کی دوسری طرف ایرانی فوج مزاحمت کے لئے تیار تھی۔ حضرت سعد نے اللہ کا نام لے کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اور ساتھ ہی باقی مجاہدین بھی وجہ میں اتر گئے۔ آدھا راستہ طے کرنے پر ایرانیوں کی طرف سے تیر پر تیر برسے لگے۔ لیکن غازیان اسلام نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اور خریفوں کو قتل و جرح کا تختہ مشق بناتے ہوئے ساحل مقصود پر پہنچ گئے۔ ایرانی ان کی صورت دیکھ کر حیرت و استعجاب کے دریا میں غوطے لگاتے ہوئے ”دیواں آمدند، دیوان آمدند“ کہتے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یزدجرد نے بھی راہ فرار اختیار کی۔ اور حضرت سعد صفر ۱۶ھ میں جمعہ کے روز فاتحانہ داخل مدائن ہوئے۔

نصرابین میں تخت کسریٰ کی جگہ منبر رکھ کر جمعہ کی نماز پڑھی گئی یہ پہلا جمعہ تھا۔ جو یا یہ تخت ایران میں ادا کیا گیا۔ مدائن کا خزانہ بیش بہا جواہرات، سیم و زر کے انباروں، نادر روزگار عجائبات اور نایاب یادگاروں سے لبریز تھا۔ حضرت سعد نے یہ سب نواور دربار خلافت میں بھجوا دیئے۔ انھیں میں کسریٰ کا تاریخی ”فرش بہار“ بھی تھا۔ جس پر بیٹھ کر سلطین عجم فصل گل میں ناولوش کی محفل آراستہ کیا کرتے تھے۔ یہ فرش ۹۰ گز لمبا اور ۱۰ گز چوڑا تھا۔ اس میں بہار کی رعایت سے درخت، پھول، غنچے، پتے، تصویریں اور نہریں سب سونے چاندی اور جواہرات سے بنائی گئی تھیں۔ جو اس زمانے کی صناعتی کا بہترین نمونہ تھیں۔ رائے عامہ اس فرش کی تقسیم کے خلاف تھی۔ لیکن حضرت علیؑ کی رائے کے مطابق حضرت فاروق اعظمؓ نے اس فرش کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوگوں میں تقسیم کر دیا اور ایران کے گلزار حکومت کی طرح ”فرش بہار“ بھی تاراج خزاں ہو گیا۔

جلولار کی فتح | یزدجرد مدائن سے بھاگ کر حلوان پہنچا۔ اور رستم کا بھائی فرخ زاد جلولار میں لشکر جمع کر کے جنگ کی زبردست تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ قلعے اور شہر کے گرد خندق کھدوائی۔ اور گوکھر و بھجوا کر مسلمانوں کی آمد کے تمام راستے

دشوار گزار بنا دیئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے ان حالات کی اطلاع دربارِ خلافت میں بھیجی۔ تو حضرت عمرؓ نے حکم صادر فرمایا کہ حضرت ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر بلوچان پر چڑھائی کریں اور مقدمہ الجیش کی کمان حضرت قعقاعؓ کے ہاتھ میں دی جائے۔ چنانچہ بلوچان پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانی اپنی زبردست طاقت اور تیاریوں کے بل پر مقابلے میں ڈٹے رہے۔ کئی دفعہ قلعے سے باہر آکر بھی دلیرانہ حملے کئے۔ لیکن آفتاب کا چراغ پھونکوں سے نہ بجھا۔ بہادرانِ اسلام کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ اور ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑی۔ آخر ایرانیوں نے یہ سوچ کر کہ ہماری تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور سامانِ جنگ بھی بے پناہ ہے۔ نخوت و رعونت کے نشے میں چور ہو کر پوری قوت سے آخری اور فیصلہ کن حملہ کیا۔ مسلمانوں کی بلند بانگ تکبیروں سے میدانِ جنگ کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا۔ انھوں نے سردھڑکی بازی لگادی۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اور خون کا سیلاب امانڈ پڑا۔ آخر فرزدان توحید کی قلت شہنشاہِ حقیقی کی تائیدِ غیبی سے مشرکین کی کثرت پر غالب آئی۔ ایک لاکھ ایرانی مارے گئے۔ اور بے حساب مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

حلوان کی فتح | یزدجرد کو حلوان میں بلوچان کے سقوط کی خبر پہنچی۔ تو وہ حلوان سے بھاگ کر دے کی طرف چل دیا۔ اور حلوان میں خسرو و دشنوم کو ایک کافی فوج کے ساتھ چھوڑ گیا۔ حضرت قعقاعؓ حلوان کی جانب روانہ ہوئے۔ خسرو و دشنوم نے مقابلہ کیا۔ مگر ناکام و نامراد رہ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اور حضرت قعقاعؓ نے حلوان پر قابض ہو کر عام اعلان کرادیا۔ کہ جو لوگ دائرۃ اسلام میں داخل ہو جائیں گے یا جزیہ دینا منظور کریں گے۔ ان کے مال اور جان کی حفاظت کی جائے گی۔ اس پر کثیر التعداد امراء مسلمان ہو گئے۔

حضرت سعدؓ نے فتح کی نوید اور مالِ غنیمت دربارِ خلافت میں بھیج کر ایران میں پیش قدمی کی اجازت طلب کی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جواب میں حکم بھیجا کہ اسلامی لشکر متواتر حملے کرتے ہوئے تھک گیا ہے۔ اس لئے ابھی کچھ دن اسے آرام کر لینے دو۔

تکریت اور جزیرہ کی فتح

تکریت کے ایرانی حاکم نے مدائن کے سقوط کا حال سنا تو رومیوں سے اعانت طلب کی۔ تلی کے بھاگوں چھینکا

لڑا۔ وہ پہلے ہی سے مسلمانوں کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ خوشی سے اس کی امداد کے لئے تیار ہو گئے۔ رومیوں نے عیسائی عربوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ حضرت سعدؓ نے خلیفہ وقت کے حسب فرمان حضرت عبداللہ بن العتیم کو پانچ ہزار فوج کے ساتھ تکریت کی ہم پر روانہ کیا۔ انہوں نے وہاں پہنچتے ہی اس کا محاصرہ کر لیا۔ طرفین میں خونریز جنگ ہوئی۔ آخر ایرانیوں اور رومیوں کی متحدہ فوجوں کا شیرازہ قوت مجاہدین اسلام کی بے پناہ طاقت سے منتشر ہو کر تار عنکبوت کی طرح ہوا میں اُڑنے لگا۔ بے شمار کفار کھیت رہے۔ اور اس قدر مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ کہ ایک ایک سوار کو تین تین ہزار درہم ملے۔ اس موقع پر بہت سے عیسائی عرب آغوش اسلام میں آ گئے۔

اسلامی فتوحات کا جتنا ہوا رنگ دیکھ کر اہل جزیرہ نے ہرقل سے استدعا کی۔ کہ شام کے مشرقی شہروں کی حفاظت کے لئے فوجیں بھیجیں۔ ہم آپ کو پوری پوری امداد دیں گے۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ ہرقل نے نہایت خوشی سے یہ درخواست منظور کر کے اس طرف فوجیں روانہ کر دیں۔ ادھر دربار خلافت میں اس ساز باز کی اطلاع پہنچنے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کے نام حکم بھیجا۔ کہ اہل جزیرہ پر نگرانی کی زنجیروں خوب کس دو۔ اور حضرت ابو عبیدہؓ کو تاکید فرماں ارسال کیا۔ کہ رومی لشکر حمص اور قنسورین کی طرف بڑھنے نہ پائے۔ دونوں سرداروں نے اپنا اپنا فرض کمال خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اور کلمہ میں حضرت عیاض بن غنم نے بہت سی ناقابل ذکر لڑائیوں کے بعد حران، رقة، میا قارتین، نصیبین، سمساط، قرقیسیا اور سراج وغیرہ پر قبضہ کر کے جزیرہ کا سارا علاقہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک زیر نگیں کر لیا۔

عربوں کو عراق کی آب و ہوا اس نہ آنے کے باعث حضرت فاروق بصرہ اور کوفہ اعظمؓ نے احکام صادر کئے۔ کہ ایسی چھاؤنیاں قائم کی جائیں۔ جن کی آب ہوا صحت بخش ہو۔ چنانچہ و جلد کے قریب بصرہ کے نام سے ایک چھاؤنی کی

۱۳۹

بنیاد ڈالی گئی۔ ۱۱ھ میں خلیفہ وقت نے بصرہ میں مکانات تعمیر کرائے۔ اور کوفہ کے نام سے دوسری چھاؤنی قائم کرنے کی منظوری عطا فرمائی۔ اسی سال ان دونوں چھاؤنیوں نے آباد اور بارونق ہو کر اسلامی طاقت کے زبردست مرکز ہونے کی حیثیت اختیار کر لی۔

اہواز کی فتح | ایک مشہور ایرانی مفرد سردار ہرمزان نے بصرہ کے سرحدی علاقہ اہواز پر قابض ہو کر پاؤں پھیلانے شروع کئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ والی بصرہ نے اہواز پر حملہ کر کے ہرمزان کو اطاعت گزار بنایا۔ لیکن چند روز کے بعد اس نے عظیم بغاوت بلند کیا۔ تو اسلامی فوجوں نے اسے شکست فاش دے کر اہواز پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔

اہواز کے بعد سوس پر قبضہ کر کے اسلامی لشکر نے رام ہرمز کا محاصرہ کیا۔ اس کے حاکم نے سپر ڈال کر صلح کر لی۔ سردار ہرمز نے پھر سر نکالا۔ اور شوستر پہنچ کر اس کے قلعے کی مرمت کرائی۔ خندق بھی تیار کر لی۔ برج بھی مضبوط کر لئے۔ ایک زبردست لشکر بھی جمع کر لیا۔ ایرانی فوجیں بھی وہاں آ موجود ہوئیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو ان تیاریوں کی اطلاع ہوئی۔ تو انھوں نے حضرت ابو موسیٰؓ کو لشکر بصرہ کا کمان دار مقرر کر کے بھیجا۔ انھوں نے شوستر پہنچ کر جنگ کی طرح ڈال دی۔ ہرمزان نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر ناکام رہ کر قلعے میں محصور ہو گیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے قلعے کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور حملے پر حملے کرنے لگے۔ مگر قلعہ تھا کہ سر ہونے ہی میں نہ آتا تھا۔ مسلمانوں نے جنگ کی سرگرمیاں تیز سے تیز کر دیں۔ اور ایک ایسی خفیہ تدبیر سے کام لیا کہ ہرمزان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے مایوس ہو کر حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ ”میں ابھی قلعے سے نکل کر سر اطاعت خم کر لوں گا۔ بشرطیکہ مجھے عمر کے پاس بھیج کر میرا معاملہ انھیں کے سپرد کر دیا جائے۔“ حضرت ابو موسیٰؓ نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور ہرمزان نے مدینہ جا کر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے دو ہزار سالانہ اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ شوستر کے بعد جندینا پور پر قبضہ کیا گیا۔ اور اہواز کے چتے چتے پر چم اسلام لہرانے لگا۔

صفحہ ۱۲۰

جنگ ختم ہوئی۔ تو حضرت نعمانؓ کا دم واپس برسرِ راہ تھا۔ اسی حالت میں انہیں استفسار کے جواب میں مژدہ فتح سنایا گیا۔ تو یہ کہہ کر کہ ”الحمد للہ۔ عمرؓ کو اطلاع دو“ عالمِ قدس میں جا پہنچے۔

حضرت نعمانؓ کے بعد سپہ سالاری کی باگ حضرت حذیفہؓ بن الیمان کے ہاتھ میں دی گئی۔ انہوں نے مالِ غنیمت لشکر میں تقسیم کر کے انمول جواہرات کا ایک صندوقچہ حضرت سائبؓ بن الاقرع کے ہاتھ حضرت فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں ارسال کیا۔ خلیفہ وقت بہت دیر سے جنگ کی خبر نہ پہنچنے کے باعث پریشان اور چشمِ براہ تھے۔ حضرت سائبؓ نے فتح کی خوش خبری سنانے کے بعد جواہرات کا صندوقچہ پیش خدمت کیا۔ تو باغ باغ ہو گئے۔ لیکن حضرت نعمانؓ کی خبر شہادت سن کر دل کی کلی مڑھا گئی۔ اور حضرت سائبؓ کے ذریعے سے جواہرات بکوا کر ان کی قیمت دو لاکھ درہم بہادرانِ اسلام میں تقسیم کر دی۔

ایران کی عام تسخیر | حضرت عمر فاروقؓ فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے کے حامی نہ تھے۔ اور موجودہ مقبوضات ہی کو کافی سمجھتے تھے۔ لیکن ایرانی

آئے دن سازشوں میں مصروف رہتے اور جگہ جگہ بغاوت کرتے رہتے تھے۔ یزدجردِ برابر شہر انگیزی اور فتنہ پردازی کر رہا تھا۔ خلیفہ وقت کو عجب پریشانی کا سامنا ہوا۔ اور وہ سمجھنے لگے کہ شاید رعایا مسلمانوں کے ظلم سے تنگ آکر علمِ بغاوت بلند کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے اس کا اظہار بھی فرمایا۔ مگر حضرت احنفؓ بن قیس نے عرض کی۔

”امیر المؤمنین! ان سازشوں، بغاوتوں اور مفسدہ پردازوں کا اصل سبب یہ ہے کہ آپ نے اسلامی لشکر کو ایران کے اندرونی حصے میں پیش قدمی کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ اور اس کا فرماں روادہاں موجود ہے۔ جب تک ہمیں اندرون ملک پر حملہ کر کے ان کے بادشاہ کا قلع قمع کر دینے کی اجازت عطا نہ ہوگی۔ اس وقت تک امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا۔“ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے یہ بدترینہ مائے پسند فرمائی۔ پھر ۱۹ھ میں صحابہ کرامؓ سے رائے طلب کی۔ انہوں نے اس پر صاف کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایران کی عام تسخیر کا حتمی فیصلہ کر کے مختلف مہات علیحدہ علیحدہ سرداروں کے سپرد کر دیں۔ چنانچہ حضرت احنفؓ بن قیس،

حضرت مجاشع بن مسعود، حضرت عثمان بن ابی العاص، حضرت ساریہ بن رہم، حضرت سہیل بن عدی، حضرت سائیم بن عمرو، حضرت حکم بن عمیر اور حضرت عقبہ بن فرقة کو علی الترتیب خراسان اور شیر و ساہور، اصطخر، فسا، کرمان، سیستان، مکران اور آذربائیجان کے علم عطا کئے گئے۔

اصفہان سب سے پہلے ۲۱ھ میں حضرت عبداللہ بن عبداللہ اصفہان پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانی کماندار مقدّمہ ابیحش شہریار نے میدان سے نکل کر مبارز طلب کیا۔ حضرت عبداللہ خود اس کے مقابلے کو نکلے۔ خونریز جنگ ہوئی۔ شہریار مارا گیا۔ اصفہان کے رئیس اسبیدان نے سپردال کر مصالحت کر لی۔

ہمدان یہ علاقہ پہلے ہی حضرت نعیم بن مقرن کے ہاتھ سے مسخر ہو چکا تھا۔ لیکن ۲۲ھ میں یہاں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ حضرت نعیم نے اسے فرو کر دیا۔ اور اہل ہمدان نے صلح کی طرح ڈال کر گلو خلاصی کرائی۔ مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد ابو الفرخان اور اسفندیار کی آتش انتقام شعلہ افروز ہو گئی۔ اور وہ اہل ہمدان کے ساتھ مل کر برسر پیکار ہوئے۔ حضرت نعیمؓ مقابلے کے لئے بڑھے۔ وادی رود میں گھسان کارن پڑا۔ ایرانیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور ان کے بہت سے افراد بھیر بکری کی طرح ذبح کر دئے گئے۔ اسی سنہ میں قزوین اور زنجان کے علاقے حضرت برادر بن عازب کی شمشیر خارا شکاف سے مسخر ہوئے۔

رے ہمدان کے بعد حضرت نعیمؓ نے رے پر حملہ کیا۔ یہاں سے رئیس سیاوش کی مدد کے لئے طبرستان، قومس اور جرجان کے رؤسا فوجیں لے آئے۔ رے کا ایک امیر زینبی سیاوش سے کشیدہ خاطر تھا۔ اس نے انتقام لینے کا زریں موقع پا کر حضرت نعیمؓ سے سازش کر لی۔ اور رے فتح ہو گیا۔ بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ حضرت نعیمؓ نے زہنی سے خوش ہو کر رے کی ولایت اس کے سپرد کر دی۔ چند ہی روز کے بعد حضرت نعیمؓ کے بھائی حضرت سویدؓ نے قومس کو زیر نگین کیا۔

طبرستان طبرستان والوں کو فکر ہوئی۔ کہ ہونہ ہو۔ اب اسلامی لشکر کی جہاں گیر شمشیریں ان کے خون سے پیاس بجھانے کے لئے میانوں میں ترپ

ہی ہیں۔ اس لئے انھوں نے پہلے ہی صلح کر لی۔ لیکن اس صلح کا اطلاق اندرونی علاقے پر نہ ہوتا تھا۔ اس لئے حضرت نعیمؓ نے جرجان کی طرف پیش قدمی کی۔ وہاں کے حاکم زرنان نے نبول جزیرہ کی شرط پر صلح کر لی اور اس کی تقلید میں امیہ بند والی طبرستان نے بھی سمر اطاعت ختم کر دیا۔ اس طرح ۲۲ھ میں طبرستان کے سارے علاقے پر اسلامی چھنڈا ہرانے لگا۔

حضرت عتبہؓ بن فرقد نے امیر المومنینؓ کے حسب فرمان آذربائیجان کی مہم سر کرنے کے لئے اس کے ایک حصے پر فوج کشی کی۔ اور ان کے شریک

آذربائیجان

مہم حضرت بکیرؓ بن عبداللہ دوسرے حصے میں بڑھے۔ کوہستان جرمیدان میں اسفندیار والی آذربائیجان سے حضرت بکیرؓ کا مقابلہ ہوا۔ جس میں اسفندیار شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ ادھر حضرت عتبہؓ نے اپنا زریہ تاخت علاقہ فتح کر لیا۔ اور حضرت بکیرؓ نے خلیفہ وقت کے حسب حکم اب کی طرف پیش قدمی کی۔ اسفندیار کے بھائی بہرام نے ان کی غیر عاصری سے فائدہ اٹھا کر عقب کی جانب سے دھاوا کر دیا۔ مگر حضرت عتبہؓ کے ہاتھ سے شکست کھائی۔ اب اسفندیار نے حضرت عتبہؓ سے صلح کر لی۔ اور آذربائیجان کا سارا علاقہ مصالحت کے ذریعے سے زیر نگین ہو گیا۔ بلاذری لکھتا ہے۔ کہ آذربائیجان کی تسخیر کا سہرا حضرت حذیفہؓ کے سر ہے۔

اس علاقے پر ۱۱ھ میں بھی حملہ کیا گیا تھا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی تھی۔ اس لئے اب پھر حضرت عبدالرحمنؓ اور حضرت سراقہؓ بن عمرو نے چڑھائی کی حضرت عبدالرحمنؓ نے باب میں ڈھبے ڈال رکھے تھے اور حضرت بکیرؓ اسی مہم کے لئے بھیجے گئے تھے

آرمینیا

شہر یار ایرانی والی آرمینیا ارمنوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت عبدالرحمنؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ "ان رذیل و کم اصل ارمنی کتوں کا کوئی حسب نسب نہیں۔ اور اونچے گھرانے کا کوئی دانش مند شخص ان سفلوں کو منہ نہیں لگا سکتا۔ اس لئے مجھے آرمینیا سے کوئی بہمدردی نہیں۔ میرے ملک اور قوم کو تم لوگ مسخر کر کے مطیع و منقاد بنا چکے۔ اس لئے میں بھی تمہارا اطاعت گزار اور معادن ہوں۔ لیکن اتنی گزارش ہے کہ جزیرہ وصول کر کے مجھے حقیر اور اپنے مخالفین اہل آرمینیا کے مقابلے میں کمزور نہ کرو۔" حضرت عبدالرحمنؓ نے اس کی عرض سن کر اسے حضرت سراقہؓ کے پاس بھجوادیا۔ اس نے حضرت سراقہؓ

کی خدمت میں بھی یہی استدعا کی۔ انہوں نے فرمایا۔ جزیرہ ان لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔ پھر انہوں نے شہریار کی التجا کو شرف قبول بخش کر حضرت فاروق اعظمؓ کو مطلع کر دیا۔ انہوں نے یہ فیصلہ پسند فرمایا۔

باب سے فارغ ہو کر حضرت سراقہؓ نے حضرت بکیر بن عبداللہ کو موقان اور حضرت حبیب بن مسلمہ اور حضرت حذیفہؓ کو کوہستان لان کی طرف بھیج دیا۔ حضرت بکیر نے موقان فتح کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن ربیع نے ولایت خزر کی طرف پیش قدمی کی۔ اور اس کے صدر مقام کے قریب بیضا تک پہنچ گئے۔

۳۱۰ء میں حضرت علامہ ابن حضرمی نے حضرت فاروق اعظمؓ سے اجازت حاصل کی اور فارس کے بغیر فارس پر چڑھائی کر دی تھی۔ لیکن وہ سخت نقصان اٹھا کر واپس ہوئے۔

بہت سا اسلامی لشکر تباہ ہو گیا۔ اور باقیوں کو اہل فارس نے گھیر لیا۔ خلیفہ وقت کو اس خبر سے بے حد رنج ہوا۔ اور فوراً حضرت عقبہ بن غزو ان کو حکم دے کر فوجیں روانہ کیں۔ انہوں نے ایرانیوں کو مغلوب کر کے رہے رہے مسلمانوں کو حفاظت میں لے لیا۔

اب ۳۱۳ء میں حضرت ساریہ بن زینم کنانی نے فارس پر حملہ کیا۔ اور متعینہ سمت پر بڑھتے چلے گئے۔ حضرت مجاشع ابن مسعود نے اردشیر اور سابور کی طرف پیش قدمی کی۔ توجہ میں اسلامی لشکر نے فارسیوں کو شکست دے کر اس پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عثمان بن ابی العاص نے جوہر اور اصطخر کو تسخیر کیا۔ اس کے بعد گزورون، نوبندجان، شیراز، ارجان، جناب، سینیر وغیرہ کو فتح کر کے فارس کا بڑا حصہ زیر نگین کر لیا گیا۔

خلافت فاروقیؓ کے آخری حصے میں اہل فارس نے علم بغاوت بلند کیا۔ اور متعدد مقامات قبضے سے نکل گئے۔ لیکن حضرت حکم بن ابی العاص نے فارس کے حاکم شہرک کو تہ تیغ کر کے امن قائم کیا۔

آخر میں حضرت ساریہؓ نے فسا اور دارا بجزو پر چڑھائی کی۔ مسلمان سٹھی بھرتے اور میدان جنگ میں ایرانیوں اور کردوں کی آن گنت فوج کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ لیکن تائید غیبی مسلمانوں کی طرف تھی۔ اس لئے چیونٹی نے ہاتھی کو مار ڈالا۔ اور یہ دونوں مقام فتح ہو گئے۔

۲۳ھ میں حضرت سہیل بن عدی نے کرمان پر حملہ کیا۔ کرمانی مقابلے کے لئے میدان
کرمان میں نکلے۔ لیکن منہ کی کھائی۔ حاکم کو تلوار کے گھاٹ اتار کر حیرت - سیرجان وغیرہ
 شہور مقامات پر قبضہ کر لیا گیا۔

حضرت عامر بن عمرو نے سیستان پر چڑھائی کی۔ وہاں کے باشندے مدافعت
سیستان کے لئے نکلے۔ مگر ذک اٹھائی۔ مسلمان بڑھتے بڑھتے زرخ تک پہنچ گئے۔ اور
 ریا کا منہ کھول دیا۔ سیستان زیر آب ہو گیا۔ اہل سیستان صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مسلمانوں نے
 ان کی زمینوں کی حفاظت کی۔

جب ایران کے آتش کدے توحید کے آب رحمت سے ٹھنڈے ہو گئے۔ اور
کرمان گوشے گوشے میں تکبیر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ تو شہسواران اسلام نے حدود
 ہندوستان کی طرف باگ اٹھائی۔ چنانچہ حضرت حکم بن عمر تغلیبی نے کرمان کی طرف پیش
 قدمی کی۔ ان کے مقابلے کے لئے راسل حاکم کرمان اور فرماں روا نے سندھ دونوں کی
 وجہیں آگے بڑھیں۔ ریا نے ہند پر گھسان کی جنگ ہوئی۔ بہت سے مکرانی فنا کے گھاٹ
 تارے گئے۔ اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

حضرت فاروق اعظم نے کرمان کا حال معلوم کرنے کے بعد حضرت حکم کے نام حکم صادر
 کیا۔ کہ اس سے آگے نہ بڑھا جائے۔ گویا عہد فاروقی میں اسلام کا علم مشرق میں یہیں تک
 پہنچا تھا۔ لیکن بلاذری کا بیان ہے۔ کہ اسلامی لشکر سندھ کے علاقے دہلی تک پہنچ گیا
 تھا۔

۲۲ھ میں خراسان پر فوج کشی کر دی تھی۔
خراسان یوں تو حضرت احنف بن قیس نے ۲۲ھ میں خراسان پر فوج کشی کر دی تھی۔
 لیکن خراسان کی تسخیر نے چونکہ باد فنا کے تند جھونکے کی طرح یزدجرد کے چراغ
 سلطنت کی آخری ٹٹیا ہٹ بھی ہمیشہ کے لئے مٹھ کر دی۔ لہذا اس کا ذکر آخر میں کیا جاتا ہے۔
 اس وقت یزدجرد خراسان کے پایہ تخت مرو میں تھا۔ حضرت احنف نے اُدھر کا رخ کیا۔
 اور ہرات کو تسخیر کرنے کے بعد یزدجرد کے مستقر مرو شاہجہان کی طرف بڑھے۔ یزدجرد مرو رو
 چلا گیا۔ اور خاقان چین اور دوسرے فرماں رواؤں سے امداد کا طالب ہوا۔ حضرت احنف نے

مروشاہجہان پر قبضہ کر کے مرود و پہنچے۔ یزدجرد وہاں سے بھاگ کر بلخ چلا گیا۔ حضرت احنف نے خلیفہ وقت کی بھیجی ہوئی تازہ دم مکمل فوج کو ہمراہ لے کر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدجرد نے حکمت دکھا کر تاتاری علاقے کا رخ کیا۔ حضرت احنف بلخ پر قبضہ کر کے مرود واپس آگئے۔ اور خراسان کی فتح کا مشورہ دربار خلافت میں بھیجا۔ حضرت فاروق اعظم نے نہایت خوش ہو کر الحمد للہ کہا۔ اور حضرت احنف کو ان کے بہادرانہ کارناموں پر خراج تحسین ادا کرتے ہوئے تحریر کیا۔ کہ بس یہیں رک جاؤ۔

یزدجرد خاقان چین کے پاس پہنچا۔ تو وہ نہایت عزت و احترام سے پیش آیا۔ اور زبردست فوج لے کر یزدجرد کے ساتھ خراسان کی طرف بڑھا۔ خاقان نے مرود پر اور یزدجرد نے مروشاہجہان پر چڑھائی کی چند جھڑپوں کے بعد حضرت احنف نے خاقان کے پھلکے چھڑا دیئے۔ اور وہ فرغانہ کی طرف کوچ کر گیا۔ اس کی سپائی دیکھ کر یزدجرد کی بھی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور ترکستان جانے کا قصد کیا۔ یزدجرد کے امراء نے اسے سمجھایا کہ چینوں سے تو مسلمان بہتر ہیں۔ فرغانہ جانے کی نسبت مسلمانوں سے مصالحت کر لینا کہیں اچھا ہے۔ یزدجرد نہ مانا۔ اور سرداروں نے اس سے سارا خزانہ چھین لیا۔ یزدجرد بے کس اور بے بس انتہائی مایوسی اور ناکامی کی حالت میں یوسف بے کارواں کی طرح تنہا خالی ہاتھ عازم فرغانہ ہو گیا۔

اس کے بعد ایرانیوں نے حضرت احنف سے صلح کر لی۔ اور تمام زرد جو اہران کی نذر کر دیئے۔ مسلمانوں نے ان کے ساتھ ایسا مہذبانہ اور کرمانہ سلوک کیا۔ کہ وہ اپنی سلطنت کا عیش و آرام بھول گئے۔

حضرت احنف نے اس مصالحت اور فتح میں کی اطلاع امیر المومنین کے پاس بھیجی۔ تو انھوں نے لوگوں کو مسجد نبوی میں جمع کر کے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

”آج جو سیلوں کی حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ اور وہ اپنے ملک میں انج بھرزین کے بھی مالک نہیں رہے۔ کہ مسلمانوں کو گزند پہنچا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمین، ان کے ملک اور ان کے مال و زر کا مالک اس لئے بنایا ہے۔ کہ تمہاری آزمائش کرے۔

اس لئے مسلمانو! تم اپنی حالت تبدیل نہ کرنا۔ ورنہ خدا بھی تمہاری جگہ تبدیل کر کے وہاں کسی دوسری قوم کو لے آئے گا۔ مجھے اس وقت کے متعلق خود اس کے افراد سے اندیشہ ہے۔“

شام کی تسخیر | شامی معرکوں کے سلسلے میں جنگ یرموک کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے اب دمشق کی فتح پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے انتقال کے وقت دمشق کا محاصرہ جاری تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے فوج کا ایک حصہ دمشق اور حمص کے درمیان اور ایک حصہ فلسطین اور دمشق کے مابین متعین کیا۔ باقی فوج و خود لے کر عازم دمشق ہوئے۔ غرض ۱۳ھ میں اسلامی فوج نے چاروں طرف سے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ باب الحابیہ کی طرف، حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص باب توما کی جانب، حضرت شمرؓ بن ذی الجوشن کی طرف اور حضرت زیدؓ بن ابی سفیان باب صغیر و باب کیسان کی جانب خیمہ زن ہوئے۔ محصورین کے سنگ و گنگ کا تکیہ ترک کر کے جواب محاصرین کی طرف سے دیا جاتا رہا۔ اور محاصرہ چھ مہینے تک طول پڑ گیا۔ حمص سے ہرقل کی بھیجی ہوئی اعانتی فوجوں کو حضرت ذوالکلاءؓ نے راستے میں روک دیا۔ اس لئے وہ دمشق نہ پہنچ سکیں۔ آخر اہل دمشق مایوس ہو کر ہمت ہار بیٹھے حضرت ابو عبیدہؓ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر تمام طرفوں کے سرداروں کو حکم دے دیا۔ کہ کل شہر پر حملہ کیا جائے گا۔ امرائے دمشق حملے کی اطلاع سے خائف ہو کر ایک وفد کی صورت میں حضرت خالدؓ بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حسب ذیل امان نامہ تحریر کر کے بلا مقابلہ شہر میں داخل ہونا شروع کر دیا۔

”خالدؓ بن ولید نے اہل دمشق کو یہ مراعات دی ہیں۔ کہ دمشق میں اسلامی لشکر کے داخلے کے وقت شہر والوں کو امان دی جائے گی۔ ان کے مال و جان اور گرجوں سے تعسیر نہیں کیا جائے گا۔ دمشق کی فصیل مسمار نہ کی جائے گی۔ کوئی مکان گرایا نہ جائے۔ گا۔ اسلامی فوج کا کوئی شخص کسی شہر کے مکان میں قیام نہ کرے گا۔ جب تک اہل دمشق باقاعدہ جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ تمام مسلمان اور ان کا خلیفہ دمشق کے باشندوں

نیکی کے سوا کوئی بُرا سلوک نہ کریں گے۔“

حضرت خالدؓ کے شہر میں داخل ہوتے ہی باقی تین طرفوں کے سردار زور و قوت کے دروازے توڑ توڑ کر فاستحانہ دمشق کے اندر داخل ہو گئے۔ اور شہر کے مرکز میں حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ کی ملاقات ہوئی۔ اب یہ مسئلہ سامنے آیا۔ کہ دمشق کی فتح بزورِ شمشیر کبھی جائے بہ طریقِ مصالحت۔ آخر کافی غور و خوض کے بعد دمشق کو مصالحتانہ مفتوح قرار دیا گیا۔ اور مسلمانوں نے اہل شہر کو کوئی نقصان یا تکلیف نہ پہنچائی۔ یہ فتح ۳۴ھ میں واقع ہوئی۔

جنگِ فحل | حضرت ابو عبیدہؓ نے دمشق کی عنانِ انتظام حضرت یزید بن ابی سفیانؓ ہاتھ میں دے کر خود فحل کی جانب پیش قدمی کی۔ وہاں ہرقل کا نامور سردار

سقدار لاکھوں کی تعداد میں عظیم الشان فوج لئے ہوئے خیمہ زن تھا۔ طرفین نے صفت آرائی اور نصف شب کو رومیوں نے بے پناہ حملہ کیا۔ کئی دن تک شبانہ روز خونریز لڑائی ہوتی رہی آخر بہادرانِ اسلام نے اسی ہزار رومیوں کو خاک و خون میں تڑپا کر میدانِ کارزار کو شفق بنا دیا اور دشمن کی باقی فوج سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئی۔

بلیسان کی فتح | تسخیرِ فحل کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ بلیسان کی طرف بڑھے۔ اہل بلیسان پہلے تو جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ مسلمانوں کے سامنے

معرکہ آرا ہونا لوہے کے چنے چبا کر اپنے ہی دانت تڑوانے ہیں۔ سپر ڈالتے ہوئے صلح در خواست کی۔ جو مسلمانوں نے منظور کر کے ان پر جزیہ مقرر کر دیا۔ اس کے بعد طبریہ والوں نے بھی ہتھیار ڈال کر سراطاعت خم کیا۔

بیروت وغیرہ کی فتح | حضرت یزید بن ابی سفیان کے بھائی حضرت معاویہؓ نے بیروت کی طرف پیش قدمی کر کے اسے مسخر کیا۔ پھر مقدم الذکر

بیروت، صیدا، جیل کی جانب بڑھ کر معمولی مقابلے کے بعد ان پر قبضہ کیا۔ اس طرح دمشق اور اردن کا سارا علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں ہو گیا۔

فتحِ حمص | دمشق اور اردن پر پوچھیم اسلام لہرانے کے بعد اب تین زبردست مرکز مقامات حمص، بیت المقدس اور انطاکیہ کی تسخیر باقی رہ گئی تھی۔ اس

حضرت ابو عبیدہؓ نے حمص کی طرف پیش قدمی کی۔ ہرقل نے دو بطریقوں تو ذرا اور شمس کو مقابلے کے لئے بھیجا۔ ان دونوں نے مرج روم میں اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا۔ لیکن شمس حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ سے تہ تیغ ہوا۔ اور رومی لشکر نے سراسر ہنگامی کی حالت میں راہ فرار اختیار کرتے ہوئے حمص پہنچ کر دم لیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے آگے بڑھ کر حمص کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے باشندوں کو ہرقل کی طرف سے کوئی امداد نہ پہنچ سکی۔ اور انھوں نے مایوس ہو کر صلح کرنے کے بعد حمص کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد اسلامی لشکر نے حماة، فہیر اور معرة النعمان کو مسخر کیا۔ لاذقیہ ایک نہایت مستحکم شہر تھا۔ یہاں عیسائیوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھا کر سپردال دی۔ لاذقیہ کی فتح کے بعد سلیمہ پر بھی مسلمانوں نے بزور شمشیر قبضہ کر لیا۔

قنسرین کی فتح | تسخیر سلیمہ کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت خالد بن ولید کو قنسرین کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ حضرت خالدؓ اس طرف بڑھے

وہاں بہت بڑا رومی سردار میناس مقابلے کو نکلا۔ لیکن نہایت جانبازی سے داد شجاعت دینے کے بعد پسا ہو کر قنسرین میں قلعہ بند ہو گیا۔ حضرت خالدؓ نے قنسرین کا محاصرہ کر کے بڑی بہادری سے اسے مسخر کیا۔ جب فتح کی خوش خبری خلیفہ وقت کے پاس پہنچی تو انھوں نے نہایت خوش ہو کر حضرت خالدؓ کو خراج تحسین ادا کیا۔ اور ان کے مراتب میں بارالامتیاز اضافہ فرمایا۔

حلب اور انطاکیہ کی فتح | اب حضرت ابو عبیدہؓ حلب کی طرف بڑھے۔ اور اس کے نزدیک پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ حضرت عیاض بن غنم

سالار مقتدرہ البعیش نے حلب کا محاصرہ کیا۔ اہل حلب نے سپردال کر صلح کر لینے کے بعد شہر حوالے کر دیا۔

حلب کی ہم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے انطاکیہ کی جانب پیش قدمی کی۔ یہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا۔ عیسائیوں نے میدان میں نکل کر مقابلہ کیا لیکن پسا ہو کر شہر میں جا داخل ہوئے۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ اور اہل انطاکیہ نے

تنگ آکر قبولِ جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔

اس کے بعد اطلاع ملی کہ معرہ مصر میں عیسائی لشکر مسلمانوں کے مقابلے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس لئے حضرت ابو عبیدہؓ اس طرف روانہ ہوئے۔ وہاں دونوں ریز جنگ ہوئی بے شمار عیسائی اور رومی کھیت رہے۔ معرہ مصر میں والوں نے صلح کر لی۔ اس کے بعد یکایک انطاکیہ میں بغاوت پھوٹ پڑی جسے حضرت عیاض بن غنم اور حضرت حبیب بن مسلمہ نے فرو کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ ان آئے دن کی بغاوتوں کو ہمیشہ کے لئے آغوشِ لحد میں بدلنے کی غرض سے حضرت ابو عبیدہؓ نے امیر المومنینؓ کے حسب فرمان بڑے بڑے مرکزی مقامات میں ایک ایک فوجی دستہ مستقل طور پر مستقر کر دیا۔

بعد ازاں قرب و جوار کے علاقے نے بہ رضا و رغبت اطاعت قبول کر لی۔ قورس، پنج، تل، عزاز وغیرہ پر اسلامی قبضہ ہو گیا۔ اور فرات تک تمام شہروں پر توحید کا پرچم لہرانے لگا۔

اب حضرت ابو عبیدہؓ نے فلسطین کا رخ کیا۔ اور حضرت میسرہ بن مسروق کے زیر سرکردگی بغراس کی جانب فوج بھیجی۔ گھمان

کارن پڑا۔ آخر عیسائی سر اسیمہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور مسلمانوں نے بغراس پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد مرعش اور حرث علی الترتیب حضرت خالد بن ولید اور حضرت حبیب بن مسلمہ کی تیج شجاعت سے مفتوح ہوئے۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان عالم دمشق کے حسب ہدایت قیساریہ

کی طرف قدم بڑھایا۔ طرفین میں خون ریز معرکہ ہوا۔ اسی ہزار عیسائی مارے گئے اور قیساریہ فتح ہو گیا۔

ہرقل کے نامور سپہ سالار ارطوبون بطریق نے قیصر کے حسب فرمان مسلمانوں کے مقابلے کے لئے زبردست فوجیں جمع کیں۔ اور انھیں تین حصوں میں تقسیم کر کے اجنادین، رملہ اور

بیت المقدس میں پھیلا دیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت ابو عبیدہؓ کے حکم سے حضرت ابو ایوب الممالکیؓ کو رملہ کی طرف اور حضرت علقمہ بن حکیم فراسی اور حضرت مسرور بن العسکی کو بیت المقدس کی جانب بھیجا۔ اور خود اجنادین کی طرف پیش قدمی کی۔ اجنادین میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ کشتوں کے پتے لگ گئے۔ معرکہ یرموک کی یاد تازہ ہو گئی۔ آخر اربطون نے منہ کی کھا کر بیت المقدس کا رخ کیا۔ حضرت علقمہؓ نے مزاحمت نہ کی۔ اربطون بیت المقدس میں داخل ہو گیا۔ اور اجنادین فتح ہو گیا۔

حضرت عمرو بن العاص نے نابلس، لد، بسط، غزہ، جبرین، عمواس، یافا وغیرہ اور بیت المقدس کے آس پاس کا سارا

بیت المقدس کی فتح

علاقہ آسانی سے فتح کر کے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ اس اثنا میں حضرت ابو عبیدہؓ بھی آپہنچے۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر بہادری سے مدافعت اور مقابلہ کر رہے تھے۔ کہ حضرت ابو عبیدہؓ کے آنے کی خبر ان کے مزرع امید پر برق خرمن سوزین کر گری۔ اور ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ آخر انھوں نے صلح کا پیغام بھیجا۔ اور دوسری شرائط کے علاوہ ایک خاص شرط یہ پیش کی۔ کہ خلیفہ اسلام خود آکر عہد نامہ تحریر کریں۔ اگرچہ اب فتح آسان اور یقینی تھی۔ پھر بھی حضرت ابو عبیدہؓ نے صلح کو جنگ پر ترجیح دے کر امیر المؤمنینؓ کی خدمت میں یہ اطلاع بھیج دی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے مسجد نبویؐ میں ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ حضرت عثمانؓ نے واقعات کی بنا پر ان کے جانے کے خلاف رائے دی۔ لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "میرے خیال میں آپ کو ضرور جانا چاہئے۔" حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت علیؓ کی رائے پسند فرمائی۔ رجب ۱۶ھ میں ایک اونٹ، ایک غلام، لکڑی کا ایک پیالہ اور ریتوں کا ایک تھیلا لے کر مدینہ میں حضرت علیؓ کو اور بردایت دیگر حضرت عثمانؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کرنے کے بعد عازم بیت المقدس ہو گئے۔ مقام جابہ میں حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح اور حضرت خالد بن ولید نے جو نہایت قیمتی اور زرق برق لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ ان کا خیر مقدم کیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ ان کا پُر تکلف لباس دیکھ کر طیش میں آ گئے۔ اور کنکریاں مارتے ہوئے فرمایا۔ "تم لوگ اس قدر جلد

مجھ میں رنگ رہنے گئے۔ لیکن جب ان سرداروں نے شاہانہ قبائوں کے نیچے اسلحہ جنگ دکھائے تو انھیں تسلی ہوئی۔ امرائے بیت المقدس جابریہ میں حاضر ہوئے۔ اور یہیں انھوں نے انھیں حسب ذیل معاہدہ لکھوایا:۔

”یہ وہ امان نامہ ہے۔ جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دیا ہے۔

اہل ایلیا کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں

کو امان دی جاتی ہے۔ ان کے گرجاؤں میں سکونت نہ کی جائے گی۔ اور نہ وہ ڈھائے

جائیں گے۔ ان کے احاطوں کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ ان کی صلیبوں،

اور مال میں کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں کوئی جبر یا تشدد نہ کیا جائے

گا۔ ان میں سے کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے

پائیں گے۔ ایلیا والوں کا فرض ہے۔ کہ وہ دوسرے شہروں کی طرح جزیہ ادا کریں۔

اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہرے نکل جائے

گا۔ اس کی جان اور مال محفوظ ہوگا۔ جب تک وہ اپنی جائے امان پر نہ پہنچ جائے۔ ان

میں سے جو ایلیا ہی میں رہنا پسند کرے۔ اسے اہل ایلیا کی طرح جزیہ دینا ہوگا۔ اگر

ایلیا والوں میں سے کوئی شخص یونانیوں کے ساتھ جانا چاہے۔ تو اسے بھی امان ہے۔

جب تک وہ محفوظ مقام پر نہ پہنچ جائے۔ اس عہد نامے کی تحریر پر خدا، رسول،

خلفا اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ بشرطیکہ ایلیا والے مقررہ جزیہ برابر ادا

کرتے رہیں۔ اس پر خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمن بن عوف، اور

سواد بن ابی سفیان گواہ ہیں۔ ۱۵ھ میں یہ عہد نامہ تحریر کیا گیا۔“

اہل بیت المقدس نے جزیہ دے کر شہر کے دروازے کھول دیئے۔ رملہ والوں نے بھی

صلح کر کے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ پیادہ پا بیت المقدس کی جانب

روانہ ہوئے۔ فوج کے سرداروں نے شہر کے باہر خیر مقدم کیا۔ امیر المومنینؓ کا لباس نہایت

سہول تھا۔ ان لوگوں نے ترکی گھوڑا اور فوق البرق بلبوس پیش کیا۔ ارشاد ہوا۔ ”ہمارے

لئے اسلام ہی کی عزت کافی ہے۔“ اور اسی سادہ لباس میں داخل بیت المقدس ہوئے

سب سے پہلے مسجد اقصیٰ میں جا کر سجدہ ریز ہوئے۔ پھر عیسائیوں کے گرجے میں گئے۔ نماز کا وقت ہو گیا۔ تو عیسائیوں نے بطیب خاطر اوائے نماز کی اجازت دی مگر انھوں نے اس خیال سے کہ کہیں مسلمان اس دلیل پر گرجے کو مسجد ہی نہ بنالیں۔ باہر آ کر نماز پڑھی۔

حضرت فاروق اعظمؓ کچھ عرصہ بیت المقدس میں مقیم رہے۔ ایک روز انھوں نے حضرت بلالؓ سے اذان دینے کو کہا۔ وہ فرمانے لگے۔ "میں نے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا۔ لیکن آج اور صرف آج آپ کی آرزو پوری کروں گا۔" ادھر حضرت بلالؓ نے اللہ اکبر کہا۔ ادھر عہد رسالت کے تصور میں صحابہؓ کی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی لگ گئی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فوراً گریہ سے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے اور حضرت فاروق اعظمؓ سے نکلیاں بھرنے لگے۔

بیت المقدس پر اسلام کا حکم فتح لہرانے کے بعد امیر المومنینؓ نے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ حضرت علقمہ بن حکیم کی نگرانی میں دے کر حکم دیا۔ کہ رملہ میں قیام کریں اور دوسرے حصے پر حضرت علقمہ بن محرز کو حاکم بنا کر بیت المقدس میں سکونت رکھنے کا فرمان صادر کیا۔

عام مورخین کی رائے ہے۔ کہ حضرت عمر فاروقؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی حضرت خالدؓ

کو معزول کر دیا تھا۔ لیکن اس میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ عہدِ خلافت کے آغاز میں حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت خالدؓ کا ایک درجہ کم کر کے انھیں سپہ سالار اعظم سے نائب سپہ سالار اعظم بنا دیا تھا۔ معزولی کا اصل واقعہ ۱۶ھ کا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ امیر المومنینؓ کو ان کے ایک پرچہ نویس نے خیر بھیجی۔ کہ حضرت خالدؓ فتحِ جزیرہ سے بہت سا مالِ غنیمت لاتے ہیں۔ اور اشعث بن قیس شاعر سے قصیدہ سن کر اسے دس ہزار درہم بطور انعام عطا کئے ہیں۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کے نام ایک خط لکھ کر قاصد کے حوالے کیا۔ اس میں تحریر تھا۔ خالدؓ سے مجمع عام میں استفسار کیا جائے کہ تم نے اشعث کو یہ رقم اپنی جیب سے دی ہے۔ یا بیت المال سے؟ پہلی صورت میں

اسراف ہے۔ اور دوسری صورت میں خیانت۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ ان کا عمارہ اتار کر اسی سے ان کی گردن باندھی جائے۔ قاصد سے خلیفہ وقت نے زبانی ارشاد فرمایا تھا کہ غلطی کے اعتراف کی صورت میں خالدؓ سے چشم پوشی کی جائے۔ چنانچہ نامہ بر نے سر مجلس حضرت خالدؓ سے دریافت کیا۔ کہ تم نے یہ رقم کہاں سے ادا کی ہے؟ حضرت خالدؓ خاموش رہے۔ اس پر قاصد نے تعمیل حکم میں ان کا عمارہ اتار کر اسی سے ان کی گردن باندھ دی اور دوبارہ پوچھا۔ تو حضرت خالدؓ نے جواب دیا۔ کہ میں نے اشعث کو یہ رقم بیت المال سے نہیں بلکہ اپنی گره سے دی ہے۔ قاصد نے گردن کھول دی۔ اور امیر المؤمنینؓ کی خدمت میں خبر بھیجی انہوں نے حضرت خالدؓ کو مواخذہ کی غرض سے مدینہ طلب فرمایا۔ حضرت خالدؓ نے دربار خلافت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ "عمر! بخدا مجھ سے عدل نہیں برے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا۔" تم نے یہ دولت کس طرح حاصل کی۔ اور شاعر کو یہ انعام کہاں سے دیا۔" کہا۔ "مال غنیمت کا جو حصہ مجھے ملا۔ اس میں سے میں نے یہ رقم ادا کی۔" پھر بیس ہزار کی زائد رقم بیت المال میں داخل کر دی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ "بخدا مجھے تم سے ویسی ہی محبت ہے۔ اور میں تمہیں قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔" اس کے بعد انہوں نے حکام کو اطلاع دی۔ کہ میں نے خالدؓ کو غصے یا خیانت کے باعث نہیں بلکہ اس وجہ سے معزول کیا ہے۔ کہ ان کے کارناموں کی بنا پر لوگ قتلے میں مبتلا ہو رہے تھے۔ اس تحریر سے لوگوں کو یہ ذہن نشین کرانا مقصود تھا۔ کہ خدا کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

حضرت خالدؓ، حضرت صدیق اکبرؓ ہی کے عہد سے فوجی مصارف کا حساب کتاب صاف نہ رکھتے تھے۔ کیونکہ وہ آزادی سے خرچ کر دیا کرتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو اسی زمانے سے ان کا یہ طریق عمل ناپسند تھا۔ پھر خود ان کے عہد میں بھی یہی طریقہ جاری رہا۔ انہوں نے انہیں تاکید لکھا۔ کہ وہ آئندہ احتیاط سے کام لیں۔ حضرت خالدؓ نے جواب میں تحریر کیا۔ کہ میں ابو بکرؓ کے زمانے سے اسی مسلک پر قائم ہوں۔ اب اس کے خلاف نہیں چل سکتا۔ امیر المؤمنینؓ نے دوبارہ تحریر فرمایا۔ کہ تم فوجی مصارف کا حساب باقاعدہ بھیجتے رہنے کی صورت میں سہ سالاری کے منصب پر قائم رہ سکتے ہو۔ لیکن حضرت خالدؓ

نے اپنی روش نہ بدلی۔ اس پر بھی حضرت فاروق اعظمؓ نے انھیں معزول کرنے کے بجائے صرف حضرت ابو عبیدہؓ کے ماتحت کر دیا۔ اور معزولی بعد ازاں عمل میں آئی۔

طاعون اور قحط

سالہ کے اواخر میں شام میں طاعون پھوٹ پڑا۔ اور سالہ میں اس وبا کی شدت انتہا پر پہنچ گئی۔ حضرت فاروق اعظمؓ سخت پریشانی کے عالم میں شام روانہ ہوئے۔ لیکن سرخ پہنچنے پر بعض صحابہ کی متفقہ رائے سے مدینہ واپس آ گئے۔ اور حکام کو ازالہ وبا کے لئے مؤثر انسدادی تدابیر اختیار کرنے کی ہدایات کر آئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ دربار خلافت سے حکم آنے پر فوجوں کو جاہلیہ کے صحت بخش مقام میں لے آئے۔ وہ پہلے ہی سے بیمار تھے۔ یہاں آ کر مرض نے زور پکڑا۔ اور آخر جان لے کر طلا۔ انتقال سے کچھ دیر پہلے حضرت معاذ بن جبلؓ کو سپہ سالار مقرر کیا۔ انھیں حضرت عمرؓ بن العاص نے کہا۔ باکا زور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس شعلہ افروز آگ سے دامن بچا کر کہیں اور چلے جانا چاہئے۔ حضرت معاذؓ نے جواب دیا۔ میں راضی بہ رضا ہوں۔ بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ گھر آئے۔ تو نوجوان بیٹے کو اسی مرض میں مبتلا پایا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ چل بسا۔ حضرت معاذؓ اب بھی وہاں سے نہ پلے۔ آخر وہ بھی اٹھ گئے۔ اور حضرت عمرؓ بن العاص کو اپنا جانشین بنا گئے۔ وہ فوراً فوجیں لے کر پہاڑی مقامات میں چلے گئے۔

اس قیامت خیز وبا میں پچیس ہزار مسلمانوں نے وفات پائی۔ حضرت فاروق اعظمؓ پھر عازم شام ہوئے۔ اور مختلف علاقوں میں جا کر مناسب فوجی انتظامات کرنے کے بعد مدینہ واپس آئے۔

اس آفت سے مرمر کے جینا ہوا۔ تو عرب پر قحط کی وبا نازل ہو گئی۔ غلے کی کمی سوہان روح ہونے لگی۔ امیر المؤمنینؓ نے عالم اسلام کے گوشے گوشے میں حکام کے نام احکام صادر کر دیئے کہ غلہ بہت جلد مدینہ روانہ کیا جائے۔ اس پر حضرت عمرؓ بن العاص نے مصر سے غلے کے بیس جہاز بھیجے۔ جو ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے دؤر مد اور گھی کا استعمال ترک کر دیا۔ ایک دن انھوں نے بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر نماز

استسقا پڑھنے کے بعد دعائانگی۔ جو میدھی عرش پر پہنچی۔ اور اثنائے دعا ہی میں بارانِ رحمت کی جھڑی لگ گئی۔

شام کی فتح کے بعد اس کی حفاظت کے لئے مصر کو تسخیر کرنا بے حد ضروری تھا۔ اس لئے ۲۱ھ میں حضرت عمرو بن العاص نے خلیفہ وقت سے

مصر کی تسخیر

اجازت حاصل کرنے کے بعد چار ہزار جانبا ز فوج لے کر مصر پر چڑھائی کی۔ پہلے انھوں نے مقوقس شاہ مصر کے پاس یہ تحریر بھیجی۔ کہ اسلام قبول کرو یا جزیہ دو۔ اور اگر یہ دونوں چیزیں منظور نہیں۔ تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس کا جواب رومی سردار ارطوبون نے جوان دنوں مع فوج وہاں مقیم تھا۔ قلم تہ تیغ سے دیا۔ اور زک اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اسلامی لشکر نے عین شمس کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے لوگوں نے جزیہ ادا کر کے صلح کر لی۔ پھر حضرت عمرو بن العاص یلغار کرتے اور بلیس وغیرہ پر غلبہ تو حید لہراتے ہوئے فسطاط کی طرف بڑھے۔

فسطاط کی فتح

فسطاط میں ایک نہایت زبردست اور مضبوط و مستحکم قلعہ تھا۔ حضرت عمرو بن العاص نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اور مصریوں کی بہت زیادہ تعداد دیکھ کر دربار خلافت میں مزید کمک بھیجنے کے لئے لکھا۔ حضرت فاروق اعظم نے حضرت زبیر بن العوام کے زیرِ کمان دس ہزار سرباز مجاہدین کا لشکر جرار روانہ کیا۔ محاصرے میں سات مہینے صرف ہو گئے۔ لیکن قلعہ سر ہونے میں نہ آیا۔ آخر ایک روز حضرت زبیر نے بعض صحابہؓ کے ساتھ فصیل پر چڑھ کر تکبیر کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ تو عیسائی کانپ اٹھے۔ اور سر ایسگی کی حالت میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ اسلامی لشکر قلعے میں داخل ہو گیا۔ اور مقوقس نے صلح نامہ لکھ دیا۔ اس کے افسر قیصر روم نے صلح کی خبر سن کر ان لفظوں میں ڈانٹ بتائی۔ کہ اگر تم میں تابِ مقابلہ نہ تھی۔ تو کیا روسیوں کا ٹڈی دل کم تھا جو تم نے صلح کی پینگ بڑھائی؟ اور فوراً ایک زبردست فوج اسکندریہ کی طرف روانہ کی۔

اسکندریہ کی فتح

اب حضرت عمرو بن العاص اسکندریہ کی طرف بڑھے۔ اور مزاحم دشمن کے منگ گراں کو راستے سے ہٹاتے ہوئے اسکندریہ پہنچے۔

ہی اس کا محاصرہ کر لیا۔ جو مدت تک جاری رہا۔ تسخیر میں دیر ہوئی۔ تو دربارِ خلافت سے حکم صادر ہوا۔ کہ ایک بارگی حملہ کر دو۔ اس فرمان کی تعمیل میں حضرت عمرو بن العاص نے فوج کے سامنے جہاد پر ایک گرجتی برستی تقریر کی۔ اور ایسا زبردست متفقہ حملہ کیا۔ کہ محصورین کی مگر ہمت ٹوٹ گئی۔ اور قلعہ فتح ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص فسطاط واپس آ گئے
مختلف مقامات پر قبضہ اور مختلف مقامات پر تسلط بٹھانے کا فریضہ حضرت
 خارجہ بن عذافہ اور حضرت عمیر بن وہب کے سپرد کیا۔ ان دونوں نے علی الترتیب شومن،
 فیوم، سراوات، تنیس، دمیاط، تون، دمیرہ، وقبلہ، شطا وغیرہ فتح کئے۔ اور نشیبی حصے کی
 تسخیر کا شرف حضرت عقبہ بن عامر کو نصیب ہوا۔ اس طرح مصر کے چپے چپے پر اسلامی پھیرا
 اڑنے لگا۔

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ سے شنبہ کو حضرت مغیرہ بن شعبہ کے
شہادت اور جانشینی پارسی غلام ابولولور فیروز نے حضرت فاروق اعظم سے شکایت

کی۔ کہ اس کے آقا اس سے بہت زیادہ محصول لیتے ہیں۔ کم کرادیجئے۔ انہوں نے دریافت
 فرمایا۔ کس قدر محصول لیتے ہیں؟ عرض کی۔ دو درہم روزانہ۔ پوچھا۔ کیا کام کرتے ہو؟ بولا۔
 تجارتی، آہن گری، اور نقاشی۔ فرمایا۔ پھر تو یہ رقم زیادہ نہیں۔ اس پر وہ غصے سے دل
 ہی دل میں مہج و تاب کھا کر رہ گیا۔ امیر المومنینؓ پھر اس سے یوں مخاطب ہوئے۔ کہتے
 ہیں۔ تو ہوا سے چلنے والی چکی بنا جاتا ہے۔ مجھے بھی ایسی چکی بنا دے۔ کہنے لگا۔ بہت
 اچھا۔ میں ایسی چکی بنا کر دوں گا۔ جس کی آواز افاق میں سنائی دے گی۔ لگے دن فجر کی نماز
 کے وقت دوسرے لوگوں کے ساتھ ابولولور خنجر بدست مسجد میں داخل ہوا۔ جب حضرت
 فاروق اعظمؓ نے امامت کراتے ہوئے نماز شروع کی۔ تو ابولولور نے جھٹ آگے بڑھ
 کر آپ پر پے در پے خنجر کے چھ وار کئے۔ خلیفہ وقت مہلک طور پر زخمی ہو گئے۔ لیکن اس
 حالت میں بھی حضرت عبدالرحمن بن عوف کو اپنی جگہ امام بنایا۔ پھر اسی وقت لڑاکھڑا کر گر
 پڑے۔ اور بے ہوش ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فریضہ امامت انجام دیا۔

ابولولور وار کرتے ہی بھاگا۔ کچھ لوگ اسے پکڑنے کے لئے دوڑے۔ ان میں سے بعض کو اس نے زخمی کیا۔ اور حضرت کلب بن ابی بکر کو شہید کر ڈالا۔ آخر وہ گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن اسی حالت میں اس نے خودکشی کر لی۔ نماز کے بعد لوگ حضرت فاروق اعظمؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لائے۔ ذرا ہوش آیا۔ تو دریافت فرمایا مجھے کس نے قتل کیا، عرض کی گئی ابولولور نے۔ فرمایا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ میرا قاتل مسلمان نہیں۔

اجل مقدر کا گہن آفتاب خلافت کی روشنی کو آہستہ آہستہ سلب کر رہا تھا۔ اور وہ کوئی دم میں بالکل بے نور ہوا چاہتا تھا۔ کہ صحابہؓ نے عرض کی۔ اپنا جانشین نامزد فرما دیجئے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو طلب فرمایا۔ حضرت طلحہؓ مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ ان پانچ آدمیوں سے یوں مخاطب ہوئے۔ "تین دن تک طلحہؓ کا انتظار کرنا۔ آجائیں۔ فیہا۔ ورنہ تم پانچوں ہی باہم مشورے سے اپنے آپ میں سے کسی ایک کو امیر منتخب کر لینا" اور حضرت صہیبؓ سے فرمایا۔ "میری ممدفین کے بعد ان سب کو ایک مکان میں بند کر دینا۔ اور امیر کا انتخاب ہو جانے کے بعد دروازہ کھولنا۔ پھر اپنے صاحب زادہ حضرت عبداللہؓ کو حکم دیا۔ کہ اگر انتخاب امارت میں اختلاف رہنا ہو جائے۔ تو تم اکثریت کا ساتھ دینا۔ اور اگر دونوں جماعتوں کی تعداد برابر ہو۔ تو تم عبدالرحمنؓ بن عوف والی جماعت میں شامل ہونا۔

ہونے والے خلیفہ کو وصیت پھر انہوں نے مذکور القدر حضراتؓ سے فرمایا۔ جو شخص امیر بنایا جائے۔ میں اسے وصیت

کرتا ہوں۔ کہ وہ انصار کے حقوق پوری طرح ادا کرے۔ وہ تمہارے محسن ہیں۔ مہاجرین کے حقوق کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ وہی اسلام کی اصل ہیں۔ ذمیوں کا بھی بخوبی پاس و لحاظ رکھنا چاہئے۔ ان کے ساتھ ایفائے عہد کیا جائے۔ ان کے مخالفوں سے جنگ کی جائے۔ اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ کے پہلو میں دفن ہوئی بڑی آرزو تھی۔ چنانچہ انھوں نے اس کی اجازت لینے کے لئے اپنے صاحب زادہ حضرت عبداللہؓ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے فرمایا۔ یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن اب اسے عمر فاروقؓ کے لئے چھوڑتی ہوں۔ جب انھوں نے اپنے بیٹے سے یہ خوش خبری سنی تو بے حد مسرور ہوئے۔ اور فرمایا۔ میری سب سے بڑی تمنا پوری ہوئی۔

اس کے بعد یکم محرم الحرام ۳۲ھ کو شنبہ کے روز ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت صہیبؓ نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے لحد میں اتار مارے دس سال خلافت کی۔

حضرت عمر فاروقؓ کی آٹھ بیویاں تھیں (۱) حضرت زینب بنت مطعون (۲) ملیکہ بنت جردول (۳) قریبہ بنت ابی امیہ (۴) حضرت ام حکیم بنت الحارث

(۵) حضرت جمیلہ بنت عامر (۶) حضرت کلثوم بنت حضرت علیؓ (۷) حضرت عاتکہ بنت زید اور (۸) حضرت فکیہہ۔ ان کے متعلق بعض لوگ لکھتے ہیں کہ یہ لونڈی تھیں۔

پہلی سے حضرت عبداللہؓ، حضرت عبدالرحمنؓ اکبر اور حضرت حفصہؓ۔ دوسری سے حضرت عبیداللہؓ، چوتھی سے حضرت فاطمہؓ، پانچویں سے حضرت عاصمؓ، چھٹی سے حضرت رقیہؓ اور حضرت زیدؓ اور آٹھویں سے حضرت عبدالرحمنؓ اوسط پیدا ہوئے۔ ان سب میں حضرت حفصہؓ حرم رسولؐ اور حضرت عبداللہؓ زیادہ نامور ہیں۔

نظامِ خلافت

حضرت فاروق اعظمؓ کا سب سے بڑا کارنامہ آپ کا مرتب کیا ہوا آئین حکومت اور جمہوری نظام ہے۔ جس نے مسلمانوں کو دینی و دنیوی اوج و ترقی کے فلک الافلاک پہ پہنچا دیا۔ اور جس سے بہتر نظام نہ موجود ترقی یافتہ زمانے میں موجود ہے۔ نہ آئندہ قائم کیا جاسکے گا۔

ملکی نظام

حضرت عمر فاروقؓ نے وہ سالہ عہدِ خلافت میں نظامِ حکومت کو بہت زیادہ وسعت دی۔ تمام مقبوضات کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا۔ (۱) مکہ (۲) مدینہ (۳) شام (۴) جزیرہ (۵) بصرہ (۶) کوفہ (۷) مصر (۸) فلسطین۔ ان کے علاوہ مشرق میں خراسان، فارس اور آذربائیجان کے تین صوبے الگ تھے۔

حکام کا انتخاب

حضرت فاروق اعظمؓ عالموں کے انتخاب میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اور ہر کام کے لئے اسی شخص کو منتخب کرتے تھے۔ جو اس کا اہل ہوتا تھا۔ اور جس سے بہتر وہ فریضہ کوئی دوسرا شخص انجام نہ دے سکتا تھا۔ اسی طرح ہر عامل اپنے مفوضہ فرائض جان توڑ کر انجام دیتے ہوئے ثابت کر دیتا تھا کہ اس جگہ کے لئے اسی کا تقرر نقش بہ کرسی ہے۔ اور اسی کے کارنامے معراج کمال ہیں۔ عمال کا انتخاب مشورے سے کیا جاتا تھا۔

حکام کے اختیارات۔ فرائض اور احتساب

حکام کے اختیارات اور احتساب کا معاملہ اور

بھی زیادہ مشکل تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ ہر حاکم کو تقرر کے وقت ایک دستاویز دیتے تھے جس میں تمام اختیارات کی تفصیل درج ہوتی تھی۔ اور وہ دستاویز صدر مقام میں ایک بہت بڑے عام مجمع کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی تھی۔ تاکہ عوام بھی اس سے مطلع ہو جائیں اور اگر حاکم ان اختیارات سے سرمو بھی تجاوز یا انحراف کرے۔ تو اس سے مواخذہ کیا جائے ہر حاکم اس بات کا حلف اٹھاتا تھا۔ کہ میں ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوں گا۔ باریک کپڑے نہ پہنوں گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھاؤں گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھوں گا۔ حاجتمندوں کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھوں گا۔ کوئی حاکم مقررہ مال و اسباب سے زیادہ جمع کرنے کا مجاز نہ تھا۔ اور اس قاعدے کی خلاف ورزی پر باز پرس کے علاوہ نصف مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔

صوبوں کے عاملوں کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ وہ سب کے سب حج کے موقع پر مکہ حاضر ہو کر یہ فریضہ انجام دیں۔ دربارِ خلافت کا یہ فرمان حاکموں کے لئے تازیانہ عبرت تھا۔

وہ اس کی مصلحت کو بخوبی سمجھ کر تحفظ عزت اور حفظ وقار کے پیش نظر رعایا کے ساتھ بے جا سختی کرنے سے باز رہتے تھے۔ اور کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ آنے دیتے تھے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اگر ذرا سی بھی نفرتش ہو گئی۔ تو بھری محفل میں سزا دے دی جائے گی اور ان کا دامن احترام داغ رسوائی ہے آلودہ ہو جائے گا۔ اگر امیر المؤمنین کے کان میں پہنچتا بھی پڑ جاتی تھی۔ کہ فلاں حاکم کے دربار میں عوام کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ تو تحقیق و تصدیق کے بعد اسے فوراً موقوف کر دیتے تھے۔ عمال کے اخلاق و کردار کی بھی خاص طور پر نگرانی کی جاتی تھی۔

محکمہ عدالت | خلیفہ وقت نے تمام ضلعوں میں عدالتیں قائم کر کے قاضی مقرر کئے۔ اور دستور قضا کے متعلق حسب ذیل فرمان تحریر کیا :-

”قضا ایک اہم فریضہ ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں، مجلس میں اور انصاف میں مساوی رکھو۔ تاکہ کمزور انصاف سے ناامید نہ ہو۔ اور معزز شخص کو رعایت کی امید پیدا نہ ہو۔ مدعی پر بار ثبوت اور انکار کرنے والے پر قسم ہے۔ صلح روا ہے۔ مگر کیسی؟ وہ جس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ اگر کل تم نے کوئی فیصلہ کیا۔ اور بعد میں زیادہ غور و خوض سے وہ حق بجانب ثابت نہ ہوا۔ تو تم اسے بدل سکتے ہو۔ جو مسئلہ مشکوک ہو۔ اور قرآن و حدیث سے حل نہ ہو سکے۔ اس پر سلسل غور کرو۔ اور اس کی مثالوں کو سمجھ کر ان پر قیاس کرو۔ جو شخص ثبوت پیش کرتا چاہے۔ اس کے لئے ایک میعاد مقرر کرو۔ اگر وہ ثبوت بہم پہنچا دے۔ تو اس کا حق دلا دو۔ ورنہ مقدمے کا فیصلہ اس کے خلاف کرو۔ ان لوگوں کے سوا جنہیں درے لگانے کی سزا دی گئی ہو۔ یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو۔ یا دلا اور وراثت میں مشتبہ ہوں۔ تمام مسلمان ثقہ ہیں۔“

قاضیوں کو یہ ہدایت دی گئی۔ کہ :-

”مقدموں میں سب سے پہلے قرآن حکیم کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر قرآن عزیز

میں وہ صورت درج نہ ہو۔ تو حدیث شریف دیکھو۔ اگر اس میں بھی نہ ہو۔ تو

اجماع سے ورنہ اجتہاد سے کام لو۔“

قضا کا نہایت اہم و ذمہ دارانہ عہدہ استروں کی مالا ہے۔ قاضیوں کے انتخاب میں بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے حضرت فاروق اعظمؓ اس نازک معاملے میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اور انھیں حضرات کو اس منصب جلیلہ پر فائز کرتے تھے جن کا علم، اتقا، مدبر اور قوت فیصلہ سب کے نزدیک مسلم ہوتی تھی۔ مثلاً مدینہ میں حضرت زید بن ثابت، کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت شریح اور دیگر مقامات میں حضرت ابو مریم حنفیؓ، حضرت جمیل بن العمر، حضرت عبدالرحمن بن ربیعہ، حضرت سلمان بن ربیعہ باہلی، حضرت ابو قرہ کندی اور حضرت عمران بن حصین اس عہدہ عالیہ پر سرفراز تھے۔ رشوت ستانی کے جرم کا قلع قمع کرنے کے لئے انھوں نے قاضیوں کی معقول تنخواہیں مقرر کیں۔ مثلاً حضرت شریح اور حضرت سلمان بن ربیعہ پان پان سو درہم ماہانہ مشاہرہ پاتے تھے۔ انھوں نے یہ قاعدہ وضع کیا۔ کہ قضا کا منصب امیر اور معزز شخص ہی کو مل سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی۔ کہ امیر پر رشوت کی طمع غالب نہ آسکے گی۔ اور عزت دار شخص پر کسی کا دسوخ و اقتدار اثر نہ کر سکے گا۔

عدالت کے معاملات میں انصاف و مساوات کا یہاں تک خیال تھا کہ وہ بعض اوقات مقدمے کے ایک فریق کی حیثیت سے خود عدالت میں پیش ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت ابی بن کعب سے کسی جھگڑا کے سلسلے میں مدعا علیہ کے طور پر حضرت زید بن ثابت کی عدالت میں گئے۔ انھوں نے تعظیم کی۔۔۔۔۔ فرمایا۔ ”یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔“ اور حضرت ابیؓ کے پاس جا بیٹھے۔ انھیں دعویٰ سے انکار تھا۔ اور حضرت ابیؓ نے حسب قاعدہ ان سے قسم لینے کا ارادہ کیا۔ قاضی نے مدعی سے کہا۔ امیر المؤمنینؓ کو قسم سے مستثنیٰ قرار دینا چاہئے۔ اس امتیاز سے انھوں نے برہم ہو کر فرمایا۔ ”جب تک تم عمرؓ اور ایک عام آدمی کو برابر نہ سمجھو۔ عہدہ قضا کے اہل نہیں ہو سکتے۔“

ان کے دربار عدالت میں حاکم و ماتحت، امیر و غریب اور یگانہ و بیگانہ کے درمیان کوئی فرق و امتیاز روا نہ رکھا جاتا تھا۔ قانون کا شکنجہ سب کو یکساں جکڑ لیتا تھا۔ ایک دفعہ

حج کی تقریب پر عمال حکومت جمع تھے انھوں نے عام حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا -
 "اگر کسی شخص کو کسی عامل سے کوئی شکایت ہو۔ تو بیان کرے" اس پر ایک شخص بول اٹھا۔
 کہ "فلاں عامل نے مجھے سو کوڑوں کی سزا دی ہے" انھوں نے حکم دیا۔ کہ "اٹھ کر بدلہ لو"
 حضرت عمرو بن العاص نے فوراً عرض کی۔ "امیر المؤمنین! اس طریق عمل سے تمام حاکم
 بے دل ہو جائیں گے" فرمایا۔ "کچھ پروا نہیں۔ میں ضرور ایسا کروں گا" اور مستغیث کو
 اپنا کام کرنے کے لئے حکم دیا۔ آخر حضرت عمرو بن العاص نے مستغیث کو سمجھا بھگا کر اس
 فیصلے پر راضی کر لیا۔ کہ وہ دو سو دینار وصول کر کے اپنے دعوے سے دست بردار ہو
 جائے۔

انسان کو اپنی اولاد اور پھر بیٹے سے پیارا اور کون ہوتا ہے۔ لیکن خلیفہ وقت کے
 ایوان عدالت میں ان کا فرزند و بلند بھی قانون شریعت کی گرفت سے نہ بچ سکتا تھا۔
 چنانچہ ایک مرتبہ ان کے لخت جگر حضرت ابو شحمہ نے مے نوشی کے جرم کا ارتکاب کیا۔
 تو خود اٹھ کر انہیں اسی تازیانوں کی سزا دی۔ جس سے وہ جان بحق ہو گئے۔ ایک معزز
 صحابی حضرت قدامہ بن مطعون کو جو ان کے برادر نسبتی تھے۔ اسی گناہ میں اسی تازیانے
 لگوائے۔ یہ مشنہ نمونہ از خردوار ہے۔ ورنہ خلافت فاروقی کی تاریخ اس قسم
 کے بے شمار واقعات سے لبریز ہے۔

امن عامہ کے لئے حضرت فاروق اعظم نے پولیس کا ایک نیا مستقل محکمہ قائم
 کیا۔ جس کے سلسلے میں بہت سے جیل خانوں کا قیام عمل میں آیا۔ لگنے کے
 علاوہ کوفہ اور دوسرے ضلعوں میں بھی جیل خانے قائم کئے۔ جن سزاؤں کی تفصیل قرآن
 کریم میں نہیں ملتی۔ ان میں ترمیم کر دی گئی۔ مثلاً ہمیشہ مست شراب رہنے والے اشخاص
 کے لئے قید کی سزا تجویز کی گئی۔

امیر المؤمنین نے خراج و محاصل کے صیغے کی بنیاد رکھی۔ اور اس ضمن میں
 مالی نظام | عراق کی اراضی کا بندوبست کر دیا۔ پیداوار کے لئے مال گزاری کی شرح
 مقرر کی۔ ذمیوں کی رضا مندی کا خاص خیال رکھا گیا۔ مصر کے محاصل سالانہ پیداوار

کی کمی و بیشی کے مطابق مقرر کئے گئے۔ مصر و شام وغیرہ میں جاگیرداری کا پُرانا طریقہ منسوخ کر کے اراضی کو اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضے میں دے دیا گیا۔ اور مسلمانوں کو خرید زمین سے روکنے کے لئے ایک قانون بنا دیا گیا۔

انھوں نے زمین کو آباد کرنے اور زراعت کو فروغ دینے کے لئے ایک ایسا قانون وضع کیا۔ کہ ٹھوٹے سے ہی عرصے میں ویران زمینوں کی آبادی اور فصلوں کی شادابی سے ہر طرف لہر بہر ہو گئی۔

کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے نہریں جاری کیں۔ اور ان سے **صیغہ آب پاشی** شاخیں نکالنے، تالاب بنانے، بند بنانے اور پانی کی تقسیم وغیرہ کے لئے آب پاشی کا محکمہ قائم کیا۔

ذکورہ بالا محاصل کے علاوہ آمدنی کے اور متفرق ذرائع **آمدنی کے متفرق ذرائع** بھی تھے۔ مثلاً زکوٰۃ، عشر، جزیہ، مال غنیمت، زکوٰۃ

صرف مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی۔ عشر تجارتی محصول تھا۔ چونکہ دوسری حکومتیں اپنے علاقوں میں مسلمان تاجروں سے ٹیکس لیتی تھیں۔ اس لئے حضرت عمر فاروقؓ نے بھی بیرونی تاجروں سے اسی قدر ٹیکس لینا شروع کر دیا۔

ایوں تو بیت المال کی بنیاد حضرت عدیق اکبرؓ ہی کے زمانے میں رکھ دی **بیت المال** گئی تھی۔ لیکن اس کی باقاعدہ تنظیم، توسیع اور ترقی حضرت فاروق اعظمؓ

کے عہد میں ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے مدینہ، تمام صوبوں میں اور مرکزی مقامات پر بیت المال قائم کر کے ان کے لئے عالی شان عمارتیں بنوائیں۔ اور انتظام و نگرانی کے لئے بہترین افسر مقرر کئے۔

ہر صوبے کی آمدنی اس کے بیت المال میں جمع ہوتی تھی۔ اور سرکاری مصارف سے **فاضل رقم مدینہ کے صدر بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔**

حضرت عمر فاروقؓ نے نہایت اعلیٰ پیمانے پر فوج کا محکمہ قائم کیا اور ملازموں کی تنخواہیں دو سو بیس درہم سالانہ سے پانچ ہزار سالانہ تک مقرر کیں۔ **فوجی نظام**

فوجیوں کے اہل و عیال کو وظیفے دئے جاتے تھے۔ فوج دو قسم کی تھی۔ ایک تو وہ لوگ تھے جنہیں ہر وقت امور جنگ کی انجام دہی کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ دوسرے وہ جو اپنے گھروں میں مقیم رہتے۔ اور صرف ضرورت کے وقت جنگ پر بھیج دئے جاتے تھے۔ تنخواہ دونوں کو دی جاتی تھی۔

مدینہ، کوفہ، موصل، بصرہ، حمص، دمشق اور اردن عظیم الشان فوجی مرکز تھے۔ خوزستان اور عجم میں بہت سی چھاؤنیاں قائم کیں۔ فوجی گھوڑوں کی پرورش کے لئے بکثرت چراگاہیں تھیں۔ اہم مقامات میں قلعے تعمیر کرائے۔ فوجی بھرتی وسیع پیمانے پر جاری کی۔ فوجی سپاہیوں کو کم از کم دو سو درہم سالانہ سے تین سو تک اور عہدہ داروں کو سات ہزار سے دس ہزار تک تنخواہ ملتی تھی۔ سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ ایک من غلہ، بارہ سیر سیرک اور بارہ سیر روغن زیتون ماہانہ بھی دیا جاتا تھا۔

فوج کے عملہ میں حاکم خزانہ، محاسب، قاضی، مترجم، طبیب اور جراح شامل تھے۔ سفر میں نا کے فرائض مفتوحہ قوموں کے افراد انجام دیتے تھے۔ ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس مقرر کئے گئے۔ جو ہرات کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجتے رہتے تھے۔

تبلیغ اسلام حضرت فاروق اعظم نے تبلیغ اسلام پر خاص توجہ مبذول فرمائی۔ اور اس کے لئے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ کسی مقام پر حملہ کرنے سے پہلے حاکم فوج خلیفہ وقت کے حسب فرمان پہلے اسلام پیش کرتا تھا۔ اس ضمن میں امیر المؤمنین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی ذات کو اسلام کا مکمل نمونہ بنا کر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ جسے دیکھ کر تمام فرزندانِ توحید اسی رنگ میں رنگے گئے۔ اس تدبیر کا ایسا معجزانہ اثر ہوا۔ کہ دوسری قومیں مسلمانوں کے طور طریق دیکھ کر خود بخود دین اسلام میں داخل ہونے لگیں۔ چنانچہ فتوحات شام میں رومی سفیر جارج۔ مصری رئیس شطا اور دمشق کے پادری کا قبولِ اسلام اس کی روشن مثالیں ہیں۔ ثانی الذکر تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہوا۔

علاوہ بریں فتح جلولاہ کے موقع پر وہاں کے بہت سے اکابر و رضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ جنگ قادسیہ کے بعد ایرانی شاہی رسالے کے چار ہزار افراد آغوش اسلام میں آئے۔ ایک ایرانی فوجی افسر نے سیکڑوں بہادروں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ یہ دیکھ کر ایرانی فوج کے مختلف قوموں مثلاً اندفار، سیاہجہ اور زط وغیرہ سے تعلق رکھنے والے بہت سے اشخاص زینت اسلام سے مزین ہو گئے۔ فتح و میاٹ کے بعد دارادہ اور بقارہ سے عسقلان تک کا سارا علاقہ نور اسلام سے جگمگانے لگا۔ فسطاط کی بیشتر آبادی اسلامی محلوں پر مشتمل تھی۔ غرض حضرت فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں تبلیغ اسلام کے آفتاب نے دور دور تک تجلیاں برسا کر ظلمت کدہ کفر کو ضیاء ایمان بنا دیا۔

قرآن و حدیث کی خدمت

حضرت عمر فاروقؓ نے قرآن کی خدمت کا پورا پورا

اہتمام کیا۔ تمام مفتوحہ علاقوں میں درس قرآن

جاری کرنے کے لئے مدرسے قائم کئے۔ اور اساتذہ کی معقول تنخواہیں مقرر کیں۔ بدوؤں کا امتحان بھی لیا جاتا تھا۔ اور جس شخص کو قرآن کا کوئی حصہ یاد نہ ہوتا تھا۔ اسے سزا دی جاتی تھی جن سورتوں میں احکام مندرج ہیں۔ مثلاً بقرہ، نساء، مائدہ، حج اور نور۔ ان کا حفظ کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ اعراب اور ادب و عربیت کی تعلیم پر بالخصوص زور دیا گیا۔ ہر معلم قرآن کے لئے عالم لغت ہونے کی شرط لگادی۔ متعلمین قرآن کے لئے وظیفے مقرر کئے۔ اس طریق عمل سے حافظین قرآن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔

اسی طرح آپ نے حدیث کی حفاظت، تعلیم اور نشر و اشاعت کا بھی بخوبی انتظام کیا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوفہ، حضرت مقعل بن یسار، حضرت عبداللہ بن معقل اور حضرت عمران بن حصین کو بصرہ اور حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابو دردار کو شام کی طرف حدیث کا درس دینے کے لئے روانہ کیا۔

جوں جوں کوئی نیا مسئلہ سامنے آتا۔ وہ فوراً اس کے متعلق صحابہؓ سے حدیث دریافت فرماتے۔ اس طرح ہوتے ہوتے بہت سی حدیثیں جمع ہو گئیں۔ اور اشاعت

احادیث زور شور سے ہونے لگی۔ قبول روایات میں نہایت محتاط تھے۔ چنانچہ جب کوئی صاحب حدیث بیان کرتے۔ تو وہ ان سے ثبوت طلب کرتے۔ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے کوئی حدیث بیان کی۔ انہوں نے فرمایا: "ثبوت پیش کرو۔ ورنہ سزا دی جائے گی۔" حضرت اشعریؓ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے شہادت دلوائی۔ جب کہیں ان کی مخلصی ہوئی۔

اس باب میں انہوں نے عبادات، معاملات اور اخلاق سے متعلق احادیث پر خاص توجہ مبذول فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں جس قدر حدیثیں روایت ہوئیں۔ اگرچہ بہ لحاظ تعداد کم ہیں۔ لیکن بہ اعتبار صحت مستند۔

فقہ کی اشاعت اسلامی تہذیب و ثقافت کی ترقی کے ساتھ ساتھ بے شمار گوناگون جدید مسائل پیدا ہوتے جاتے تھے۔ اس لئے قدم

قدم پر فقہی احکام کی ضرورت پڑتی تھی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے نہایت وسعت و جامعیت کے ساتھ علم فقہ کی تدوین و تکمیل فرمائی۔ وہ خطبوں میں فقہی مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالتے تھے۔ حاکموں اور عہدہ داروں کے نام فقہی احکام تحریر فرماتے تھے۔ حکام کے انتخاب و تقریر میں فقہی قابلیت کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا۔

علاوہ بریں انہوں نے اپنی اسلامی عمل داری کے گوشے گوشے میں بااختیار فقہ اور عالم مقرر کر رکھے تھے۔ غرض ان کے عہد خلافت میں مذہبی تعلیم کا آفتاب ہمیشہ روشن رہتا تھا۔

مساجد وغیرہ کی تعمیر و توسیع دینی خدمت کے ضمن میں انہوں نے بہت سی مسجدیں بنوائیں۔ شام کے علاقے میں مساجد کا جال بچھا

دیا گیا۔ کوفہ میں ہر قبیلے کے لئے الگ مسجد تعمیر کرائی گئی۔ اور ان کی رونق عبادی کی غرض سے اختیارات ناموں اور موذنوں کا تقریر عمل میں لایا گیا۔

حرم پاک کی عمارت کو وسیع کر کے اس کے ارد گرد ایک دیوار کھجوا دی گئی۔ اور کعبے پر ایک نئے عمدہ کپڑے کا غلاف چڑھایا گیا۔

مسجد نبویؐ کو وسیع کیا گیا۔ اور ازواج مطہرات کے گھروں کے سوا اس پاس کے تمام مکانات خرید کر مسجد میں شامل کر لئے گئے۔

امور رفاہ عامہ | حضرت عمر فاروقؓ نے عوام کے فائدے کے لئے بہت سے کام کئے۔ چنانچہ متعدد نہریں کھدوائیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

نہر ابو موسیٰ | یہ نو میل لمبی نہر مدینہ سے نکالی گئی۔ جس سے بصرہ میں پانی کی تکلیف وہ قلت دور ہو گئی۔

نہر معقل | یہ نہر حضرت معقلؓ کے زیر اہتمام کھدوائی گئی۔
نہر سعد | یہ نہر حضرت سعد بن ابی وقاص نے کھدوائی۔ اور حجاج بن یوسف کے عہد میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔

نہر امیر المومنین | یہ ۹۹ میل لمبی نہر مدینہ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے کھدوا کر دریائے نیل کو بحیرہ قلزم سے ملا دیا۔ اس سے مصر کے جہاز براہ راست مدینہ تک آنے لگے۔ اور عرب کا قحط دور ہو جانے کے علاوہ مصر کی تجارت کو بھی بڑی ترقی ہوئی۔

مدینہ، کوفہ اور دوسرے مشہور شہروں میں مسافروں کے آرام کے لئے سرائیں تعمیر کرائی گئیں۔

سڑکوں کی مرمت کرائی گئی۔ پل بنوائے گئے۔ اور اہم مقامات پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تیار کئے گئے۔

غیر قوموں کے ساتھ سلوک | کسی حکومت کی عظمت کے پرکھنے کا بلند ترین معیار یہ ہے۔ کہ غیر قوموں کے ساتھ

اس کے سلوک کا جائزہ لیا جائے۔ فاروقی خلافت اس معیار پر پوری اترنے کے علاوہ دنیا بھر کی حکومتوں کے لئے اسوہ حسنہ پیش کرتی ہے۔

جان، مال اور مذہب کے بنیادی حقوق سب چیزوں پر حاوی ہوتے ہیں۔ حضرت

فاروق اعظم نے مفتوحہ قوموں کے یہ تینوں حقوق محفوظ کرنے - چنانچہ بیت المقدس کے عیسائیوں کو معاہدے کے روئے حقوق دئے گئے تھے۔

”یہ وہ امان ہے۔ جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا والوں کو دی۔ یہ امان جان، مال، اگر جا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لئے ہے۔ ان کے گرجوں کو سکونتی مکان نہ بنایا جائے گا۔ نہ وہ منہدم کئے جائیں گے۔ نہ ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے متعلق ان پر سختی نہ کی جائے گی۔ نہ ان میں سے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا۔“

اسی طرح اہل جرجان، اہل آذربائیجان، اہل موقان اور دوسری تمام مفتوحہ اقوام کو بھی یہ حقوق دئے گئے۔

کسی مسلمان کے ہاتھوں کسی ذمی کے قتل ہو جانے کی صورت میں اس سے بدلہ لیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ قبیلہ بکر بنی وائل کے کسی شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو جان سے مار ڈالا۔ خلیفہ وقت نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے اسے تہ تیغ کر دیا۔

ذمیوں کے مال کو نقصان پہنچنے کی صورت میں حضرت فاروق اعظمؓ نے تلافی مافات کے لئے معاوضہ دلاتے تھے۔ ایک دفعہ شام کے کسی ذمی کی فصل فوج کے ہاتھوں برباد ہو گئی۔ انھوں نے اسے بیت المال سے دس ہزار درہم معاوضہ دلوا یا۔

اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا۔ کہ خراج کے سلسلے میں مال گزاری وغیرہ کی رقم جبر و تشدد سے وصول نہ کی جائے۔

یہ ایک ٹیکس تھا۔ جو ذمیوں سے ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کے معاوضے

کے طور پر وصول کیا جاتا تھا۔ یہ ٹیکس مسلمانوں سے اس بنا پر نہ لیا جاتا تھا

کہ وہ مال کی جگہ جان دینے پر مجبور تھے۔ معاہدوں میں اس کی تشریح کر دی جاتی تھی۔

چنانچہ اہل جرجان کے معاہدے میں یہ الفاظ درج تھے:۔

”ہم اس شرط پر تمہاری حفاظت کا ذمہ اٹھاتے ہیں۔ کہ تمہیں حسب توفیق سالانہ جزیہ

ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر ہم تم سے مدد لیں گے تو جزیہ چھوڑ دیا جائے گا۔“

اہل آذربائیجان کے معاہدے کے الفاظ یہ تھے :-

”جو لوگ کسی سال فوج میں شامل ہو کر جنگی خدمات انجام دیں گے۔ ان سے اس

سال کا جزیہ وصول نہ کیا جائے گا۔“

فتوحات ایران میں ایسے موقعوں پر دربارِ خلافت سے حکام فوج کے نام یہ فرمان جاری کیا گیا۔ کہ :-

”جن ذمی سواروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو۔ ان سے مدد لو۔ اور ان کا جزیہ

معاف کر دو۔“

بعض ایسے ٹیکس تھے۔ جو ذمیوں کی طرح مسلمانوں کو بھی دینے پڑتے تھے۔ ذکوٰۃ کی

رقم جزیہ سے بہت زیادہ ہوتی تھی۔

جزیہ وصول کرنے میں سختی سے کام نہ لیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ سفر شام میں حضرت

عمر فاروقؓ نے دیکھا۔ کہ ذمیوں سے سختی جرتی جا رہی ہے۔ سبب دریافت کرنے پر پتہ چلا

کہ جزیہ ادا نہیں کیا گیا۔ پوچھا کس لئے۔ معلوم ہوا۔ کہ تنگ دستی کے باعث۔ فرمایا ”معاف

کر دو۔ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے۔ کہ لوگوں کو نہ ستاؤ۔ جو لوگ دنیا میں خدا کے

بندوں کو عذاب دیتے ہیں۔ خدا انہیں قیامت میں عذاب دے گا۔“

غریب اور معذور ذمیوں سے نہ صرف جزیہ ہی نہ لیا جاتا تھا۔ بلکہ بیت المال سے ان

کی پرورش بھی کی جاتی تھی۔ چنانچہ فتح حیرہ کے معاہدے میں لکھا تھا۔ کہ :-

”اگر کوئی بوڑھا آدمی کام کرنے کے ناقابل ہو جائے۔ یا اس پر کوئی مصیبت ٹوٹ

پڑے۔ یا امیری کے بعد مفلسی کا شکار ہو جائے۔ اور اس کے اہل مذہب اے

خیرات دینے لگیں۔ تو اس سے جزیہ وصول نہ کیا جائے گا۔ اور اس کے

بچوں کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا۔“

یہ معاہدہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں ہوا تھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اسے اور

زیادہ مضبوط بنا دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ کوئی معذور شخص خیرات مانگ رہا ہے پوچھا۔ کیوں ایسا کر رہا ہے؟ بولا۔ مجھ پر جزیہ عائد کیا گیا ہے۔ اور مجھ میں اتنی توفیق نہیں۔ انہوں نے اسے اپنے گھر لے جا کر کچھ نقد دینے کے بعد رخصت کر دیا۔ اور ساتھ ہی داروغہ کو فرمان بھیجا۔ کہ اس قسم کے ازکار پزنتہ لوگوں کو بیت المال سے خرچ دیا جائے۔ قرآن عزیز کی آیت اتموا الصدقات للفقراء والمساکین میں فقرا سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہیں۔ خدا کی قسم یہ انصاف نہیں۔ کہ ان لوگوں کی جوانی سے تو ہم فائدہ حاصل کریں۔ اور پیری میں جواب دے دیں۔

ذمیوں کی انہیں اس قدر فکر اور ان کی بھلائی اس درجہ پیش نظر تھی۔ کہ ان کے عہد خلافت کے آخری حصے میں ہونے والے خلیفہ کے ہدایت نامے میں ذمیوں کی بابت مخصوص یہ الفاظ درج تھے :-

”جن لوگوں کو اللہ اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے۔ میں ان کے باب میں وصیت کرتا ہوں۔ کہ ان سے کیا ہوا وعدہ ایفا کیا جائے۔ ان کی حمایت میں جنگ کی جائے اور انہیں ناقابلِ برداشت تکلیف نہ دی جائے۔“

حقیقت یہ ہے۔ کہ آج کل کے ترقی یافتہ دور میں بھی کوئی حکومت کسی غیر قوم کے ساتھ اس سے بہتر سلوک روا نہیں رکھ سکتی۔

رعایا کی نگہداشت | رعایا کی خبر گیری اور دلجوئی ہر وقت ان کے پیش نظر تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی رعایا کا خاص خیال رکھتے تھے۔

دروازے پر کسی وقت بھی کوئی دربان نہ ہوتا تھا۔ اس لئے عوام نہایت آزادی سے بار بار خلافت میں حاضر ہو کر عرض داشتیں پیش کرتے تھے۔ ہر نماز کے بعد مسجد میں تھوڑی دیر تک بیٹھے رہتے۔ تاکہ حاجت مندوں کو عرض حال میں وقت نہ ہو۔

حج کے موقع پر تمام صوبوں کے عاملوں کو طلب کرتے اور ان کے عملات لوگوں کی شکایات سن کر داورسی فرماتے۔

مدینہ اور اس کے مضافات میں گشت کر کے رعایا کا حال معلوم اور حاجت مندوں کی

ضرورتیں پوری کرتے۔ ایک دفعہ کوئی قافلہ مدینہ کے باہر اترا۔ وہ وہاں تشریف لے گئے گشت کرتے کرتے کسی بچے کے رونے کی آواز کان میں آئی۔ جھٹ وہاں پہنچے۔ اور بچے کی ماں کو اسے بہلانے کی تاکید فرمائی۔ کچھ دیر بعد پھر وہاں سے گزر ہوا۔ تو دیکھا۔ کہ بچہ برابر رونے جا رہا ہے۔ اب کے ماں کو ڈانٹ ڈپٹ کر کہا۔ ”تو بڑی ظالم ہے“۔ اس نے جواب دیا۔ ”اصل وجہ تو تمہیں معلوم نہیں۔ اور مجھ پر خواہ مخواہ برس رہے ہو۔ واقعہ یہ ہے عمر نے حکم دے رکھا ہے۔ کہ بیت المال سے بچوں کا وظیفہ اس وقت تک مقرر نہ کیا جائے جب تک وہ دودھ نہ چھوڑ دیں۔ اور میں اس بچے کا دودھ چھڑا رہی ہوں۔ جس پر یہ رورہا ہے یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ اب دیدہ ہو گئے۔ اور آہ بھر کر کہا۔ ”ہائے عمر! تمہاری گردن پر کتنے بچوں کا خون ہوگا۔“ چنانچہ فی الفور عام منادی کرادی۔ کہ ”ہر بچے کے لئے اس کے روز پیدائش ہی سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔“

وہ اکثر راتوں کو بھیس بدل کر قرب و جوار کے مقامات میں چلے جاتے۔ رعایا کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ اور محتاجوں اور بیکسوں کی امداد کر کے دعائیں لیتے۔ ایک دفعہ رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد مدینہ سے تین میل دور ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ چلتے چلتے کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک مکان میں کوئی عورت کچھ پکار رہی ہے۔ اور چند بچے اس کے پاس بیٹھے رورہے ہیں۔ اندر جا کر حال دریافت کیا۔ تو عورت نے کہا۔ ”بچوں پر کئی فاقے گزر چکے ہیں۔ ان کا رونا مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس لئے جھوٹ موٹ انھیں چپ کرنے کے لئے ہانڈی میں صرف پانی ڈال کر اسے چولھے پر چڑھا رکھا ہے۔“ اس بیان سے ان کے دل پر چوٹ لگی۔ اور فوراً مدینہ واپس آکر بیت المال میں پہنچے۔ وہاں سے آٹا گھی، گوشت اور کھجوریں لے کر اپنے غلام اسلم سے فرمایا۔ ”ان چیزوں کو میری پشت پر رکھ دو۔“ اسلم نے عرض کی۔ ”امیر المؤمنین! آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ مجھے حکم دیجئے۔ جہاں آپ چاہتے ہیں۔ میں وہیں حسب فرمان چھوڑ آتا ہوں۔“ ارشاد ہوا۔ ”نہیں نہیں۔ یہ بوجھ خود مجھی کو اٹھانا ہے۔ کیا قیامت میں بھی میرا بار تم اٹھاؤ گے؟“ عرض یہ سارا سامان خود اٹھا کر لے گئے۔ اور عورت کے حوالے کر کے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر

وہیں ایک طرف بیٹھ گئے۔ عورت کھانا پکاتی جاتی، انھیں دعائیں دیتی جاتی۔ جب بچوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا۔ تو عورت سر پاپا سپاس بن کر یوں گویا ہوئی۔ "امیر المؤمنین ہونے کے قابل عمر نہیں۔ تم ہو۔"

ایک مرتبہ وہ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے۔ کہ کسی جگہ ایک خیمہ نظر پڑا۔ پاس گئے۔ تو ایک بڑھیا دیکھی۔ پوچھا۔ "عمر کی بابت کچھ جانتی ہو؟" بولی۔ "ہاں اس قدر کہ وہ شام سے چل پڑا ہے۔ اور مجھے اس نے ایک کوڑی بھی نہیں دی۔" فرمایا۔ "عمر آخر انسان ہی ہے۔ اسے اتنے دُور دراز مقام کے ایک ایک فرد کا حال کیوں کر معلوم ہو سکتا ہے؟" بڑھیا کہنے لگی۔ "تو پھر اسے خلافت کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟" یہ سنتے ہی وہ اشک بار ہو گئے۔

کسی فرد رعایا کے پاؤں میں کانٹا چبھتا۔ تو اس کی خارش ان کے دل میں پیدا ہو کر تڑپا دیتی۔ گویا ساری امت کا درد ان کے جگر میں تھا۔ چنانچہ ۱۸ھ میں جب عرب کے اقتصادی مطلع پر قحط کی بھیانک گھٹائیں چھا گئیں۔ تو ان کے نخل احساس پر درد و غم کی بجلیاں گر پڑیں۔ اچھا کھانا پہننا چھوڑ دیا۔ اور رفع ابتلا کے لئے دعائیں مانگنے لگے۔ بیت المال میں جو کچھ تھا۔ غریبوں اور فاقہ کشوں کو دے دیا۔ تاکہ وہ بے چارے جسم و روح کا اتحاد قائم رکھ سکیں۔ پھر تمام صوبوں کے حاکموں کو غلہ بھجنے کا حکم دیا۔ چنانچہ شام اور مصر وغیرہ سے بہت سا غلہ آگیا۔ اور قحط زدوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ علاوہ بریں مدینہ میں ایک لنگر خانہ بھی قائم کیا گیا۔

ایام قحط کے علاوہ عام حالات میں بھی حضرت فاروق اعظم رعایا کی خبر گیری کا خاص خیال رکھتے تھے چنانچہ انھوں نے تمام مسلم اور غیر مسلم، اہل حج اور معذور لوگوں کے لئے بیت المال سے وظیفے مقرر کر دیئے۔ اور وہیں سے لاوارث بچوں کی پرورش کا انتظام بھی کر دیا۔

مسادات کا ڈیر آب دار حضرت عمر فاروق کے تاج شوکت و عظمت میں گوہر شہوار کی طرح چمک رہا ہے۔ انھوں نے آقا و غلام اور شاہ و گدا

مسادات

کافرق و امتیاز دور کر کے سب مسلمانوں کو ایک سطح پر لاکھڑا کیا۔ اور اسلام کے اس مایہ ناز اصول کا عملی نمونہ پیش کر کے ثابت کر دیا۔ کہ (ع) یہ وہ مرکز ہے، جہاں ایک ہیں محمود و ایاز۔ جس طرح خلیفہ المسلمین اور رعایا کا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ فرد حقوق کے اعتبار سے برابر تھا۔ اسی طرح وہ ہر صوبے میں مساوات کا علم بلند کرنے کے لئے عالموں کو ہدایات و احکام ارسال کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمرو بن العاص نے مصر کی جامع مسجد کا منبر تیار کرایا۔ تو دربار خلافت سے ان کے نام یہ استفسار بھیجا گیا۔ ”کیا تمہیں یہ بات پسند ہے۔ کہ تم اوپر بیٹھو اور مسلمان نیچے؟“

حضرت ابی بن کعب ایک معزز صحابی تھے۔ ایک مرتبہ چند اشخاص ملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے اٹھنے پر لوگ احتراماً ساتھ ہوئے۔ اتفاق سے امیر المؤمنین اُدھر آنکے۔ اور اس شان امتیاز پر چیں بہ جیں ہو کر حضرت ابی کے ایک کوڑا رسید کر دیا۔ وہ تعجب سے بولے ”خیر تو ہے؟“ فرمایا۔ ”کیا تمہیں علم نہیں کہ اس طرح کا احترام مطاع کے لئے فتنہ اور مطیع کے لئے ذلت ہے؟“

ایک دفعہ طواف کے موقع پر شام کے مشہور نو مسلم حاکم جبلہ عسائی کی چادر کا کونہ کسی شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے تیوری پر بل ڈال کر زور سے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا۔ اس نے طمانچے کا جواب طمانچے سے دیا۔ جبلہ نے دربار خلافت میں شکایت کی۔ خلیفہ وقت نے فرمایا۔ ”عوض معاوضہ گلہ ندارد۔“ جبلہ امیرانہ تکبر سے بولا۔ ”ہم وہ ہیں کہ ہماری توہین کا مرتکب گردن زدنی ہے۔“ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا۔ ”بے شک زمانہ جاہلیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے چھوٹے اور بڑے کو برابر کر دیا۔“ جبلہ نے کہا۔ ”اگر اسلام شریف اور رذیل میں کوئی تمیز روا نہیں رکھتا۔ تو ایسے مذہب کو میرا اسلام ہے۔“ حضرت عمر فاروق نے اس کے قول کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ دی۔

انہوں نے بندہ کو خواجہ کے اور محتاج کو غنی کے برابر کر دیا۔ کھانا کھانے کے وقت غلاموں کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا لیتے اور بلند آواز سے فرماتے۔ ”اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے۔ جو غلاموں کے پہلو پہ پہلو بیٹھ کر کھانا کھانے میں کسر شان سمجھتے ہیں۔“ وہ

اس بات کی تحقیقات کرتے رہتے تھے۔ کہ حاکم غلاموں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھتے ہیں۔ ایک حاکم کسی غلام کی بیمار پرسی کو نہ گیا۔ انھیں اطلاع ہوئی۔ تو اس جرم پر حاکم کو معزول کر دیا غلاموں اور آقاؤں کے وظیفے برابر مقرر کئے۔

کیا تاریخ عالم کسی غیر مسلم بادشاہ وقت کے عہد حکومت میں مساوات کی ایسی مثالیں پیش کر سکتی ہے؟ یہ اسی مساوات سے پیدا شدہ آزادی کا نتیجہ تھا کہ ایک عامی بھرے مجمع میں خلیفۃ المسلمینؓ کی روش کے متعلق لب اعتراض واکر سکتا تھا۔

بیت المال کو سازی ملت اسلامیہ کی امانت سمجھ کر اس کی حفاظت میں بے حد اہتمام فرماتے تھے۔ کوڑی کوڑی کا حساب رکھتے۔ اور کوئی چیز بے جا صرف نہ ہونے پاتی۔

ایک دفعہ بیت المال کا کوئی اونٹ بھاگ گیا۔ اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اسی اثناء میں ایک رئیس احنف بن قیس ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ اس پر نظر پڑی۔ تو فرمایا "بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ آؤ ہم تم دونوں تلاش کریں" ایک شخص بولا "امیر المؤمنینؓ کسی غلام کو حکم دیجئے۔ وہ ڈھونڈ لائے گا۔ آپ کو بے نفس نفس تکلیف فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟" ارشاد ہوا۔ "مجھ سے بڑھ کر کوئی غلام نہیں۔" بیت المال کے بھرے پڑے شاہی خزانے میں سے صرف نان و نفقہ کے لئے ایک نہایت معمولی اور ناقابل ذکر رقم لیتے تھے۔ اس کے سوا کچھ لینا حرام سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ بیماری کے باعث شہد کی ضرورت پیش آئی۔ تو بیت المال سے لینے کے لئے مسلمانوں سے اجازت طلب کی۔

ایک مرتبہ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے مالِ غنیمت میں سے اپنا حق مانگا۔ فرمایا "بیٹی! یہ میرا ذاتی مال تو نہیں۔ کہ تجھے حق دوں۔ کیا تو مجھے دھوکا دینا چاہتی ہے؟" وہ بے چاری مایوس ہو کر چلی گئیں۔

ایک دفعہ ان کے صاحب زادہ حضرت عبداللہؓ نے ایک اونٹ فروخت کے لئے بازار میں بھیجا۔ انھوں نے دیکھا۔ اور لوگوں سے دریافت کرنے کے بعد بیٹے سے پوچھا۔

تو وہ بولے۔ کہ "میں نے اسے خرید کر سرکاری چراگاہ میں چھوڑ دیا تھا۔ اب یہ موٹا ہو گیا ہے۔ اس لئے فروخت کر رہا ہوں۔" فرمایا۔ "تمہیں صرف قیمت خرید لے گی۔ کیوں کہ یہ سرکاری چراگاہ میں پلا اور بڑھا ہے۔" اور زائد رقم بیت المال میں داخل کر دی۔

ایک دفعہ انہوں نے ضرورت پیش آنے پر حضرت عبدالرحمن بن عوف سے کچھ رقم بطور قرض مانگی۔ وہ کہنے لگے۔ "بیت المال کس مرض کی دوا ہے؟" فرمایا۔ "ہیں۔ وہاں سے نہ لوں گا۔ تم سے اس لئے مانگ رہا ہوں۔ کہ اگر ادا کرنے سے پہلے مجھے موت آجائے تو تم میرے ترکے سے وصول کرنے پر مجبور ہو جاؤ۔"

علم و فضل حضرت فاروق اعظم علم و فضل کے پیکر تھے۔ تحریر اور تقریر میں ان کی تیج کمال کا لوہا مانا جاتا تھا۔ شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن اس فن میں ان کی تنقیدی قابلیت اور عظمت مسلمہ تھی۔ ابن رشیق اور جاحظ جیسے اکابر ادب انہیں اپنے عہد کا سب سے بڑا نقاد و سخن سنج تسلیم کرتے تھے۔ انہوں نے عربی شاعری کے چمن زار کو ہوس پرستی اور بھوگوئی کے کانٹوں سے پاک و صاف کر دیا۔ عبرانی زبان بھی جانتے تھے۔

علم نسب میں بھی خوب دسترس تھی۔ اور اس فن میں اپنے والد ہی سے جو ایک نامور نساب تھے۔ تلمذ حاصل تھا۔

وہ انتہا درجے کے ذہین، طباع اور صاحب الرائے تھے۔ ان کی اکثر آراء نے مذہبی احکام کی صورت اختیار کر لی۔ ازواج مطہرات کے پردہ اور حرمت شراب وغیرہ امور میں قرآن حکیم ان کی رائے کا مؤید ہوا۔

قرآن عزیز کے حقائق و معارف پر کامل عبور تھا۔ اس کے احکام و مسائل پر گہری نظر سے غور و فکر فرماتے۔ جو پیچیدہ مسئلہ سمجھ میں نہ آتا۔ اسے رسول اللہ صلعم سے دریافت کرتے۔

علم حدیث میں انتہائی کمال رکھتے تھے۔ روایت کرنے میں حد درجہ محتاط تھے۔ اپنے عہد میں تمام احکام حدیث ہی کی بنا پر صادر کئے۔

علم فقہ کی تدوین و آرائش انہیں کے نکتہ رس و ماخ کی منت پذیر تھی۔ وہ فطری

طباعتی اور مذہبی بصیرت سے اس فن کے اصول و ضوابط مرتب کر کے اختلاف کے لئے دنیات کے صحرائے لے پایاں میں مشعلِ ہدایت روشن کر گئے۔

حضرت فاروق اعظمؓ رسول اللہ صلعم کے اسوہ حسنہ کے سیرت الفاروقؓ متحرک پیکر تھے۔

خوفِ خدا اللہ کا ڈر ان کے جسم میں روح بن کر سمایا ہوا تھا۔ ہر وقت باز پرس کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ایک دفعہ فرمانے لگے۔ ”اگر آسمان سے آواز آئے۔ کہ ایک شخص کے سوا سب بہشت میں جائیں گے۔ تو بھی پرکشش کا اضطراب دور نہ ہوگا۔ کہ شاید وہ بد نصیب شخص میں ہی ہوں۔“

ایک دفعہ تنکا اٹھا کر فرمایا۔ ”کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا، کاش میں بطنِ مادر سے خاکِ ان عالم میں نہ آیا ہوتا۔“

ایک دفعہ حضرت ابو بوسلی اشعریؓ سے سوال کیا۔ ”کیوں بھئی اگر تم قیامت کے دن اسلامی خدمات کی بنا پر بے پرکشش نجات پا جاؤ۔ تو اس پر رضامند ہو؟ انھوں نے جواب دیا نہیں۔ ہم نیکیوں کے صلے کے آرزو مند ہیں۔“ اس پر انھوں نے فرمایا۔ ”اس ذات اقدسِ واعلیٰ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں اس کے سوا کوئی خواہش نہیں رکھتا کہ باز پرس کے بغیر بخشا جاؤں۔“

تاثیر قرآنی کتاب اللہ کی آیات سے بے حد اثر پذیر ہوتے تھے۔ نماز میں ایسی سورتیں پڑھتے جن میں جلالِ خداوندی اور قیامت کی دہشت و ہیبت کا بیان ہوتا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہا دیتے۔

عشقِ رسولؐ رسول اللہ صلعم کا عشق معراج کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ مال، جان، اولاد غرض سب کچھ ہر لمحہ محبوبِ خدا پر قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے جن دنوں رسول اللہ صلعم نے کسی وجہ سے چند روز کے لئے ازواجِ مطہرات سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ حضرت فاروق اعظمؓ ویر دولت پر حاضر ہوئے۔ اور باریابی کے لئے اجازت طلب کی۔ جب کافی دیر ہو جانے پر بھی اجازت نہ ملی۔ تو بلند آواز سے گزارش کی۔ کہ

” واللہ عمرؓ اپنی بیٹی کی سفارش کے لئے نہیں آیا۔ اگر حضور انورؐ حکم دیں۔ تو میں حفصہؓ کی گردن مار دوں۔“

وصالِ نبویؐ پر ان کا عشق جنوں کے درجے تک پہنچ گیا تھا۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے وفاتِ رسولؐ کے بعد جب کسی موقع پر عہد رسالت کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی تو روتے روتے بچکی بندھ جاتی۔ ایک دفعہ سفر شام کے دوران میں حضرت بلالؓ نے اذان کہی۔ تو آنحضرتؐ کا زمانہ یاد آگیا۔ اور زار زار رونے لگے۔

اعزہ رسولؐ کی پاس داری

وہ ہر موقع پر آنحضرتؐ کے اعزہ کی پاس داری سب سے زیادہ کرتے تھے۔ چنانچہ وظائف صحابہؓ

کی تعیین کے وقت بنی ہاشم کو اول نمبر پر رکھا۔ اور بنی امیہ، بنی عبد شمس، بنی نوفل بن عبد العزی اور بنی عدی کو مؤخر قرار دیا۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی یہی اصول اختیار کیا۔ اگرچہ بدری صحابہؓ کی تنخواہیں سب سے زیادہ تھیں۔ لیکن حضرت اسامہؓ بن حضرت زیدؓ (غلام آنحضرتؐ) کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے جو بدری صحابی تھے۔ زائد قرار دی۔ حضرت عبداللہؓ کے عذر کرنے پر فرمایا۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کو تجھ سے اور اسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔“

اتباع سنت

دینی اور دنیوی بہتات امور کا تو ذکر ہی کیا۔ وہ روزمرہ کی زندگی کے

چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی سنت کی پابندی بدرجہ اتم کرتے تھے ایک دفعہ حضرت زیدؓ بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام تھے۔ جب دسترخوان پر پیر تکلف کھانے چنے گئے۔ تو یہ کہہ کر ہاتھ کھینچ لیا۔ کہ ”اس قادر مطلق کی قسم جس کے قبضے میں عمرؓ کی جان ہے۔ اگر تم ہادی عالم صلعم کا طریقہ چھوڑ دو گے۔ تو خدا تمہیں صراط مستقیم سے دور کر دے گا۔“

وہ امیر المؤمنین ہونے کی بنا پر نہایت آسانی سے خوش حالی کی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ لیکن سنت رسولؐ کی پابندی دامن تھام لیتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے کہا۔ ”رذاق عالم نے اپنے فضل و کرم سے سب کچھ دے رکھا ہے۔ اب تو عہدہ لباس

پینے اور اچھا کھانا کھانے سے احتراز نہ ہونا چاہئے۔“ جواب میں فرمایا۔ ”اے بیٹی! کیا تمہیں یاد نہیں کہ شہنشاہ کونین قدرت و استطاعت کے باوجود تنگ حالی کی زندگی بسر فرماتے تھے۔ واللہ میں اپنے آقا کے قدم بہ قدم چلوں گا۔ کہ عاقبت میں آسودہ حالی نصیب ہو۔“

وہ زہد اور قناعت کا مجسمہ تھے۔ سادگی اور تواضع حد کمال کو پہنچی

عام حالات ہوئی تھی۔ ایک طرف یہ حالت تھی۔ کہ بڑی بڑی سلطنتوں کی تسخیر کے لئے فوجیں روانہ کی جا رہی تھیں۔ اسلامی صوبوں کے فرماں رواؤں کے نام احکام صادر ہو رہے تھے۔ بڑے بڑے مسلم حکام سے مواخذہ کیا جا رہا تھا۔ اور دوسری طرف یہ صورت تھی۔ کہ پھٹا ہوا اور پوند لگا ہوا لباس زیب تن ہے۔ اور مشک اٹھائے ہوئے بے کس رعایا کے گھروں میں پانی بھر رہے ہیں۔ یا کثرت کار کی مکان سے چور ہو کر کسی مسجد کے گوشے میں آرام فرما رہے ہیں۔ سفر کے دوران میں خیمہ وغیرہ لگانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ بلکہ جہاں منزل کرتے۔ وہیں کسی درخت کے سائے میں ڈیرے ڈال دیتے۔ العظیمہ للہ! کیا تاریخ عالم کے صفحات کسی بادشاہ وقت کے ایسے زہد، قناعت، سادگی اور تواضع کی مثال پیش کر سکتے ہیں؟

اگر انسان خود اپنی گھات میں بیٹھ کر مخالفانہ اور ناقدانہ رنگ میں اعمال کا جائزہ لے تو اس پر اپنے تمام عیوب ایک ایک کر کے آئینہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ اس اصول پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ خطبہ میں صرف یہ الفاظ ارشاد فرمائے

”ما جنبو! میری زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا ہے۔ کہ میں ناداری کی حالت میں لوگوں کے لئے پانی بھر دیتا، اور وہ اس کی اجرت چھوڑوں کی صورت میں دیتے۔ جنہیں کھا کر میں دوندخ شکم کی آگ بجھاتا۔“ یہ کہتے ہی منبر سے اتر آئے۔ لوگ حیران ہو گئے کہ یہ کیا بات ہوئی۔ انہوں نے یہ کہہ کر ان کی حیرت دور کی۔ کہ ”میرے مزاج میں ذرا غرور آگیا تھا۔ یہ اس کی دوا تھی۔“

قبول اسلام سے پیشتر طبیعت میں حد سے زیادہ تیزی و تندگی اور قہر و غضب تھا۔

مسلمان ہو جانے پر بھی جوش و جلال قائم رہا۔ لیکن خلافت کی نازک و اہم ذمہ داریاں قبول کرنے کے بعد مزاج میں بہت نرمی آگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی درستی طبع حمایت حق کے باعث تھی۔ اور وہ حق کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سننے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ ورنہ جہاں ان کی اپنی ذات کا معاملہ ہوتا۔ وہاں وہ علم و تحمل کی تصویر بن جاتے تھے۔ سیاسی مجالس میں مہمات امور پر بحث و تنقید کا دروازہ کھل جاتا۔ لوگ کڑی نکتہ چینی کرتے۔ اختلاف رائے کا اظہار کیا جاتا۔ لیکن کیا مجال کہ جبین مبارک پر ناگواری احساس کی شکن تک پڑ جائے۔ ان کا قول تھا۔ کہ میرا دل خدا کے باب میں نرمی پر اتر آئے۔ تو جھاگ سے بھی زیادہ نرم اور سختی پر اتر آئے۔ تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

وہ تجارت سے کسب معاش کرتے تھے۔ زمین کے دو قطعے بھی تھے۔ لیکن وہ خدا کی راہ میں وقف کر دئے گئے تھے۔ جب عنان خلافت ہاتھ میں لی۔ تو مصروفیتیں حد سے بڑھ گئیں۔ اور فکر روزی کی بھی فرصت نہ رہی۔ لیکن اس کے باوجود عرصے تک کچھ معاوضہ نہ لیا۔ آخر افلاس و ناداری کے باعث فاقوں کی نوبت آگئی۔ تو ایک دن صحابہ کرام کی جماعت کے سامنے حقیقت حال بیان کی۔ اور بالاتفاق قرار پایا۔ کہ دو وقت کا کھانا بیت المال سے ملا کرے گا۔ انہوں نے اسی پر قناعت کر لی۔

غذا بے حد سادہ تھی۔ بے چھنے آٹے کی روٹی اور روغن زیتون عام معمول تھا۔ دور دراز ملکوں سے جو سفیر یا وفد آتے وہ خلیفہ وقت کے ساتھ کھانا کھانے لگتے۔ تو انہیں تکلیف ہوتی۔ کیونکہ پُر تکلف غذا ان کی طبیعت ثانیہ بنی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ حضرت عتبہ بن فرقدان کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے۔ اُبلتا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی لائی گئی۔ حضرت عتبہ نے اسے یہ چیزیں نہ کھانی گئیں۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا۔ "اگر یہ کھانا تمہارے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ تو چھوڑ دو۔" حضرت عتبہ نے گزارش کی۔ "امیر المؤمنین! آپ کی خوش خوری اور خوش پوشی سے بیت المال میں کچھ کمی نہ ہو جائے گی۔ فرمایا "نہایت افسوس ہے۔ کہ تم مجھے عیش کوشی کی طرف مائل کرتے ہو۔"

لباس میں بھی کمال سادگی تھی۔ گرتے اور ہتھ بند میں کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے

ایک مرتبہ آپ کے پاس صرف ایک جوڑا باقی رہ گیا۔ اور وہ بھی میلا۔ اسے دھو کر دھوپ میں خشک کیا۔ اور دیر کے بعد پہن کر باہر نکلے۔

ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے عرض کی: "سادہ لباس بے شک بہت اچھا ہوتا ہے۔ لیکن خلیفہ المسلمینؓ کے کپڑے کم از کم پیوندوں سے تو میرا ہونے چاہئیں۔" ارشاد ہوا: "کہ میں مسلمانوں کے مال میں سے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا۔"

حضرت فاروق اعظمؓ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں بہت سی نئی باتیں ایجاد کیں۔ جو تاریخ میں اولیات کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی فہرست یہ

اولیات

۱۔ بیت المال یا خزانہ قائم کیا۔ (۲) سن ہجری قائم کیا (۳) عدالتیں بنائیں اور قاضی مقرر کئے (۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا (۵) فوجی دفتر قائم کیا (۶) مالی دفتر ترتیب دیا۔ (۷) رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں (۸) پیمائش کا قاعدہ جاری کیا (۹) مردم شماری کرائی (۱۰) نہریں کھدوائیں (۱۱) شہر آباد کرائے (۱۲) مالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا (۱۳) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی (۱۴) درے کا استعمال کیا۔ (۱۵) جیل خانہ قائم کیا (۱۶) پولیس کا محکمہ قائم کیا (۱۷) رات کو گشت کر کے رعایا کا حال معلوم کرنے کا طریقہ نکالا (۱۸) پرچہ نویس مقرر کئے (۱۹) راستے اور مسافروں کے لئے کنوئیں اور سرائیں بنوائیں (۲۰) نادار عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے (۲۱) عشور یعنی وہی مقرر کی (۲۲) دریا کی پیداوار پر محصول لگایا (۲۳) فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ (۲۴) گھوڑوں کی نسل میں اصیل وغیرہ کی تمیز قائم کی (۲۵) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی (۲۶) راستے میں پڑے ہوئے بچوں کی پرورش کے لئے روزینے مقرر کئے۔ (۲۷) مدرسے کھولے (۲۸) معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں (۲۹) حضرت صدیق اکبرؓ سے باصرار قرآن حکیم مدون کرایا (۳۰) قیاس کا اصول وضع کیا (۳۱) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔ (۳۲) فجر کی اذان میں التسلیٰ خیر من التوم کا جملہ بڑھایا (۳۳) تراویح کی نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام کیا (۳۴) جنازے کی نماز میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا (۳۵) ایک ہی دفعہ ہی ہونی

تین طلاقوں کو بائن ٹھہرایا (۳۶) شراب کی حد اسی کوڑے مقرر کی (۳۷) بنی تغلب کے
 عیسائیوں پر جزیے کے بجائے زکوٰۃ مقرر کی (۳۸) وقف کا طریق ایجاد کیا (۳۹) مسجدوں میں
 وعظ کا طریقہ ایجاد کیا (۴۰) اماموں اور موذنوں کے منابر مقرر کئے (۴۱) مسجدوں میں روشنی
 کا اہتمام کیا (۴۲) بھوگو کے لئے سزا مقرر کی (۴۳) غزلوں میں عورتوں کے نام لینے کی
 ممانعت کی۔

کنہی جگہ تک نام

پہٹاباب

حضرت عثمان غنی رضی

۲۲ھ سے ۳۵ھ تک

عثمان نام، ابو عمرو ابو عبد اللہ کنیت اور ذوالنورین وغنی لقب تھا۔ عقان
تذکرہ غنی کے بیٹے اور قریش کی مشہور شاخ بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پانچویں

پشت پر ان کا سلسلہ نسب رسول کریم سے مل جاتا ہے بنی امیہ کا خاندان عہد جاہلیت ہی
سے نہایت ممتاز و محترم چلا آتا تھا۔ فوجی نشان کی علم داری اسی خاندان سے تھی۔

حضرت عثمان غنی ہجرت نبوی سے سینتالیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ تجارت ذریعہ
معاش تھی۔ دیانت اور مستعدی سے اس معزز پیشے میں اس قدر ترقی کی کہ تاجر سے تاجر
بن کر زربواہر میں کھینے اور غنی کہلانے لگے۔ چونتیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ
نے اپنی دو صاحبزادیوں کا عقد ان کے ساتھ کیا تھا۔ اس لئے وہ ذوالنورین کہلاتے
تھے۔

ان کے چچا حکم نے انہیں مسلمان ہونے کے جرم میں نہایت سنگ دلی سے زد و کوب
کیا۔ اور تمام خوش واقارب ان سے روگرداں ہو گئے۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرا
لغزش نہ پیدا ہوئی۔ اور اسلام کے صبر آزمائے میں ہر مصیبت کو خوشی سے برداشت کرتے
رہے۔ آخر ہجرت کا اذن ملنے پر سب سے پہلے اپنی اہلیہ حضرت رقیہ کے ہمراہ حبشہ روانہ
ہوئے۔ پھر چند سال کے بعد وہاں سے واپس آکر مدینہ کی طرف ہجرت کی

انہوں نے اپنی دولت دین اور ملت کے لئے وقف کر دی۔ ایک دفعہ مدینہ میں سخت قحط پڑا۔ تو بے شمار حاجت مندوں میں غلہ تقسیم کیا۔ مدینہ میں پانی کی قلت سے مسلمانوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ صرف ایک کنواں رومہ تھا۔ اور وہ بھی ایک یہودی کے قبضے میں۔ وہ بہت ہنگے داموں پانی فروخت کرتا تھا، انہوں نے وہ کنواں پینتیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

غزوہ بدر کے وقت حضرت رقیہؓ سخت بیمار ہو گئیں۔ اس لئے رسول اللہؐ نے حضرت عثمان کو شرکت جنگ سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ”تم مدینہ ہی میں رہو۔ تمہیں شمولیت کا اجر اور غنیمت میں سے تمہارے جنگ کے برابر حصہ ملے گا۔“ انہوں نے غزوہ احد میں شرکت کی۔ جب آنحضرتؐ کی شہادت کی افواہ اڑی۔ تو وہ انتہائی اضطراب کی وجہ سے حواس باختہ ہو گئے۔ غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر مدینہ میں نیابت رسولؐ کی سعادت نصیب ہوئی۔ غزوہ حدیبیہ میں سفارت کے فرائض انجام دیئے۔ اور جب ان کی خبر شہادت مشہور ہوئی۔ تو بیعت رضوان لی گئی۔ اس بلند ترین اعزاز میں کوئی صحابی ان کا حریف نہیں۔ غزوہ تبوک اس زمانے میں پیش آیا۔ جب قحط کا ہولناک دیو عرب کے گوشے گوشے پر مسلط تھا۔ تمام آسودہ حال صحابہؓ نے مصارف جنگ کے ضمن میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مالی امداد میں حصہ لیا۔ حضرت عثمانؓ نے آدھی یا بہ روایت دیگر تہائی فوج کے مصارف کا بار گراں اپنے دوش بہت پر اٹھالیا۔ علاوہ بریں ہزار دینار نقد۔ ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے بطور امداد پیش کئے۔ رسول کریمؐ، حضرت عثمانؓ کی اس بروقت اور گراں قدر خدمت سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور دیناروں کو اچھالتے ہوئے فرمایا ”آج کے بعد عثمانؓ کو ان کے کسی عمل سے نقصان نہیں پہنچ سکتا۔“

خلافت اور فتوحات | حضرت فاروق اعظمؓ نے وفات سے پہلے جن چھ حضرات کو خلافت کے لئے نام زد کیا تھا۔ ان میں حضرت عثمانؓ بھی

بھی تھے حضرت مقدادؓ اور حضرت ابو طلحہ انصاریؓ نے وصیت فاروقیؓ کے مطابق حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف

لو حضرت مسوز بن الخزمہ یا بروایت دیگر حضرت عائشہ کے مکان میں جمع کیا۔ حضرت طلحہؓ مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ باتوں باتوں میں حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنے آپ کو خلافت سے دست بردار قرار دیا۔ اور کچھ دیر تک گفت و شنید کرنے کے بعد بالاتفاق فیصلہ ہوا کہ حضرت عبدالرحمنؓ اس جماعت میں سے جس کو خلیفہ منتخب کریں گے۔ اسے تمام حضرات بے چون و چرا تسلیم کریں گے۔ انتخاب خلیفہ کے اعلان کی میعاد میں ابھی تین دن باقی تھے۔ اس اثنا میں حضرت عبدالرحمنؓ نے ہر طبقہ اور ہر جماعت کے بالغ نظر، روشن دماغ، وسیع اشراف اور صاحب الرائے حضرات سے اس نہایت نازک و اہم معاملے میں رائے لی۔ تو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے متعلق زیادہ رائیں ظاہر ہوئیں۔ پھر ان دونوں میں سے اکثریت حضرت عثمانؓ کی طرف تھی۔ سہ روزہ میعاد کی آخری رات کو پھر مکان مذکور میں انہیں حضرات کا اجتماع ہوا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ سے علیحدگی میں کہا۔ بالعموم حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے متعلق زیادہ لوگوں نے رائیں دی ہیں۔ ان دونوں بزرگوں نے بھی انہیں کے متعلق اظہار رائے کیا۔ پھر حضرت عبدالرحمنؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ اسی مصروفیت میں رات گزر گئی۔ اور انتخاب خلیفہ کے یوم اعلان کی صبح نمودار ہوئی۔

مسجد نبویؐ میں کثرت ہجوم سے تیل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ اور ہر شخص فیصلہ سننے کے لئے ہمہ تن گوش بن گیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ بعض لوگوں نے یونہی اظہار رائے شروع کر دیا۔ کسی نے حضرت عثمانؓ کو مستحق قرار دیا۔ کسی نے حضرت علیؓ کو۔ یہ دیکھ کر حضرت عبدالرحمنؓ اٹھے۔ اور مجمع پر ایک معنی خیز نظر ڈالی۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ اور انہوں نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ "حضرات! میں نے صبح فیصلے تک پہنچنے کے لئے اپنی تمام اسکائی قوتیں صرف کر دی ہیں۔ ہر طبقہ اور ہر جماعت کے صاحب الرائے حضرات کی اکثریت اور اصحاب شوریٰ و نام زدگان خلافت نے میرے فیصلے کو قابل تسلیم قرار دیا ہے۔ لہذا اب اس میں کسی صاحب کے لئے انکار کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔" یہ کہہ کر حضرت عبدالرحمنؓ نے حضرت عثمانؓ سے احکام خدا و رسولؐ اور سنت شیخینؓ کے اتباع

کا اقرار لے کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر حضرت علیؑ نے ہاتھ بڑھایا۔ اس کے بعد چاروں طرف سے لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اس کے دو سرے دن حضرت طلحہؓ بھی مدینہ واپس پہنچ گئے۔ اور انتخاب خلیفہ کا فیصلہ سننے ہی حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کر لی۔

بیعت کے اختتام پر حضرت عثمانؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

”حضرات! میں تمام برادرانِ ملت کو اعمالِ صالحہ کی دعوت دیتا ہوں۔ تمہوں و امارت سے پیدا ہونے والی غفلت کو تقویٰ کی راہ میں مائل نہ ہونے دو۔ اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کو ہر چیز پر مقدم رکھو۔“

اس کے بعد صوبوں کے حاکموں اور عہدہ داروں کے نام فرمان جاری کئے۔ جن میں اپنے انتخاب کی اطلاع کے بعد انہیں ہدایت کی گئی تھی۔ کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے زیادہ خلافت کی طرح دیانت داری کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہو۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے قاتل ابولولہ نے خودکشی کر لی تھی۔ لیکن جب حضرت عبید اللہؓ نے اپنے والد کی شہادت

کے سلسلے میں یہ واقعہ سنا۔ کہ ایرانی سردار ہرمزان اور عیسائی غلام جفینہ ساکن حیرہ بھی ابولولہ کے ساتھ قتل کے منصوبے میں شریک تھے۔ تو وہ انتقام کے جوش میں آگ بگولا ہو کر ہرمزان پر حملہ آور ہوئے۔ اور اسے ہلاک دار سے زخمی کر کے جفینہ کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے چلے۔ لیکن اس مقصد میں کامیاب ہونے سے پہلے ہی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

کے ہاتھوں گرفتار ہو کر امورِ خلافت کے عارضی نگران حضرت صہیبؓ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ مؤخر الذکر نے انہیں انتخاب خلیفہ کی میعاد تک کے لئے داخل زنداں کر دیا۔ اب حضرت عثمانؓ غنیؓ باضابطہ انتخاب کے بعد اورنگِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ تو سب سے پہلے ان کی خدمت میں حضرت عبید اللہؓ بن عمر کا مقدمہ پیش ہوا۔ جب خلیفہ وقت ان سے قتل ہرمزان کے متعلق سوال کیا۔ تو انہوں نے اس کے قتل کا اقرار کیا انہوں نے

صحابہؓ سے رائے لی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ کہ قاتل کو قصاص میں قتل کر دینا چاہئے۔ لیکن حضرت عمرو بن العاص اور دوسرے صحابہؓ نے بالاتفاق اس کے خلاف رائے دیتے ہوئے کہا۔ یہ کسی صورت بھی مناسب نہیں۔ کہ کل حضرت عمرؓ شہید ہو چکے ہیں۔ اور آج ان کا بیٹا تیغ کر دیا جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ پہلے تو سوچ میں پڑ گئے۔ پھر فرمایا۔ کہ واقعہ میرے سید خلافت پر بیٹھنے سے پہلے کا ہے۔ لہذا اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد انھوں نے خود حضرت عبید اللہؓ کا ولی بن کر قصاص کو دیت میں تبدیل کرتے ہوئے نئی جیب سے دیت ادا کر دی۔

اسکندریہ کی فتح | ہرقل قیصر روم پے در پے فاش شکستوں سے پریشان ہو کر قسطنطنیہ چلا گیا تھا۔ اور جب حضرت عمرو بن العاص نے مصر و اسکندریہ کو یزگیں کیا۔ تو یہ خبر ہرقل کے نخل حیات پر بجلی بن کر گری۔ اور وہ اسی جانکاہ صدمے سے غمگین ہو کر چند ماہ کے بعد مر گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا قسطنطین تخت پر بیٹھا تو اس نے ۳۲۵ء قسطنطنیہ سے اسکندریہ کی باریابی کے لئے ایک زبردست جنگی بیڑا روانہ کیا۔ لیکن حضرت عمرو بن العاص نے رومی فوج کے چھلکے چھڑا دیئے۔ آخر رومیوں نے بڑی بھاری شکست کھا کر فرار اختیار کی۔ حضرت عمرو بن العاص نے اہل اسکندریہ کے نقصانات کی تحقیق کرنے کے بعد ان کی تلافی کی۔ اور آئندہ کے لئے رومیوں کے حملے سے محفوظ رہنے کی غرض سے نہر کی فصیل منہدم کرادی۔

آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتح | قسطنطین کی دیکھا دیکھی ہمدان ورے وغیرہ کے باشندوں نے بغاوت کے لئے پاؤں نکالنے

شروع کر دیئے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے چند سرداروں کو ان اطراف میں بھیج کر شورش کی گت ٹھنڈی کرادی۔ انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ولید بن عقبہ کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ اسی اثنا میں اہل آذربائیجان نے بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ اس پر حضرت ولید بن عقبہ نے فوج کشی کر کے انھیں مغلوب و مطیع کیا۔ اُدھر حضرت امیر معاویہؓ حاکم دمشق نے حضرت حبیب بن مسلمہ کو آرمینیہ کی طرف بھیج دیا تھا حضرت حبیبؓ

نے رومیوں کو تاک چتے چبوا کر ادائے جزیرہ پر مجبور کر دیا۔ یہ خبر سننے ہی اتنی ہزار رومی فوج
مقابلے کے لئے نکلی۔ دربارِ خلافت میں اطلاع پہنچی۔ تو خلیفہ وقت کے حسب فرمان حضرت
سلمان بن ربیعہؓ آٹھ ہزار فوج لے کر حضرت حبیب کی مدد کے لئے آرمینیا کی طرف چل دیے
ان دونوں بہادر سرداروں نے رومی ٹڈی دل کو قوم کر رکھ دیا۔ اور آرمینیا کو تسخیر کر لیا۔ اس کے
بعد حضرت امیر معاویہؓ نے خود فوج لے کر رومی علاقے پر حملہ کر دیا۔ رومی فوج ہراساں ہو کر
سر پر پاؤں رکھ کے بھاگ گئی۔ اور حضرت معاویہؓ نے بہت سے قلعوں میں چھاؤ تیار
قائم کر لیں۔

مصر کی عنان نظام حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھ میں تھی
مصر کی بغاوت اور فتح | لیکن اس کا ایک علاقہ سعید مصر حضرت عبداللہ بن سعد

المعروف بہ ابن ابی سرح کے متعلق تھا۔ صیغہ خراج میں بھی ان کا کچھ دخل تھا۔ اس وجہ سے
دونوں میں ناچاقی رہتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن سعد کی اطلاع پر امیر المومنینؓ نے حضرت عمرو
بن العاص سے خراج میں اضافہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن انھوں نے جواب میں لکھ بھیجا
"اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی"۔ اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے انھیں معزول کر
حضرت عبداللہ بن سعد کو پورے صوبہ مصر کا حاکم مقرر کر دیا۔ انھوں نے خراج میں معتد
اضافہ کر دیا۔ خلیفہ وقت نے حضرت عمرو بن العاص سے کہا۔ "دیکھا۔ اونٹنی نے دودھ
دیا۔" انھوں نے جواب دیا۔ "ہاں۔ مگر بچے بھوکے رہ گئے۔"

کچھ عرصے سے شمالی افریقہ یعنی طرابلس، الجزائر، تونس اور مراکش
افریقہ کی فتح | پر فضا علاقے پر حضرت عبداللہ بن سعد کی نظریں پڑ رہی تھیں۔ اس کے

۲۷ھ میں انھوں نے موقع پا کر اپنی گزشتہ کمزوری کی تلافی اور شجاعت کا اظہار کرنے کے
لئے امیر المومنینؓ سے فوج کشی کی اجازت طلب کی۔ انھوں نے اجازت دے دی۔ اور
حضرت عبداللہ بن سعد نے دس ہزار غازیانِ سرباز کی فوج لے کر پہلے علاقہ بوقہ پر
کیا۔ اور وہاں کے رئیسوں کو مغلوب کر کے طرابلس کی طرف پیش قدمی کی۔ ادھر حضرت
عثمان غنیؓ نے مدینہ منورہ سے ایک امدادی فوج روانہ کی جس میں حضرت عبداللہ بن سعد

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت حسنؓ بن علیؓ، حضرت حسینؓ بن علیؓ، حضرت ابن جعفرؓ وغیرہ اصحاب شامل تھے۔ ان سب بہادرانِ اسلام نے مل کر طرابلس پر چڑھائی کی۔ رومیوں نے مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی۔ سلمان طرابلس پر قبضہ کر کے آگے بڑھے۔ وہاں کے حاکم جرجیر نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج جمع کر کے لشکرِ اسلام کا مقابلہ کیا۔ گھسان کارن پڑا۔ لیکن فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس اثنا میں حضرت عبدالرحمنؓ بن زبیرؓ مدینہ منورہ سے ایک تازہ دم فوج لے کر آہنچے۔ جرجیر کو خبر ہوئی۔ تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ دوسرے دن پھر ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ تو حضرت عبدالرحمنؓ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن سعد کو میدان میں موجود نہ پا کر وجہ دریافت کی۔ پتہ چلا۔ کہ جرجیر نے ان کا سر کاٹ کر لانے والے کے لئے ایک لاکھ دینار کا گراں قدر انعام مقرر کرنے کے علاوہ اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دینے کا بھی لالچ دیا ہے۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن سعد کے پاس ان کے خیمے میں جا کر کہا۔ ”تم بھی سنا دی کرادو۔ کہ جرجیر کا سر کاٹ کر لانے والے کو مالِ غنیمت میں سے ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا۔ جرجیر کی بیٹی اس کے جوار عقد میں دے دی جائے گی۔ اور اس کا ملک بھی اسی غازی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن سعد سنا دی کرانے کے بعد میدان کارزار میں جا ڈٹے اور خون ریز جنگ ہونے لگی۔ دیر تک طرفین سے داد شجاعت دی گئی۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آخر رات کے وقت مجلس مشاورت میں فیصلہ کیا گیا۔ کہ کل صبح آدھی فوج میدان میں جا کر لڑے۔ اور آدھی خیموں میں آرام کرے۔ جب دن بھر کے کشت و خون کے بعد دونوں فوجیں تھک کر اپنی اپنی قیام گاہوں میں جانے لگیں۔ تو آرام کرنے والی تازہ دم اسلامی فوج ایک بارگی رومیوں پر دھاوا کر دے۔ اگلے روز اسی مدبر پر عمل کیا گیا۔ اور سارے دن کی تھکی ہوئی رومی فوج تازہ دم اسلامی لشکر کے حملے کی تاب نہ لاسکی۔ بہت سے رومی تلوار کے گھاٹ اتار دئے گئے۔ اکثر گرفتار کرنے گئے۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن زبیرؓ نے ایک ہی وار سے جرجیر کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر افریقہ کے صدر مقام سیطلہ اور جم کو

سخر کیا۔ اور بہت سامان غنیمت حاصل کیا۔ افریقہ والوں نے دس لاکھ دینار جزیہ ادا کر کے صلح کر لی۔ افریقہ کی مہم سے فارغ ہو کر حضرت عبداللہ بن سعد مصر واپس آ گئے۔ اہل افریقہ نے جر جیر کے مقتول ہو جانے پر اپنا ایک اور بادشاہ چن لیا۔ اور مسلمانوں کو مقررہ مقدار میں باقاعدہ جزیہ دینے لگے۔

حضرت عبداللہ بن سعد کی جگہ حضرت عبداللہ بن نافع قبرص اور روڈس کی فتح

مصر کے حاکم مقرر کئے گئے۔ تو قسطنطین پھر جنگی تیاریاں کرنے لگا۔ اور ۲۸ھ میں اس نے ایک بحری فوج افریقہ کی جانب روانہ کی۔ رومی فوج نے اہل افریقہ سے ادائے خراج کا مطالبہ کیا۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ اس پر طرفین میں مقابلہ ہوا۔ اور رومیوں نے فتح حاصل کر کے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کی۔ وہاں حضرت عبداللہ بن نافع مدافعت کے لئے نکلے۔ ادھر خود قیصر روم ایک زبردست فوج لے کر عازم اسکندریہ ہوا۔ رومیوں کی دونوں فوجیں وہاں جمع ہو گئیں۔ اور اسلامی لشکر کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ بڑے زور کی لڑائی ہوئی۔ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ آخر رومی ناکام و نامراد پسا ہو کر اپنے جنگی مرکز قبرص کی طرف چلے گئے۔

عہد عثمانی میں حضرت امیر معاویہؓ سارے شام کے حاکم بنا دئے گئے تھے۔ عہد فاروقی میں انھوں نے ساحل شام کے نہایت خوش سواد و زرخیز قریبی علاقہ قبرص پر حملے کی اجازت طلب کی تھی۔ لیکن خلیفہ وقت بحری جنگ کو پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے اجازت نہ مل سکی۔ اب انھوں نے حضرت عثمان غنیؓ سے اجازت چاہی۔ پہلے تو تامل فرمایا۔ پھر جنگ کے بے خطر ہونے سے متعلق مطمئن ہو کر اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ جنگ میں شرکت لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دی جائے۔ کسی سے جبر و انہ زکھا جائے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے مجاہدین کی ایک فوج لے کر قبرص پر چڑھائی کی۔ ادھر مصر سے اسلامی لشکر بھی رومیوں کے تعاقب میں قبرص پہنچ گیا۔ قسطنطین کی فوج جنگی کے دو پاپٹوں میں اناج کی طرح پس گئی۔ اور اہل قبرص نے سات ہزار دینار سالانہ جزیہ ادا کرنے کا عہد کر کے صلح کر لی۔ فتح قبرص سے فراغت پا کر حضرت امیر معاویہؓ روڈس کی طرف بڑھے۔ وہاں کے

باشندوں نے ثبات و پامردی سے مقابلہ کیا۔ کئی دن تک تیج و سناں کا خونیں ہنگامہ گرم رہا لیکن مجاہدین سر باز کے بے پناہ حملے کے آگے انھیں مجبوراً گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ اور روڈس پر بھی اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی اور انتظامی تبدیلیاں | حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں حضرت

ابو موسیٰؓ حاکم بصرہ کے خلاف ایک جماعت اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن وہ اندر ہی اندر کھپڑی پکار رہی تھی۔ ڈنکے کی چوٹ مخالفت کرنے کا حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ اب کے ان لوگوں نے ہیبتِ فاروقیؓ سے مخلصی پائی۔ خوب پر پرزے نکالنے شروع کئے۔ سمند ناز کو ایک اور تازیانہ یہ ہوا۔ کہ کروں نے علم بغاوت بلند کیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے جہاد پر ایک خطبہ ارشاد کرنے کے ساتھ ہی خدا کی راہ میں پایادہ چلنے کی فضیلت بیان کی۔ لیکن خود اس پر عمل نہ کیا۔ اور ایک ترکی گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ مخالف جماعت کے ایک فرد نے روک کر کہا۔ یہ کیا۔ کہتا کچھ اور کرنا کچھ۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے طیش میں آکر کوڑا رسید کیا۔ وہ لوگ دربار عثمانیؓ میں شکایت لے کر گئے۔ اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے میرے بھائی حضرت عبداللہؓ بن عامر کو حاکم مقرر کیا۔

انتظامی تغیرات کے سلسلے میں حضرت عبداللہؓ بن عامر کو خراسان کو حاکم فارس بنا کر بھیج دیا۔ اور خراسان کی زمام انتظام حضرت امیر بن عثمان بن سعد کے ہاتھ میں دی۔ شہر کے آغاز میں انھیں معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابن امیر کو مقرر کیا۔ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن حبیب کو کرمان کی حکومت تفویض کی گئی۔ پھر حضرت عبدالرحمنؓ کو بھی معزول کر کے ان کی جگہ حضرت حاتم بن عمرو کو مقرر کیا۔ اور بستان کی حکومت حضرت عمران بن النضیل کے سپرد کی گئی۔

ایران میں بغاوت کے شعلے | حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں یزدجرد نے ایران چھن جانے کے بعد ترکستان کی طرف راہ

فرار اختیار کی۔ اور ایران میں بغاوت کی آگ بھڑکانے کے لئے متواتر جدوجہد کرتا رہا۔ لیکن

فاروقی صولت و جبروت نے اس کی ساز باز کی بیل منڈھے نہ چڑھنے دی۔ اب کے خلافت کی تبدیلی کے ساتھ ہی حالات میں بھی نمایاں تغیر رونما ہو گیا۔ یزدجرد نے پاؤں نکالنے شروع کئے۔ اور ایسا کھل کھیلا۔ کہ منصوبہ بازیوں کی بساط عجم کے طول و عرض میں آراستہ کر کے اس پر شورش کی بارود چھڑک دی۔ جو بد نظمی کی ذرا سی چنگاری سے اس طرح بھڑک اٹھی۔ کہ اس کے فلک بوس شعلوں نے ایران بھر کو لپیٹ میں لے لیا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے اس خطرناک آتش بغاوت کو فرو کرنے کے لئے **اصطخر اور جور کی فتح** فوری تدبیر یہ کی۔ کہ حضرت عبید اللہ بن عمر کو اس مہم پر مقرر کر دیا۔

انہوں نے اصطخر پر چڑھائی کی۔ لیکن شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عامر والی بصرہ نے فارس پر فوج کشی کی۔ اور خود اصطخر کی جانب پیش قدمی کر کے ہرم بن حیان کو جور کی طرف بھیج دیا۔ اصطخر میں ایرانی زبردست فوج کے بل بوتے پر جان توڑ کر لڑے۔ کشتوں کے پستے لگ گئے لیکن آخر ایرانیوں کو فرار کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ مسلمانوں نے اصطخر پر فتح کا پرچم لہرایا۔ اور باغیوں کا تیا پانچا کر دیا۔

جور کا محاصرہ کئے ہوئے مدت گزر گئی۔ لیکن کوئی نبوش گوار نتیجہ رونما نہ ہوا۔ آخر ایک دن ہرم بن حیان کے خادم نے قدرت کا یہ کرشمہ دیکھا۔ کہ ایک کتے نے شہر پناہ کا رخ کیا۔ اور ایک بدر رو کی راہ سے شہر میں داخل ہو گیا۔ خادم نے یہ واقعہ اپنے آقا کے سامنے بیان کیا۔ اس پر ہرم بن حیان چند جاں باز مجاہدوں کو ساتھ لے کر اسی بدر رو کے راستے سے شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ اور پہرہ داروں کو موت کی نیند سلا کر شہر کا دروازہ کھول دیا۔ بس پھر کیا تھا اسلامی لشکر سیل بے پناہ کی طرح شہر میں در آیا۔ اور مسلمانوں نے جور پر قبضہ کر کے شورش پسندوں کو عذاب الیم کے شکنجے میں کس دیا۔ اس طرح بغاوت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک کر اسے ہمیشہ کے لئے فنا کے عمیق گڑھے میں دفن کر دیا گیا۔

بعض لوگوں نے دربار خلافت میں شکایت بھیجی **حضرت ولید بن عقبہ کی معزولی** کہ حضرت ولید بن عقبہ والی کوفہ شراب پیتے

ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے انہیں جواب دہی کے لئے مدینہ میں طلب کیا۔ وہ حاضر و بار

ہوئے۔ تو اس الزام کی تحقیقات کی گئی۔ کوئی علیٰ گواہ پیش نہ ہوا۔ البتہ بعض لوگوں نے اس امر کی شہادت دی۔ کہ ہم نے ولید کو شراب کی تے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس پر خلیفہ وقت نے حضرت ولید کے درے لگائے جانے کا حکم دیا۔ چالیس درے لگ جانے کے بعد حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر روک دیا۔ کہ بس حضرت صدیق اکبرؓ نے مے نوشی کی مزا چالیس درے تجویز کی تھی۔ اور مجھے اس موقع پر ان کی تقلید محبوب تر ہے۔ اس کے بعد امیر المومنین نے حضرت ولید بن عقبہ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت سعید بن العاص کو حاکم کو فہ مقرر کر دیا۔

طبرستان اور جرجان کی فتح بغاوت ایران کا رنگ دیکھ کر طبرستان والوں نے بھی پر پڑے نکلے۔ اور سرکشی کی کیمپ اچھالنے لگے

حضرت سعید بن العاص نے ایک فوج تیار کی۔ جس میں حضرات حسن بن علیؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمروؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حذیفہ بن الیمان وغیرہ شامل تھے۔ حضرت سعید بن العاص نے طبرستان پر فوج کشی کر کے اسے اور جرجان کو زیر نگین کر لیا۔

قرآن عزیز کی اشاعت ایک دن حضرت حذیفہ بن الیمان نے دربار خلافت میں کہا۔ مختلف ملکوں میں قرآن کریم کی مختلف قرائتیں رائج

ہیں۔ میری رائے میں مناسب یہ ہے۔ کہ ہر جگہ ایک ہی قرأت کو رواج دیا جائے۔ امیر المومنین نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ جس میں تمام صحابہ کرامؓ نے رائے مذکورہ کو پسند کیا۔ اس پر خلیفہ وقت نے عہد صدیقیؓ میں مرتب شدہ قرآن مجید کا نسخہ منگوا کر اس کی بہت سی نقلیں کرائیں۔ اور ایک ایک نقل بڑے بڑے شہروں میں بھیج کر فرمان نافذ کیا۔ کہ اب اسی کے مطابق قرآن پاک نقل کرایا جائے۔ اور پہلی تمام نقلیں تلف کر دی جائیں۔

خراسان پر قبضہ خراسان کی سیاسی فضا میں بغاوت کی نمونیں آندھیاں اٹھنے لگیں۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عامر اسن قائم کرنے کے لئے اس طرف

روانہ ہو گئے۔ اور حملہ کر کے خراسان کے متعدد شہروں میں بغاوتوں کا قلع قمع کیا۔ پھر نیشاپور کا محاصرہ کر کے باغیوں کی گونہ شمالی کی۔ اس طرح سرخس اور نسا وغیرہ بڑے بڑے مقامات

پر آسانی سے قبضہ ہو گیا۔

یزدجرد کا قتل | اب یزدجرد کی مکرہمت ٹوٹ گئی۔ اور وہ زندگی کے طوفانی سمندر کی تباہ کن لہروں سے بچنے کے لئے تنگے کا سہارا ڈھونڈنے لگا۔ ایک سرکش بھگورے کی طرح ایران کے گوشے گوشے میں چکر لگاتے ہوئے بغاوتوں کا تہلکہ مچا کر بھی اس نے دیکھ لیا۔ مگر تقدیر کا پانسہ پلٹا۔ ۳۳ھ میں آخری مرتبہ قسمت آزمائی کی۔ اور چین و ترکستان سے فوج لے کر بلخ پر دھاوا بول دیا۔ چند شہروں پر عارضی قبضہ بھی کر لیا۔ لیکن مقدر کا ستارہ ڈوب چکا تھا۔ وہاں سے اسے بھاگتے ہی ہنی۔ آخر مجبوراً ایک پن چکی والے کی پناہ میں چلا گیا۔ جس نے اسے دولت کے لالچ میں قتل کر دیا۔ یزدجرد کے خلتے کے بعد ایرانی فتنہ و فساد اور شورش و بغاوت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

طخارستان پر قبضہ | حضرت احنف بن قیس نے طخارستان پر چڑھائی کی مضافات سے بے شمار لوگ مقابلے کے لئے طوفان کی طرح امانڈ آئے۔ خوہنریز مسخر کر ہوا۔ دشمن کے ان گنت آدمی کھیت رہے۔ بہت سے بھاگ کر ادھر ادھر بکھر گئے۔ اس پر حضرت احنف اور حضرت اقرع بن حابس نے سراخ لگا کر ان کے مقامات اجتماع طالقان، فاریاب اور جوزجان پر حملہ کیا۔ اور انھیں شکست دے کر ان مقامات پر قبضہ کر لیا۔

کرمان اور سجستان کی فتح | حضرت عبداللہ بن عامر کے حسب فرمان حضرت مجاشع بن مسعود نے کرمان کی طرف باگ اٹھائی۔ اور سیرجان کو فتح کر کے باغیوں کو شہر بدر کر دیا۔ ان لوگوں نے قفص میں ڈیرے ڈال دئے۔ حضرت مجاشع نے وہاں بھی انھیں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور انھیں مغلوب کر کے کرمان پر فتح کا پرچم لہرایا۔ حضرت ربیع بن زیاد نے سجستان کی طرف پیش قدمی کی۔ اور راستے کی مخالفتوں کا استیصال کرتے ہوئے سجستان کے پایہ تخت زرنج میں پہنچ گئے۔ یہاں کے لوگ مقابلے پر آئے لیکن سپاہیوں کے قلعے میں پناہ گزیں ہو گئے۔ حضرت ربیع نے محاصرہ کر لیا۔ جو مسلمانوں کی فتح پر منہج ہوا۔ حضرت ربیع زرنج میں اپنا نائب چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ نائب سے پوری طرح انتظام نہ ہو سکا۔ تو اہل زرنج نے انھیں نکال کر ظلم بغاوت بلند کر دیا۔ آپ کے قرعہ قال حضرت عبدالرحمن

بن سمرہ کے نام پر پڑا۔ انھوں نے زرخ پہنچتے ہی اس کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے حاکم نے مڑھائی ختم کر دیا۔

دوار کی فتح | زرخ کی تسخیر حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کے سمند اولوالعزمی کے لئے تازیانہ ہو گئی۔ اور انھوں نے سرور فتح کے جوش میں ہندوستان کا رخ کر کے زرخ سے دوار تک کا علاقہ زیر نگین کر لیا۔ لہٰذا دوار نے بھاگ کر کوہ روند میں اجتماع کیا۔ حضرت عبدالرحمن نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ انھوں نے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے سپردال کر صلح کر لی۔

غزنہ سے کابل تک کی تسخیر | اس کے بعد حضرت عبدالرحمن نے غزنہ پر فوج کشی کی۔ اور اس پر قبضہ کر کے کابل تک کا علاقہ مسخر کر لیا۔

رومیوں کو شکست فاش | اگرچہ بہادران اسلام کی سیدہ پلائی ہوئی دیوار کے ساتھ ٹکرانے سے رومیوں کا زور بالکل ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن

ابھی تک وہ فور غم و یاس سے ان کی فضائے دل میں کینہ توڑی اور انتقام گیری کی بجلیاں کو بند رہی تھیں۔ اور وہ کھوئی ہوئی سلطنت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ ۳۱ھ میں قیصر روم نے آخری مرتبہ طاع آزمائی کی۔ اور تخت یا تختہ کہتے ہوئے پان سو جہازوں کا بیڑا تیار کر کے سواحل شام پر چڑھائی کر دی۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبید اللہ بن ابی سرح نے کامیاب مدافعت سے رومیوں کے چھکے چھڑا دئے۔ اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے ہوئے قسطنطنیہ کی طرف واپس چلے گئے۔

مزید فتوحات | ۳۲ھ میں حضرت امیر معاویہ نے قسطنطنیہ پر فوج کشی کی ۳۳ھ میں قلعہ حصن المرآة واقع اناطولیہ فتح کیا۔ اور ۳۴ھ میں افریقہ کی حشر انگیز بغاوت پر یوم زمین کی گئی۔

انقلاب کے شعلے | بنی ہاشم اور بنی امیہ کی دیرینہ چشمک آخر زنگ لائی۔ اور اس قدیم کشمکش نے دوسرے بیرونی اسباب سے مل کر نظام خلافت

میں تباہ کن انقلاب کے شعلے بھڑکا دئے۔

عبداللہ بن سبا | اسلام نے نب سے شدید ضرب یہودیوں پر لگائی تھی۔ اس لئے

یہودیوں کا بچہ بچہ اسلام اور مسلمانوں کے خون کا پیا سا تھا (عبداللہ بن سبا صنعا کا ایک یہودی تھا جو آنحضرتؐ ہی کے عہد سے چمن زار ہذا الہب سے نخل اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا تھا) لیکن عہدِ فاروقی تک اس کے خرمین آرزو پر برق حرمیں گرتی رہی۔ اور اس کا سفینہ امید قنزم حوادث کی فلک بوس موجوں کے تھپیڑے کھاتا رہا۔ بظاہر اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر اس لئے نہیں۔ کہ اس دینِ فطرت کی ہر امکانی خدمت کر کے اسے معراجِ ترقی پر پہنچائے۔ بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے کہ مسلمان ہو جانے کی صورت میں وہ گھر کا بھیدی ہونے کے باعث اسلام اور اہل اسلام کو سخت سے سخت نقصان پہنچا کر اپنے کینہ و انتقام کے شیطانی جذبے کے لئے ایسا سامانِ تسکین فراہم کر سکتا تھا۔ کہ یہودی رہنے کی صورت میں کسی طرح ممکن نہ تھا۔ حضور بنی اکرمؐ، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ مبارک تک تو اس کی اہلیساہ سازش و منصوبہ بازی کے حلقہ ہائے دام ڈھیلے بلکہ شکستہ رہے۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں حالات نے کروٹ بدلی۔ اور ابن سبا کو اپنی غیر معمولی طباعتی اور عیارانہ کمال سیاست سے حسبِ منشا فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا۔

ابن سبا نے مدینہ میں رہ کر مسلمانوں کی کمزوریوں کا بخوبی جائزہ لیا۔ اور یہودیوں کی دیرینہ آتش کینہ فرو کرنے کے لئے استیصالِ اسلام کی غرض سے ایک مکارانہ و دور رس سکیم تیار کی سب سے پہلے اس نے بنی امیہ اور بنی ہاشم کی قدیم کشیدگی کو جسے اسلام نے دبا دیا تھا۔ نئے سرے سے ابھارا۔ اور محبتِ اہل بیت کا لبادہ اوڑھ کر اہل بیت کی حمایت میں پہلو پہلو خلفاءِ علیٰ الخصوص بنی امیہ اور حضرت عثمان غنیؓ کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔

ان دنوں بصرہ میں ایک شخص حکیم بن جبلة رہتا تھا جس نے ذہنیوں کو لوٹنا اور ڈاک ڈالنا ذریعہٴ معاش بنا رکھا تھا۔ ابن سبا نے اس کے متعلق خبریں سن کر بھانپ لیا کہ اس کے ڈھب کا آدمی ہے۔ چنانچہ ابن سبا مدینہ سے بصرہ پہنچا۔ اور حکیم بن جبلة کے مکان پر فروکش ہوا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس نے حکیم بن جبلة کے ذریعے سے اپنے ہم خیالوں کا ایک حلقہ پیدا کر لیا۔ اور محبتِ آلِ رسولؐ کے پردے میں اپنے فتنہ پرور خیالات و عقائد کا ناپاک پگھلا

شروع کر دیا۔ کبھی کہتا۔ کہ حضرت عیسیٰ کی طرح حضور نبی کریم صلعم بھی اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ اور اپنے اس قول کی تائید میں آیات قرآنی کی غلط تفسیریں پیش کرتا۔ بہت سے سادہ لوح آدمی اس کے دام تزدویر میں آگئے۔ کبھی وہ اس قسم کی خرافات کا سہارا لیتا۔ کہ نبی کا ایک خلیفہ اور وصی ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔ اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلعم خاتم الانبیاء ہیں۔ تو حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء پھر وہ ڈنکے کی چوٹ کہنے لگا۔ کہ خلافت کے حق دار حضرت علیؓ تھے۔ نہ کہ حضرت عثمانؓ۔ یہ صریح ظلم ہے۔ آپ سب کے لئے لازم ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور حضرت عثمانؓ کو قتل یا معزول کر کے ان کی جگہ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا دیں۔

حضرت عبداللہ بن عامر والی بصرہ کو اس فتنہ پردازی کا علم ہوا۔ تو انھوں نے ابن سبا کو بلا کر پوچھا۔ کہ "تم کون ہو۔ کہاں سے اور کیوں آئے ہو؟" وہ بولا "میں لیلانے اسلام کا بھنوں ہوں۔ اور یہاں آپ کی رعیت کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں"۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا۔ "میری تحقیق یہ ہے۔ کہ تم ایک فتنہ انگیز شخص ہو۔ اور یہودیت کے جوش ارتقا میں مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر اس قومی و منظم جماعت کو بے دست و پا اور منتشر کر دینا چاہتے ہو"۔ ابن سبا کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے بصرہ سے رخت سفر باندھا۔ اور اپنی قائم کی ہوئی جماعت کو منہائے مقصود کی پڑتیج راہ حصول کے نشیب و فراز سمجھا کر کوفہ میں جا ڈیرے ڈالے۔ اندھا کیا چاہے۔ دو آنکھیں۔ کوفہ کی سیاسی فضا ابن سبا کے لئے زیادہ سازگار ثابت ہوئی۔ وہاں سے پہلے ہی حاکم اور خلیفہ وقت کے خلافت ایک جماعت موجود تھی۔ ابن سبا گھل کھیلا۔ اور زہد و تقویٰ کا خلعت ریائی زیب تن کر کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ عامۃ الناس اسے ادب و احترام کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ لیکن جھوٹ کے پاؤں کہاں۔ نقرنی انگشتری کے طلائی لمع کی نائشی بھڑک دو ہی دن میں اتر گئی۔ اور ڈھول کا پول ظاہر ہو گیا۔

حضرت سعید بن العاص والی کوفہ نے ابن سبا کی گہری سازش اور امن شکن حرکات کی کامل تحقیق کے بعد اسے بلا کر کڑی زجر تو بیخ کی۔ اس نے سوچا۔ کہ اب یہاں بھی زیادہ دیر تک میری دال نہیں گلنے کی۔ چنانچہ کوفہ سے بوریہ بدھنا اٹھا کر شام کی ماہ لی اور دمشق پہنچ

گیا۔ کوفہ میں بھی بصرہ کی طرح اس نے اپنی ایک منظم خفیہ جماعت قائم کی۔ دمشق میں داخل ہونے ہی اس نے محسوس کر لیا۔ کہ یہاں میراجادو نہ چلے گا۔ اور جلد ہی وہاں سے جلا وطن کر دیا گیا۔ دمشق سے خارج ہو کر وہ مصر پہنچا۔ وہاں کے حاکم حضرت عبداللہ بن سعد کے خلاف بھی مصریوں اور عربوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ مصر میں ابن سبا نے یہ چال چلی۔ کہ اپنے بصرہ اور کوفہ کے ہم خیال لوگوں سے مراسلت شروع کی۔ اور بخوبی سوچی سمجھی ہوئی وسیع و عمیق سازش کے ماتحت تھوڑے ہی عرصے میں ہر جگہ چرچا ہونے لگا۔ کہ بصرہ، کوفہ اور مصر سے مدینہ میں اور پہلے تینوں مقامات کے باشندوں کے پاس ان میں سے ہر مقام کے رہنے والوں کی طرف سے آپس میں اس مضمون کے خط پہنچ رہے ہیں۔ کہ یہاں کے حاکم نے انتہائی ظلم و تشدد پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اور رعایا کے ہر فرد پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔

ابن سبا کے منظم اور وسیع پروپیگنڈے کے باعث اس کی جماعت نے اس قدر قوت حاصل کر لی۔ کہ سیکڑھ میں یزید بن قیس کوفہ سے ایک جمعیت لے کر حضرت عثمان غنیؓ کو خلع خلافت پر مجبور کرنے کے لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن حضرت قعقاعؓ بن عمرو نے اسے گرفتار کر لیا۔ یزید نے منت سماجت سے کہا۔ میرا مقصد صرف یہ تھا۔ کہ سعید بن العاص کو ولایت کوفہ کے منصب سے تبدیل کر دیا جائے۔ اس پر حضرت قعقاعؓ نے اسے چھوڑ دیا اور اس نے سبائیوں کے بہت بڑے سرغنہ مالک اشتر کو حص سے کوفہ میں بلا لیا۔ اس کے پیچھے ہی سنگامہ و شورش کی رفتار تیز تر ہو گئی۔ مالک اشتر نے حضرت سعید بن العاص کے ایک غلام کو قتل کر دیا۔ اور ان سے کہا۔ "جاؤ۔ عثمانؓ سے کہ دو۔ کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو یہاں بھیج دے۔" حضرت سعیدؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا بیان کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت سعیدؓ کو معزول کرتے ہوئے ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو حاکم کوفہ مقرر کر کے بھیج دیا۔ اور اہل کوفہ کے نام ایک خط میں لکھا۔ کہ "میں نے تمہاری مرضی کے مطابق تمہارے ہی تجویز کئے ہوئے شخص کو مامور کر دیا ہے۔ میں دائرہ شریعت کے اندر رہ کر تمہاری خواہشات پوری کئے جاؤں گا۔ اور تمہاری زیادتیوں کو صبر

سے برداشت کر کے اصلاح کے لئے ساری ہمت و کوشش صرف کر دوں گا۔“

چکنا گھڑا، بوند پڑی، ڈھل گئی۔ یہی حال انقلاب پسندوں کا تھا۔
عمال سے مشورہ | اب ان لوگوں کی حالت اصلاح سے تجاوز کر چکی تھی۔ جب خلیفہ

وقت نے دیکھا کہ جگہ جگہ سے معزولی عمال کے تقاضوں سے لبریز خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ تو انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن سعد، حضرت سعید بن العاص، حضرت عبداللہ بن عامر اور حضرت عمرو بن العاص وغیرہ کو طلب کر کے ایک مجلس منعقد کی۔ اور رفع شورش کے لئے ہر ایک سے رائے لی۔

حضرت عبداللہ بن عامر نے رائے دی۔ کہ ان لوگوں کو جہاد میں مصروف کر دیجئے۔ توجہ بٹ جانے سے شورش خود بخود رفع ہو جائے گی۔ حضرت سعید بن العاص نے تجویز پیش کی کہ ان کے سرداروں کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ شرارت پسندوں کا جتھا خود بخود ٹوٹ جائے گا۔ اس پر خلیفہ المسلمین نے فرمایا۔ تجویز تو خوب ہے۔ مگر اسے لباسِ عمل پہنانا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے یوں اظہار خیال کیا کہ صوبوں کے حاکم اپنا اپنا فرض پہچان کر قیام امن کا ذمہ لیں۔ مفسدین شام کی قوت کو مثل کر دیئے کا بیڑا میں اٹھاتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن سعد نے کہا۔ وہ بن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ۔ ان لوگوں کی آتش طمع کو آپ زر سے بجھا دینا چاہئے۔ حضرت عمرو بن العاص کہنے لگے۔ آپ لوگوں کے غشاکے پروا نہیں کرتے۔ یا تو انصاف کی راہ

پر چلئے، یا خلافت کا خلعت اتار دیجئے۔ یہ بھی نہیں تو ہمت سے کام لے کر اپنی سی کیجئے۔ ان الفاظ پر حضرت عثمان غنیؓ چونک پڑے۔ اور فرمایا ”تم میرے متعلق ایسا خیال رکھتے ہو؟“ حضرت عمروؓ ہر بلب رہے۔ پھر لوگوں کے چلے جانے پر عرض کی۔ ”اے امیر المؤمنینؓ! یہ میرے ضمیر کی آواز نہیں۔ آپ تو اس سے بالاتر ہیں۔ یہ الفاظ تو میں نے مصلحتاً کہے تھے۔

تاکہ حریف انہیں سن کر مجھے ہمزاز سمجھتے ہوئے اپنے منصوبوں سے آگاہ کر دیں۔ اور میں ان کی ہر پال سے آپ کو مطلع کر کے چشم زخم سے محفوظ رہنے کا موقع پانے میں مدد سے سکوں۔ جب قند و شورش کی امن سوز آگ کے شعلے زیادہ تیزی سے
حضرت علیؓ کی رائے | بھڑکنے لگے۔ تو چند صحابہ کرامؓ نے اصلاح حالات کے

پیش نظر حضرت علیؑ کو خلیفہ وقت کے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے یوں بات شروع کی۔ "خیران ہوں۔ کہ کیا کہوں۔ آپ کے بغیر ہی سب کچھ جانتے ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ ہیں۔ اور حضورؐ کے فرزند نسبتی ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔" غرض حضرت علیؑ نے نہایت اچھے الفاظ میں اظہار خیال کرتے ہوئے صورت حال کی صلاح کے لئے قابل قدر مشورے دئے۔ امیر المومنینؑ نے معقول جواب دینے کے بعد مسجد میں عاتقہ المسلمین کے روگرد موجودہ حالات پر ایک پرمغز و جامع تقریر کی۔

اسی اثنائیں ایک دن مدینہ کے بعض سرکردہ اصحاب نے حضرت عثمان غنیؓ کے پاس آکر آپ کی توجہ عمال کی خبر گیری اور شکایات عوام کے ازالے کی طرف منطقت کی۔ اس پر انہوں نے چند جلیل القدر صحابہؓ کا ایک کمیشن مقرر کر کے مختلف حضرات کو الگ الگ صوبوں کی طرف تحقیق حالات کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور عمار بن یاسر کو مصر کی طرف بھیجا۔ ان اکابر نے اپنے اپنے صوبے کے بڑے آدمیوں اور عام لوگوں سے مل کر حالات کی بخوبی تحقیق کرنے کے بعد متفقہ بیان دیا۔ کہ "نہ ہم نے کسی عامل میں کوئی برائی دیکھی ہے۔ اور نہ کسی شریف و فہمیدہ شخص کو کسی حاکم کے خلاف کوئی شکایت ہے۔"

اس تحقیق حالات کے علاوہ امیر المومنینؑ نے اپنے مقبوضات کے گوشے گوشے میں یہ اعلان عام بھی کر دیا۔ کہ "میں ہر سال حج کی تقریب پر عالمین کی کارگزاریوں کو احتساب کے معیار پر پرکھا کروں گا۔" چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد حج کا موقع بھی آگیا۔ اور دربار خلافت سے طلبی کے احکام موصول ہونے پر تمام عمال مکہ معظمہ میں حاضر ہو گئے۔ خلیفہ وقت نے ان سے استفسار فرمایا۔ کہ "یہ شکایتیں کیوں موصول ہو رہی ہیں؟" عمال نے عرض کی۔ "آپ بخوبی تحقیقات کرا چکے ہیں۔ اور یہ حقیقت آئندہ ہو گئی ہے۔ کہ ان شرکایتوں اور افواہوں میں صدق نام کو بھی نہیں۔ بھر بے بنیاد باتوں پر باز پرس کیوں کر جائز ہو سکتی ہے؟" حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا۔ "اچھا تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟" عمرو بن العاص نے کہا۔ "آپ کی طبیعت میں نرمی حد سے زیادہ ہے۔ لیکن ہونا یہ چاہئے۔ کہ نرمی کے وقت نرمی اور سختی

کے وقت سختی سے کام لیا جائے۔ "عبداللہ بن سعد نے رائے دی کہ "لوگوں سے ان کے فرائض کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔" سعید بن العاص نے مشورہ دیا کہ "سازش کے سرغنوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تلوار کے گھاٹ اُتار دینا چاہئے۔" امیر معاویہ نے یوں اظہار خیال کیا کہ "میرے علاقے میں بالکل امن ہے۔ وہاں کسی قسم کے فتنے نے سر نہیں نکالا۔"

عمال کی آرا سن کر امیر المومنینؓ نے جواب میں فرمایا۔ "ہر شدنی امر ایک دروازے سے آتا ہے۔ اس امت کے لئے جس حادثے کا اندیشہ ہے، وہ ضرور وقوع پذیر ہو کر رہے گا۔ اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے۔ تو وہ بزور کھول دیا جائے گا۔ لیکن میں اسے نرمی سے بند کروں گا۔ ہاں حدود اللہ میں نرمی سے کام نہ لوں گا۔ اگر یہ دروازہ بزور کھول دیا گیا۔ تو میری طرف سے کماحقہ اتمام حجت ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ کہ میں نے بھلائی اور بہتری کے سوالگوں کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ فتنے کی چکی چلنے والی ہے۔ اگر عثمانؓ اس چکی کو حرکت نہ دینے کی حالت میں مر گیا۔ تو اس کے لئے خوش خبری ہے۔ تم لوگ عامۃ الناس میں امن و سکون پیدا کرو۔ ان کے حقوق کا کماحقہ تحفظ کرو۔ خدا کے حقوق میں کسی قسم کی خوشام نہ کرو۔"

حضرت عثمان غنیؓ مدینہ سے واپس تشریف لے آئے۔ تو انہوں نے حضرات علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کو طلب کر کے ان سے مشورہ لیا۔ ان اکابر نے نہایت معقول مشورے دئے۔ جن پر عمل کرنے کے لئے خلیفہ وقت نے وعدہ فرمایا۔

جو عمال مکہ معظمہ سے امیر المومنینؓ کے ساتھ مدینہ منورہ آئے تھے۔ وہ تمام باری باری اپنے اپنے صوبے کی طرف لوٹ گئے۔ آخر میں امیر معاویہؓ بھی رخصت ہونے کے لئے دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ "آپ کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ میرے ہمراہ شام کی طرف تشریف لے چلے۔ وہاں سب لوگ میرے تابع فرمان ہیں۔ آپ کی طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔" حضرت عثمان غنیؓ نے جواب دیا۔ "خواہ میری جان چلی جائے۔ لیکن میں قرب رسولؐ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔" امیر معاویہؓ نے کہا۔ "اچھا تو پھر میں آپ کی حفاظت کے لئے شام سے ایک لشکر جزا بھیج دوں گا۔ جو مدینہ

میں مقیم رہے گا۔" فرمایا۔ "نہیں۔ یہ بھی نہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایوں کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔" عرض کی "تو پھر ہر وقت آپ کو جان کا خطرہ ہے۔" فرمانے لگے۔

"جسی اللہ و نعم الوکیل۔" اس پر امیر معاویہؓ، حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے حضرت عثمان غنیؓ کی امداد کے لئے سفارش کر کے شام واپس چلے گئے۔

ابن سبا کی سوچی سمجھی ہوئی خفیہ سازش کے مطابق اواخر مسلمانہ میں کوفہ، بصرہ اور مصر

مدینہ پر فتنہ پردازوں کی چڑھائی

کے باغی حج کی آڑ لے کر عازم مدینہ ہوئے۔ اور مدینہ سے تین منزل در سے تین ٹکڑوں میں بٹ کر مختلف مقامات پر ٹھہر گئے۔ کوفی حضرت زبیرؓ کو، بصری حضرت طلحہؓ کو اور مصری حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ باغیوں کے دو نمائندوں زیاد بن النضر اور عبداللہ بن الاصم نے مدینہ پہنچ کر ان تینوں بزرگوں سے اظہار مذعا کیا۔ لیکن ان اصحاب نے انہیں لعنت ملامت کر کے واپس چلے جانے کے لئے فرمایا۔

جمعہ کے دن حضرت عثمان غنیؓ مسجد میں تشریف لائے اور نماز سے فارغ ہو کر باغیوں کو سمجھایا۔ لیکن ان

حضرت عثمان غنیؓ پر سنگ باری

پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اتنے میں باغیوں کی صفوں سے پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ اور مسجد میں ایک ہلڑ پہنچ گیا۔ نمازی پتھر کھاتے۔ گرتے پڑتے جان بچا کر بھاگے۔ امیر المؤمنینؓ اس بے پناہ سنگ باری سے سخت مجروح ہو کر منبر سے گر پڑے۔ اور گرتے ہی غش آ گیا۔ اسی حالت میں اٹھا کر گھولائے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا۔ یہ دیکھ کر حضرات سعد بن ابی وقاصؓ، زید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ اور امام حسینؓ آپ کی حفاظت کے لئے آئے۔ لیکن انہیں لوٹا دیا گیا۔

بلوائیوں کی پیہم سنگ باری کے باعث خلیفہ المسلمینؓ کے لباس مصریوں کا پہلا حملہ سے ابھرا خون کے دھبے اترے بھی نہ تھے۔ کہ مصر کے باغیوں

مصریوں کا پہلا حملہ

نے انہیں شہید کرنے کے ارادے سے مدینہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت علیؓ کو طلب کر کے کہا۔ "باغیوں کو لوٹا دیجئے۔ جس طرت آپ مشورہ دیں گے۔ میں اسی طرح

کروں گا۔ چنانچہ تیس صحابہ کرام نے باغیوں کو فہاش کر کے لوٹا دیا۔ اور خلیفہ وقت نے حضرت علیؓ سے مشورہ کر کے عام مجمع میں نہایت موثر تقریر کرتے ہوئے اپنے آئندہ نظام عمل کی وضاحت کی۔

باغیوں کی ذہنی حالت اصلاح کی حدود سے تجاوز کر چکی تھی۔

مصریوں کا دوسرا حملہ

چنانچہ ایک روز یکایک مصری بلوایتوں نے مدینہ پر دوسری

بورش کی۔ اور حضرت عثمان غنیؓ کے مکان کو گھیر لیا۔ حضرت علیؓ نے باغیوں سے دریافت کیا

کہ تم واپس کیوں کر آ گئے۔ وہ بولے "خلیفہ نے ایک ہرکارے کے ہاتھ عامل مصر کے نام

فرمان بھیجا جس میں لکھا کہ جو یہی یہ لوگ مصر میں داخل ہوں۔ انہیں قتل کر دیا جائے۔ وہ

فرمان ہم نے راستے ہی میں ہرکارے سے چھین لیا۔ اور اب اسے لے کر آئے ہیں۔" چنانچہ

باغیوں نے حضرت علیؓ اور حضرت محمد بن مسلمہ کے ساتھ جا کر امیر المؤمنینؓ سے یہ واقعہ

بیان کیا۔ آپ نے حیرت اور لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ "اس قسم کا کوئی فرمان نہ میں

نے خود لکھا۔ نہ کسی سے لکھوایا۔ اور نہ مجھے اس کا کوئی علم ہی ہے۔" اس پر باغیوں کے

سرغنہ عبدالرحمن بن عدیس نے کہا۔ "خواہ آپ جھوٹے ہوں یا سچے۔ کسی حالت میں بھی خلیفہ

رہنے کے قابل نہیں۔ آپ کی طرف سے ایک نہایت اہم حکم لکھا جاتا ہے۔ اس پر آپ

کی مہر ثبت کی جاتی ہے۔ سرکاری ہرکارہ اسے لے کر جاتا ہے۔ اور آپ کو اس کا علم تک

نہیں ہوتا۔ پھر آپ خلافت کے اہل کس طرح ہوئے؟ اب بہتر یہی ہے کہ آپ خود

ہی کنارہ کش ہو جائیے۔" خلیفہ المسلمین نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے جو خلعت مجھے پہنایا

ہے۔ میں اسے خود نہیں اتاروں گا۔ ماضی ماضی۔ گزرے ہوئے حالات پر پشیمانی کا اظہار

کرتے ہوئے آئندہ کے لئے زیادہ محتاط رہنے کا وعدہ کرتا ہوں۔" یہ بات بلوایتوں کے

بہرے کانوں پر پڑی۔ اور کہنے لگے کہ "اگر تم خلافت نہ چھوڑو گے۔ تو ہم تمہیں قتل کر

دیں گے۔ اور مزاحم ہونے والے کا بھی مقابلہ کریں گے۔" خلیفہ وقت نے فرمایا۔ "مجھے

جان دے دینا منظور ہے۔ لیکن خلافت الہیہ سے دست بردار ہو جانا منظور نہیں۔ تمہیں

سی سے مقابلہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ کیوں کہ میں کسی کو تمہارے خلافت

تو اہل کس طرح ہوئے؟

جنگ آرا ہونے کی اجازت ہی نہ دوں گا۔ اگر مجھے لڑائی ہی کرنی ہوتی۔ تو میری اپنی فوجیں تھوڑی ہیں۔ ذرا سے اشارے پر ان گنت مسلح بہادروں کا طوفان اُمنڈ آتا۔

بلوایوں کی طرف سے انتہائی سختی | حضرت علیؑ نے بلوایوں کو سمجھا بھگا کر ہٹا دیا۔ لیکن جب وہ چلے گئے۔ تو بلوایوں نے پھر کا شانہ خلافت کا پیمانہ کر لیا۔ اور زیادہ سختی سے کام لینے لگے۔ آخر خلیفۃ المسلمینؑ پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔ حضرت علیؑ پھر بلوایوں کی فہمائش کے لئے گئے۔ لیکن ان سب کے سروں پر قتل و خون ریزی کا جن سوار تھا۔ اور وہ جوش انتقام میں پاگل ہو رہے تھے۔

مدینہ کی فضا خطرناک بدامنی و شورش کے زہریلے دھوئیں سے تیرہ و تار ہو رہی تھی۔ ہر طرف بلوایوں نے ادھم مچا رکھا تھا۔ کوئی شخص بھی اپنے آپ کو خطرے سے محفوظ خیال نہ کرتا تھا۔ صحابہؓ کا کچھ بس نہ چلتا تھا۔ بعض لوگ مدینہ چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ بعض خانہ نشین ہو گئے۔ حضرت علیؑ بلوایوں کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے۔ لیکن آخر ان کا بھی کچھ بس نہ چلا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی تقریریں | آخر منافقوں کے بہت بڑے سردار عبداللہ بن سبا کا گہرا، بیچ در بیچ اور دور رس منصوبہ رنگ لائے

اور اسلام و اہل اسلام کا شیرازہ وحدت منتشر کر دینے کے متعلق اس کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے لگا۔ اور حضرت عثمان غنیؓ کی چشم بصیرت کو اس مکارانہ سکیم کے ہلکے نتائج صاف نظر آ رہے تھے۔ لہذا انھوں نے محصور ہو جانے کی حالت میں بھی تنظیم اسلام کو محفوظ و برقرار رکھنے کے لئے تمام قوتیں صرف کر دیں۔ اور ایک دن مکان کی چھت پر سے یہ تقریر ارشاد فرمائی :-

”لوگو! تم میرے قتل پر کیوں تلے ہوئے ہو۔ میں تمہارا والی اور اسلامی بھائی ہوں۔

واللہ میں نے ہمیشہ حتی الامکان اصلاح کی کوشش کی۔ لیکن بہر کیف انسان ہوں

لہذا صحت رائے کے ساتھ فروگزاشتیں بھی ہوئیں۔

”یاد رکھو! خدا کی قسم۔ اگر آج تم نے مجھے قتل کر دیا۔ تو پھر قیامت تک نہ باہم مل

کر نماز پڑھو گے۔ اور نہ باہم مل کر جہاد کرو گے۔“

امیر المؤمنینؓ کی یہ پیش گوئی حروف بہ حرف پوری ہوئی۔ یعنی ان کی شہادت سے اسلام کی تنظیم و وحدت میں جو شگاف پڑ گیا۔ وہ آج تک پُر نہ ہو سکا۔

ایک روز انھوں نے یہ تقریر فرمائی :-

” میں تمہیں حلف دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ جب رسول اللہ صلعم مدینہ

تشریف لے گئے۔ تو مسجد بہت تنگ تھی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کون ہے۔ جو زمین کا یہ

ٹکڑا خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے۔ اسے بہشت میں اس سے بہتر جگہ تیر

آئے گی۔ اس وقت میں نے تعمیل ارشاد کر کے زمین خریدنے کے بعد اسے مسلمانوں

کے لئے وقف کر دیا۔ اور آج تم اسی مسجد میں مجھے اداائے نماز سے منع کرتے ہو۔

میں اللہ کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ جب رسول اللہ صلعم

مدینہ تشریف لائے۔ تو یہاں بیرومہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی اور کنواں نہ تھا۔

حضورؐ نے فرمایا۔ کون اسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرتا ہے۔ اسے

بہشت میں اس سے بہتر ملے گا۔ تو میں نے اسے خرید کر وقف کیا۔ اور آج تم

مجھے اسی کنوئیں کے پانی سے منع کرتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ میں نے ہی

جیش عسرت کا پورا سامان کیا تھا؟

سب نے جواب دیا۔ ”بے شک سچ ہے۔“

لوگوں نے زبان سے تو ان واقعات کی تصدیق کر دی۔ لیکن ان کا دل بالکل نہ سبجا۔ اس

لئے ایک روز پھر انھوں نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

” میں ان لوگوں کو جو حضور نبی کریم صلعم کے ہمراہ تھے۔ حلف دے کر سوال کرتا ہوں

کسی کو یاد ہے۔ کہ ایک روز رسول مقبولؐ کوہ حرا پر چڑھے۔ تو اس میں جنبش پیدا

ہوئی۔ حضورؐ نے ٹھوکر مار کر فرمایا۔ ”ترا! ٹھہر جا۔ کہ اس وقت تیری پشت پر ایک نبی

ایک صدیق اور ایک شہید ہے۔ اور میں حضورؐ کے ساتھ تھا۔“

لوگوں نے جواب میں کہا۔ ہاں درست ہے۔ پھر انھوں نے فرمایا:-

”میں ان لوگوں کو حلف دے کر پوچھتا ہوں۔ جو بیعت رضواں میں موجود تھے۔ کہ جب رسول کریمؐ نے مجھے گفتگو کے لئے مشرکین کے پاس بھیجا تھا۔ تو اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری طرف سے بیعت نہیں لی؟“

سب نے اس کی تصدیق کی۔

جب حضرت عثمان غنیؓ کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ لوگ کسی صورت بھی آپ کے قتل سے باز نہ آئیں گے۔ تو آخری تقریر میں فرمایا۔

”لوگو! آخر تم کس جرم میں میری جان کے لاگو ہو رہے ہو۔ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے۔ کہ بجز تین حالتوں کے کسی مسلمان کا قتل روا نہیں (۱) اسلام کے بعد جو مسلمان دین اللہ سے پھر جائے (۲) پرہیزگاری کے بعد بدکاری پر اتر آئے۔ (۳) کسی کو قتل کر دے۔ میں ان تینوں گناہوں سے بڑی ہوں۔ واللہ جب سے مجھے ہدایت نصیب ہوئی۔ میں نے اسلام کے مقابلے میں کسی مذہب کو پسند نہیں کیا۔ جاہلیت کے زمانے میں بھی بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا۔ اسلام کے بعد کسی کو قتل نہیں کیا۔ پھر تم مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو۔“

ہوا خواہوں کی آماجگی جان نثاری | حضرت عثمان غنیؓ کی یہ سب تقریریں بلوایوں کے ہرے کانوں پر پڑیں۔ اور وہ بدستور

ضد پر قائم رہے۔ اس پر بعض ہوا خواہان امت نے اپنے آپ کو جان نثاری کے لئے پیش کیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا۔ انصار اجازت چاہتے ہیں۔ کہ وہ پھر اپنے انصار ہونے کا ثبوت پیش کریں۔ امیر المومنینؓ نے جنگ کی اجازت نہ دی۔ حضرت عبداللہؓ نے زبیرؓ نے جاں بازی کے جوہر دکھانے کی اجازت طلب کی۔ تو خلیفہ وقت نے خونریزی سے منع فرمایا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے عرض کی۔ ”تین صورتیں آپ کے سامنے ہیں (۱) ہمارے جمعیت کو ہمراہ لے کر مقابلے کے لئے میدان میں نکلے۔ اور حق و باطل کے خلاف نبرد آزما کیجئے (۲) صدر دروازہ تو بلوایوں نے گھیر رکھا ہے۔ ہم عقب سے دروازہ توڑ کر آپ کے لئے نکلے جانے کا انتظام کر دیتے ہیں۔ وہاں لوگ جنگ سے باز رہیں گے۔ (۳) غلام شاہ

ہو جائے۔ وہاں کے لوگ وفادار ہیں۔ اور معاویہؓ موجود ہیں۔ امام امت نے جواب میں فرمایا
 ”میں مقابلہ نہیں کروں گا۔ کیوں کہ مجھے رسول اللہ صلعم کا وہ پہلا خلیفہ بننا منظور نہیں جس کے
 ہاتھ سے خون ریزی امت کی ابتدا ہو۔ مگر چلا جانا میں پسند نہیں کرتا۔ کیوں کہ یہ لوگ ہاں
 بھی سوزگ آرائی سے باز نہ آئیں گے۔ اور مجھے رسول اللہ صلعم کی اس پیش گوئی کا مصداق
 بتا گوارا نہیں۔ کہ ایک شخص کے ہاتھ سے مکہ کی حرمت اٹھ جائے گی۔ اور وہ سارے جہان
 کے نصف عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اہل شام وفادار اور معاویہؓ وہاں موجود سہی۔ مگر میں دارالہجرت
 اور جوار رسولؐ سے علیحدہ نہ ہوں گا۔“

شہادت

باغیوں کو یقین تھا۔ کہ اسلامی فوجیں امیر المومنینؓ کی حمایت کے لئے مدینہ
 آنے والی ہیں۔ اس لئے انھوں نے بہت جلد ان کا چراغ زندگی گل
 کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔ حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ نے گھر
 سے باہر نکلنا اور ملنا جلنا بالکل ترک کر دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے جاہ بازی سے کام لیتے
 ہوئے کا شانہ خلافت کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلوایوں کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ لیکن
 خلیفہ وقت نے بے حد اصرار کر کے انھیں مکتبہ بھیج دیا۔ ورنہ ان کا قول تھا۔ کہ ”میں حج کی
 نسبت ان بلوایوں کا قلع قمع کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔“ حضرات حسن بن علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ
محمد بن طلحہؓ، سعید بن العاصؓ وغیرہم باغیوں کو روکنے کے لئے دروازے پر موجود تھے
 اس لئے وہ اندر داخل نہ ہو سکتے تھے۔ ان حضرات نے حملہ آوروں سے جنگ کر کے
 انھیں پیچھے ہٹا دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان غنیؓ نے ان بزرگوں اور بزرگ زادوں کو لڑنے
 سے منع کر کے گھر میں بلا لیا۔ بتی کے بھاگوں چھینکا لوٹا۔ بلوایوں کے حوصلے بڑھ گئے۔
 انھوں نے دروازے میں آگ لگا دی۔ اور زبردستی اندر داخل ہو گئے۔ بعض باغی پاس
 کے مکان میں چلے گئے اور دیوار پھانسی کر حملہ آور ہوئے۔ حضرت عثمان غنیؓ قرآن عزیزی کی
 تلاوت فرما رہے تھے۔ سب سے پہلے محمد بن ابی بکرؓ نے آگے بڑھ کر ان کی ریش مبارک
 پکڑ لی۔ اور درشت الفاظ سے مخاطب ہوئے۔ انھوں نے فرمایا۔ ”بھتیجے! تمہارے باپ
 کبھی میری ڈاڑھی نہ پکڑتے۔ اور تمہارے اس فعل کو ہرگز جائز نہ سمجھتے۔“ یہ سن کر وہ

محبوب ہو گئے۔ اور ڈاڑھی چھوڑ کر لوٹ گئے۔

اس کے بعد بلوایوں کی ایک ٹولی اسی طرف سے دیوار پھانڈ کر اندر آئی۔ اور کنانہ بن شیبہ نے تلوار کا وار کیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہؓ نے وار کو ہاتھ پر روکا جس سے ان کی تیر انگلیاں کٹ گئیں۔ کنانہ نے دوسرا بھر پوز وار کیا۔ اور انھوں نے جام شہادت نوش کر لیا۔ خون کے قطرے کتاب اللہ کے اوراق پر گرے۔ شہادت کے وقت یہ آیت زبان پر تھی۔ فسی کفیکم اللہ وهو السامیع العلیم۔ گھر میں کہرام برپا ہو گیا۔ بد معاش باغیوں کا ایک ریلا آیا۔ اور ہر طرف ٹوٹ مچ گئی۔ جو چیز جس کے ہاتھ آئی۔ لے کر چلتا بنا۔

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ جمعہ کو یہ حادثہ رونما ہوا۔ دو دن تک نعش مبارک بے گور و کفن پڑی رہی۔ آخر حضرات زبیرؓ، حسنؓ، ابو جہم بن حذیفہؓ اور مروان وغیرہ جنازہ لے کر نکلے۔ باغیوں نے رسوم وفات کی ادائیگی میں بھی مزاحمت کرنی چاہی۔ لیکن حضرت علیؓ نے انھیں سختی سے روکا۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ یا بروایت دیگر حضرت زبیر بن عوامؓ نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور فرماں روا نے اسلام کو غسل کے بغیر اسی خون آلود لباس میں جنت البقیع کے قریب حشن کو کب میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ شہادت کے وقت بن شریف ۸۷ برس کا اور مدت خلافت بارہ سال تھی۔

حضرت عثمان غنیؓ نے وقتاً فوقتاً متعدد شادیاں کیں۔ جن سے گیارہ **ازواج و اولاد** بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

نظام خلافت

حضرت عثمان غنیؓ نے فاروقی نظام خلافت کو بہترین قرار دیتے ہوئے اسی طرح قائم رکھا۔ البتہ بعض ضروری تبدیلیاں کر دیں۔ اور ترقی طلب محکموں کو ترقی دی۔

خلافت کے نہایت اہم سیاسی معاملات کے تصفیے کے لئے حضرت **مجلس شوریٰ** عثمان غنیؓ ایک مجلس مشاورت منعقد کر کے صحابہ کرامؓ اور عمال سے

مشورہ لیا کرتے تھے۔

صوبوں کی تقسیم | صوبوں کی تقسیم میں کسی قدر تبدیلی کر دی گئی۔ مثلاً شام کے مختلف

صوبوں کو یک جا کر کے ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ اور اس کی عنان انتظام حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ نئے مشتملہ علاقوں کو نئے صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

حکام کا احتساب | اگرچہ حضرت عثمان غنیؓ فطرتاً ازیم طبع ہونے کے باعث حضرت فاروق اعظمؓ کی طرح عمال کے اعمال کا سختی سے احتساب

نہ کرتے تھے۔ لیکن جب کبھی کسی حاکم سے اسلام، اخلاق یا سیاست کے خلاف کوئی حرکت سرزد ہوتی تھی۔ اسی وقت اس کے خلاف شدید تدابیر عمل میں لاتے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص، ولید، سعید بن العاص اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو مختلف جرائم کی پاداش میں مناسب سزائیں دیں۔

حج کی تقریب پر تمام صوبوں کے حاکم طلب کئے جاتے تھے۔ اور عام اجازت دی جاتی تھی۔ کہ جس شخص کو کسی عامل کے خلاف کوئی شکایت ہو۔ وہ پیش کرے۔ اس طرح ہر فریادی کی مناسب دادرسی کی جاتی تھی۔

بیت المال کی آمدنی اور خرچ | حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں جدید فتوحات کی بنا پر آمدنی میں معقول اضافہ ہو گیا۔ اور

اسی لحاظ سے لوگوں کو وظیفے عطا کرنے کے باعث خرچ بھی بڑھ گیا۔ رمضان میں نقد رقم پانے والے افراد کے لئے کھانا بھی مقرر کر دیا گیا۔ علاوہ بریں رفاہ عام کے کاموں میں بھی بہت سارے پیسے صرف کیا گیا۔

فوجی نظام | فوج کے محکمے میں ترقی اور تبدیلی کی گئی۔ سپاہیوں کی تنخواہ بڑھادی گئی۔ مزید فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ شام میں انطاکیہ سے طرطوس تک اور

بحیرہ روم کے ساحل پر فوجی نوآبادیاں بسائی گئیں۔ گھوڑوں وغیرہ کی چراگاہوں میں معقول اضافہ کیا گیا۔ اور اس سلسلے میں چشمے جاری کرائے گئے۔

بحری فوج کا قیام عہد عثمانی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ جب امیر معاویہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے بحیرہ روم میں فوجیں اتارنے کی اجازت طلب

کی۔ تو پہلے آپ نے حضرت فاروق اعظمؓ کی طرح انکار کر دیا۔ لیکن بعد میں پیہم اصرار سے

مجبور ہو کر اس شرط پر اجازت دے دی۔ کہ شرکت جنگ کے لئے کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ امیر معاویہ نے جزیرہ قبرص کو فتح کرنے کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں اس قدر عظیم الشان اسلامی بیڑا تیار کر لیا۔ کہ اس زمانے کا سب سے زبردست رومی بیڑا بھی اس کے آگے فروغ نہ پا سکا۔ چنانچہ ۳۳ھ میں جب رومی بیڑے نے چھ سو جہازوں کی بے پناہ طاقت سے سواحل شام پر حملہ کیا۔ تو اسلامی بیڑے نے اسے شکست فاش دے کر زبان واقعیت سے اپنی آفاق گیر برتری کا اعلان کر دیا۔

امور رفاه عامہ حضرت عثمان غنیؓ نے عامۃ الناس کے فائدے کے لئے بہت سے کام انجام دیئے۔ مثلاً دفنوں کے لئے وسیع عمارتیں بنوائیں۔ پل، مسافر خانے اور سڑکیں تعمیر کرائیں۔ کوفہ میں ایک بہت بڑا مہمان خانہ بنوایا۔ نجد اور مدینہ کے درمیان ایک سرائے تعمیر کرائی اور ایک کنواں کھدوایا۔ مدینہ کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لئے مدنی کے قریب ایک بند بنا کر نہر کھدوادی اور سیلاب کا رخ تبدیل کر دیا۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع حضرت عثمان غنیؓ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اگرچہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں اسے کافی وسعت دی تھی۔ لیکن عہد عثمانیؓ میں یہ بالکل ناکافی ثابت ہوئی۔ اس لئے انھوں نے از سر اس کی تعمیر و توسیع کرائی۔

قرآن مجید کی اشاعت ان کی سب سے بڑی مذہبی خدمت یہ ہے۔ کہ انھوں نے تمام مسلمانوں کو ایک قرأت اور ایک قرآن پر متحد کیا۔ عرب میں بعض الفاظ قرآنی کا الٹا اور تعلق مختلف طریقوں سے کیا جاتا تھا۔ لیکن معنی بدستور قائم محفوظ رہتے تھے۔ مگر عجمیوں میں اس خفیف اختلاف کو زبردست اہمیت حاصل ہو گئی اور ہر مقام کے باشندے اپنی ہی قرأت کو صحیح سمجھنے لگے۔ حضرت حذیفہ بن یمان نے عجمیوں اس اختلاف کو اندیشے کی نظروں سے دیکھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک جہاد سے واپس آ کر دربار خلافت میں عرض کی۔ کہ اس اہم امر کا انسداد کرنا چاہئے۔ اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے عہد صدیقیؓ کا مرتب کیا ہوا نسخہ ہیتا کر کے اس کی نقلیں تمام اسلامی ملکوں میں ارسال کرادیں۔

موذنین | عہد عثمانی میں موذنین مساجد کی باضابطہ تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

دوسری خدمات | حضرت عثمان غنیؓ مدینہ میں اہل اسلام کو مذہبی تعلیم اور اخلاقی تربیت دینے کا فریضہ خود انجام دیتے تھے۔

لہو و لعب کی ممانعت | مدینہ والوں میں کبوتر بازی اور غلیل بازی کا عام رواج ہو گیا تھا۔ انہوں نے ان دونوں مشغلوں کو لہو و لعب قرار دے کر ان کی ممانعت کر دی۔

علم و فضل | حضرت عثمان غنیؓ ایک تعلیم یافتہ بزرگ تھے۔ اگرچہ انہیں تقریر میں کوئی خاص امتیازی مقام حاصل نہ تھا۔ لیکن تحریر میں کمال دل کشی پائی جاتی تھی۔ اور اسی بنا پر کتابت وحی کی عظیم الشان خدمت ان کے سپرد تھی۔ مذہبی علوم پر کامل عبور رکھتے تھے۔

علم قرآنی کے تو بحر مواج تھے۔ اور یہ سرچشمہ نبوت سے فیض یاب ہونے کا اثر تھا۔ ایک رکعت میں سارا قرآن ختم کر دینا ان کا حیرت انگیز کمال تھا۔ حدیث میں ان کا درجہ سلم تھا۔ اگرچہ بہت سی حدیثیں ان کے حافظے میں محفوظ تھیں مگر روایت کرنے میں بہت محتاط تھے۔ فرماتے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف ایسا قول منسوب کرے گا۔ جو میں نے نہیں کہا۔ اسے چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنانے کے لئے تیار رہے۔

فقہ میں وہ ایک بلند پایہ اور مستند مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے۔ کتب احادیث ان کے فقہی اجتہاد پر شاہد عادل ہیں۔ علم فرائض میں وہ امام فن تھے۔ اس فن کو باقاعدہ مرتب کرنے والے دو ہی بزرگ مسلم الثبوت سمجھے جاتے ہیں (۱) حضرت زید بن ثابت اور (۲) حضرت عثمان غنیؓ۔ اس زمانے کے بزرگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ ان دونوں کے اٹھ جانے سے علم فرائض بھی دنیا سے اٹھ جائے گا۔

سیرت الغنی | حضرت عثمان غنیؓ زمانہ جاہلیت ہی سے بہت بڑے دولت مند تھے لیکن زندگی کے کسی حصے میں بھی ان کا دامن گردار داغ معصیت

سے آلودہ نہ ہوا۔

خوفِ خدا وہ پہلو میں ایک نہایت حساس اور رقت آمیز ذول رکعتے تھے۔ رواں خوفِ خدا سے لبریز تھا۔ چلتے چلتے راہ میں کوئی قبر آجاتی تو فوراً تاثر کے باعث آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہ جاتا۔

آخرت کا ڈر آپ ہر وقت قیامت کے مواخذے سے خائف رہتے تھے۔ فرماتے: ”اگر مجھے علم ہو، کہ میں بہشت میں جاؤں گا یا دوزخ میں۔ تو میں اس کا فیصلہ ہونے کے مقابلے میں پیوند زمین ہو جانے کو ترجیح دوں گا۔“

عشقِ رسول حضرت عثمان غنیؓ کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ ایسا عشق تھا، کہ بایں شاید چنانچہ آپ کے ایک اشارے پر مال و جان قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ آنحضرتؐ کی خفیف سے خفیف تکلیف بھی ان سے دیکھی نہ جاسکتی تھی۔ ایک وفد حضرت عثمان غنیؓ کو معلوم ہوا، کہ اہل بیت رسولؐ پر فاقوں کی نوبت آگئی ہے۔ سنتے ہی تڑپ گئے۔ زار زار رونے لگے۔ اور اسی وقت بہت سے گیلوں، آٹا، بکری کا گوشت کھجور اور تین سو نقد حرم نبویؐ میں پیش کر کے گزارش کی۔ کہ ایسے موقع پر عثمان کو یاد فرمائی کی سعادت بخشی جائے۔

احترامِ رسول ان کے دل میں رسول اللہ صلعم کا حد سے زیادہ احترام تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے بیعت کے وقت جو ہاتھ حضورؐ پر نوز کے دست مبارک میں دیا تھا۔ اسے تازیت مقامِ نجاست سے مس نہ ہونے دیا۔

سنت کی پیروی سنت نبویؐ کا اتباع ان کے تاجِ عظمت کا گوہر ہے بہا تھا۔ عمر بھر کبھی اور کسی حالت میں بھی ان کے قدم صراطِ مستقیم سے نہ ڈگ گئے۔ فرمانِ رسولؐ کا اس قدر پاس تھا، کہ جان دے دی۔ مگر دشمن سے مقابلہ نہ کیا۔

خدا کی راہ میں شریح خدا کی راہ میں مقدور بھر مال و زر صرف کرنا ان کا معمول تھا۔ ان کے حالات زندگی اس حقیقت پر شاہد عادل ہیں انھوں نے دو لاکھ اشرفی کی مستقل جائداد فی سبیل اللہ وقف کر رکھی تھی

ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں ہولناک قحط پڑا۔ اور لوگ غلے کے لئے دانے دانے کو ترس گئے۔ ایک دن خبر گرم ہوئی۔ کہ غلے سے لدے ہوئے ایک ہزار ونٹ حضرت عثمان غنیؓ کے پاس پہنچے ہیں۔ مدینہ کے تاجر فی الفور ان کے پاس گئے۔ اور کہا: ہمیں ڈیوڑھے نفع پر غلہ دے دیجئے۔ فرمایا: ”گواہ رہنا۔ میں نے سارا غلہ مدینہ کے محتاجوں کو دے دیا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ”اسی رات میں نے خواب دیکھا۔ کہ رسول اللہ ﷺ سلم نوری علقہ زیب تن فرمائے ایک گھوڑے پر سوار جا رہے ہیں۔ میں سے بڑھ کر عرض کی مجھے آپ کی زیارت کی انتہائی تمنا تھی۔ ارشاد ہوا: ”مجھے جانے کی جلدی ہے۔ آج عثمانؓ نے ایک ہزار اونٹ غلہ فی سبیل اللہ فقرا و مساکین کو دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرما کر بہشت میں ایک ڈہن کے ساتھ عثمانؓ کا عقد کیا ہے۔ میں اس میں شامل ہونے کے لئے جا رہا ہوں۔“

سخاوت سخاوت ان کی طبیعت میں گوٹ گوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بہت سی بیوائیں یتیم اور تنگ دست عزیز ان کی فیاضی سے پرورش پاتے تھے۔

حیا حیا ان کے دامن کردار کی نمایاں زینت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کی حیا کا بید پاس تھا۔ ایک دفعہ مجلس نبویؐ آراستہ تھی۔ اور بے تکلفی کی نشست میں زنانے مبارک سے کپڑا ذرا سرک گیا تھا۔ آنحضرتؐ نے اسی طرح رہنے دیا۔ اتنے میں حضرت عثمان غنیؓ آگئے حضورؐ نے انھیں دیکھتے ہی کپڑا درست کر لیا۔ صحابہؓ نے وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا: ”عثمانؓ کی حیا کا فرشتے بھی لحاظ کرتے ہیں۔“

حلم و عفو وہ حلم و عفو کا تو گویا مجسمہ تھے۔ اسی وصف سے ناجائز فائدہ اٹھا کر حکام امویہ بے عنوانیوں پر اتر آئے تھے۔ مصیبتوں کے پہاڑ پر پہاڑ ٹوٹے۔ حوادث کے طوفان پر طوفان اُٹھے۔ لیکن اس پیکر صبر و تحمل کے پاؤں میں خفیف سی بھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔

غلاموں سے سلوک انھیں غلاموں کی آسائش کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔

چنانچہ تہجد کے وقت خود ہی اٹھ کر وضو وغیرہ کر لیتے۔ اور کسی غلام کو جگانا مناسب خیال نہ فرماتا۔ جب عرض کیا جاتا۔ کہ غلام اس خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ تو فرماتے۔ کہ رات کے وقت ان کے آرام میں خلل ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔

ذریعہ معاش | حضرت عثمان غنیؓ تجارت کے ذریعے سے کسب معاش کرتے اور سیم وزیم میں کھیلتے تھے۔ علاوہ بریں خیبر کی ایک جاگیر اور بہت سی اراضی کے

مالک تھے۔ عرب کے بڑے بڑے رئیسوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اسی لئے ان کا لقب غنی پڑ گیا تھا۔ زندگی میں لاکھوں روپے کا کاروبار تھا۔ اور شہادت کے وقت جامداد کے علاوہ ۳۵ لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار نقد چھوڑ گئے۔

غذا اور لباس | وہ دایہ ثروت کی آغوش میں پلنے، بڑھنے اور پروان چڑھنے کے باعث اچھا کھاتے اور اچھا پہنتے تھے۔ دسترخوان کی وسعت کثیر التعداد افراد کی شکم پڑی کی کنفیل ہوتی تھی۔

ساتواں باب

حضرت علی مرتضیٰ

۳۵ھ سے ۴۰ھ تک

تذکرہ مرتضیٰ علی نام، ابوالمحن اور ابو تراب کنیت اور مرتضیٰ لقب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد، بھائی اور فرزند نسبتی تھے۔ حضرت علیؓ کے والد ابو طالب نے اس وقت آنحضرتؐ کو دامن سرپرستی میں لیا۔ جب آپ نے ابھی گلشن حیات کی آٹھ ہی بہاریں دیکھی تھیں۔ اور والدین آوزداد اسب کے سایہ عاطفت سے محروم ہو چکے تھے۔ ابو طالب کو حضور انورؐ سے انتہائی انس تھا۔ اس لئے انھوں نے آپ کو کفار کی چیرہ دستیوں سے مامون و محفوظ رکھا۔ حضرت علیؓ کی والدہ بھی آپ کو بے حد محبت و شفقت کی نظروں سے دیکھتی تھیں۔ بنا بریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب اور ان کی اولاد سے نہایت محبت تھی۔ رسول مقبولؐ نے اپنے محبوب و شفیق چچا کا ہاتھ بٹانے کے لئے حضرت علیؓ کا بار کفالت و ویش مبارک پراٹھا لیا۔ اور انھیں اپنی آغوش تربیت میں جگہ دی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ ان کا دامن کردار عہد جاہلیت کے داغ ہائے معاصی سے کلیتہً محفوظ رہا۔ اور رسول کریمؐ کے دعوت اسلام دینے پر نوجوانوں میں سب سے پہلے انھیں نے لبیک کہا۔

سعادت اسلام سے مشرف ہونے کے بعد حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بن گئے۔ اور اپنی ساری زندگی آنحضرتؐ کی جاں سپارانہ خدمت کے لئے وقف کر دی۔ چنانچہ ہجرت اور غزوات وغیرہ میں حضرت علیؓ کے ذریعے کارنامے اس حقیقت پر

شاہد عادل ہیں۔ اسی بنا پر آنحضرتؐ نے ان سے ارشاد فرمایا تھا کہ "تم میرے وارث اور بھائی ہو۔"

۳۲۰ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہ الزہراءؑ کے شرف عقاد سے مفتخر فرمایا۔ یہاں تک کہ حضور انورؐ کے غسل اور تہیز و تکفین کا فخر بھی حضرت علیؑ ہی کے حصے میں آیا۔

خلافت اور واقعات

بیعت خلافت حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک امت مسلمہ انتخاب خلیفہ کی برکت سے محروم رہی۔ مدینہ میں باغیوں کا طوطی بول رہا تھا۔ لیکن خلافت کا قیام بھی اشد ضروری تھا۔ بالعموم کثرت رائے حضرت علیؑ کی طرف تھی۔ لوگوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کے لئے عرض کی۔ انہوں نے فرمایا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ آپ جن صاحب کو بھی انتخاب کریں گے۔ میں ان پر ہر قبول مثبت کروں گا۔ آخر لوگوں کی طرف سے انتہائی اصرار اور ملت اسلامیہ کے فائدے کے زیر نظر انہوں نے خلافت کے بارے میں گراں کے لئے اپنا دوش ہمت پیش کر دیا۔ اور بیعت کی غرض سے مسلمانوں کے ٹھاٹھیں مارنے والے سمندر سے ایک بے پناہ طوفان امنڈ آیا۔ اس کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ میں وہ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے۔

قاتلین عثمانؓ سے قصاص کا مسئلہ اب حضرت علیؑ کے سلسلے سے اہم اور مقدم مسئلہ حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں سے

قصاص لینا تھا۔ لیکن یہ معاملہ جس قدر ضروری تھا، اسی قدر دشوار و پیچیدہ بھی۔ بڑی بھاری دقت یہ تھی۔ کہ قاتلوں کے متعلق عینی شہادت کوئی نہ تھی۔ سانحہ شہادت کے وقت صرف حضرت عثمان غنیؓ کی زوجہ حضرت نائلہؓ گھر میں تھیں۔ لیکن وہ کسی کو پہچانتی نہ تھیں۔ اگر پہچانتی تھیں تو محض محمد بن ابی بکر کو۔ مگر جب ان سے پوچھا گیا۔ کہ آیا یہ بھی قاتلوں کے گروہ میں سے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا، نہیں۔ یہ واقعہ قتل سے پہلے ہی گھر سے باہر واپس جا چکے تھے۔

شکل پر مشکل یہ کہ قاتلین کی جماعت حضرت علیؑ کے قابو سے باہر تھی۔ اس لئے وہ بالکل ہی مجبور ہو گئے۔ ادھر یہ صورت حالات تھی۔ ادھر وہ رنگ تھا۔ کہ عامی سے لے کر صحابہ کرامؓ تک شہر سے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے۔

عثمانی عمال کی معزولی | ایک نازک مسئلہ ابھی حل طلب تھا۔ کہ دوسرا سیاسی معاملہ سامنے آ گیا۔ اور وہ یہ کہ ۳۶ھ میں حضرت علیؑ نے امیر معاویہؓ اور

عہد عثمانیؓ کے دوسرے عالموں اور والیوں کی معزولی کا فرمان نافذ کر دیا۔ یہ خبر پاتے ہی حضرت علیؑ کے ایک قریبی رشتہ دار اور مشہور مدبر و ماہر سیاسیات حضرت مغیرہؓ بن شعبہؓ نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ عالمین دور عثمانی کو معزول کرنے میں عجلت سے کام نہ لیجئے۔ بہتر یہ ہے۔ کہ اب بھی ان لوگوں کی معزولی کا فرمان واپس لے لیجئے۔ پہلے ان سے بیعت لیجئے۔ پھر جب وہ آپ کی خلافت تسلیم کریں۔ تو جو جی میں آئے کیجئے۔ لیکن حضرت علیؑ نے ان کی ایک پینہ سنی۔ اور تجویز کے ماننے سے بڑی سختی کے ساتھ انکار کیا۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو اطلاع ہوئی۔ تو انھوں نے بھی یہی رائے دی۔ کہ عثمانی عمال کو بحال رکھئے۔ حتیٰ کہ آپ کی خلافت مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے۔ لیکن اگر آپ نے ان حکام کی معزولی میں ملدہ کی۔ تو بنی امیہ قاتلین عثمانؓ سے طلب قصاص کی آرٹے کر آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور قصر خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے پر تیل جائیں گے۔ مگر حضرت علیؑ نے ان کا بھی مشورہ قبول نہ کیا۔ اور اپنے فرمان کے مطابق عثمان بن حنیف کو بصرہ کا، عمارہ بن شہاب کو کوفہ کا۔ عبید اللہ بن عباسؓ کو مین کا، قیس بن سعد کو مصر کا اور سہیل بن حنیف کو شام کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا۔

عثمان بن حنیف کو اہل بصرہ میں سے بعض نے اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ اور بعض خاموش رہے۔ بن شہاب کو راستے ہی میں ابن خویلدؓ نے قتل کی دھمکی دے کر واپس بھیج دیا۔ ابن عباسؓ نے بلا مزاحمت مین کی عنان حکومت ہاتھ میں لے لی۔ اہل مصر میں سے بعض نے ابن سعد کی طاعت قبول کر لی۔ اور بعض نے جواب دیا۔ کہ ہم اپنے بھائیوں کے مدینہ سے یہاں واپس آنے تک کسی قسم کا اقدام نہیں کرنا چاہتے۔ سہیل بن حنیف تو کچھ پہنچے تو بعض سواروں

نے انہیں وہیں سے لوٹا دیا۔

حضرت علیؑ نے ایک قاصد کے ہاتھ بیعت کے لئے امیر معاویہؓ کے پاس خط بھیجا تھا انہوں نے عرصے تک قاصد کو ٹھہرائے رکھا۔ پھر اپنے دو قاصدوں کے ہاتھ ایک سرسبز خط مدینہ روانہ کیا۔ حضرت علیؑ نے لفافہ کھولا۔ تو وہ بالکل خالی نکلا۔ انہوں نے کڑی نگاہ سے قاصد کی طرف دیکھا۔ اس نے امان طلب کرتے ہوئے کہا: "شام میں کوئی شخص آپ کی بیعت پر آمادہ نہ ہوگا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ وہاں کے ساٹھ ہزار شیوخ عثمانؓ کے خون آلود پیراہن پر۔ اور قصاص لینے کا حلف اٹھا چکے ہیں۔ وہ پیراہن اور نائیکہ زوجہ عثمانؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں جامع دمشق کے منبر پر لٹکا دی گئی ہیں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ پر ساری حقیقت منکشف ہو گئی۔ اور فرمایا: "اے اللہ! میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔"

شام پر حملے کی تیاری | اب حضرت علیؑ نے حالات حاضرہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے امیر معاویہؓ کے خلاف شام پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے اکثر صحابہؓ شش و پنج میں پڑ گئے۔ کہ ایک کلمہ گوئی تلوار کیونکر دوسرے کلمہ گو بھائی کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت علیؑ سے اجازت لے کر ادا۔ عمرہ کے لئے مکہ معظمہ چلے گئے۔ اور خلیفہ وقت نے مدینہ میں اعلان کر دیا۔ کہ شام پر چڑھا کرنے کے لئے لوگ ساز و سامان درست کر کے تیار ہو جائیں۔ غرض بہت سے صحابہؓ دور رس تدبیر سے کام لے کر شریک حملہ ہونا پسند نہ کیا۔ اور بعض نے اس جنگ کے لئے اپنے خدمات پیش کر دیں۔

مکہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تیاریاں | ادھر حضرت علیؑ امیر معاویہؓ کے خلاف فوج کے نظم و نسق میں سرگرمی سے مشغول تھے۔

تھے۔ ادھر مکہ سے اطلاع ملی۔ کہ وہاں ان کے خلاف زور شور سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہ سنتے ہی انہوں نے شام پر حملے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اہم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حج کے بعد مدینہ واپس تشریف لا رہی تھیں۔ کہ مقام سرف میں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت ہوئی۔

کا حال معلوم ہوا۔ وہ وہیں سے مکوٹ گئیں۔ اور لوگوں کو حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص اور صلاح فتنہ و فساد کی دعوت دی۔ بہت سے مسلمان ان کے لوٹ آنے کی اطلاع پا کر جمع ہونے لگے۔ انہوں نے اس مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا:-

”خدا کی قسم۔ عثمانؓ مظلوم شہید کئے گئے۔ میں ان کے خون کا بدلہ لوں گی۔ افسوس ہے۔ کہ اطراف و اکناف کے عوام۔ اجانب اور مدینہ کے غلاموں نے مل کر بلوہ کیا۔ اور عثمانؓ کی مخالفت اس لئے کی کہ انہوں نے عثمانؓ حکومت کم سنوں کے ہاتھ میں دے دی۔ حالانکہ ان کے پیش روؤں نے بھی ایسا کیا تھا۔ جب یہ بلوائی اپنے دعوے کے لئے کوئی دلیل پیش نہ کر سکے۔ تو عثمانؓ کی دشمنی پر مستعد اور بد عہدی کو تیار ہو گئے۔ جس خون کو خدا نے حرام کیا تھا۔ اسے پہایا۔ اور جس شہر کو خدا نے اپنے رسولؐ کا دارِ پھرت بنایا تھا۔ وہاں خون ریزی کی۔ جس مہینے میں خون ریزی ممنوع تھی۔ اس مہینے میں خون ریزی کی۔ اور ناجائز طریقے سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا۔ خدا کی قسم عثمانؓ کی ایک انگلی بلوائیوں جیسے تمام جہان سے بڑھ کر ہے۔ جس وجہ سے یہ لوگ عثمانؓ کے دشمن ہوئے تھے۔ عثمانؓ اس سے پاک و صاف ہو چکے تھے۔“

”میں اس لئے واپس آئی ہوں۔ کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دئے گئے۔ اس شور و غوغا اور فتنہ و فساد کی اصلاح اس طرح نہ ہوگی۔ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لے کر اسلام کو معزز کرو۔“

عبداللہ بن عامر حضرمی جو مکہ میں حضرت عثمان غنیؓ کی طرف سے عامل تھے۔ یہ تقریر سن کر جوش و دلولہ سے بول اٹھے۔ ”سب سے پہلے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے والا میں ہوں۔“ یہ سنتے ہی بنی امیہ کے تمام افراد نے جو ابھی مکہ پہنچے تھے۔ اس آواز پر لبیک کہا۔ یعلیٰ بن امیہ نے جو یمن سے آئے تھے۔ چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم یا بروایت دیگر چھ لاکھ دینار نقد پیش کئے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی شامل ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اس لشکر کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔

بصرہ کی طرف روانگی | پہلے مدینہ، پھر شام کی جانب روانہ ہونے کے متعلق گفت و

شنید ہوئی۔ لیکن آخر بصرہ جانے پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ غرض یہ لشکر پوری تیاری کے ساتھ
 مکہ سے روانہ ہوا۔ بروایت طبری "اس روز مسلمان اسلام پر اس قدر روئے کہ پہلے کبھی
 روئے تھے۔ چنانچہ اس دن کا نام ہی "یوم گریہ" پڑ گیا۔ ~~یہاں پر ایک واقعہ پیش آیا کہ~~
 جب یہ قافلہ حوآب کے چشمے پر پہنچا۔ تو کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں
 حضرت عائشہؓ نے دریافت فرمایا۔ "یہ کون سا چشمہ ہے؟" عرض کی گئی کہ "حوآب"۔
 فرمایا۔ "مجھے یہیں سے لوٹا دو"۔ کہا گیا۔ "کس لئے؟" ارشاد ہوا۔ کہ "ایک دفعہ رسول
 صلعم نے بیویوں کی موجودگی میں ارشاد فرمایا۔ "کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم میں سے کس
 کو دیکھ کر حوآب کے کتے بھونکیں گے"۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے اپنے اونٹ کو
 وہیں بٹھالیا۔ لیکن جب چالیس اشخاص نے حلیفہ شہادت دی۔ کہ یہ حوآب کا چشمہ نہیں
 تو وہ وہاں سے آگے بڑھیں۔ ~~یہاں پر ایک واقعہ پیش آیا کہ~~
 جب یہ لشکر بصرہ کے قریب پہنچا۔ تو وہاں کے موجودہ عامل عثمان بن حنیف نے چڑ
 ذی اثر لوگوں کو سفیروں کے طور پر دریافت حال کے لئے بھیجا۔ انھوں نے حاضر ہو کر عام
 بصرہ کی طرف سے تشریف آوری کا سبب دریافت کیا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب میں
 یہ تقریر فرمائی :-

"واللہ میرے ربے کے لوگ اپنا ارادہ نہیں چھپاتے۔ اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے
 کوئی حال پوشیدہ رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ عوام اور فتنہ پرداز لوگوں نے حرم رسولؐ
 (مدینہ) پر حملہ کیا۔ اور اس میں فتنہ و فساد برپا کر کے اور مفسد پروازوں کو پناہ دے کر
 اپنے آپ کو اللہ اور رسولؐ کی لعنت کا سزاوار بنا لیا۔ انھوں نے بلاوجہ اور بے خطا
 امام المسلمینؐ کو شہید کیا۔ معصوم خون بہایا۔ اس مال کو لوٹا جو ان کے لئے حرام تھا۔
 مقدس شہر اور مقدس مہینے کی بے حرمتی کی۔ لوگوں کی آبروریزی کی۔ مسلمانوں کو
 مارا۔ ان کے گھروں میں جبراً داخل ہو گئے۔ جو ان کے رکھنے کے روادار نہ تھے۔
 انھوں نے نقصان پہنچایا۔ مسلمانوں میں نہ ان سے بچنے کی طاقت تھی۔ اور نہ
 وہ ان سے محفوظ ہیں۔ میں مسلمانوں کو لے کر اس لئے نکلی ہوں۔ کہ لوگوں کو بتاؤں

ان سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لاخیر فی کثیر
 من نجواہم الا من امر لصدقۃ او معروفاً او اصلاح بین الناس۔ (لوگوں
 کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں۔ لیکن یہ کہ خیرات اور عام نیکی کا حکم
 دیں۔ اور لوگوں کے درمیان اصلاح کریں) ہم اصلاح کے لئے اٹھے ہیں۔ جس
 کا اللہ اور رسولؐ نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا وہ
 نیک مقصد جس پر تمہیں آمادہ کر رہے ہیں۔ اور جس کی بڑائی سے تمہیں روکنا چاہتے
 ہیں۔

اس کے بعد ان سفیروں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر آنے
 کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے جواب میں فرمایا۔ "ہم عثمانؓ کا بدلہ لینے آئے ہیں۔" عرض کی
 "کیا آپ دونوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی؟" ارشاد ہوا۔ "ہاں ہم نے
 بیعت کی تھی۔ لیکن اس شرط پر کہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ بیعت
 کے وقت تلوار ہمارے سر پر تھی۔" سفیروں نے عثمان بن حنیف کے پاس جا کر من و عن سارا
 حال سنا دیا۔ عثمان بن حنیف نے اتنا لٹہ و اتنا لیدہ راجعون پڑھ کر سفیروں سے دریافت کیا۔
 "تمہارا کیا ارادہ ہے۔ انہوں نے کہا۔ خاموش رہنا بہتر ہے۔ لیکن عثمان بن حنیف نہ مانا۔
 اور بزدل و جبر حضرت عائشہؓ کو روکنا چاہا۔ بعض لوگوں نے اسے مشورہ دیا۔ کہ دیکھو حضرت
 علیؓ کے آنے تک نرمی اور مصالحت اختیار کرو۔ ورنہ تمہاری اس روش سے ایسی بیچ در بیچ
 الجھنیں پیدا ہو جائیں گی۔ کہ سلجھائے نہ سلجھ سکیں گی۔ یہ تجویز عثمان کے بہرے کانوں پر پڑی۔
 اور اسے ٹھکرا کر میدان میں نکل آیا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مقابلے پر صفت آرا ہوئے
 اس وقت حضرت عائشہؓ نے ایک تقریر کے دوران میں فرمایا :-

"لوگ عثمانؓ پر معترض ہوتے اور ان کے عہدہ داروں کی برائیاں بیان کرتے تھے اور
 مدینہ آکر ہم سے شکایتیں بیان کر کے مشورہ چاہتے تھے۔ ہم ان شکایتوں پر غور کرتے۔
 تو عثمانؓ کو نیکو کار، متقی اور راست باز اور شکایت کرنے والوں کو خطا کار، باغی اور
 جھوٹا پاتے تھے۔ ان کے دل میں کچھ تھا۔ زبان پر کچھ۔ جب ان کی تعداد اور طاقت

پڑھ گئی۔ تو وہ بزور عثمان کے گھر میں داخل ہو گئے۔ اور کسی وجہ و عذر کے بغیر معصوم

خون بہایا۔ قابل احترام شہر کی بے حرستی کی۔

”خبردار ہو جاؤ۔ کہ جو کام تمہیں کرنا ہے۔ اور جس کے خلاف کرنا ناسزا ہے۔ وہ عثمان

کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا اجرا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ الذین دالوا نصیباً من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ۔ کیا تم ان لوگوں

کو نہیں دیکھتے جنہیں کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا ہے۔ کہ کتاب اللہ کی جانب انہیں

دعوت دی جاتی ہے۔“

اس تقریر کا ایسا سحرانہ اثر ہوا۔ کہ خود عثمان بن حنیف کی ایک جماعت یہ کہہ کر کہ ام المومنین

سچ فرماتی ہیں۔ اس سے علیحدہ ہو گئی۔ لیکن عثمان ٹس سے مس نہ ہوا۔ اور حضرت علیؑ کے آگے

پہلے ہی جنگ شروع ہو گئی۔ عثمان نے منہ کی کھائی۔ اور گرفتار ہونے کے بعد حضرت عائشہ

صدیقہؓ کے حکم سے رہا کر دیا گیا۔ پھر سبائی اور قاتلین عثمانؓ کی جماعت کے بہت سے آدمی پکڑ

کر تلوار کے گھاٹ اتار دئے گئے۔

۹ امیر المومنین حضرت علیؑ کو ان حالات کی اطلاع

مدینہ سے حضرت علیؑ کی روانگی

تو دل کو سخت صدمہ پہنچا۔ انہوں نے خطبہ پڑھ کر

مدینہ سے امداد طلب کی۔ یہ لوگ عجب ضغطے میں تھے۔ اکابر صحابہؓ اس خانہ جنگی کو ناپسند کر

ہوئے اس میں شریک نہ ہونا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت زیاد بن حنظلہؓ، ابو قتادہؓ، ابو

بدریؓ اور خزیمہ بن ثابتؓ ساتھ دینے کو تیار ہوئے۔ تو اور لوگوں نے بھی آمادگی ظاہر کر دی۔

ربیع الاول اور بروایت دیگر ربیع الآخر ۳۶ھ میں حضرت علیؑ مدینہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے

راتے میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا۔ ”اے امیر المومنین

آپ مدینہ سے تشریف نہ لے جائیے۔ اگر اس وقت یہاں سے چلے گئے۔ تو خدا کی قسم

یہاں لوٹ کر نہ آئیں گے۔ اور مدینہ کی مرکزیت نابود ہو جائے گی۔“ کو فیوں اور بصریوں

گروہ اور عبداللہ بن سبا کی جماعت بھی ان کے ساتھ تھی۔ حضرت علیؑ نے زیدہ پہنچ کر جبکہ

کے تمام احکام جاری کئے۔ محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن جعفرؓ کو کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ انہوں

کوفہ پہنچ کر خلیفہ وقت کا خط حضرت ابو موسیٰ کو دیا۔ اور حضرت علیؑ کے حسب فرمان لوگوں کو شرکت جنگ کی ترغیب دینے لگے۔ لوگوں نے جواب دیا۔ "جنگ کے لئے خروج کرنا دنیا کا اور بیٹھ رہنا آخرت کا راستہ ہے۔" یہ سن کر محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن جعفرؓ برافروختہ ہو گئے اور حضرت ابو موسیٰؓ سے سخت برتاؤ کیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ بولے۔ "حضرت عثمان غنیؓ کا طوق بیعت میری اور علیؓ دونوں کی گردن میں ہے۔ اگر جنگ کرنا ضروری ہے۔ تو قاتلین عثمانؓ کے جہاں کہیں وہ ہوں۔ جنگ کرنی چاہئے۔" یہ دونوں صاحب اس جواب سے ناامید ہو کر کوفہ سے چل دئے۔ اور ذی وقار پہنچ کر امیر المومنینؓ کے سامنے یہ سارا واقعہ بیان کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اشتر اور ابن عباسؓ کو کوفہ روانہ کیا۔ لیکن وہ بھی حضرت ابو موسیٰؓ پر کچھ اثر نہ ڈال سکے۔ ان کی واپسی پر اپنے صاحبزادہ حضرت امام حسنؓ اور عمار بن یاسرؓ کو کوفہ بھیجا۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر دیکھا۔ کہ حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ ایک تقریر کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ "لوگو! میری بات مانو۔ تم عرب کی اصل و اساس بن جاؤ۔ کہ مظلوموں کو تم سے سہارا ملے۔ اور ڈرے ہوئے تمھاری امان میں آجائیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔

"بہت جلد ایک فتنہ پیا ہونے والا ہے۔ اس میں بیٹھا ہوا شخص کھڑا ہونے والے سے۔ کھڑا ہوا پیادہ چلنے والے سے اور پیادہ چلنے والا سوار سے بہتر ہوگا۔ تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ ان کا خون اور مال حرام ہے۔"

اس کے بعد عمار بن یاسرؓ نے کہا۔ "لوگو! حضرت علیؓ نے تمھیں حق دیکھنے کی دعوت دی ہے۔ چلو ان کے دوش بدوش ہو کر جنگ کرو۔" پھر حضرت امام حسنؓ نے فرمایا۔ "لوگو! ہماری دعوت منظور کرو، ہماری اطاعت کرو۔ اور جس مصیبت نے تم اور ہم سب کو گھیر رکھا ہے۔ اس میں ہماری امداد کرو۔ امیر المومنینؓ فرماتے ہیں۔ "اگر ہم مظلوم ہیں۔ تو ہماری مدد کرو۔ ظالم ہیں۔ تو ہم سے حق لو۔" اس تقریر نے سننے والوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ اور حضرت امام حسنؓ، عمار بن یاسرؓ اور مالک اشترؓ ۹ ہزار کی جماعت لے کر روانہ ہوئے

دوسرے دن حضرت علیؓ نے کوفہ کے

حضرت عائشہؓ سے سعی مصالحت

ایک بزرگ حضرت قعقاع بن عمروؓ صحابی

کو جو ایک زبردست لسانِ مدبر، بارسوخ اور رسول اللہ کے فیضِ محبت سے مشرف تھے حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس مصالحت کی گفتگو کے لئے بصرہ کی طرف روانہ کیا۔ حضرت قعقاعؓ نے بصرہ پہنچ کر ان بزرگوں سے ملاقات کی۔ اور حضرت ام المومنینؓ کی خدمت میں عرض کی۔ "آپ کیا چاہتی ہیں۔ اور کس ارادے سے یہاں تشریف لائی ہیں؟" آپ نے فرمایا۔ "بیٹا! میرا مقصد صرف مسلمانوں کی اصلاح اور انھیں پابندِ قرآن بنانا ہے۔" پھر حضرت قعقاعؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے بھی یہی سوال کیا۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ کی طرح جواب دیا۔ حضرت قعقاعؓ نے کہا۔ "پھر فرمائیے۔ کس طریق سے اصلاح کی جائے؟" حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے کہا۔ "قاتلین عثمانؓ سے قصاص لے کر۔ قصاص کا چھوڑ دینا قرآن کا چھوڑ دینا اور اسے لینا قرآن کا زندہ کرنا ہے۔" حضرت قعقاعؓ نے جواب میں گزارش کی۔ "قصاص اس طرح کہاں لیا جاتا ہے۔ پہلے امامت و خلافت قائم و مستحکم ہونی چاہئے۔ تاکہ اس کی فضا پیدا ہو۔ پھر البتہ قصاص آسانی سے لیا جاسکتا ہے ورنہ موجودہ صورت حالات میں ہر شخص قصاص لینے کا مجاز کہاں ہو سکتا ہے۔ دیکھئے آپ نے بہت سے اہل بصرہ کو قصاص عثمانؓ میں قتل کر دیا۔ جس کے نتیجے میں ۶ ہزار بصری آپ سے غلجہ ہو گئے۔ پھر جب آپ نے حرقوس بن زبیر کو پکڑنا چاہا۔ تو یہی ۶ ہزار آدمی آپ کے راستے میں حائل ہو کر لڑنے مرنے پر تمل گئے۔ اور آپ نے مصلحتاً اس کا تعاقب ترک کر دیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ مصلحتاً رفعِ فساد اور حصولِ طاقت کے انتظار میں اب تک مجبوراً قصاص لینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ تو آپ کو انتظار کرنا چاہئے تھا۔ آپ کے لئے یہ کہاں جائز تھا کہ خود کھڑے ہو کر اس فتنے کو اور ترقی دیں۔ اس طرح تو فتنہ بڑھتا چلا جائے گا۔ مسلمانوں میں ہولناک اور تاسف خیز خانہ جنگی ہوگی۔ اور قاتلین عثمانؓ قصاص سے بچے رہیں گے۔ بزرگانِ امن! اس وقت سب سے بڑی اصلاح یہی ہے، کہ باہم صلح کر لیں۔ آپ حضرات خیر و صلح کی کنجی اور ہدایت کے ستارے ہیں۔ خدا کے لئے ہمیں اور اپنے آپ کو شدید ابتلا میں نہ ڈالیں۔ کیونکہ یہ ابتلا دونوں کو تباہ کر دے گا۔ یہ ایک فرد یا چند افراد یا ایک گروہ کے قتل کا مسئلہ نہیں بلکہ ساری امتِ مسلمہ کا مسئلہ ہے۔"

حضرت قنقاعؓ کی یہ تقریر جو دل سے نکلی تھی۔ حضرت ام المومنینؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے دلوں میں گھر کر گئی۔ اور انہوں نے فرمایا: "حضرت علیؓ کے پاس جا کر ان کی بھی رائے لو۔ اگر وہ حقیقتاً مصالحت پر آمادہ ہوں۔ تو مخالفت کی کوئی بات ہی نہیں۔"

حضرت قنقاعؓ نے واپس جا کر حضرت علیؓ کو یہ خوش خبری سنائی۔ آپ سن کر بے حد خوش ہوئے۔ پھر حضرت علیؓ نے ساری فوج کو جمع کر کے ایک نہایت فصیح و ثور تقریر فرمائی۔ اور حکم دیا کہ "کل بصرہ کی جانب کوچ کیا جائے گا۔ لیکن ہمارا یہ اقدام حرب و ضرب کے لئے نہیں۔ بلکہ امن و صلح کے لئے ہے۔ جو لوگ قتل عثمانؓ میں شریک تھے۔ وہ ہمارے ساتھ کوچ نہ کریں۔ بلکہ ہمارے لشکر سے علیحدہ ہو جائیں۔"

اس تقریر اور حکم کا لفظ لفظ عبد اللہ بن سبا کی جماعت پر بم کا گولہ سیانیوں کی سازش

بن کر گرا۔ چنانچہ ان بلوائیوں کے سرخنوں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں مختلف سرداروں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اشتر بولوا۔ طلحہؓ، زبیرؓ اور علیؓ تینوں ہمارے معاملے میں متفق الرائے ہیں۔ ان کا صلح نامہ گویا ہمارے خون کا محضر ہوگا۔ لہذا میری رائے میں ان تینوں کو عثمانؓ کے پاس پہنچا دینا چاہئے۔ تاکہ یہ جھگڑا ہی مٹ جائے مگر اس رائے سے لوگوں نے اتفاق نہ کیا۔ سالم بن فعلبہ نے کہا۔ جب تک صلح نہ ہو۔ ہمیں کسی دور و ماذا اور علامدہ مقام پر چلے جانا چاہئے۔ شریح نے اس رائے پر صاؤ کیا۔ لیکن عبد اللہ بن سبا کہنے لگا۔ کہ یہ رائے صائب نہیں۔ آخر سب کے اصرار سے ابن سبا نے یوں اظہار خیال کیا۔ "بھائیو! ہمارا فائدہ اسی میں ہے۔ کہ ہم سب کے سب حضرت علیؓ کے لشکر میں بے جملے رہیں۔ اور اس سے الگ نہ ہوں۔ اگر وہ ہمیں الگ کر کے نکال بھی دیں۔ تو ان کے لشکر کے آس پاس رہیں۔ زیادہ دور نہ جائیں۔ اور کہ دیں۔ کہ ہم اس لئے آپ کے نزدیک ہنا چاہتے ہیں۔ کہ صلح نامہ مرتب نہ ہونے اور لڑائی چھڑ جانے کی صورت میں بر وقت جنگ میں شامل ہو کر آپ کی قوت بازو میں سکیں۔ ہمیں اپنی تمام طاقتیں اسی بات میں صرف کر دینی چاہئیں۔ کہ صلح نہ ہو۔ اور جنگ کی آگ بھڑک اٹھے۔ اور یہ ہمارے لئے کچھ مشکل نہیں۔ جب ایک وفد فریقین میں لڑائی چھڑ گئی۔ تو ہم ہر قسم کے خطرے سے محفوظ

ہو جائیں گے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔

اگلے روز حضرت علیؑ نے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔ بلوایوں کی فوج کا ایک حصہ لشکر میں بلا جلا اور ایک علیؑ ہو کر قریب قریب رہا۔ بصرہ کے نزدیک پہنچ کر قصر عبید اللہ کے میدان میں حضرت علیؑ کے لشکر نے ڈیرے ڈال دئے۔ اُدھر سے حضرت ام المومنینؑ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اپنا لشکر لے کر اسی میدان میں خیمہ زن ہوئے۔ تین دن تک دونوں فوجیں آمنے سامنے بے نقل و حرکت پڑی رہیں۔ اس اثنا میں حضرت زبیرؓ کے بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا، ہمیں جنگ کی طرح ڈال دینی چاہئے۔ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا: "قعقاع بن عمروؓ کی وساطت سے مصالحت کی گفت و شنید ہو رہی ہے۔ ہمیں اس کے خوشگوار نتیجے کا انتظار کرنا چاہئے۔ گفتگوئے صلح کے دوران میں اقدام جنگ کرنا کسی طرح جائز نہیں۔" ایک اور شخص نے حضرت طلحہؓ کو بھی اسی قسم کا امن شکن مشورہ دیا۔ مگر آپ نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔

حضرت علیؑ کی فوج کے بعض آدمیوں نے بھی جنگ چھیڑ دینے کی اجازت مانگی۔ مگر آپ نے فرمایا: "ہمارا دتیرہ یہ ہونا چاہئے۔ کہ اصلاح کی غرض سے آتش جنگ فرو کر دیں۔ شاید جنگ ختم ہو کر شیرازہ اترت کے یک جا ہو جانے کی سعادت ہمارے ہی حصے میں آجائے۔" اس کے بعد ایک شخص نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا کہ "آپ کس غرض سے بصرہ تشریف لائے ہیں فرمایا "رفع فساد اور مسلمانوں میں صلح کرنے کے لئے۔" وہ بولا: "آپ کے حریف صلح کی طرف مائل نہ ہوں۔ تو پھر آپ کا طریق عمل کیا ہوگا؟" ارشاد ہوا: "انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔" عرض کی: "اگر انہوں نے آپ کو نہ چھوڑا۔ تو پھر؟" فرمایا: "پھر ہم مدافعت کا رروائی کریں گے۔" ایک اور شخص بولا: "طلحہؓ اور زبیرؓ کا قول ہے۔ کہ ان کا خون رضائے الہی کے حصول کے لئے ہے۔ کیا آپ کے خیال میں ان کے پاس عثمانؓ کا قصاص لینے کے لئے کوئی دلیل ہے؟" ارشاد ہوا: "بے شک۔" کہا: "آپ کے پاس اس امر کے لئے کیا حجت ہے۔ کہ آپ نے عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے میں دیر کی؟" فرمایا: "یہ کہ جب شک و شبہ کے باعث حقیقت کا کچھ پتہ نہ چلے۔ تو احتیاط لازم ہے۔ عجلت زیبا نہیں۔" وہ بولا: "اگر

کل ہمارے اور ان کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہو جائے۔ تو فریقین کا کیا حال ہوگا؟ ارشاد ہوتا ہے
”طرفین کے مخالفۃً للہ مقتول ہونے والے لوگ جنت میں جائیں گے۔“

ایک دن حضرت علیؑ نے اپنی جماعت کو امن و صلح پر قائم رکھنے کے لئے اس کے سامنے
ایک تقریر کے دوران میں فرمایا۔ ”حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے باب میں ہاتھ اور زبان قابو میں
رکھو۔ آئندہ واقعات کا صبر سے انتظار کرو۔ اور پیش دستی سے باز رہو۔ آج جو کوئی لڑائی کی طرح
ڈالے گا۔ کل خدا کے نزدیک دشمن سمجھا جائے گا۔“

غرض فریقین نے جنگ کے انداد اور امن و صلح کے قیام کے لئے ”مقامِ قوتیں صرف
کر دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حضرت علیؑ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرات طلحہؓ
و زبیرؓ کی خدمت میں اور ان حضرات کی طرف سے حضرت محمد بن طلحہؓ، حضرت علیؑ کی خدمت
میں حاضر ہوئے۔ اور صلح کی شرائط بالاتفاق طے ہو کر قرار پایا۔ کہ کل صبح صلح نامے پر فریقین
کے دستخط ثبت ہو جائیں۔“

صلح نامہ لکھے جانے کی خبر بائیسوں کے خرمین تمشا پر
سبائیسوں کی شورش آرائی

بعلی بن کرگری۔ اب وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گئے
کہ ان کی تمام خوش گوار امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ آخر انہوں نے طویل پخت و پز کے بعد فیصلہ
کیا۔ کہ سپیدہ سحر کی نمود سے قبل ہی اندھیرے میں فریقین پر حملہ کر دیا جائے چنانچہ انہوں
نے ایسا ہی کیا۔ اور دونوں فوجوں میں ایک ہنگامہ رستخیز برپا ہو گیا۔ جنگ کا شور و غوغا سن
کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ خیموں سے باہر نکل آئے۔ اور اس معرکہ آرائی کا سلب دریا
کیا۔ معلوم ہوا۔ کہ حضرت علیؑ کے لشکر نے دفعۃً چڑھائی کر دی۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ
فرمانے لگے۔ ”افسوس علیؑ خونریزی کرانے بغیر چین نہیں لیں گے۔“ اور شور و غوغا سن
کر حضرت علیؑ بھی نیسے سے نکلے۔ اور آغاز حرب و ضرب کی وجہ معلوم کی۔ عبداللہ بن سبا
کے آدمیوں نے جھوٹ کہہ دیا۔ کہ ”طلحہؓ اور زبیرؓ نے ہماری فوج پر بے خبری میں دھاوا بول
دیا۔ اس لئے مجبوراً ہمیں بھی راجعت کرنی پڑی۔“ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ افسوس طلحہؓ
اور زبیرؓ خونریزی کرانے بغیر چین نہیں لیں گے۔“ غرض فریقین میں گھسان کی جنگ ہونے

گئی۔ اور طرفین کے کمان داروں نے ایک دوسرے کو مجرم سمجھا۔ حالانکہ اصل حقیقت سے دونوں بے خبر تھے۔ پھر بھی دونوں لشکروں میں اس مضمون کی منادی کرادی گئی کہ "اس مقابلے میں کوئی شخص کسی فراری کا ہچیمانہ کرے۔ کسی مجروح سے نبرد آزمانہ ہو۔ اور کسی کا سامان نہ چھینے۔" ایک ہی مضمون کی اس منادی سے یہ حقیقت بے نقاب ہوتی ہے۔ کہ فریقین کے دل صاف تھے۔ کسی کو کسی سے کوئی عناد نہ تھا۔ اور طرفین اس جنگ کو سخت ناگوار سمجھ رہے تھے۔

جنگ کے شعلے پوری قوت سے بھڑک رہے تھے۔ کہ

حضرت زبیرؓ کی شہادت

حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو دیکھ لیا۔ اور اسی وقت

فرمانے لگے۔ "ابو عبد اللہ! کیا تمہیں وہ دن یاد ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے تم سے فرمایا تھا۔ "تم علیؓ سے ناخون لڑو گے۔" حضرت زبیرؓ نے جواب میں فرمایا۔ "ہاں مجھے یاد آگیا اگر آپ میری روانگی سے پہلے مجھے یہی بات یاد دلا دیتے۔ تو میں مدینہ سے روانہ ہی نہ ہوتا۔ اب خدا کی قسم۔ میں تم سے ہرگز جنگ نہیں کروں گا۔"

اس کے بعد حضرت زبیرؓ نے اپنے صاحب زادہ عبد اللہ سے فرمایا۔ "اس جنگ کے حق و باطل سے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ علیؓ نے مجھے ایک ایسی بات یاد دلوائی ہے جو مجھے بھولی ہوئی تھی۔ اس لئے اب میں ان سے برسرِ پیکار ہونا پسند نہیں کروں گا۔ میں واپس جا رہا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔" انہوں نے واپس چلنے پر رضامندی کا اظہار نہ کیا۔ اس لئے حضرت زبیرؓ تہا لوط گئے۔ ابھی میدانِ جنگ سے نکلے ہی تھے۔ کہ ایک سبائی عمرو بن جرموز کوئی مسئلہ پوچھنے کے بہانے سے ان کے ساتھ ہو لیا۔ وادیِ سباع میں ادا نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور جب سجدے میں گئے۔ تو ابن جرموز نے ایک ہی وار انہیں شہید کر دیا۔ وہ خوش خوش حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اذنِ باریابی طلب کیا۔ حاضر خدمت ہونے کے بعد اس نے حضرت زبیرؓ کا سر، تلوار، زره اور گھوڑا پیش کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ابن صفیر کے قاتل! تجھے جہنم کی بشارت ہو۔ حضرت زبیرؓ کی تلوار دیکھ کر وہ ابدیدہ ہو گئے۔ اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ "ظالم

یہ اس شخص کی تلوار ہے۔ جس نے اس کے ذریعے سے مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا اور محفوظ کیا ہے۔ یہ سن کر ابی جرموز کہنے لگا۔ مجھے اپنی جان نشاری کا خوب صلہ مل رہا ہے۔ پھر حضرت علیؓ سے دو پود گستاخانہ کلمات کہہ کر تلوار سے خودکشی کر لی۔ اور اس طرح دوزخ کا ایندھن بنا۔

حضرت طلحہؓ کی شہادت | حضرت زبیرؓ کو جنگ سے دست بردار ہوتے دیکھ کر حضرت طلحہؓ نے بھی حضرت علیؓ کے مقابلے میں معرکہ آرا ہونا پسند

نہ کیا۔ چنانچہ وہ لشکر سے علیحدہ ہو کر بھی ترک مجاہدہ پر غور ہی کر رہے تھے۔ کہ مروان بن حکم نے شناخت کے خوف سے چادر کے ساتھ چہرہ چھپا کر حضرت طلحہؓ پر ایک ایسا زہرا لود تیر جوڑ کر مارا۔ کہ وہ اس مہلک وار سے جانبر نہ ہو سکے۔ حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی۔ تو انھوں نے سخت افسوس کیا۔ اور دعا کے بعد دیر تک ان کی تعریف کرتے رہے۔

حضرت کعبؓ، حضرت عائشہؓ کو مشورہ دے کر آپ کے اونٹ کی مہار پکڑتے ہوئے اس میدان جنگ میں لائے۔ کہ شاید صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔ حضرت عائشہؓ نے جب دیکھا۔ کہ گھسان کارن پڑ رہا ہے۔ تو حضرت کعبؓ نے فرمایا۔ اونٹ کی مہار چھوڑ کر قرآن کریم کو بلند کرتے ہوئے آگے بڑھو۔ اور لوگوں سے کہو۔ ہم قرآن حکیم کے فیصلے کے آگے تسلیم خم کر رہے ہیں۔ تم بھی اس کا فیصلہ مان لو۔ حضرت کعبؓ نے تعمیل ارشاد کی۔ اور سبائیوں نے یکایک تیروں کا میدان ہر ساکرا نہیں شہید کر دیا۔

حضرت عائشہؓ کا اونٹ اور لاشوں کے انبار | حضرت طلحہؓ کی شہادت سے اہل بصرہ کا جوش جان بازی اور

بھی ترقی کر گیا۔ اور وہ اونٹ کی حفاظت کے لئے پروانوں کی طرح ٹوٹ کر گرے۔ ناقہ کی مہار پکڑنا گویا دارورین سے کھیلنا تھا۔ چنانچہ جاں نثار یکے بعد دیگرے اونٹ کی مہار پکڑتے جاتے اور (مخبر) ہو کر جاتے تھے۔ حضرت علیؓ نے جنگ جوڑوں کو حکم دیا۔ کہ اس ناقہ کو کسی نہ کسی طرح مار گراؤ۔ کیونکہ جنگ کا خاتمہ اس کے گرنے پر منحصر ہے۔ اس پر امین بن ضبید نے ناقہ کے پاؤں میں تلوار ماری۔ اور وہ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ اہل جبل منتشر

ہو گئے۔ اور حضرت علیؑ کی فوج نے تاقے کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

اس کے بعد حضرت علیؑ نے اعلان کر دیا۔ کہ ہتھیار ڈالنے یا گھر کا دروازہ بند کرنے والا امن و امان میں ہے۔ کسی کا تعاقب نہ کیا جائے۔ کسی کے مال کو متاعِ ظہیمت سمجھ کر اس پر دست درازی نہ کی جائے۔ حضرت علیؑ کی فوج نے اس حکم کی تعمیل کی۔

حضرت علیؑ کی حاضری حضرت ام المومنینؑ کی خدمت میں

ابن ابی بکرؓ کو حکم دیا۔ کہ جاؤ اپنی بہن کی حفاظت کرو۔ انہیں کسی قسم کا چشم زخم نہ پہنچنے پلے پھروہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور استسراج کے بعد کہا۔ "اللہ تعالیٰ آپ کی ہر غلطی پر خطِ عفو کھینچ دے" حضرت ام المومنینؑ نے جواب میں فرمایا۔ "غفور الرحیم تمہاری ہر غلطی کو بھی معاف کرے"۔

اس جنگِ جمل میں حضرت ام المومنینؑ کے تیس ہزار لشکریوں میں سے ۹ ہزار اور حضرت علیؑ کے بیس ہزار کی فوج میں سے ایک ہزار ستر آدمی کام آئے۔ یہ لڑائی مصالحت اور صاف دلی کی گفتگو پر ختم ہوئی۔ اور یکم رجب ۳۶ھ کو حضرت علیؑ نے حضرت عائشہؓ کو حضرت محمدؐ بن ابی بکرؓ اور امراء بصرہ کی چالیس خواتین کے ہمراہ بصرہ سے روانہ کیا۔ چنانچہ کوس تک خود بھی رخصت کرنے آئے۔ پھر اپنے دونوں صاحب زادوں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو بھیجا۔ اور حضرت عائشہؓ کو معظہ تشریف لے گئیں۔ وہاں ذی الحجہ تک رہ کر اوائے حج کے بعد محرم ۳۶ھ میں عازم مدینہ منورہ ہوئیں۔

جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؑ کے سامنے اولین اور اہم ترین

دار الخلافہ کی تبدیلی کا کام یہ تھا۔ کہ شام کو زیر نگین کر کے حضرت امیر معاویہؓ سے بیعت لی جائے۔ چنانچہ آپ نے اس مدعا کے حصول کے لئے مدینہ کے بجائے کوفہ کو دار الخلافہ بنانا مناسب سمجھا۔ مرکزِ خلافت کی یہ تبدیلی اس لئے بھی ضروری تھی۔ کہ حضرت علیؑ کی فوج میں عظیم ترین طاقت اہل کوفہ کی تھی۔ اور کوفہ مدینہ کی نسبت دمشق سے قریب تر تھا۔ چنانچہ امیر المومنینؑ بصرہ کی عنانِ حکومت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سپرد کر کے خود مدینہ

عازم کوفہ ہوئے۔

قیام کوفہ کے بعد حضرت علیؑ نے نظم و نسق خلافت میں ایک نئی تبدیلی کر دی۔ اور اس نظام نو کے ماتحت سہلؑ بن حنیف کو مدینہ کی سرداری عطا کی۔ قیسؑ بن سعد کو مصر اور یزیدؑ بن قیس ارجی کو مدائن کا حاکم بنایا۔ اشعثؑ بن قیس کو بدستور اذربائیجان کے علاقے پر برقرار رکھا۔ عمرؑ بن ابی سلمہ کو بحرین۔ مصقلہؑ بن ہبیرہ کو اردشیر خزرہ۔ منذر بن جبار کو اصرطہ۔ زیاد بن ابیہ کو فارس۔ قدامہؑ بن عجلان کو کسکر۔ عدیؑ بن حاتم کو بہرہ شیر۔ ربیعؑ بن کاس کو سیستان۔ خلیدؑ بن کاس کو خراسان۔ اشتر نخعی کو موصل۔ نصیبین۔ دار البجرد۔ سنجار۔ آمد۔ میافارقین۔ بیت عانات اور شام کے علاقوں کا نظام حکومت تفویض کیا۔

اس کے بعد حضرت علیؑ نے
حضرت امیر معاویہؓ کو بیعت کی دعوت
جریر بن عبد اللہ کو حسب قبل مضمون

کا ایک خط دے کر حضرت امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا۔

”ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں نے میری بیعت کر لی ہے۔ اب کسی کے لئے بیعت و عمل کی گنجائش نہیں۔ خلیفہ کے انتخاب کا حق ہاجرین اور انصار کو ہے۔ ان کے انتخاب کے بعد جو شخص بیعت سے پہلو تہی کرے گا۔ اس سے بالجز بیعت لی جائے گی۔ ہاجرین اور انصار کی طرح تم بھی بیعت کر لو۔ خیر و فلاح اسی میں ہے۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ قاتلین عثمانؓ کو حیلہ قرار دے کر بہت کچھ کر چکے بیعت کے بعد باقاعدہ مقدمہ پیش کرو۔ میں کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا فیصلہ کروں گا۔“

حضرت امیر معاویہؓ نے خط وصول کر کے عمرو بن العاصؓ سے جن کے مدبر و سیاست کا عرب کے گوشے گوشے میں طوطی بول رہا تھا۔ مشورہ کیا۔ عمروؓ نے کہا۔ اگر مصر کی عنان حکومت میرے ہاتھ میں دے دو۔ تو میں تمہاری کامیابی کے لئے ہر ممکن امداد کرنے کو تیار ہوں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے یہ سوچ کر کہ ان کی امداد ہر قیمت میں سستی ہے۔ انہیں مصر کی ولایت پر مانور کرنے کی تحریر دے دی۔

شام میں حضرت علیؑ کی مخالفت کے شعلے | عمرو بن العاصؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو یہ مشورہ دیا کہ

کسی نہایت معقول وجہ کے بغیر حضرت علیؑ جیسی جلیل المنزلت ہستی کے خلاف آواز بلند کرتا آگ سے کھیلنا ہے۔ اس لئے شام کی سب سے زیادہ بارسوخ و ہردلعزیز شخصیت شرجیل بن سمط کنڈی کا دل مٹھی میں لو۔ اور یہ بات ان کے ذہن نشین کر دو۔ کہ عثمانؓ کے قتل میں علیؑ بھی شریک تھے۔ اس طرح شرجیل کے ذریعے سے علیؑ کی مخالفت کے شعلے شام کے اطراف و اکناف میں پوری تیزی سے بھڑک اٹھیں گے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اس مشورے کو نہایت خوبی سے لباسِ عمل پہنایا۔ اور شرجیل نے سارے شام کا دورہ کر کے وہاں کے سربراہ اور وہ لوگوں سے کہا۔ علیؑ نے عثمانؓ کو قتل کرا کے سارے ملک کو زیرِ نگیں کر لیا ہے۔ صرف تمہاری ولایت باقی رہ گئی ہے۔ اس پر قبضہ کرنے کے لئے بھی وہ پوری تیاری سے آئیں گے۔ معاویہؓ کے سوا ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ لہذا عثمانؓ مظلوم کے خون کا بدلہ لینے کے لئے معاویہؓ کی حمایت کرو۔ پروپیگنڈے کے ان جملوں کا لفظ لفظ گویا جادو کی چھڑی تھا۔ کہ ادھر یہ کلمات شرجیل کے منہ سے نکلے اور ادھر سر زمین شام کا ذرہ ذرہ حضرت امیر معاویہؓ کی حمایت میں حضرت علیؑ کے خون کا پیاسا ہو گیا۔

جوشِ انتقام کی شراب کو دو آتشہ کرنے کے لئے حضرت امیر معاویہؓ نے شامی فوجوں کو دمشق میں طلب کیا۔ اور انھیں حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیراہن اور آپ کی زوجہ حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دکھائیں۔ یہ درد انگیز منظر دیکھ کر فوجیوں اور شہریوں سب کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ اور لوگوں نے قسمیں کھائیں۔ کہ "جب تک ہم عثمانؓ مظلوم کا قصاص نہ لے لیں گے۔ چار پائی پر نہ سوئیں گے۔"

حضرت علیؑ کے قاصد جریر بن عبد اللہ جو ابھی تک واپس نہیں گئے تھے۔ ان تمام حالات سے مطلع ہو کر لوٹے۔ اور حضرت علیؑ سے جا کر کہا۔ "سارا شام معاویہؓ کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ لوگ عثمانؓ کا خون آلود پیراہن اور آپ کی بیوی حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں

کر رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں۔ کہ ”عثمانؓ کے قتل میں علیؓ کا ہاتھ ہے۔ اور قاتلوں کو انہوں
 سے پناہ دی ہے۔ ہم حلف اٹھاتے ہیں۔ کہ جب تک خون کا بدلہ نہ لے لیں گے۔ چین سے
 بیٹھیں گے۔“

جریر سے حالات کی اطلاع پا کر حضرت علیؓ
 کے لئے حرب و ضرب کے آتشیں سمندر میں

تیار کی تیاری اور سعی مصالحت

بانا ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ اس کی تیاریاں شروع کر دیں۔

صلح گوش امین پسند اور ہمدرد ملت مسلمانوں نے فرزند ابن توحید کی باہمی خانہ جنگی کے
 کئے کی تدبیریں کیں۔ چنانچہ اس ضمن میں شام کے ایک مشفق بزرگ ابو مسلم خولانی چند افراد
 معیت میں حضرت امیر معاویہؓ کے پاس گئے۔ اور ان سے کہا۔ ”علیؓ بن ابی طالب سے
 قابیلے کی کیوں ٹھانی ہے۔ تم کس بنا پر ان کی برابری کا دعویٰ کرتے ہو؟“ حضرت امیر معاویہؓ
 نے جواب دیا۔ ”میں فضیلت میں ان کا تہ مقابل ہونے کا تہ دعویٰ نہیں۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ
 مانہٗ مظلوم شہید کئے گئے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں۔ کہ قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے
 ان سے بیعت خلافت کر لیں گے۔“ ابو مسلم نے کہا۔ ”اچھا تو اس مضمون کی ایک تحریر لے
 میں اسے علیؓ کے پاس لے جاؤں گا۔“ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے یہ خط تحریر کیا۔

”اما بعد خلیفہ عثمانؓ تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل کئے گئے۔ تم برابر شور و

غوغا سنتے رہے۔ اور اپنے قول و فعل سے منع نہ کیا۔ میں حلفیہ کہتا ہوں۔ کہ اگر تم نے

صدق و خلوص سے مدافعت کی ہوتی۔ تو ہم میں کا کوئی فرد تمہارے خلاف نہ ہوتا۔ تم

پر دوسرا الزام یہ ہے۔ کہ تم نے عثمانؓ کے قاتلوں کو پناہ دی۔ اور وہ اس وقت تمہارے

دست راست ہیں۔ ہمیں یہ بھی اطلاع پہنچی ہے۔ کہ تم خون عثمانؓ سے بری الذمہ

ہونے کا اظہار کرتے ہو۔ اگر تم راستی پر ہو۔ تو قاتلوں کو قصاص کی غرض سے ہمارے

حوالے کر دو۔ ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لئے تیار ہیں۔ اگر یہ منظور نہیں۔

تو ہمارا تمہارا فیصلہ صرف تلوار کرے گی۔ واللہ ہم لوگ دنیا کے کونے کونے سے

عثمانؓ کے قاتلوں کو ڈھونڈ کر تہ تیغ کریں گے۔ یا خود نذیر اجل ہو جائیں گے۔“

ابو مسلم یہ خط لے کر حضرت علیؑ کی خدمت میں کو فہ پہنچے۔ اور خود بھی زبانی عرض کی۔ کہ "ابو ہمارے امیر ہیں، خلیفہ ہیں۔ عثمانؓ منظلوم و شہید کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیجئے۔ ہم آپ کے دست و بازو ہوں گے۔ اور کوئی شخص آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔"

حضرت علیؑ نے ابو مسلم سے کہا۔ "اچھا۔ آج کا دن ٹھہر جائیے۔ کل مفصل جواب دوں گا۔"

اگلے دن ابو مسلم نے جامع کو فہ میں یہ نظارہ دیکھا۔ کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرہ لگا رہے ہیں۔ "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔" حضرت علیؑ نے فرمایا۔ "انتہائی جدوجہد کے باوجود میں اس گتھی کو سلجھا سکتا ہوں۔ اصل میں بات یہ ہے۔ کہ قاتلوں کی سپردگی میرے بس ہی نہیں تھی۔" اور حضرت امیر معاویہؓ کے خط کا یہ جواب لکھا۔

"عثمانؓ کے قتل سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ میں نے کسی کو ان کے خلاف برا نگیختہ نہیں کیا۔ ہاں جب معاملہ حد سے زیادہ بگڑ گیا۔ تو میں خانہ نشین ہو گیا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم قصاص عثمانؓ کی آڑ میں مطلب برآری کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم اس مفسدہ پر دازی سے باز نہ آؤ گے۔ تو تمہارے ساتھ باغیوں کا سا سلوک کیا جائے گا۔"

اور عمرو بن العاص کو تحریر کیا۔

"دنیا کسی کام نہ آئے گی۔ یہ طریق عمل چھوڑ دو۔ معاویہؓ کی غلطی میں ان کی پشت پناہ بن کر اپنے نامہ اعمال کو داغ نہ لگاؤ۔"

حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؑ کا میدان جنگ میں نکلنا

یہ مراسلہ نگاری کے نتیجے میں ثابت ہوئی۔ اور چار و ناچار حضرت علیؑ کو میدان جنگ میں نکلنا پڑا۔ چنانچہ آپ کو فہ میں حضرت ابو مسعود انصاریؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے اسی ہزار مجاہدین کے ساتھ شام کی طرف بڑے اور رقبہ کے قریب دریائے فرات کو عبور کیا۔ تو زیاد، شریح، معقل وغیرہ سرداروں کا لشکر جمع ہو گیا۔ حضرت امیر معاویہؓ کو اطلاع ہوئی۔ تو انھوں نے ابوالاعور سہلی کے زیر قیادت فوج ایک دستہ مقدمتہ الجیش کے طور پر روانہ کیا۔ آخر دونوں لشکر آمنے سامنے خیمہ زن ہوئے۔ فریقین میں متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ آخر حضرت علیؑ اور حضرت امیر معاویہؓ دونوں

اس نفیس اپنا اپنا لشکر لئے پہنچ گئے۔ حضرت علیؑ نے اشتر کو فرات کے پانی پر قبضہ کرنے لئے روانہ کیا۔ لیکن اس نے وہاں پہنچتے ہی دیکھا کہ حضرت امیر معاویہؓ نے پہلے پانی پر جھار کھا ہے۔ اس پر حضرت علیؑ نے صعصعہ بن صوحان کو یہ پیغام دے کر حضرت امیر معاویہؓ پاس بھیجا۔ کہ اپنے ہمراہیوں کو حکم دو۔ وہ ہمیں پانی لینے سے نہ روکیں۔ حتیٰ کہ زیر نزع امور مفید ہو جائے۔ لیکن یہ گتھی بہ آسانی حل نہ ہوئی۔ طرفین سے تیروں اور تلواروں کی بارشوں نے لگی۔ اور کسی قدر خونریزی کے بعد آخر حضرت عمرو بن العاص کے سمجھانے پر حضرت امیر معاویہؓ اعلان کر دیا کہ حریت کو پانی لینے سے منع نہ کیا جائے۔ جب کہیں جا کر یہ شعلہ افروز آگ لگی ہوئی۔

اس کے دوران میں صلح کی کوشش | اس کے بعد دو دن تک دونوں فوجیں امن و سکون کے ساتھ ایک دوسری

مقابل پڑی رہیں۔ حضرت علیؑ ۹۰ ہزار فوج کے اور حضرت امیر معاویہؓ ۸۰ ہزار فوج کے براعظم تھے۔ تیسرے دن یکم ذی الحجہ ۳۹ھ کو حضرت علیؑ نے چند مقتدر اور ذی اثر حضرات کو وفد حضرت امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ انھیں قبول اطاعت پر رضامند کریں۔ لیکن سے کوئی مفید نتیجہ رونما نہ ہوا۔ بلکہ حالات نے بدتر صورت اختیار کر لی۔ اور جنگ کا زہو گیا۔

ربیعہ صفین کا پہلا حصہ | پہلے جنگ مبارزہ جاری ہوئی۔ طرفین سے ایک ایک آدمی میدان میں نکل کر نبرد آدائی کے جوہر دکھاتا۔ اور

کا لشکر اپنی اپنی جگہ تماشاً دیکھتا۔ یہ سلسلہ ایک مہینے تک جاری رہا۔ جسے محاربہ صفین کا حصہ کہا جاسکتا ہے۔ محرم کے شروع ہوتے ہی لڑائی بند کر دی گئی۔ اور اس وقفہ التوا ایک ماہ تک طول کھینچا۔ اس دوران میں صلح کی گفت و شنید پھر جاری کر دی گئی۔ لیکن جماعت نے اس ایک مقصد کے حصول کے لئے تمام قوتیں صرف کر دیں۔ کہ طرفین محبت و رعایت کے بجائے دشمنی اور نفرت کا جذبہ تیز ہو جائے۔ چنانچہ یہ غدار اور مدہ پرداز گروہ اپنی لکڑیوں میں کامیاب ہو گیا۔ اور مصالحت کی ساری جدوجہد

نقش برآب ثابت ہوئی۔

محاربہ صفین کا ایک ہفتہ

محرم ۳۷ھ کی آخری تاریخ کو حضرت علیؑ نے اعلان عام کر کے کل یکم صفر سے فیصلہ کن جنگ کا آغاز ہو گا۔ لیکن اس

فرمان کو لوح دل پر نقش کر لو۔ کہ نہ تو بھاگنے والوں کا پھپھا کیا جائے، اور نہ انھیں تلوار کے گھاٹا اتارا جائے۔ مجروحین کے مال پر قبضہ نہ کیا جائے۔ کسی لاش کے اعضا نہ کاٹے جائیں۔

کو کسی حالت میں بھی نہ ستایا جائے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اپنے لشکر میں اسی قسم کا حکم جاری کر دیا۔ اور یکم صفر کا آفتاب آتشیں شاعوں سے تیغ و سنان کا مینہ برساتا ہوا طلوع ہوا

سات دن تک آتش و خون کی موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ لیکن طرفین کی صفیں ایک دوسرے کی ٹکر کے نامی گرامی بہادروں سے آراستہ ہونے کے باعث فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا۔

اس خونیں ہفتے میں لہو کی ندیاں پوری تیزی کے ساتھ بہ جانے کے

آخری دو دن

قلزم آشام دیو جنگ کی پیاس نہ بھی۔ اور ۸ صفر ۳۷ھ پنجشنبہ کو کل گونچنے

تو حید اپنے اپنے لشکر سے تکبیر کے فلک شگاف نعرے بلند کرتے ہوئے آخری اور فیصلہ کن

جنگ کی زبردست تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ حضرت علیؑ نے اپنے پورے لشکر کو

کے ساتھ اہل شام پر دھاوا بول دیا۔ اُدھر سے حضرت امیر معاویہؓ نے بھی ترکی بہ ترکی جوڑنا

دیا۔ گھسان کارن پڑا۔ عصر تک طرفین سے تلواروں کی بجلیاں کوندتی رہیں۔ کشتوں کے

لگ گئے۔ اور میدان کا زار کا ذرہ ذرہ شفق بدماں ہو گیا۔ پھر کچھ دیر لڑائی کی شدت میں

قدر تخفیف ہو گئی۔ لیکن جب عمار بن یاسرؓ اپنا جانناز دستہ لے کر شامیوں کے قلب میں

داخل ہوئے۔ اور ایک زبردست دبے پناہ حملہ کیا۔ تو جنگ کی سرخ آندھیوں نے پھر

بحرا حمر بنا دیا۔ سورج غروب ہو گیا۔ لیکن شفق کی ارغوانی بوچھاروں نے سر بکفت بہادروں کے

خون میں نہلا دیا۔ عمار بن یاسرؓ شہید ہو گئے۔ اور حضرت علیؑ کو اس اندوہناک خبر سے

صدر ہوا۔ رات کی بھیا تک فضا تلواروں کی چکا چک۔ رجز خوانوں کی بلند آہنگی اور

آزماؤں کی تکبیروں سے گوجنے لگی۔ یہ لیلۃ المحریر کا آخری خونریز معرکہ تھا۔ اسی شب کو

اویس قرنیؓ نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ حرب و ضرب کی خونیں بھرن دن بھر پڑتی

ات کو بھی لہو کا سیلاب امنڈتا رہا۔ لیکن معرکہ کارزار کے گوشے گوشے سے دیو ہلاکت کے دہشت
اک لبوں سے العطش العطش کی ڈراؤنی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔

اسی دوران میں حضرت علیؓ بارہ ہزار بہادروں کی جمعیت لے کر حضرت امیر معاویہؓ کے
بشمعے تک پہنچ گئے۔ اور انھیں مخاطب ہو کر کہا۔ "اسلامی طاقت کو ضعیف کرنے سے کیا فائدہ
وہم تم دونوں میدان میں نکل کر مقابلہ کریں۔ جو حیت جائے گا وہی خلیفہ ہو جائے گا۔"
حضرت امیر معاویہؓ نے اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور حضرت علیؓ اپنے لشکر میں لوٹ
ئے۔ جمعہ کے دن بھی دوپہر تک آتش و خون کا سمندر موج زن رہا۔ عیس گھنٹے کی اس لگاتار
سرخ رانی سے طرفین کے ستر ہزار سپاہی کھیت رہے۔

لڑائی کا خاتمہ جنگ کی رفتار زبان حال سے اعلان کر رہی تھی۔ کہ اب شامی لشکر
کوئی دم میں مغلوب و شکست خوردہ ہوا چاہتا ہے۔ اتنے میں عمرو
بن العاصؓ کی ایک تدبیر سے لڑائی کا رخ ادھر سے ادھر پلٹ گیا۔ اس تدبیر کے مطابق
حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی فوج کو حکم دیا۔ کہ وہ قرآن حکیم کو نیزوں پر اٹھا کر زور سے کہیں
لذالکتاب اللہ بیننا و بینکم (ہمارے تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم ہے)
تا نچہ فی الفور اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور شامیوں نے قرآن پاک کو نیزوں پر بلند کر کے
نا شروع کیا۔ "ہمیں قرآن شریف کا فیصلہ منظور ہے۔" حضرت علیؓ کا لشکر یہ منظر دیکھتے
ی جنگ سے دست کش ہو گیا۔ اور تلواریں میان میں کر لیں۔ اس پر اشعث بن قیس نے
گے بڑھ کر عرض کی۔ "امیر المؤمنین! لوگوں نے قرآن کو حکم مان لیا۔ اور لڑائی ختم ہو گئی۔ اب
راپ اجازت دیں تو میں معاویہؓ کے پاس جا کر ان کا ولی مدعا معلوم کر لوں۔" حضرت علیؓ
نے اجازت دے دی۔ اور انھوں نے حضرت امیر معاویہؓ سے دریافت کیا۔ کہ "قرآن مجید
نیزوں پر بلند کرنے سے تمہارا مقصد کیا تھا؟" حضرت امیر معاویہؓ نے کہا۔ "ہمارا مقصد یہ
تھا۔ کہ ہم دونوں ایک ایک شخص کو اپنی اپنی طرف سے منتخب کریں۔ پھر ان دونوں سے
س بات کا حلف لے کر کہ وہ قرآن حکیم کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ ان کے فیصلے پر تسلیم
م کر دیں۔" اشعث بن قیس نے یہ اطلاع حضرت علیؓ کو پہنچائی۔ اور انھوں نے اس

فیصلے کو منظور کر لیا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاص اور حضرت علیؓ کی طرف سے قدرے بحث و تمحیص کے بعد ابو موسیٰ اشعریؓ حکم تجویز ہو گئے۔ اسی اثنا عشر حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمروؓ اقرار نامہ تحریر کرنے کے لئے آگے۔

اقرار نامہ | اقرار نامہ ان الفاظ میں تحریر کیا گیا۔

”یہ اقرار نامہ علیؓ بن ابی طالب اور معاویہؓ بن ابی سفیان کے درمیان ہے۔ علیؓ بن ابی طالب نے اہل کوفہ اور ان تمام لوگوں کی طرف سے جو ان کے ساتھ ہیں۔ ایک منصف مقرر کیا ہے۔ اسی طرح معاویہؓ نے بھی اہل شام اور ان تمام لوگوں کی طرف سے جو ان کے ساتھ ہیں۔ ایک منصف مقرر کیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے حکم کو قاضی تسلیم کر کے اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ اللہ اور اللہ کی کتاب کے سوا دوسرے کو دخل نہ دیں گے۔ ہم الحمد سے لے کر والناس تک سارے قرآن کریم کو مانتے اور وعدہ کرتے ہیں۔ کہ قرآن حکیم جن کاموں کے کرنے کا حکم دے گا۔ انھیں انجام دیں گے۔ اور جن سے روکے گا ان سے روک جائیں گے۔ دونوں منصف جو مقرر ہوئے ہیں۔ ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ ہیں۔ یہ دونوں جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے۔ اسی کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اور اگر کتاب اللہ میں نہ پائیں گے۔ تو سنت عادہ جامعہ غیر مختلف فیہا پر عمل کریں گے۔ لیکن اگر ان کا فیصلہ کتاب سنت کے خلاف ہو۔ یا اس میں کسی فریق کی جنبہ داری پائی جائے۔ تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ اس وقت ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہوگا۔ فیصلے کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی رہے گی۔ اور کامل امن و امان قائم رکھا جائے گا۔ اگر فیصلے کے اعلان سے پہلے دونوں امیروں اور حکموں میں سے کوئی امیر یا حکم مرجائے۔ تو اس کی جماعت کو اس کی جگہ دوسرے امیر اور حکم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا۔ دونوں حکموں کی جان اور مال محفوظ رہے گا۔ رمضان تک فیصلے کا اعلان ہو جانا چاہئے۔ لیکن

اگر حکم اس میں کچھ دیر کرنا مناسب سمجھیں۔ تو اس مدت میں تو صلح کر سکتے ہیں۔ اگر مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سنایا گیا۔ تو فریقین کو نئے سرے سے جنگ شروع کرنے کا اختیار ہوگا۔

اس کے بعد معاہدے کی دو نقلیں کی گئیں۔ اور ان پر فریقین کے ذمہ دار و سرکردہ حضرات کے دستخط ثبت کرائے گئے۔ ایک ایک نقل دونوں منصفوں کو دے دی گئی۔ اور دمشق و کوفہ سے برابر فاصلے پر دو متابعدہ کے متصل اذرح کا مقام اعلان فیصلہ کے لئے مقرر ہوا۔

منصفوں کی مجلس شوریٰ | تحریر اقرار نامہ کے بعد دونوں حکموں کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ اور یوں گفتگو کا آغاز ہوا:-

ابو موسیٰ اشعریؓ۔ ابن العاصؓ! ہم کیوں نہ ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ جس سے رضائے الہی اور فلاح امت دونوں باتیں حاصل ہو جائیں؟

عمرؓ بن العاص۔ کس کو؟

ابو موسیٰ۔ عبداللہ بن عمرؓ کو جو ان ہنگاموں سے بالکل الگ تھلک۔ بری الذمہ اور پاک دامن ہیں۔

عمرؓ بن العاص۔ اور امیر معاویہؓ کے متعلق کیا خیال ہے؟

ابو موسیٰؓ۔ معاویہؓ کا کیا درجہ ہے۔ وہ کیونکر اس کے حق دار ہو سکتے ہیں؟

عمرؓ بن العاص۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔ کہ عثمانؓ مظلوم شہید کئے گئے۔ ان کے بعد معاویہؓ ان کے گھر کے متولی اور ان کے قصاص کے مدعی ہیں۔

ابو موسیٰؓ۔ ہاں یہ درست ہے۔

عمرؓ بن العاص۔ اگر ان کے قدیم الاسلام نہ ہونے پر کسی کو اعتراض ہو۔ تو آپ اس قرآنی دلیل سے اس کا جواب دے سکتے ہیں:-

من قتل مظلوماً فجعلنا ولیہ سلطانا۔ جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو۔ ہم نے اس کے

ولی کو قصاص کا حق دیا ہے۔

علاوہ بریں وہ آنحضرتؐ کے صحابی اور ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی ہیں۔

ابو موسیٰؓ۔ ابن العاصؓ! اللہ سے ڈرو۔ اگر یہی شرف ہے۔ اور اسی قسم کے شرف کسی کو خلافت کا مستحق بنانے کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔ تو خلافت کا سب سے زیادہ حق دار مسلمانین میں کی اولاد میں ابرہہ بن صباح ہوتا۔ جن کی وسیع سلطنت کا دامن مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ کوئی شرف نہیں۔ خلافت صاحب فضل و صاحب دین کا حق ہے۔ پھر شرف میں علیؓ اور معاویہؓ کا کیا مقابلہ۔ اگر مجھے سب سے اشراف و افضل قریش کے حق میں فیصلہ کرنا ہوتا۔ تو علیؓ کے حق میں کرتا۔ تمہارا یہ قول کہ معاویہؓ قصاص عثمانؓ کے ولی ہیں۔ تو اس کا حق سب سے زیادہ عمرو بن عثمانؓ کو ہے۔ میں مہاجرین اولین کے مقابلے میں معاویہؓ کو کسی صورت خلیفہ نہیں بنا سکتا۔ ہاں اگر تم اتفاق کرو۔ تو عبداللہ ابجر کو خلیفہ بنا کر عمرو بن الخطاب کا نام زندہ کر دو۔

عمرو بن العاص۔ اگر یہ بات ہے۔ تو میرے بیٹے عمروؓ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے اس کا علم و فضل اور شرف و محاسن آپ پر روشن ہیں۔

ابو موسیٰؓ۔ ہاں تمہارے بیٹے میں صلاحیت اور اہلیت موجود ہے۔ لیکن اس فتنے میں شرکت میرا دامن تھام رہی ہے۔ کیوں نہ ہم طیب بن طیب عبداللہ بن عمرؓ کو اس منصب پر فائز کر دیں۔

عمرو بن العاص۔ خلیفہ وہ ہونا چاہئے۔ جو ایک ڈاڑھ سے خود کھائے۔ اور دوسری سے دوسروں کو کھلائے۔

ابو موسیٰؓ۔ مسلمانوں نے باہمی خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد یہ نہایت اہم اور پیچیدہ معاملہ فیصلے کے لئے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ اب انھیں مگر اس فتنے میں مبتلا نہ کرو۔

عمرو بن العاص۔ پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابو موسیٰؓ۔ میرے خیال میں بہتر یہ ہے۔ کہ ان دونوں کو معزول کر کے مسلمانوں کو نئے سرے سے اتفاق رائے یا کثرت رائے سے اپنا خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار دیا جائے۔

عمرو بن العاص۔ میں اس رائے کو پسند کرتے ہوئے اس سے اتفاق کرتا ہوں۔

فیصلے کا اعلان متفقہ فیصلہ ہو چکا۔ تو دونوں حکم اسے سنانے کے لئے اذرح آئے۔ ہر حکم کے ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت تھی۔ اس اہم فیصلے کو سننے کے لئے

جو گویا امت کی قسمت کا فیصلہ تھا۔ چاروں طرف سے ہزاروں مسلمان جوق در جوق امنڈ آئے اور جامع مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن العاص سے کہا۔ اٹھئے بیسہ سنا دیجئے۔ عمرو بن العاص نے جواب دیا۔ " آپ ہر طرح مجھ سے افضل ہیں۔ میں کیونکر یہ رات کر سکتا ہوں۔" اس پر ابو موسیٰ اشعریؓ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا:-

" لوگو! ہم دونوں نے اس مسئلے پر بہت غور کیا۔ لیکن ہمیں اس ایک تجویز کے سوا امت کے اتحاد و اصلاح کی اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔ کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ اب ہم عام مسلمانوں کو اختیار دیتے ہیں۔ کہ وہ جسے اہل سمجھیں۔ اتفاق رائے یا کثرت رائے سے خلیفہ منتخب کر لیں۔" ان کے بعد عمرو بن العاص نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا:-

" لوگو! گواہ رہنا۔ کہ ابو موسیٰؓ نے اپنے آدمی حضرت علیؓ کو معزول کر دیا۔ میں بھی ان کے ساتھ متفق ہو کر حضرت علیؓ کو معزول کرتا ہوں۔ لیکن اپنے آدمی معاویہؓ کو معزول نہیں کرتا۔ بلکہ برقرار رکھتا ہوں۔ کیونکہ وہ مظلوم شہید ہونے والے امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور سب سے زیادہ ان کی قائم مقامی کے حق دار ہیں۔"

یہ افسوس ناک فیصلہ سن کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے اکابر ابو موسیٰؓ کو ملامت لے رنگ میں کہنے لگے۔ کہ تم فریب کھا گئے۔ ابو موسیٰؓ نے عمرو بن العاص کو بڑا بھلا کہا۔ کہ تم نے متفق علیہ فیصلے کے خلاف اظہار رائے کر کے مجھے دھوکا دیا۔ اس فیصلے سے مجلس کے رنگ سا بھنگ پڑ گئی۔ اذرح برہمی وہ نظمی کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ شریح بن ہانی نے عمرو بن العاص کو ڈسے برسائے شروع کر دئے۔ اور بروایت دیگر تلوار کا وار کیا۔ لیکن لوگوں نے بیچ بچاؤ کے چھوڑ دیا۔

واذرح کا سراٹھانا اذرح کے فیصلے سے امیر معاویہؓ کو یہ فائدہ پہنچا۔ کہ ان کے ساتھیوں نے ڈنکے کی چوٹ انھیں امیر المومنین کہنا شروع کر دیا۔ مگر کسی نئی

جماعت نے بیعت نہ کی۔ اس اثنا میں خارجیوں نے عراق میں وہ شورش برپا کی کہ الاماں۔ جن دنوں حضرت علیؑ نے حکیم یا تقرر حکمین کی تجویز منظور کی۔ اور اقرار نامہ لکھا گیا۔ زر بن ابی البرخ اور حر قوس بن زہیر نے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ خدا کے سوا کسی انسان کو حکم نہیں بنانا چاہئے۔ اس غلطی سے تو بے کیجئے۔ اور ہمارے ساتھ مل کر شام پر حملہ آور ہو جائے۔ حضرت علیؑ نے اس بات کے قبول کرنے سے صاف طور پر انکار کرتے ہوئے فرمایا۔ ”ہم بد عہدی نہیں کر سکتے۔ اور اپنے تحریری اقرار نامے سے نہیں پھر سکتے۔“ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ”جو عہد کر دے، اسے پورا کرے۔“ ان لوگوں نے آپ کو بے حد مجبور کیا۔ لیکن آپ اپنی بات پر اڑے رہے۔ آخر میں انہوں نے دھمکی دی۔ کہ ”اگر آپ حکیم کو ملتے ہیں۔ تو ہم اللہ کے لئے آپ سے جنگ کریں گے۔“ آپ نے جواباً فرمایا۔ ”تو تم خاک و خون میں تر پائے جاؤ گے۔“

بس اسی وقت سے فرقہ خارجیہ کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ اعلان فیصلہ کے بعد خوارج نے عبد اللہ بن وہب کو امیر بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور ایک متفقہ قرارداد کے مطابق یہ لوگ تکلیفیں سہتے ہوئے بڑی تعداد میں نہروان متع ہو گئے۔ وہاں اپنی جماعت کو خوب مضبوط کر لیا۔ اور حضرت علیؑ اور ان کے متبعین کو کافر قرار دیتے ہوئے حضرت علیؑ کو حق پر سمجھنے والوں کو مذہب تنج کرنا شروع کر دیا۔ خارجیوں کی جماعت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک ان کی تعداد پچیس ہزار تک پہنچ گئی۔

اس موقع پر حضرت علیؑ نے نہروان میں عبد اللہ بن وہب کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا۔

خوارج کو اتحاد کی ترغیب

”ہم نے جن حضرات کو حکم بنایا تھا۔ انہوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر اپنے نفس کے مطابق فیصلہ کیا۔ اس لئے ہم نے اس فیصلے سے برارت ظاہر کی۔ اور اب پھر پہلی حالت (جنگ) پر آگئے ہیں۔ ہم نے اپنے اور تمہارے دشمنوں کے مقابلے کو ہاگ اٹھالی ہیں۔ اللہ تم پر رحم کرے۔ تم بھی ہمارے ساتھ مل جاؤ۔ ہم اس وقت تک مقابلاً کریں گے۔ جب تک خدا کوئی فیصلہ نہ

کردے۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

خارج نے اس خط کے جواب میں تحریر کیا:

تم نے عکین کا تقرر اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف کیا تھا۔ اور اب جو اہل شام سے لڑائی کا ارادہ کر رہے ہو۔ یہ بھی اپنے نفس کی خواہش سے کر رہے ہو۔ اگر اپنے کفر کا اقرار کرنے کے بعد توبہ کر لو۔ تو ہم تمہاری مدد کو تیار ہیں۔ ورنہ ہم تم سے لڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی چال کی ہدایت نہیں کرتا۔

یہ خط پڑھ کر حضرت علیؑ خارجیوں کی طرف سے نا اُمید ہو گئے۔ لیکن شام پر حملہ کرنے کی تیاریوں سے غافل نہ ہوئے۔ چنانچہ ادھر آپ نے صوبوں کے حاکموں کو فوجیں لانے کا حکم دیا۔ اُدھر ۸۰ ہزار کاشکیر جمع ہو گیا۔

اس اثنا میں خارجیوں نے فتنہ انگیزی کی آگ کو ہوادے کر کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔ اور جو شخص ان کی ہاں میں ہاں نہ ملاتا۔ بے دریغ آپ تیغ سے نہلا دیا جاتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن خطاب اسی بنا پر شہید کر دئے گئے۔ علاوہ بریں ان ظالموں نے بے شمار بے گناہ عورتوں کو سخت بے دردی سے قتل کر دیا۔ اب کہ پانی سر سے گزر چلا۔ لوگوں نے حضرت علیؑ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ خدا کے لئے شام پر حملہ کرنے سے پہلے ان خارجیوں کو تہس تہس کر کے ظلم و ستم کے شعلوں کو ٹھنڈا کیجئے۔ اس پر امیر المومنینؑ نے جنگِ شام کو ملتوی کر کے خارجیوں کے مقابلے کے لئے نہروان کی طرف کوچ کیا۔

خارجیوں کی فوج پہلے ہی سے یہاں جمع تھی۔ حضرت علیؑ نے طبلِ جنگِ نہروان پر چوٹ پڑنے سے پہلے خارجیوں کے پاس پیغام بھیجا:

”تم میں سے جن لوگوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ انہیں ہمارے حوالے کر دو۔ تاکہ ہم انہیں قصاص میں قتل کر دیں۔ اور تمہیں چھوڑ کر شام کا قصد کریں۔ اس عرصے میں شاید اللہ تمہیں راہِ راست پر لے آئے۔“

خارجیوں نے جواب میں کہلا بھیجا۔ کہ:

”ہم سب نے تمہارے ہم خیال لوگوں کو قتل کیا ہے۔ ہم سب ان کا خون مباح

مجھے تھے۔ اور تمہارا خون مباح سمجھتے ہیں۔“

اس کے بعد حضرت علیؑ نے متعدد صحابیوں کو یکے بعد دیگرے خارجیوں کو سمجھانے اور انہیں نصیحت کرنے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن خارجی راہ راست پر آنے کے بجائے برابر اپنی ضد پر اڑے رہے۔ آخر میں آپ نے خود تشریف لے جا کر خوارج کے سامنے یوں تقریر فرمائی:

”اے وہ گروہ کہ محض ضد کی مخلوق ہے۔ اور جسے خواہش نفسانی نے قبول حق سے منع کر دیا ہے۔ تم لوگ شک و شبہ اور غلطی کے شکار ہو۔ میں تمہیں اس سے متنبہ کرتا ہوں۔ تاکہ تم وادی ضلالت میں نہ بھٹکتے رہو۔ اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ۔ کہ اللہ تعالیٰ کے روبرو تمہارے لئے کوئی دلیل باقی نہ رہے۔ کیا تم نہیں جانتے ہیں نے تمکین سے یہ شرط لی تھی۔ کہ وہ قرآن حکیم کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ میں نے تمہیں اسی وقت مطلع کر دیا تھا۔ کہ حکیم کی تجویز یکسر دھوکا ہے۔ لیکن تمہیں نے اسے قبول کرنے پر اصرار کیا۔ میں نے اسے اسی شرط پر منظور کیا تھا۔ کہ دونوں منصف اس چیز کو زندہ کریں گے۔ جسے کتاب اللہ نے زندہ کیا ہے۔ اور اسے ختم کریں گے۔ جسے کتاب اللہ نے ختم کیا ہے۔ لیکن بیچوں نے خواہش نفسانی کے زیر اثر قرآن و حدیث کی خلاف ورزی کی۔ اس لئے ہم نے ان کا فیصلہ مسترد کر دیا۔ اور پھر سابقہ حالت پر لوٹ آئے۔“

خارجیوں نے اس کے جواب میں کہا:

”جب ہم نے سرخ کی تجویز منظور کر لی تھی۔ اس وقت کافر ہو گئے تھے۔ اب تائب ہو گئے ہیں۔ اگر تم بھی ہماری طرح تائب ہو جاؤ۔ تو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ورنہ پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

حضرت علیؑ نے فرمایا:

”اگر میں اپنے کافر ہونے کا اعتراف کر لوں۔ تو لگتا ہی کا شکار ہو جاؤں گا۔ مناسب صورت یہ ہے۔ کہ تم اپنے کسی معتبر شخص کو میرے پاس گفتگو کے لئے بھیجو۔ اگر وہ مجھے قائل کر دے۔ تو میں اپنی غلطی کا اقرار کر کے تائب ہو جاؤں۔ اور اگر وہ قائل

ہو جائے۔ تو تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔

اس پر خوارج نے عبداللہ بن الکواذ کو گفتگو کرنے کے لئے بھیجا۔ لیکن یہ گفت و شنید بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ اور حضرت علیؑ کو مجبوراً میدان جنگ میں کودنا پڑا۔

حضرت علیؑ نے صف آرائی کی۔ اور حضرت ابوالیوب انصاریؓ کو امان کا جھنڈا دے کر ان سے بہ آواز بلند اعلان کر دیا۔ کہ جو شخص اس جھنڈے کے نیچے آجائے۔ یا جنگ کے بغیر لوٹ جائے، یا کوئی یا دامن کی راہ لے اسے امان دی جائے گی۔ جو نہیں یہ اعلان ہوا۔ فی الفور خوارج کا سردار بن نوفل و اشجعی پان سو بہادروں کو لے کر لوٹ گیا۔ کچھ لوگ کوثر اور دامن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک ہزار کے قریب حضرت علیؑ کی فوج میں آئے۔ اور خارجیوں کی صف لوٹ کر ایک قبیل سی جماعت رہ گئی۔

اس وقت بھی حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کو حملہ آور ہونے سے روک رکھا۔ لیکن جب خارجی کا حکم الا للہ کا نعرہ بلند کر کے پوری قوت سے علوی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اور ان کا ایک ایک فروبے بگری سے لڑا کر اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے پر ٹل گیا۔ تو ناچار حضرت علیؑ کے لشکر نے بھی مدافعت کے لئے تمام قوتیں صرف کر دیں۔ اور دیکھتے دیکھتے ایک خونریز جنگ میں خارجیوں کے تمام بڑے بڑے سردار کھیت رہے۔ صرف ۹ خارجی جان بچا کر بھاگ سکے۔

عزمِ شام کا فسخ ہو جانا جنگ نہروان میں فتح حاصل کرنے کے بعد حضرت علیؑ نے تمام بہادروں کو جمع کر کے شام پر حملہ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک دشمن پر فتح دی۔ اب دوسرے دشمن کا تیاپا نچا کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" اس پر اشعث بن قیس نے عرض کی۔ "ایرا لموسین! ہماری تلواریں کند، نیزوں کے پھل خراب اور ترکش خالی ہو گئے ہیں۔ اس لئے لشکر کو سستانے کا موقع دیجئے۔ تاکہ مجاہدین آرام کے بعد تازہ دم ہو کر نئے میں ان جنگ میں تیغ شجاعت کے جوہر دکھا سکیں۔" حضرت علیؑ نے یہ عند قبول نہ کرتے ہوئے کوچ کے بعد مقام نخیل میں پیام کر کے حکم دیا۔ کہ شام پر حملہ آور ہو کر فاتحانہ واپسی کے بغیر کوئی شخص

کو ذبح جائے۔ لیکن نخیلہ میں قیام کے بعد لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ اور آپ کے ساتھ تھوڑی سی جمعیّت رہ گئی۔ تاچار آپ بھی کو ذبح لوٹ آئے۔ اور شام پر چڑھائی نہ ہو سکی۔

جنگ صفین کے وقت محمد بن ابی بکر مصر کے حاکم تھے۔
مصر کا ہاتھ سے نکل جانا | اس جنگ سے فارغ ہو کر حضرت علیؑ نے مالک اشتر نخعی

کو مصر کا عامل بنا کر بھیجا۔ محمد بن ابی بکرؓ کو اس سے قدرتا نہایت رنج ہوا۔ لیکن اتفاق سے مالک اشتر مصر پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں انتقال کر گئے۔ اس پر حضرت علیؑ نے محمد بن ابی بکرؓ کو ایک خط لکھا۔ کہ اب تمہیں فرماں روائی مصر کے اہم منصب کے لئے قابل ترین شخص ہو۔ خوب ڈٹ کر دشمنوں کا مقابلہ کرو۔ محمد بن ابی بکرؓ نے جواب میں تحریر کیا۔ کہ میں آپ کا خادم ہوں اور مخالفوں سے جنگ کرنے کو ہر وقت تیار رہتا ہوں۔ یہ واقعات منصفوں کے فیصلہ سنانے سے پہلے کے ہیں۔ اعلان فیصلہ کے بعد شامیوں نے امیر معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اور محمد بن ابی بکرؓ کی مخالفت جماعت کی حوصلہ افزائی کی۔ ان لوگوں نے امیر معاویہؓ سے امداد طلب کی۔ امیر معاویہؓ نے عمرو بن العاص کو ۶ ہزار کی فوج کے ساتھ مصر بھیجا۔ اور ایک خط محمد بن ابی بکرؓ کے نام لکھ کر دیا۔ عمرو بن العاص نے امیر معاویہؓ کا اور اپنا دونوں خط محمد بن ابی بکرؓ کے پاس بھیجے۔ انھوں نے یہ خط حضرت علیؑ کی خدمت میں کو ذبح ارسال کئے حضرت علیؑ نے پُر زور ترغیب کے باوجود صرف دو ہزار آدمیوں کو مالک بن کعب کی سرکردگی میں مصر روانہ کیا۔ اُدھر محمد بن ابی بکرؓ نے کنانہ بن بشر کے ماتحت عمرو بن العاص کے مقابلے پر دو ہزار کی جمعیّت بھیج دی تھی۔ کنانہ بن بشر شہید ہو گئے۔ تو محمد بن ابی بکرؓ نے خود جنگ آزما ہونے کا ارادہ کیا۔ لیکن ان کی جمعیّت نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ بے کس و تنہا رہ جا کر لڑائی سے واپس آکر جبلہ بن مسروق کے مکان میں پناہ گزین ہو گئے۔ دشمنوں نے اس مکان کا محاصرہ کر کے انھیں گرفتار کر لیا۔ اور وہ معاویہ بن خدیج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ حضرت علیؑ کو اس حادثے کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے مالک بن کعب کی باز طلبی کے لئے آدمی بھیجا۔ اُدھر حجاج بن عرفہ انصاری مصر سے آتے ہوئے راستے میں مالک بن کعب

سے ملے۔ اور انھیں محمد بن ابی بکرؓ کی شہادت اور عمرو بن العاص کے مصر پر قبضہ کر لینے کا حال سنایا۔ اتنے میں حضرت علیؓ کا پیغام بھی پہنچ گیا۔ اور مالک بن کعب واپس کو ذبح چلے آئے۔ اس طرح مصر کی ولایت ہاتھ سے نکل گئی۔ اب حضرت علیؓ نے مجبور ہو کر شام اور مصر کے قبضہ مکر کو خواب فراموش سمجھ کر ان کا خیال ترک کر دیا۔

حضرت علیؓ کے دوسرے مقبوضات کی طرف امیر معاویہؓ کا اقدام

شام اور مصر پر قابض

ہونے کے بعد امیر معاویہؓ کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور انھوں نے حضرت علیؓ کے دوسرے مقبوضات پر بھی تسلط بٹھانے کی کوشش کی۔ پہلے ان کی نظر اقدام بصرہ پر پڑی۔ اور عبداللہ بن الحنفیہ و اس ہم پر روانہ کیا۔ وہ بصرہ پہنچے۔ تو دیکھا۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس وہاں موجود نہیں۔ انھوں نے اس زریں موقع سے فائدہ اٹھا کر امیر معاویہؓ کے حسب ہدایت حضرت علیؓ سے ناخوش اور خون عثمانؓ کے مطالبے کو ضروری سمجھنے والے لوگوں کی ایک بھاری جمعیت اپنے گرد فراہم کر لی۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس خبر سے مطلع ہو کر امین بن ضبیدہ کو وہاں بھیجا جنھوں نے آپ کے حسب فرمان ابن الحنفیہ کی جماعت کو تین تیرہ کر دیا۔ اور اس کے سردار کو قتل کر دیا گیا۔

۳۹ھ میں فارس والوں نے اہل بصرہ کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر علم بغاوت بلند کیا۔ اور اپنے حاکم سہیل بن حنیف کو ننگ بند کر دیا۔ حضرت ابن عباس عامل بصرہ نے حضرت علیؓ کے حسب حکم زیاد کو فارس کی حکومت پر روانہ کیا۔ جنھوں نے تلوار کے زور سے اہل فارس کو تیر کی طرح سیدھا کر دیا۔

حضرت علیؓ کے خلاف سرکشی اور بغاوت کے شعلے جا بجا بھراک اٹھنے سے امیر معاویہؓ کو تکمیل مقاصد میں بڑی بھاری امداد ملی۔ چنانچہ انھوں نے سخاوت، احسان و اکرام اور قدردانی کے دریا بہا دئے۔ جس سے عرب کے گوشے گوشے سے لوگ کھج کھج کر دمشق آنے لگے۔ امیر معاویہؓ نے نعمان بن بشر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر کی طرف روانہ کیا۔ وہاں کے علوی حاکم مالک بن کعب کو دربارہ خلافت سے کوئی امداد نہ ملی۔ اس لئے

نعمان نے آسانی سے عین التمر کو زیر نگیں کر لیا۔ اسی طرح سفیان بن عوف کو ۶ ہزار کی جمعیت کے ساتھ انبار اور مدائن کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ان دونوں شہروں کو لوٹ کر دمشق کی راہ لی۔ حضرت علیؑ کو اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے سعید بن قیس کو سفیان بن عوف کے تعاقب میں روانہ کیا، مگر وہ ہاتھ نہ آئے۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے بسر بن ابی اریطہ کو تین ہزار کی فوج کے ہمراہ حجاز اور یمن کی طرف بھیجا۔ مگر اوسین والوں نے امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی۔ اور عبید اللہ بن عباس یمن کے دار الخلافہ صنعاء سے نکال دئے گئے۔ غرض سترہ کے آغاز میں یمن حجاز، شام، فلسطین، مصر وغیرہ پر امیر معاویہؓ کی حکومت کا پھر پراڈ نے لگا۔ اور صرف عراق اور ایران حضرت علیؑ کے زیر نگیں رہ گئے۔ لیکن عراق میں بہت سے عربی قبائل حضرت علیؑ کے خیر خواہ نہ تھے۔ اور ایران میں سازشوں اور بغاوتوں کا بازار گرم تھا۔

حضرت علیؑ سے حاکم بصرہ کی ناراضی اور قطع تعلق

اس دوران میں بصرہ سے ابوالاسود نے حضرت

علیؑ کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں یہ جمہوری شکایت لکھی۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حاکم بصرہ نے آپ کی اجازت کے بغیر بیت المال کا کچھ مال خرچ کر ڈالا ہے۔ حضرت علیؑ نے ان سے جواب طلب کیا۔ تو انہوں نے تحریر کیا۔ کہ یہ اطلاع یکسر غلط ہے جو کچھ میں نے خرچ کیا ہے۔ وہ میرا ذاتی مال تھا۔ حضرت علیؑ نے دوبارہ موشگافی سے کام لیتے ہوئے تفصیلی جواب مانگا۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ اور خود بصرہ کی حکومت پھوڑ کر مکہ منتقلہ چلے گئے۔

حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ میں مصالحت

آخر اس بد نظمی اور خون ریزی سے تنگ آ کر سترہ میں حضرت علیؑ اور

امیر معاویہؓ نے باہم صلح کر لی۔ جس کے رُوسے مصر، شام اور مغرب کا حصہ امیر معاویہؓ کے پاس رہا۔ اور حجاز، عراق اور مشرق کا سارا علاقہ حضرت علیؑ کے حصے میں آیا۔

حضرت علیؑ کی شہادت | جنگ نہروان میں خارجیوں کی نسل پر گویا جھاڑو پھر گئی تھی۔

وران کے صرف ۹ آدمی جان بچا کر بھاگ نکلے تھے۔ اس لئے اب وہ اپنی زندگی کو موت سمجھتے تھے۔ آخر انھوں نے باہم مشورہ کیا۔ کہ اب جینے سے کیا حاصل۔ آؤ اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے عالم اسلام کے تین سب سے بڑے سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار کر جی ٹھنڈا کریں۔ چنانچہ ایک معاہدے کے ذریعے طے پایا۔ کہ عبدالرحمن بن لخم حضرت علیؑ کو، برک بن عبداللہ امیر معاویہؓ کو اور عمرو بن بکر عمرو بن العاص عالم مصر کو ایک ہی دن اور ایک ہی وقت قتل کر ڈالیں۔ ۱۶ رمضان المبارک جمعہ کو فجر کے وقت اس منصوبے کو لباس عمل پہنایا گیا۔ امیر معاویہؓ اوچھے وار کے باعث دو واردہ سے بچ گئے۔ حملہ آور گرفتاری کے بعد ٹھکانے لگا دیا گیا۔ عمرو بن العاص بیماری کے سبب اس روز آئے نہیں تھے۔ اس لئے ان کے بجائے خارجہ بن جبیبہ مارے گئے۔ البتہ حضرت علیؑ پر بھرپور وار کیا گیا۔ ابن لخم گرفتار ہو کر آپ کے روبرو پیش کیا گیا۔ فرمایا۔ اگر میں اس زخم سے ختم ہو جاؤں تو تم بھی اسے قصاص میں قتل کر دینا۔ اور اگر نچ گیا۔ تو خود مناسب کارروائی کر دوں گا۔ جذب بن عبداللہ نے عرض کی۔ کیا ہم آپ کے بعد حضرت حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ فرمایا میں اس باب میں کچھ نہیں کہتا۔ تم اس معاملے کو بہتر سمجھ سکتے ہو۔ پھر حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ اور محمد بن حنفیہ کو طلب کر کے وصیتیں فرمائیں۔ اس کے بعد عام وصیت لکھوانے لگے۔ کہ آخری وقت قریب آ گیا۔ اور کالہ آلا اللہ کے سوا کوئی اور کلمہ زبان سے نہ نکل سکا

آخر ۱۶ رمضان المبارک شب یک شبہ کو تریسٹھ سال کی عمر میں پونے پانچ سال کی خلافت کے بعد انتقال فرمایا۔ حضرات حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؑ نے غسل دیا۔ حضرت امام حسنؑ نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور کوفہ کے قبرستان عری میں آپ کا جسد مبارک سپرد خاک کیا گیا۔ مقام مدین کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت علیؑ نے مختلف اوقات میں ۴ شادیاں کیں۔ جن سے چودہ ازواج و اولاد لڑکے اور سترہ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ سب سے پہلی زوجہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم کے بطن سے تین لڑکے حضرت امام حسنؑ۔ حضرت امام حسینؑ۔

حضرت محسنؑ اور دولہا کیوں حضرت زینبؑ اور حضرت ام کلثومؑ پیدا ہوئیں۔ حضرت خولہؑ کے بطن سے محمد بن حنفیہؑ پیدا ہوئے۔ باقی اولاد کی تفصیل ضروری نہیں۔

نظامِ خلافت

حضرت علیؑ کو عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی جن اہم و پیچیدہ، ناگوار اور مخالفانہ حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ ان سے کامیابی کے ہاتھ عہدہ برآ ہونا آپ ہی کا حصہ تھا۔ اس ہنگامہ خیز زلزلے میں کبھی آپ کو آشوبِ بغاوت کے استیصال میں مصروف ہونا پڑتا تھا۔ اور کبھی ملک گیری پر توجہ مبذول کرنی پڑتی تھی۔ لیکن حتیٰ یہ ہے۔ کہ آپ کا عظیم ترین ذریعہ کارنامہ نظامِ خلافت کی اصلاح ہے۔ آپ نے دورِ عثمانی کی بے عنوانیوں کو دور کر کے عہدِ فاروقی کے نظام کی یاد تازہ کر دی۔ یہودِ نجران نے حجاز میں دوبارہ آباد ہونے کی التجا کی۔ لیکن حضرت فاروق اعظمؑ نے چونکہ انھیں حجاز سے ملک بدر کر دیا تھا۔ اس لئے آپ نے ان کی درخواست کو درخورِ اعتنا نہ سمجھ کر اس بنا پر قبول نہ کیا۔ کہ حضرت عمرؓ سے زیادہ مدبر و مصلحت اندیش کوئی نہیں ہو سکتا۔ سو بوں کی تقسیم میں سرسوتبدیلی نہ کی۔ لیکن عمالِ تمام کے تمام تبدیل کر دیئے اور دارالخلافت بھی مدینہ کے بجائے کوفہ قرار دیا۔

حضرت علیؑ فطرتاً سپاہ گری کے دلدادہ اور جنگ آزمائی کا دلہانہ جوش رکھنے والے مرد میدان تھے۔ اس لئے فوج کی ترقی اور تنظیم خاص طور پر ان کا مرکز توجہ رہی۔ چنانچہ اسی سلسلے میں آپ نے چھاؤنیاں اور قلعے تیار کرائے۔

سیغہ مال میں نہایت قابلِ قدر اصلاحات کیں۔ جن سے آمدنی میں متعدد اضافہ ہو گیا۔ جنگوں پر محصول لگایا۔ چنانچہ تہا برس کے جنگل کی آمدنی چار ہزار روپے سالانہ تھی۔ علاوہ بریں اور جنگل بھی معقول آمدنی کا مفید ذریعہ تھے۔

افسروں کے اعمال و افعال پر کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ انھیں اکثر اوقات اس قسم کے احکام بھیجتے رہتے تھے۔ کہ دیکھنا کسی سے بے انصافی نہ ہونے پائے۔ رعایا کے ساتھ نرمی اور دلجوئی سے

لیا۔ تو آپ نے لکھا۔

”تم نے خراجِ دیر سے بھیجا۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ بہر حال میں تمہیں خدا سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ اور تمہیں خوف دلاتا ہوں۔ کہ اجرِ بڑا اور جہادِ باطل کر دینے والا کام نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اپنے نفس کو حرام مال سے دُور رکھو۔ اور مجھے موقع نہ دو۔ کہ تم سے باز پرس کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ مسلمانوں کو معزز کرو۔ مگر معاہدین پر زیادتی نہ ہونے پائے۔ رزاقِ دو عالم نے جو کچھ دیا ہے۔ اسے حصولِ عقبیٰ کا ذریعہ بناؤ۔ اور دنیا کا حصہ بھی نہ بھولو۔“

نعمان بن عجلان عاملِ بحرین خراج وصول کر کے کہیں چل دئے تھے۔ آپ نے انہیں تحریر فرمایا۔

”جو شخص امانت میں خیانت کا مرتکب ہوا۔ اور اپنے نفس و دین کو نہ بچا سکا۔ وہ دنیا میں بھی موردِ خسران ہوا۔ اور آخرت میں جو کچھ ظاہر ہونے والا ہے۔ وہ اس سے زیادہ تلخ، زیادہ مصیبت خیز اور زیادہ دیر پا ہے۔ خدا سے ڈرو۔ تم نیک گھرانے سے تعلق رکھتے ہو۔ اس لئے حسن ظن کا موقع دو۔ مجھے جو اطلاع موصول ہوئی ہے۔ اگر وہ درست ہے۔ تو اس سے تائب ہو جاؤ۔ اور اپنے باب میں تبدیل رائے پر مجبور نہ کرو۔ خراج ادا کر دو۔“

بیت المال کی حفاظت | آپ بیت المال کی حفاظت کے راستے میں حضرت فاروق اعظمؓ کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ ایک دفعہ

آپ کے عم زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی۔ اطلاع ملتے پر آپ نے اس کی واپسی کے لئے لکھا۔ انہوں نے انکار کیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے فہمائش کر کے واپس کر دیا۔ اور اس باب میں مفید نصیحتیں فرمائیں۔ ایک دفعہ اصفہان کے خراج میں شہد اور چربی بھی آئی۔ حضرت علیؓ کی صاحب زادی ام کلثومؓ نے یہ دونوں چیزیں مانگ لیں۔ چنانچہ انہیں شہد اور چربی کا ایک ایک پیٹا بھیج دیا گیا۔ حضرت علیؓ نے خراج کی چیزیں شمار کیں۔ تو دو پیسے کم نکلے۔ فوراً عمرو بن سلمہ سے باز پرس

انہوں نے صحیح کیفیت بیان کر دی۔ آپ نے دونوں پیسے منگوا کر بیت المال میں رکھوا دیئے اور صرف شدہ مال کی قیمت ادا کر دی۔

ایک مرتبہ بیت المال کے نگران ابو رافع نے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل تھا۔ اس میں سے ایک موتی لے کر اپنی لڑکی کو پہنا دیا۔ حضرت علیؑ نے پہچان کر سوال لیا۔ اسے ابو رافع اتھیں یہ موتی کہاں سے ملا؟ میں اس کے لانے والے کا ہاتھ قلم کر دوں گا۔ ابو رافع نے اعتراضات جرم کر لیا۔ فرمایا۔ "تم اپنی لڑکی کو موتی پہناتے ہو۔ میں نے جب قاطعہ کے ساتھ میرا عقد ہوا۔ تو میرے پاس مینڈھے کی ایک کھال کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں اسی پر سوتا اور اسی پر مویشی کو چارہ دیتا تھا۔ خداوم کی صورت تک نہیں دیکھی تھی۔"

ذاتیوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور حاکموں کو بھی ان کے حقوق کے تحفظ و ادا کے متعلق تلقین فرماتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ ذمیوں کی طرف سے عمرو بن مسلمہ ارجحی کی سخت گیری کے باب میں شکایت موصول ہوئی۔ آپ نے انھیں لکھا:۔

"مجھے خبر ملی ہے۔ کہ تمہارے علاقے کے ذمی دہقان تمہاری سخت گیری سے تالاں ہیں۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ نرمی کے وقت نرمی کرو۔ اور سختی کے وقت سختی۔ لیکن نہ سختی ظلم بن جائے۔ اور نہ نرمی نقصان کا موجب۔ مطالبہ بے شک وہ مول کر دو۔ لیکن کسی بے گناہ کے خون سے دامن آلود نہ کرو۔"

آب پاشی کی ایک نہر کے پٹا جانے پر ایک حاکم قرظ بن کعب انصاری کو تحریر فرمایا:۔

"تمہارے علاقے کے ذمیوں کی طرف سے شکایت موصول ہوئی ہے۔ کہ ان کی ایک آب پاشی کی نہر پٹا کر بے نشان ہو گئی ہے۔ جسے دوبا۔ جاری کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ تم معاینہ کے بعد یہ کام کر دو۔ اپنی عمر کی قسم۔ میں اس کا آباد رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بہ نسبت اس کے کہ یہ لوگ ملک سے نکل جائیں۔ یا خستہ حال ہو جائیں۔ یا ملک کی فلاح و بہبود میں حصہ نہ لے سکیں۔"

انصاف اور مساوات

انصاف اور مساوات آپ کے تاج عدالت کے گوہر طہرا تھے۔ مذہب و ملت اور شاہ و گدا میں کچھ امتیاز نہ تھا۔ مقدمے

کا ایک فریق ہونے کی صورت میں آپ خود قاضی کی عدالت میں پیش ہوتے تھے۔ اور ثبوت نہ ملنے کی حالت میں مقدمے کا فیصلہ آپ کے خلاف ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ کی زور گم ہو گئی۔ اور اتفاق سے ایک نصرانی کے ہاتھ لگ گئی۔ حضرت علیؑ نے اس پر دعویٰ کیا لیکن قاضی کے استفسار پر اس کی ملکیت کی تائید میں کوئی ثبوت بہم نہ پہنچا سکے۔ قاضی نے دعویٰ خارج کر کے نصرانی کے حق میں فیصلہ سنایا۔ نصرانی اس فیصلے سے بے حد متاثر ہو کر مسل ہو گیا۔

نرخ اور وزن کی دیکھ بھال

بازار میں اشیاء کے نرخ اور وزن کی دیکھ بھال خود کرتے تھے۔ درہ ہاتھ میں لے کر بازار کا گشت کرنے چلے

جاتے اور دکان داروں کو بھاؤ اور ناپ تول کی ایمان داری سے متعلق تلقین فرماتے۔

علم و فضل

حضرت علیؑ آسمان علم و فضل کے خورشید نصف النہار تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے آپ عمر بھر اس عرش کمالات انسانی کے فرش نشین رہے۔ جس کا درہ درہ

صد آفتاب و آغوش تھا۔ درس گاہ نبوت کے بحر بے پایاں میں غوطہ زن ہو کر آپ نے کائنات پر پیمائش و نظر کے ایسے ایسے لائی ابدار سے دامن بھرا۔ جن کی چمکا چوند پیدا کر دینے والی تیز روشنی سے متاثر ہو کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے حکیم امت بے ساختہ یوں لب کشا ہو گئے۔ کہ "علام الغیوب نے علیؑ کو علم کے دس حصوں میں سے نو حصے عطا فرمائے تھے۔ اور دسواں حصہ میں بھی آپ شریک تھے۔" جاموہ نبوت سے آپ کو انامدینہ العلم و علی با بھا کی سند عطا ہوئی۔

قرآن کریم کے حافظ اور اس کے بہت بڑے عالم تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھے قرآن حکیم کی ہر آیت کے متعلق یہ معلوم ہے۔ کہ وہ کہاں، کس کے متعلق اور کس باب میں نازل ہوئی۔ قرآن مجید کے سمجھنے اور اس سے احکام و مسائل کے اخذ کی غیر معمولی قابلیت آپ کی فطرت میں ودیعت کی گئی تھی۔ تفسیر میں آپ کا مد مقابل حضرت عبداللہ

عباس کے سوا کوئی نہ تھا۔ وصالِ نبویؐ کے بعد انھوں نے آیتوں اور سورتوں کی ترتیب
بول پر قرآن عزیز کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔

حدیث کی حفاظت اور روایت کے اعتبار سے صحابہؓ میں ایک امتیاز اور جہد رکھتے تھے
پانے پان سوچھپاسی حدیثیں روایت کی تھیں۔ جماعت صحابہؓ کے جن جواں بخت بزرگوں نے
حدیثِ نبویؐ تحریر کیں۔ ان میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔

فقہ میں وہ کمال حاصل تھا۔ کہ وہ بالاتفاق اس فن کے امام و مجتہد تسلیم کئے جاتے
تھے۔ اور صحابہ کبارؓ نازک و پیچیدہ فقہی مشکلات کی گرہ کشائی کے لئے آپؐ ہی کے آگے
ست استمداد دراز کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق اعظمؓ جیسے امام و مجتہد فقہ آپؐ سے
متفادہ کرتے تھے۔ فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جن کے فتاویٰ کے سنگین
حکم ستونوں پر فقہ حنفیہ کی عالی شان عمارت قائم ہے۔ آپؐ ہی سے کسب فیض کیا تھا۔
قضا یعنی مقدمات کے فیصلہ کرنے میں تمام اصحابِ نبویؐ میں آپؐ کا کوئی حریف نہ تھا۔
ناچہ رسول اللہ صلم نے آپؐ کی شان میں اقصائے عالم علیؓ فرمایا تھا۔

تقسیم وراثت کے فن میں آپؐ کا شمار مدینہ کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔
عہدِ شیخین میں فصل مقدمات کے وقت آپؐ کی رائے طلب کر کے اس سے استعانت
لی جاتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مجبوط الحواس زانیہ کو احکامِ شرعی کے
مطابق سزا دینی چاہی۔ لیکن حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر انھیں روک دیا۔ کہ پاگل شرعی حد سے
نستثنیٰ ہے۔

تصوف کا دریا آپؐ ہی کے طُورِ عرفان سے نکلا ہے۔ صوفیہ عظام کے مشہور سلسلے
حضرت حسن بصریؓ کی وساطت سے آپؐ ہی پر ختم ہوتے ہیں۔

فصائے عرب میں وہ ایک بلند مقام پر فائز ہیں۔ اور آپؐ کے خطبات جو ادب
مالیہ کا معیار ہیں۔ اس دعوے پر شاہد عادل ہیں۔

اس دو میں نوشت و خواند کا دستور عام نہ ہونے کے باوجود حضرت علیؓ تحریر و تسوید
میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلم کے فرامین لکھنے کی خدمت آپؐ کے

کے بھی سپرد تھی۔ صلح نامہ حدیبیہ آپ ہی نے تحریر فرمایا تھا۔ مکتوبات علیؑ کو ادب انشاء بہترین نمونے کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

شاعری کی طرف طبیعت کو فطری میلان اور رجحان تھا۔ ذوق سلیم کی نعمت سے مال مال تھے۔ بعض کتابوں میں آپ کے اشعار بھی درج ہیں۔ بلکہ دیوان علیؑ کتب فروشوں کی دکانوں اور خوش مذاق عالموں کی الماریوں کی زینت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دیوان کو حضرت علیؑ کی طرف منسوب کرنا اپنے آپ کو وجدان صحیح سے بیگانہ ثابت کرنا۔ کیونکہ شاعری کے اعتبار سے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

آپ فن نحو کے بانی تھے۔ مذہبی علوم اور مردہ فنون پر کامل عبور رکھتے تھے۔

سیرت المرتضیٰ اول تو حضرت علیؑ مرتضیٰ فطرتاً سلامت طبع کے سرمایہ دار تھے دوسرے سرور لولاک کے دامن تعلیم و تربیت میں پرورش پائے

کے باعث آپ خلق عالی اور احکام اسلامی کی تصویر بن گئے تھے۔

پرہیزگاری پرہیزگاری آپ کے آئینہ کردار کا روشن ترین جوہر تھی۔ زندگی کا ہر لمحہ زہد و تقویٰ میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ کا یہ مقولہ زبان زد خلاق ہے۔ کہ "وہ

مردار ہے۔ جو اسے حاصل کرنا چاہے۔ اسے کتوں کی صحبت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

آپ کی زندگی مختلف دوروں میں غریبی اور امیری دونوں چیزوں سے ذوق آشنا ہوا

لیکن زہد کا دامن کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ ایک دفعہ امیری کی لہر بہریں آمد

اس قدر بڑھ گئی۔ کہ چالیس ہزار سالانہ زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی تھی۔ لیکن فاقوں کی چاشنی

اس حالت میں بھی ہچیمانہ چھوڑا۔

ساری عمر معمولی ہی سے مکان میں گزار دی۔ گھر میں کوئی قابل ذکر اثاثہ نہ تھا۔ ایک

مینڈھے کی کھال سے فرش خواب کا کام لیا جاتا تھا۔ اوڑھنے کی چھوٹی سی چادر سراو

پاؤں کے ڈھانکنے کو بھی کافی نہ تھی۔

گھر کا کام کاج کرنے کے لئے کوئی خادم نہ تھا۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ الزہراء

سارا کام خود کرتی تھیں۔ چکی پیتے پیتے ہاتھوں پر نشان پڑ گئے تھے۔ کبھی کبھی متواتر فاطمہ

گزر جاتے تھے۔ ایک دفعہ اسی حالت میں مزدوری کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اور کسی بڑھیا کے کھیت کو پانی دے کر کچھ کھجوریں حاصل کیں۔ ایک مرتبہ گھر میں صرف خدا کا نام تھا۔ اس لئے اپنی تلوار فروخت کر کے فاقہ شکنی کی۔

عبادت آپ کا مرغوب مشغلہ تھا۔ ازبیر بن سعید قرظی بیان کرتے ہیں۔ کہ **عبادت** "آپ بنی ہاشم میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے" حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ "علیؑ دن کو روزہ رکھتے۔ اور رات کو عبادت کرتے تھے۔"

آپ اللہ کے راستے میں ہل کھول کر خرچ کرتے تھے **خدا کی راہ میں خرچ کرنا** اور یہی وجہ تھی۔ کہ امارت کی حالت میں بھی فاقوں کی نوبت آجاتی تھی۔ کسی محتاج کو کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔ اور کچھ پاس نہ ہوتا۔ تو کھانا تک سائل کو دے دیتے۔ اور خود بھوکے سو رہتے۔

آپ کی زندگی کے متعدد واقعات علیؑ رؤس الاشہاد امانت و **امانت اور دیانت** دیانت مرتضوی کا اعلان کر رہے ہیں۔ تکلیف پر تکلیف برداشت

کرتے۔ لیکن بیت المال سے اپنے حق سے زیادہ ایک کوڑی بھی لینا حرام سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے غلام قبر نے آپ کی تکلیفوں سے متاثر ہو کر بیت المال کے سامان سے کچھ نہایت قیمتی برتن الگ کر لئے۔ اور عرض کی۔ "آپ بیت المال سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا کچھ حق نہیں لیتے۔ لہذا میں نے آپ کے لئے پوشیدہ طور پر ایک چیز رکھ لی ہے" فرمایا۔ وہ کیا۔ عرض کی۔ خود چل کر دیکھ لیجئے۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں۔ کہ سونے چاندی کے برتن پڑے ہیں۔ آپ آگ بگولا ہو کر فرمانے لگے۔ "من جوگ تو میرے مکان کو جہنم کا ایک گوشہ بنانا چاہتا تھا" اور اسی وقت تمام برتن فرزند ان توحید میں بانٹ دئے۔

شجاعت اور جنگ آزمائی آپ کا ایک نمایاں وصف تھا۔ غزوات کے **شجاعت** واقعات اس حقیقت پر گواہ ناطق ہیں۔

آپ کی ساری زندگی تکلفات سے قطعاً بری اور سادگی کا ایک دل کش نمونہ تھی۔ **سادگی**

اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی پاپوش کی مرمت بھی خود ہی کر لیتے تھے۔

خلافت کے دنوں میں بے تکلف بازاروں کا گشت لگاتے۔ گم کردہ راہوں کو راستہ بتاتے۔ کمزوروں کا ہاتھ بٹاتے۔ اور دکان داروں کو عدل و تواضع وغیرہ کی نصیحت فرماتے۔

لباس اور غذا | کپڑے بالکل سادہ پہنتے اور خوراک نہایت معمولی کھاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ عبداللہ بن زبیر کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ کہ انہوں نے

عرض کی۔ "امیر المؤمنین! آپ پرند کا گوشت پسند نہیں فرماتے؟" فرمایا "خلیفہ! وقت بیت اللہ سے جو تمام مسلمانوں کا مشترکہ خزانہ ہے۔ دو پیالیوں کے سوا کچھ بھی لینے کا مستحق نہیں۔ ایک خود استعمال کیے۔ دوسری اپنے بیوی بچوں کو دے۔ باقی سے خلق خدا کی خدمت کرنے لئی غذاؤں سے پرہیز فرماتے تھے۔ ایک دفعہ تھوڑا سا فالودہ سامنے رکھا گیا۔ فرمایا۔ "بے شک یہ نہایت خوش رنگ اور لذیذ ہے۔ لیکن میں اپنے نفس کو ایسی چیزوں کا عادی نہیں بنانا چاہتا۔" سبحان اللہ

سیرت المرثی المتقید کے آئینے میں | ایک دفعہ امیر معاویہ نے حضرت علیؑ کے

"علیؑ کے اوصاف بیان کرو۔" پہلے تو انہوں نے اس سے معذرت چاہی۔ پھر زیادہ اصرار پر یوں لب کشا ہوئے :-

حضرت علیؑ عالی حوصلہ اور بے حد قوی تھے۔ دو ٹوک بات کہتے اور منصفانہ فیصلہ کرتے تھے۔ علم و حکمت کے سرچشمہ تھے۔ دنیا اور اس کے لطف و عیش سے نفور تھے۔ رات کے اندھیرے اور اس کی وحشت سے محبت رکھتے تھے۔ طبیعت بہت عبرت پذیر اور غور و فکر کی عادی تھی۔ سادہ لباس اور معمولی غذا پسند کرتے تھے۔ ہم لوگوں میں ہماری ہی طرح رہتے تھے۔ جب ہم بہ طریق دریافت کچھ عرض کرتے۔ تو جواب دیتے۔ حالانکہ ہم ان کے اور وہ ہمارے قریب رہتے تھے۔ لیکن ہم رعب و ہیبت سے ان کے ساتھ ہم کام نہ ہو سکتے۔ دین داران کے نزدیک قابل احترام اور غریب مصاحب تھے۔ ان کے

گے قوی باطل میں طمع نہ کر سکتا۔ اور کمزور انصاف سے ناامید نہ ہوتا تھا۔

”ایک واقعہ سنئے۔ جو ان آنکھوں نے کئی دفعہ دیکھا۔ رات کا پچھلا پیر ہے۔ اور وہ اپنی اڑھی ہاتھ میں لئے نہایت بیتابی کے ساتھ آنکھوں سے جوئے اشک بہاتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ ”اے دنیا! میں تیرے دھوکے میں نہیں آؤں گا۔ جا کسی اور کو فریفتہ کر۔ تو مجھے پکارتی ہے۔ لیکن میں تجھ سے دور بھاگتا ہوں۔ افسوس، افسوس۔ میں نے تجھے تین دفعہ طلاق دی۔ تیری عمر قلیل اور مقصد حقیر ہے۔ ہائے ہائے سفر لیا۔ راستہ ڈراؤنا اور رادو سفر کم ہے۔“

امیر معاویہؓ نے جو یہی اوصاف سنے۔ اشک بار ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ ”اللہ تعالیٰ یواحسن فی علیؓ پر رحم کرے۔ خدا کی قسم، وہ ایسے ہی تھے۔“



اکھواں باب

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

۲۰ سے ۳۱ تک

امام حسن رضی اللہ عنہ
تذکرہ حسن

حسن نام، ابو محمد کنیت، ریحانۃ النبی لقب۔ رمضان ۳ھ میں رسول اللہ

صلعم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ کا

نام آنحضرتؐ نے رکھا تھا۔ شکل صورت میں حضورؐ سے بہت ملتے جلتے تھے۔ آٹھ سال تک

نانا ہی کے آغوش شفقت میں پرورش پائی۔ یوں تو آنحضرتؐ سیدۃ النساء اور ان کی تمام اولاد

سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ لیکن حضرت حسنؑ کے ساتھ خاص طور پر غیر معمولی انس تھا

امام بخاریؒ، حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ "ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

منبر پر تشریف فرما تھے۔ حضرت حسنؑ پہلو میں بیٹھے تھے۔ حضورؐ کبھی مجمع کی طرف اور کبھی

نواسے کی طرف دیکھتے۔ اور فرماتے۔ "میرا یہ بیٹا ہے۔ اور مسلمان کی دو جماعتوں میں صلح

کرائے گا۔" ابن عباسؓ راوی ہیں۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے حضرت حسنؑ کو دوش

مبارک پر بٹھا رکھا تھا۔ ایک راہ گیر نے حضرت حسنؑ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میاں صاحبزادے

تم نے کیا خوب سواری پائی ہے۔" حضورؐ نے فرمایا۔ "سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔"

خلافت اور واقعات

بیعتِ خلافت | انتقال سے کچھ دیر پہلے حضرت علیؑ کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا۔ کہ آپ کے بعد کس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ آپ نے فرمایا۔ میں حکم بھی نہیں دیتا۔ اور منع بھی نہیں کرتا۔ تم جسے پسند کرو۔ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لینا۔ آپ نے جمہوریت خلافت کی بنا پر ایسا فرمایا تھا۔ لیکن لوگوں کو معلوم تھا۔ کہ محاسن و حالات کے اعتبار سے حضرت امام حسنؑ کے سوا حضرت علیؑ کا بہترین جانشین کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب سے پہلے قیس بن سعد انصاریؓ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اور کہا۔ ”میں کتاب و سنت اور محلین سے جنگ پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔“ آپ نے فرمایا۔ ”کتاب و سنت ہی کافی اور تمام شرائط پر عاوی ہے۔“

اس کے بعد تمام اہل عراق جو ق در جوق آکر بیعت کرنے لگے۔ اور رمضان سن ۳۰ھ میں حضرت امام حسنؑ نے منہ خلافت کو زینت بخشی۔

پہلی تقریر | حضرت امام حسنؑ نے زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

”لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص جدا ہوا ہے۔ کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے۔ نہ پچھلے اسے پاسکیں گے۔ رسول اللہ صلم لڑائیوں میں اسے اپنا علم مرحمت فرما کر بھیجتے تھے۔ وہ کسی لڑائی میں ناکام واپس نہ آیا۔ میکائیل اور جبرئیلؑ دائیں بائیں اس کی ہم رکابی میں ہوتے تھے۔ اس نے سات سو درم کے سوا جو اس کا اندوختہ تھا۔ سونے چاندی کا ذرہ تک نہیں چھوڑا۔ یہ درم بھی ایک غلام خریدنے کے لئے جمع کئے گئے تھے۔“

کوثر پر امیر معاویہؓ کی چڑھائی | حضرت علیؑ کی خبر شہادت پاتے ہی امیر معاویہؓ نے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ اور اہل شام سے تجدید بیعت کرائی۔ پھر دنیائے اسلام پر پرچم حکومت لہرانے کی دیرینہ تمنا کے پورا ہونے

کا موقع غنیمت سمجھ کر ساٹھ ہزار لشکرِ حترار کے ساتھ کوفہ پر چڑھائی کر دی۔ اور حضرت امام حسن سے کہلا بھیجا۔ کہ جنگ سے صلح بہر حال اچھی ہے۔ اور مجھے خلیفہ وقت مانتے ہوئے میرے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ اس پر حضرت امام حسنؑ چالیس ہزار کا لشکر لے کر کوفہ روانہ ہوئے اور مقام دیر عبد الرحمن میں پہنچنے کے بعد قیس بن سعدؓ کو بارہ ہزار کی فوج کے مقدمتہ الجیش کے طور پر آگے بھیجا۔ جب لشکر سا باطردان پہنچا۔ تو کسی نے قیس بن سعد کے مارے جانے کی خبر مشہور کر دی۔ حضرت امام حسنؑ نے یہاں ایک دن کے لئے قیام کیا۔ اور فوج سے خطاب کرتے ہوئے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

”بے کسی مسلمان سے بغض، عداوت یا کینہ نہیں۔ اور تمہیں اسی نظر سے دیکھتا ہوں۔ جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہوں۔ میں تمہارے رو برو ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ تم اسے رد نہیں کرو گے۔ جس اتفاق اور اتحاد کو تم اچھا نہیں سمجھتے۔ وہ اس نا اتفاق اور دشمنی سے بہتر ہے۔ جسے تم پسند کرتے ہو۔ مجھے صاف نظر آ رہا ہے۔ کہ تم میں سے اکثر جنگ سے احتراز کرتے ہوئے کمزوری کا ثبوت دے رہے ہو۔ اس لئے میں تمہاری مرضی کے خلاف تم پر جبر کرنا نہیں چاہتا۔“

یہ سن کر لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ خارجیوں اور منافقوں نے کہنا شروع کر دیا۔ کہ ”امام حسنؑ معاویہ سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان پر کفر کا فتویٰ بھی لگا دیا۔ تکفیر کی اس گولہ باری سے فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ ایک گروہ حضرت امام حسنؑ کو کافر کہتا ہوا آپ کے خیمے میں زبردستی داخل ہو گیا۔ جسم کا لباس پارہ پارہ کر دیا۔ اور جو چیز ہاتھ آئی۔ ٹوٹ لی۔ آپ نے گھوڑے پر سوار ہو کر ربیعہ اور ہمدان کے قبیلوں کو پکارا۔ وہ مدد کے لئے دوڑے آئے۔ اور مدد معاشوں کو مار ہٹایا۔ شور و شر کے رفع ہونے پر آپ عازم مدائن ہوئے۔ راستے میں ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے آپ پر نیزے کا وار کیا۔ آپ کی ران میں زخم آیا۔ حملہ آور خارجی پکڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ آپ مدائن کے قصر البیت میں لائے گئے۔ اور زخم کے اچھا ہونے تک وہیں مقیم رہے۔

زخم بھر جانے کے بعد یہ سن کر کہ عبید اللہ بن عامر شامی فوج کے ساتھ مدائن کے قریب ڈیرے ڈالے ہوئے ہے۔ حضرت امام حسنؑ مقابلے کے لئے نکلے۔ عبید اللہ بن عامر نے قریب پہنچ کر اہل عراق سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "میں جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا۔ امیر معاویہؓ بڑے لشکر کے ساتھ انبار میں ہیں۔ اور میں ان کا مقدّمہ الجیش ہوں۔ تم لوگ میری طرف سے امام حسنؑ کی خدمت میں سلام پہنچانے کے بعد عرض کرو۔ کہ عبید اللہ کہتا ہے۔ خدا کے واسطے جنگ سے احتراز کریں۔ تاکہ ہلاکت سے بچ جائیں۔" حضرت امام حسنؑ یہ پیغام سنتے ہی مدائن لوٹ آئے۔ اور عبید اللہ سے کہلا بھیجا۔ میں ان شرطوں پر امیر معاویہؓ سے صلح کرنے اور خلافت سے دست بردار ہونے پر تیار ہوں۔ (۱) امیر معاویہؓ کتاب و سنت پر عامل رہیں۔ (۲) پہلی دشمنی کو بھلا کر کسی کی جان و مال سے مزاحمت نہ کریں (۳) ہمارے طرف داروں کے حفظ جان کا عہد کریں۔"

اس پر عبید اللہ نے امیر معاویہؓ کے پاس جا کر حضرت امام حسنؑ کے یہی الفاظ دہرا دیے۔ امیر معاویہؓ نے جواب میں کہا۔ "مجھے یہ تمام شرائط منظور ہیں۔ اور اگر ان کے علاوہ حضرت امام حسنؑ کوئی اور شرط پیش کریں۔ تو مجھے وہ بھی منظور ہے۔ کیونکہ وہ نیک نیتی کے ساتھ صلح کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے ایک سفید کاغذ پر اپنے دستخط کر کے اور مہر لگا کر عبید اللہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ کاغذ حضرت امام حسنؑ کے پاس لے جاؤ۔ اور ان سے کہو۔ آپ اس کاغذ پر جو شرطیں چاہیں لکھ لیں۔ میں سب کی سب پوری کرنے پر آمادہ ہوں۔" جب عبید اللہ نے یہ دستخطی اور مہری کاغذ لے جا کر حضرت امام حسنؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ تو آپ نے اپنے کاتب کو طلب کر کے حسب ذیل صلح نامہ لکھوایا۔

"یہ صلح نامہ حسنؑ بن علیؑ بن ابی طالب اور معاویہؓ بن ابی سفیان کے درمیان تحریر کیا جاتا ہے۔ دونوں مذکورہ تحت باتوں پر راضی ہو گئے۔ امر خلافت معاویہؓ بن ابی سفیان کے حوالے کیا گیا۔ معاویہؓ کے بعد مسلمان مصلحت وقت کے مطابق جسے چاہیں گے خلیفہ بنائیں گے۔ معاویہؓ کے ہاتھ اور زبان سے تمام مسلمان محفوظ و مضمون رہیں گے۔ اور معاویہؓ سب کے ساتھ حسن سلوک پیش آئیں گے۔"

حضرت علیؑ کے متعلقین اور معاونین سے امیر معاویہؓ کوئی مزاحمت نہ کریں گے۔
 حسن بن علیؑ، حسین بن علیؑ اور ان کے متعلقین کو امیر معاویہؓ کوئی نقصان نہ
 پہنچائیں گے۔ اور یہ دونوں بھائی اور ان کے متعلقین جہاں چاہیں گے۔ ہیں گے۔
 امیر معاویہؓ اور ان کے عاملین وغیرہ کو یہ حق نہ ہوگا۔ کہ انھیں اپنا ماتحت سمجھ کر
 ان سے جبراً کسی ذاتی حکم کی تعمیل کرائیں۔ امیر معاویہؓ حسن بن علیؑ کو صوبہ اہواز کا
 خراج برابر بھیجے رہیں گے۔ بیت المال کو فہ کا سارا روپیہ امام حسن بن علیؑ کی ملکیت
 تصور کیا جائے گا۔ اور وہ اپنے اختیار سے اس پر جس طرح چاہیں گے تصرف کریں گے
 امیر معاویہؓ انعام و اکرام کے وقت بنی ہاشمؑ کو دوسروں پر مقدم رکھیں گے۔

امیر معاویہؓ یہ صلح نامہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپ ان کے مشیر سیاسی عمرو بن العاصؓ
 نے ان سے کہا۔ "یہ صحیح ہے۔ کہ آپ امام حسنؓ اور تمام کوفیوں سے بیعت لے چکے۔ لیکن
 مناسب یہ ہے۔ کہ امام حسنؓ سے مجمع عام کے سامنے دست برداری کا اعلان کرایا جائے۔"
 امیر معاویہؓ نے حسب مشورہ حضرت امام حسنؓ سے اعلان دست برداری کی درخواست کی۔ آپ
 نے حسب ذیل الفاظ میں اعلان فرمایا۔

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پھلوں سے تمہاری
 خونریزی کرائی۔ دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ، اور عجز میں سب سے
 بڑا عجز بد اعمالیاں ہیں۔ خلافت ہمارے اور معاویہؓ کے درمیان ماہہ انزعاج ہے۔
 یا وہ اس کے واقعی حق دار ہیں یا میں ہوں۔ دونوں صورتوں میں محمد صلعم کی امت
 کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے اس سے دست بردار ہوتا
 ہوں۔" پھر معاویہؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ "یہ خلافت تمہارے لئے چند
 روزہ سرمایہ ہے۔" یہ سنتے ہی امیر معاویہؓ بول اٹھے۔ "بس کیجئے۔" اور عمرو
 بن العاصؓ سے کہا۔ "تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ یہی سنو نا چاہتے
 تھے۔"

اس کے بعد حضرت امام حسنؓ کے منبر سے اترتے ہی امیر معاویہؓ نے آپ سے مخاطب

دکر کہا۔ ”ابو محمد! آج آپ نے ایسی پہاوری دکھائی ہے۔ کہ آج تک کوئی نہ دکھا سکا۔“

تکبیل صلح سے فارغ ہو کر امیر معاویہؓ کو فد سے دمشق روانہ ہو گئے۔

رینہ میں سکونت اور امام حسنؓ کی زندگی تک برابر آپ کی خدمت میں موجود رہے۔ یہ صحیح اور عزت و تعظیم کرتے رہے۔ کچھ عرصے کے بعد کوفیوں نے یہ خبر مشہور کر کہنی شروع کی۔ کہ ام امام حسنؓ کو صوبہ ابواز کا خراج وصول نہیں کرنے دیں گے۔ یہ تو ہمارا مالِ غنیمت ہے۔ سب امام حسنؓ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے کوفیوں کے ایک بھاری مجمع میں یہ تقریر فرمائی:۔

”عراق والو! میں بہت دفعہ تم سے درگزر کر چکا ہوں۔ تم نے میرے باپ کو شہید کیا۔ میرا گھر بار ٹوٹا۔ مجھے نیزہ مار کر مجروح کیا۔ تمہیں دو قسم کے مقتولین یاد ہیں۔ ایک صفین میں قتل ہونے والے۔ دوسرے مقتولین نہروان کا معاوند طلب کرنے والے۔ معاویہؓ نے تم سے جو معاملہ کیا ہے۔ اس میں تمہارے لئے نہ انصاف ہے نہ عزت۔ پس اگر تم موت پر رضامند ہو۔ تو میں اس صلح کو توڑ دوں۔ اور تلوار کے ذریعے سے فیصلہ طلب کروں۔ اور اگر تمہیں زندگی عزیز ہے۔ تو پھر میں اس صلح پر قائم رہوں۔“

یہ سن کر لوگ یک بارگی بول اٹھے۔ ”صلح پر قائم رہئے، صلح پر قائم رہئے“ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی جنہوں نے اپنے آپ کو ملکی اور سیاسی الجھنوں سے بے تعلق کر کے اونٹوں اور بکریوں کے چرا بنے اور کنج عزت میں مصروف عبادت رہنے کا شغل اختیار کر لیا تھا۔ امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اب رہے ان کے شدید مخالف اور حضرت علیؓ کے پُر جوش حامی حضرت قیس بن سعد انصاریؓ۔ وہ ان کی امارت تسلیم کرنے پر رضامند نہ ہوتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے شروع ہی سے انہیں اپنے ساتھ ملانے کی انتہائی کوشش جاری رکھی تھی۔ لیکن ہر دفعہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ آخر اس نازک موقع پر غائر نظر ڈال کر امیر معاویہؓ نے ان کے پاس بھی مہر شدہ سادہ کاغذ بھیج دیا۔ کہ وہ جو شرائط اس پر لکھ دیں گے۔ بلا حیل و حجت منظور کر لی جائیں گی۔ چنانچہ انہوں نے چند

شرطیں پیش کیں۔ جو بطیب خاطر مان لی گئیں۔ اور اب راستہ صاف ہو کر امیر معاویہؓ بلا اختلاف عالم اسلام کے خلیفہ بن گئے۔

انعقاد صلح کے بعد تھوڑے عرصے تک حضرت امام حسنؓ کو فد میں مقیم رہے۔ پھر تمام متعلقین کے ساتھ مدینہ الرسولؐ چلے گئے۔ اور حیات مستعار کے باقی دن اسی زیارِ محبوب میں بسر کر دئے۔

وفات آخر شدہ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ وجہ موت کے متعلق عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا۔ یہ بھی روایت

کیا جاتا ہے۔ کہ اس میں امیر معاویہؓ کا ہاتھ تھا۔ لیکن یہ دونوں باتیں خارج از تحقیق ہیں۔ البتہ اتنا درست ہے۔ کہ وفات زہر سے واقع ہوئی تھی۔ حضرت امام حسینؓ سے واقعہ بیان کیا۔ پوچھا زہر دینے والے کا نام کیا ہے۔ فرمایا۔ اس سے کیا حاصل؟ عرض کی۔ اس کی گردن مار دوں گا۔ فرمایا "اگر میرا خیال درست ہے۔ تو منتقم حقیقی بہتر بدلہ لے گا۔ ورنہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ قابل تعزیر کیوں قرار پائے؟"

یہ بھی فرمایا۔ "میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں گزارش کی ہے۔ کہ مجھے آنحضرتؐ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت دے دیجئے۔ اس وقت تو انھوں نے منظور فرمایا تھا۔ لیکن میرے بعد پھر اجازت حاصل کرنا۔ اگر مان لیں۔ تو روضہ رسولؐ میں دفن کرنا۔ اگر بنی امیہ مزاحم ہوں۔ تو پھر اصرار کی ضرورت نہیں۔ اور بقیع میں سپرد خاک کر دینا۔" چنانچہ حضرت امام حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت امام حسینؓ نے ان کے ارشاد کی تعمیل کی۔ تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ لیکن مروان یہ خبر سن کر مزاحم ہوا۔ اس پر حضرت امام حسینؓ اپنے رفیقوں کے ہمراہ ہتھیار لگا کر چلے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کے بچھانے بچھانے سے رُک گئے۔ چنانچہ حضرت امام حسنؓ اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ کے ہمراہ اپنے پہلو میں دفن کر دئے گئے۔

ازواج و اولاد عام تاریخوں کے مطابق تو آپ کی بیویوں کی تعداد حدِ مبارک تک پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ آپ متعدد خواتین کو اپنے

جہاں عقد میں لائے۔ جن سے آٹھ اور بروایت دیگر نو بیٹے اور چھ بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ حسن، زید، عمر، قاسم، ابوبکر، عبدالرحمن، طلحہ، عبید اللہ۔

علم و فضل حضرت امام حسنؑ حضرت علیؑ جیسے فاضل باپ کے فاضل بیٹے تھے۔ حدیث میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ فقہ میں ایسا کمال حاصل تھا۔ کہ آپ مدینہ کی صاحب علم و افتا جماعت کے رکن تھے۔ آپ کے خطبات میں ستائش اور پسند و وعظ ٹوٹ ٹوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ شعرو سخن سے بھی دلچسپی تھی۔

سیرت الحسن حضرت امام حسنؑ صورت کی طرح سیرت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکارم اخلاق کی تصویر تھے۔

بے نیازی بے نیازی اور غنا آپ کے آئینہ اخلاق کا روشن ترین جوہر ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں خلافت جیسے منصب جلیلہ سے دست برداری استغنا کی نادر الوجود مثال ہے۔

ضبط اور بردباری آپ ضبط، علم اور تحمل کا مجسمہ تھے۔ انتہائی شغلی میں بھی کہیں کوئی تند و درشت لفظ زبان سے نہ نکالا۔ جب خلافت سے دست بردار ہوئے۔ تو دشمنوں نے دو بدو آپ کی شان میں "تنگ مسلمین" جیسے سخت کلمات کہے۔ مگر پیکر عالم نے جواب دیا بھی تو یہ کہ "میں نے مسلمانوں کو ذلیل نہیں کیا۔ البتہ حکومت کے لئے ان کی خوں ریزی مناسب نہ سمجھی۔"

ایک دفعہ مروان نے آپ کو نہایت غیر مہذب الفاظ سے یاد کیا۔ آپ نے کچھ نہ کہا۔ معاملہ خدا پر چھوڑ دیا۔ شہادت کے بعد مروان آپ کی میت پر رونے لگا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ "زندگی میں تو تم نے انھیں جی بھر کے دکھ پہنچایا۔ اور اب رو رہے ہو۔ مروان نے کہا۔ "آہ! میں نے یہ سب کچھ ایک ایسے شخص کے ساتھ کیا۔ جو پہاڑ سے بھی زیادہ بردبار اور تحمل تھا۔"

عبادت آپ کی زندگی کا بہت سا حصہ عبادت الہی میں گزرتا تھا۔ ایک شخص نے امیر معاویہؓ کے سوال کے جواب میں آپ کے حالات بیان کرتے ہوئے

کہا۔ "حضرت امام حسنؑ فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک مصلے پر بیٹھے اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں۔ پھر ملاقاتیوں سے باتیں کرتے ہیں۔ چاشت کی نماز ادا کر کے اہبات المؤمنینؑ کو سلام کرنے جاتے ہیں۔ اور گھر ہوتے ہوئے پھر مسجد میں آجاتے ہیں۔"

آپ نے بہت سے حج پایادہ کئے۔ فرمایا کرتے تھے: "مجھے شرم آتی ہے کہ خدا سے ملنے جاؤں اور سوار ہو کر راستے طے کروں۔"

عقائد کی درستی | اصلاح عقائد میں آپ تن دہی سے کوشاں رہتے تھے۔ پیروان حضرت علیؑ کا ایک گروہ کہتا تھا۔ "آپ کی وفات عام لوگوں کی طرح واقع نہیں ہوئی۔ آپ قیامت سے پہلے ہی زندہ ہو جائیں گے۔" حضرت امام حسنؑ کو اس فاسد عقیدے کی اطلاع ہوئی۔ تو فرمایا: "یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ ایسے اشخاص پیروان علیؑ کا دعویٰ کیونکر کر سکتے ہیں۔ اگر ہمیں اس بات کا یقین ہوتا۔ کہ علیؑ عنقریب ظاہر ہوں گے۔ تو نہ ہم ان کی میراث بانٹتے اور نہ ان کی ازدواج کا دوسرا نکاح ہونے دیتے۔" بہ شکر

سخاوت اور فی سبیل اللہ خرچ کرنا | سخاوت اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا وصف آپ نے میراث میں پایا تھا۔ جب کبھی موقع ملتا۔ نہایت فیاضی سے خدا کے راستے میں مال و زر صرف کر دیتے۔ زندگی میں تین دفعہ سارے مال و متاع کا ادھا ادھانی سبیل اللہ خرچ کر دیا۔ یہاں تک کہ دو بچوں اور دو موزوں میں سے ایک بچوٹا اور ایک موزہ بھی دے دیا۔

آپ کی سخاوت کا سحاب کرم دوست دشمن پر یکساں گواہی دیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت علیؑ کے کسی دشمن کے پاس نہ سواری تھی نہ زاد سفر۔ اس نے اہل مدینہ کے آگے دست سوال دراز کیا۔ لوگوں نے کہا۔ حضرت حسنؑ کے پاس جاؤ۔ وہ حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اس کی مراد پوری کر دی۔ لوگوں نے اعتراضاً کہا۔ "آپ اپنے اور اپنے والد کے مخالف سے کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔" فرمایا۔ "کیا ان سے اپنی عزت کی حفاظت نہ کروں؟"

محتاجوں کی حاجت پوری کرنا | ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے میں آپ کو روحانی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اور اسے نفل

عبادت سے بہتر سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اعتکاف فرما رہے تھے۔ کوئی محتاج آیا۔ آپ نے اعتکاف کو درمیان ہی میں چھوڑ کر اس کی ضرورت پوری کر دی۔ اور فرمایا: "میرے خیال میں کسی بھائی کی ضرورت کو پورا کرنا ہیینہ بھر کے اعتکاف سے افضل ہے۔"



نواں باب

بنی اُمیہ

حقیقت یہ ہے کہ خلفائے راشدینؓ کے بعد خلافت خلافت نہ رہی۔ بلکہ حکومت میں تبدیل ہو گئی۔ اور خلافت راشدہ میں بھی شیخین یعنی پہلے دو دنوں خلیفوں کا زمانہ بہترین زمانہ تھا۔ یہ دو دنوں خلیفہ نہ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔ نہ بنی اُمیہ سے۔ تیسرے خلیفہ بنی اُمیہ میں سے اور چوتھے بنی ہاشم میں سے تھے۔ اب خلافت راشدہ کے بعد سلطنت بنی اُمیہ کا دور دورہ ہوا۔

قبیلہ قریش کی دس شاخوں میں سے دو شاخیں بنی ہاشم اور بنی اُمیہ ماہ الامتیاز حیثیت رکھتی تھیں۔ بنی ہاشم کی عظمت کا راز کعبے کی تولیت میں مضمر تھا۔ اور بنی اُمیہ تجارت کے باعث امارت و تمول کی بنا پر جلیل المرتبت سمجھے جاتے تھے۔ ان دو دنوں بڑے خاندانوں میں پہلے ہی سے معاصرانہ کشیدگی۔ جذبہ رقابت اور جوش مسابقت چلا آتا تھا۔ اسلام سے پہلے یہ رقابت معمولی تھی۔ لیکن جب خداوند کریم نے بنی ہاشم کو نبوت کا اعزاز عطا فرمایا۔ تو اُمیہ کی کشیدگی ذرا تیز ہو گئی۔ ورنہ انھیں رسول اللہ صلعم سے کوئی خاندانی مناقشت نہ تھی۔

ان دو دنوں معزز خاندانوں میں رشتہ داری کے تعلقات بدستور قائم رہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ مسلمانوں کے بہت بڑے دشمن ابوسفیان کی صاحب زادی تھیں۔ حضرت زینبؓ بنت رسولؐ ابوالعاصؓ بن اموی کی زوجہ تھیں۔ آنحضرتؐ کی دو

صاحب زاریاں کیے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں۔

بنی اُمیہ میں سے جن خوش نصیبوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرتؐ نے قابلیت کے

اعتبار سے ان کی قدر افزائی فرمائی۔ مثلاً فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان کے مکان کو دارالامان

قرار دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے چچا عثمان بن ابوالعاصؓ کو طائف اور اس کے مضافات

کا۔ عتاب بن اسید کو مکہ کا۔ خالد بن سعید کو یمن کا۔ عثمان بن سعید کو خیبر کا اور ان کے بھائی

ایمان کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا۔

آنحضرتؐ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی اموی خاندان کی عزت اور وقار کا لحاظ

رکھا۔ چنانچہ حملہ شام کے وقت یزید بن ابی سفیان کو ایک دستہ فوج کا کمان دار بنایا۔ یہ

لوگ بھی جان توڑ کر لڑے۔ اور گزشتہ کوتاہیوں کی پوری طرح تلافی کر دی۔ فتح دمشق کے

بعد حضرت فاروق اعظمؓ نے یزید بن ابی سفیان کو وہاں کا عامل مقرر کیا۔ پھر ان کے انتقال

پر یہ عہدہ ان کے بھائی معاویہ کو دے دیا۔

بنی اُمیہ میں تیرہ فرماں روا ہوئے جنہوں نے تقریباً تئیس سال تک پرچم حکومت لہرایا۔

ان کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے :-

اُمیہ بن عبد شمس (بانی خاندان)

ابوالعاص بن اُمیہ

حکم بن العاص

(۱) مروان بن حکم

حزب بن اُمیہ

ابوسفیان بن حرب

(۲) معاویہ اول بن ابی سفیان (بانی دولت امویہ)

(۳) یزید اول بن معاویہ

(۴) معاویہ ثانی بن یزید

(۵) عبد الملک بن مروان

(محدود دولت امویہ)

عبد العزیز بن مروان

(۶) محمد بن مروان

(۷) عمر بن عبد العزیز (۱۳) مروان ثانی بن محمد

(۸) یزید اول بن عبد الملک

(۹) سلیمان بن عبد الملک

(۱۰) یزید ثانی بن عبد الملک (۱۱) ہشام بن عبد الملک

(۱۲) یزید ثالث بن ولید

(۱۱) ولید ثانی بن یزید ثانی

حضرت امیر معاویہؓ

۲۱ھ سے ۵۹ھ تک

حضرت امیر معاویہؓ ابوسفیان بن حرب کے بیٹے تھے۔ ۲۱ھ قبل

مختصر حالات

ہجرت پیدا ہوئے۔ پانچویں پشت پر آپ نسب میں آنحضرتؐ سے

س جاتے ہیں۔ فتح مکہ کے دن پچیس سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ آکر مسلمان ہوئے

در وصال نبویؐ تک حضورؐ کے ساتھ رہے۔ حنین اور طائف کی لڑائیوں میں بھی شرکت

کی۔ مدینہ میں آنحضرتؐ نے کتابت وحی کی خدمت آپ کے سپرد کی۔ اس کے علاوہ وفود

کا خاطر مدارات اور قیام و طعام کا انتظام بھی انھیں کے ذمے تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے حملہ شام کے وقت ایک دفعہ انھیں قائد فوج بنایا۔ عرقہ کی فتح میں

امیر معاویہؓ ہی کا ہاتھ تھا۔ قیساریہ کی ہم سر کرنے کا سہرا بھی جس میں اسی ہزار رومی کھیت سہے

تھے۔ انھیں کے سر رہا۔

۳۸ھ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے امیر معاویہؓ کو ان کے بھائی یزید کے انتقال پر

مشق کا عامل مقرر کیا۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے سارے شام کی عنان حکومت انھیں کے

ہاتھ میں دے دی۔ انھوں نے ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دئے جو تاریخ جزیرۃ العرب

کے اوراق پر زریں حروف میں ابد الابد ثبت رہیں گے۔ یہ انھیں کی سر فرشاہ ساعی کا

خوش گوار نتیجہ تھا۔ کہ ولایت شام میں حکومت اسلامیہ کے سر بفلک ایوان کو ایسا استحکام

اور استواری نصیب ہوئی۔ جس کے ساتھ ٹکرا جانے کے تصور ہی سے رومیوں پر لرزہ

طاری ہو جاتا تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے مقابلے پر صف آما ہوئے

جس کا مفصل تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت امام حسنؓ

سند خلافت پر متمکن ہوئے۔ تو ان سے مقابلہ ہوا۔ آخر مصالحت کے رُود سے حضرت امام حسنؓ

اصلاح امت اور مسلمانوں کی خون ریزی سے بچنے کے لئے امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں میں امیر معاویہؓ سارے جہان اسلام کے خلیفہ تسلیم کر لئے گئے۔

خلافت

حضرت امیر معاویہؓ نے تختِ خلافت پر قدم رکھا۔ تو مسلمان تین سیاسی جماعتوں پر منقسم تھے :-

(۱) شیعینانِ علیؓ :- یہ جماعت صرف اہل بیت کو منصبِ خلافت کا حق دار تسلیم کرتی تھی اس کے ارکان زیادہ تر عراق، ایران اور مصر میں آباد تھے۔ لیکن حضرت امام حسنؓ کے ترکِ خلافت کے بعد ان لوگوں کی تعداد کم اور ہمتیں پست ہو گئی تھیں۔

(۲) شیعینانِ معاویہؓ یا بنی امیہ :- یہ جماعت امیر معاویہؓ اور بنی امیہ ہی کو خلافت کا حق دار سمجھتی اور انھیں کی تائید و حمایت کے لئے ہر وقت اور ہر جہت تیار رہتی تھی۔

(۳) خوارج :- یہ جماعت شیعینانِ علیؓ اور شیعینانِ معاویہؓ دونوں کو گمراہ اور کافر قرار دے کر انھیں واجبِ قتل سمجھتی تھی۔ یہ لوگ تعداد میں تو قلیل تھے۔ مگر عقائد کے سخت عمل میں ثابت قدم، بیباک، سر باز اور بہادر تھے۔

ایسی جماعتوں پر شکلِ ملک کو زیرِ نگیں رکھنے اور قیامِ امن کے لئے جس مہترانہ سیاست کی ضرورت تھی۔ اس سے

خارجیوں کی بغاوت

امیر معاویہؓ کا دامنِ خرد مالا مال تھا۔ چنانچہ انھوں نے ان جماعتوں کے سرداروں کے ساتھ نہایت تحمل، نرمی، شفقت اور رواداری کا سلوک کیا۔ لیکن خارجیوں کی فطری شرانگیزی اور رنگ لائے بغیر نہ رہی۔ یہ گروہ برابر امن براندازی کے شعلے بھڑکاتا رہا۔ اور اس کی شمشیر خارا شکافِ پیہم نظامِ ملت کو پارہ پارہ کرنے میں مصروف رہی۔ اس لئے امیر معاویہؓ کو اس سے پہلے انھیں کا شیرازہ درہم برہم کرنے کے لئے میدان میں نکلنا پڑا۔

۳۱۔ میں خارجیوں کا ایک سردار فروین نوفل پان سو جاں باز نفوس کی جمعیت کے

ٹھا۔ اور کوفہ کے قریب تھلیہ میں مقیم ہو کر علم بغاوت بلند کیا۔ امیر معاویہؓ نے شامیوں کی ایک فوج اس کی گوشالی کے لئے بھیجی۔ لیکن اسے فروہ کے مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاری شکست کھانے کے بعد پس پا ہونا پڑا۔ امیر معاویہؓ نے کوفہ والوں کو لکھ بھیجا۔ کہ ذمہ دار تم ہو۔ اگر تم فروہ کو گرفتار کر کے میرے حوالے نہ کرو گے۔ تو اس کا خمیازہ کھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ انھوں نے فروہ کو گرفتار کر لیا۔ اس پر خارجیوں نے عبداللہ بن ابی الحواریہ کو اپنا سردار بنا لیا۔ اہل کوفہ نے ان کا مقابلہ کیا۔ اور عبداللہ لڑتے لڑتے مارا گیا۔ اب خارجیوں کی تعداد صرف ڈیڑھ سو رہ گئی۔ اور انھوں نے حوشروہ بنی وداع اسدی کو اپنا سردار منتخب کیا۔ امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن کوفہ احمد کو دو ہزار کی فوج کے ساتھ مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن خارجی برابر جان بازی کے جوہر دکھاتے رہے۔ ادھر ایک سردار مارا گیا، تو جھٹ دو سرے نے اس کی جگہ لے لی۔ اس طرح ابن کی ہنگامہ خیزی کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا۔

یہ رنگ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے خارجیوں کا زور توڑنے کے لئے ایک تجربہ کار اور ممتاز سپہ سالار بن مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ اور مغیرہ نے ایک ہی سال کے دوران میں بظاہر خارجیوں کا شیرازہ قوت مستحکم کر کے اسے تاریکیوں کی طرح ہمایں اڑا دیا۔

یوں تو فتنہ و شر کی یہ آگ ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ مگر راکھ میں کوئی دبی ہوئی چنگاری باقی رہ گئی۔ جو کچھ عرصے تک غیر مرنی طور پر سلگتی رہی۔ آخر ۳۳ھ میں ایک بارگی بھڑک اٹھی۔ لیکن خیر گزری۔ اس کے شعلے خرمین امن تک پہنچنے سے پہلے ہی آپ تدبیر سے بجھا دئے گئے۔ اس جہال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ خارجیوں کے ایک سردار مستور بن علقمہ نے اپنے چند مشیروں کے ساتھ مل کر یہ سازش کی۔ کہ یکم شوال ۳۳ھ کو عید کی نماز سے کچھ دیر پہلے جوق در جوق چلنے والے لوگوں پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔ لیکن مغیرہ کو پہلے ہی اس سازش کا پتہ چل گیا۔ اور انھوں نے سازشیوں کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ مستور و تونج کر نکل گیا۔ مگر اس کے ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔

مغیرہ کمال مدبر کے ساتھ نرم طبع اور امن پسند بھی واقع ہوئے تھے۔ وہ اس وقت تک

تلوار نہ اٹھاتے تھے۔ جب تک اس کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نظر نہ آئے۔ چنانچہ انھوں نے ایک اجتماع میں اہل کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

”لوگو! میں ہمیشہ تمہارے لئے امن و عافیت چاہتا۔ اور مصائب کو تم سے روکتا ہوں۔ مجھے سخت اندیشہ ہے۔ کہ کہیں نادان لوگ اس سے الٹا اثر لے کر کسی نقصان رساں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ہاں نیک دل اور صاحب علم و تحمل افراد سے اس کی امید نہیں۔ بخدا میں ڈرتا ہوں۔ کہ کہیں بے علم نادانوں کے ساتھ ثقہ، متین، اچھے اور بے گناہ لوگوں کے مواخذہ پر مجبور نہ ہو جاؤں۔ عام مصیبت کے وارد ہونے سے پیشتر اپنے خرد باختہ لوگوں کو منع کرو۔ مجھے خبر ملی ہے۔ کہ بعض اشخاص لفاق اور عناد کی داغ بیل ڈال رہے ہیں۔ واللہ وہ لوگ عرب کے خواہ کسی قبیلے سے ہوں۔ میں انھیں موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ لیکن کس طرح؟ ایسی عبرتناک سزائیں دے کر جن سے ان کے بعد آنے والے کان پکڑیں۔“

ان کی یہ پور عرب و پُر جلال تقریر سن کر ایک قبیلے کا سردار معقل بن قیس بول اٹھا کہ ہر قبیلے کا سردار اپنے قبیلے کو شراں گیزیوں سے منع کرے۔ میں اپنے قبیلے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ میخرا نے یہ معقول تجویز پسند کر کے قبائل کے سرداروں کو طلب کیا۔ اور کہا۔ ”دیکھو! تم لوگوں پر اپنے اپنے قبیلے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس بد نظمی کا خمیازہ تمہیں کو بھگتنا ہوگا۔“ تمام سردار اس انتباہ سے بنیاد متاثر ہوئے۔ اور انھوں نے اپنے اپنے قبیلے کے مال و اندیشہ لوگوں کی طنائیں کھینچ لیں۔

مستورد ایک ہی کائیاں تھا۔ جب اس کے کان میں یہ بھنک پڑی۔ تو وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کہیں نکل کھڑا ہوا۔ منیرہ نے اس کا قلع قمع کرنے کے لئے فوجیں بھیجیں۔ طرفین میں مقتدر و تنوں ریز لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں بہت سے خارجی کھیت رہے۔ ادھر مستورد کی زندگی کا خاتمہ ہوا۔ ادھر خارجیوں کی اصلی قوت اور زور ختم ہو گیا۔

زیاد بن ابی سفیان | زیاد کے سوا عرب کے تمام مدبرین امیر معاویہ کے ہم نوا ہو گئے تھے۔ زیاد حضرت علیؓ کا حامی اور امیر معاویہؓ کا مخالف تھا۔

خلافت علویؑ ہی کے زمانے سے فارس کا حاکم چلا آتا تھا۔ زیاد اپنے آپ کو ابوسفیان کا بیٹا کہتا تھا۔ چنانچہ سکہ میں امیر معاویہؓ نے بعض شہادتوں کی بنا پر کہ ابوسفیان نے زمانہ جاہلیت میں زیاد کی ماں سمیہ کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ زیاد کو اپنا سوتیلا بھائی مان لیا۔ اور ۳۵ھ میں بصرہ کی فتنہ و شورش فرو کرنے کے لئے اسے بصرہ کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔

بصرہ کے پہلے حاکم عبد اللہ بن عامر بہت نرم طبع تھے۔ یہاں تک کہ فتنہ پرداز عنقریب بھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے تھے۔ اور اہل بصرہ نہایت شورش پسند و امن دشمن تھے۔ زیاد نے یہاں آکر فتنہ و فساد کا بازار گرم دیکھا۔ تو جامع بصرہ میں ایسی آتش بار تقریر کی۔ جو عربی ادب العالیہ کے شاہکاروں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ تقریر خطبہ تبرار کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا کسی قدر اقتباس یہ ہے۔

”شہید چال اور تاریک ضلالت نے ہر کہ و مر کو گھیر رکھا ہے۔ گویا تمہارے کتاب اللہ نہیں دیکھی۔ اور اس میں طاعت گزاروں کے لئے ثواب عظیم اور گنہ گاروں کے لئے عذاب الیم کا ذکر نہیں پڑھا۔ تم نے اسلام میں جدید آئین جاری کئے ہیں۔ مگر ہر ناوک ظلم کا نشانہ بنائے جاتے ہیں۔ تم ان کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ دن کی روشنی میں ضعیف عورتوں کے ہال پر دست درازی کی جاتی ہے۔ تم ان کے کام کیوں نہیں آتے۔ کیا تم میں ایسے لوگ نہیں جو گمراہوں کو رہزنی اور لوٹ مار سے روکیں۔ تم رشتہ داری کا پاس کرتے ہو۔ اور دین کی پروا نہیں کرتے۔

واللہ اگر حالات رو بہ اصلاح نہ ہوئے۔ تو میں بندہ کی جگہ خواجہ کو۔ مسافر کی جگہ مقیم کو۔ نافرمان کے بجائے فرمان بردار کو اور بیمار کی جگہ تندرست کو پکڑ کر سزا دوں گا۔ جس شخص کے گھر میں چوری ہوگی۔ اس کا مال خود ادا کروں گا۔ اور جو شخص رات کو باہر پھرتا دیکھا جائے گا۔ فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ صرف اس قدر مہلت دی جاتی ہے۔ کہ جانے والا کو ذرا جا کر لوٹ آئے۔ اس مہلت کے بعد کسی قسم کے عذر کی شنوائی نہیں ہوگی۔

میرے کان جاہلیت کی بانگ بے ہنگام سے آفتانہ ہوں۔ ورنہ میں بولنے

وائے کی زبان کاٹ لوں گا۔ تم لوگوں نے نئی قسم کے جرم وضع کئے ہیں۔ ہم نے بھی ان کے لئے نئی قسم کی سزائیں مقرر کر لی ہیں۔ سزا کسی کو عرق کرنے والا خود طوق کر دیا جائے گا۔ کسی کو آگ میں جلانے والا خود آگ میں جلا دیا جائے گا۔ جس نے کسی کے مکان میں نقب لگائی۔ اس کے دل میں سوراخ کر دیا جائے گا۔ جس نے کسی کی قبر کھودی۔ وہ جیتے جی قبر میں دبا دیا جائے گا۔ تم اپنی زبان اور ہاتھ مجھ سے بچاؤ۔ میں اپنی زبان اور ہاتھ تم سے علیحدہ رکھوں گا۔

میرے اور بعض قوموں کے مابین کچھ خصامت تھی۔ مگر آج میں اسے پامال کرتا ہوں۔ اگر مجھے پتہ چل جائے۔ کہ کوئی شخص مجھ سے دلی دشمنی کے باعث بل سے بیمار ہو گیا ہے۔ تو بھی میں اس کی پردہ پوشی کروں گا۔ لیکن اگر وہ ہانکے پکارے عداوت کا اظہار کرے گا۔ تو پھر میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ تم اپنے طریق عمل کی اصلاح اور نیکو کار ہو کر اپنی مدد آپ کرو۔ کچھ لوگ ہیں جو میرے آنے سے غلگین ہیں۔ لیکن آخر وہ خوش ہو جائیں گے۔ اور کچھ لوگ ہیں جو خوش ہو رہے ہیں۔ لیکن آخر وہ غلگین ہوں گے۔

لوگو! ہم تمہارے فرماں روا اور محافظ ہیں۔ تمہارے لئے ضروری ہے۔ کہ ہماری فرماں برداری کرو۔ اور ہمیں تم سے انصاف لازم ہے۔ لہذا ہمارے ہی خواہش کن ہمارے انصاف کے حق دار ہو جاؤ۔ واللہ۔ میں تم میں سے اکثر اشخاص کو اپنے ہاتھ سے مات کھائے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اس لئے ہر ایک کو ڈرنا چاہئے۔ کہ وہ میرے ہاتھ سے مات نہ کھائے۔

اس شعلہ افشان اور ہراس انگیز تقریر کے ساتھ ہی زیاد نے عبداللہ بن حصن کو شہر کا کوتوال بنا دیا۔ جو رات کو گشت کر کے نگرانی کا فریضہ انجام دیتا۔ بصرہ میں گویا مارشل لا جاری کر دیا گیا۔ جو شخص ایک مقررہ وقت کے بعد اپنے گھر سے باہر نظر آتا۔ وہ خدنگ اجل کا نشانہ بنا دیا جاتا۔ اس طریق عمل سے بصرہ کے گوشے گوشے میں خوف اور دہشت پھیل گئی۔ فتنہ و فساد دور ہو کر امن و امان قائم ہو گیا۔ چوری اور دہشتی کا پوری طرح استیصال کر دیا گیا۔ کسی کے ہاتھ

سے گری ہوئی چیز وہیں پڑی رہتی۔ آخر مالک ہی اسے اگراٹھاتا۔ دکاندار دکانیں کھلی چھوڑ کر جہاں جی چاہتا چلے جاتے۔ اور کوڑی کے برابر بھی ان کا نقصان نہ ہوتا۔

انتہائی سختی کے ساتھ ساتھ زیادہ موقع و محل دیکھ کر مناسب نرمی اور رعایت سے بھی کام لیتا تھا۔ چنانچہ جب اسے ایک بااثر بہادر اور دانا خارجی سردار ابوالخیر کی طرف سے اندیشہ ہوا۔ تو اسے بلا کر جندی ساہور کا حاکم مقرر کر دیا۔ چار ہزار درہم اس کا ماہانہ وظیفہ اور ایک لاکھ درہم سالانہ تنخواہ معین ہو گئی۔ اس حسن تدبیر سے آنے والے خطرات کا کلیتہً انسداد ہو گیا۔

ولایتِ کوفہ | سیدہ میں کوفہ کے حاکم مغیرہ بن شعبہ کا انتقال ہو گیا۔ تو معاویہؓ نے کوفہ کی ولایت بھی زیادہ کی تحویل میں دے دی۔ اس طرح زیادہ دو ولایتوں کا حاکم بن گیا۔ اور دونوں جگہ جگہ مہینے رہتا۔ بصرہ کی طرح کوفہ میں بھی زیادہ نے اپنے آئندہ طریق عمل کی وضاحت کے لئے ایک شعلہ بار تقریر کی۔ کوفہ والوں نے اس پر کنسکریاں برسائیں۔ زیادہ نے پوری تحقیق و تفتیش کے بعد تیس آدمیوں کو مجرم قرار دے کر ان کے ہاتھ کٹوا دیے۔

حجر بن عدی کا قتل | حجر بن عدی کوفہ کے ایک مشہور صحابی اور فدائیانِ علیؓ میں تھے۔ جب مغیرہ بن شعبہ کے زمانے میں حضرت علیؓ کی مذمت کی جاتی۔ تو حجر اور ان کے رفقا سے برداشت نہ ہو سکتی۔ مغیرہ کے بعد زیادہ کے عہد میں بھی یہ مکروہ رسم جاری رہی۔ ایک دفعہ کوفہ سے زیادہ کی غیر حاضری میں اس کے قائم مقام عمرو بن حریش نے خطبہ جمعہ میں حضرت علیؓ پر سب و شتم کیا۔ حجر نے اس پر بھی کنکریوں کی بارش کی۔ عمرو بن حریش نے اس واقعے کی اطلاع زیادہ کو بھیجی۔ اس نے فوراً واپس آ کر حجر کو مع رفقا گرفتار کر لیا۔ اور امیر معاویہؓ کے پاس روانہ کر دیا۔ امیر نے حجر کے خلاف شہادتیں لینے کے بعد انہیں اور ان کے سات ساتھیوں کو تہ تیغ کرا دیا۔

حجر بن عدی نہایت پرہیزگار، مرتاض اور ہرول عویذ صحابی تھے۔ لہذا ان کے قتل سے ناخوش گوار اثرات رونما ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے ان کی گرفتاری کی خبر

پاکر عبدالرحمن بن حارث کی وساطت سے سفارش نامہ بھیجا۔ مگر ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے
 بجز قتل ہو چکے تھے۔ حضرت عائشہؓ کو سخت صدمہ ہوا۔ امیر معاویہؓ نے اس فعل کا ارتکاب
 کر تو دیا۔ لیکن بعد میں انھیں سخت ندامت ہوئی۔ جب عبدالرحمن نے ان سے سوال کیا کہ
 ”اے معاویہؓ! قتل بجز کے وقت تمہارے خاندانی علم کو کیا ہو گیا تھا؟“ تو انھوں نے جواب
 دیا: ”جب تم جیسے حلیم الطبع لوگ مجھ سے کنارہ کش ہو جائیں۔ تو میں ابن سمیہ کی ہر بات
 ماننے کے لئے مجبور ہوں۔“ پھر جب حج کے موقع پر امیر معاویہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت
 میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے ان سے یہی سوال کیا۔ انھوں نے جواب میں عرض کی۔ کہ ”مجھے
 کوئی دانا مشیر نہ مل سکا۔“

شورش و بغاوت کی بیخ کنی | امیر معاویہؓ کے عہد میں ہر طرف سے شورشوں اور
 بغاوتوں کا ایک طوفان اُٹھ آیا۔ چنانچہ قیس بن ہشیم

نے باغ کی بغاوت کا استیصال کیا۔ اور عبداللہ بن غازم نے ہرات، باذغیس اور بوسج کی
 شورش رفع کر کے امن قائم کیا۔

۳۱۳ء میں کابل کی سرزمین بغاوت و شورش کی جولان گاہ بن گئی۔ اس کی بیخ کنی کے
 لئے عبدالرحمن بن سمروہ سیستان سے روانہ ہوئے۔ اور کابل پہنچتے ہی فصیل پر بے پناہ سنگ
 باری کی۔ اہل کابل نے جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ لیکن مجاہدین اسلام کے آگے ان کی کچھ پیش نہ
 گئی۔ اور وہ نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد بہادران اسلام
 نے بست، رزان، طخارستان، رنج اور غزنہ میں بغاوت کی آگ ٹھنڈی کر کے سارے
 باغی علاقے کو از سر نو زیر نگین کیا۔

۳۲۰ء میں حکم بن عمرو غفاری نے غور کی بغاوت فرو کی۔ اور آناً فاناً مفتوحہ علاقوں
 کے چپے چپے میں امن قائم ہو کر ضبط و نظم کی خوش گوار ہوائیں چلنے لگیں۔

فتوحات | اگرچہ امیر معاویہؓ کے زمانے میں مشرقی سرحدوں پر کچھ زیادہ فتوحات نہ
 ہوئیں۔ پھر بھی فتوحات میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

سندھ کی فتوحات | ۳۲۲ء میں مہلب بن ابی سفروہ نے خیبر کی راہ سے حملہ کیا۔ اور

کابل کو طے کرتے ہوئے ہندوستان آئے۔ سرحدی علاقے کے باشندوں نے کسی قدر مقابلہ کیا۔ لیکن مہلب نے انھیں مغلوب کرتے ہوئے قیقان کی جانب پیش قدمی کی۔ وہاں بارہ ترک سواروں نے انھیں نرغے میں لے لیا۔ مگر مہلب نے ان سب کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

اس کے بعد عبداللہ بن سوار عبیدی نے قیقان پر فوج کشی کی۔ اور کچھ گھوڑے مالِ غنیمت کے طور پر حاصل کئے۔ جنگ میں ان کے شہید ہو جانے کے بعد سنان بن ابی سنان ہذلی نے صوبہ مکران کی بغاوت فرو کر کے وہاں نظامِ حکومت قائم کیا۔ پھر راشد بن عمرو ازدی اور سنان بن سلمہ نے اپنے اپنے زمانے میں داد شجاعت دی۔ اور فتوحات حاصل کیں۔

بعد میں زیاد کے بیٹے نے عبادان کی حکومت سنبھالی۔ پھر سیستان کی راہ سے لمبا سفر طے کر کے قندھار پر چڑھائی کی۔ اور فتح حاصل کر کے اسے زیر نگین کیا۔

اس کے بعد منذر بن جارود حاکم سندھ نے بوقان اور قیقان کے علاقے میں فوجوں کا جال بچھا دیا۔ اور قصدار کی بغاوت فرو کی۔ پھر ان کے جانشین حری ابن حری باہلی نے بہت سے علاقے فتح کئے۔

۵۴ھ میں خراسان کی عنانِ حکومت عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے ترکستان کے علاقے سفد پر حملہ کیا۔

ترکستان کی فتوحات

اور بخارا کا پہاڑی علاقہ طے کر کے رامنی، بیکند اور نصف پر فتح کا جھنڈا گاڑا۔

۵۵ھ میں حضرت سعیدؓ صاحبزادہ حضرت عثمان غنیؓ عبید اللہ بن زیاد کے جانشین مقرر ہوئے۔ انھوں نے فتح ترکستان کی ہمہ دستور جاری رکھی۔ اور جیوں کو عبور کر کے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ترک ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر جمع کر کے بخارا میں مسلمانوں کے مقابلے پر صف آرا ہو گئے۔ لیکن ترکوں میں پھوٹ پڑ جانے کے باعث ان کی صفیں ٹوٹ کر شیرازہ قوت منتشر ہو گیا۔ ترکوں کی ملکہ تین خاتون نے صلح کر لی۔ اور مسلمانوں نے میدانِ کارزار میں اترے بغیر بخارا پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد غازیانِ اسلام نے سمرقند پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر نے پوری قوت سے مدافعت کی۔ لیکن مسلمانوں کے پائے استقلال میں ذرا الغزش نہ ہوئی اور وہ برابر کشت و خون پر تلے رہے۔ آخر سمرقند والوں نے اپنی شکست کا یقین کرتے ہوئے زیادہ قتل و جرح سے بچنے کے لئے سات لاکھ سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ پھر بہادرانِ اسلام نے ترمذ کا رخ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے حرب و ضرب کے بغیر صلح کر لی۔

شمالی افریقہ کی فتوحات | شمالی افریقہ کا بہت ساحقہ تو خلفائے راشدین ہی کے عہد میں زیر نگیں ہو چکا تھا۔ لیکن امیر معاویہؓ کے زمانے

میں اس کی حدود اور بھی وسیع اور مسلمانوں کی طاقت کی بنیادیں زیادہ استوار ہو گئیں۔ ۳۲۱ء میں عقبہ بن نافع نے چڑھائی کر کے لواتہ اور زناہ ۳۲۳ء میں غدامس اور ۳۲۳ء میں سودان کے بعض حصوں پر قبضہ کیا۔

انھیں دنوں معاویہ بن خدیج نے بنزرت پر اور ردف بن ثابت انصاریؓ نے جزیرہ جزیرہ پر فتح کا پرچم لہرایا۔

۳۲۵ء میں معاویہ بن خدیج نے دوبارہ زبردست حملہ کیا۔ اب کے ابن زبیر، عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالملکؓ وغیرہ صحابہ و زعمائے قریش بھی ہمراہ تھے۔ عبدالملک نے جلولا اور ابن زبیرؓ نے سوسہ پر قبضہ کیا۔

علاقہ بربر کے باشندے وقتاً فوقتاً بغاوت و سرکشی کے طوفان برپا کرتے رہتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے ۳۵۰ء میں عقبہ بن نافع کو ان کی گوشالی کے لئے مقرر کیا۔ انھوں نے دس ہزار بہادرانِ اسلام کا ایک لشکرِ جزائر لے کر باغی علاقے پر چڑھائی کر دی۔ اور باغیوں کا تیاپا نچا کر کے ان کی آئندہ سرگرمیوں کی دائمی روک تھام کے لئے قیروان کی چھاؤنی آباد کی۔

رومیوں سے جنگ | زیادہ تر قسطنطنیہ کی عظیم الشان رومی حکومت سے مسلمانوں کے سرگرمیوں کی دائمی روک تھام کے لئے قیروان کی چھاؤنی آباد کی۔

اور رومیوں کی حریفانہ رزم آرائی کی جولان گاہیں بنتی رہتی تھیں۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے سمندر اور خشکی میں حریف کو نیچا دکھانے کی تیاریوں پر تمام قوتیں صرف کر دیں۔ سمندر کی جنگ کے لئے انھوں نے ایک زبردست بحری بیڑا تیار کیا۔ چنانچہ سامانِ حرب سے لیس تقریباً دو ہزار جہاز ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ بحری فوج کے سپاہیوں کی تنخواہوں میں کافی اضافہ کر دیا۔ تاکہ جوانوں کو بھرتی کی ترغیب ہو۔ اس بحری بیڑے نے بہت دفعہ رومیوں کو شکست دے کر صولتِ اسلامی کی شہرت اور وقار کو چار چاند لگائے۔ قبرص، یونان کے بعض جزیروں اور روڈس پر مسلمانوں کا علم فتح لہرایا۔ خشکی کی جنگ کے لئے شایقہ یعنی سرمائی فوج اور صائفہ یعنی گرمائی فوج کے نام سے دو مستقل لشکر تیار کئے۔ گرمی و سردی دونوں موسموں میں سرحدوں سے رومی فوج کو ہٹانے کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اور حریف کو اسلامی سرحدوں کی طرف پیش قدمی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

۳۹ء میں امیر معاویہؓ نے نہایت اہتمام سے مشرقی رومی سلطنت کے پایہ تخت قسطنطنیہ پر سفیان بن عوف الرومی کی

قسطنطنیہ پر حملہ

سپہ سالاری میں زبردست لشکر بھیجا۔ چونکہ اس سے پہلے مکہ و مدینہ میں بھی اس ہتم نشان تارہ نخی حملے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ لہذا صحابہ کرامؓ میں سے حضرات عبداللہؓ بن زبیرؓ، عبداللہؓ بن عباسؓ، حسینؓ بن علیؓ، ابویوب انصاریؓ وغیرہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشہور حدیث کے پیش نظر کہ

”میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا۔ وہ مغفرت یافتہ ہے“

شوقِ شہادت میں سر کے بل آکر شریکِ جہاد ہوئے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی ایک حصہ فوج کا سردار بنا کر روانہ کیا۔ یہ آشتانے طوفانِ اسلامی لشکرِ بحیرہ روم کے ہولناک دھاروں سے کھیلتا ہوا آگے بڑھا۔ فوج کا ایک حصہ بری راستے سے بھی بھیجا گیا۔ قسطنطنیہ مشرقی عیسائی سلطنت کے جسم میں دل کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے رومیوں نے مدافعتِ مقابلے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا۔ ”آتش یونانی“ کے ذریعے سے مسلمانوں پر آگ کا مینہ برسایا۔ مسلمانوں نے متعدد خونریز معرکوں

میں نہایت جاں بازی اور چابک دستی سے خون اور آگ کے ٹھاٹھیں مارنے والے سمندر میں کمال شناوری کے جوہر دکھائے۔ عبدالعزیز بن زرارہ کلبی کی تو یہ کیفیت تھی کہ جوش شہادت میں آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ایک دفعہ رومیوں نے انھیں گھیر کر نیزوں سے ان کا جسم پھلنی کرتے ہوئے شہید کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ قسطنطنیہ کا محل وقوع بہترین، فصیل بلند و مضبوط اور مدافعت کی تیاریاں مکمل تھیں۔ اس لئے مسلمان اسے فتح کرنے میں ناکام رہ کر لوٹ آئے۔ اور انھیں آدمیوں اور چہازوں کا بڑا بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

رسول اللہ صلعم کے میزبان مدینہ حضرت ابوالیوب الصاریؓ دوران محاصرہ ہی میں شہنشاہ حقیقی سے جا ملے۔ اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا جسد مبارک قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے سپرد خاک کر دیا گیا۔ ترکان عثمانی نے فتح قسطنطنیہ کے بعد آپ کی تربت پر ایک مقبرہ اور اس سے متعلق ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔ خلفائے عثمانیہ اسی مسجد میں تاج پوشی کی رسم ادا کیا کرتے تھے۔

شہر میں مغیرہ بن شعبہ دمشق گئے۔ اور یزید سے ملاقات یزید کی ولی عہدی کے دوران میں کہا۔ کہ تم ولی عہد بننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ آخر تم میں کس چیز کی کمی ہے۔ یزید بولا۔ کیا یہ نازک و اہم مسئلہ اس قدر آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ مغیرہ نے جواب دیا۔ بے شک۔ یزید نے امیر معاویہؓ سے ذکر کیا۔ انھوں نے مغیرہ کو طلب کر کے ان کی رائے لی۔ مغیرہ نے کہا۔

”حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں جو اختلاف اور خواریزی ہوئی۔

اسے سب جانتے ہیں۔ اس لئے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے کر اسے

جانشین بنا دینا بہتر ہے۔ تاکہ وقت آنے پر وہ مسلمانوں کے لئے پشت پناہ

ثابت ہو۔ اور فساد و خون ریزی کا احتمال نہ رہے۔“

امیر معاویہؓ نے پوچھا۔ اس فہم کو انجام دینے کی ذمہ داری کون لے گا۔ مغیرہ نے جواب

دیا۔ اہل کوفہ کا تو میں ذمہ دار ہوں۔ اہل بصرہ کو زیادہ رضامند کر لے گا۔ حجاز کا عقدہ مروان

بن حکم کا ناخن تدبیر سلجھالے گا۔ امیر معاویہؓ نے کہا۔ "اچھا تم تو اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ۔ آئندہ دیکھ لیا جائے گا۔"

مغیرہ بن شعبہ نے کوفہ آکر بنی امیہ کے حامیوں کی جماعت میں یزید کی ولی عہدی کی تحریک شروع کر دی۔ جو بہت کامیاب ہوئی۔ پھر اکابر کوفہ کا ایک وفد اپنے بیٹے موسیٰ کی سرکردگی میں امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا۔ ارکان وفد نے عرض کی۔ ہم یزید کی ولی عہدی کے لئے بیعت لینے کے حق میں ہیں۔ اس لئے امیر معاویہؓ کی ولی خواہش اور عزم کو مزید تقویت ہوئی۔ امیر معاویہؓ نے وفد کو عزت سے رخصت کیا۔ اور احتیاط و مال اندیشی کی بنا پر زیاد بن ابی سفیان والی بصرہ اور مروان بن حکم والی مدینہ کو لکھا۔

"اب میں پر و ضعیف ہو گیا ہوں۔ میرے قوی منہمحل ہو گئے ہیں۔ خدا جانے کب وقت آجائے۔ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد امت میں خلافت کے لئے فتنہ و فساد برپا ہو جائے۔ اس لئے میری رائے ہے۔ کہ فلاح مسلمین کے لئے اپنی زندگی ہی میں کسی کو اپنا جانشین نامزد کر دوں۔ بوڑھوں میں تو کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔ فوجوانوں میں میرے نزدیک میرا بیٹا یزید سب سے بہتر ہے۔ نہایت حزم و احتیاط سے کام لے کر لوگوں سے اس امر میں مشورہ اور انہیں خلافت یزید کے لئے بیعت کرنے پر تیار کرو۔"

زیاد بن ابی سفیان نے عبید بن کعب زہری رئیس بصرہ کو طلب کر کے یہ خط دکھایا۔ اور کہا "میرے خیال میں امیر المومنینؓ نے جلدی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ یزید کی عادات ایسی نہیں کہ لوگ بلا حیل و حجت اس سے بیعت کر لیں۔" عبید نے جواب دیا۔ "امیر المومنینؓ کی رائے کے خلاف اظہار خیال کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے دمشق بھیج دیجئے۔ میں یزید کو سمجھا۔ سمجھا کر اصلاح عادات پر آمادہ کر لوں گا۔ اس طرح جب اس کا دامن کردار لہو و لعب کے داغوں سے پاک ہو جائے گا۔ تو لوگ بلا تاکل بیعت کر لیں گے۔" زیاد نے عبید کے حسب مشورہ اسے دمشق بھیج دیا۔ عبید نے یزید کے سامنے اس اہم معاملے پر تیز روشنی ڈالی۔ اور یزید نے بہت جلد اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کر لی۔

اس وقت یزید کی بیعت ہوئی۔

ادھر مروان کے پاس خط پہنچا۔ تو اس نے اکابر مدینہ کو جمع کر کے پہلے صرف یہ کہا۔ "امیر المومنین چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فساد و خون ریزی کو روکنے کے لئے اپنی زندگی ہی میں کسی شخص کو خلیفہ نامزد کر دیں۔" سب نے اس دماغ کو پسند کرنے کی تائید کی۔ چند روز کے بعد مروان نے پھر لوگوں کو اکٹھا کر کے کہا۔ "اب امیر المومنین کا دوسرا خط آیا ہے جس میں انھوں نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے پیش نظر یزید کو ولی عہدی کے لئے منتخب کیا ہے۔" اس پر حضرات عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ نے شدید مخالفت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اس سے مسلمانوں کی فلاح نہیں بلکہ بربادی ہوگی۔ کیونکہ اس طرح تو خلافت قیصریت بن جائے گی۔ کہ باپ کے بعد بیٹا جانشین ہوا کرے۔ مروان نے امیر معاویہؓ کو ان حالات سے مطلع کر دیا۔

اب امیر معاویہؓ نے صوبوں کے عمال کے نام ایک عام حکم جاری کیا۔ کہ لوگوں سے یزید کے اوصاف بیان کرو۔ اور اپنے اپنے صوبے کے اکابر کا ایک ایک وفد پار خلافت میں بھیجو۔ تاکہ یزید کی ولی عہدی سے متعلق میں خود بھی ان سے بات چیت کروں۔ چنانچہ مختلف صوبوں کے وفد دمشق پہنچ گئے۔ امیر معاویہؓ نے پہلے مدینہ کے ایک سردار محمد بن عمرو بن حنف سے گفتگو کی۔ انھوں نے کہا۔ "اے امیر المومنین! ہر سلطان اپنی رعایا کی بہتری کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس لئے غور کر لیجئے۔ کہ آپ اُمتِ محمدیہ کی عنانِ حکومت کس کے ہاتھ میں دے رہے ہیں۔"

اس کے بعد وفد بصرہ کے رئیس احنف بن قیس سے رائے طلب کی گئی۔ تو انھوں نے کہا۔ "اے امیر المومنین! معاملہ پیچیدہ ہے۔ اگر جھوٹ بولتا ہوں۔ تو خدا کا خوف ہے اور اگر سچ بولوں تو آپ کا خوف ہے۔ آپ یزید کے روزانہ مشاغل اور خفیہ و علانیہ حالات سے مجھ سے زیادہ آگاہ ہیں۔ اگر آپ اس امر میں خدا اور اُمتِ محمدیہ کی رضامندی پاتے ہیں۔ تو صلاح مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر ایسا خیال نہیں کرتے۔ تو خود دوسرے جہان کا سفر اختیار کرتے وقت اسے دُنیا کا تو فریضہ نہ دیجئے۔ ورنہ یوں تو آپ کا جو حکم ہوگا۔ ہم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار ہیں۔"

امیر معاویہؓ یزید کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ یہ تو صرف ضابطے کی کارروائی تھی۔
آخر انہوں نے اپنے مخصوص طریق سیاست سے کام لے کر بعض کو تحویف و تہدید اور
بعض کو انعام و اکرام سے راضی کر لیا۔ اس طرح عراق اور شام والوں نے یزید کی بیعت
کر لی۔

اس نازک و پیچیدہ معاملے کا مشکل پہلو تو اپنی حجاز کو رضا مند کرنا تھا۔ کیوں کہ وہیں
ایسے لوگ تھے۔ جو دلیری اور بے باکی سے مخالفت کا اظہار کر سکتے تھے۔ اور جن کی
انتہائی اختلاف کو ہم وزر کی بارش بھی ٹھنڈا نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ امیر معاویہؓ ایک ہزار
سواروں کی معیت میں عازم مدینہ ہو گئے۔

یہ خبر سننے ہی مدینہ کے پانچ جلیل القدر اکابر حضرات عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمن بن
ابن ابی بکرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور امام حسینؓ نے مکہ معظمہ کی راہ لی۔

امیر معاویہؓ نے مدینہ پہنچ کر ایک مجمع کے رو برو تقریر کرتے ہوئے یزید کی خوبیاں بیان
کرنے کے بعد کہا: "بعض لوگوں نے یزید کی مخالفت کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ میں انہیں
مقتبہ کئے دیتا ہوں۔ کہ اگر وہ اپنے اس طریق عمل سے باز نہ آئے۔ تو ان کا نام و نشان
مک مکہ کر رکھ دیا جائے گا۔" سے "قرآن مجید" ذمہ داری مناد رہا ہے

مدینہ سے امیر معاویہؓ نے مکہ کا رخ کیا۔ اور وہاں پہنچ کر ان پانچوں بزرگوں کو حسن
اخلاق سے رام کرنا چاہا۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنا نمائندہ قرار دیا۔
اور امیر نے یوں گفتگو شروع کی۔

امیر معاویہؓ: "آپ حضرات میری روش سے آگاہ ہیں۔ میں ہمیشہ آپ کے
ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا۔ اور آپ کی زیادتیاں بھی ہتھارہا ہوں۔ یزید آپ کا
بھائی اور چچا کا بیٹا ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ آپ محض برائے نام اسے خلیفہ بناویں
اور حکومت کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ وہ آپ کے احکام کی تعمیل کرے گا۔
کیا اتنی سی بات بھی آپ منظور نہیں کر سکتے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ: ہم تنہا تجویزیں پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک

منظور کر لیجئے۔

امیر معاویہؓ - کہئے۔

عبداللہ بن زبیرؓ - پہلی بہترین تجویز یہ ہے۔ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کریں۔ یعنی خلافت کے لئے کسی کو نامزد کئے بغیر یہ معاملہ مسلمانوں کے انتخاب پر چھوڑ دیں۔

امیر معاویہؓ - لیکن ابو بکر صدیقؓ تو اپنی نظیر آپ تھے۔ اب ایسی جلیل المرتبت ہستی کہاں پیدا ہو سکتی ہے۔

عبداللہ بن زبیرؓ - اگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو سنت صدیقیؓ پر عمل کریں۔ کہ کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین مقرر کر جائیں۔ جو آپ کا عزیز نہ ہو۔ یہ سن کر امیر معاویہؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔

عبداللہ بن زبیرؓ - اگر ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ تو سنت فاروقیؓ پر عمل کریں۔ کہ ایسے چھ شخص نامزد کر جائیں۔ جو نہ آپ کے عزیز ہوں۔ اور نہ ان میں آپ کا بیٹا ہو۔ وہ چھ شخص اپنے آپ میں سے جسے چاہیں انتخاب کر لیں۔

امیر معاویہؓ - ان بیمنوں صورتوں کے سوا کوئی اور چوتھی صورت بھی ممکن ہے؟ عبداللہ بن زبیرؓ - نہیں۔ چوتھی کوئی صورت ممکن نہیں۔

امیر معاویہؓ - اچھا تو اب میں بھی صاف صاف کہے دیتا ہوں۔ آج تک تو ایسا ہوتا رہا ہے۔ کہ جب میں تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوتا۔ تو آپ میں سے کوئی مجھے جھٹلا کر ٹوک دیا کرتا۔ اور میں یہ زیادتی نہ لیتا۔ لیکن آئندہ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ میں عام مجمع میں تقریر کروں گا۔ اگر آپ میں سے کسی نے ذرا بھی لب کشائی کی۔ تو میں تلوار سے کام لے کر اس کی زبان بند کروں گا۔ لہذا آپ حضرات اپنی جانوں پر رحم کریں۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ ان پانچوں حضرات کو ساتھ لے کر مجمع میں آئے۔ اور اعلان کر دیا کہ یہ بزرگ اکابر امت ہیں۔ کوئی کام ان کے مشورے کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا۔ ان حضرات نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ اس لئے آپ لوگ بھی بیعت کر لیں۔

عامۃ الناس انھیں اکابر کے فیصلے کے منتظر تھے۔ لہذا اس اعلان پر اہل مکہ نے بیعت کر لی۔ پھر امیر معاویہ نے مکہ سے مدینہ جا کر وہاں کے لوگوں سے بیعت لی۔ اور شام کو روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد لوگوں پر اصل حقیقت منکشف ہوئی۔ لیکن کسی طرف سے مخالفت کی آواز بلند نہ کی گئی۔

جمادی الاخریٰ ۳۵ھ میں امیر معاویہ بیمار ہوئے۔ اور مرض بڑھتے بڑھتے **وفات** مرض الموت بن گیا۔ لیکن اس بیماری سے پیشتر آپ نے ایک تقریر میں فرمایا:۔

”میں ایک ایسی کھیتی ہوں۔ جو عنقریب کٹا چاہتی ہے۔ میں نے اتنا عرصہ تم پر حکومت کی۔ کہ میں تم سے تنگ آ گیا۔ اور تم مجھ سے۔ لیکن میرا جانشین مجھ سے افضل نہ ہوگا۔ جس طرح میں اپنے پیش رو خلفار سے افضل نہ تھا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ جو شخص خدا سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے۔ خدا اس سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے۔ اے خدا میں تجھ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہوں۔ تو مجھ سے ملاقات کرنا پسند فرما۔ اور اس ملاقات میں میرے لئے برکت عطا فرما۔“ (ابن ابی عمیر نے اس کو عنایتاً بیان کیا۔)

اس تقریر سے تھوڑی دیر بعد آپ بیماری سے صاحب فراش ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ زندگی کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں۔ یزید بن ولید و شقی میں نہ تھا۔ اس لئے ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ مری کو حکم دیا۔ کہ یزید کو حسب ذیل وصیت نامہ پہنچا دیا جائے۔۔

”بیٹا! میں نے تمہارے راستے سے تمام کانٹے ہٹا کر اسے بالکل صاف کر دیا ہے۔ دشمنوں کو مغلوب کر کے اہل عرب کی گردنیں تمہارے سامنے خم کر دی ہیں۔ تمہارے لئے بے مثال خزانہ جمع کر دیا ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ کہ میرے ان احساسوں کے شکر کے طور پر اہل حجاز پر ہمیشہ عنایت کی نظر رکھنا۔ وہ تمہاری اصل و اساس ہیں۔ جو حجازی تمہارے پاس آئے اس سے اچھا برتاؤ کرنا۔ اس کی عزت اور اس پر احسان کرنا۔ اور جو نہ آئے۔ اس کی خبر گیری سے فاضل نہ رہنا۔ اہل عراق پر بھی چشمِ کرم رکھنا۔ اگر وہ ہر روز نئے عامل کا تقرر چاہیں تو ایسا ہی کرنا۔ کیونکہ عالموں

کا اول بدل تمھارے مقابلے میں ایک لاکھ تلواروں کے بے نیام ہو جانے سے بہتر ہے۔
شامیوں سے بھی حسن سلوک روار رکھنا۔ انھیں اپنا صلاح کار بنانا۔ ہر حالت میں ان
کا خیال رکھنا۔ دشمن سے مقابلہ آپڑے۔ تو ان سے مدد لینا۔ اور کامیاب ہو جانے
کے بعد انھیں اپنے اپنے شہروں کو واپس بھیج دینا۔ کیونکہ دوسری جگہوں میں زیادہ
قیام کرنے سے ان کے اخلاق تبدیل ہو جانے کا احتمال ہے۔

۵ اب عقائد کا اہم معاملہ لو۔ اس میں تمھارے صرف چار حریف ہو سکتے ہیں۔

حسین بن علیؑ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ۔

عبداللہ بن عمرؓ سے کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ وہ ہر وقت زہد و عبادت میں مصروف
رہتے ہیں۔ انھیں اس کے سوا کسی چیز کا خیال ہی نہیں۔ دوسرے لوگوں کے بیعت

کر لینے کے بعد انھیں بھی کوئی انکار نہ ہوگا۔ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ عیش و آرام کے

غالب ہیں۔ کوئی ذاتی اہمیت نہیں رکھتے۔ وہ دوسرے لوگوں کی تقلید کریں گے۔

حسین بن علیؑ ہیں تو سادہ مزاج۔ لیکن ان کی طرف سے خطرہ یقینی ہے۔ عراقی انھیں

تمھارے مقابلے میں لائے بغیر نہ رہیں گے۔ جب وہ تمھارے مقابلے میں آئیں۔

اور تم ان پر غلبہ پاؤ۔ تو درگزر سے کام لینا۔ کہ وہ قریبی عزیز ہیں۔ ہم پر ان کا بڑا حق ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ ہیں۔ البتہ عبداللہ بن زبیرؓ ایسے شخص ہیں کہ کوثری

کی طرح چال بازی سے کام لے کر شیرگی مانند حملہ آور ہوں گے۔ اگر وہ صلح کریں تو

بہتر۔ ورنہ ان پر غلبہ پالینے کے بعد انھیں ہرگز نہ چھوڑنا۔ ان کے ٹکڑے ٹکڑے

اڑا دینا۔ لیکن جہاں تک ہو سکے۔ قوم کو عام خوں ریزی سے بچائے رکھنا۔

اس کے بعد اپنی خاندان سے کہا: (معاویہ یا کل مہوٹیا تھا بیٹے کے خاندان میں)

"خدا سے ڈرتے رہنا۔ کہ ڈرنے والوں کو خدا مصیبتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ جو

خدا سے خوف نہیں کرتا۔ اس کا مددگار کوئی نہیں۔"

نزع سے تقویٰ میری پہلے اپنے متعلق کہا۔

"حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کربا عنایت فرمایا تھا۔ میں نے اسے اسی

دن کے لئے حفاظت سے رکھ چھوڑا ہے۔ حضورؐ کے ناخن مبارک بھی ایک شیشی میں محفوظ ہیں۔ کفنائے وقت وہ گرتا مجھے پھینا دینا۔ اور ناخن مبارک ہیں کرا نکھوں اور منہ میں بھر دینا۔ شاید خداوند کریم ان کی برکت سے مجھے بخش

دے۔ " سارہ مگر خاندان اور اہلبیتؑ محمد کو تباہ کیا۔ اب ان کے گرتے برکت حاصل کر لیں۔ بعد از آن یکم اور بروایت دیگر ۲۲ رجب ۱۱ سال کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور حسب وصیت تجبیز و تکفین محل میں لائی گئی۔ صحاک بن قیس نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ یزید وقت پر نہ پہنچ سکا۔ اس لئے اس نے قبر پر نماز ادا کی۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۷۷ سال اور مدت خلافت انیس سال تین مہینے ستائیس دن تھی۔

امیر معاویہؓ نے چار شادیاں کیں۔

ازواج و اولاد | ۱۱، میسون بنت بحدل۔ اس کے بطن سے یزید اور ایک بچی پیدا ہوئی۔
۱۲، فاختہ بنت قرظ نوفلی۔ اس کے بطن سے دو لڑکے عبداللہ اور عبدالرحمن پیدا ہوئے۔
موتخرا لڈکیر نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔

۱۳، فاطمہ بنت عمارہ کلابیہ۔ اسے طلاق دے دی گئی۔

۱۴، کتوہ بنت قرظ۔ غزوہ قبرص میں آپ کے ہمراہ تھیں۔ وہیں وفات پائی۔

نظامِ خلافت

امیر معاویہؓ کے عہد میں خلافت راشدہ نے حکومت کا قالب اختیار کر لیا۔ اور لاریب اس حکومت کو کامیاب حکومت کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان کے زمانہ سلطنت میں کسی جگہ بغاوت نے سر نہیں نکالا۔ کوئی حلاقہ اسلامی قبضہ و اقتدار سے علیحدہ نہیں ہوا۔ ڈاکہ اور شورش کا قلع قمع ہو گیا۔ فتنہ و فساد رفع ہو کر امن و امان قائم ہوا۔ متعدد علاقے مفتوح ہوئے جس سے اسلامی سلطنت کو چاروں طرف وسعت حاصل ہوئی۔ تمدنی ضروریات کی تکمیل کے لئے کثرت سے نئے صیغے قائم کئے گئے۔

صلاح کار | اگرچہ اس زمانے میں خلفائے راشدین کے عہد جیسی مجلس شوریٰ قائم

نہیں رہی تھی۔ لیکن امیر نے عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور زیاد بن ابی سفیانؓ جیسے بڑے بڑے ماہرین سیاست کو اپنا صلاح کار بنا رکھا تھا۔ جن کا مشورہ ہر اہم کام میں ضروری سمجھا جاتا تھا۔

صوبوں کا نظم و نسق | امیر معاویہؓ نے صوبوں کا نظم و نسق اسی طرح قائم رکھا جس طرح حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں تھا۔ مغرب کے جدید مقبوضات مصر کے اور مشرق کے خراسان کے زیر اقتدار تھے۔

فوج | فوج کے شعبے میں بہت زیادہ ترقی ہوئی جس پر تفصیلی روشنی آئندہ اوراق میں مناسب موقع پر ڈالی جائے گی۔

بحری فوج | بحری فوج میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ اس کا قیام تو عہد عثمانیؓ ہی میں امیر معاویہؓ کے ہاتھوں عمل میں آ گیا تھا۔ بلکہ ترقی بھی یہاں تک ہو چکی تھی کہ ۵۰۰ جہازوں کے بیڑے سے قبرص پر چڑھائی کر دی گئی تھی۔ لیکن خود ان کے زمانے میں بحری بیڑے نے حد سے زیادہ طاقت حاصل کر لی تھی۔

امارت بحر | بحری فوج کی کمان داری کا جدید منصب قائم کیا گیا۔ اور عبداللہ بن قیس حارثی اور جناد بن ابی اُمیہ اس منصب پر فائز کئے گئے۔

تعمیر جہاز | جہاز سازی کے متعدد کارخانے قائم کئے گئے۔ جو روایت بلاذری سب کے سب ساحلی مقامات پر تھے۔

شاتیبہ اور صالحہ | فوج کے دو حصے کئے گئے۔ شاتیبہ یعنی سرہانی، اور صالحہ یعنی گرمائی۔ یہ فوجیں موسم کے مطابق جگہ جگہ مصروف کار رہتی تھیں۔

قلعے | پُرانے قلعوں کی مرمت کرائی گئی۔ اور متعدد نئے قلعوں کی تعمیر عمل میں آئی۔ چنانچہ رومیوں کے قدیم قلعہ جبلہ کو دوبارہ تعمیر کرایا گیا۔ اور بلینارس، النظرطوس اور رقیہ میں جدید قلعے بنوائے گئے۔

علاوہ بریں روڈس اور مدینہ میں قلعے تعمیر کئے گئے۔ اور قبرص اور ارداد میں چھاؤنی قائم کی گئیں۔ شہر قیروان کی بنیاد فوجی ضروریات ہی کے باعث ڈالی گئی تھی۔

گوپیہا دیواروں وغیرہ پر پتھر برسانے کے لئے گوپیہ کا مؤثر حربہ ایجاد کیا گیا۔

پولیس قبضہ و نظام اور امن و امان قائم کرنے کے لئے پولیس کے محکمے کو ترقی دے کر وسیع کیا گیا۔ عراق میں جہاں کی مٹی کا خمیر ہی فتنہ و شر سے اٹھایا گیا تھا۔ پولیس کی چوکیوں کا جال بچھا دیا گیا۔ اور امن و امان کی یہ صورت تھی کہ سونا اچھانلتے چلے جاؤ۔ کوئی شخص کسی سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ اگر راستے میں گری ہوئی کوئی چیز نظر آجاتی۔ تو کسی کو اس کے اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ خود مالک آکر اٹھانے لیتا۔ رات کے وقت عورتیں تنہا مکان کے دروازے کھول کر سوتی تھیں۔ امیر معاویہ نے ایک رجسٹریار کرا کے اس پر دمشق کے تمام مشتبہ اور شر پسند لوگوں کے نام تحریر کرائے تھے۔ زیاد والی عراق نے بدچلن لوگوں کی نگرانی کا فریضہ جعد بن قیس کے سپرد کیا تھا۔

ڈاک پہلے سرکاری ڈاک کا کوئی باضابطہ عینہ نہ تھا۔ امیر معاویہ نے ایک مستقل محکمہ قائم کر کے گھڑ سوار ہرکاروں کے ذریعے سے ڈاک کے لانے اور لے جانے کا انتظام کیا۔

دیوان خاتم سرکاری احکام کی نقلیں رکھنے کے لئے دیوان خاتم کے نام سے ایک باقاعدہ شعبہ قائم کیا گیا جس سے تبدیل رقوم کی جعل سازی کا کلیہ انسداد ہو گیا۔ دفتر شاہی کے علاوہ بڑے بڑے حکام کے دفاتر میں بھی فراہم و خطوط کی نقلیں رکھنے کا قاعدہ جاری ہو گیا۔

رفاہ عام ارغایا کی فلاح و بہبود کے لئے بہت سے مفید کام کئے گئے۔

نہریں بہت سی نہریں جاری کی گئیں۔ جو کسانوں کی فصلوں کے لئے ابر رحمت ثابت ہوئیں۔ زراعت کو بے حد ترقی ہوئی۔ جس سے خشک سالی کی شکایت جاتی رہی۔ اس سلسلے میں مدینہ کے آس پاس ازرق، کظامہ، شہدار وغیرہ بہت سی نہریں کھدوائی گئیں۔ ان نہروں کی بدولت پیداوار میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ گویا غریب و ہتالوں کے لئے سوکھے دھانوں پانی پڑ گیا۔

شہروں کی آبادی | امیر معاویہؓ نے بہت سے پڑانے غیر آباد شہر آباد کئے۔ اور نئے شہر بھی بسائے۔ مثلاً مرعش (شام) کی ویرانی اور خزاں سامانی آبادی اور بہار آرائی سے بدل دی گئی۔

افریقہ میں ایک نیا شہر قیروان آباد کر کے وہاں فوجی چھاؤنی قائم کی گئی۔ تاکہ باغی بربروں کو مطیع کیا جاسکے۔

اسلامی نوآبادی | مختلف مقامات پر اسلامی نوآبادیاں قائم کی گئیں۔ مثلاً ۳۳ھ میں انطاکیہ میں ایک نوآبادی قائم کی۔ اردو اڈ کے جزیروں روڈس اور اکثر صرحدی مقامات میں مسلمان آباد کئے۔

بچوں کے وظیفے | حضرت فاروق اعظمؓ نے مجاہدین کے بچوں کے جو وظیفے مقرر فرمائے تھے۔ امیر معاویہؓ نے انھیں قائم رکھتے ہوئے صرف اتنی ترمیم کر دی۔ کہ بچے دودھ چھوڑنے کے بعد وظیفے کا حق دار ہوتا تھا۔

ذمیوں کے حقوق کا تحفظ | امیر معاویہؓ نے خلفائے راشدینؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ذمیوں کے حقوق و مفاد کی پوری پوری حفاظت کی۔ صوبوں کے عمال بھی امیرؓ کے احکام کی کما حقہ تعمیل کرتے تھے۔ چنانچہ عقبہ بن نافع فہری حاکم بصرہ نے ضرورت کی بنا پر امیر معاویہؓ کی اجازت سے ایک پر تزی زمین جو کسی کی ملکیت نہ تھی۔ پسند کی۔ عقبہ کے خادم نے کسی بہتر قطعہ زمین کے انتخاب سے متعلق عرض کی۔ آقا نے جواب دیا۔ یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ معاہدے کے رو سے ذمیوں کی زمین پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا۔

غیر مسلم بڑے بڑے عہدوں پر | حضرت فاروق اعظمؓ نے غیر مسلموں کو فوج میں تو بھرتی کر لیا۔ لیکن عدم اعتماد کے باعث انھیں بڑے بڑے عہدے تفویض نہ کئے۔ امیر معاویہؓ نے جب دیکھا کہ غیر مسلموں نے حسن کارکردگی سے کافی اعتماد پیدا کر لیا ہے۔ تو انھیں ذمہ دار عہدوں پر مقرر کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ابن آتناں عیسائی کو حمص کی کلکٹری کا منصب عطا کیا۔ اور

سرجون بن منصور رومی کو پرائیویٹ سکرٹری بنا دیا۔

دینی خدمت | حضور سرورِ لولاک کے فیضِ صحبت سے شرفِ یاب ہونے کے باعث امیر معاویہؓ نے حکومت کی دنیوی ترقی کے ساتھ ساتھ دینی

خدمت کو بھی اپنے فرائض منصبی میں شامل کر لیا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں انھوں نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ مثلاً؟ (علیؑ کی رستگاری)

اسلام کی نشر و اشاعت | امیر معاویہؓ کے زمانے میں اسلام دورِ دور تک پھیل گیا۔ شمالی افریقہ کے باغی اور مرتد بربروں کی

بغاوت فرو کرنے کے علاوہ ان کے ارتداد کا بھی انسداد کیا گیا۔ کثیر التعداد رومی بھی اسلام کی آغوشِ عاطفت میں آ گئے۔

خانہ کعبہ کی خدمت | ہر خلیفہ اپنے عہد میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتا رہا لیکن امیر معاویہؓ نے اسے دیبا سے زینت دی۔ اور اس کی

خدمت کے لئے خادموں کا تقرر عمل میں لایا گیا۔

مسجدوں کی تعمیر | بہت سی مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ جامع مسجد بصرہ کی تعمیر نے مصر سے عمل میں لاکر اسے زیادہ وسیع اور مضبوط کر دیا گیا۔ قبرص

میں مساجد کا جال بچھا دیا گیا۔ قیروان میں ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ بصرہ میں کاہلی طرز کی ایک مسجد بنوائی گئی۔ مصر کی تمام مسجدوں کو میناروں سے زینت دی گئی۔

اصولِ سیاست | امیر معاویہؓ کی حکومت کوئی خلافتِ راشدہ تو تھی ہی نہیں۔ کہ اس کے کسی پہلو پر انگلی نہ رکھی جاسکے۔ بلکہ وہ خود ایک

دنیوی سلطان اور ان کی حکومت دنیوی سلطنت تھی۔ لیکن اس کے باوجود دنیوی فرما روائی کے نقطہ نظر سے ان کی شخصی حکومت پر کسی طرح کی حریف گیری نہیں کی جاسکتی۔

وہ علم اور عقو میں شہرہ آفاق تھے۔ نرمی کے وقت نرمی اور سختی کے وقت سختی سے کام لیتے تھے۔ اس باب میں انھوں نے خود اپنا اصول یہ بتایا ہے :-

”جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے۔ وہاں میں تلوار سے کام نہیں لیتا۔ اور جہاں

زبان کام دیتی ہے۔ وہاں کورے سے کام نہیں لیا جاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی تعلق قائم ہو۔ تو میں اسے ٹوٹنے نہیں دیتا۔ جب لوگ اسے کھینچتے ہیں۔ تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں۔ اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں۔ تو میں کھینچ لیتا ہوں۔“

جب زیادہ کا ایک عامل خراج کی آمدنی گھٹ جانے کے باعث اس کے خوف سے بھاگ کر امیر معاویہؓ کے پاس چلا گیا۔ تو زیادہ نے امیرؓ کو لکھا۔ کہ اس طرح لوگوں پر عب قائم نہیں رہے گا۔ اور ان کے حوصلے خطرناک طور پر بڑھ جائیں گے۔ امیرؓ نے جواب میں تحریر کیا۔ کہ سب کے ساتھ ایک ہی طریق سیاست روا نہیں رکھنا چاہئے۔ وقت اور موقع کے مطابق نرمی اور سختی سے کام لینا مناسب ہے۔ تمہارا کام سختی ہے۔ اور میرا کام نرمی۔“

البتہ امیر معاویہؓ نے باغیوں کے ساتھ نرمی نہیں برتی۔ اور دنیا کا کوئی بادشاہ سرکشوں اور شورش پسندوں کے ساتھ نرمی نہیں کرتا۔ لیکن اس کے باوجود امیرؓ نے پہلے انہیں نرمی کے ساتھ سمجھایا۔ امن و سکون سے رہنے کی ہدایت کی۔ اور عطائے انعام کے وعدے کئے۔

امیر معاویہؓ عدل گستری اور رعایا کی داد رسی کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ چنانچہ ان کا روزانہ معمول تھا۔ کہ دربار سے پہلے مسجد میں بیٹھ کر غریبوں، لاوارثوں اور کمزوروں کی شکایتیں سن کر ان کے ازالے کا حکم دیتے۔ پھر دربار میں جا کر اشراف سے کہتے۔ تمہارا فرض ہے۔ کہ ادنیٰ لوگوں کی ضروریات مجھ سے بیان کریں۔

امیر معاویہؓ نے بیت المال کے ہر سابق مصرف کو قائم رکھتے ہوئے اسے فوجوں کی تیاری، بحری بیڑوں، فتوحات، قلعوں کی تعمیر، پولیس کی ترقی، دفتروں کے قیام، نہروں کے کھدوانے اور اسلامی نوآبادیوں کے قائم کرنے میں صرف کیا۔

علم و فضل امیر معاویہؓ نوشت و خواند میں خوب دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد کی گئی تھی۔ مذہبی علوم میں درک وافر حاصل تھا۔ قرآن کی تفسیر پر عبور تھا۔ ۱۶۳ حدیثیں ان سے روایت کی جاتی ہیں۔ شعر و ادب میں قابل قدر شغف و انہماک تھا۔ اشعار کو اخلاق آموزی اور تعمیر کردار کا بہت بڑا ذریعہ سمجھتے تھے۔ تقریر میں فصاحت و لطافت بھری ہوتی تھی۔ غرض اپنے زمانے کے تمام رائج علوم میں حسب ضرورت واقفیت رکھتے تھے۔

تاریخ نویسی امیر معاویہؓ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے تاریخ اسلام کو کتابی صورت میں مدون کرایا۔ اور قدیم تاریخی روایات شاہانِ عجم کا تذکرہ اور زبانوں کے آغاز و نشو و اشاعت کے حالات لکھوائے۔

سیرت معاویہؓ اگرچہ امیر معاویہؓ مہاجرینِ اولین کی طرح قرب رسول اللہ صلیم کی سعادت سے بدرجہہ وافر حصہ یاب نہ ہو سکے۔ لیکن بہر حال وہ صحابی تھے۔ اور مسکرم اخلاق سے بہرہ اندوز۔

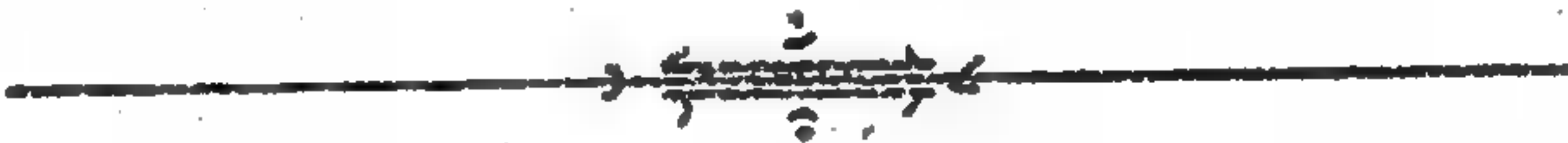
خوفِ خدا انہیں سفرِ زندگی میں کڑے سے کڑے امتحان و ابتلا کی سنگلاخ و پرخار وادیوں میں سے گزرنا پڑا۔ لیکن کسی حال میں بھی تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ روزِ محشر کی باز پرس کے خوف سے وہ لرز لرز جاتے تھے۔ اور ندامت کے آنسوؤں سے آنکھیں تر رہتی تھیں۔

افسوس و ندامت دنیا کی آلودگیوں میں مبتلا ہو جانے کے باعث افسوس و پشیمانی کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ سفر کے دوران میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالا۔ اور سامنے سے لشکر و غیرہ کو گزرتے دیکھ کر اپنے ایک مصاحب سے کہا۔ "خلفائے راشدین کی زندگی کیسی پاکیزہ اور آلائش دنیا سے مبرا و منزہ تھی۔ افسوس ہم لوگ تو دنیا کی آلودگیوں میں بالکل لت پت ہو گئے۔" اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھیں دھڑکنے لگیں اور وہ بار بار ہرہی تھیں۔

سخاوت سخاوت اور فیاضی میں دریا دلی سے کام لیتے تھے۔ اس ضمن میں تمام

مختلفہ کی طرح اہل اہل المومنین کی خدمت کو باعث شرف و موجب سعادت سمجھتے تھے چنانچہ وہ ایک مشہور ایک ایک لاکھ کی رقم حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کرتے تھے ان کی یہ فیاضی کسی خاص طبقے یا جماعت تک محدود نہ تھی۔ بلکہ صحابہ کرامؓ اور ان کے اولاد اور اہل بیتؓ سے بلا فرق و امتیاز سلوک کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے مخالفین صحابہؓ اور شرفاء کی خدمت بھی عالیٰ و معلیٰ سے کیا کرتے تھے۔


تھمکل اور بڑو پارسی | علم، تحمل اور بڑو باری ان کے آئینہ سیرت کا نمایاں جوہر تھا جس کے ثبوت میں مذکورہ صدر تاریخی واقعات شاہد عادل کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں۔



تھمکل

دسواں باب

رفہ کس بات کا ہے

یزید بن معاویہ 

۶۰ تا ۶۲

مختصر حالات | یزید نام، ابو خالد کنیت، میسون بنت سعد کے بطن سے تھا۔ امیر معاویہ کے عہد امارت میں پیدا ہوا۔ اس نے شاہانہ ناز و نعمت کی گود میں آنکھیں کھولیں۔ اور دولت و حکومت کے گہوارے میں پرورش پائی۔ امیر معاویہ نے بیٹے کی تعلیم و تربیت خاص اہتمام و توجہ سے کی۔ شباب کی پربہار منزل میں قدم رکھتا تو حسن و عشق کے عالم رنگ و بو میں پہنچ گیا۔ شعر و سخن میں کمال حاصل کیا۔ سپاہ گری میں بھی کافی دست گاہ بہم پہنچائی۔ سیر و شکار کا بجد شائق تھا۔ لیکن میدان جہاد میں قدم رکھتا پسند نہ کرتا تھا۔ والد نے اصلاح کے لئے سخت جدوجہد کی۔ قسطنطنیہ کی مشہور مہم پر زبردستی روانہ کیا۔ ایک حصہ فوج کی سرداری بھی عنایت کی۔ دو دفعہ امیر حج بھی بنا کر بھیجا۔ مگر طبعی عیش پسندی کے آگے تربیت کی کچھ پیش نہ گئی۔

شہادت | امیر معاویہ نے اپنی زندگی ہی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے لی تھی۔ اس لئے باپ کے بعد رجب ۶۰ھ میں بیٹا تخت نشین ہوا۔

حضرت امام حسین ^{رض} اور عبداللہ بن زبیر کا بیعت سے انکار ^{گزشتہ} اوراق میں

تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ کہ حضرت امام حسین ^{رض}، عبداللہ بن زبیر ^{رض}، عبداللہ بن عمر ^{رض}

اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ وغیرہ نے یزید کی ولی عہدی کے لئے بیعت نہیں کی تھی۔ یہ حضرات اکابر قریش اور عمائد حجاز میں سے تھے۔ اور افراد امت ان کی ہر دل عزیز، اثر و رسوخ اور احترام و عظمت کا کلمہ پڑھتے تھے۔ ان زعمائے اسلام کا اختلاف یزید کی راہ حکومت میں ایک سنگ گراں کا حکم رکھتا تھا۔ لہذا اسے سب سے پہلے اس اہم و پیچیدہ عقدے کے حل کرنے کی فکر ہوئی۔

یزید نے تخت پر بیٹھے ہی ولید بن عتبہ عامل مدینہ کو ان بزرگوں سے بیعت لینے کے لئے تاکید حکم بھیجا۔ ولید نے مروان بن حکم سے مشورہ کیا۔ اس نے رائے دی کہ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کی طرف سے تو کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو فوراً طلب کر کے بیعت کے لئے مجبور کرو۔ اگر وہ ذرا بھی لیت و لعل سے کام لیں۔ تو ان کی گردن مار دو۔ اگر انھیں وفات معاویہؓ کی اطلاع پہنچ گئی۔ اور وہ دائرۂ بیعت میں داخل نہ ہوئے۔ تو ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے کامیوں کو لے کر خلافت کا دعویٰ کر دے گا۔ اور مخالفت کی ہولناکی آگ بھڑک اٹھے گی۔

ولید نے حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بلوایا۔ ان بزرگوں نے قیاساً اس غیر معمولی طلبی کا مقصد بھانپ لیا۔ حضرت امام حسینؓ اپنے رفقا کو ہمراہ لے کر ولید کے پاس گئے۔ ولید نے انتقال معاویہؓ کی اطلاع دے کر یزید کا حکم سنایا۔ حضرت امام حسینؓ نے پہلے تو اٹھ پڑھ کر امیر کے لئے دعائے مغفرت کی۔ پھر فرمایا۔

”بھو جیسا شخص پوشیدہ طور پر بیعت نہیں کر سکتا۔ عام لوگوں کو بیعت کے لئے طلب کیجئے۔ میں بھی آجاؤں گا۔ جو سب کی رائے ہوگی۔ اسی پر عمل کیا جائے گا۔“

ولید طبیعت کا برائہ تھا۔ مان گیا۔ اور آپ واپس تشریف لے گئے۔ اس کے بعد مروان نے ولید سے کہا۔ افسوس تم نے میرے مشورے پر عمل نہ کیا۔ اور ہاتھ آیا ہوا شکار چھوڑ دیا۔ ولید نے جواب دیا۔ ”نہیں نہیں۔ میں رسول اللہ صلیم کے نواسے کے خون سے اپنا دامن اعمال آلودہ نہیں کر سکتا۔ واللہ قیامت کے روز جس شخص سے حسینؓ کے خون کا مطالبہ کیا جائے گا۔ وہ سخت خمار سے میں رہے گا۔“

عبداللہ بن زبیرؓ ولید سے ایک دن کی مہلت طلب کر کے راتوں رات عازم مکہ ہو گئے
ولید کو اطلاع ملی۔ تو اس نے تعاقب کے لئے آدمی بھیجے۔ لیکن ابن زبیرؓ ایک خفیہ
راستے سے گئے تھے۔ اس لئے یہ لوگ ان کا سراغ تک نہ پا کر ناکام لوٹ آئے۔
حضرت امام حسینؓ کی روانگی مکہ | اگلی رات حضرت امام حسینؓ بھی مع اہل عیال
مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

آپ کے بھائی محمد بن حنفیہؓ نے مدینہ کی گلیوں کو چھوڑ کر کہیں جانا پسند نہ کیا۔ اور حضرت
کے وقت فرمایا۔

"اے بھائی! مجھے تم سے زیادہ پیارا اور کون ہو سکتا ہے۔ میں بیعت یزید سے
انکار کے باب میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔ تم اس کی بیعت نہ کرنا۔ اور قاصدوں
کے ذریعے سے اپنی بیعت کے لئے لوگوں کو دعوت دینا۔ اگر اہل بلاد تم سے بیعت
کر لیں تو خدا کا شکر بجالانا۔ ورنہ اس سے تمہاری شان بلند اور مرتبہ عالی میں
سرمو فرق نہ آئے گا۔ مجھے اندیشہ ہے۔ تو یہ کہ تم کہیں ایسے مقام پر نہ پہنچ
جاؤ۔ جہاں موافق اور مخالف دو گروہ بن جائیں۔ پھر دونوں گروہ صفت آرا ہوں۔
اور تم سب سے پہلے مقابلے کو نکلو۔ نتیجہ یہ ہو۔ کہ بہترین اُمت کا خون بدترین
طریق سے بہایا جائے۔ اور اس کے افراد خاندان کو ذلیل کیا جائے۔"

حضرت امامؓ نے پوچھا۔ تو بھائی! پھر مجھے کہاں جانا چاہئے؟
محمد بن حنفیہؓ نے جواب کہا۔ "مکہ میں ٹھہر جائیے۔ اگر وہاں امن و سکون میسر آئے۔ تو
بہتر ورنہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کر کے ملکی حالات کا جائزہ لیتے رہئے۔ آپ جانتے
ہیں۔ کہ پہلے ہی معاملے کے تمام پہلوؤں پر غائر نظر ڈال لینا بہتر ہوتا ہے۔ ورنہ بعد میں
کب افسوس ملنے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

سفر مکہ کے دوران میں عبداللہ بن مطیع آپ سے لے۔ پوچھا۔ "گدھر کا ارادہ کیا؟"
فرمایا۔ "مکہ جا رہا ہوں" عرض کی۔ "اس میں تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن اگر وہاں سے کسی
اور جگہ جانا چاہیں۔ تو کوفہ کی راہ ہرگز نہ لیجئے گا۔ وہاں کے لوگ سخت خدار ہیں۔ آپ

کے والد ہیں شہدائے کئے گئے۔ بھائی پر وہیں قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ حرم میں بیٹھ کر آپ نہایت آسانی سے اپنے حامیوں کو جمع کر سکتے ہیں۔ آپ اہل حجاز کے سردار ہیں۔ وہ آپ کے مقابلے میں کسی کی تائید و حمایت نہیں کریں گے۔“

اہل کوفہ کے دعوتی خطوط

مکہ پہنچ کر حضرت امامؑ نے شعب ابی طالب میں قیام فرمایا۔ آپ کی آمد کی خبر بجلی کی رو کی طرح چاروں طرف پھیل گئی۔ اور لوگ گروہ درگروہ حاضر خدمت ہونے لگے۔ اہل کوفہ ابتدا ہی سے امیر معاویہ کی مخالفت اور اہل بیعت کی حمایت کے مدعی تھے۔ امیرؓ کے انتقال کے بعد انھوں نے ایک خفیہ اجلاس میں فیصلہ کیا۔ کہ حضرت امامؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی جائے۔ اور ان سے بیعت کر کے منصب خلافت کو اہل بیعت میں منتقل کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ کوفہ والوں نے حسب ذیل مضمون کے تقریباً ڈیڑھ سو خط حضرت امامؑ کی خدمت میں ارسال کئے۔

”الحمد للہ۔ آپ کا شریف آنغوش لحد میں جا سویا۔ اب ہمارا کوئی امام نہیں۔ یہاں

تشریف لے آئیے۔ تاکہ ہم آپ کی مدد سے حق پر جمع ہو جائیں۔ ہم نے نعمان بن

بشیر امیر کوفہ کے پیچھے جمو اور عید کی نماز پڑھنی ترک کر دی ہے۔ اگر ہمیں آپ کی

تشریف آوری کا علم ہو جائے۔ تو ہم اسے شام کی حدوں میں دھکیل دیں گے۔“

خطوط کے علاوہ اکابر کوفہ نے خود حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوفہ چلنے

کی استدعا کی۔

مسلم بن عقیل کی روانگی کوفہ

حضرت امامؑ نے ان لوگوں کے بے عداوارے سے مجبور ہو کر اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو تحقیق

حالات کے لئے کوفہ روانہ کیا۔ اور اہل کوفہ کو یہ جواب تحریر کیا۔

”تمہارے خطوط سے تمہاری خواہش کا علم ہوا۔ میں اپنے بھائی اور معتمد علیہ

مسلم بن عقیل کو تحقیق حالات کے لئے روانہ کرتا ہوں۔ اگر تم لوگ اپنی تحریک اور

اپنے نمائندوں کے بیان کے مطابق میری خلافت کے آرزو مند ہو۔ تو

مسلم حالات کی تحقیق کے بعد مجھے اطلاع دیں گے۔ میں بفضلہ تعالیٰ تامل یا توقف نہیں کروں گا۔ حق یہ ہے کہ امام ایسا شخص ہونا چاہئے جو عادل قرآن اور انصاف

دوست ہو۔

مسلم کوفہ پہنچ کر مختار بن ابی عبید کے مکان پر فروکش ہوئے۔ شیعیان علیؑ کو خبر ہوئی۔ تو جوق در جوق ان کے پاس آنے لگے۔ مسلم انھیں حضرت امام حسینؑ کا خط سناتے۔ یہ لوگ رو رو کر عہد کرتے۔ کہ "ہم حضرت امامؑ کی حمایت میں تمام قوتیں صرف کرتے ہوئے ان پر جان تک قربان کر دیں گے۔"

نعمان بن بشیر عالم کوفہ کو اس کی خبر ہو گئی۔ لیکن وہ نیک نفس اور صلح پسند شخص تھے۔ انھوں نے ہر قسم کی سختی سے احتراز کرتے ہوئے صرف جامع مسجد میں یہ تقریر کی۔ "لوگو! فتنہ و اختلاف سے بچے رہو۔ اس میں جان کی ہلاکت اور مال کا ضیاع ہے۔ جب تک کوئی شخص کھلے بندوں میرے خلاف میدان میں نہ اترے گا۔ میں کسی بدگمانی کی بنا پر اس سے باز پرس نہ کروں گا۔"

بنی امیہ کے ایک حامی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! کمزوری سے کام نہ چلے گا۔ نعمان نے جواب دیا۔ "اللہ کی اطاعت میں کمزور بننا مجھے اس کی عدم اطاعت میں قوی بننے سے زیادہ پسند ہے۔"

اس شخص نے یزید کو دمشق میں ایک خط کے ذریعے سے اطلاع بھیج دی۔ کہ "نعمان بہت کمزور شخص ہے۔ وہ اس فتنے کا مدارک نہیں کر سکے گا۔ مسلم بن عقیلؑ حسین بن علیؑ کی خلافت کے لئے بیعت لے رہے ہیں۔ حسین بن علیؑ کے آنے کی شہر بھی گرم ہے۔ اگر کوفہ پر قبضہ قائم رکھنا منظور ہے۔ تو کسی سخت حاکم کو فوراً بھجوئے تاکہ وہ آکر مسلم کو گرفتار کرے۔ لوگوں سے بیعت فسخ کرائے۔ اور حسین بن علیؑ کو کوفہ میں داخل نہ ہونے دے۔ اگر آپ نے اس کام میں تاخیر سے کام لیا تو کوفہ کی حکومت ہاتھ سے نکلی ہوئی سمجھئے۔"

یزید نے امیر معاویہؑ کے آداد کئے ہوئے غلام سرجون رومی کو جس کے مشورے

سے خود امیر بھی فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ طلب کر کے استصواب رائے کیا۔ اس نے عرض کی کہ "اس وقت عراق آپ کے قبضے سے نکلا چاہتا ہے۔ اگر اسے پہچانا منظور ہے تو عبید اللہ بن زیاد سے مدد لیجئے۔ کیوں کہ اس کام کے لئے اس سے سوزوں تر شخص کوئی نہیں ملے گا۔ آپ کو چاہئے کہ اسے بصرہ اور کوفہ دونوں ولایتوں کا حاکم مقرر کر دیجئے۔"

یزید۔ عبید اللہ بن زیاد سے سخت ناخوش تھا۔ لیکن معاملے کی نزاکت و اہمیت کے پیش نظر کسی قدر سوج بوجار کے بعد اس کے نام حسب ذیل حکم نامہ تحریر کیا۔

"ہم نے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی تمہارے حوالے کر دی۔ اب تمہیں چاہئے کہ اس حکم کے ملتے ہی بصرہ میں کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے فوراً کوفہ پہنچو۔ وہاں مسلم بن عقیل امام حسینؑ کے لئے بیعت لے رہے ہیں۔ انہیں گرفتار کر کے قید یا قتل کر دو۔ ان سے بیعت کرنے والوں کو فسخ بیعت سے انکار کرنے کی صورت میں جہ تیغ کر دو۔ اور اس قسم کے ہر خطرے کا تدارک کرو۔"

عبید اللہ بن زیاد یہ حکم پاتے ہی اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے کوفہ پہنچا۔ اور جامع کوفہ میں یہ تقریر کی۔

"اے اہل کوفہ! امیر المومنین نے مجھے کوفہ کا حاکم مقرر کیا ہے۔ اور مظلوموں کے ساتھ عدل، فرمان برداروں کے ساتھ احسان اور نافرمانوں کے ساتھ تشدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں اس حکم کی تعمیل کروں گا۔ اطاعت گزروں کے ساتھ شفقت اور دستوں کے ساتھ برادرانہ سلوک کروں گا۔ لیکن مخالفوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دوں گا۔ ہر شخص کو اپنی جان پر رحم کرنا چاہئے۔"

پھر اس نے یہ فرمان جاری کیا۔ کہ "ہر محلے کا چودھری اپنے محلے کے فساد، خرابی اور مشتبہ لوگوں کے نام لکھ کر مجھے ارسال کرے۔ اگر کسی چودھری نے اس میں غفلت یا کوتاہی کی۔ اور اس کے محلے میں کسی نے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ تو چودھری

لو اس کے دروازے پر پھانسی دے دی جائے گی۔ اور تمام محلے والوں کے روز سینے بند کر کے انہیں قید کر دیا جائے گا۔

مسلم بن عقیل کا نقل مکان | جب مسلم بن عقیل کو عبید اللہ بن زیاد کی آمد اور اس کے ان انتظامات کا علم ہوا۔ تو وہ مختار کے مکان کو چھوڑ

کر ہانی بن عروہ کے مکان پر آئے۔ اور قیام کی اجازت چاہی۔ ہانی کو پہلے تو اس میں تامل ہوا۔ لیکن پھر کہنے لگے۔ ”اچھا اب چونکہ آپ میرے مکان میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس لئے انکار کرنا مناسب نہیں۔“ چنانچہ ان کے لئے قیام کا انتظام کر دیا گیا۔

ہانی کی گرفتاری | ابن زیاد برابر مسلم کی تلاش میں مصروف تھا۔ لیکن کچھ سراغ نہ ملتا تھا۔ آخر اس کے غلام معقل نے حکمت عملی سے کام لے کر پتہ

چلا لیا۔ اور ابن زیاد کو اطلاع دے دی۔ اس نے ہانی کو بلا کر کہا۔

”ہانی! تمہارے مکان پر امیر المؤمنین کے خلاف کیا ساز باز ہو رہی ہے۔

تم نے مسلم کو اپنے مکان میں چھپا رکھا ہے۔ اور ان کے لئے آدمیوں اور

اسلحہ کا بندوبست کر رہے ہو۔ پھر یہ بھی خیال کرتے ہو۔ کہ مجھے ان کا ردائیوں

کی اطلاع نہ ہوگی۔“

ہانی نے معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اقرار کرتے ہوئے کہا۔ کہ میں نے انہیں بلا کر پناہ نہیں دی۔ بلکہ وہ خود ہی چلے آئے۔ لیکن اب میں اپنے پناہ گزینوں کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس پر ابن زیاد آگ بگولا ہو گیا۔ اور ہانی پر تشدد کر کے محل میں قید کر دیا۔

قصر امارت کا محاصرہ | کوفہ میں افواہ گرم ہو گئی۔ کہ ہانی شہید کر دئے گئے۔ یہ اطلاع پاتے ہی مسلم بن عقیل نے ”یا منصور اُمّت“ کا نعرہ

لگایا۔ ان کے اٹھارہ ہزار عقیدت مندوں میں سے چار ہزار جو اس پاس ہی رہتے

تھے۔ یہ نعرہ سن کر میدان میں نکل پڑے۔ اور قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔ جوں جوں لوگوں

کو خبر ملتی گئی۔ وہ جوق در جوق مدد کے لئے جمع ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ جامع مسجد

اور بازار میں شیعیان حسینؑ کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

مسلم کی شہادت | ابن زیاد اس وقت بے کس و بے مددگار سا تھا۔ اور صرف پچاس آدمی اس کی پشت پر تھے۔ ان میں سے بھی تیس پولیس کے۔

اور بیس اشراف کوفہ میں سے تھے۔ ابن زیاد نے معززین شہر کو حکم دیا۔ کہ وہ اثر و رسوخ

سے کام لے کر اپنے اپنے قبیلے والوں کو مسلمؑ کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے جانے کی ترغیب

دیں۔ اور یہ اعلان کرادیا۔ کہ جو شخص مسلمؑ بن عقیل کو گرفتار کرے گا۔ اسے انعام و اکرام سے

مالا مال کر دیا جائے گا۔ اور جو انھیں پناہ دے گا۔ اسے تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

اس حکم اور اعلان کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ لوگ جوق در جوق مسلمؑ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہونے لگے۔ ان

تھوڑی ہی دیر میں صرف تیس آدمی ان کے ساتھ رہ گئے۔ مسلمؑ نے گھبرا کر ایک بڑھیا کے

گھر میں پناہ لی۔ لیکن اس کے بیٹے نے جان کے خوف سے پولیس والوں کو خبر کر دی۔

ابن زیاد نے فوراً محمد بن اشعث کو مسلمؑ کی گرفتاری کے لئے بھیج دیا۔ اس نے ان کی پناہ

گاہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلم کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر سر بکف میدان میں نکل کھڑے ہوئے۔ اور

تن تہنا مردانہ وار شتر آدمیوں کا مقابلہ کیا۔ جب وہ لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گئے۔

تو ابن اشعث انھیں اپنی پناہ میں لے کر ابن زیاد کے پاس لے چلا۔ راستے میں انھوں

نے دیکھا۔ ”غالباً مجھے قتل نے بچا لینا تمہارے بس میں نہیں۔ لیکن کسی نہ کسی طرح

میرے بھائی حسینؑ کو میرے حال سے ضرور آگاہ کر دینا۔ اور میری طرف سے یہ پیغام

دے دینا۔ کہ اہل کوفہ قابل اعتبار نہیں۔ ان کے فریب میں نہ آئیں۔ اور جس مقام تک پہنچ

چکے ہوں وہیں سے واپس چلے جائیں۔“

ابن اشعث نے ارسال پیغام کا وعدہ کر کے اسے پورا کیا۔ مسلم بن عقیل ابن زیاد کے

روبرو پیش ہوئے۔ جس نے انھیں شہید کر دیا۔ اس کے بعد ہانی بن عروہ کو بھی شہید کر کے

دونوں کے سریزید کے پاس بھجوا دئے۔ یزید نے ادائے سپاس کے بعد اسے لکھا

”مجھے اطلاع ملی ہے۔ کہ حسینؑ عازم عراق ہو چکے ہیں۔ تم نہایت شدت

سے پرہ چوکی کا انتظام کرو۔ کسی کی طرف سے ذرا بھی بدگمانی ہو۔ تو اسے پابجول

کردو۔ لیکن جب تک کوئی تلوار اٹھا کر مقابلے پر نہ آئے۔ تم بھی تیغ بکفت مقابلے

پر نہ آؤ۔“

حضرت امام حسینؑ کا عزم کوفہ | جب مسلم بن عقیل نے کوفہ پہنچ کر اٹھارہ ہزار آدمیوں سے حضرت امام حسینؑ کے لئے بیعت لے لی۔

تو حضرت امامؑ کو لکھ کر بھیجا کہ ”بے تامل تشریف لے آئیے۔ اہل کوفہ آپ کے مددگار ہیں“ چنانچہ آپ نے رختِ سفر باندھ لیا۔ حضرت امامؑ کے اعزہ و احباب کوفیوں کی غدارگی سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے آپ کو روانگی کوفہ سے روکنے کی کوشش کی۔

عمرو بن عبد الرحمن نے کہا۔ ”مجھے اطلاع موصول ہوئی ہے۔ کہ آپ عازم عراق ہوئے ہیں۔ وہاں مخالفوں کا طوطی بول رہا ہے۔ فوج ان کی پشت پر اور خزانہ ان کے قبضے میں ہے عوام دام کے غلام ہوتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے۔ کہ آج امداد کا وعدہ کرنے والے کل آپ ہی کے خلاف جنگ آزما ہوں گے“

حضرت عبد اللہ بن عباسؑ نے کہا۔ ”اے ابن عم! خبر گرم ہے۔ کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ خدا را ایسا عزم نہ کیجئے۔ اگر عراقیوں نے شامی حکام کو تلوار کے گھاٹ اتار کر شہر پر قبضہ کر لیا ہو۔ تو ضرور جاتیے۔ لیکن اگر دشمن برسرِ حکومت ہیں۔ تو یقین جانئے۔ کہ کوئی آپ کو آتشِ جنگ کے ہولناک شعلوں میں دھکیلنے کے لئے بلارہے ہیں۔ آپ کے والد اور بھائی کے ساتھ بھی انہوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ حضرت امامؑ نے جواب دیا۔ ”میں استخارہ کروں گا۔“

اگلے روز حضرت ابن عباسؑ پھر آئے اور کہا۔ ”بھائی! کوفہ کا خیال ہی چھوڑ دیجئے۔ وہ لوگ غدار ہیں۔ آپ مکہ ہی میں رہ کر اپنی بیعت کی دعوت دیں۔ آپ حجازیوں کے سردار ہیں۔ وہ آپ کی اطاعت کریں گے۔ اگر آپ نے مکہ سے باہر جانے کا فیصلہ ہی کر لیا ہے۔ تو پھر یمن چلے جاتیے۔ وہ ایک علیحدہ اور وسیع علاقہ ہے۔ وہاں آپ کے ہمدرد و مددگار بھی ہیں۔ حفاظت کا سامان بھی ہے۔ وہاں قیام پذیر ہو کر خلافت کے لئے کوشش کیجئے۔ حصولِ مقصد اور کامیابی کی کافی توقع ہے“ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا

بے شک آپ میرے حقیقی خیر خواہ ہیں۔ لیکن اب تو میں روانگی عراق کا مقصد امدادہ کر چکا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ ”اچھا اگر آپ عزم راسخ فرما چکے ہیں۔ اور وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ تو کم از کم اہل و عیال کو ساتھ نہ لے جائیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کو حضرت عثمانؓ کی طرح بال بچوں کے سامنے خاک و خون میں غلطاں نہ کیا جائے۔“

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ”آپ مکہ ہی میں رہ کر اپنی خلافت کے لئے دعوت دیجئے۔ عراقیوں کو لکھ بھیجئے۔ کہ یہاں آکر آپ کی امداد و اعانت کریں۔ میں بھی مدد کے لئے تیار ہوں۔ حرم و نیائے اسلام کا مرکز ہے۔ مختلف مقامات پر یہاں مسلمان آتے جاتے رہتے ہیں۔“

حضرت امام حسینؓ نے جواب میں فرمایا۔ ”میں نے اپنے والد ماجد کی زبانی سنا ہے کہ ”حرم میں ایک مینڈھا حرم کی حرمت کو اٹھا دینے کا موجب ہوگا۔ میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا۔“

تمام یہی خواہوں کی جدوجہد نقش بر آب ثابت ہوئی۔ اور حضرت امام حسینؓ ۸ ذی الحجہ ۶۱ھ کو مدینہ منورہ سے کوچ کیا اور اعزہ و رفقا کے مکہ سے عازم کوفہ ہو گئے۔ مدینہ کے مقام پر فرزدق شاعر کوفہ سے واپس آتا ہوا ملا۔ اس سے وہاں کے حالات دریافت کئے گئے۔ تو اس نے بتایا کہ ”کوفیوں کے دل آپ کے اور تلواروں بنی اُمیہ کے ساتھ ہیں۔ فیصلے کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے۔“

سفر کے دوران میں آپ کو عمرو بن سعید حاکم مکہ کی طرف سے ایک مکتوب موصول ہوا جس میں لکھا تھا۔ ”آپ واپس چلے آئیے۔ یہ راستہ خطرناک ہے۔ میں آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ آپ امن و عافیت سے مکہ میں قیام فرمائیے۔ میں ہر ممکن امداد کروں گا۔“ آپ نے اس کے جواب میں راقم مکتوب کو شکر کا خط ارسال کیا۔ مگر واپس نہ ہوئے۔

تخلیہ پہنچ کر آپ کو مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع ملی۔ اس پر بعض ہوا خواہوں نے آپ کو خدا کی قسم دے کر لوٹ چلنے کے لئے کہا۔ لیکن مسلمؓ کے بھائیوں نے واپسی سے

انکار کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم یا تو مسلم کے خون کا بدلہ لیں گے۔ یا اپنی جانیں بھی قربان کر دیں گے۔" یہ سنتے ہی حضرت امامؑ نے فرمایا۔ "جب یہی لوگ نہ ہوں گے۔ تو میری زندگی بے نفع بلکہ وبال جان ہو جائے گی۔"

زبان پہنچنے پر آپ کو اپنے برادر رضاعی عبداللہ بن بقطر کی شہادت کی خبر موصول ہوئی اس طرح آپ کو کوفہ کے حالات بڑی حد تک معلوم ہو گئے۔ اور آپ نے اپنے ساتھ لیا سے فرمایا۔ "اہل کوفہ نے ہمارے ساتھ بد عہدی کر کے ہماری اذیت سے ہاتھ اٹھالیا ہے لہذا جو لوگ واپس جانا چاہیں۔ وہ خوشی سے واپس جاسکتے ہیں۔ میری طرف سے انھیں پوری اجازت ہے۔ اور ان پر کوئی الزام نہیں ہوگا۔" اس اعلان سے آپ کے بہت سے ساتھی آپ کو چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ اور فقط آپ کے افراد خاندان اور بعض خاص جان نثار ساتھ رہ گئے۔

ابن زیاد کی طرف سے مزاحمت

ابن زیاد کو حضرت امام حسینؑ کے عازم کوفہ ہونے کی خبر موصول ہو چکی تھی چنانچہ اس نے یزید کے حسب فرمان تمام راستوں پر پھرے بٹھادے تھے۔ اور حرمین یزیدی کو ایک ہزار فوج کے ساتھ حضرت امامؑ کو گھیرنے کے لئے آگے روانہ کر دیا تھا۔ وہ ذی قسطنطنیہ میں آپ سے ملا۔ آپ نے اسے اور اس کی فوج کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "لوگو! میں اپنی مرضی سے نہیں۔ بلکہ تمہارے بلائے پر آیا ہوں۔ تم نے خطوں اور قاصدوں کے ذریعے سے مجھ پر زور ڈالا۔ کہ یہاں آکر ہماری امامت قبول فرمائیے۔ اگر تم اپنے اس بیان پر قائم رہنے کا وعدہ کرو۔ تو میں تمہارے شہر میں چلوں۔ ورنہ اپنے وطن کو لوٹ جاؤں۔"

حرفے کہا۔ ہمیں خطوں اور قاصدوں کا کوئی علم نہیں۔ اس پر حضرت امامؑ نے کوفیوں کے تمام خط نکلوا کر حرفے کے آگے رکھوائے۔ حرفے کہا۔ ہمیں خطوں سے کوئی بحث نہیں ہمارے ذمے تو یہ فرض عائد کیا گیا ہے۔ کہ جہاں کہیں آپ کو پائیں۔ حراست میں لے کر ابن زیاد کے پاس کوفہ پہنچادیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر اپنے

قلعے کو لوٹ جانے کا حکم دیا۔ حُر نے مزاحمت کرتے ہوئے کہا: ”آپ واپس نہیں جاسکتے لیکن میں آپ کے مقابلے میں صاف آرا بھی نہ ہوں گا۔ اگر آپ کو میرے ساتھ جانا منظور نہیں۔ تو عراق اور حجاز کے راستے سے علاحدہ کوئی راستہ اختیار کیجئے۔ آپ یزید کو لکھئے میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں۔ شاید سمجھوتے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اور مجھے بھی آزار نہیں ہیں بے تلافی ہونا پڑے۔ حضرت امام حسینؑ نے یہ تجویز منظور کر لی۔

مقام بیضہ میں حضرت امامؑ نے حسب ذیل پُربوشس تقریر فرمائی:-

”لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ جس نے ظالم، حرام چیزوں کو حلال کرنے والے، عہد الہی کی خلاف ورزی کرنے والے، اللہ اور رسول کے دشمن اور بندگانِ خدا پر گناہ اور زیادتی سے حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا۔ اور قولاً و فعلاً اس پر غیرت نہ آئی۔ تو اللہ کو حق ہے۔ کہ اس شخص کو اس حکمران کے بدلے دوزخ میں جھونک دے۔ لوگو! آگاہ رہو۔ ان لوگوں نے شیطان کی فرماں برداری اختیار کی۔ اور رحمن کی طاعت ترک کر دی ہے۔ ملک میں فتنہ برپا کیا ہے۔ اللہ کی حدود بیکار کر دی ہیں۔ مالِ غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں۔ خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔ اس لئے مجھے غیرت آنے کا زیادہ حق ہے۔“

حذیب الجانات پہنچ کر طراح بن عدی سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا:-

”گو ف میں آپ کے خلاف صفا آرا ہونے کی زور شور سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ میں نے اس قدر بھاری فوج میدان میں جمع ہوتے کبھی نہیں دیکھی۔ میرا خیال ہے۔ کہ آپ کوہ ”اجار“ پر تشریف لے چلیں۔ یہاں غسان و حمیر کے بادشاہ بھی کبھی نہ پہنچ سکے۔ میں آپ کے وہاں تشریف لے جانے کی صورت میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں۔ کہ بنی طے کے بیس ہزار جان تثاروں کی تلواریں آپ کی حمایت میں بے نیام ہوں گی۔“

حضرت امامؑ نے یہ کہتے ہوئے اس پیشکش کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہ میں

حُر کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔
 نینوا میں حُر کو ابن زیاد کا حکم نامہ ملا۔ کہ حسینؑ اور ان کے ہمراہیوں کو روک کر ایسی جگہ اتارو
 جہاں کوئی اوٹ اور پانی نہ ہو۔ حُر نے یہ فرمان حضرت امامؑ کو سنا دیا۔ لیکن اس کی تعمیل پر
 زور نہ دیا۔ اور ۲ محرم ۶۱ھ کو حضرت امام حسینؑ اور آپ کے ساتھی میدان کربلا میں اتر
 گئے۔

۳ محرم کو عمرو بن سعد بن وقاص چار ہزار فوج کے ساتھ کربلا آ پہنچا۔ پہلے تو اس نے
 حضرت امامؑ کا عزیز ہونے کے باعث ابن زیاد کے فرمان مدافعت کی تعمیل سے معذرت
 چاہی۔ لیکن پھر حکومت کے لالچ سے اس ہم کا بیڑا اٹھا لیا۔ عمرو بن سعد نے مفاہمت
 کے لئے انتہائی کوشش کی۔ حضرت امامؑ کی خدمت میں ایک قاصد بھیج کر پوچھا۔ آپ
 یہاں کس لئے آئے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ مجھے اہل کوفہ نے خط پر خط لکھ کر بلایا
 تھا۔ لیکن بعد میں میرے ساتھ غداری کی۔ اب میں واپس جانے کے لئے تیار ہوں۔ یہ
 سن کر عمرو نے کہا۔ واللہ میری دلی آرزو ہے۔ کہ آپ کے خلاف صفت آرا نہ ہوں۔
 پھر ابن زیاد کو حضرت امامؑ کے ارادے سے آگاہ کیا۔ وہاں سے حکم ملا۔ کہ "حسینؑ سے
 یزید کی بیعت لے لو۔ پھر اس کے بعد ہم کسی بات پر غور کریں گے۔ اگر بیعت نہ کریں
 تو ان کا پانی بند کر دو۔"

پانی کی بندش | ۲ محرم کو عمرو بن سعد نے حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں
 پر پانی بند کر کے فرات پر پان سو سواروں کا پہرہ بٹھا دیا۔ حضرت امامؑ
 نے اپنے بہادر سوتیلے بھائی حضرت عباسؑ بن حضرت علیؑ کو پانی لانے کے لئے بھیجا۔
 یہ تین سو سواروں اور بیس مشکیزہ برداروں کو ہمراہ لے کر زبردستی پانی لے آئے۔

عمرو بن سعد حضرت امام حسینؑ سے لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید
 صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اس نے حضرت امامؑ سے بار بار ملاقات
 کر کے گفت و شنید کا سلسلہ جاری رکھا۔ ابن زیاد کو اس گفتگو سے اندیشہ ہوا۔ کہ بسا ادا
 ابن سعد حضرت امامؑ کا طرف دار ہی ہو جائے۔ اور سارا کیا کرایا خاک میں مل جائے۔

چنانچہ اس نے شمر ذی الجوشن کی رائے سے ابن سعد کو لکھا۔

”میں نے تمہیں اس غرض سے نہیں بھیجا۔ کہ حسینؑ کے مقابلے سے پہلو تہی کرو یا انہیں غلط فہمی میں الجھاؤ۔ یا لڑائی کو لمبا کرو۔ یا میرے پاس ان کی سفارش کرو۔ اگر حسینؑ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں۔ تو انہیں میرے پاس بھیج دو۔ ورنہ ان کے جنگ کر کے انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دو۔“

اگر تمہیں تعمیل حکم میں ذرا بھی تاثر ہو۔ تو میں شمر ذی الجوشن کو بھیج رہا ہوں۔

تم فوج کو اس کی تحویل میں دے دو۔ اور اپنے آپ کو معزول سمجھو۔“

ابن سعد نے ابن زیاد کے اس انتباہ سے مرعوب ہو کر مجبوراً اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ حضرت امام حسینؑ کو یہ حقیقت آنکھوں کے آگے رقص کرتی ہوئی نظر آئی۔ کہ منزل جاناں میں پہنچنے کے لئے تلواروں کے ہلاکت خیز پیل پر سے گزرنا پڑے گا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے حسب ذیل تقریر فرمائی :-

”مجھے اپنے رفیقوں سے زیادہ بادشاہ اور شریف رفیق کہیں نظر نہیں آئے۔ اور

اپنے عزیزوں سے زیادہ نیک اور قرابت داری کا پاس کرنے والے کسی کے عزیز نہیں ملے۔ کل کا دن فیصلہ کن ہے۔ دشمنوں کو صرف میری ضرورت ہے۔

لہذا میری طرف سے تمہیں بخوشی واپس جانے کی اجازت ہے۔ میرے رفیق

میرے عزیزوں کو لے کر رات کی تاریکی میں نکل جائیں۔ اور اپنے اپنے شہروں

میں داخل ہو کر بہتر حالات کا انتظار کریں۔“

اس کے جواب میں تمام رفیقوں اور عزیزوں نے یک زبان ہو کر کہا :-

”ہم آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ خدا ہمیں اس روز کے لئے باقی نہ رکھے۔“

حضرت امامؑ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔ پھر دیر تک نقشہ جنگ کے متعلق ہدایات

دیتے اور اہل بیت کو وصیتیں فرماتے رہے۔ اپنی بہن حضرت زینبؑ سے جو بے حد

مضطرب تھیں۔ فرمایا :-

”اے بہن سیر سے کام لو۔ دیکھو زمین اور آسمان میں رہنے والے سب کے سب

فنا ہو جائیں گے۔ بقا عرف اللہ کی ذات کو ہے۔ ہمیں اور ہر مسلمان کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو مشعل راہ بنانا چاہئے۔ اسے بہن انھیں خد کی قسم ہے۔ اگر میں حق کی راہ میں سرخ رو ہوں۔ تو میرے ماتم میں گریبان چاک نہ کرنا۔ پیرے کو نہ نوچنا۔ واویلانا کرنا۔ (ماتم منع فرمایا گیا ہے) اس کے بعد آپ نے رب جلیل کی بارگاہ ناز میں سر نیوا زخم کر دیا۔ اور رات بھر نماز و دعا میں مصروف رہے۔ رفقائے آپ کی تقلید کی۔

شہادت آخر عذرائے سحر نور کی زنجیروں سے سینہ کو بی کر کے گریبان افق کو رنگین کرتی ہوئی جلوہ گر ہوئی۔ اور یوم عاشورہ کا آفتاب اشک عتابی کی لڑیوں پر سانا ہوا طلوع ہوا۔ حضرت امام حسینؑ اہل بیت کے خیموں کا انتظام کر کے بہتر جان نثاروں کی مختصر فوج کے ساتھ میدان میں آگئے۔ میمنہ پر زبیر بن عقیس کو۔ میسرہ پر حبیب بن مظہر کو مقرر فرمایا۔ اور عباسؑ کو علم مرحمت فرمایا۔ جنگ سے قبل حضرت امامؑ نے قرآن مجید منگوا کر سامنے رکھا۔ اور یوں دعا مانگی۔

”الہی تو ہر ابتلا میں میرا اعتماد اور ہر دکھ میں میرا سہارا ہے۔ مجھ پر جو مصیبتیں آئیں۔ ان میں تو میرا دست گیر تھا۔ غم و رنج میں دل کمزور پڑ جاتا ہے۔ کامیابی کی تدبیریں اور رہائی کی صورتیں کم ہو جاتی ہیں۔ دوست مند موڑ لیتے ہیں۔ دشمن طعنوں کے تیر چلاتے ہیں۔ میں نے ایسی مصیبت ناک گھڑیوں میں سب سے تعلق توڑ کر تیرا دامن تھاما۔ تجھی سے گد شکوہ کیا۔ تو نے افکار و آلام کی ظلمتیں دور کیں۔ اور میری ڈھارس بندھائی۔ تو ہی بر نعمت کا ولی، ہر نیکی کا مالک اور ہر تمنا و مدعا کا منتہی ہے۔“

اس کے بعد تمام تدابیر و مساعی کی ناکامی کا یقین ہونے کے باوجود آپ نے اتنا مجتہد کے لئے کوفیوں کو مخاطب کر کے یوں تقریر فرمائی:۔

”لوگو! ذرا ٹھہرو۔ میری بات سنو۔ کہ میں اپنی ذمہ داری پوری کر دوں۔ اگر تم نے میری بات توجہ سے سنی۔ اور مجھ سے انصاف کیا۔ تو تم سے زیادہ خوش قسمت

کوئی نہیں۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا۔ تو تمہاری مرضی۔ معاملے کے تمام پہلو تم پر ظاہر ہو جائیں گے۔ اور تمہیں اختیار ہوگا۔ جو چاہو کرو۔ اور میرے ساتھ کوئی کسر اٹھانہ رکھو۔ میرا مددگار میرا خدا ہے۔“

اس اثنائے زمانہ خمیے سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ لیکن آپ نے اسی وقت انہیں خاموش کراتے ہوئے یوں سلسلہ تقریر جاری رکھا۔

”لوگو! ذرا سوچو کہ میں کون ہوں۔ پھر غور کرو۔ کہ آیا تمہارے لئے مجھے قتل اور میری بے حرمتی کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں۔ کیا میں ان کے ابن عم علی مرتضیٰ کا فرزند نہیں۔ کیا سید الشہداء حمزہؓ میرے والد کے چچا نہ تھے؟ کیا جعفر طیار شہیدؓ میرے چچا نہ تھے؟ کیا تم نے ہم دونوں بھائیوں کے متعلق رسول اللہ صلعم کی یہ مشہور حدیث نہیں سنی۔ کہ ”اے حسن و حسین! تم جو انسانِ جنت کے سردار ہو۔ اور اہل سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اللہ اللہ“

”اگر تم میرے بیان پر اعتبار نہیں کرتے۔ حالانکہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو رسول اللہ صلعم کے کثیر التعداد صحابیؓ ابھی زندہ ہیں۔ ان سے پوچھ لو۔ کیا اس کے بعد بھی تم میرا خون بہانے سے باز نہ آؤ گے؟ کیا تمہیں اس ارشاد نبویؐ کی صحت میں شبہ ہے؟ یا اس امر میں شبہ ہے۔ کہ میں حسینؓ فاطمہؓ زہراؓ کا بیٹا ہوں۔ اگر تمہیں دوسری بات میں شبہ ہے۔ تو واللہ تمہیں شرق و غرب میں میرے سوا کوئی نبیؐ کا نواسہ اور فاطمہؓ کا لال نہ ملے گا۔“

”تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو؟ کیا میں نے تمہارے کسی آدمی کو تہ تیغ کیا ہے۔ کیا تمہارے کسی آدمی کو مجروح کر دیا ہے۔ کیا تم میں سے کسی کا مال غصب کر لیا ہے؟ اس کے بعد حضرت امامؑ نے چند سرکردہ اہل کوفہ کو نام بنام پکار کر فرمایا۔ ”کیا تم لوگوں نے مجھے خط پر خط لکھ کر باصرہ پہنچانے نہیں بلایا؟“

ان لوگوں نے جواب میں کہا۔ ”نہیں ہم نے آپ کو نہیں بلایا۔“
آپ نے فرمایا۔ ”نہیں تم نے ضرور بلایا۔ لیکن اگر اب تمہیں میرا آنا ناگوار ہے۔“

تو مجھے پناہ کی جگہ لوٹ جانے دو۔

ایک طرف سے آواز آئی۔ ”آپ میرے ابن عم کا فیصلہ کیوں نہیں قبول کر لیتے۔ وہ تمہاری ہر آرزو پوری کریں گے۔ اور تمہارے ساتھ کوئی نامناسب برتاؤ نہیں ہوگا حضرت امامؑ نے جواب دیا۔

”واللہ! میں ذلیل کی طرح دشمن کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے سکتا۔ اور اس کی خلافت تسلیم نہیں کر سکتا۔ میں ہر مغرور سے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔“

اس کے بعد آپ کے فدائیوں نے اظہار خیال کیا۔ لیکن چکنے گھڑے پر بوند پڑی پھسل گئی۔ یہ سب تقریریں عراقیوں کے بہرے کانوں پر پڑیں۔ البتہ حربی یزید تمیمی عراقیوں سے کٹ کر حضرت امامؑ کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ اور آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

”اے فرزند رسول مقبول! میں ہی وہ شخص ہوں۔ جو سب سے پہلے آپ سے مزاحم ہوا تھا۔ مگر مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ میری قوم کی بدبختی یہاں تک پہنچ جائے گی۔ اور وہ جنگ کے سوا کوئی اور تجویز منظور نہ کرے گی۔ اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور آپ کی شمع محبت پر پروانہ وار نثار ہونے کو موجب فخر سمجھتا ہوں۔ اللہ یہ فرمائیے۔ کہ کیا میرا یہ طریق عمل گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہو سکے گا؟“

حضرت امامؑ نے شگفتہ خاطر ہو کر فرمایا۔ ”ہاں ضرور۔ اے خرد دنیا میں بھی تیرا نام خرد آزاد ہے۔ بفضلِ تعالیٰ عاقبت میں بھی تو نار جہنم سے آزاد ہی رہے گا۔“

حرس نے اپنی قوم سے کہا۔ ”دیکھو حضرت امامؑ کے ساتھ مصالحت کر لو۔ اور اس ناپاک ارادے سے باز آ کر ابدی لعنت سے بچ جاؤ۔“ عمرو بن سعد نے جواب دیا۔ ”میں تو صلح کا حامی تھا۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ بے اختیار کی زنجیروں نے مجھے چاروں طرف سے جکڑ رکھا ہے۔“

اس کے بعد جنگ شروع ہو گئی۔ پہلے طرفین سے ایک ایک آدمی نکلا۔ لیکن

اس مبارزت سے کوئی گھائے میں رہے۔ پھر عام لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ اہل بیت کے بہادروں نے کوفیوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ لیکن بہتر جاں باز غازیوں کا چار ہزار مسلح فوج سے کیا مقابلہ۔ دو پہر تک آپ کے تمام رفقاء تیغ شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ پھر باری سے حضرات علی اکبرؑ، عبداللہ بن مسلمؑ، عدی بن عبداللہؑ، عبدالرحمن بن عقیلؑ، محمد بن عقیلؑ، قاسم بن امام حسینؑ اور ابو بکر بن امام حسینؑ نے جام شہادت نوش کیا۔ آخر میں حضرت امام حسینؑ اور ان کے چار بھائی حضرات عباسؑ، عبداللہؑ، جعفرؑ اور عثمانؑ میدان میں نکلے چاروں ستاروں نے چاند کے گرو حلقہ باندھ لیا۔ لیکن پوری قوت کے ساتھ چک چک کر دشمنوں کی آنکھوں کو خیرہ کرتے ہوئے افق عدم میں ڈوب گئے۔ اور حضرت امام حسینؑ تہوار ہو گئے۔ اگرچہ دشمنوں سے چور چور۔ بڑھال اور پیاس سے بیتاب تھے۔ لیکن دشمنوں پر برابر شجاعانہ حملے کئے جلاتے تھے۔ شدت تشنگی سے مجبور ہو کر فرات کی طرف چلے۔ پانی پینے ہی لگے تھے۔ کہ حسین بن نمیر نے تیر مارا۔ جو آپ کے گلے میں بیٹھا۔ ناچار لوٹ آئے عراقی ہر طرف سے آپ پر پل پڑے۔ زرعہ بن شریک تمہی نے تلوار کے وار کئے۔ زین بن انس نخعی نے نیزہ مارا۔ جو شکم مبارک میں ترازو بچ گیا۔ آپ یہ زخم کھا کر گر پڑے۔ تو اس نے تلوار سے سراقہس جدا کر دیا۔ شہادت کا یہ واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ کو جمعہ کے دن رونما ہوا۔

اس حادثہ کبریٰ میں ۲۷ نفوس شہید ہوئے۔ دوسرے روز اہل غاضریہ نے شہدا کی نعشیں اسی میدان میں دفن کیں۔ حضرت امام حسینؑ کا جسد اطہر سر کے بغیر سہرو خاک کیا گیا۔ اور سر ابن زیاد کے پاس بھیج دیا گیا۔

شام کو اہل بیت کی روانگی | اس کے بعد اہل بیت کا قافلہ ابن زیاد کے پاس کو فہ روانہ کیا گیا۔ اس نے حضرت امام حسینؑ کے

سر مبارک کی بے ادبی کی۔ اور اس قافلے اور شہدائے عظام کے سروں کو دمشق بھجوا دیا۔ خمر نے ایک مختصر تقریر میں اپنا یہ کارنامہ فخر سے بیان کیا۔ تو یزید پر رقت طاری ہو گئی اور بولا۔ ”ہلاکت ہو تم پر۔ اگر تم حسینؑ کو قتل نہ کرتے۔ تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ میں سمیٹہ پر خدا کی لعنت۔ میں نے قتل حسینؑ کا حکم کب دیا تھا۔ اگر میں موجود ہوتا۔ تو واللہ حسینؑ

کو معاف کر دیتا۔ خدا ان پر رحمت نازل فرمائے: اللہ اعلم

پھر یزید نے حضرت امام حسینؑ کے سر اقدس کی طرف اشارہ کر کے اہل دربار سے کہا۔
 "یہ حادثہ اس لئے پیش آیا کہ حسینؑ کہتے تھے۔ "میرے باپ حضرت علیؑ یزید کے باپ
 سے، میری ماں سیدہ فاطمہ زہراءؑ اس کی ماں سے، میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نانا سے
 بہتر ہیں۔ اور میں خود اس سے بہتر اور خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔" میرے باپ اور ان کے
 باپ نے خدا سے فیصلہ چاہا۔ جس کا نتیجہ ساری دنیا کو معلوم ہے۔ باقی ان کی ماں میری
 ماں سے بہتر ہیں۔ اور اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھنے والا کوئی سلطان کسی کو رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر خیال نہیں کر سکتا۔ لیکن انہوں نے اس خدائی فرمان پر غور نہیں کیا۔
 کہ اللہم مالک الملک تو فی الملک من تشاء وتنزع الملک من تشاء۔

یزید نے اہل بیت نبویؑ کو حرم سرانے شاہی میں
 ٹھہرایا۔ دونوں خاندانوں میں قربت تھی۔ اس لئے

اہل بیت کی مراجعت وطن

خاندان یزید کی عورتوں نے مخدرات سہرات کے ساتھ مل کر شہد اکاماتم کیا۔ جو تین دن
 تک جاری رہا۔ یزید امام زین العابدینؑ کو اپنے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھلاتا تھا۔

چند روز کے بعد یزید نے تحقیقات کر کے اہل بیت کے لئے ہوئے مال و سامان
 سے دگنا ولو ادوا۔ اور اس مبارک مال کے کوچھ نیک و معتبر آدمیوں کی نگرانی میں مدینہ منورہ

بھجوا دیا۔ رخصت کے وقت یزید امام زین العابدینؑ سے یوں مخاطب ہوا۔

"جو کچھ خدا کو منظور تھا۔ وہ ہو گیا۔ اور میری مرضی کے خلاف ہوا۔ اگر ابن زیاد

لمعون کی جگہ میں ہوتا۔ تو صورت حالات مختلف ہوتی۔ میں حسینؑ کی ہر تجویز منظور

کر لیتا۔ اور خواہ میری اولاد کی جانیں ضائع ہو جاتیں۔ لیکن حسینؑ کی جان ضرور بچا

لیتا۔ صاحب زادے! امدت تمہیں جس قسم کی بھی ضرورت پیش آئے۔ مجھے

تحریر کر دیا کرتا۔"

حضرت سکینہ بنت حسینؑ یزید کے اس طریق عمل سے متاخر ہو کر کہنے لگیں۔ کہ میں نے

منکرین خدا میں یزید بن معاویہؑ سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ جن دیانت دار آدمیوں نے

یزید اور اللہ اچھا ہے تو اس کی جبر پیر بہت ہوں (تذکرہ اہل بیت)

خواتین اہل بیت کو نہایت عزت و احترام سے مدینہ پہنچایا۔ ان کے حسن سلوک سے خوش ہو کر حضرات فاطمہؑ اور زینبؑ نے اپنے زیور اتار کر بیچ دئے۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر لوٹائے کہ ہم نے یہ خدمت محض حصول رضائے الہی اور قرابت نبویؐ کی بنا پر انجام دی ہے۔ دینی نفع قطعاً مقصود نہیں۔

واقعہ حرہ | حضرت امام حسینؑ کے واقعہ شہادت کا یہ اثر ہوا۔ کہ دنیا سے اسلام کے چپے پر بڑید کو اس حرکت ملعونہ کے باعث نفرت و حقارت کے تیروں کا نشانہ بنایا گیا۔ اور حجاز میں مدینہ سے مکہ تک مخالفت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے شہادت کی اطلاع پا کر اہل مکہ کے جلسہ عام میں ایک جوش انگیز تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

”اہل عراق سخت غدار اور بدکار ہیں۔ انہوں نے خود ہی امام حسینؑ کو بلایا۔ اور آپ کے تشریف لے جانے پر خود ہی آپ کو گھیر کر مجبور کیا۔ کہ یا تو ابن زیاد کی غیر مشروط اطاعت منظور کریں۔ یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ امام حسینؑ جانتے تھے۔ کہ کثیر التعداد دشمنوں کے مقابلے میں ان کی کامیابی ممکن نہیں۔ اس لئے انہوں نے عزت کی موت کو ذات کی زندگی پر ترجیح دی۔ عراق والوں کی یہ غداری لائق عبرت ہے۔ لیکن جو خدا کو منظور تھا۔ وہی ہوا۔ کیا امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ہم ان لوگوں کے قول و فعل پر بھروسہ کر سکتے ہیں؟ واللہ دشمنوں نے اس شخص کو شہید کیا ہے۔ جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت کرتا تھا۔ بزرگی اور دین میں ان سے کہیں بہتر اور ان سے زیادہ خلانت کا مستحق تھا۔ جو ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو خوب خدا سے گریہ و زاری کرنے کے مقابلے میں تاؤ و سرد کو۔ روزوں کے مقابلے میں سے نوشی کو۔ اور مجلس میں بیٹھ کر ذکر اللہ کے مقابلے میں شکاری کتوں کے ذکر کو پسند نہیں کرتا تھا۔“

اس تقریر کے بعد حضرت ابن زبیرؓ پر رقت طاری ہو گئی۔ لوگوں نے کہا۔ اب آپ سے بڑھ کر خلافت کا حق دار اور کون ہو سکتا ہے۔ لہذا آپ علانیہ بیعت لیجئے۔ ہم آپ کو خلیفہ وقت

مدینہ منورہ کی تباہی کا یہ واقعہ جو یزید کے نامہ اعمال کا دوسرا سیاہ ورق ہے۔ ۲۸۔
ذی الحجہ ۶۳ھ کو رونما ہوا۔

مدینہ کو خون و غارت گری کے طوفان کی نذر کرنے کے بعد سلم بن عقبہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے

محاصرہ مکہ اور یزید کی موت

مقابلے کے لئے مکہ کی راہ لی۔ لیکن اس کی بیماری بڑھ گئی۔ اور راستے ہی میں بمقام ابوحات نازک ہو گئی۔ اس نے حسین بن زبیر کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ حسین بن زبیر نے ۲۶ محرم کو مکہ پہنچ کر حرم کا محاصرہ کر لیا۔ جہاں حضرت ابن زبیر امان گیر تھے۔ پہلے انھوں نے مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ خون ریز جنگ ہوئی۔ اور ان کے بھائی منذر بن زبیر شہید ہوئے۔ پھر مکہ میں محصور ہو کر مدافعت کی۔ رزم آرائی ہوتی رہی۔ لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ آخر حسین بن زبیر نے سنگ باری شروع کی۔ غارِ کعبہ کے کچھ حصے کو نقصان پہنچا۔ اسی اثنا میں یزید کی موت کی خبر آئی۔ اور جنگ ختم ہو گئی۔ یزید کیسے مرا؟

یزید کی فرود عمل جہاں حضرت امام حسینؑ کی شہادت، مدینہ منورہ کی بربادی اور کعبہ اللہ کی بے حرمتی کے تین بھاری گناہوں سے سیاہ ہے۔ وہاں اس میں متعدد فتوحات کی سفیدی اور روشنی بھی نظر آتی ہے۔ سبب یہی ہے۔

فتوحات

ترکستان کی فتوحات

خوارزم کے قریب ایک شہر کو خراسان اور ترکستان کے سرداروں نے مرکز بنا لیا تھا۔ وہاں لوگ جمع ہو کر صلاح مشورہ کرتے۔ اور مسلمانوں کے مقابلے کے منصوبے باندھتے تھے۔ اس میں یزید نے سلم بن زیاد کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ اور اس نے مہلب بن ابی صفرو سے اجازت لے کر اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے سرداروں نے پانچ کروڑ کی قیمت کا سامان سے کر مہلب سے صلح کر لی۔ اس کے بعد سمرقند اور بخمد پر چڑھائی کی گئی۔

افریقہ کی فتوحات

شمالی افریقہ کے حبشیوں نے علم بغاوت بلند کر کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ۶۴ھ میں بربروں نے ایک زبردست جمعیت قائم کی۔ عقبہ بن نافع دانی افریقہ ان لوگوں کی بغاوت کا استیصال

کرنے کے لئے پہلے یاغریہ بھیجے۔ وہاں ایک خون ریز جنگ کے بعد انھیں شکست دی شکت
 کھا کر یہ لوگ شہر میں محصور ہو بیٹھے۔ عقبہ نے کچھ عرصہ محاصرہ کئے رکھا۔ لیکن دشمن نے شہر
 سے باہر قدم نہ نکالا۔ اس لئے عقبہ انھیں وہیں چھوڑ کر رومیوں کے بہت بڑے شہر اور مرکز
 لیس میں داخل ہوئے۔ اسے فتح کر کے فزان پر حملہ کیا۔ لیکن وہاں کے حاکم نے مصالحت
 کر لی۔ پھر وہ قفصہ، ودان اور قسطلید کے باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے واپس آئے۔
 کچھ عرصے کے بعد عقبہ نے علاقہ زاب کی طرف پیش قدمی کی۔ اربہ میں قیام کر کے
 رومیوں اور نصرائیوں کو ناک چنے چھوڑے۔ اور شان دار فتح حاصل کر کے بعض دشمنوں کو
 تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اور بعض کو پہاڑی علاقوں کی طرف بھگا دیا۔

اربہ سے عقبہ نے تاہرت کا رخ کیا۔ وہاں رومیوں نے بربریوں کو اپنے ساتھ ملا کر
 ایک ٹڈی دل فوج کی صورت میں سٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلے میں صف آرائی کی مسلمانوں
 کو قلت تعداد کے باعث سخت پریشانی کا سامنا ہوا۔ خون ریز لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں
 نے حیرت انگیز شجاعت سے کام لے کر حریف کے دس ہلاکے۔ اور اسے شکست فاش
 دے کر بہت سے مال غنیمت پر قبضہ کر لیا۔

تاہرت کے بعد عقبہ سبتہ بھیجے۔ وہاں کے حاکم نے مصالحت کر لی۔ پھر طنجہ کا رخ کیا
 یہ بحیرہ روم کے ساحل پر مغرب کا آخری شہر اور مغرب کے قوی ترین فرماں روا کا صدر
 مقام تھا۔ مغرب کے تمام حاکم اسے خراج دیتے تھے۔ اس نے اطاعت قبول کر لی
 عقبہ نے اسے آزادی دے دی۔

وہاں سے عقبہ نے سوس ادنیٰ کی طرف پیش قدمی کی۔ اور بربریوں کا تیا پانچا کر کے
 لیلی اور نفیس کو زیر نگین کرتے ہوئے سوس اقصیٰ کا قصد کیا۔ وہاں ان گنت بربری مقابلے
 کے لئے آئے۔ لیکن مسلمانوں نے انھیں قتل و جرح کا نشانہ بنا کر پرخے اڑا دئے۔ عقبہ درع
 پر قبضہ کرتے اور مال غنیمت حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ خشک
 کی حد ختم ہو کر بحر ظلمات کا ساحل آ گیا۔ عقبہ نے سمندر کو دیکھتے ہی کہا:۔

("اے خدا! اگر یہ بحر بے پایاں میری راہ میں حائل نہ ہو جاتا۔ تو جہاں تک زمین

ملتی۔ میں تیرے راستے میں جہاد کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا۔“

پھر پانی میں گھوڑا ڈال کر کہا۔

”ابھی تو بخوبی آگاہ ہے۔ کہ میں وہی چاہتا ہوں۔ جو تیرا ولی ذوالقرنین چاہتا تھا۔

یعنی تیرے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کی جائے۔“

ہر طرف عقبہ کی فاتحانہ یلغار کے جھنڈے گڑ گئے۔ اور رومیوں اور بربروں پر ان کی

شجاعانہ فتوحات کی دھاک بیٹھ گئی۔ عقبہ نے اس معجزانہ فتح و کامرانی کے نشے میں چور ہو کر

اپنے لشکر کو منتشر کر دیا۔ اور تھوڑی سی فوج لے کر تہودا پہنچے۔ رومیوں کو اسلام کی دعوت دی۔

لیکن وہ انکار کر کے قلعہ نشین ہو گئے۔ پھر رومیوں نے دفعۃً ایک ایسا شگوفہ چھوڑا۔ کہ افریقہ

کا ہرا بھرا گلزار ان کی آن میں باد انقلاب سے تاراج خزاں ہو گیا۔

کیلہ بن مکرم طینہ کا حاکم اور شاہیر افریقہ میں سے تھا۔ اور عقبہ کے پیش رو فرماں روا

ابوالمہاجر کے عہد حکومت میں مسلمان ہو گیا تھا۔ ابوالمہاجر اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔

عقبہ کے والی افریقہ مقرر ہونے پر ابوالمہاجر نے ان سے کیلہ کا تعارف کراتے ہوئے سفارش

کی۔ اور اس کے درجہ و مقام کا لحاظ رکھنے کا مشورہ دیا۔ لیکن عقبہ نے اسے اپنے حریف

ابوالمہاجر کا آدمی سمجھ کر اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔ اور ایک موقع پر اس کی سخت توہین

بھی کر دی۔ کیلہ آگ بگولا ہو کر مزند ہو گیا۔ اور گواپنے ظاہری طرز عمل میں کوئی کمی نہ آنے

دی۔ لیکن دل میں عقبہ کا جانی دشمن ہو کر انتقام لینے کے لئے موقع کا انتظار کرنے لگا۔

جب عقبہ نے تہودا کے قلعے کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ تو رومیوں نے

کیلہ کو یہ پیغام بھجوایا۔ کہ ”اگر عقبہ سے بدلہ لینے کی آرزو ہے۔ تو اپنی جمیعت لے کر آ جاؤ۔

عقبہ کے ساتھ گنتی کے آدمی ہیں۔ ان پر غلبہ پالینا نہایت آسان ہے۔ ہم مدد کے لئے

تمہاری پشت پر ہیں۔“

اندھا کیا چاہے۔ دو آنکھیں۔ کیلہ کی دلی مراد برآئی۔ اور اس نے موقع کو غنیمت جان

کر ایک لشکر جزائر کے ساتھ چاروں طرف سے مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کو گھیر لیا۔ مسلمانوں

نے تکبیر کے فلک شکاف نعرے بلند کئے۔ ان کی خوں آشام و کفر شکن تلواریں تڑپ تڑپ

کر میانوں سے باہر نکل آئیں۔ اور طرفہ العین میں رومیوں اور بربروں کو گاجرمولی کی طرح کاٹ کر کشتوں کے پستے لگا دئے۔ لیکن تعداد میں نہایت قلیل ہونے کے باعث انتہائی پامردی اور بہادری سے لڑتے ہوئے خود بھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ اس جنگ میں ابوالمہاجر نے باوجود اس کے کہ عقبہ نے انھیں لوٹ جانے اور مسلمانوں کی دیکھ بھال کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ عقبہ کے دوش بدوش لڑ کر جام شہادت نوش کیا۔

اب بربروں اور رومیوں کے لئے میدان صاف تھا۔ اس لئے افریقہ کے گوشے گوشے میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ کیل نے ایک جزار فوج لے کر قیروان پر چڑھائی کر دی۔ عقبہ کے نائب زہیر بن قیس نے ہر چند اپنی جمیعت کو مقابلے پر آمادہ کیا۔ لیکن لوگوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ باقیوں نے کیل کی اطاعت قبول کر لی۔ زہیر نے مشکلات سے پریشان ہو کر مجبوراً برقہ کی راہ لی۔ اور کیل نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔

۱۳ ربیع الاقل کو اڑتیس سال کی عمر میں تین سال ساڑھے آٹھ مہینے حکومت کرنے کے بعد یزید کا ستارہ زندگی غروب ہو گیا۔

یزید نے متعدد نکاح کئے۔ اور بہت سی اولاد چھوڑی۔ مثلاً معاویہ، خالد، عبداللہ، عبداللہ اصغر، ابوسفیان، عمر، ابوبکر، عتبہ، حزب اور عبدالرحمن۔

گیارھواں باب

معاویہ ثانی بن یزید

۶۲ھ

یزید کے بعد اس کا نوجوان بیٹا معاویہ تقریباً اکیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ وہ بڑا پرہیزگار
 رصالح تھا۔ یزید کے عہد میں جو ناخوش گوارا اور خونچکان واقعات رونما ہوئے۔ ان کے پیش
 لروہ حکومت سے متنفر ہو گیا۔ کچھ علیل بھی تھا۔ اس لئے وہ باختلاف روایات چالیس
 لی، دو ہینے یا تین ہینے کے بعد خلافت سے دست بردار ہو گیا۔ اور مسلمانوں کے عام
 ح میں یہ تقریر کی۔

”میں اپنے آپ میں حکومت کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں پاتا۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ
 حضرت ابو بکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ جیسے کسی شخص کو اپنا جانشین مقرر کر دوں۔ لیکن
 ایسا کوئی نظر نہ آیا۔ پھر چاہا۔ کہ حضرت عمرؓ کی طرح چھ اشخاص کو نامزد کر کے ان میں
 سے کسی ایک کا انتخاب شورعی پر چھوڑ دوں۔ مگر ایسے موزوں اشخاص بھی نظر نہ
 آئے۔ اس لئے میں اس منصب سے دست بردار ہوتا ہوں۔ جسے چاہو۔ خلیفہ
 منتخب کر لو۔“

اس کے بعد معاویہ خانہ نشین ہو گیا۔ اور چند ماہ بعد انتقال کر گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ
 سے زہر دے دیا گیا۔ دست برداری کے واقعے سے اس کی سیرت پر روشنی پڑتی ہے۔

عبداللہ بن زبیر اور مروان بن حکم

۶۴۳ء تا ۶۴۴ء، ۶۴۴ء تا ۶۴۵ء

مختصر حالات

عبداللہ کے والد حضرت زبیر بن عوام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچ پھیرے بھائی اور والدہ حضرت اسماء حضرت عائشہ صدیقہ کی حقیقی بہن تھیں۔

ابن زبیر ۲۳ء میں بمقام مدینہ پیدا ہوئے۔ سات آٹھ سال کے تھے۔ کہ آنحضرت سے بیعت کی سعادت حاصل کی۔ جوان ہو کر بہت سی مہموں میں نمایاں طور پر واد شجاعہ دی۔ طرابلس کی فتح انھیں کے بہادرانہ کارناموں کا شیریں ثمر تھا۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ کی حمایت و حفاظت میں تمام قوتیں صرف کر دیں۔ اور چالیس سے زیادہ زخم کھانے کے باوجود پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی۔

مروان حضرت عثمان کا چچرا بھائی تھا۔ آپ اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اسے اپنا معتمد بنا لیا تھا۔ یہی مروان تھا جس نے حضرت عثمان کی طرف سے والی مصر کے فرمان تھریر کیا تھا۔ کہ مصری باغیوں کے سرغنے گرفتار کر کے تلوار کے گھاٹ اتار دئے جائیں اور اس کا دردناک نتیجہ حضرت عثمان کی شہادت کی صورت میں رونما ہوا تھا۔ مروان جمل اور صفین کی لڑائیوں میں حضرت امیر معاویہ اور حضرت عائشہ کے ساتھ تھا۔ حضرت امیر معاویہ نے اسے عالی مدینہ مقرر کیا تھا۔ اور ابن زبیر کے دعوائے خلافت تک وہ اسی منصب پر مستعین تھا۔

ابن زبیر کی خلافت

معاویہ بن یزید کے بعد بنی امیہ میں سے کسی کو بھی خلافت کے لئے کھڑا ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ ابن زبیر ہر اعتبار سے ایک جلیل القدر شخصیت کے مالک تھے۔ اس لئے حجاز، عراق، شام اور مصر وغیرہ ان کے طرفدار ہو گئے۔ غرض حسان بن سہد حاکم اردن کے سوا باقی تمام صوبوں کے اکابر ابن زبیر کے حامی بن گئے۔ اور یہاں کے لوگوں نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تھی۔ البتہ بصرہ میں ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کر کے یہ تقریر کی :-

”اے ساکتانِ بصرہ! میں اسی شہر میں پیدا ہوا۔ اور یہیں بڑا ہوا۔ جب میں یہاں کا والی مقرر ہوا۔ تو فوجی دفتر میں تمہارے ستر ہزار لڑکوں کے نام درج تھے۔ لیکن آج یہ تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ اسی طرح انتظامی عہدوں پر تمہارے تو سے ہزار آدمی متعین تھے۔ لیکن آج ایک لاکھ چالیس ہزار ہیں۔ میں نے تمہارے تمام مخالفوں کو قید کر دیا ہے۔ اب تمہیں کسی سے کوئی خوف نہیں۔“

”یزید وفات پا چکا ہے۔ اور شام میں اختلاف کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ تم قوت و شوکت اور دولت و ثروت ہر چیز میں دوسرے ملک کے لوگوں سے ممتاز ہو۔ تم اپنے دینی و دنیوی امور کے پیش نظر جس شخص کو اپنا امیر منتخب کرو گے۔ میں بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔ اگر اہل شام کسی اور کو منتخب کریں۔ تو تم مجاز ہو گے۔ کہ یا اسی کو مان لو۔ یا اپنا خلیفہ الگ منتخب کر لو۔ تمہیں دوسرے ملکوں سے استمداد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ خود تمہارے محتاج ہیں۔“

حاضرین نے ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ لیکن اس نے تین دفعہ انکار کیا جب اہل بصرہ کی طرف سے زیادہ اصرار ہوا۔ تو اس نے بیعت لے لی۔ اہل عراق کی فطری منافقت کیوں کر دور ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وہ بیعت کر کے باہر نکلے ہی تھے۔ کہ دیواروں پر ہاتھ رگڑ رگڑ کر مہمات کرتے ہوئے کہنے لگے۔

”کیا ابن مرجانہ کا یہ خیال ہے۔ کہ ہم اتفاق اور اختلاف، راج اور نزاع ہر حالت میں اس کی اطاعت کریں گے۔“

بصرہ والوں سے بیعت لیتے ہی ابن زیاد نے ایک قاصد کو ذہ بیجا۔ اس نے وہاں کے لوگوں سے کہا۔ ”اہل بصرہ نے ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ تم بھی بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو جاؤ۔“ انھوں نے کہا۔ ”خدا نے ہمیں ابن سمیہ سے مخلصی بخشی ہے۔ اب ہم ہرگز اس کی بیعت نہ کریں گے۔“ پھر اہل کوفہ نے قاصد پر سنگ ریزے پھینکے۔

بصرہ والے پہلے ہی دل سے ابن زیاد کے مخالف تھے۔ اب اونگھنے کو ٹھیلنے کا بہانہ مل گیا۔ انھوں نے کوفہ والوں کے حال سے مطلع ہو کر حرمت سے کام لیتے ہوئے ٹٹکے کی

چوٹ ابن زیاد کی بیعت سے انکار کرنا شروع کر دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر ابن زیاد چوڑھی بھول گیا۔ ہر چند معاملے کو سلجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اور زیادہ الجھ گیا۔ ناچار اس نے عراق کو خبر دیا کہ گر شام کی راہ لی۔ اس اثنا میں سلمہ بن ذویب تمیمی نے ابن زبیر کو خلیفہ تسلیم کرنے کے لئے پروپیگنڈا شروع کیا۔ کوفہ اور بصرہ والوں نے بحث و اختلاف کے بعد ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

شام میں مروان کی بیعت | شام کا مطلع سیاست نازک و پیچیدہ حالات کے گرد و غبار سے مکدر تھا۔ بنی کلب اور بنی قیس دو بڑے قبیلے

بنی اُمیہ کی طاقت کے مرکز و محور تھے۔ لیکن ان میں بھی ٹھوٹ پڑ گئی تھی۔ بنی کلب بنی اُمیہ کے طرف دار تھے۔ لیکن بنی قیس ابن زبیر کی حمایت کا دم بھرتے تھے۔ پھر بنی کلب میں بھی دو جماعتیں بن گئی تھیں۔ ایک جماعت خالد بن یزید کے حق میں تھی۔ اور دوسری مروان بن حکم کو چاہتی تھی۔ بعض لوگ عمرو بن سعید بن عاص کا بھی نام لیتے تھے۔

مروان بن حکم نے شام پہنچ کر جب یہ حالات دیکھے۔ تو ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اسی اثنا میں عبید اللہ بن زیاد وہاں پہنچ گیا۔ اس نے مروان سے کہا۔ "آپ قریش کے سردار ہیں۔ ہمت کیوں ہار رہے ہیں؟" مروان نے جواب دیا۔ "بہت اچھا۔ ابھی موقع ہے۔ کوشش کر دیکھنی چاہئے۔ چنانچہ مروان نے دمشق پہنچ کر حصول اقتدار کے لئے تمام قوتیں صرف کرنی شروع کر دیں۔

عبد اللہ بن زبیر، مروان بن حکم اور خالد بن یزید کی حامی جماعتوں میں اختلاف کے باعث پُر شور ہنگامہ برپا ہوا۔ آخر طوفان تھمنے پر جابیہ میں بنی اُمیہ کے اکابر و عمائد کا اجتماع ہوا۔ سوا بیسے تک یہ ہتھم بالشان اجلاس جاری رہا۔ زبردست تقریریں ہوئیں۔ آخر روح بن زبیر جذا می نے ایک ولولہ انگیز تقریر کے بعد یہ تجویز پیش کی۔ کہ مروان کو خلیفہ منتخب کیا جائے اس کے بعد خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کو علی الترتیب ولی عہد نام زد کیا جائے۔ یہ تجویز معقول و مدلل تھی۔ اس لئے ہادی قعدہ ۶۳ھ کو تمام بنی اُمیہ اور ان کے مددگاروں نے مروان بن حکم کو خلیفہ منتخب کر لیا۔

اس کے بعد مروان بن حکم نے ایک جمعیت کے ہمراہ مرجع راہط کی طرف پیش قدمی کی۔ جہاں ابن زبیر کے حامی اور بنی قیس کے

سرور صخاک بن قیس مقیم تھے۔ صخاک کی مدد کے لئے نعمان بن بشیر والی حمص۔ زفر بن حارث والی قنسور اور نائل بن قیس والی فلسطین نے فوجیں روانہ کیں۔ محرم ۶۵ھ میں طرفین میں خون ریز جنگ ہوئی۔ جو بیس دن تک جاری رہی۔ صخاک کو شکست فاش ہوئی۔ اور وہ خود اور بنی قیس کے بڑے بڑے سردار اس معرکے میں کام آئے۔ اب مروان بن حکم کے لئے میدان صاف تھا۔ ابن زبیر کے بقیہ حامیوں کی کمرہمت ٹوٹ گئی۔ بعض نے راہ فرار اختیار کی۔ اور بعض گرفتار کر لئے گئے۔ اس طرح شام پر دوبارہ بنی امیہ کا قبضہ ہو گیا۔

اس کے بعد مروان نے مصر پر چڑھائی کی۔ ابن زبیر کی طرف سے وہاں مصر پر قبضہ کے والی عبدالرحمن بن جدم نے مقابلہ کیا۔ لیکن دوسری طرف سے مروان کے حسب حکم عمرو بن سعید فوج لے کر پہنچ گئے۔ ابن جدم نے یہ صورت حال دیکھ کر ہتھیار ڈال دئے۔ اور جنگ کے بغیر مصر پر مروان کا قبضہ ہو گیا۔

تھوڑے ہی عرصے کے بعد اچانک مروان کا انتقال ہو گیا۔ وفات مروان کی وفات سے پہلے مروان نے خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اور خالد کو ذلیل کرنے کے لئے اس کی بیوہ ماں سے نکاح کر لیا تھا۔ ایک دن مروان نے بھرے دربار میں خالد اور اس کی ماں دونوں کے لئے ناشائستہ الفاظ استعمال کئے۔ خالد نے ماں سے کہا۔ اس نے مروان کو زہر دے کر یاد دوسری روایت سے سوتے ہیں گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔

عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن زبیرؓ

۶۵ھ تا ۸۶ھ

تذکرہ عبدالملک بن مروان | عبدالملک ۲۶ھ میں بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوا۔ اور ۲۹ھ

سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ چونکہ وہ مدینہ ہی میں پلا اور بڑھا۔ اس لئے وہاں کے ارباب فکر و نظر کی صحبت سے بخوبی فائدہ اٹھا کر اپنے عہد کے مشہور علمائین شمار ہونے لگا۔ وقت کے اکابر اس کی تیج علم و کمال کا لوہا مانتے تھے۔

شعبی کا قول ہے۔

”مجھے جس شخص سے بھی بات چیت کرنے کا موقع ملا۔ میں نے اسے اپنے آپ سے

کتر پایا۔ لیکن عبدالملک کے ساتھ جب کبھی حدیث یا شعر کے موضوع پر مباحثہ

خیالات ہوا۔ اس نے میری معلومات میں اضافہ کیا۔“

ابوالزبیر کہتے ہیں۔

”اس زمانے میں چار اشخاص فقہائے مدینہ سمجھے جاتے تھے۔ سعید بن مسیب،

قیس بن ذویب، عروہ بن زبیر اور عبدالملک بن مروان۔“

علم و فضل اور ذوق و نظر کے ساتھ ساتھ اس کا دامن کمال مدبر، حوصلہ، استقلال اور بہادری

کے جواہر گراں مایہ سے بھی مالا مال تھا۔ جب اس نے تخت شاہی پر قدم رکھا۔ تو ملک کے

گوشے گوشے میں انقلاب کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ بنی امیہ کے خلاف مختلف طاقتیں

صاف آرا تھیں۔ ایک طرف عبداللہ بن زبیرؓ جیسی مقتدر ہستی برسرِ جنگ تھی۔ تو دوسری طرف

شیعہ، خوارج اور مختار ثقفی کی جماعتیں گرم پیکار تھیں۔ صرف مصر اور شام پر عبدالملک کا پرچم

اقتدار لہرا رہا تھا۔ باقی عالم اسلام میں یا تو شورش اور اذیت فری کا طوفان برپا تھا۔ یا ابن زبیرؓ کی

حامی جماعتیں معرکہ آرائی کے لئے لیس تھیں۔ یہ نازک حالات عبدالملک کے کمال سیاست

اور اورج شجاعت کو دعوتِ آزمائش دے رہے تھے۔ لیکن وہ آشوب و انقلاب کے اس

بے پناہ سیلاب میں ثبات و پامردی کی چٹان اور تدبیر و صولت کی میان مرصوف بن کر کھڑا

ہو گیا۔ اور تمام مخالف جماعتیں عزم و ہمت کے اس پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔
 مروان کے انتقال پر رمضان ۶۵ھ میں عبدالملک سریراً ماسیہ حکومت ہوا۔

جنگِ توابین | مروان نے عبید اللہ بن زیاد کو جزیرہ پر چڑھائی کرنے اور قریبیا میں زفرین
 حارث سے جنگ آنا ہونے کے لئے روانہ کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ اس کے
 بعد عراق پر پیش قدمی کرے۔ یہ بھی لالچ دیا تھا کہ اس کا مفتوحہ علاقہ اسی کے سپرد کر دیا جائے
 گا۔ اسی اثنا میں مروان کے انتقال کی اطلاع ملی۔ تو ساتھ ہی عبدالملک کا یہ حکم بھی موصول
 ہوا کہ وہ اپنی موجودہ ہم جاری رکھے۔

ابن زیاد نے اس کام سے فارغ ہو کر عراق پر چڑھائی کر دی۔ اور عین الوددہ میں توابین
 کے ساتھ اس کی مٹ بھیر ہو گئی۔

توابین کا اجمالی تذکرہ یہ ہے۔ کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ کے ایک
 گروہ کو اپنی عہد شکنی اور بے وفائی پر سخت پشیمانی ہوئی۔ اس گناہِ عظیم کے کفارے کے لئے
 انہوں نے فیصلہ کیا کہ قاتلین امام حسینؑ سے انتقام کیا جائے۔ یا اس پر خار و خوئ چکاں راستے
 میں جانیں دے دی جائیں۔ چنانچہ فدائی حضرت علیؑ اور معزز صحابی سلیمان بن ضرہؑ کے زیر
 قیادت ان لوگوں نے اپنے آپ کو منظم کر لیا۔

توابین نے ابن زیاد کے ایک افسر شریبل کی فوج کے چھٹے چھڑا دئے۔ ابن زیاد نے حسین
 بن نیر کی کمان میں ایک اور فوج بھیج دی۔ توابین نے اسے بھی ناک چنے چبوائے۔ اسی طرح
 ابن زیاد لشکر پر لشکر بھیجتا رہا۔ اور توابین بے جگری سے بہادری کے جوہر دکھاتے اور حریف
 کو شکست دیتے رہے۔ آخر سلیمان بن ضرہؑ اور ان کے اکابر و رفقاء تیغ ہونے اور بقیۃ السیف
 کوفہ واپس چلے آئے۔

مختار ثقفی کا خروج | اس دور کی اہتری اور طوائف الملوک دیکھ کر ۶۶ھ میں ایک چالاک
 عالی دماغ اور ہمت ور شخص مختار بن ابی عبید ثقفی قاتلین حسینؑ

سے انتقام کی دعوت لے کر میدان میں اُتر آیا۔ اور عراق پر قبضہ کر لیا۔

مختار نے دیکھا کہ آج کل عبید اللہ بن زبیر کا طوطی بول رہا ہے۔ اس لئے اس نے

کہ معظمہ پہنچ کر ان کی مجلس میں آنا جانا شروع کر دیا۔ اور ان کے مزاج میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا۔ لیکن جب ان سے متوقع مقصد حاصل ہوتا نظر نہ آیا۔ تو بدول ہو کر تحریک تو ابین میں شامل ہو گیا۔ اس تحریک کو اپنے مقصد کے موافق پا کر اس کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ لیکن ابن زبیرؓ کے ساتھ مراسم قائم رکھے۔ اور ان پر یہ راز ظاہر نہ ہونے دیا۔ پھر اس نے حضرت امام زین العابدینؓ کی خدمت میں قبول سرپرستی کے لئے استدعا کی۔ لیکن وہ اس کے دام تزویر میں نہ آئے۔ اور مسجد نبویؐ میں تقویٰ کر کے لوگوں کو اس کی سکاری سے بچے رہنے کی ہدایت کی۔ پھر اس نے امام موصوف کے سوتیلے چچا محمد بن حنفیہؓ سے یہی درخواست کی۔ انہوں نے نزاکت حالات کے پیش نظر مصلحت کی بنا پر سرپرستی منظور کرنی۔

عراق کی سرزمین ہمیشہ سے شورش و انقلاب کا گہوارہ رہی ہے۔ لہذا مختار نے اپنے نخل تحریک کو بار آور کرنے کے لئے یہی علاقہ منتخب کیا۔ اور فن مکروریا میں چابک دستی کے بل پر محمد بن حنفیہؓ اور ابن زبیرؓ دونوں سے اجازت نے کر عراق پہنچا۔ کوفہ میں گرجوشی سے اس کی تحریک کا خیر مقدم کیا گیا۔ اور شیعیاں علیؓ کی ایک زبردست جماعت اس کی پشتیبان بن گئی۔ عبد اللہ بن مطیع والی کوفہ اور پولیس کے حاکم ایاس ابن نصر نے اس کی تحریک کے ماتے میں کانٹے بچھاوئے۔ مختار مصلحتاً خاموش رہا۔ اور ابراہیم بن اشتر رئیس کوفہ کو محمد بن حنفیہؓ کی طرف سے ایک جعلی خط وے کر اپنا معاون بنا لیا۔ یہ تیر عین نشانے پر بیٹھا۔ اور ابراہیم کی حمایت سے اس کی تحریک کو نر لگ گئے۔ ایاس نے ابراہیم کو حمایت مختار کے جرم میں قتل کی دھمکی دی۔ لیکن ابراہیم نے ایاس ہی کو ٹھکانے لگا دیا۔ ابن مطیع نے ابراہیم کی گرفتاری کا حکم دیا۔ لیکن ابراہیم اور مختار کی بڑھتی ہوئی طاقت کے آگے ابن مطیع کی کچھ پیش نہ گئی۔ اور مختار نے انہیں مغلوب کر کے سارے عراق پر قبضہ جمایا۔ صرف بصرہ پر ابن زبیرؓ کا تسلط باقی رہ گیا۔

محمد بن حنفیہؓ نے ابن زبیرؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اس لئے انہیں حمایت مختار کی بنا پر ان سے خطرہ تھا چنانچہ انہوں نے ابن حنفیہؓ کو زندان بلا میں لے لیا۔ مؤخر الذکر نے مختار کو اطلاع دی۔ اس نے

فوج بھیج کر انھیں رہائی دلائی۔

امام حسینؑ کے قاتلوں سے انتقام

کوئٹہ پر حکومت کا پرچم لہرانے کے بعد مختار قتل کا بخوبی پتہ لگا کر سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ اور ان کا مال و منال ضبط کر لیا۔ جو کسی طرح فرار ہو گیا۔ اس کا مکان پیوند زمین کر دیا۔ چنانچہ شمر ذی الجوشن، عمرو بن سعد، مالک بن بدی، علی اموی، عبید اللہ بن زیاد، عمران بن خالد قیشری وغیرہم تہ تیغ کر دئے گئے۔ شمر کی لاش پر کتے چھوڑ دئے گئے۔ ابن زیاد کا سر کاٹ کر حضرت امام زین العابدینؑ کے پاس مدینہ بھیجا دیا۔

عربوں سے مختار کی جنگ

مختار کے معاونین زیادہ تر عجمی تھے۔ انھیں کی آبیاری سے اس کی تحریک پھول پھول رہی تھی۔ اس لئے ظفرو کا مرانی حاصل ہونے کے بعد اس نے عجمیوں پر مراتب و مناصب اور انعام و اکرام کی بارش کی۔ اس کے ساتھیوں نے بہت سے عربوں پر قتل حسینؑ کا الزام لگا کر انھیں نذیر اجل کر دیا اور ان کا مال و مناع ضبط کر لیا۔ اشراف عرب نے گروہ کر مختار کے خلاف عظیم بغاوت بلند کر دیا۔ مختار اپنے فداکار عجمیوں کی بھاری فوج لے کر مقابلے کے لئے نکلا۔ اور گونا گوں تدابیر سے کام لیتے ہوئے بعض عرب قبائل کو بھی ساتھ ملا لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے عرب کھیت رہے۔ اور اکثر گرفتار کر لئے گئے۔ بقیہ السیف بھاگ کر ابن زبیرؑ کے پاس بصرہ چلے گئے۔

مصعب بن زبیر اور مختار میں جنگ

عائد عرب نے بصرہ پہنچ کر مصعب بن زبیرؑ سے مختار کے ہولناک مظالم کی جوان پر توڑے گئے تھے۔ خون کو گھولادینے والے اسلوب ادا سے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔ کہ مختار پر جلد حملہ کیجئے۔ ہم سب آپ کی پشت پر ہیں۔ مصعب نے امداد اعراب کی شہ پار کر اپنے نامور سپہ سالار مہلب بن ابی صفروہ والی فارس کو بصرہ بلا لیا۔ اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مختار کو ان تیاریوں کا علم ہوا۔ تو اس نے امویوں کو ساتھ ہزار کے لشکر جزائر کے ساتھ مقابلے کے لئے بھیجا۔ مذاہر میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ جس میں خون کی ندیاں بہ گئیں۔ آخر مختار کو شکست ہوئی۔ اور اس کے بچے کھمبے سپاہی کو ذکو لوٹ گئے۔ مصعب کی فوج ان کا تعاقب

کرتی ہوئی کوفہ تک چلی گئی۔

مختار کا قتل | کوفہ میں مختار خود مقابلے کے لئے میدان میں اترا۔ لیکن اب وہاں اس کی ہمارے بگڑ چکی تھی۔ ناچار مجبور ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ مصعب نے شدت سے

مقابلہ کیا۔ اور پوسے چار مہینے تک اسے قائم رکھا۔ جب مختار نے رہائی کی کوئی صورت نہ دیکھی۔ تو ناامید ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اس طرح بھوکوں مرنے سے میدان جنگ میں کام آنا بہتر ہے۔" لیکن ساتھیوں نے کوجواب دیا۔ آخر وہ سرسختی پر رکھ کر نکل آیا۔ اور

اپنے معتمد علیہ امیر سائب بن مالک کلبی سے کہا۔ "اے شیخ! قلعے سے نکلو۔ کہ ہم دین کو بالائے طاق رکھ کر حبت دنیا کے لئے جاں بازی دکھائیں۔" سائب بوللاہم اللہ وانا الیہ راجعون۔ دنیا

قصاب تک یہ خیال کر رہی تھی۔ کہ تم دین کی خاطر اس طرح جان جو کھوں میں ڈال رہے ہو۔" مختار نے جواب دیا۔ "مجھے اپنی جان کی قسم۔ یہ سب کچھ صرف دنیا طلبی کے لئے تھا۔ میں

نے دیکھا کہ شام پر عبدالملک کا قبضہ ہے۔ حجاز عبداللہ بن زبیر کے زیر نگیں ہے۔ بصرہ پر مصعب کا تسلط ہے۔ عروض پر نجدہ حروری کا پرچم اقتدار لہرا رہا ہے۔ خراسان پر عبداللہ بن

حازم کی حکومت ہے۔ اور میرے پاس وہی ڈھاک کے تین پات۔ میں نے سوچا کہ میں کس سے کم ہوں۔ آخر میں نے بھی سخت آزمائی پر کرباہم می۔ اور قاتلین حسینؑ سے انتقام لینے کی مؤثر تجویز کو آلہ کار بنا کر میدان میں نکل آیا۔" *شکوہ الیہ*

یہ کہہ کر مختار اپنی خاص جمعیت کو ساتھ لے کر آتش و خون کے طوفان میں کود پڑا۔ اور مردانہ وار بہادری کے جوہر دکھاتا ہوا مارا گیا۔ مصعب نے اس کا سر کاٹ کر عبداللہ بن زبیر کے پاس لے کر معطر بھیج دیا۔ اور اس کے ہاتھ قلم کرنے کے کوفہ کی جامع مسجد میں لٹکا دئے۔ یہ

واقعہ ۶۶ھ میں رونما ہوا۔

خارجیوں کی شورش

عبداللہ بن زبیر کو مختار کے علاوہ خارجیوں سے بھی جنگ کرنی پڑی۔ یہ گروہ حضرت علیؑ اور حضرت امیر معاویہؓ کے اختلاف کی بنا پر معرض وجود میں آیا تھا۔ اس نے امیر معاویہؓ اور یزید کے زمانے میں خروج کیا۔ اور یزید کے مقابلے میں امین زبیرؓ کی حمایت کی۔

خارجی عقیدے کے بڑے سخت تھے۔ اور پہلے دو خلیفوں کے سوا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو معاذ اللہ گمراہ اور ان کے پیروؤں کو کافر خیال کرتے ہوئے ان کا خون جائز سمجھتے تھے۔ ان کی رائے میں ابن زبیرؓ سے بھی جہاد کرنا واجب تھا۔ پہلے انہوں نے یزید کے مقابلے میں ان کی حمایت تو کر دی تھی۔ لیکن پھر وہ پشیمان ہوئے۔ اور ان سے حضرت عثمانؓ کے باب میں رائے دریافت کی۔ ابن زبیرؓ نے کہا۔ "میں حضرت عثمانؓ کا دوست۔ ان کے مخالفوں کا مخالف اور تمہاری جماعت کے عقیدے سے بری الذمہ ہوں۔ یہ سن کر خارجیوں کا سردار نافع بن اذرق ابن زبیرؓ سے قطع تعلق کر کے اپنے گروہ کے ہمراہ عراق چلا گیا۔

عراق پر اس وقت عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت کا پھر برا لہرا رہا تھا۔ اس لئے خارجیوں نے ان کا مقابلہ کیا۔ اور عراق کے گوشے گوشے میں شورش و انقلاب کی آگ بھڑکادی۔ عبداللہ بن عاصؓ والی بصرہ نے خوارج کے مقابلے میں فوجیں روانہ کیں۔ نافع لڑائی میں کام آیا۔ لیکن خارجیوں کا کس بل کم نہ ہوا۔ اور ان کی بغاوت کے باعث اہل بصرہ پر خوف و خطر کے بادل منڈلانے لگے۔ بصرہ والے عبداللہ بن زبیرؓ سے فریادی ہوئے۔ انہوں نے مہلب بن ابی سفیر کو خوارج کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ طرفین میں گھسان کارن پڑا۔ کشتوں کے پتے لگ گئے۔ آخر بصرہ کو خارجیوں کے وجود سے پاک کر دیا گیا۔ اور یہ لوگ فارس کی طرف چلے گئے۔

انہیں ایام میں نافع بن اذرق کے ایک ساتھی نجدہ بن عامر حروری نے اپنی ایک جداگانہ جماعت مرتب کر کے بحرین میں خروج کیا۔ اور فاتحانہ یلغار کرتے ہوئے صنعاء، یامہ۔ عمان وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اس کی جماعت کے ساغر اتحاد میں زہر گھل گیا۔ اور کچھ لوگ اس کی مخالفت پر مکر باندھ کر عبداللہ بن فدیك کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ نجدہ بھاگ گیا۔ مگر ابن فدیك کے پیروؤں نے اسے تلاش کر کے تہ تیغ کر دیا۔

خارجیوں کی بیخ کنی بڑی ٹیڑھی کھیر تھی۔ وہ اپنی شجاعت و سر بازی کے بل بوتے پر ایک نہ ایک فتنہ کھڑا رکھتے تھے۔ چنانچہ ۶۸ھ میں خوارج فارس نے پھر سر نکالا۔ مہلب بن ابی سفیر ان کا خاتمہ کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس لئے مصعب نے انہیں برطرف کر کے

عمر بن عبد اللہ بن معمر کو ان کی جگہ مقرر کیا۔ انہوں نے ساہور اور اصطنخر میں خارجیوں کے چھڑا دئے۔ مگر وہ ہمت و جاں بازی کا سہارا لئے دب دب کر ابھرتے تھے۔ اس لئے فاراب میں پسپا ہو کر عراق کی راہ لی۔ عمرو نے تعاقب کیا۔ دوسری جانب سے مصعب روکے کے لئے نکلے۔ خوارج نے اپنے آپ کو بے بس پا کر مدائن کا رخ کیا۔ اور وہاں کے باشندے پر انسانیت سوز و وحشیانہ مظالم توڑے۔ پھر کوفہ کی جانب پیش قدمی کی۔ ابراہیم بن اشعث نے مقابلہ کیا۔ پھر خارجی رے کی طرف بڑھے۔ وہاں کے حاکم یزید بن حارث مزاحم بن خوارج نے انہیں مار ڈالا۔ اور اصقہان کی طرف چل دئے۔ وہاں کا عامل عتاب چندا تک مقابلے پر ڈٹا رہا۔ پھر سامان مدافعت کے ختم ہو جانے پر باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ اور خارجیوں کے سردار زبیر بن ماجور کا خاتمہ کر کے اس کے مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد خارجیوں نے قطری بن مجاہد کے زیرِ علم جمع ہو کر جگہ جگہ تاخت و تاراج کا بازار گرم کر دیا۔ مصعب نے ان کا قلع قمع کرنے کے لئے پھر مہلب بن ابی صغره کو مقرر کیا۔ انہوں نے پورے آٹھ مہینے تک نہایت کامیابی سے خارجیوں کا مقابلہ کیا۔

عمر بن سعید کا قتل | مروان کے بعد خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کو ترتیب وار ولی بنا دیا۔ عمرو بن سعید کے نامزد کر کے بنی امیہ کے حامیوں کا اختلاف رفع کیا گیا تھا۔ لیکن مروان نے قوت پکڑتے ہی ان دونوں کا نام خارج کر کے اپنے بیٹے عبد الملک کو ولی عہد بنا دیا۔ عبد الملک کو اپنے ان دونوں حریفوں میں سے خالد کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ وہ کم عمر اور بے حوصلہ تھا۔ چنانچہ اس نے کوئی جنبش نہ کی۔ لیکن عمرو بن سعید بہت ہوشیار اور ہمت ور تھا۔ لہذا اس کی طرف سے اسے ہمیشہ خطرہ رہا۔

۶۹ء میں عبد الملک ابن زبیر کے حامی زفر بن حارث عامل قریشیا کے مقابلے کو نکلا۔ عمرو بن سعید نے موقع پا کر عبد الملک کے نائب عبد الرحمن بن عثمان کو دمشق سے نکال دیا اور خود قبضہ کر لیا۔ عبد الملک کو خبر ہوئی۔ تو وہ فوراً دمشق لوٹا۔ عمرو بن سعید مقابلے پر آیا۔ لیکن عبد الملک نے مصلحتاً اسے ولی عہد تسلیم کر کے صلح کر لی۔ اور دمشق میں داخل ہو گیا۔ عبد الملک عمرو بن سعید کا خاتمہ کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں تھا۔ چنانچہ ایک دن اسے بلا کر دھوکے

سے قتل کرادیا۔

شام پر رومیوں کی چڑھائی

۳۳۹ء میں رومیوں نے شام پر چڑھائی کی۔ لیکن عبدالملک نے حالات کے پیش نظر ایک ہزار دینار

فی ہفتہ پر صلح کر لی۔

بصرہ پر عبدالملک کا حملہ

شام اور مصر عبدالملک کے زیر نگیں تھے۔ اور عراق پر مصعب ابن زبیر کا قبضہ تھا۔ بعض لوگوں نے عبدالملک

کو رائے دی کہ ابن زبیر سے صلح کر کے اپنے مقبوضہ علاقے پر قناعت کرو۔ لیکن عبدالملک نے اس مشورے کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ایک لشکر جزائر کے ساتھ عراق پر چڑھائی کر دی۔ ابن زبیر بھی مقابلے کے لئے نکلے۔ عبدالملک عراقیوں کا نبض شناس تھا۔ اس نے عین موقع پر حریف کے بہت سے آدمیوں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ البتہ مصعب کے معاون خاص ابراہیم بن اشتر اس کے بھڑوں میں نہ آئے۔

دیر جاٹلیق میں دونوں لشکروں نے آمنے سامنے ڈیرے ڈال دیے۔ مصعب نے اپنے زور و قوت میں بڑی حد تک کمی آجانے کے باوجود بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ ابراہیم نے بھی سردھڑا کی بازی لگا کر اموی فوج کو ناک چنے چبوائے۔ لیکن تازہ کک پہنچ جانے سے ان کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اور ابراہیم نے مردانہ وار لڑتے ہوئے جان دے دی۔ ان کے بعد عیسیٰ ابن مصعب بھی فاد شجاعت دیتے ہوئے مارے گئے۔ اب مصعب کے دونوں بازو ٹوٹ گئے۔ اور تنہا مقابلہ کرنے لگے۔

عبدالملک مصعب کے ساتھ دیرینہ مراسم رکھنے کے باعث ان کے خون سے اتھ رنگنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے مشیروں کی پرہیزگار کے ان کے پاس پیغام بھیجا میں آپ کی جان بخشی کرتے ہوئے اجازت دیتا ہوں۔ کہ آپ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ لیکن مصعب نے یہ پیشکش قبول نہ کی۔ اور تیغ شجاعت و سر بازی کے جوہر دکھاتے ہوئے جان دی۔ مصعب کا سر قلم کر کے عبدالملک کے روبرو پیش کیا گیا۔ تو وہ بے ساختہ بول اٹھا۔ کہ "اب قریش میں ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں۔" مصعب کے قاتل کے

بعد عراق عبدالملک کے قیفے میں آگیا۔ اہل عراق نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور اس نے بصرہ اور کوفہ میں اپنی طرف سے عامل مقرر کر دیے۔

اب عبدالملک کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ چنانچہ اس نے مکہ کا محاصرہ | حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک زبردست فوج کے ہمراہ عبداللہ بن زبیر

کے مقابلے کے لئے حجاز روانہ کیا۔ وہ حرم میں پناہ گزیں تھے۔ حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر لیا اور خانہ کعبہ پر سنگ پاری شروع کر دی۔ جس سے عمارت حرم کو شدید نقصان پہنچا۔

محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ مکہ میں سخت قحط پڑ گیا۔ محصورین گھوڑے ذبح کر کے کھا کر پر مجبور ہو گئے۔ ابن زبیر کے ساتھی انتہائی پریشانی کی حالت میں ان سے الگ ہونے لگے حتیٰ کہ دس ہزار آدمی انھیں چھوڑ کر حجاج کی امان میں چلے گئے۔ ان ناموافق اور ہمت گسل حالات کے باوجود ابن زبیر کی جبین ثبات پر شکن تک نہ آئی۔ اور وہ برابر مقابلہ کرتے رہے۔ آخر میں ان کے دو بیٹوں نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

یہ صورت حالات دیکھ کر ابن زبیر نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی :-

”اماں جان! میرے تمام ساتھی مجھ سے الگ ہو گئے ہیں۔ میرے بیٹوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اب صرف پانچ آدمی باقی رہ گئے ہیں۔ لیکن ان کا بھی جام شکیب لبریز ہو چکا ہے۔ اس حالت میں شعاع کاعرانی کی جھلک تک نظر نہیں آتی۔ البتہ حجاج کہتا ہے۔ کہ تم بھی میری پناہ میں آ جاؤ۔ منہ مانگی مراد پاؤ گے۔ اب آپ کیا حکم دیتی ہیں؟“

اس پر حضرت اسماء نے جو جواب دیا۔ وہ تیاست تک دنیائے نسوان کے لئے فخر و مباہات کا سرمایہ بنا رہے گا۔ فرمایا :-

”بیٹا! یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔ تم اسے مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔ اگر تم حق پر ہو۔ اور حق ہی کی طرف لوگوں کو بلا تے ہو۔ تو اب بھی حق ہی کے لئے اپنی جان قربان کر دو۔ بنی امیہ کے آگے گھٹنے نہ ٹیکو۔ اگر تمہارا مقصد حصول دنیا تھا۔ تو افسوس سے تم پر

کہ اپنے آپ کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا۔ اگر یہ کہو کہ میں تو حق پر تھا۔ لیکن میرے ساتھیوں نے مجھے دھوکا دے کر کمزور کر دیا۔ تو یاد رکھو کہ ہمت ہار دینا شرفا اور اہل دین کا شعار نہیں۔ دنیا میں کوئی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔ حق کی راہ پر جان قربان کر دینا دنیا کی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔“

ابن زبیرؓ نے کہا۔

”اماں جان! میں موت سے تو نہیں ڈرتا۔ البتہ یہ خوف ضرور ہے۔ کہ میرے دشمن میری نعش کا مشلہ کر کے اسے سولی پر لٹکائیں گے۔“

حضرت اسماءؓ نے جواب میں فرمایا۔

”بیٹا! جب بکری ذبح ہو گئی۔ تو اسے کھال کھینچے جانے سے کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔“

جاؤ۔ جو کچھ کر رہے ہو۔ اسے بعیرت کے ساتھ پورا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کئے جاؤ۔“

ابن زبیرؓ نے ماں کا سر چڑھا۔ انہوں نے بیٹے کو گلے لگایا۔ اور دعائیں دے کر رخصت کیا۔ وہ سیدھے میدان جنگ میں پہنچے۔ اور دشمن کی صفوں کو چیرتے اور انہیں گاجر مولیٰ کی طرح کاٹتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ آخر سیکڑوں کو فنا کے گھاٹ اُتار کر نہایت بہادری سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ابن زبیرؓ کا اندیشہ حقیقت ثابت ہوا۔ حجاج نے ان کا سر عبدالملک کے پاس شام بھجوا دیا۔ اور باقی نعش کو مقام ججون میں سولی پر لٹکا دیا۔ ایک دن حضرت اسماءؓ اُدھر سے گزریں۔ تو فرمایا۔ ”ابھی یہ شہسوار سواری سے نہیں اُترا۔“

عبدالملک کو اطلاع ملی۔ تو اس نے حجاج کو اس حرکت پر لعنت ملامت کرتے ہوئے نعش کو حضرت اسماءؓ کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مقام ججون میں ان کا جسد مبارک دفن کر دیا گیا۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کا یہ واقعہ ۱۴ جمادی الاخریٰ ۶۳ھ کو تہتر سال کی عمر میں پیش آیا۔ ان کی مدت خلافت سات برس تھی۔

نظام حکومت

عبداللہ بن زبیر نے چند سال تک تقریباً سارے عالم اسلام اور سات برس تک حجاز و عراق پر حکومت کی۔ لیکن ان کا یہ پورا دور جنگِ جندل میں گزرا۔ اور ایک دن کے لئے بھی اطمینان نصیب نہ ہوا۔

کعبے کی تعمیر

اس کے باوجود انھوں نے بعض نمایاں کام انجام دئے۔ جن میں تعمیرِ کعبہ

ایک ذریعہ کار نامہ ہے۔ قریش نے بعثتِ نبویؐ سے پیشتر خانہ کعبہ کی

عمارت کو از سر نو تعمیر کیا تھا۔ لیکن حطیم کا حصہ یونہی چھوڑ دیا تھا۔ آنحضرتؐ کی خواہش تھی کہ بنیاد

ابراہیمی کے اس چھوٹے ہونے سے کو بھی شامل کر کے اس پر دوبارہ عمارت بنا دی جائے

بنی امیہ اور ابن زبیر کی جنگ میں عمارت کو اور زیادہ نقصان پہنچا۔ لہذا ابن زبیر نے اسے

گرا کر آنحضرتؐ کے حسب خیال دوبارہ تعمیر کرا دیا۔

اس سلسلے میں یہ تاریخی واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کہ ولادتِ نبویؐ سے قبل ابراہیم

حاکم حبشہ نے ہاتھیوں کی فوج سے کعبے پر حملہ عائی کی تھی۔ اور کعبے کی مرکزیت کو فنا کرنے کے

لئے یمن میں ایک گرجا بنوایا تھا۔ ابن زبیر نے اسی گرجے کو مسمار کر کے اس کا عمارتی مسالہ

تعمیرِ کعبہ میں صرف کیا۔

علم و فضل

ابن زبیرؓ کو علمی تربیت کے لئے حضرت عائشہؓ کے گہوارہ کمال کی سعادت

نصیب ہوئی تھی۔ اس لئے وہ علم و فضل کے اعتبار سے اپنے معاصرین

میں ایک ماہر الامتیاز حیثیت رکھتے تھے۔ خصوصاً قرأتِ فرقان حمید کے فن میں تو بڑے بڑے

قاری ان کی شمشیر کمال کا لوہا مانتے تھے۔

فنِ حدیث میں رسول اللہ صلعم، حضرت عائشہؓ، خلفائے اربعہ وغیرہم کے ماہرہ و فضیلہ

سے زکوٰۃ ربانی کی تھی۔

فقہ میں قابلِ قدر ہمارت رکھتے تھے۔

عربی کے علاوہ دوسری متعدد زبانوں سے بھی شناسائی رکھتے تھے۔

تقریرِ نہایت فصیح و بلیغ ہوتی تھی۔ عثمان بن طلحہ کہتے ہیں۔ کہ اس فن میں ان کا کوئی حریف

نہ تھا۔

اخلاق و عادات | ان کا پایہ اخلاق بہت بلند تھا۔ عبادت اور تقویٰ میں شہرہ آفاق تھے۔ نماز پڑھتے وقت ہو بہو رسول اللہ صلعم کی پیروی کرتے تھے باقی ارکان سے بھی انتہائی شغف رکھتے تھے۔

سنت کی پابندی | بہر بات میں سنت رسول کی پیروی ان کا خاص شعار تھی۔ ایک دفعہ کسی کام میں تنازع کی بنا پر وہ اور ان کے بھائی عمرو بن زبیرؓ مدینہ کے والی سعید بن عاص کی عدالت میں پیش ہوئے۔ حاکم نے طرفین کے رتبے کا لحاظ کر کے دونوں کو اپنے پاس بیٹھنے کے لئے کہا۔ عمرو نے تعمیل ارشاد کی۔ لیکن ابن زبیرؓ اس سے مس نہ ہوئے۔ اور کہا۔ یہ سنت نبویؐ کے خلاف ہے۔ فریقین کو منصف کے سامنے بیٹھنا چاہئے۔

حضرت عائشہؓ کی خدمت | ابن زبیرؓ اپنی والدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی انتہائی خدمت کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ دریا دل تھیں۔ جو

کچھ بھانجے سے ملتا۔ سارے کا سارا راہِ خدا میں خرچ کر ڈالتیں۔ ایک دفعہ ابن زبیرؓ کے منہ سے حرفِ شکایت نکل گیا۔ حضرت عائشہؓ کو ناگوار گزرا۔ ان سے بات چیت ترک کر دی۔ ابن زبیرؓ نے معذرت طلب کی۔ لیکن وہاں پذیرائی نہ ہوئی۔ آخر نہایت مشکل سے یہ حدیث نبویؐ یاد دلانے پر کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے معافی دے دی۔ اور سابقہ تعلقات بحال ہو گئے۔

پہادری | ابن زبیرؓ قریش کے نہامت نامور بہادرؤں میں سے تھے۔ ان کی زندگی کے زریں کارنامے حیرت انگیز دلیری و جاں بازی پر شاہد عادل ہیں۔ سات

سال تک۔ بنی امیہ جیسی پُر جاہ و جلال حکومت کا مقابلہ ان کی دستار شجاعت کا طرہ افتخار ہے۔ **حق گوئی** | ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ اور بڑے سے بڑا شکوہ و دبدبہ اور بڑی سے بڑی ہوس

انعام ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکتی تھی۔ جہاں امیر معاویہؓ کی سطوت و صولت، سیاسی کمال اور ذرا فشانے نے جادو کی چھڑی بن کر بڑے بڑے امرا کے لبوں پر مہر سکوت لگادی۔ وہاں ابن زبیرؓ کی حق گوئی کے اعجاز نے اس ظلم

کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ اور انہوں نے ولی عہدی یزید کی بدعت قبول نہ کی۔

مالی حالت ابن زبیرؓ کے والد مشہور تاجر ہونے کے باعث یم وزر میں کھلتے تھے انتقال پر پانچ کروڑ سے زیادہ روپیہ چھوڑا۔ جس کا ایک تہائی حصہ وصیت ابن زبیرؓ کے حصے میں آیا۔ جاگیر اور مکان الگ تھے۔ اس لئے ابن زبیرؓ ساری زندگی فارغ البالی میں بسر کی۔

عبدالملک بن مروان کا خالص دور

۶۳ھ تا ۸۶ھ

خارجیوں کا فتنہ عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد ۶۳ھ سے عبدالملک بن مروان کا عہد حکومت شروع ہوا۔

عراق اور فارس کا علاقہ خارجیوں کا مرکز تھا۔ جب اس سرزمین پر عبدالملک کا پرہانے لگا۔ تو خارجیوں نے گوشے گوشے میں شورش و بغاوت کا غم بلند کر دیا۔ عبدالملک نے مکرہمت باندھ کر ان کی بیخ کنی پر تل گیا۔

عبدالملک نے خالد بن عبداللہ حاکم کوفہ کو لکھا۔ کہ مہلب بن ابی صفرہ کے مشورے پر کاربند ہو کر پوری قوت سے خارجیوں کا مقابلہ کرو۔ اور ساتھ ہی اپنے بھائی بشر بن مروان کو حکم دیا۔ کہ پانچ ہزار فوج خارجیوں کے مقابلے کو بھیج دو۔ اس پر خالد، مہلب اور بشر تینوں نے مل کر مورچے لگا دیئے۔ خارجی مقابلے کی تاب نہ لا کر منتشر ہوئے۔ اہل کوفہ کی سرکشی اور شورش کو آغوش لحد میں سلانے کے لئے عبدالملک نے سخت گیر شخص حجاج بن یوسف ثقفی کو والی عراق بنا کر بھیجا۔ وہ صرف بارہ سواریوں کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوا۔ اور سب سے پہلے جامع مسجد میں جا کر تقریر کے لئے منادی کو ہی جب وہ خطبے کے لئے منبر پر چڑھا۔ تو چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھا۔ لوگ حجاج کے تقریر سے بے خبر تھے۔ اور حسب عادت تحقیراً سنگ ریزے لے کر اس کے مارنے

کے لئے پہنچے۔ جب اس نے نقاب اٹھائی تو لوگ اسے پہچان کر دہشت زدہ ہو گئے۔ اور سنگ ریزے ہاتھوں سے گر گئے۔ حجاج نے حسب ذیل تقریر کی:-

”اے اہل کوفہ! خدا کی قسم میں شکر کو اس کی جگہ رکھ کر اس کا پورا بدلہ دیتا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت سے سرکے پھلوں کی طرح جھڑنے والے ہیں مجھے تمہارے عمالوں اور ڈاڑھیوں کے درمیان خون کی موجیں اٹھتی نظر آرہی ہیں۔ بخدا مجھے آسانی سے دبایا نہیں جاسکتا۔ میں شور و شر سے نہیں ڈرتا۔ میں تجربہ کار ہوں۔ امیر المومنین عبدالملک نے اپنے ترکش کا سب سے زیادہ سخت اور جگر دوز تیر تم پر چلایا ہے۔ یعنی مجھے تمہارا حاکم بنا کر بھیجا ہے۔ تم نے فتنہ انگیزی و بغاوت کو اپنا شعار اور گمراہی کو اپنا مسلک بنا لیا ہے۔ اب تم سیدھے ہو جاؤ۔ اور اطاعت اختیار کرو۔ ورنہ یاد رکھو۔ میں تمہیں اچھی طرح مزہ چکھا کر تھکے کی طرح سیدھا کر دوں گا۔ تمہارا حال اُس بستی والوں کا سا ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ کہ ”وہاں اس و اطمینان کے پھول برس رہے ہیں۔ ہر قسم کی نعمتیں بکثرت چاروں طرف سے چلی آتی تھیں۔ مگر اس بستی والوں نے کفرانِ نعمت کیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ خدا نے ان پر بھوک اور خوف کا عذاب نازل کر دیا۔“ خدا کی قسم، میں جو کچھ کہتا ہوں۔ اسے کر کے دکھا دیتا ہوں۔ جو ارادہ کرتا ہوں۔ اسے پورا کر کے چھوڑتا ہوں۔ امیر المومنین نے حکم دیا ہے۔ کہ تمہاری تنخواہیں تقسیم کر دی جائیں۔ اور تم لوگ مہلب بن ابی صفرہ کے پاس خوارج کے مقابلے کے لئے نکل جاؤ۔ تنخواہ تقسیم ہونے کے بعد تمہیں صرف تین دن کی مہلت ہے۔ اگر چوتھے دن کوئی شخص کوفہ میں نظر آیا۔ تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اور گھر لٹوا دیا جائے گا۔“

اس کے بعد حجاج نے غلام کو عبدالملک کا فرمان پڑھنے کا حکم دیا۔ ابھی انا بعد السلام علیکم ہی پڑھا گیا تھا۔ کہ حجاج نے غلام کو روک کر مجمع سے مخاطب ہوئے کہا۔ ”گستاخو! بے ادبوں! امیر المومنین نے تمہیں سلام کہا ہے۔ اور تم گونگے بن گئے۔ واللہ میں تمہیں ادب سکھا کر رہوں گا۔“ اس پر حاضرین نے سلام کا جواب دیا۔ اور غلام کو پھر فرمان سنانے کا حکم دیا

گیا۔ اب کے سب نے سلام کا جواب دیا۔ پھر تنخواہیں تقسیم کر دی گئیں۔

حجاج کی اس سخت گیری کا یہ اثر ہوا۔ کہ ہر شخص زاد راہ لئے بغیر مہلب کے پاس پہنچنے کو بیتاب ہو گیا۔ اور کوفہ کے پل پر اتنی بھیر ہو گئی۔ کہ راستہ چلنا مشکل ہو گیا۔

کوفہ سے فارغ ہوتے ہی حجاج نے بصرہ پہنچ کر وہاں بھی ایسا ہی آتش بار خطبہ دیا۔ شریک بن عمرو شکاری نے حجاج کے پاس آکر کہا۔ میں فتنی کا مریض ہوں۔ سابق والی بشیر بن مروان نے مجھے فوجی خدمت سے معذور رکھا تھا۔ آپ بھی یہ معقول عذر قبول فرمائیے۔ حجاج نے اسے قتل کرادیا۔ اہل بصرہ اس سختی سے ڈر کر بے تامل مہلب کے لشکر میں شرکت کے لئے روانہ ہونے لگے۔ یہ کیفیت دیکھ کر مہلب بولا۔ بے شک اب عراق میں ایک مرد آیا ہے۔

حجاج خود بھی مہلب کی امداد کے لئے اس کی لشکر گاہ سے کچھ قاصدے پر استقبا یا ڈاکر مقرر ہوا۔ لیکن یہاں ایک نیا فتنہ برپا ہو گیا۔

ابن جارود کا فتنہ

مصعب بن زبیر نے اپنے عہد میں فوجیوں کی تنخواہ میں سو سو درہم کا اضافہ کر دیا تھا۔ عبدالملک اور بشیر بن مروان نے بھی اسے قائم رکھا تھا۔ لیکن حجاج نے اسے منسوخ کر دیا۔ عبداللہ بن جارود نے اس کے خلاف عدائے احتجاج بلند کی۔ اور فوج بھی اپنے مفاد کی خاطر اس کی ہم نوا ہو گئی۔ ان کی آن میں حجاج کے خلاف بغاوت کے شعلے بھڑکتے لگے۔ آخر ربیع الآخر ۱۷ھ میں ابن جارود نے ایک بھاری جمعیت کے ساتھ حجاج کے خیمے کا محاصرہ کر لیا۔ حجاج کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے۔ ابتدا میں ابن جارود کا پتہ بھاری رہا۔ آخر اتفاق سے ابن جارود کے تیر لگا۔ جو ناوک اجل ثابت ہوا۔ سرخنے کے ختم ہوتے ہی اس کی جمعیت کا زور ٹوٹ گیا۔ حجاج نے امن عام کا اعلان کر دیا۔ اور ابن جارود کے سر کردہ ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اس فتنے کو بھی آغوشِ محبت میں سلا دیا۔

مہلب نے اپنی فوجوں کے بل پر خازنیوں کو راہر مزے ہٹا دیا۔ تو وہ گزروں میں جمع ہوئے۔ مہلب وہاں پہنچے۔ طرفین میں گھسان کارن پڑا۔ اسی دوران میں ایک مرد

حق صالح بن مشرَحِ تمیمی منظام کا قلع قمع کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خارجیوں کا سردار شیب بن نعیم یکسانی مقصد کی بنا پر ان کے ساتھ مل گیا۔ محمد بن مروان والی جزیرہ نے عدی بن عدی کو صالح کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن عدی کو شکست ہوئی۔

اس پر محمد بن مروان نے خالد بن جزر کو بھیجا۔ صالح و شیب نے اس کا زبردست مقابلہ کر کے و سکرہ کا رخ کیا۔ حجاج نے عارث بن عمیرہ کو ایک لشکر ہزار دے کر روانہ کیا۔ صالح مارے گئے۔ شیب ایک قلعے میں پناہ گزیں ہو گئے۔ عارث نے محصورین کا خاتمہ کرنے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ شیب نے بہادری اور مدد سے کام لے کر عارث کے تمام منصوبے خاک میں ملا دئے۔ اور اچانک اس کے لشکر پر دھاوا بول دیا۔ عارث شدید مجروح ہوا۔ اور شیب غالب آیا۔

شیب نے فتح و کامرانی کے نشے میں چور ہو کر عام لوٹ مار شروع کر دی۔ حجاج نے مقابلے کی رفتار کو تیز کر کے متعدد سرداروں کو یکے بعد دیگرے روانہ کیا۔ شیب نے سب کو شکست دی۔ اور ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر کوفہ پر چڑھائی کر دی۔ حجاج نے سوید اور عثمان کو دونوں طرف سے دشمن کو روکنے کے لئے فوجیں دے کر بھیجا۔ شیب نہایت جاں بازی سے کوفہ میں داخل ہو کر کتھوں کے پشے لگانا ہوا برق رفتاری سے نکل گیا۔ حجاج نے دوسرے باز کمان داروں کے ماتحت علوہ، علجہ، زبردست پیدل اور سوار فوجیں شیب کے تعاقب میں روانہ کیں۔ شیب نے پلٹ کر سوار فوج کا تو تیا پانچا کر دیا۔ لیکن پیدل فوج سے مقابلہ کرنے میں جہاں عراقیوں کے بہت سے افسر لے گئے۔ وہاں خارجیوں کا بھی بھاری نقصان ہوا۔ اس لئے وہ مقابلے سے دست کش ہو کر کسی اور طرف نکل کھڑے ہوئے۔ اس پر حجاج آگ بگولا ہو گیا۔ اور عبدالرحمن بن اشعث کو چھ ہزار جنگ آدما سوراؤں کے ساتھ یہ ہدایت دے کر بھیجا کہ جہاں کہیں خارجیوں کو دیکھو۔ بس گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دو۔ اگر کوئی شخص ناکام واپس آئے گا۔ تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔

عبدالرحمن نے تعاقب کے لئے جاں سپارمانہ جدوجہد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اُدھر شیب نے مقابلے میں حسن تدبیر سے کام لے کر عراقیوں کو تھکا ڈالا۔ اور دونوں نے صلح کر لی۔ حجاج غصے سے جل بھن کر کوئلہ ہو گیا۔ اور عبدالرحمن کو معزول کر کے اس کی جگہ عثمان کو سردار مقرر کر دیا۔ عثمان نے آتش جنگ کو ہوا دی۔ اور آن کی آن میں حرب و ضرب کے شعلے آسمان کی خبر لانے لگے۔ فریقین جان توڑ کر لڑے۔ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ آخر شیب نے عثمان کی گردن اڑا دی۔ اور عراقیوں کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔

شیب کی قسمت کا ستارہ اوج پر تھا۔ فتح پر فتح اور کامیابی پر کامیابی دیکھ کر عام شورش پسند بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حجاج نے جب دیکھا کہ عراق میں نازک صورت حالات پیدا ہو گئی ہے۔ تو اہل کوفہ کو غیرت دلا کر سردھڑکی بازی لگا دینے پر آمادہ کیا۔ اُدھر عبدالملک کو علیحدہ لکھا۔ کہ شکست خوردہ عراقیوں کی امداد کے لئے شام سے ملک روانہ کیجئے۔ عبدالملک نے چھ ہزار چیدہ بہادروں کی فوج بھیج دی۔ اس کے پہنچنے سے پہلے حجاج نے عتاب بن ورقار کو پچاس ہزار عراقی فوج دے کر شیب کو نیچا دکھانے کے لئے روانہ کیا۔ ساباط کے قریب فریقین میں ٹٹ بھڑ ہوئی۔ خارجیوں نے تعداد میں صرف ایک ہزار ہونے کے باوجود حیرت انگیز جاں بازی دکھا کر عراقیوں کے چھکے چھڑا دئے۔ حجاج اس خوف ناک شکست سے آتش زیر پا ہو کر سانپ کی طرح بل کھانے لگا۔ اُدھر شیب ظفرو واقبال کے پروں سے اڑتا ہوا کوفہ کی طرف بڑھا۔ عبدالملک کی بھی ہونی ملک کوفہ پہنچ چکی تھی۔ اس سے حجاج کے دل کا کنول کھل گیا۔ طرفین میں خون ریز جنگ ہوئی۔ خارجی پوری قوت سے لڑے۔ دو دن تک کشت و خون کا بازار گرم رہا۔ آخر شیب کا بھائی مصاد مارا گیا۔ جس سے اس کی قوت بازو شل ہو گئی۔ خارجیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہت سے عوام جو صرف اس کی بہادری سے مسحور ہو کر اس سے مل گئے تھے۔ علیحدہ ہو گئے۔ اس سے شیب کا پہلو اور بھی کمزور ہو گیا۔ حجاج نے موقع سے فائدہ اٹھا کر تین ہزار شامی فوج اس کے تعاقب میں روانہ کی۔ شیب نے ہر چند تیغ شجاعت کے جوہر دکھائے۔ لیکن خارجیوں میں مسلسل جنگ آزمائی سے پہلا سا کس بل نہ رہا تھا۔ اس لئے شیب نے معلوم

سے کام لیتے ہوئے لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر کرمان کی راہ لی۔

حجاج نے خار جیوں کے تھک کر چور ہو جانے اور ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جانے سے فائدہ اٹھا کر ایک لشکر جزیر شیب کے تعاقب کے لئے روانہ کر دیا۔ اہواز میں دریا کے کنارے طرفین میں مقابلہ ہوا۔ پہلے تو خار جیوں نے کمال شجاعت سے شامیوں کو ناک چنے چبوائے۔ لیکن بعد میں پانسہ پلٹ گیا۔ شیب نے جنگ کو ملتوی کر کے دریا سے پار ہو کر دوسری طرف نکل جانا چاہا۔ مگر اس کا گھوڑا بدک کر مع سوار دریا میں ڈوب گیا۔

شیب کا خطرہ تو حجاج کے سر سے ٹل گیا۔ لیکن کرمان میں خار جیوں کی ایک اور شاخ ازارقہ نے اڈھم مچا رکھی تھی۔ مہلب ڈیڑھ سال سے ان کی سرکوبی میں مصروف تھے۔ لیکن کامیابی نہ ہوتی تھی۔ اب حجاج نے ادھر توجہ مبذول کی۔ اور مہلب کی مدد کے لئے مزید فوجیں روانہ کیں۔ ازارقہ نے قطری کو اپنا امیر بنا رکھا تھا۔ اس کے کسی عہدہ دار نے ایک خارجی کی گردن مار دی۔ جس سے ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک گروہ نے قطری کو چھوڑ کر عبدالربہ الکبیر کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔ قطری نے بیزار ہو کر طبرستان کی راہ لی۔ مہلب نے اس اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبدالربہ کو تنہا پا کر حیرت میں گھیر لیا۔ طرفین میں خون ریز لڑائی ہوئی۔ عبدالربہ اور اس کے بہت سے ساتھی کام آئے۔

اب حجاج نے سفیان بن ابروہ کو قطری کی سرکوبی کے لئے طبرستان روانہ کیا۔ جنگ ہو رہی تھی۔ کہ قطری کے بہت سے ساتھیوں نے اسے چھوڑ دیا۔ قطری بے حد پریشان ہوا۔ اور بھاگنے کی کوشش کرنا ہوا شامی سپاہیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ قطری کے بعد عبیدہ بن بلال مقابلے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن سفیان کے آگے اس کی کچھ پیش نہ گئی۔ اور وہ جلد ہی فنا کے گھاٹ اتر گیا۔ عبیدہ کے خاتمے کے ساتھ ہی خار جیوں کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور ان کی طرف سے حکومت نے اطمینان کا سانس لیا۔

یزید کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ ۶۸۲ء میں کیلہ بن مکرم افریقی فتوحات بربری نے علم بغاوت بلند کر کے سارے شمالی افریقہ کو زیر نگین کر لیا تھا۔ اس وقت سے عبدالملک کی سربراہی تک کوئی خلیفہ ادھر توجہ نہ کر سکا۔ آخر

۶۹ء میں عبدالملک نے اس طرف عنان توجہ منعطف کر کے زہیر بن قیس کو ایک لشکر
 ہزار کے ہمراہ قیران پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ کیا۔ کیلہ نے قیروان کو چھوڑ کر مش کی
 راہ لی۔ زہیر نے اس کا تعاقب کیا۔ مش کے قریب مٹ بھیر ہو گئی۔ بربریوں کے علاوہ
 رومیوں کی بھی ایک زبردست جمعیت کیلہ کی پشت پر تھی۔ دونوں فوجوں میں اتنی ہولناکی
 اور ہلاکت خیز جنگ ہوئی۔ کہ طرفین پر موت کی جھاڑ پھرتی نظر آتی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے
 ثبات قدم اور سر بازی نے بڑھ کر ان کے لئے فتح و ظفر کے دروازے کھول دئے۔ اور
 کیلہ کی فوج کے ان گنت افراد کھیت رہے۔ جن میں بڑے بڑے بربری اور رومی
 سردار شامل تھے۔

اس شان دار فتح کے بعد زہیر قیروان ہوتے ہوئے برقہ واپس چلے گئے۔ ادھر
 رومیوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر برقہ پر چڑھائی کر دی۔ زہیر برقہ کے مصافحات میں
 پیچھے۔ تو انھیں اس ناگہانی مصیبت کی خبر ہوئی۔ اگرچہ وہ جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔
 لیکن مسلمانوں کی تباہ حالی دیکھ کر ناچار میدان کارزار میں کود پڑے۔ چونکہ مٹی بھر مسلمانوں
 اور مٹی دل رومیوں کی تعداد میں کوئی تناسب نہ تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے شکست
 کھائی۔ اور زہیر کے ساتھ ان کے بہت زیادہ ہمراہی شہید ہو گئے۔ اس ہزیمت سے
 پھر افریقہ کے علاقے ہاتھ سے نکل گئے۔

عبدالملک کو اس خونچکان حادثے کی خبر سن کر انتہائی قلق ہوا۔ لیکن وہ ابن زبیر سے
 جنگ میں مصروف ہونے کے باعث ادھر متوجہ نہ ہو سکا۔ اور ابن زبیر کی شہادت کے
 بعد ۶۲ء میں حسان بن نعمان غسانی کو افریقہ کا والی بنا کر چالیس ہزار کے لشکر ہزار کے
 ساتھ روانہ کیا کہتے ہیں۔ کہ اس سے پہلے اتنا عظیم الشان لشکر افریقہ نہ گیا تھا۔
 حسان نے قیروان پہنچ کر بخوبی تیاری کرنے کے بعد قرطاجنہ پر تہ بول دیا۔ یہاں کی
 حکومت شمالی افریقہ کی سب سے بڑی حکومت تھی۔ اس دار السلطنت میں بربریوں اور
 رومیوں کی بے شمار فوج جمع تھی۔ فریقین میں نہایت زور شور سے ہنگامہ حرب ضرب
 گرم ہوا۔ جس میں رومی ٹنہ کی کھا کر میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ حسان نے

قرطاجنہ پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

قرطاجنہ کے بربری اور رومی بھگوڑے صطفورہ اور بینزت میں جمع ہو کر پھر مقلبہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ حستان نے وہاں پہنچ کر ان کے چھکے چھڑا دئے۔ اور جہاں کہیں دشمنوں کی طاقت پائی۔ اس کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا۔

حستان کی ان فتوحات سے مسلمانوں کا کھویا ہوا اقتدار افریقہ میں بحال ہو گیا۔ اور قیروان واپس چلے گئے۔

چند روزہ آرام کے بعد حستان کو معلوم ہوا کہ جبل اور اس کی ملکہ وامیہ جو کاہنہ کے نام سے مشہور ہے۔ افریقہ کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اور کیبلہ کے بعد تمام بربری اس کے جھنڈے تلے جمع ہیں۔ اگر اسے ٹھکانے لگا دیا جائے۔ تو شمالی افریقہ میں ان کا کوئی بھی مد مقابل باقی نہ رہے گا۔

اس لئے حستان کاہنہ کے مقابلے کو نکل کھڑے ہوئے۔ کاہنہ نے خود ہی باغیہ کا مستحکم قلعہ گرا دیا۔ لیکن حستان نے یلغار جاری رکھی۔ اور نہر نینی پر ملکہ وامیہ کی فوج کا مقابلہ کیا۔ ایک خون ریز معرکے کے بعد مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور بہت سے مقتول اور کچھ گرفتار ہوئے۔ اس سے افریقہ کے اسلامی علاقے پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اور ناچار حستان برقہ واپس آگئے۔

ان دنوں عبدالمالک خارجیوں سے معروف جنگ تھا۔ اس لئے حستان کی کچھ مدد نہ کر سکا۔ اور پانچ سال تک افریقہ میں ملکہ وامیہ کا پرچم حکومت لہراتا رہا۔ لیکن اس نے جو رو تشدد کا بازار گرم کر کے اہل افریقہ کو اپنا مخالف بنا لیا۔

۸۵ھ میں صورت حالات کے رو بہ اصلاح ہونے پر عبدالمالک نے ایک عظیم الشان فوج اور بھاری سامان جنگ دے کر حستان کو ملکہ وامیہ سے مقابلہ کرنے کے لئے افریقہ روانہ کیا۔

گزشتہ جنگ میں ملکہ وامیہ نے سب مسلمان اسیروں کو رہا کر کے ایک نوجوان خالد بن یزید قیسی کو روک کر ان کے بعض محاسن کی بنا پر اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ حستان نے خالد

کے نام ایک خفیہ خط لکھ کر وہاں کے حالات دریافت کئے۔ خالد نے جواب دیا۔ کہ "اس وقت بربری اور رومی منتشر ہو چکے ہیں حملے کا یہ ذریعہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیجئے۔" حستان فوراً روانہ ہو گئے۔ لیکن ملکہ کو اس نامہ و پیام کی خبر ہو گئی۔ اس نے خیال کیا۔ کہ مسلمان مال و دولت کے بھوکے ہیں۔ اس لئے بار بار فریقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالتے ہیں۔ چنانچہ اس نے دو ہزار میل تک پھیلے ہوئے فریقہ کے قلعوں، شہروں اور زرخیز علاقوں کو تہس نہس کر دیا۔ اور سرسبز و شاداب زمینوں میں گدھوں کے ہل چلوادئے۔ ملکہ کی اس تباہ کن حرکت سے رعایا کا بچہ بچہ اس کا دشمن ہو گیا۔ اور حستان کے وہاں پہنچنے پر بربریوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور انھیں کاکلہ پڑھنے لگے۔ جب حستان قابض، فقصہ، قسطیلہ اور نقرزادہ کو زیر نگین کرتے ہوئے دارالحکومت کے قریب پہنچے تو ملکہ کو اپنی شکست سامنے نظر آنے لگی۔ اس نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا۔ "اب میرے زندہ بچ رہنے کی کوئی امید نہیں۔ تم خالد کے ذریعے سے اسلامی لشکر کے کمان دار کے پاس جا کر اپنی جان بخشی کرالو۔ چنانچہ انھوں نے ماں کے حکم کی تعمیل کی۔ ملکہ دامیہ اپنی شکست کا پورا یقین رکھنے کے باوجود حستان سے آخری مقابلے کے لئے میدان میں آگئی۔ لیکن شدید و ہولناک جنگ کے بعد زک اٹھائی۔ اور گرفتار ہو کر مقتول ہوئی۔

اس عظیم الشان فتح سے پھر فریقہ کے گوشے گوشے میں مسلمانوں کا طوطی بولنے لگا اور کسی علاقے میں ان کا کوئی حریف باقی نہ رہا۔ حستان نے امن و امان کا اعلان کر دیا۔ اور ملکہ کے بیٹوں کی جان بخشی کر کے انھیں بارہ ہزار بربریوں کی فوج کا سردار بنا دیا۔ اس ہتم باشان ہم کو سر کرنے کے بعد حستان قیروان واپس آگئے۔ اور عبدالملک کی وفات تک وہیں قیام پذیر رہے۔ اس اثنا میں حستان تبلیغ اسلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور کثیر التعداد بربری اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔

ہنگامہ زین زبیر کے دوران میں نواح سیستان کے ایک ترک
رتبیل نے غلم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ اس میں امیر حاکم خراسان

نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اس کی گوشمالی پر مقرر کیا۔ جب وہ بست میں داخل ہوئے۔ تو
 تمیل نے قبول اطاعت اور صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن عبداللہ نے نامنظور کیا۔ اور آگے
 بڑھتے چلے گئے۔ اس پیش قدمی کے دوران میں انھوں نے غیر نال اندیشی سے کام
 لے کر واپسی کے راستوں کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کیا۔ تمیل نے ان کی اس غلطی سے
 فائدہ اٹھا کر عین موقع پر انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس وقت عبداللہ کو احساس
 غلط روی سے پشیمانی ہوئی۔ اور تمیل سے راستہ دینے کی درخواست کرنی پڑی۔ اس نے
 آئندہ عمل نہ کرنے کی تحریر لے کر راستہ چھوڑ دیا۔ عبدالملک نے اس واقعے سے مطلع ہوتے
 ہی عبداللہ کو معزول کر دیا۔

دوسرا حملہ | کچھ عرصے تک تو تمیل پراسن رہا۔ لیکن پھر اس کی رگ بغاوت پھڑک اٹھی۔
 اسلئے حجاج نے ۶۳۸ء میں جبید اللہ بن ابی بکر کو اس پر فوج کشی کا حکم دیا۔

۶۳۹ء میں انھوں نے ایک زبردست فوج کے ساتھ تمیل کے علاقے میں داخل ہو کر
 اس کے تمام قلعوں کو زمین بوس کرتے ہوئے بہت سے مقامات پر قبضہ جمایا۔ لیکن وہ
 بھی اپنے پیش رو عبداللہ بن اُمیہ کی طرح اسی غلطی کا شکار ہو گئے۔ اور تمیل نے ان کا بھی
 محاصرہ کر لیا۔ آخر انھوں نے چارو ناچار تمیل کو سات لاکھ درہم دے کر جان بچائی۔ لیکن
 فوج کے ایک حصے نے یہ توہین آمیز مصالحت گوارا نہ کی۔ اور شریح ابن ہانی کی سرکردگی میں
 جاں بازی کے جوہر دکھاتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

تیسرا کامیاب حملہ | حجاج نے اس شکست کی خبر یا کراستقام کی غرض سے ۶۳۸ء
 میں تجربہ کار بہادر اور نامور سپہ سالار عبدالرحمن بن محمد اشعث کو

چالیس ہزار جزا فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ دیکھ کر تمیل کے ہاتھوں کے طوطے اڑ
 گئے۔ اور اس نے قبول اطاعت پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن عبدالرحمن اسے نامنظور کرتے
 ہوئے مردانہ وار آگے بڑھتے چلے گئے۔ تمیل نے فریب کی کندان پر بھی پھینکی۔ مگر وہ
 کار آموزہ ہونے کے باعث اس جاں میں نہ بچس سکے۔ اور جو شہر فتح کرتے۔ اس کی
 حفاظت کا کاحقہ انتظام کر کے آگے بڑھتے۔ اس طرح انھوں نے تمیل کا بہت سا

علاقہ فتح کر لیا۔ اور یہ کہہ کر اپنی پیش قدمی روک دی۔ "اس سال اتنی ہی فتوحات کافی ہیں جب ہم مفتوحہ علاقے کا پورا پورا انتظام کر لیں گے۔ ہمارے ساتھ ہی یہاں کے راستوں سے بخوبی آگاہ ہو جائیں گے۔ اور اس اثنا میں اہرام بھی کر لیں گے۔ تو ہم آئندہ سال ہمیشہ قدمی کریں گے۔" انہوں نے اپنے فیصلے سے حجاج کو بھی مطلع کر دیا۔

عبدالرحمن کی بغاوت | حجاج عبدالرحمن سے خوش نہ تھا۔ اس لئے اس نے عبدالرحمن کو لکھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم صلح کرنا چاہتے ہو۔ رواداری سے کام لے کر آرام کرنے کے خواہش مند ہو۔ اور ذلیل دشمن کے ساتھ جس نے مسلمانوں کی مایہ ناز فوج کے ساتھ فریب کیا۔ دم سلوک کرنا پسند کرتے ہو۔ مجھے اسی وقت تسلی ہوگی۔ جب تم صرف میرے ایک لشکر سے اس دشمن کا کامیاب مقابلہ کرو گے۔ میری یہ مراد نہیں کہ تمہاری اس رائے کی توجیہ میں بد نتیجی کار فرما ہے۔ لیکن اس میں تمہارا ضعف عزم ضرور شامل ہے۔ لہذا میرے فرمان کی تعمیل کرو۔ دشمن کے تمام علاقوں پر تسلط بٹھالو۔ تمام قلعے سہار کرو۔ لڑنے والوں کو تہ تیغ کر دو۔ اور ان کے بیوی بچوں کو گرفتار کرو۔"

اس کے بعد حجاج نے دوسرا خط لکھا جس کا مفہوم یہ ہے:

"اگر تم میرے فرمان پر عمل کرنے کو آمادہ نہیں۔ تو اپنے بھائی اسحاق بن محمد کے حق میں دست بردار ہو جاؤ۔"

یہ دونوں خط پڑھ کر عبدالرحمن کو یقین ہو گیا۔ کہ حجاج اپنی دیرینہ عداوت نکالتا چاہتا ہے۔ اس نے فوجیوں کو اکٹھا کر کے کہا:

"لوگو! میں نے لڑائی کی فتویٰ کرنے کے متعلق جو تصدیق کیا۔ وہ آپ کی بہتری کے پیش نظر آپ کے ارباب بخت و کشادگی کی منظوری سے کیا۔ اب حجاج نے یہ حکم بھیجا ہے۔ جو رائے آپ دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔"

اس پر سب نے بالاتفاق کہا۔ "ہم اس دشمنی خدا کی بات نہیں مانیں گے۔" ابو بکر

بن داؤد صحابی نے فرمایا۔ ”حجاج اس مثل پر عمل کر رہا ہے۔ کہ ”اپنے غلام کو جنگ پر روانہ کرو۔ اگر مر گیا۔ تو بھی تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اور اگر زندہ رہا تو بھی۔“ اسے تمہاری قطعاً پروا نہیں وہ صرف اپنے اعزاز و جاہ میں اضافہ چاہتا ہے۔“

حجاج کے تشدد اور ناروا سلوک نے سب کے دلوں میں ناسور ڈال رکھے تھے۔ اس لئے فوج نے حجاج سے قطع تعلق کر کے باہمی مشورے سے عبدالرحمن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

اس کے بعد عبدالرحمن نے تبیل سے مصالحت کر لی۔ کہ اگر وہ حجاج کے مقابلے میں فتح یاب ہوا۔ تو تبیل سے کبھی خراج نہ لے گا۔ اور اگر ناکام رہا۔ تو تبیل اس کی مدد کرے گا۔ ادھر سے فارغ ہو کر عبدالرحمن حجاج کے مقابلے کے لئے عازم عراق ہو گیا۔

عراق پہنچنے کے بعد عبدالرحمن کے ساتھیوں نے آپس میں مشورہ کر کے عبدالملک کی بیعت بھی فسخ کر دی۔ اور کتاب و سنت کی تعمیل اور گمراہوں سے جہاد کے لئے عبدالرحمن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حجاج کو ان حالات کا علم ہوا۔ تو وہ چوڑی بھول گیا۔ عبدالملک کو صورت و اوقات کی اطلاع دے کر اس سے فوجی امداد کا طالب ہوا۔ اور خود بصرہ چلا آیا۔ عبدالملک نے حجاج کی امداد کے لئے فوج پر فوج بھیجی شروع کر دی۔

حجاج فوجیں لے کر بصرہ سے نکلا۔ اور تتر میں قیام کیا۔ و جیل میں عبدالرحمن کے جنگ تتر | ایک دستہ فوج سے ٹٹ بھیڑ ہوئی۔ حجاج کی فوج پسپا ہو گئی۔ اور بہت سے آدمی کام آئے۔ حجاج نے بصرہ کی طرف مراجعت کی۔ لیکن عبدالرحمن نے اس کا تعاقب کیا۔ حجاج نے اپنی کمزوری کا احساس کر کے زاویہ کی راہ لی۔ اور ۱۱ھ میں عبدالرحمن نے بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ اہل بصرہ جو حجاج سے سخت شاک تھا۔ عبدالرحمن کے اطاعت گزار ہو گئے۔ اور وہاں کے عالموں اور قاریوں نے بھی اس کی امارت تسلیم کر لی۔

محرم ۱۲ھ میں بمقام زاویہ حجاج اور عبدالرحمن کی فوجوں میں سخت جنگ زاویہ | خون ریز معرکہ ہوئے۔ عبدالرحمن نے نہایت پامردی سے تیغ

شجاعت کے جوہر دکھائے۔ حجاج کے قدم ڈگمگانے ہی لگے تھے۔ کہ آخر عبدالرحمن بساط جنگ الٹ گئی۔ اور بہت سے بہادر میدان جنگ میں کام آئے۔ اس طرح بصرہ پھر حجاج کے قبضے میں آگیا۔ اور عبدالرحمن کثیر الشعداد اکابر کے ہمراہ بصرہ چھوڑ کر کوثر چلا گیا۔

جنگ دیر حجاج | حجاج نے بصرہ سے نکل کر دیر قرہ میں قیام کیا۔ یہاں شامی فوجیں بھی اس کی مدد کو آگئیں۔ عبدالرحمن بھی دو لاکھ بہادروں کو لے کر کوثر سے نکلا۔ اور دیر حجاج میں مقیم ہوا۔ عرصے تک طرفین میں خوں ریز جنگ کے جاں سوز شے بکھڑکتے رہے۔

عبدالملک نے ان بے نتیجہ لڑائیوں سے پریشان ہو کر ایک دن اپنے مشیروں سے کہا۔ "اہل عراق کی اس بغاوت میں حجاج سے ناراضی کا جذبہ کارفرما ہے۔ اگر ہم اسے معزول کر کے عراق والوں کو راضی کر سکیں۔ تو یہ سوداگروں نہیں۔ مشیروں نے اپنے آپ کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ اور عبدالملک نے ایک شاہی کمیشن اپنے بھائی محمد بن مروان بیٹے عبداللہ پر مشتمل عراق بھیجا۔ اور دونوں نے اہل عراق کو حسب ذیل شاہی پیغام پہنچایا۔

"امیر المومنین حجاج بن یوسف کو حکومت عراق سے معزول کرنے پر آمادہ ہیں۔ یہ بھی عہد کرتے ہیں۔ کہ عراق والوں کے حقوق شام والوں کے برابر ہوں گے۔ اور عبدالرحمن بن اشعث کو جس حصہ ملک کی حکومت وہ چاہیں گے۔ ہمیشہ کے لئے دے دی جائے گی۔ اگر آپ کو ان شرائط پر صلح منظور ہو۔ تو امیر المومنین محمد بن مروان کو عراق کا نیا امیر مقرر کرتے ہیں۔ ورنہ عراق کی عنایتاً مارت بدستور حجاج بن یوسف ہی کے ہاتھ میں رہے گی۔ اور وہ اس امر کا مجاہد ہوگا۔ کہ جس طرح مناسب سمجھے۔ اہل عراق سے پیٹے۔"

عبدالرحمن کے ساتھیوں نے اس شاہی پیغام کے متعلق باہم مشورہ کیا۔ عبدالرحمن معقول پیشکش کو منظور کر لینا چاہتا تھا۔ مگر عراقیوں نے اپنی فطری شورش پسندی کے باعث

س کی رائے کی مخالفت کرتے ہوئے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ جس سے پھر جنگ و
بدل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

۱۳ جمادی الاخریٰ ۸۳ھ کو آخری اور فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ طرفین میں گھسان کا رن پڑا
اور جان توڑ کر لڑے۔ کشتوں کے پتے لگ گئے۔ تباہی و ہلاکت کی آگ مسلسل بھڑکتی
ہی۔ آخر عبدالرحمن کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئی۔ حجاج بن
سف فتح و کامرانی کے نشے میں شرابور ہو کر کوفہ میں داخل ہوا۔ اور اس نے حسب ذیل
لفاظ میں مفتوحین سے بیعت لی۔

”میں امیر المؤمنین سے بغاوت کر کے کفر کا مرتکب ہوا۔ اب میں اس کفر سے
توبہ کرتا ہوں۔“

جس شخص نے یہ الفاظ کہنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ سے کام لیا۔ اس کا سر قلم کر دیا
یا۔

اس شکست سے عبدالرحمن کی قوت ٹوٹ گئی۔ لیکن پھر
بدالرحمن کی موت | بھی اس نے بصرہ پہنچ کر اپنی رہی سہی طاقت مجتمع کر کے
قابلہ کیا۔ مگر بے سود۔ آخر وہ کرمان، سینستان اور بست ہوتا ہوا اپنے حلیف ربیع کے
س چلا گیا۔ جہاں سل میں مبتلا ہو کر وفات پا گیا۔
حجاج نے ربیع کو کہلا بھیجا تھا۔ کہ اگر وہ عبدالرحمن کا سر کاٹ کر اس کے پاس بھیج دے
۔ تو وہ اس سے سات سال کا خراج نہیں لے گا۔ ربیع نے حجاج کا کہنا مان کر خراج
سات کر لیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ ربیع نے انعام کی حرص میں زندہ ہی کا سر قلم کر کے حوالے
ر دیا تھا۔ اور یہ بھی روایت ہے۔ کہ اس نے عبدالرحمن کو گرفتار کر کے بھیج دیا تھا۔ لیکن
س نے راستے ہی میں خودکشی کر لی۔ یہ واقعہ ۸۵ھ کا ہے۔

دلی عہدی | مروان اپنے بعد عبدالملک اور عبدالعزیز کو ولی عہد مقرر کر گیا تھا۔
۸۵ھ میں عبدالملک نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو جو ان دنوں مصر

کے حاکم تھے۔ معزول کر کے اپنے بیٹے ولید کو ولی عہد بنانا چاہا۔ لیکن قبیلہ بن ذویب نے توقف کرنے کی رائے دی۔ اسی دوران میں اتفاق سے عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔ اور عبدالملک نے علی الترتیب اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنا کر حکام کو ان کی بیعت لینے کا فرمان بھیج دیا۔

عام مسلمانوں نے سر تسلیم خم کر کے بیعت کر لی۔ لیکن نامور تابعی حضرت سعید بن مسیب نے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔

”میں ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی بیعت نہیں کر سکتا۔“

اس پر ہشام بن اسمعیل عامل مدینہ نے انہیں مجبور کیا۔ اور نہ ماننے پر تازیانے لگوا کر شہر میں تشہیر کرانے کے بعد قید کر دیا۔

عبدالملک کو اطلاع ہوئی۔ تو اس نے ہشام کی اس حرکت کو سخت ناپسند کرتے ہوئے ابن مسیب کو معذرت کا خط لکھا۔ کہ ”یہ جو کچھ ہوا ہے۔ میری رضامندی اور اطلاع کے بغیر ہوا ہے۔ اور ہشام کو ملامت کی۔ کہ ”ابن مسیب قطعاً اس سلوک کے سزاوار نہ تھے ان سے کوئی خطرہ نہیں۔“ ہشام اس تہیہ پر عرق ندامت میں غرق ہو گیا۔

شوال ۸۶ھ میں عبدالملک بن مروان کو مرض الموت نے آگھیرا۔ اور رطلہ

وفات

کا وقت قریب آنے پر اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی :-

”اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا۔ کیونکہ یہ حسین ترین زیور اور محفوظ ترین جائے

پناہ ہے۔ بڑے کوچھوٹے کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا۔ اور چھوٹے کو بڑے

کا حق پہچانتا چاہئے۔ اپنے بھائی مسلم کا خیال رکھنا۔ اور اس کے مشورے پر

عمل کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارا قوت بازو اور ڈھال ہے۔ حجاج کا احترام کرنا۔ کہ اس

نے مخالفوں کو مطیع کر کے تمہارے لئے حکومت کا میدان صاف کر دیا ہے۔

ایک ماں کے نیکی بیٹے بن کر پیار اور سلوک سے رہنا۔ جنگ میں شرافت کا

دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ کیونکہ موت اپنے وقت ہی پر آتی ہے۔ نیکی

اور فلاح کا مینار بننا۔ کہ اس کا اجر اور یاد باقی رہ جاتی ہے۔ نیکی ہمیشہ شریفوں

کے ساتھ کرنا کہ وہ اس کا حق ادا کرتے اور احسان مانتے ہیں۔ مجرموں کی خطاؤں کو نظریں رکھنا۔ اگر وہ معافی چاہیں تو معاف کر دینا۔ اور دوبارہ جرم کریں تو سزا دینا۔“

۱۵ سوال ۸۶ھ کو ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور دمشق میں باب جابیہ کے باہر دفن کیا گیا۔ ساری مدت خلافت اکیس سال ڈیڑھ ماہ تھی۔ اور شہادت ابن زبیرؓ کے بعد سے تیرہ سال چار مہینے۔

اولاد عبد الملک کی آٹھ بیویاں تھیں۔ جن سے سولہ لڑکے ہوئے۔ ولید۔ سلیمان۔ مروان۔ اکبر درج۔ مروان اصغر۔ یزید معاویہ۔ ہشام۔ ابو بکر۔ حکم درج۔ عبداللہ۔ مسلمہ۔ منذر۔ عنیدہ۔ محمد۔ سعید اور حجاج۔

سیرت عبد الملک عبد الملک کو اموی حکومت کا دوسرا بانی کہنا چاہئے۔ جب عنان حکومت اس کے ہاتھ میں آئی۔ تو عالم اسلام کا ہر گوشہ شورش و انقلاب کی جھولان گاہ بنا ہوا تھا۔ اور سیاسیات کی فضا بد نظمی و بے امنی کی گھنگھور گھٹاؤں سے تیرہ و تار ہو رہی تھی۔ لیکن اس نے فہم و تدبیر۔ عزم راسخ۔ ثبات و استقلال اور ہمت و شجاعت کے زور سے مصائب و حوادث کے پہاڑوں کو پاش پاش کر کے تمام مشکلات پر قائم پاتے ہوئے دوبارہ اموی حکومت قائم کر دی جسب ذیل واقعے سے اس کی جرأت و شجاعت پر روشنی پڑتی ہے۔

۸۶ھ میں جب وہ مختار ثقفی سے جنگ کرنے جا رہا تھا۔ اسے ایک رات مسلسل چار ہمت گسل خبریں ملیں۔ پہلے کسی قاصد نے خبر دی۔ کہ عبید اللہ بن زیاد مختار کے مقابلے میں مارا گیا۔ پھر اطلاع آئی۔ کہ اس کا ایک مشہور افسر عبید اللہ بن زبیرؓ کے مقابلے میں مقتول ہوا۔ اور مصعب بن زبیرؓ لشکر لے کر فلسطین میں داخل ہو گئے۔ پھر خبر ملی۔ کہ شہنشاہ روم کی فوجیں سرحد شام کے شہر مصیصہ میں داخل ہو چکی ہیں۔ پھر یہ اطلاع موصول ہوئی۔ کہ دمشق کے بد معاشوں نے شہر میں غدر کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ اور حراب نے بعلبک اور حمص میں ٹوٹ مار کا بازار گرم کر دیا ہے۔“

مسعودی لکھتا ہے۔ کہ ان خبروں سے عبد الملک کی جبین ثبات پر شکن تک نہ آئی۔

بلکہ اس رات وہ معمول سے زیادہ ہشاش بشاش نظر آیا۔

مندرجہ تخت واقعہ اس کے عزم راسخ اور غلو ہمت کا آئینہ ہے۔

"سہ ماہ میں جب اس نے مصعب بن زبیرؓ کا مقابلہ کرنے کے لئے عراق جانے

کا ارادہ کیا۔ تو دوستوں سے رائے لی۔ بعض نے کہا۔ "بہتر ہوگا کہ عبداللہ بن زبیرؓ

جیسی بارہویہ قوت سے نہ ٹکراؤ۔ تم اپنے مقبوضہ علاقوں پر قانع رہو۔ اور ابن زبیرؓ

کے لئے ان کے مقبوضہ علاقے چھوڑ دو۔" لیکن عبدالملک نے اس مشورے کو

سریاے استحقار سے ٹھکرا دیا۔

پھر بعض مشیروں نے عرض کی۔ کہ "اگر جنگ کرنے کا ارادہ اٹل ہے۔ تو کوئی

سپہ سالار بھیج دیا جائے۔ اور خود امیر المومنین دارالخلافہ میں رہ کر اس کی امداد کرتے رہیں۔"

عبدالملک نے یہ رائے بھی پسند نہ کی۔ اور کہا۔ "مصعبؓ جیسے مرد میدان کے مقابلے

کو مجھ جیسے تجربہ کار جنگ جو کا میدان میں جانا ضروری ہے

اس ہولناک مہم پر روانگی کے وقت عبدالملک کی بیوی عاتکہ بنت یزید رونے

لگی۔ تو اس نے دو شعر پڑھ کر میدان جنگ کی راہ لی۔ اور دلشاد و باہراد واپس آیا۔"

اسلامی سیکہ | اگرچہ عبدالملک کو اپنے شورش انگیز اور پُر آشوب عہد میں تعمیری کاموں پر توجہ مبذول کرنے کا موقع بہت کم ملا۔ پھر بھی اس ضمن میں اس کے

بعض زریں کارنامے یادگار رہیں گے۔ اسلامی سیکے کا اجرا اس کا روشن ترین کارنامہ ہے۔

اس وقت تک مسلمانوں میں ایرانی، رومی اور قبلی سیکے رائج تھے۔ اور ان کا اپنا سیکہ کوئی نہ

تھا۔ یہ کمی مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے لئے سخت ضرر رساں تھی۔ عبدالملک نے سیکہ

میں اسلامی سیکہ ڈھلا کر ٹکسال قائم کی۔ جس سے مسلمانوں کا اقتصادی پہلو مضبوط ہو گیا۔

دفتروں میں عربی زبان کی ترویج | اب تک حکومت کے دفتروں میں فارسی

اور رومی زبانیں رائج تھیں۔ عبدالملک نے

دیکھا کہ یہ بات مختلف و متعدد ذرا بیوں کی حامل ہے۔ لہذا اس نے عربی زبان کو دفتری

زبان قرار دیا۔ جس سے نہ صرف کام میں آسانی پیدا ہو گئی۔ بلکہ عربی کی اشاعت سے

اسے بڑی ترقی حاصل ہوئی۔

تعمیر کعبہ

عبداللہ بن زبیر نے حجاز پر پوری طرح قبضہ کرنے کے بعد خانہ کعبہ کی پہلی عمارت گروا کر از سر نو اس کی تعمیر شروع کرائی۔ اور حدیث نبوی کے مطابق کعبے کے چھوٹے ہوتے چھتے حجر اسمعیل کو بھی اس میں داخل کر لیا۔ ابن زبیر کے بعد حجاج بن یوسف نے عامل حجاز مقرر ہونے پر حجر اسمعیل کو پھر خانہ کعبہ سے خارج کر دیا۔ اور عمارت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجوزہ نقشے کے مطابق کر دیا۔

دینی خدمات

عبدالملک کے عہد میں پرانی مسجدوں کی توسیع و مرمت ہوئی۔ اور بہت سی نئی مسجدیں تعمیر کیں۔ ۶۵ھ میں جامع دمشق کی تعمیر عمل میں آئی۔ اور صحرہ کا شان دار گنبد بنوایا گیا۔ عبدالعزیز بن مروان نے جامع مصر کی توسیع کرائی۔

خدمتِ خلق

رفاہ عام کے سلسلے میں بھی اس کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ سنہ ۶۵ھ میں سیل جاروف سے مکہ کے باشندوں کو بڑا بھاری جانی اور مالی نقصان پہنچا تھا۔ عبدالملک نے مناسب مقامات پر مضبوط حصار اور بند بنوا کر لوگوں کی حفاظت کا انتظام کر دیا۔

شہروں کی آبادی

پرانے غیر آباد شہروں کو دوبارہ آباد کرنے کے علاوہ نئے شہر بھی بسائے گئے۔ جن میں واسط کا نام خاص طور پر لیا جاسکتا ہے۔ صرف اس کی فصیل، شاہی محل اور جامع مسجد کی تعمیر میں کروڑوں روپے صرف ہو گئے تھے۔ اردبیل اور بروہہ کے مشہور شہر دوبارہ آباد ہوئے۔

متفرق حالات

عبدالملک اپنے عہد کے اکابر علماء میں شمار ہوتا تھا۔ وہ ایک نامور فقیہ تھا۔ اور مشاہیر علماء و ائمہ اس کی تیج علم و فضل کا لوہا مانتے تھے۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر کی زندگی کے آخری حصے میں لوگوں نے ان سے دریافت کیا۔ کہ آپ کے بعد ہم امور فقہ کی تحقیق سے متعلق کس کے پاس جایا کریں۔ تو فرمایا۔ مروان کے بیٹے (عبدالملک) کے پاس۔

امام شعبی کا قول ہے۔ کہ میں نے علماء میں سے صرف عبد الملک کو اپنے آپ سے فائق پایا۔ حدیث و شعر کے باب میں جب کبھی اس سے مبادلہ خیالات ہوتا۔ میری معلومات میں کچھ اضافہ ہی ہو جاتا۔

سندِ خلافت پر متمکن ہونے سے قبل اس کی نماز، تلاوت قرآن اور عبادت مدام ضرب المثل تھی۔ لیکن بعد میں خلافت کی گونا گوں ذمہ داریوں کے باعث یہ التزام قائم نہ رہ سکا۔ پھر بھی وہ سر سے پاؤں تک مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کی انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ تھے :- "آمنت باللہ مخلصاً" یعنی میں سچے دل سے خدا پر ایمان لایا۔ فرمانوں اور مراسلوں پر "قل هو اللہ احد" درج کیا کرتا تھا۔ بادشاہوں کے مراسلوں میں بھی یہی تحریر ہوتی تھی۔ ایک دفعہ قیصر روم نے صدائے اعتراض بلند کی۔ کہ یہ طریقہ بند کر دیجئے۔ ورنہ ہماری جوانی کا ردوائی آپ کے لئے خوش گوار نہ ہوگی۔ اس پر عبد الملک نے رومی سگہ منسوخ کر کے اسلامی سگہ جاری کیا جس پر قل هو اللہ اور لا الہ الا اللہ کندہ تھا۔

امام شعبی جیسے نامور امام اس کے مصاحب تھے۔ امام زہری فتویٰ دیتے وقت اس کے عمل کو بطور سند پیش کرتے تھے۔



بارہواں باب

ولید اول بن عبد الملک

۸۶ھ تا ۹۶ھ

عبد الملک کا بڑا بیٹا ولید ۸۵ھ میں پیدا ہوا۔ اور اپنے باپ کی وفات کے بعد شوال ۸۶ھ میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔ اگرچہ ناز و نعمت کے گہواروں میں جھولنے کے باعث علم و فضل سے بے بہرہ رہا۔ لیکن اصولِ حکمرانی اور آئینِ جہاں پالی کے اہم اوصاف اس کی دستار کمال کا طرہ افتخار تھے۔ والد کی تکفین و تدفین سے فارغ ہو کر جامع دمشق میں خطبہ دیا۔ اور عبد الملک کے محاسن بیان کرنے کے بعد کہا:-

”لوگو! تمہارے لئے حکومت کی اطاعت اور جماعت کے ساتھ اتحاد لایہدی ہے۔

جماعت سے علیحدہ رہنے والا شیطان کا بھائی ہوتا ہے۔ لوگو! جو شخص دامن مخالفت

کو ہوادے گا۔ اس کا سر توڑ دیا جائے گا۔ اور جو اسے چھپائے گا۔ وہ اسی مرض میں

ہلاک ہو جائے گا۔“

۱ ولید کا دور بنی امیہ کا دورِ زریں سمجھا جاتا ہے۔ عبد الملک حکومت کے راستے کو مخالفتوں

اور شورشوں کے کانٹوں سے صاف کر چکا تھا۔ خارجیوں کی بغاوت پیوندِ زمین ہو چکی تھی۔ حریف

طاقتوں کے ٹکڑے اڑائے جا چکے تھے۔ اس لئے ولید کو کامل سکون و اطمینان سے فتوحات

اور اصلاحات کی طرف قدم اٹھانے کا سہری موقع ملا۔ جس سے اس نے پورا پورا فائدہ

اٹھایا۔

ولید کی خوش نصیبی سے اسے محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور مسلمہ بن عبد الملک جیسے عظیم الشان سپہ سالار اور نامور فاتحین ہاتھ آگئے۔ جنھوں نے یورپ اور ایشیا کے میدانوں میں گھوڑے دوڑا کر مشرق اور مغرب میں اسلامی حکومت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ ان چاروں کی فتوحات علیحدہ علیحدہ درج کی جاتی ہیں۔

یوں تو مدت سے سندھ پر اسلامی حملوں کا سلسلہ جاری تھا۔ اور ہر دور محمد بن قاسم میں کچھ نہ کچھ فتوحات بھی حاصل ہوتی تھیں۔ لیکن ولید کو اسے مستقل طور

پر فتح کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور اس خیال کا محرک یہ واقعہ ہوا۔ کہ جزیرہ سراندیپ میں مقیم بعض عرب تاجروں کا انتقال ہو گیا۔ وہاں کاراجہ صلح جو اور مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ مراسم پیدا کرنے کا آرزو مند تھا۔ اس نے ان عرب تاجروں کے اہل و عیال کو ایک جہاز کے ذریعے سے واپس روانہ کر دیا۔ اور ولید کے دربار میں پیش کرنے کے لئے قیمتی تحفے بھی بھیجے۔

دیل کے قریب راجہ داہر حاکم سندھ کے سپاہیوں نے جہاز پر حملہ کر کے اسے ٹوٹ لیا۔ اور عرب عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ ایک عورت بے ساختہ فریاد کرنے لگی۔ کہ حجاج المدو! حجاج کو اطلاع ملی۔ تو اس پر رقت عطاری ہو گئی۔ وہ جواب میں بول اٹھا "میں ابھی مدد کو آتا ہوں۔"

حجاج نے داہر کو لکھا۔ کہ "ہماری بے گناہ عرب عورتوں اور بچوں کو واپس کر دو۔" مگر داہر فتنہ انگیز آدمی تھا۔ اس نے جواب دیا۔ "یہ کام سمندری ڈاکوؤں کا ہے۔ میں اس معاملے میں بے بس ہوں۔"

اس پر حجاج نے عبداللہ اسلمی کو چھ ہزار فوج کے ساتھ سندھ پر فوج کشی کرنے کے لئے بھیجا۔ عبداللہ جنگ میں کام آئے۔ ان کے بعد بدل بن ظیفہ بجلی کو عمان سے دیبل پہنچنے کا فرمان بھیجا۔ وہ فوراً چھ ہزار کی جمیعت کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ اور نہایت پامردی سے تیغ شجاعت کے جوہر دکھائے۔ لیکن اسی دوران میں گھوڑے سے گر کر شہید ہو گئے۔ حجاج کو اس شہادت کی خبر ہوئی۔ تو اتنے سخت صدمہ ہوا۔ اس نے اب کے اس نے اپنے نوجوان چہرے بھائی محمد بن قاسم ثقفی والی فارس کو چھ ہزار شامی فوج کے ساتھ

محمد بن قاسم نے قزلبور (جنگ گور) کی طرف پیش قدمی کی۔ اور اسے فتح کر کے ارمینیا (ارمن بیلد) کو مسخر کیا۔

سندھ کی مہم پر بھیجا۔
محمد بن قاسم پہلے مکران آیا۔ چند روز وہاں قیام کر کے قزلبور (جنگ گور) کی طرف پیش قدمی کی۔ اور اسے فتح کر کے ارمینیا (ارمن بیلد) کو مسخر کیا۔
ارمن بیلد کے بعد دیبل پہنچ گیا۔ اور جلتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اپنی فوج کے آگے خندق کھود کر صفت آرائی کی۔ اور منجیق بھی نصب کر دئے۔ ان میں وہ مشہور تاریخی قلعہ شکن منجیق (عروس) بھی تھا۔ جسے پان سو آدمی کھینچتے تھے۔ مسلمانوں نے مدت تک محاصرہ جاری رکھا۔ لیکن اہل شہر برابر مدافعت کرتے رہے۔ اور نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

حجاج کو ان مایوس کن حالات کی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے منجیق سے سنگ بازی کرنے کے متعلق ہدایت لکھ کر بھیجی۔ جو نہی اس کی تعمیل کی گئی۔ دیبل کا گنبد ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اور ساتھ ہی اہل شہر کی کمر ہمت بھی ٹوٹ گئی۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے زور شور سے حملہ کر دیا۔ چند سرفروش مسلمان کسند لگا کر فصیل پر چڑھ گئے۔ شہر والوں کے جی چھوٹ گئے۔ حاکم نے راہ فرار اختیار کی۔ اور مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔

محمد بن قاسم نے دیبل میں چار ہزار مسلمانوں کو آباد کیا۔ اور ایک جامع مسجد تعمیر کرائی۔

دیبل سے محمد بن قاسم نے نیروں کی طرف پیش قدمی کی۔ وہاں کے راجہ نے صلح کر لی۔ گراں بہا تحائف پیش کئے۔ اور مسلمانوں کی بہت خاطر مدارات کی۔ نیروں کے بعد محمد بن قاسم یلغار پر یلغار کرتا ہوا آگے بڑھتا اور راستے کے مقامات کو مسخر کرتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ ایک دریا کو عبور کر کے سر بییدس (شمیری ویدس) پر چڑھائی کی۔ وہاں کے حاکم نے خراج ادا کر کے صلح کر لی۔

اب محمد بن قاسم دریائے سندھ کی طرف بڑھا۔ اور تھوڑی سی فوج سیوستان (سہوان) کو فتح کرنے کے لئے روانہ کی۔ وہاں کے باشندوں نے خراج پر اطاعت قبول کر لی۔ درپے درپے سندھ کو عبور کر کے محمد بن قاسم راجہ راسل کے علاقے میں پہنچ گیا۔

محمد بن قاسم نے دیکھا۔ کداجہ واہرہ دوسرے راجاؤں کے ساتھ ٹنڈی ڈل فوج لئے پڑا ہے۔ ہاتھیوں کی صف بندی ایک مرحوب کن سماں پیش کر رہی تھی۔ راجہ واہرہ بھی ایک سفید ہاتھی پر سوار تھا۔ طرفین میں خوں ریز معرکہ ہوا۔ جس میں راجہ واہرہ مارا گیا۔ اور محمد بن قاسم نے فتح کا پرچم لہرایا۔

اس کے بعد محمد بن قاسم شہر بہ شہر فتح کرتا چلا گیا۔ اور راور، برہمن آباد، ساوندری، بسند اور رور کو زیر نگین کیا۔ اس ہم میں بہت سے کفار و مشرکین نے اسلام قبول کیا۔ فاتح مسلمانوں نے انتہائی رواداری سے کام لیتے ہوئے بت خانوں سے کسی قسم کا تعزیر نہ کیا۔ رور میں ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی۔

رور سے چل کر محمد بن قاسم نے سکر پر قبضہ کیا۔ پھر ملتان پہنچا۔ وہاں کے راجہ گور سنگ نے مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ مگر اہل شہر ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر ایک ملتانی کے بتانے پر مسلمانوں نے قلعے کے کمزور حصے پر سنگ باری کر کے اس میں شگاف کر دیا۔ اہل شہر نے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق ملتانی کے پتہ بتانے پر مسلمانوں نے وہ تالاب یا نہر بند کر دی جس سے اہل قلعہ پانی لیتے تھے۔ انھوں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دئے۔ اور مسلمان فتح کے پھر پورے اڑاتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔

ملتان بدھوں کا مشہور تیرتھ تھا۔ اس لئے یہاں کے مندر میں سونے چاندی کا آہن برستا تھا۔ یہ ساری دولت مسلمانوں کے قبضے میں آئی۔ بلاذری کا قول ہے۔ کہ اگر گزلبا اور اگر چوڑا کرہ سونے سے بھرا ہوا تھا۔ اسی لئے عرب ملتان کو "سونے کی کان" کہتے تھے۔

اس کے بعد محمد بن قاسم نے بیلان، سرشت اور کیرج کو یکے بعد دیگرے فتح کیا۔ اس دوران میں ولید بن عبد الملک کا انتقال ہو گیا۔ لہذا محمد بن قاسم کی باقی فتوحات سلیمان کے عہد میں بیان کی جائیں گی۔

قتیبہ بن مسلم ۳۷۰ھ میں حجاج نے قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا حاکم مقرر کیا۔ قتیبہ نے وہاں پہنچ کر جہاد کے موضوع پر ایک گرجتی برستی تقریر کی۔ جسے سن کر بہت سے مسلمان اعلانِ کلمہ اللہ کے لئے جانیں قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ترکستان کے چھوٹے چھوٹے حکمران باج گزار بن جانے کے باوجود کبھی کبھی بغاوت کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے۔ چنانچہ بخارا اور سمرقند کے نواح میں شورش و سرکشی کی چنگاریاں اڑنے لگیں۔ علاوہ برس بعض حصوں کا تسخیر کرنا بھی باقی تھا۔ لہذا قتیبہ ترکستان پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔

قتیبہ نے طالقان کی حدود میں قدم رکھا۔ تو سردارانِ بلخ نے اسے اپنی خدمات پیش کیں۔ جیوں کو عبور کرنے پر صفائیاں کے حاکم نے سراطاعت خم کرتے ہوئے پیش بہا مخالف کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ اور اپنے یہاں مہمان رکھا۔ یہاں سے قتیبہ نے اخرون و شومان (طخارستان) کا رخ کیا۔ وہاں کے حاکم نے صفائیاں کی تقلید میں اطاعت قبول کر لی۔

پھر قتیبہ مفتوحہ علاقے کو اپنے بھائی صالح کی نگرانی میں چھوڑ کر مرو لوٹ آیا۔ صالح نے نصر بن سیار کے ساتھ مل کر کاشان، فرغانہ، شت، بےمنخر اور خشک فتح کئے۔ نیزک والی بادغیس کے پاس کچھ مسلمان قید تھے۔ قتیبہ نے نیزک کو لکھا۔ انہیں رہا کر دو۔ نیزک نے ان کو آزاد کر کے صلح کر لی۔

۳۷۱ھ میں قتیبہ نے بخارا کے شہر بیکند پر حملہ کیا۔ اہل شہر نے مقابلہ کیا۔ لیکن پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ قتیبہ نے فصیل کو مسمار کر دینے کا حکم دیا۔ بخاریوں نے مصلحتاً صلح کر لی۔ قتیبہ وہاں ایک عامل مقرر کر کے لوٹ گیا۔

ابھی قتیبہ چند ہی میل گیا تھا۔ کہ اہل بیکند نے عامل اور اس کے حملہ کا خاتمہ کر دیا۔ قتیبہ آگ بگولا ہو کر فوراً واپس چلا آیا۔ اور شہر بیکند کو توڑ دینے کا فرمان صادر کیا۔ شہر والوں نے پھر صلح کی التجا کی۔ لیکن قتیبہ نے ان کی پہلی عہد شکنی کی بنا پر اسے مسترد کر دیا۔ اور بزورِ شمشیر شہر پر قبضہ کر کے تمام جنگجو دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ یہاں قتیبہ

کو ان گنت اسلحہ، سونے چاندی کے برتن اور کثیر المقادیر دوسرا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ پھر وہ مرد لوٹ آیا۔

۸۸ھ میں قتیبہ نو شکست کو مستحضر کر کے امشہر پہنچا۔ وہاں کے باشندوں نے صلح کر لی اس لئے وہ واپس چلا گیا۔ راستے میں شاہ چین کے بھتیجے نے دو لاکھ ترکوں سفدوں اور اہل فرغانہ کی جرار فوج کے ساتھ قتیبہ کے لشکر کے پچھلے حصے پر حملہ کر دیا۔ قتیبہ نے مسلمانوں کی تعداد قلیل کی پروا نہ کرتے ہوئے جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ اور دو لاکھ کے لشکر عظیم کے چھٹے چھڑا کر اسے شکست فاش دی۔ اس معرکے میں نیرنگ حاکم ہادغیس نے بڑی جانبازی سے مسلمانوں کو مدد دی۔

قتیبہ ترمذ کی راہ مرد واپس آ گیا

۸۹ھ میں قتیبہ نے خاص بخارا پر حملہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق وردان خدا حاکم بخارا نے جنگ کئے بغیر سزا طاعت خم کر دیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ شاہ بخارا نے نہایت بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور قتیبہ ناکام ہو کر مرد لوٹ آیا۔

جتلج کو خیر ہوئی۔ تو اس نے جنگ کا نقشہ تجویز کر کے مفقعل ہدایات دیتے ہوئے قتیبہ کو دوبارہ حملہ کرنے کے لئے لکھا۔

۹۰ھ میں قتیبہ نے دوبارہ حملہ کیا۔ حاکم بخارا نے سفدوں اور ترکوں سے امداد طلب کی۔ لیکن مدد پہنچنے سے پہلے ہی قتیبہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

ترکوں اور سفدوں کی حمایت سے اہل بخارا کی ڈھارس بندھی۔ اور سوکھے دھانوں پانی پڑ گیا۔ ترک اسے سرفروشی اور بہادری سے لڑے۔ کہ ایک دفعہ اسلامی لشکر کے ایک حصے کو پیچھے ہٹا کر لشکر گاہ تک پہنچا دیا۔ مسلمان عورتوں نے لکارتے ہوئے جنگ جھوٹوں کے گھوڑوں کو میدان کارزار کی طرف دھکیل دیا۔

مسلمان بہادروں کو بڑی غیرت آئی۔ انھوں نے سنبھل کر نہایت شدت سے حملہ کرتے ہوئے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ حریت فوج کے جوان ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے

درمیان میں نہر تھی۔ قتیبہ کی ولولہ انگیز لکارسن کر بنی نسیم کے سردار وکیح اور ہریم اپنے بہادروں کے ساتھ نہر کو عبور کر کے دشمن پر پل پڑے۔ ترک اور سفداس خونریز اور بے پناہ حملے کی تاب نہ لا کر بے دم ہو گئے۔ دروان خدا بھاگ کھڑا ہوا۔ اور بخارا پر فتح اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

شاہ بخارا کی شکست سے شاہ سفد پر ایسی دہشت چھائی کہ اس نے قتیبہ سے صلح کی درخواست کی۔ قتیبہ نے فدیہ لے کر صلح کر لی۔

بادغیس کا ماکم یزک قتیبہ کا رفیق اور حامی تھا۔ لیکن مسلمانوں کی شان دار فتوحات دیکھ کر اس پر رعب چھا گیا۔ اور قتیبہ کی طرف سے خوف زدہ ہو کر اس سے اجازت لینے کے بعد طخارستان واپس چلا آیا۔ یہاں اس نے بلخ، مرو، روز، طالقان، قاریاب، جوزجان وغیرہ کے رئیسوں سے ساز باز کر کے ظلم بغاوت بلند کر دیا۔ اور مسلمان حاکم طخارستان سے خارج کر دیا۔

قتیبہ کو اطلاع ہوئی۔ تو اس نے اپنے بھائی عبدالرحمن کو بارہ ہزار جمعیت کے ساتھ بردقان روانہ کیا۔ اور خود زبردست تیاری کر کے باغیوں کی گوشالی کے لئے نکلا۔ پہلے طالقان آیا۔ اور ایک خونریز معرکے کے بعد اسے فتح کیا۔ کثیر التعداد اہل طالقان کھیت رہے۔ ایک روایت کے مطابق یہاں کے سردار نے ہتھیار ڈال دئے۔ اس لئے قتیبہ نے اسے معاف کر دیا۔

پھر قتیبہ نے قاریاب کی طرف پیش قدمی کی۔ وہاں کے حاکم نے سر اطاعت خم کر دیا۔ پھر جوزجان کی طرف بڑھا۔ وہاں کا حاکم بھاگ کھڑا ہوا۔ اور باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ پھر بلخ پہنچا۔ اور ایک روز ٹھہر کر یزک کی تلاش میں نکلا۔ یونہی ڈھونڈتے ہوئے ظلم کی نہایت پرمیج اور دشوار گزار گھاٹی میں جہاں یزک ٹھپا ہوا تھا۔ اپنے بھائی عبدالرحمن سے جو پہلے تعاقب میں تھا۔ جاملہ۔

یزک نے قتیبہ کے آنے کی خبر پاتے ہی گھاٹی کے دہانے پر ایک محافظ دستہ متعین کر دیا۔ اور پشت پر ایک جمعیت کو چھوڑ کر خود بنگلان کی جانب نکل بھاگا۔

قتیبہ کو قلعے تک پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اور وہ عجب شش و پنج میں پڑ گیا۔ اسی اثنا میں اتفاق سے ایک پہاڑی قتیبہ کے پاس آیا۔ جس نے پوشیدہ راستہ بتا دیا۔ مسلمانوں کا ایک دستہ اس پہاڑی کے ساتھ جا کر آفت ناگہانی کی طرح اہل قلعہ پر ٹوٹ پڑا۔ وہ اچانک اور ہولناک حملے کی تاب نہ لاسکے۔ بہت سے مارے گئے۔ باقی بھاگ نکلے۔ نیرک داومی فرغانہ کو عبور کر کے کرز کی گھاٹی میں پناہ گزیں ہوا۔ قتیبہ بھی تعاقب کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ یہ گھاٹی بھی محفوظ اور دشوار گزار تھی۔ قتیبہ نے محاصرہ کیا۔ اور دو مہینے تک وہیں پڑا رہا۔

اس دوران میں نیرک کے آدمی چیچک میں مبتلا ہوئے۔ اور ان کا سامان رسد بھی ختم ہو گیا۔ قتیبہ کو بھی سردی کا موسم قریب آجانے کے باعث پریشانی لاحق ہوئی۔ قتیبہ نے نیرک کے ایک مستعد علیہ شخص سلیم کو اس کے پاس بھیجا۔ کہ وہ کسی نہ کسی حیلے سے اسے امان کا وعدہ دے بغیر لے آئے۔ سلیم اسے عفو خطا کے بہانے سے لے آیا۔ قتیبہ نے نیرک اور اس کے ہمراہیوں کو قید و بند میں ڈال دیا۔ اور حجاج سے رائے طلب کی۔ نیرک کا جرم بڑا سخت تھا۔ اس نے مسلمانوں سے نقض عہد کرنے کے ساتھ ہی دوسرے حاکموں کو بھی باغی بنا دیا تھا۔ اس لئے حجاج نے اس کے قتل کا فرمان صادر کیا۔

چنانچہ نیرک اور اس کے سات سو ہمراہی تہ تیغ کر دیے گئے۔ لیکن نیرک کے آقا اور غنارستان کے حقیقی فرماں روا جبغویہ کی جان بخشی کر دی گئی۔

نیرک کے بعد قتیبہ نے دوسرے باغی حاکموں کی سرکوبی پر توجہ مبذول کی۔ چنانچہ حاکم شومان کے پاس قاصد بھیجے۔ کہ اگر اب بھی وہ ماہ راست پر آجائے۔ تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن وہ غرور و نخوت کی ہواؤں میں اُڑ رہا تھا۔ اور قاصدوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کے بعد ایک کا سر قلم کر دیا۔ دوسرے نے بھاگ کر جان بچائی۔ اس پر قتیبہ نے عبور ہو کر اس پر چڑھائی کی۔ اس نے قلعے میں پناہ لی۔ قتیبہ نے قلعے پر پتھروں کی بارش کر کے اس میں شکاف کر دیا۔ شومان نے میدان میں نکل کر مقابلہ کیا۔ اور مارا گیا۔

اس کے بعد کش اور نسف کو مستخر کر کے طرخون حاکم سفد سے خراج وصول کیا۔
 ۹۳ھ میں خوارزم شاہ قتیبہ کا مطیع و منقاد ہوا۔ تفصیل یہ ہے۔ کہ خوارزم شاہ بہت کمزور حکمران تھا۔ اس کا بھائی خرزاد اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سلطنت پر متصرف ہو گیا۔ اور اسے ایک عضو معطل بنا کر بٹھا دیا۔ رعایا اس کے ظلم و ستم سے چیخ اٹھی۔
 خوارزم شاہ نے قتیبہ سے کہلا بھیجا۔ کہ "اگر آپ مجھے میرے بھائی کے دست ستم سے نجات دلا دیں۔ تو میں آپ کی اطاعت قبول کر لوں گا

قتیبہ نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ اور خرزاد اور اس کے دوسرے دشمنوں کو گرفتار کر کے اس کے پاس بھجوا دیا۔ خوارزم شاہ نے سب کا خاتمہ کر کے ان کا زر و مال قتیبہ کے حوالے کر دیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے۔ کہ جب خوارزم شاہ کو اس کی سلطنت واپس دلا دی گئی تو رعایا نے اس کی کمزوری کے باعث اسے قہر تیغ کر دیا۔ اس کے مارے جانے کے بعد قتیبہ نے خوارزم کی عنان حکومت اپنے بھائی عبید اللہ کے ہاتھ میں دے دی۔
سمرقند کی فتح مدت دراز سے اہل سمرقند اور مسلمان باہم حلیف تھے۔ لیکن ترکستان کی جنگوں میں سمرقندیوں نے صالحانہ عہد و پیمانہ کو بالائے طاق رکھ کر حکام ترکستان کی امداد کی۔ اس لئے قتیبہ نے سمرقند پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اپنے بھائی صالح کو سمرقند کی طرف بھیج کر چند روز کے بعد خود بھی خوارزم اور بخارا والوں کو ہمراہ لے کر اس سے جا ملا۔

سغد مقابلے کی تاب نہ لا کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے ایک مہینے تک محاصرہ جاری رکھا۔ سفدوں نے تنگ آ کر شاش اور فرخانہ وغیرہ ہمسایہ حکمرانوں کو لکھا کہ آج ہمارا یہ حال ہو رہا ہے۔ کل تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔ اس لئے ہماری حفاظت کو اپنی حفاظت سمجھ کر جلد مدد کے لئے آؤ۔ ان حکمرانوں نے باہم مشورے کے بعد خانان چین کے بیٹے کی زیر سرکردگی ایک زبردست لشکر مدد کے لئے بھیج دیا۔ قتیبہ کو خبر ہوئی۔ تو اس نے صالح کے زیر قیادت چبہ چبہ بہادروں کا ایک

دستِ حریف کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کیا۔ صلح نے تھوڑی تھوڑی فوج دائیں بائیں گھاٹیوں میں پھپھادی۔ اور ایک حصے کو دشمن کے راستے میں متعین کیا۔ نصف شب کے بعد حریف کا لشکر آیا۔ اور اس نے مسلمانوں پر پد بول دیا۔ مسلمانوں نے شدت سے مدافعت کی۔ اتنے میں کمین گاہوں سے مسلمان آفت ناگہانی بن کر بارش کی طرح دشمن پر برس پڑے۔ اس نے ہر چند نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر میں سہ کی کھائی۔ بڑے بڑے سردار خاک و خون میں تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے۔ بہت سے شہزادے اور امرا و شرفاء گرفتار ہوئے۔ اکثر نے راہ فرار اختیار کی۔ بہت سے اسلم اور دوسرا سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

سندوں کو اس شکست فاش کی اطلاع ملی۔ تو ان کے جی چھوٹ گئے۔ اور قتیبہ نے محاصرے کو شدید تر کرتے ہوئے سجنیقوں سے قلعے پر سنگ باری کر کے اس کا ایک حصہ توڑ ڈالا۔ مسلمان بہادر ڈھالوں سے چہرے بچاتے ہوئے فصیل کے گرے ہوئے حصے پر پہنچ گئے۔

اب اہل سمرقند کے لئے قبول اطاعت کے سوا چارہ نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے حسب ذیل شرائط پر صلح کر لی :-

(۱) اہل سمرقند بارہ لاکھ سالانہ خراج ادا کریں گے۔

(۲) اسیل تیس ہزار سوار دیں گے۔

(۳) شہر میں مسلمانوں کے فاتحانہ داخلے کے وقت صلح آبادی شہر چھوڑ کر چلی جائے گی۔

(۴) اہل شہر تین دن تک مسلمانوں کی دعوت کریں گے۔

(۵) بیتا خانے اور آتش گدے مسلمانوں کے اختیار و اقتدار میں ہوں گے۔

(۶) مسلمان یہاں مسجد تعمیر کر کے نماز ادا کریں گے۔ اور خطبہ دیں گے۔

چنانچہ مسلمان فتح و ظفر کے پھیرے اڑاتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ قتیبہ نے بتوں کو نذر آتش کرنے کا فرمان جاری کیا۔ غوزک نے کہا۔ میری مخلصانہ رائے ہے کہ انھیں آگ نہ دو۔ ورنہ تم پر ہلاکت آئے گی۔ قتیبہ نے کہا۔ چہ خوش! اب تو میں انھیں اپنے

ہاتھ سے تہی دکھاؤں گا۔ چنانچہ ان کے کھلائے جانے پر بچاس ہزار مشغول سونا برآمد ہوا۔
سندوں نے اپنے دیوتاؤں کی بچاؤ کی نظر ڈالی۔ تو اسی وقت ان کی بھاری تعداد اسلام
سے مشرف ہو گئی۔

قتبہ نے سمرقند میں مسلمانوں کو آباد کیا۔ ایک مسجد تعمیر کر کے باجماعت نماز پڑھی۔ اور
خلیفہ دیا۔

۹۴ء میں قتبہ نے جیوں کو عبور کر کے بخارا و خمدزم کی بیس ہزار فوج سے شاش
کو فتح کرایا۔ اور خود فرغانہ کا رخ کیا۔ ماہے میں خمدیوں سے ٹٹ بھرا ہو گئی۔ انھیں
شکت دے کر قتبہ نے کاشان کو سزا کیا۔ پھر مولوٹ آیا۔

چین پر حملہ اور خاقان کا قبول اطاعت

خاقان چین بھی سمرقندیوں کی
املا میں ہٹلے میں تھا۔ اس سے

۹۶ء میں قتبہ نے چین پر حملہ کرنے کی زبردست تیاری کی۔ مجاہدین کے بیوی بچوں
کو سمرقند چھوڑ دیا گیا۔ تاکہ وہاں ایک اسلامی بستی بسائی جائے۔ ماہ مہوں نے فرغانہ کی وا
ل۔ وہاں سے کاشغر تک پہاڑی راستہ دست زرا کے سردار کبیر کے زیرِ کمان ایک لشکر
کی طرف بھیجا۔ کبیر کاشغر کو سزا کرتا ہوا چین کے اندر دُور تک بڑھا پڑ گیا۔

خاقان چین مسلمانوں کی بہت دیکھ کر چوڑی بھول گیا۔ اور قتبہ کو کہلا بھیجا۔ کس
تھارے مقابلہ اور مذہب کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں

قتبہ نے ہیرہ بن شرح کو دس دانش مند اور فصیح انسان آدمیوں کے ساتھ روانہ
کیا۔ یہ وفد کئی دن تک وہاں رہا۔ اور خاقان چین اور ہیرا سے وہاں سے مستعدہ تاتیں
لیں۔ آخری لشکر میں خاقان نے ہیرہ سے کہا۔ "تم معقول آدمی ٹکراتے ہو۔ وہاں جاؤ
میں اپنے سردار سے کہو۔ کہ لوٹ جانے ہی میں خیر ہے۔ مجھے تمہارے لشکر کی قوت و
کاظم ہو چکا ہے۔ اگر تمہند نہیں چھوڑوئے۔ تو میری فوج تمہیں تہس نہس کر ڈالے گی۔

ہیرہ نے جواب میں کہا۔ "اس لشکر کو تھوڑا کون کہہ سکتا ہے۔ جس کا ایک ہرا
بین میں ہو۔ اور دوسرا شام میں۔ ہم موت اور قتل کو کھیل بکتے ہیں۔ اس سے متش نہیں

ڈرتے۔ ہمارا پختہ عقیدہ ہے۔ کہ موت کا ایک دن معین ہے۔ اگر جہاد کے میدان میں اُسے تو ہماری نہایت خوش قسمتی ہے۔

اسلامی وفد کی اس بے باکی اور جرأت سے خاقان چین پر رعب چھا گیا۔ وہ بول اٹھا "تمہارا سردار کن شہر طولیٰ پر صلح کر لے گا"۔
 ہیرو نے کہا۔ "اس نے قسم کھا رکھی ہے۔ کہ جب تک تمہاری زمین کا چپہ چپہ پاؤں نہ گروستے۔ ارکان شاہی کی بہریں نہ لگا دے۔ اور جزیرہ وصول نہ کر لے۔ واپس نہیں جائے گا۔"

خاقان نے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ تمہارے سردار کی قسم پوری کر دی جائے گی۔ پھر اس نے سونے کے تھالوں میں کچھ مٹی، جوڑیہ اگراں بہا تحفے اور چار شہزادے قتیبہ کے پاس بھیج دیئے۔ قتیبہ نے صلح کا یہ نذرانہ قبول کر لیا۔ مٹی کو پاؤں سے روند ڈالا۔ شہزادوں کے بہریں لگا کر واپس بھیج دیا۔ اور جزیرہ لے لیا۔
 قتیبہ حملے کا ارادہ نسخ کر کے مرو لوٹ گیا۔

اسی دوران میں مسلمانوں کی ظفریابی کا رخ یورپ کی طرف پھرا۔ اور

موسیٰ بن نصیر موسیٰ بن نصیر اور اس کے آزاد کئے ہوئے غلام طارق بن زیاد نے یورپ کی تاریخ سرزمین کو اسلام کے آفتاب عالم تاب سے روشن کرنے کا اولین فخر حاصل کیا۔ ولید کے عہد میں موسیٰ بن نصیر والی افریقہ کے طور پر قیروان میں قیام پذیر تھا۔

یورپ کی جنوبی و مغربی جانب ایک جزیرہ تاسے۔ جو ہسپانیہ یا اندلس کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ملک اپنی سرسبزی و شادابی، ذرخیزی، آب و ہوا کی خوش گواری اور دولت و ثروت کے اعتبار سے یورپ بھر میں ممتاز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہمیشہ نئے نئے فاتحین کی جولان گاہ بنتا رہا۔ یہاں صدیوں سے گاتھ خاندان کا خورشید حکومت تجلیاں برسا رہا تھا۔ ساتویں صدی میں تو ان کا نیر عروج و اقبال نصف النہار پر پہنچ گیا تھا اور تہذیب و ثقافت اور جاہ و جلال کے لحاظ سے یہ حکومت سلطنت رومہ کی قائم مقام تصور

کی جاتی تھی۔

آٹھویں صدی کے شروع میں اگرچہ حکومت کی ظاہری شان و شوکت قائم تھی لیکن داخلی حالت زبردست زبردستی تھی۔ غلامی کا دور دورہ تھا۔ غلام کی گاڑھے پینے سے کمانی ہوئی دولت آقا کی رنگ رلیوں میں صرف ہوتی تھی۔ حکومت کلیسا کے زیر اثر تھی۔ حکمران پادریوں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنے ہوئے تھے۔ رعایا کا ہر فرد حکومت کے جبر و تشدد اور امر اور وسوسا کے ظلم و ستم کا شکار تھا۔ یہودیوں کے ساتھ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کیا جا رہا تھا۔ امیروں کے محلوں اور پادریوں کی خانقاہوں میں خوب صورت عورتیں تیریوں کی طرح رقص کرتی پھرتی تھیں۔

اندلس کے بادشاہ ڈیزانے اصلاحات کی طرف قدم بڑھا کر ملک کی حالت کو کسی قدر درست کیا۔ لیکن پادریوں کے اقتدار میں مداخلت کرنا سخت و تاج سے ہاتھ دھونا تھا۔ اس لئے تمام پادری اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ اور یہود نوازی کے جرم کی آڑ لے ہوئے اسے تخت سے اتار کر ایک جہاں دیدہ سپہ سالار راڈرک کو سر پر آرائے سلطنت کر دیا۔ اس نے مصلحت بینی اور عاقبت اندیشی سے کام لے کر پادریوں کے اختیارات بحال کر دیئے۔ قوم گاتھ میں یہ رواج تھا۔ کہ ان کے اکابر و عمائد کی اولاد قصر شاہی میں تعلیم و تربیت پاتی تھی۔ اس سے مقصود یہ تھا۔ کہ وہ یرغمال کے طور پر رہیں۔ چنانچہ ایک یونانی سردار کاؤنٹ جولین حاکم سبتہ کی نہایت حسین و جمیل بیٹی فلورنڈا بھی محل مرا کی زینت تھی۔ راڈرک اس پر رجمہ گیا۔ اور اس کی آبرو پر دست درازی کی۔

لڑکی نے باپ کو اس مصیبت سے آگاہ کیا۔ یہ خبر پاتے ہی اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور کاؤنٹ جولین نے راڈرک کے تخت حکومت کو تختہ گور بنا دینے کا عزم کر لیا۔

جولین نے اسقف اشبیل کے ہمراہ قیروان پہنچ کر موسیٰ بن نصیر والی افریقہ سے ملاقات کی۔ موسیٰ نے اپنے محترم بہان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور آنے کی وجہ دریافت کی۔ جولین نے اپنی داستان درو بیان کرنے کے بعد موسیٰ سے درخواست کی۔ کہ وہ اندلس

پرفوج کشی کر کے ایسے عیاش، ظالم اور کفہہ نافرمان بادشاہ کی حکومت کا تختہ الٹ دے
ساتھ ہی اس نے اندلس کی شادابی و زرخیزی، زر و جواہر اور حکومت کی کمزوریوں پر روشنی
ڈالتے ہوئے امکانی امداد دینے کا وعدہ بھی کیا۔

موسیٰ نے وریار خلافت سے اجازت طلب کی۔ وہاں سے جواب آیا۔ کہ تجربے کے
بغیر مسلمانوں کو طوقانی سمندر میں دھکیل دینا مناسب نہیں۔ حالات معلوم کرنے کے بعد
اس ہم کو شروع کرنا بہتر ہوگا۔ موسیٰ نے لکھا کہ سمندر نہیں۔ صرف ایک معمولی خلیج ہے
جس کی اس طرف سے اُس طرف کی چیزیں صاف دکھائی دیتی ہیں۔

اس پر ولید نے اجازت دے دی۔ اور ۹۱۱ء میں موسیٰ نے طریف بن مالک کو
حالات کا جائزہ لینے کے لئے روانہ کیا۔ اس نے بہادرانہ تاخت و تاراج سے کافی
مالِ غنیمت حاصل کر کے مراجعت کی۔

۹۱۲ء میں موسیٰ نے اپنے مایہ ناز سپہ سالار طارق بن زیاد حاکم طنجہ کو سات ہزار
بربری فوج کی معیت میں کاؤنٹ جو لین کی زیر رہنمائی روانہ کیا۔ اور طارق نے آبنائے
کو عبور کر کے جبل الطارق پر ڈیرے ڈال دیئے۔

طارق نے ساحل اندلس پر اترتے ہی ان کشتیوں کو آگ لگا دی۔ جن میں ان کا
لشکر سوار ہو کر آیا تھا۔ اتفاقاً راڈرک کا ایک نامور سپہ سالار تھیوڈو میر حاکم مرسیہ اسی قرب
و جوار میں اُترا ہوا تھا۔ اس نے اس نووارد فوج پر حملہ کر دیا۔ لیکن شکست فاش کھا کر
بھاگ گیا۔ اُس پر مسلمان مجاہدین کی اس قدر دہشت چھائی۔ کہ راڈرک کو یہ اطلاع
دی۔

”اے بادشاہ! ہمارے ملک پر ایسے آدمیوں نے حملہ کیا ہے۔ کہ نہ میں ان کے
نام سے واقف ہوں۔ نہ وطن اور اصل و نسل سے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ وہ
کہاں سے آگئے ہیں۔ زمین سے نکلے ہیں یا آسمان سے اترے ہیں۔“

راڈرک ان دنوں باغیوں کی گوشالی کے لئے بلبونہ میں قیام پذیر تھا۔ یہ خبر پاتے
ہی وہ ایک لاکھ کی ٹڈی دل فوج لے کر طارق کے بالمقابل خیمہ زن ہو گیا۔ راڈرک کی

زبردست تیاریوں کی اطلاع پاکر طارق نے اپنے سردار موسیٰ بن نصیر سے مزید کمک طلب کی۔ اس نے پانچ ہزار کی جمعیت اور بیچ دی جس سے اسلامی لشکر کی کل تعداد ہزار ہزار ہو گئی۔

آخر ۲۸ رمضان المبارک ۹۲ھ کو وادی لکر کے کنارے دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ اور طرفین صفت آرائی میں مشغول ہو گئے۔ طارق نے مجاہدین اسلام کی مٹھی بھر جماعت کے سامنے حسب ذیل ولولہ انگیز تقریر کی:-

”لوگو! اب میدان کارزار سے بھاگنے کی کوئی صورت نہیں۔ پیچھے دریا ہے۔ اور آگے دشمن۔ واللہ جماعت اور ثبات ہی میں کامیابی ہے۔ یہی وہ مکتبہ منصور لشکر ہیں۔ جو مغلوب نہیں ہو سکے۔ یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ تو شمار کی کمی سے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ اور کم ہمتی، سستی، بے دلی، پھوٹ اور تکبر کے ساتھ تعداد کی زیادتی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

”لوگو! میرے اشارے پر چلو۔ اگر میں حملہ کروں۔ تو تم بھی چڑھائی کر دو۔ اور اگر میں تم جاؤں۔ تو تم بھی تم جاؤ۔ لڑائی کے وقت تمام مجاہدین متفق ہو کر ایک جسم بن جاؤ۔ میں اس باغی راڈک پر حملہ آور ہو کر دست بدست مقابلہ کروں گا۔ اگر میں اس حلقے میں کام آ جاؤں۔ تو افسوس اور رنج نہ کرنا۔ اور میرے بعد مالدار بھٹوں میں الجھ کر لڑنا بیٹھنا۔ اس سے تمہاری ساکھ جاتی رہے گی۔ تم دشمن کے مقابلے میں پشت دکھاؤ گے۔ اور قتل و امیر ہو کر تباہ ہو جاؤ گے۔

”دیکھنا! ذلت پر رضامند نہ ہونا۔ اور اپنے آپ کو دشمن کے سپرد نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے مشقت کے ذریعے سے دنیا میں تمہارے لئے جو اعزاز، فخر، مسرت اور آخرت میں شہادت کا ثبوت لکھا ہے۔ اس کی طرف پیش قدمی کرو اللہ کی پناہ اور تائید کے باوجود اگر تم ذلت پر رضامند ہو گے۔ تو سخت نقصان میں رہو گے۔ دوسرے مسلمان الگ تمہیں بڑے لفظوں سے یاد کریں گے۔ بس جو نہی میں حملہ آور ہوں۔ تم بھی جھٹ حملہ کر دو۔

ہاں۔ اگر تم نے ذرا بھی بزدلی کا اظہار کیا۔ تو جریدہ عالم سے تمہارا نام صرف غلطی کی طرح مٹ جائے گا۔ لیکن اگر بہمت اور جرات کا مظاہرہ کیا۔ تو اس ملک کے زور و جواہر تمہارے قدموں پر نثار ہوں گے۔ امیر المومنینؑ تمہاری شجاعت اور مردوشی پر بھر و سنا کر کے تمہیں اعلا رکنۃ الحق اور غلبہ اسلام کے لئے یہاں بھیجا ہے۔ وہ ذات اقدس و اعلیٰ اس مقدس ہم میں جس کا ذکر دنیا میں زندہ رہے گا۔ اور جسے عاقبت میں بھی فراموش نہ کیا جائے گا۔ تمہاری پستی بانی کرے گی۔"

اگلے روز دریائے والدیٹ کے ساحل پر مقابلہ ہوا۔ راڈرک نہایت شان و شکوہ کے ساتھ میدان کارزار میں آیا۔ وہ آگے آگے ہاتھی دانت کی زرق برق گاڑی میں سوار تھا۔ سر پر شاہی چتر کا سایہ، شاہانہ لباس کے جواہرات آنکھوں میں چمکا چونکا عالم پیدا کر رہے تھے۔ دائیں بائیں، آگے پیچھے مسلح گارڈ اور ایک لاکھ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ سب سے پیچھے ہزاروں بار برداری کے جانوروں پر دشمن کے اسیران جنگ کو باندھنے کے لئے رستے لہے ہوئے تھے۔

دوسری طرف سفید حملے باندھے، ایک تڑپوش، شمشیر بند اور نیزہ بدست بارہ ہزار جانباز مجاہدین اسلام تھے۔ ادھر غرور سے گردنیں بلند۔ ادھر عاجزی سے بارگاہ جلیل و قدیر میں سرخم۔ ادھر بے پناہ فوجی طاقت پر اعتماد۔ ادھر صرف ایمانی قوت پر تکیہ۔ وہ اپنے وطن میں نبرد آزما اور ہر قسم کی امداد سے پر امید۔ یہ پردیس میں ستیزہ کار اور بے یار و مددگار۔ چند روز تو معمولی چپقلش میں گزر گئے۔ آخر ۵ شوال المکرم ۹۲ھ کو صبح کے وقت ایک نہایت خونریز فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ اندلسی عیسائی بڑی پامردی سے جان توڑ کر لڑے۔ لیکن سر باز غازیان اسلام نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے اس شان سے تیغ شجاعت کے جوہر دکھائے۔ کہ تثلیث پرستوں کے دل دہل گئے۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کو گاجرمولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ اہل اندلس میں پھوٹ تھی۔ راڈرک شاہی نسل سے نہ تھا۔ اس لئے بے شمار امرا، اکابر اور شاہی خاندان کے افراد اس سے بیزار تھے۔ اکثر سپاہیوں کو جبراً یا طمع سے لایا گیا تھا۔ لہذا پہلے وہ لوگ سر پر پاؤں رکھ کر بھلے

اس کے بعد عام بھاگڑچ مچی۔ بدحواسی میں انھیں دریا کے پس پشت ہونے کا خیال بھی نہ رہا۔ ہزاروں بھگوڑے مسلم مجاہدین کے ہنگ شمشیر کا لقمہ بنے۔ ہزاروں موج دریا کے گرد آب پڑا شوب میں ڈوب کر مر گئے۔ رادڑک بھی بھاگتا ہوا غرق دریا ہو گیا۔ اور دوسرے دن اس کا گھوڑا۔ لباس اور جوئے ساحل پر ملے۔

اس جنگ میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ گھوڑے تو اتنے تھے کہ تمام غازیان اسلام کے لئے کافی ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم الشان جنگ نے اندلس کی تاریخ ہی بدل کر رکھ دی۔ اور بقول شخصے "آٹھ دن کے ان مسلسل معرکوں نے آٹھ صدیوں کے لئے اندلس کی قسمت کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کر دیا۔"

طارق نے اس فتح میں کی خوش خبری موسیٰ کے پاس قیروان میں بھیجی۔ لیکن موسیٰ نے دوبارہ خلافت کی تاکید ہی ہدایت کے مطابق طارق کو لکھا کہ "ابھی پیش قدمی نہ کرو۔ میں خود تمھاری مدد کے لئے آ رہا ہوں۔"

داوی لگ کی بساط جنگ کے پٹے ہوئے اندلسی ہڑے استجمہ میں جمع ہوئے۔ طارق فی الفور وہاں پہنچا۔ اندلسی جان دوڑ کر لڑے۔ اکثر مسلم مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔ آخر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

طارق نے موسیٰ کے فرمان سے متعلق سرداروں سے مشورہ کیا۔ تو بالاتفاق یہی فیصلہ ہوا کہ پیش قدمی جاری رکھنی چاہئے۔ اگر اس وقت ذرا بھی توقف سے کام لیا گیا تو اندلسی اپنی بکھری اور ٹوٹی ہوئی طاقت کو منظم و مضبوط کر لیں گے۔ اور مسلمانوں کا ماتا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔

اس تجویز کے مطابق طارق نے اندلس کے تمام اہم صوبوں میں فوجیں پھیلا دیں۔ یہ ہم طارق نے اپنے بہادر اور تجربہ کار نائب مغیث رومی کے سپرد کی۔ قرطبہ کی فتح | حاکم قرطبہ نے اسلامی لشکر کی ترکانہ کی خبر سنی۔ تو شہر میں قلعہ بند ہو گیا۔

ایک چرواہے نے قلعے کی شکستہ دیوار کی نشان دہی کی۔ اسی رات آندھی اور بارش کا ہولناک طوفان آیا۔ فصیل کے محافظ بے خبر سوئے پڑے تھے۔ ایک بہادر مسلمان ٹوٹی ہوئی دیوار کے ایک پاس کے درخت پر چڑھ گیا۔ وہاں سے اس نے پگڑی نیچے لٹکا کر دوسرے مسلمانوں کو فصیل پر چڑھا لیا۔ انہوں نے نیچے اتر کر محافظین کا خاتمہ کرنے کے بعد دروازہ کھول دیا۔ باہر کی فوج اندر داخل ہو گئی۔ اور مسلمانوں نے قصر حکومت کی طرف پیش قدمی کی۔

حاکم شہر تاپ مقابلہ نہ لاکر ایک گرجے میں پناہ گزیں ہو گیا۔ مغیث نے قصر حکومت پر قابض ہونے ہی گرجے کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے جم کر مدافعت کی۔ تین مہینے گزر گئے۔ لیکن مسلمانوں کو کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ مغیث نے چہرے کی وہ نالی بند کر دی جس سے گرجے میں پانی جاتا تھا۔ اب تو دشمن کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس نے مجبور ہو کر سپر ڈال دی۔ اور حاکم شہر گرفتار کر لیا گیا۔

مسلمانوں نے قریبہ کو فتح کر لینے کے بعد اس میں یہودیوں کو بسایا۔ کیونکہ وہ عیسائیوں کے خون کے پیاسے تھے۔ اور نو خراں ذکر کی کارستانیوں کا انسداد کرنے کے لئے یہ بہترین حکمت عملی تھی۔ نیز یہودیوں نے مسلمانوں کی تائید و حمایت کی تھی۔

مرسیہ کی فتح | اب رادوک کے نامور سپہ سالار تیموڈر میر (تدمیر) کے مقابلے کے لئے ایک فوج مرسیہ روانہ کی گئی۔ تدمیر نے مدت تک مرسیہ کے دروں میں نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ لیکن مسلم مجاہدین کی شمشیر باریے خارا شکاف نے کشتوں کے پتے لگا دیے۔ اور تدمیر کی تقریباً ساری فوج ماری گئی۔ اس کے بعد وہ بچی کھچی مٹھی بھر جمعیت کو لے کر ایویلیہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ اور عورتوں کو سپاہیوں کی دردی پہن کر فصیل پر صف بستہ کھڑا کر دیا۔

پھر تدمیر صلح کا جھنڈا لئے قاصد کے لباس میں اسلامی فوج میں آیا۔ اور سپہ سالار سے کہنے لگا: "ہم بہت عرصے تک کامیابی سے محاصرے کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمارا سردار کشت و خون کا مخالف ہے۔ اس لئے آپ سے ہماری استدعا ہے کہ

شہریوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کیجئے۔ اور انھیں سامان کے ساتھ شہر سے باہر جانے دیجئے۔ اس طرح جنگ کے بغیر آپ کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

مسلمان سرور نے یہ شرط منظور کر کے صلح نامہ پر دستخط کرنے کے بعد اسے اس مضمونی قاصد کے سپرد کیا۔ اب تدبیر بولا۔ "میں ہی اس شہر کا حاکم تدبیر ہوں۔ پھر خود بھی اس پر دستخط ثبت کر دئے۔"

اگلے دن علی الصبح شہر کے دروازے کھول دئے گئے۔ مگر وہاں تدبیر اور اس کے ایک ملازم کے سوا کوئی سپاہی نہ تھا۔ اور عورتیں اور بچے سامان لئے باہر جا رہے تھے۔ مسلمان سرور تدبیر کے اس حسن تدبیر پر حیران رہ گیا۔ اور اس کے صلے میں مرسیہ کی عنان حکومت اسی کے ہاتھ میں دے دی۔ وہ صوبہ اسی افسر کے نام پر صوبہ تدبیر مشہور ہو گیا۔

طلیطلہ کی فتح | اندلس کے پایہ تخت طلیطلہ پر طارق نے خود حملہ کیا۔ اس شہر میں گاتھ حاکموں کا خزانہ اور نادر روزگار اشیاء تھیں۔ اگرچہ یہ مقام بلند سطح پر واقع ہونے کے باعث بہت محفوظ تھا۔ اور خصوصاً تفصیل نہایت مضبوط و مستحکم تھی۔ پھر بھی عیسائیوں پر مسلمانوں کے بے پناہ حملوں کا اس قدر رعب چھایا ہوا تھا۔ کہ انھوں نے طارق کے آنے کی اطلاع پاتے ہی مال و دولت اور ذخائر کو دوسرے مقامات پر پہنچا دیا۔ اور خود جبل شارات کے پار کسی اور شہر میں چلے گئے۔

اسلامی لشکر جب شہر میں پہنچا۔ تو وہاں اتوں بول رہا تھا۔ طارق نے بلا مقابلہ طلیطلہ پر قبضہ کر لیا۔ اور حلیف یہودیوں کو وہاں بسا کر ایک اسلامی چوکی متعین کر دی۔

اگرچہ اہل طلیطلہ بھاگتے وقت بہت سامان و دولت ہمراہ لے گئے تھے۔ پھر بھی کثیر المقدار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ طلائی زنجیروں، گراں بہا ہیروں، بیش قیمت زرہ بکتر، جڑاؤ اسلحہ اور خواہرا تدویریں سات کے علاوہ گاتھ فرماں رواؤں کے چوبیس تاج جو بیت اللوک میں محفوظ کر دئے گئے تھے۔ مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ اس کے بعد طارق طلیطلہ کے عیسائیوں کی تلاش میں نکلا۔ اور تھمڈی ہی دور

جا کر اس نے چند بھگوڑوں کو گرفتار کر لیا۔ جو حضرت سلیمان کی جانب منسوب ایک تاریخی میز لے جا رہے تھے۔ میز عاقل سونے کی تھی۔ اس کے ۳۶۵ پائے تھے۔ اور سلیم، یاقوت زمرہ، زبرجد اور المول موتیوں سے مرتع تھی۔

طارق صوبہ جلیقہ کے شہروں میں فتح کے پھریرے اڑاتا ہوا استرہ تک پہنچ گیا۔ اور ۹۲ھ میں مال غنیمت سے لدا پھندا طلیطلہ واپس آیا۔

تسخیر طلیطلہ کے بعد رمضان ۹۳ھ میں موسیٰ بن نصیر والی افریقہ خود اندلس میں وارد ہوا۔ کاؤنٹ جولین نے شان دار خیر مقدم

موسیٰ اندلس میں

کرنے کے بعد مشورہ دیا۔ کہ مغربی صوبوں کی سر زمین کو ترک تاز کا میدان بنانا چاہئے۔ موسیٰ نے اس کی رائے پر صناد کیا۔

قرمونہ کا شہر اندلس بھر میں سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم تھا۔ اس لئے

قرمونہ کی فتح

اس کی تسخیر بڑی ٹیڑھی کھیر تھی۔ کاؤنٹ جولین اپنے آپ کو اندلس کا شکست خوردہ ظاہر کر کے قرمونہ والوں سے امان کا طالب ہوا۔ انہوں نے امان دے دی۔ رات کو جولین نے شہر کے دروازے کھول دئے۔ موسیٰ فوج لے کر شہر میں داخل ہو گیا۔ اور جنگ کے بغیر قرمونہ فتح ہو گیا۔

قرمونہ کے بعد موسیٰ نے اشبیلیہ کی طرف پیش قدمی کی۔ یہ مرزہ الحال

اشبیلیہ کی فتح

خوش نما اور نہایت قدیم تاریخی شہر تھا۔ اور اس کے گوشے گوشے میں شان دار عمارتوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ مذہبی رہنما بھی کثیر تعداد میں یہاں رہتے تھے۔ موسیٰ نے محاصرہ کیا۔ اور ایک مہینے کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ باشندگان شہر نے راہ فرار اختیار کی۔ اور موسیٰ نے اسے یہودیوں کی بستی بنا دیا۔

قرمونہ کے بعد موسیٰ نے بطلیوس کا رخ کر کے اس کے عظیم الشان اور

بطلیوس کی فتح

خوش منظر قدیم تاریخی شہر باروہ کا محاصرہ کیا۔ اس کے محلوں اور محبوسوں میں سیم وزر کی بارش ہوتی تھی۔ پادریوں اور راہبوں کا مسکن ہونے کے باعث اسے دینی مرکزیت بھی حاصل تھی۔ اس کی تفصیل غیر مستوفی طور پر سنگین، مستحکم اور محفوظ تھی

اہل ماروہ بڑے جنگ جو، شجاع اور جانناز تھے۔ انہوں نے نہایت بے جگری سے
سعرکہ آرائی کر کے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ وہ ہر روز شہر سے نکل کر نبرد آدرا ہوتے
اور شام کو لوٹ جاتے۔ مسلمان حیران ہو گئے۔ آخر موسیٰ نے جنگی تدبیر سے کام لے کر
ایک رات کمین گاہوں میں مسلمان سپاہی چھپا دئے۔ صبح کو جو نہی عیسائیوں نے نکل
کر مقابلہ شروع کیا۔ یکایک کمین گاہوں کی فوج نے پیچھے سے ہلہ بول دیا۔ اور اس
اچانک حملے سے عیسائیوں کے چھلکے چھوٹ گئے۔ بہت سے مارے گئے۔ باقی
بھاگ کر شہر میں داخل ہو گئے۔ اور قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے لگے۔

مسلمانوں نے عرصے تک محاصرہ قائم رکھا۔ لیکن قلعہ سر ہونے میں نہ آیا۔ آخر موسیٰ
نے دبا بہ بنوایا۔ جس کے ذریعے سے بعض بہادر سپاہی فصیل کے نیچے جا پہنچے۔ اور اسے
توڑ دیا۔ اہل ماروہ نے چاروں طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ اور شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔
ماروہ کے ان گنت سامان غنیمت سے مسلمان مالامال ہو گئے۔ راڈرک کی بیوی
اے۔ جی لونا بھی اسیروں میں تھی۔ مسلم کماندار نے اسے شایان شان احترام سے رکھا۔
اور اپنے بیٹے عبدالعزیز سے اس کا نکاح کر دیا۔

مسلمانوں کو ماروہ کی ہم میں بے طرح معروف دیکھ کر اہل شیبلیہ
نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور ان کے معذور آدمی واپس آ گئے

اشبیلیہ کی بغاوت

یہودیوں نے نصرانیوں کے ساتھ مل کر محافظ فوج کو شہید کر ڈالا۔ موسیٰ نے خبر پاتے ہی
آنا فنا اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اشبیلیہ بھیجا۔ وہ قدموں کو پر لگا کر چشم زدن میں وہاں پہنچ
گیا۔ اور برقی جہاں سوزین گردشمن پر ٹوٹ پڑا۔ عبدالعزیز نے ہمسدہ پرواز یہودی اور
عیسائی باغیوں کی بوٹیاں اڈا کر شہر پر دو بارہ قبضہ کر لیا۔ پھر لیل اور باجہ کی طرف پیش قدمی
کر کے انہیں زیر نگیں کرتے ہوئے اشبیلیہ واپس آیا۔ اس ہم سے اہل اندلس پر مسلمانوں کی
شجاعت کا سکہ بیٹھ گیا۔

ماروہ کی فتح کے بعد موسیٰ وازیم طلیطلہ ہوا۔ طارق
موسیٰ اور طارق کی ملاقات
نے شانہ طہرات کے ساتھ اپنے افسر کا خیر مقدم کیا

موسلی طارق کی تافرمانی کے باعث اس سے کشیدہ خاطر تھا۔ طارق نے پیش قدمی پر مجبور ہو جانے کے اہم اسباب بیان کئے۔ جس پر موسلی اس کے عذر کو معقول قرار دے کر اس سے راضی ہو گیا۔

اندلس کی باقی فتوحات | طلیطلہ میں موسلی اور طارق نے اندلس کے باقی علاقوں کو زیر نگین کرنے کے لئے ایک اہم سکیم مرتب کی۔ اور

تیار یوں کی تکمیل و اتمام کے بعد طارق کو کمان دار اعظم مقرر کر کے شمالی، شمالی و مشرقی اور شمالی و مغربی علاقوں کو مسخر کرنے کے لئے بھیجا۔ اور حسب ذیل نصیحتیں کیں۔

”پڑا من شہریوں سے تعرض نہ کرنا۔ ٹوٹ مار سے محترز رہنا۔ جو کوئی اس کا ارتکاب

کرے گا۔ اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ رعایا کے مذہبی جذبات کا احترام کرنا۔“

طارق جس طرف یلغار کرتا ہوا چلا جاتا تھا۔ شہر کے شہر فتح ہوتے جاتے تھے۔ اور تھوڑے

ہی عرصے میں کوہ البربات کا سارا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگین ہو گیا۔ مسلمانوں کی غیر معمولی شجاعت

اور حسن سلوک کا یہ اثر تھا۔ کہ اندلسی خود صلح کے لئے پیش قدمی کرتے تھے۔ طارق آگے

آگے شہروں کو مسخر کرتا اور موسلی پیچھے پیچھے صلح ناموں اور عہد ناموں پر تصدیقی دستخط

کرتا جاتا تھا۔

شمال مشرقی اندلس کی فتح | اب مسلمان شمالی اندلس پر چھا جانے کے بعد یرشلونہ میں فتح کا جھنڈا گاڑتے ہوئے فرانس کی سرحد پر پہنچ گئے۔ اور اربونہ، حصین ابنہیون اور حصن لوڈون پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے حدود فرانس تک پیش قدمی کی۔ اور شاہ قارلہ مقلبے اور مزاحمت کے لئے آیا۔

فرانسیسیوں سے مقابلہ | مسلمان حصن لوڈون تک آگئے تھے۔ لیکن طاقت کی کمی کے باعث اربونہ واپس جا کر واپس

کوہ میں ٹھہرے ڈال دئے۔

مسلمانوں کے داخلہ اربونہ سے پہلے ہی قارلہ فوج لے کر آگیا۔ اسلامی لشکر اس ناگہانی

حملے سے قطعاً آگاہ نہ تھا۔ پھر بھی مجاہدین نے تیاری کے بغیر مقابلہ کیا۔ اور اکثر نے جام شہادت

نوش کیا۔ جو مسلمان تیغ زنی کرتے آگے نکل گئے انھوں نے اربورنہ کے قلعے میں پناہ لی۔ قابہ نے محاصرہ کر لیا۔ لیکن اسے فائدے کے بجائے نقصان اٹھانا پڑا۔ اس لئے وہ واپس چلا گیا۔

شمال مغربی اندلس کی فتوحات | اب موسیٰ نے شمال مغربی اندلس کا رخ کیا۔ اور بشکنس، استورنس اور جلیقیہ میں فوجیں

پھیلا دیں۔ بشکنس میں نہایت خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ اور مسلمانوں کا پتہ بھاری رہا۔

استورنس کے بعض حصے مسخر ہوئے۔ اور اہل جلیقیہ نے سر اطاعت خم کر دیا۔ غرض اس مہم میں فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ اور سارے شمال مغربی حصے پر مسلمانوں کا طوطی بولنے لگا۔

اندلس سے موسیٰ کی مراجعت | جن دنوں موسیٰ شمالی اندلس کی مہم میں مصروف تھا۔ انھیں دنوں ولید نے اسے واپسی کا

فرمان بھیج دیا تھا۔ لیکن وہ مغربی اندلس کے عزم فتح کے پیش نظر واپس نہ ہوا تھا۔ پھر اس نئی مہم کے دوران میں دوسرا حکم پہنچا۔ اب کے وہ اس جنگ سے فارغ ہو کر ۹۲ھ میں اندلس کی عنان حکومت اپنے بیٹے عبدالعزیز کے ہاتھ میں دیتے ہوئے شام کی طرف لوٹ آیا۔

اندلس کی فتوحات میں موسیٰ کو بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ کثیر التعداد اڈنٹوں پر بیش بہا اسلحہ، جواہرات سے جڑاؤ، ملبوسات اور سامان آرائش بار کیا ہوا تھا۔ تیس گارڈیاں سونے چاندی اور جواہرات سے لدی ہوئی تھیں۔ تیس ہزار لونڈیاں، ایک لاکھ غلام، مادہ سلیمانی، شاہان گاتھ کے چوبیس تاج اور آن گنت مجموعہ رنڈ گاراشیا تھیں۔

جس روز موسیٰ دمشق پہنچا۔ ولید بن عبدالملک جامع بنی امیہ میں جمعہ کا خطبہ پڑھ رہا تھا۔ موسیٰ افریقہ و اندلس کے تیس شہزادوں کو ساتھ لئے دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ امیر المومنین نے موسیٰ سے معانقہ کر کے اسے خلعت خاص سے نوازا۔

خلیفہ وقت نے خطبے کے دوران میں ان عظیم الشان فتوحات کے لئے باری تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور مزید فتح و ظفر کے لئے دعا مانگی۔

نماز سے فارغ ہو کر موسیٰ نے سارا مال غنیمت بارگاہِ خلافت میں پیش کیا۔ ولید نے موسیٰ کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ اور اس کے بیٹوں کو معقول وظیفے دئے۔

مسلمہ بن عبد الملک ولید کا بھائی مسلمہ بن عبد الملک شام اور ایشیائے کوچک کے سرحدی علاقوں میں مصروف جنگ رہا۔ اس نے اپنے

بھتیجے عباس کی مدد سے رومی علاقوں پر حملے کر کے حصن بولق، حصن طوانہ، حصن بولس، حصن انترم، حصن عمویہ، قنقم، ہرقلہ، ولید اور قونیہ کو مسخر کیا۔

ولی عہدی ولید نے اپنے باپ عبد الملک کی تقلید میں اپنے بھائی سلیمان کو تاج و تخت سے محروم کر کے اپنے بیٹے عبد العزیز کو ولی عہد بنا نا چاہا۔ اور

سلیمان کو اس غرض کے لئے طلب کیا۔ اس نے ناسازی طبع کا بہانہ بنا کر آنے سے انکار کر دیا۔ اب ولید نے مقصد برآری کے لئے خود سلیمان کے پاس جانا چاہا۔ لیکن اس اثنا میں موت نے اس کا ارادہ پورا نہ ہونے دیا۔

حجاج کی موت ^{۹۵ھ} ^{۹۶ھ} حجاج بن یوسف ثقفی نے ۴۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ وہ بنی امیہ کے قصر حکومت کا سنگین و مستحکم ستون تھا۔ اس

نے اموی حکومت کی دوبارہ تاسیس کر کے اس کے ایوانِ عظمت کو چار چاند لگائے۔ اس نے عراقین سے بنی امیہ کے مخالفوں اور شورش پسندوں کا قلع قمع کیا۔

اگرچہ اس کا دامن سیرت ظلم و تشدد کے داغوں سے بھی الودہ ہے۔ لیکن اس کے ماہر الامتیاد محاسن کسی طرح نظر انداز نہیں کئے جاسکتے۔ وہ ایک بے بدل سپہ سالار تھا۔ مشرقی فتوحات میں اسی کا کمال سیاست دانی کار فرما تھا۔ سندھ کی فتح تو اسی کی سعی و توجہ کا ثمر شیریں تھی۔ وہ ایک فصیح البیان خطیب، قرآن کریم کا حافظ اور بلند پایہ قاری تھا۔ کلام اللہ پر اعراب لگوانے کی اولیت کا سہرا اسی کے سر ہے۔

ولید کی وفات ۱۷ جمادی الاخریٰ ۹۶ھ میں ولید بن عبد الملک نے بمقام دیر مروان بہ اختلاف روایت ۴۲ اور ۴۶ سال کی درمیانی عمر

میں نو سال آٹھ مہینے خلافت کرنے کے بعد وفات پائی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے

خازنہ پڑھائی۔ اور باب صغیر کے باہر رسم تدفین عمل میں لائی گئی۔

ولید نے انیس بیٹے یادگار چھوڑے۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ سلیمان۔ محمد۔ عمر۔ عباس۔ روح۔ بشر۔ تمام۔ خالد۔ حرب۔ بشر۔ عبدالرحمن۔ مزید۔ یحییٰ۔ ابراہیم۔ مسرور۔ ابو عبیدہ اور صدوق۔

ولید نے علم و فضل سے بے بہرہ ہونے کے باوجود
سیرت ولید بن عبد الملک

خراں روائی اور عظمت جہاں بانی کا سبک بٹھا دیا۔

فوجی نظام میں ترقی
فوجی نظام نہایت قابل تعریف تھا۔ بیک وقت معتد ہونے
شروع تھیں۔ اور ہر محاذ پر تمام لوازم حسن انتظام سے ہتیا کر
دئے گئے تھے۔

جہاز سازی
اگرچہ جہاز سازی کے کارخانے پہلے ہی سے قائم تھے۔ لیکن ولید کے
عہد میں نئے کارخانے بھی کھولے گئے۔ مثلاً تونس کا کارخانہ جو موسیٰ بن
نصیر نے قائم کیا تھا۔ اور جس میں صرف اس کے وقت میں ستوا جہاز تیار کئے گئے تھے۔

رفاہ عام
ولید نے رفاہ عام کے کاموں کی طرف بڑی توجہ دی۔ مقبوضہ علاقوں میں
سڑکیں درست کرائی گئیں۔ میل نصب کرائے گئے۔ کنوئیں کھدوائے گئے۔
نہریں نکلوائی گئیں۔ سرائے، شفاخانے اور محتاج خانے قائم کئے گئے۔ اور ضروریات زندگی
کے ذریعوں کا انتظام کیا گیا۔

علمی اور دینی خدمات
اس زمانے میں تعلیم کی بنیاد مذہب ہی پر قائم تھی۔ ولید نے
قرآنی تعلیم کا خاص اہتمام کیا۔ قرآن کے حفظ کر لینے پر
انعام اور غافلوں کو سزا دیتا تھا۔ اس نے عالموں، فقیہوں، حافظوں اور قاریوں کے
ولایت مقرر کئے۔

تعمیرات
ولید تعمیرات کا بہت دلدادہ تھا۔ یوں تو متعدد عالی شان عمارتیں اس کے
ذوق تعمیر کی بلندی کی شاہد ہیں۔ لیکن مسجد نبوی اور جامع دمشق کی تعمیر و تزئین

اس کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔

۳۵۰ء میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ عامل مدینہ تھے۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر از سر نو عمل میں لائی گئی۔ اہمات المؤمنینؓ کے حجرے اور دوسرے ملحقہ مکانات مسجد کی عمارت میں شامل کر لئے گئے۔

شام اور روم سے ماہرین فن طلب کئے گئے۔ ولید نے قیصر روم کو مسجد نبویؐ کی تعمیر کے متعلق خط لکھا۔ تو اس نے ایک لاکھ مثقال سونا، چالیس گٹھے نبت کاری کا سامان اور بہت سے مہار بھیجے۔

مسجد میں ایک فوارہ بھی تعمیر کیا گیا۔ جس میں نل کے ذریعے سے پانی بہایا گیا تھا۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر تین سال میں تکمیل کو پہنچی۔

جامع دمشق فن تعمیرات کا نادر روزگار نمونہ تھی۔ فرش جڑاؤ تھا۔ سنگ ساق، سنگ مرمر اور سنگ رخام مشہور مقامات سے منگوا کر صرف کیا گیا تھا۔ چھت سونے کی اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھی۔ طلانی زنجیروں میں قندیلیں لٹکانی گئی تھیں۔ غرض مسجد کے جس حصے کی طرف نظر اٹھتی تھی۔ سونے چاندی اور جواہرات کی تیز روشنی سے آنکھوں میں چکا چوند کا عالم پیدا ہو جاتا تھا۔

اس مسجد کے لئے ہندوستان، ایران، افریقہ، روم اور مغرب وغیرہ ملکوں سے ماہرین فن اور تعمیر کا سامان منگوا یا گیا تھا۔ بارہ ہزار مزدور روزانہ کام کرتے تھے۔ اور آٹھ نو سال میں مکمل ہوئی۔

اس مسجد کی تعمیر پر ایک کروڑ بارہ لاکھ دینار صرف ہوئے۔ اور دنیا کے عجائبات میں اس کا پانچواں نمبر شمار کیا جاتا تھا۔

جہاں ولید میں اتنے محاسن تھے۔ وہاں یہ ایک عیب بھی تھا۔ کہ وہ نہایت تشدد سے کام لیتا تھا۔ اور اسی تشدد کے باعث بہت سے لوگ زندان بلا میں ڈال دئے گئے۔

تیرھواں باب

سلیمان بن عبد الملک

۵۹۶ تا ۵۹۹ھ

عبد الملک کا بیٹا اور ولید کا حقیقی بھائی سلیمان ۵۹۶ھ میں بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوا۔ اور
شام میں باپ کے زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی۔ عبد الملک کی وصیت کے مطابق ۵۹۶ھ ^{اللاخڑی}
۵۹۹ھ میں بمقام رملہ تخت پر بیٹھا۔

بیعت خلافت کے بعد سلیمان نے سب سے پہلے یہ تقریر کی :-

"الحمد لله! دنیا دھوکے کی ٹیٹی اور باطل کا مقام ہے۔ رونے والے کو ہنسائی اور
سننے والی کو زلاتی ہے۔ بے خوف کو خوف زدہ کرتی اور خوف زدہ کو امن دیتی ہے۔
امیر کو غریب اور غریب کو امیر بناتی ہے۔ اہل دنیا کو فریفتہ کرنے والی، فریب دینے
والی اور ان کے ساتھ کھیلنے والی ہے۔

اللہ کے بندو! کتاب اللہ کو اپنا پیشوا بناؤ اور اس کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کرو
اسے اپنا رہبر سمجھو۔ کہ وہ اپنے سے پہلے کی کتابوں کی نارخ ہے۔ اور خود اسے کسی کتاب
نے مسوخ نہیں کیا۔

اللہ کے بندو! قرآن شیطاں کے مکر کو اسی طرح کھول دیتا ہے۔ جس طرح مچ
صادق کا نور مات کی ظلمت کو ڈور کر دیتا ہے :-

سلیمان نظر آئی کہ تھا۔ اس پر اس کے مشیر و جلس حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مصلحت نے اور رنگ چڑھا کر سونے پر پہلے کا کام کیا تھا۔ چنانچہ عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اس نے تمام بے گناہ قیدیوں کو رہا کر دیا۔

اوصافِ حسنہ کے ساتھ سلیمان میں ارتقام لینے کا جذبہ حد سے بڑھا ہوا تھا۔ چنانچہ زمانہ ولی عہد ہی میں جو لوگ اس کے مخالف تھے۔ وہ اس کی شمشیر ارتقام کا شکار ہو گئے۔ جب ولید نے سلیمان کے بجائے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد مقرر کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ تو حجاج بن یوسف

قتیبہ بن مسلم کا قتل

اور قتیبہ بن مسلم اس کے مؤید ہوئے تھے۔ اس لئے سلیمان ان دونوں کے سخت مخالف تھا۔ حجاج تو عہد ولید ہی میں وفات پا چکا تھا۔ البتہ قتیبہ کو سلیمان کی طرف سے خوف پیدا ہو گیا۔

قتیبہ نے خطوں کے ذریعے سے سلیمان پر اپنی وفاداری کا اظہار کیا۔ اور اپنی فتوحات کا حال بھی تفصیل سے لکھا۔ لیکن آخر میں یہ دھمکی بھی دے دی۔ کہ اگر یزید بن مہلب کو اس کی جگہ خراسان کا والی بنا دیا گیا۔ تو وہ بیعتِ فسخ کر کے بغاوت کا اعلان کر دے گا۔ سلیمان اپنی جہلی سعادت کے باعث اس دھمکی سے بھی دل پر سیل نہ لایا۔ بلکہ اس کی ولایتِ خراسان کی تجدید کر دی۔ لیکن قتیبہ نے اپنے زور و قوت اور ماتحت قبائل کی وفاداری پر اعتماد کے پیش نظر سلیمان کے جواب کا انتظار کئے بغیر جلد بازی سے علم بغاوت بلند کر کے اپنا اپنا بنایا کام بگاڑ لیا۔

جب قتیبہ نے اپنے مددگاروں کو بیعت توڑنے پر اکسایا۔ تو انھیں گویا سانپ سونگ گیا۔ اور کسی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں نہ ملانی۔ اس پر قتیبہ شدتِ غیظ و غضب سے آگ بگولا ہو کر قبیلہ بنی تمیم کو ملاحیاں ستانے لگا۔ اس سے لوگ اس کے شدید مخالف ہو گئے۔ اور وکیع بن الاسود تمیمی کی سرکردگی میں اس کے خلاف جنگ کی طرح ڈال دی۔ ہزاروں اہلِ علم بھی ان کی حمایت کو آ گئے۔ طرفین میں خوں ریز معرکہ آرائی ہوئی۔ قتیبہ پتہ کمزور تھا۔ اسے شکست ہوئی۔ اور قتیبہ مع عزیزوں کے مارا گیا۔ اب سلیمان نے اس

کے بجائے یزید بن مہلب کو ولایت خراسان پر متعین کر دیا۔

محمد بن قاسم کا قتل

محمد بن قاسم ان دنوں سندھ کی فتوحات میں مصروف تھا۔ وہ ایک بہادر سپہ سالار۔ مستقل مزاج۔ فہیم اور صالح نوجوان تھا۔ اس سے سلیمان کے خلاف کبھی کوئی حرکت سرزد نہ ہوئی تھی۔ لیکن حجاج کا بھتیجا ہونا ہی اس کا سب سے بڑا قصور تھا۔ اس لئے سلیمان نے اسے معزول کر دیا اور یزید بن ابی کبشہ کو اس کی جگہ عامل سندھ متعین کر کے بھیجا۔ یزید نے محمد بن قاسم کو پابجولاں کر کے صالح بن عبدالرحمن کے پاس واسط (عراق) بھیج دیا۔ حجاج نے صالح کے بھائی آدم خارجی کو قتل کیا تھا۔ صالح نے اپنے بھائی کا بدلہ محمد بن قاسم سے لیا۔ اور اسے جیل خانے میں گونا گوں سخت تکلیفیں دے کر مار ڈالا۔

موسیٰ بن نصیر کا حشر

سلیمان بن عبدالملک کی تغنگ انتقام کا تیسرا نشانہ فاتح افریقہ و اندلس موسیٰ بن نصیر بنا۔ اور یہ واقعہ سب سے زیادہ افسوس ناک ہے۔ مورخین بالاتفاق رقم طراز ہیں :-

”جب موسیٰ بن نصیر اندلس سے لوٹا۔ تو ولید مرض الموت میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اور اس کی حالت یاس انگیز تھی۔ اس لئے سلیمان نے چاہا کہ اندلس کی بے پلایاں دولت اس کی بیعت خلافت کے بعد دمشق پہنچے۔ چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر کو جو ابھی راستے میں تھا۔ تحریر کیا۔ کہ امیر المومنین کا دم واپس بر میرا رہے۔ اس لئے تم ایسی رفتار سے سفر کرو۔ کہ ان کے بعد دمشق پہنچو۔ موسیٰ چاہتا تھا کہ امیر المومنین کے جیتے جی دمشق پہنچ جائے۔ تاکہ اس کا آقا اس کی کارگزاری اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اس لئے وہ سلیمان کے فرمان کو پس پشت ڈال کر ولید کے جیتے جی دمشق پہنچ گیا۔ اگرچہ ولید کا آخری وقت تھا۔ پھر بھی اس نے موسیٰ کی خدات کے حملے میں اس کی بہت قدر افزائی کی۔ اس نافرمانی پر سلیمان موسیٰ کا مخالف ہو گیا۔ اور ولید کے بعد اس سے پوری طرح بدلہ لے کر اپنی آتش انتقام فرو کی۔ سب کے سامنے اس کی شدید توہین کی۔ دھوپ میں کھڑا کیا۔ پھر یزید بن مہلب کی سفارش پر کئی لاکھ کاتاوان عائد کر کے چھوڑ دیا۔ جسے ادا نہ کر سکا۔ اس کے چند ہی

روز بعد اس نے خستہ حالی میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

عبدالعزیز بن موسیٰ کا قتل

راڈرک کی بیوہ عبدالعزیز کی بیوی تھی۔ اور میاں، بی بی کے ہاتھ میں کٹ پتلی بن گیا تھا۔ بیوی نے

پوچھا۔ کہ ”رعایا آپ کے سامنے سجدہ ریز کیوں نہیں ہوتی؟ وہ بولا۔ ”ہمارا مذہب اجازت نہیں دیتا۔“ لیکن رعب و اثر قائم رکھنے کے خیال سے بیٹھک میں دریچہ رکھوایا جس کے اندر جھکے بغیر گزرتا غیر ممکن تھا۔ اور بیوی سے کہہ دیا۔ کہ لوگ اسے سجدہ کرتے ہیں۔ اس پر فوج کا ہر سپاہی عبدالعزیز سے ناراض ہو گیا۔ اور اسے قتل کر دیا۔ ایک روایت یہ ہے۔ کہ عبدالعزیز کے خون کی چھینٹوں سے سلیمان کا دامن بھی پاک نہیں۔

یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے بیوی کی تریاہٹ سے مجبور ہو کر ایک تاج تیار کرایا تھا۔ جسے وہ صرف اسی کے سامنے زیب سر کرتا تھا۔ فوج نے خیال کیا۔ کہ اس نے مسیحی مذہب اختیار کر لیا۔ اس لئے اسے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

فتوحات

جر جان اور طبرستان کے علاقے بڑے سنگلاخ تھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں سعید بن عاص نے حملہ کیا تھا۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ صرف صلح کر کے خراج لے لیا تھا۔ پھر تھوڑے ہی عرصے میں ان لوگوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ بلکہ بعض تو دین اسلام سے بھی پھر گئے۔

سلیمان کے زمانے میں جب خراسان کی عنان ولایت یزید بن مہلب کے ہاتھ میں آئی۔ تو اس نے ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر جرار لے کر جر جان پر دھاوا کر دیا۔

پہلے قہستان کی تار بند کی۔ وہاں کے باشندوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ لیکن منہ کی کھائی اور ڈھیروں دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ بے شمار لوگ گرفتار کر لئے گئے۔ پھر جر جان پر فوج کشی کی۔ ان لوگوں نے مصالحت کا ہاتھ بڑھا کر اسلامی لشکر

کو امداد دی۔

فتح کی خوشی سے یزید کا دل سینے میں اچھل پڑا۔ اس نے جر جان کا انتظام عبداللہ بن مسعر لشکر کی سپرد کر کے طبرستان کا رخ کیا۔ وہاں کے حاکم نے بھی صلح کا پیغام

بھیجا۔ لیکن یزید نے بے پناہ طاقت اور فتح نصیبی کے بل بوتے پر انکار کرتے ہوئے طبرستان پر ہتھ بول دیا، وامن کوہ میں طرفین کا آستا سامنا ہوا۔ اہل طبرستان نے ناکام رہ کر راہ فرار اختیار کی۔ لیکن اسلامی سپہ سالار نے غیر مال اندیشی سے کام لے کر تعاقب کیا۔ پہاڑی بھگوڑوں نے بلندی کوہ سے ناوک اندازی اور سنگ باری شروع کر دی۔ جس سے مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

اس کامیابی سے طبرستان والوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ انھوں نے اہل جرجان کو شورش و بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ ان لوگوں نے چار ہزار غازیان اسلام کو جو جرجان میں مقیم تھے، تکابولی کر ڈالنے کے ساتھ ہی جرجان اور خراسان کے درمیان راستے کی ناکہ بندی کر لی۔ اہل طبرستان بھی انھیں کے نقش قدم پر چلے۔ اور مسلمان چاروں طرف سے گھیر گئے۔

یزید نے ایک شخص حیان نبلی کو آکر بنا کر طبرستان سے صلح کی راہ نکالی۔ حیان نے طبرستان پہنچ کر وہاں کے حاکم سے کہا۔ "میری مخلصانہ اور ہمدردانہ رائے یہ ہے کہ یزید سے صلح کر لو۔ ورنہ وہ خراسان سے فوجیں بلوا کر تمھیں تہس نہس کر ڈالے گا۔" حاکم طبرستان نے حیان کی بات مان کر مصالحت کر لی۔

طبرستان کی طرف سے بے فکر ہو کر یزید نے باغیان جرجان کی سرکوبی شروع کر دی۔ ہینوں گزر گئے۔ لیکن جرجانیوں کی کوردہتی نظر نہ آئی۔ آخر ایک واقعہ کار قلعے تک لے گیا۔ اور یزید اور خالد بن یزید کی فوجوں نے دونوں طرف سے اہل قلعہ پر خونریز حملہ کر دیا۔ جرجانی اس ناگہانی حملے کی ضرب برداشت نہ کر سکے۔ اس لئے ناچار گھٹنے ٹیک دئے۔

یزید نے ان بغاوت پسندوں سے کماحقہ انتقام لے کر ان کی تمام طاقتیں شل کر دیں۔ اور مستقبل کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کر کے خراسان لوٹ آیا۔

۹۸ھ میں سلیمان نے نہایت زبردست تیاریوں کے ساتھ اپنے قسطنطنیہ بھائی مسد کو ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر جرار دے کر خشکی کی راہ سے

قسطنطنیہ کو مستحضر کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ساتھ ہی اسی تعداد کی دوسری اسلامی فوج سمند کے راستے سے بیزنطینی حکومت کے اس پارہ تخت کو زیر نگین کرنے کے لئے پہنچ گئی۔ دونوں طرف سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر کے اس کا راستہ بند کر دیا گیا۔ مسلمان یہ طے کر کے آئے تھے کہ وہ قسطنطنیہ کے در و دیوار پر فتح کا پرچم لہرائے بغیر واپس نہ جائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے اس کے آس پاس ایک نئی آبادی بسا کر اس کی زمینوں میں غلہ اور سبزی بادی۔ تاکہ محاصرے کے طول پکڑ جانے کی صورت میں رند کا سامان تھڑنہ جائے۔ رومیوں نے مسلمانوں کی یہ تیاریاں دیکھ کر صلح کا ہاتھ بڑھانا چاہا۔ لیکن مسلمہ نے اس پیش کش کو ٹھکرا کر بزور شمشیر شہر کو فتح کرنے کا اعلان کر دیا۔

اب اہل قسطنطنیہ نے ایک اور تدبیر سے کام لیا۔ تیسویں سوم سلطنت روم کا اندرونی نظام سنبھالنے کے ناقابل تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ ہونے کے باعث رومیوں کو کسی ایسے ماہر سیاسیات اور منتظم بادشاہ کی ضرورت تھی، جو سد سکندری بن کر مجاہدین اسلام کے بے پناہ حملے کو روک سکے۔ رومیوں نے ایک بہادر اور صاحب تدبیر سردار لیون مرعی سے جو فریقین میں نامہ و پیام کا فریضہ انجام دیتا تھا۔ خفیہ طور پر یہ فیصلہ کر لیا۔ کہ وہ اسے مسلمانوں کو قسطنطنیہ سے ناکامی کے ساتھ ہٹا دینے کی صورت میں سلطنت روم کے تاج و تخت کا مالک بنا دیں گے۔

سور اتفاق سے مسلمانوں کی ناکامی کے قدرتی اسباب پیدا ہو گئے۔ اس سال خلافت معمول کڑا کے کی سردی پڑی۔ جو مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت تھی اس طرح ہزاروں فرزند ان توحید کی جانیں ضائع ہو گئیں۔ طوالت محاصرہ کے باعث سلمان رسدیں بھی کمی واقع ہو گئی۔ برف نے کھیتی برباد کر دی۔ اور ہزار ہا مسلمان بھوک کا شکار ہو گئے۔

مصائب و حوادث کا یہ پہاڑ ٹوٹ پڑنے کے باوجود مسلمان بیان مرصوص بن کر دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہے۔ اسی اثنا میں سلیمان نے عالم بقا کی راہ لی۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باقی ماندہ مسلمانوں کو واپس طلب کر لیا۔ چنانچہ

غازیانِ اسلام حد سے زیادہ مالی و جانی نقصان اٹھا کر ناکام لوٹ آئے۔

ولی عہدی اور وفات

سلیمان و ابی بنی تھا۔ کہ اسے مرض الموت نے آگھیرا۔ اس نے پہلے ہی سے اپنے بیٹے ایوب کو ولی عہد مقرر کر رکھا تھا۔ لیکن وہ باپ کے جیتے جی ہی چل بسا۔ اب آخری وقت میں اس نے محدث رجا بن حیوۃ سے پوچھا۔ میرے بیٹے داؤد کے باب میں آپ کیا رائے دیتے ہیں۔ کہا: ”وہ ہم قسطنطنیہ میں منہمک ہیں۔ اور یہ بھی خبر نہیں۔ کہ بقید حیات ہیں یا انتقال کر گئے۔ سلیمان نے دریافت کیا۔ کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق اظہار خیال فرمائیے۔ رجا نے جواب دیا: ”میری رائے میں نہایت جلیل القدر ہستی اور اخلاق حمیدہ کے حامل مسلمان ہیں۔“ سلیمان نے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا: ”اگر میں عبدالملک کی اولاد کا خیال نہ کرتے ہوئے انھیں خلیفہ مقرر کر دوں تو ایک بھاری قتنے کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور وہ لوگ انھیں اس منصب پر متمکن نہ رہنے دیں گے۔ بنا بریں میں عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ اور ان کے بعد یزید بن عبدالملک کو ولی عہد مقرر کرتا ہوں۔ اس سے ان لوگوں کا جوش فرو ہو جائے گا۔ اور وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت تسلیم کر لیں گے۔“ چنانچہ رجا کی تائید کے بعد سلیمان نے خود یہ وصیت نامہ قلم بند کیا:۔

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یہ تحریر اللہ کے بندے سلیمان امیر المؤمنین کی طرف سے عمر بن عبدالعزیزؒ کے لئے ہے۔ میں نے اپنے بعد تمہیں خلیفہ مقرر کیا۔ اور تمہارے بعد یزید بن عبدالملک کو۔“

”مسلمانوں ان کی بات مٹنا۔ ان کی اطاعت کرنا۔ اللہ سے ڈرنا۔ ہا ہم اختلاف نہ

پیدا کرنا۔ کہ وہ عمر سے تم پر لالچ کی نظر ڈالیں۔“

سلیمان نے اس وصیت نامے پر ہر شبت کر کے اسے رجا کے سپرد کرتے ہوئے حکم دیا۔ کہ وہ گھرانے والوں کو جمع کر کے ان سے بیعت لے لیں۔ رجا نے تعمیل فرمان کی۔ سب نے سر تسلیم و اطاعت خم کیا۔ پھر وہ سلیمان کے پاس گئے۔ اور اس کی

موجودگی میں سب نے جدِ اجداد بیعت کی۔

اس کے بعد ۱۰ صفر ۹۹ھ کو سلیمان نے ۴۵ سال کی عمر میں دو سال آٹھ مہینے کی خلافت کے بعد داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

اولاد | سلیمان نے دس بیٹے یادگار چھوڑے۔ یزید۔ سعید۔ قاسم۔ عثمان۔ عبد الواحد۔ عبد اللہ۔ عمرو۔ حارث۔ عبد الرحمن۔ عمر۔

سیرت سلیمان عبد الملک | سلیمان بن عبد الملک بہت سے محامد و محاسن کا حامل تھا۔ فصیح البیان۔ صالح (عادل) اور ولذادۂ جہاد تھا۔

کتاب و سنت کا اجرا اس کا نصب العین تھا۔ قیدیوں کے رہا کر دینے۔ رعایا کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور متشدد افسروں کو برطرف کر دینے کے سنہری کارناموں کے باعث لوگ اسے مفتاح الخیر کہتے تھے۔

نماز عموماً دیر سے پڑھی جاتی تھی۔ سلیمان نے اول وقت میں ادا کرنے کے احکام نافذ کئے۔ جامع دمشق کی تکمیل کی۔

مکہ میں میٹھا پانی کم یاب تھا۔ سلیمان نے اس کا ایک چشمہ جاری کرایا جس سے مکہ بھر میں آبِ شیریں کی لہر بہ رہی۔

سلیمان نے شام میں رملہ کا شہر بسایا۔ ولید کے عہد میں جب فلسطین کی عنان حکومت اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے یہاں چند عمارتیں بنوائیں۔ پھر خلیفہ ہونے کے بعد اسے خوب فروغ دیا۔ جامع مسجد۔ تالاب۔ حوض اور متعدد عمارتیں تعمیر کرائیں۔ بے شمار لوگوں کو یہاں لاکر آباد کیا۔

۹۷ھ میں سلیمان حج کو گیا۔ تو اہل مکہ و مدینہ پر داد و دہش کا مینہ برسایا۔ اور خاندانِ قریش میں چار ہزار وظیفے مقرر کئے۔

ایک دفعہ سلیمان اپنی لشکر گاہ میں بیٹھا تھا۔ کہ کسی کے گانے کی آواز آئی۔ جھٹ بول اٹھا۔ ”کہ جب مرد گاتا ہے۔ تو عورت کو اس کی جانب کشش پیدا ہوتی ہے۔ اور بدکار کو پھیلنے کا سامان ہوتا ہے۔ پھر مغنیوں کو طلب کر کے حکم دیا۔ کہ انھیں خستی کر دیا جائے۔“

پھر تحقیق پر روشن ہوا۔ کہ گانے کا مرکز مدینہ منورہ ہے۔ اس نے وہاں کے حاکم ابو بکر بن محمد بن حزم کے نام فرمان جاری کیا۔ کہ تمام گانے والے خستی کر دئے جائیں۔

سلیمان کاسب سے بڑا کارنامہ یہ ہے۔ کہ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ جیسے فرشتہ سیرت انسان کو زندگی میں اپنا وزیر و صلاح کار اور بعد میں جانشین مقرر کیا جنھوں نے اموی حکومت کو خلافت راشدہ کے رنگ میں رنگ دیا۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں:-

”خداوند رحیم و کریم سلیمان کو اپنی رحمت سے مشرف فرمائے۔ اس کی خلافت کی ابتدا بھی

خیر سے ہوئی۔ اور انتہا بھی خیر پر۔ ابتدا نمازوں کے بروقت ادا کرنے کے اہتمام سے

ہوئی۔ اور انتہا حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی ولی عہدی کے حکم پر۔“ اور درمیان میں

جو انتقامات لے
بیہوشوں سے

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ

۹۹ تا ۱۰۱ھ

حضرت عمرؓ عبدالعزیز بن مروان بن حکم کے صاحب زادے تھے۔ والدہ ماجدہ ام عاصم حضرت عمرؓ بن خطاب کی پوتی تھیں۔ ۱۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور شاہانہ فضا کی آغوش میں پلے بڑھے۔ اور پروان چڑھے۔

وقت کے مشہور محدث صالح بن کیسان کے زیر نگرانی تعلیم و تربیت کی تکمیل ہوئی۔ ان کے علاوہ دوسرے متعدد صلحائے مدینہ سے بھی استفادہ کیا۔ فطری سعادت اور مشاہیر امت کے فیض صحبت ہی کا یہ خوش گوار نتیجہ تھا۔ کہ ان کے متعلق حضرت امام احمد حنبلؓ نے ارشاد فرمایا۔ ”میں تابعین میں سے عمر بن عبدالعزیزؓ کے سوا کسی کے قول کو حجت نہیں سمجھتا۔“

جب آپ نے گلشن شباب میں قدم رکھا۔ تو عبدالملک بن مروان کی بیٹی فاطمہ سے شادی ہوئی۔ اور مناصب عالیہ پر سرفراز کئے گئے۔ لیکن حکومت کے قصر کو ہمیشہ

دین کی مشعل سے فروزاں رکھا۔ جب ولید نے انھیں مدینہ کی گورنری تفویض کی۔ تو اس شرط پر راضی ہوئے کہ وہ دوسرے عالمین کی طرح ظلم نہ کریں گے

ان کی خلافت کے متعلق سلیمان کی وصیت کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ سلیمان کا انتقال ہوا۔ تو جبار بن حیوۃ نے اس خیال سے موت کی خبر پوشیدہ رکھی۔

کہ کہیں بنی امیہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بیعت میں کچھ تاثر نہ کریں۔ اس لئے دوبارہ خاندان حکومت کو جمع کر کے سلیمان کے نامزد کئے ہوئے شخص کی بیعت لی۔ بیعت کی تکمیل و تکمیل کے بعد سلیمان کے انتقال کا اعلان کر کے وصیت نامہ پڑھ کر سنایا گیا۔ حاضرین میں سے صرف ہشام بن عبدالملک نے انکار کے طور پر انا للہ کہا۔ جس پر جبار بول اٹھا۔ کہ چپ چاپ بیعت کر لو۔ ورنہ تمہارا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بازو پکڑ کر انھیں اہلڑ پر بٹھا دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز بادل ناخواستہ منبر پر متمکن ہوئے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

”برادران ملت! نفس انسانی کی کمزوریوں سے میں بھی خالی نہیں۔ میں بھی اپنے پہلو میں

ایک طامع دل رکھتا ہوں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ جب وہ ایک مرتبہ حاصل کر لیتا

ہے۔ تو اس سے بلند تر مرتبے کے حصول کی فکر میں مصروف ہو جاتا ہے۔ سخت عاقبت

حاصل کرنے کے بعد اب وہ اس سے بلند تر چیز کی فکر میں ہے۔ اور وہ منزل جنت ہے۔

میری آپ سے درخواست ہے۔ کہ آپ براہ کرم اس خواہش کی تکمیل میں میری امداد کریں۔“

مسجد سے باہر نکلے تو ارکان حکومت نے آپ کو شاہانہ جلوس کی صورت میں بیت

خلافت تک لے جانا چاہا۔ لیکن آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔ میرے لئے میرا گھوڑا ہی کافی ہے۔

آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے خیمے کی طرف چلے تو ارکان حکومت نے منزل

خلافت کی طرف تشریف لے چلنے کے لئے عرض کی۔ فرمایا۔ ”نہیں۔ وہاں سلیمان کے

اہل و عیال ہیں۔ انھیں تکلیف ہوگی۔ مجھے اپنا خیمہ ہی کافی ہے۔“

گھرائے تو چہرے سے غم اور پریشانی مترشح تھی۔ غلام نے فکر و تشویش کی وجہ دریافت کی۔ تو جواب دیا۔ میری فکر و تشویش بیجا نہیں۔ مشرق و مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور مطالبہ و اطلاع کے بغیر اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔

ترک خلافت پر آمادگی | خلافت کی مہتم بالشان ذمہ داریوں سے گھبرانے اور جمہوری طور پر انتخاب نہ ہونے کے باعث آپ ترک خلافت پر..... آمادہ ہو گئے۔ اور ایک مجمع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

لوگو! میری آرزو اور عام مسلمانوں کی رائے لئے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں ڈال دیا گیا ہے۔ اس لئے تمہاری گردن میں میری بیعت کا جو طوق ہے۔ میں خود اسے اتارے دیتا ہوں۔ تم جسے چاہو، اپنا خلیفہ چن لو۔

یہ تقریر سننے ہی ہر طرف سے شور بلند ہوا۔ کہ ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے۔ اور ہم سب آپ کی خلافت پر خوش ہیں۔ اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیجئے۔ اس یقین کے بعد کہ کسی فرد واحد کو آپ کی خلافت سے اختلاف نہیں۔ آپ نے اس اہم اور عظیم بار کو قبول فرمایا۔ اور مسلمانوں کے مجمع میں ایک تقریر کی۔ اس میں خوف خدا اور عقبتاری کی تلقین کے بعد خلیفہ اسلام کی اصلی حیثیت پر روشنی ڈالی جسے سلاطین بنی امیہ نے ملوکیت میں کھو دیا تھا۔

”تمہارے نبیؐ کے بعد دو سرا نبی آنے والا نہیں۔ اور اللہ نے اس پر جو کتاب اتاری ہے۔ اس کے بعد دوسری کتاب آنے والی نہیں۔ اللہ نے جو چیز حلال کر دی۔ وہ قیامت تک کے لئے حلال ہے۔ اور جو حرام کر دی۔ وہ قیامت تک حرام ہے۔ میں (اپنی طرف سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔ بلکہ صرف (احکام الہی کو) جاری کرنے والا ہوں۔ خود اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیرا کرنے والا نہیں۔ بلکہ صرف پیرا ہوں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔ میں تم میں سے کسی کو امتیاز آدمی بھی

نہیں۔ بلکہ معمولی فرد ہوں۔ البتہ تمہارے مقابلے میں اللہ نے مجھ پر بوجھ زیادہ ڈال دیا ہے۔
اصلاحات اس کے بعد آپ نے امور خلافت کی طرف توجہ فرماتے ہوئے اصلاحات
 شروع کر دیں۔ اور سب سے پہلے والیان صوبجات کے نام حسب
 ذیل فرمان جاری فرمائے۔

”سیلمان اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا۔ جسے اس نے خلافت کی نعمت عطا کی تھی۔
 اب اس نے وفات پائی۔ اور میں اس کا قائم مقام مقرر کیا گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر
 نہایت شدید ذمہ داری عائد کی ہے۔ اگر میں شادیاں کرنا اور مال جمع کرنا چاہتا۔ تو میرے
 پاس سب سے زیادہ اس کے وسائل تھے۔ لیکن میری یہ کیفیت ہے کہ میں ذمہ داری خلافت
 کے باب میں شدید محاسبے سے کانپتا ہوں۔ ہاں اگر غفور الرحیم کی رحمت شامل حال ہوئی۔
 تو حصول نجات کی امید ہے۔“

علاوہ بریں بعض عالمین کے نام ان کے خاص حالات کے مطابق خاص احکام صادر
 فرمائے۔ چنانچہ سلیمان بن ابی السری کے نام یہ فرمان بھیجا۔

”مسافر خانے تعمیر کراؤ۔ جو مسلمان رات گئے۔ اسے ایک دن اور ایک رات وہاں ٹھہراؤ۔
 اس کے لئے کھانے اور اس کی سواری کے لئے چارے کا انتظام مفت کرو۔ بیمار مسافر
 کے لئے دو دن اور دو رات تک یہی انتظام کرو۔ اور جو پردیسی اپنے وطن جانے کی خواہش
 کرے۔ اسے سرکاری خرچ پر گھر پہنچانے کا انتظام کرو۔“

عبدالحمید کے نام حسب ذیل حکم بھیجا۔

”زمانہ ماضی میں کوفہ والے نااہل والیوں کے ہاتھوں شدید مصائب سے دوچار ہوئے
 ہیں۔ اور ان سے نہایت نازیبا سلوک روارکھا گیا ہے۔ دین کا انحصار انصاف اور احسان
 پر ہے۔ تمہیں سب سے زیادہ محاسبہ نفس کا خیال رکھنا چاہئے۔ اس پر گناہوں کا معمولی
 بوجھ بھی نہ ڈالو۔ خراج کے باب میں پوزی احتیاط سے کام لو۔ غیر آباد زمین سے آباد زمین
 کے برابر خراج طلب نہ کرو۔ بلکہ مناسب رقم وصول کرو۔ اور اس میں بھی نرمی برتو۔ بڑی
 طرح تقاضا نہ کرو۔ رعایا سے ہمسال کا خراج۔ نوروز اور مہرجان اور تہواروں کے ہدیے۔

قرآن مجید کی قیمت، پانی کا محصول، مکانوں کا گریہ اور نکاحانہ وصول نہ کیا جائے۔ اگر کسی

ملک کا بھی کوئی شخص اسلام قبول کرے۔ تو اس سے جزیہ ہرگز نہ لیا جائے۔“

یہ نہیں کہ آپ احکام نافذ کر کے خاموش بیٹھ رہے۔ بلکہ والیوں اور
اہل اہل سے مواخذہ عالموں سے ان کی کج روی پر شدید مواخذہ بھی کیا۔

یزید بن مہلب سے بیت المال کی ایک بھاری رقم واجب الوصول تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے اپنے سامنے طلب کر کے ادائے رقم کا تقاضا کیا۔ یزید نے جواب میں کہا ”میرے ذمے کوئی رقم نہیں۔“ جب یزید کو اس کی اپنی تحریر دکھائی گئی جس میں اس نے مطلوبہ رقم کا اقرار کیا تھا۔ تو وہ اپنے قول کی تائید میں معقول دلیل پیش نہ کر سکا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اسے قید و بند میں ڈال دیا۔

یزید کا بیٹا مخلد باپ کے اسیر ہونے کی خبر سن کر دربار خلافت میں آیا۔ اور عرض کی۔
”یا امیر المؤمنین (ع) نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں۔ براہ کرم کچھ کمی بیشی کر کے معاملے کا تصفیہ کر لیا جائے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ”بات یہ ہے کہ حقوق مسلمین کے موجودہ معاملے میں ایک پائی بھی نہیں چھوڑی جاسکتی۔ لہذا میں پوری کی پوری رقم وصول کئے بغیر تمہارے والد کو رہا نہیں کروں گا۔“ چنانچہ یزید بن مہلب حضرت عمرؓ کے آخر عہد تک قید رہا۔ البتہ جب اسے خبر ملی۔ کہ اب آپ کا آخری وقت آ پہنچا۔ اور اب قلمدان خلافت یزید بن عبد الملک کے ہاتھ میں آنے والا ہے۔ تو وہ مصلحتاً جیل سے بھاگ کر عازم بصرہ ہو گیا۔

ایک دفعہ آپ کے پاس شکایت پہنچی۔ کہ خراسان کا والی جراح بن عبد اللہ نو مسلموں سے بھی جزیہ وصول کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ یہ لوگ عاقبت کی بہتری کے لئے نہیں بلکہ جزیے سے بچنے کی خاطر مسلمان ہوئے ہیں۔ آپ نے اسے تحریر فرمایا:-

”رسول اللہ صلم کو داعی اسلام بنا کر بھیجا گیا تھا۔ نہ کہ محصول وصول کرنے والا۔ جو

شخص نماز پڑھے۔ اس سے تمہیں جزیہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں۔“

جراح نے تعمیل ارشاد کی۔ اور لوگ فوج ورفوج دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے

غضب شدہ مال کی واپسی | اب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کمزور آدمیوں کا وہ مال و جائداد انھیں واپس دلوانا شروع کیا۔

جسے زبردست اور با اختیار اشخاص نے ہتھیار اپنی جائداد میں شامل کر لیا تھا۔ خود امیر المؤمنین بھی بہت بڑی موروثی جاگیر کے مالک تھے۔ ہوا خواہوں نے گزارش کی۔ کہ جاگیر واپس کر دینے کی صورت میں اولاد کے لئے کیا انتظام ہوگا۔ فرمایا۔ "ان کا نگہبان اللہ ہوگا۔" پھر اہل خاندان کو اکٹھا کر کے ارشاد فرمایا۔

"بنی مروان! تم بہت بڑے شرف اور دولت کے مالک ہو۔ میرے خیال میں اُمت کے نصف یا دو تہائی مال پر تمہارا قبضہ ہے۔"

ان لوگوں نے جواب میں کہا۔

"وَاللّٰہُ جَبَّ تَمَّکَ ہَمَّاسَ سَرْتَنَ سَے جَدَانہ ہو جائیں گے۔ اس وقت تک جائدادیں بھی ہم سے جُنا نہیں ہو سکتیں۔ وَاللّٰہُ نہ ہم اپنے مورثوں کو کافر بنا سکتے ہیں اور نہ اولاد کو سفلس۔" حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا۔

"وَاللّٰہُ اَکْرَمَ اس حَقِّ مِیْرَابَاتھ نہیں بناؤ گے۔ تو میں تم کو ذلیل کر کے چھوڑوں گا۔"

پھر عامۃ المسلمین کو مسجد میں جمع کر کے ارشاد فرمایا۔

"ان لوگوں (اموی خلفاء) نے ہم ارکان خاندان کو ایسی جاگیریں اور عطا یا دئے کہ وَاللّٰہُ

نہ تو انھیں دینے کا کوئی حق تھا اور نہ ہمیں ان کے لینے کا۔ اب میں یہ سب جائدادیں

ان کے اصلی حق داروں کو واپس کرتا ہوں۔ اور اپنی ذات اور اپنے خاندان سے اس

کار خیر کا آغاز کرتا ہوں۔"

اس کے بعد اپنی اور اپنے سارے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کر دی۔

آپ کی بیوی فاطمہ کے پاس ان کے باپ عبدالملک کا دیا ہوا ایک گراں بہا پتھر تھا۔

حضرت عمرؓ نے بیوی سے کہا۔ "یا اے بیت المال میں داخل کر دو۔ یا مجھے چھوڑنے

کے لئے تیار ہو جاؤ۔" فرماں بردار بیوی نے فوراً وہ پتھر بیت المال میں داخل کر دیا۔

فدک کا تصفیہ | رسول اللہ صلعم نے باغ فدک کو فتح خیبر کے بعد "خالصہ" قرار

دے لیا تھا۔ اور حضور اس کی آمدنی کو اہل بیت اور بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے وصال رسول کے بعد حضرت فاطمہؑ نے اسے حضرت صدیق اکبرؓ سے طلب کیا۔ لیکن آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔ "رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے۔ کہ انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔" البتہ میں اسے انھیں مصارف میں صرف کرتا رہوں گا۔ جن میں رسول اللہ صلعم صرف فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مروان بن حکم نے اسے غاصبانہ اپنی جاگیر بنا لیا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانے تک وہ یونہی بنی امیہ کی جاگیر بنا رہا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ مستبد حکومت پر متمکن ہوئے۔ تو انھوں نے بنی مروان کو اکٹھا کر کے باغ فدک کی صحیح حیثیت پر روشنی ڈالی۔ پھر فرمایا۔ "میں اسے بنی ہاشم کے سپرد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے میں اسے انھیں مصارف کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ جن کے لئے رسول اللہ صلعم اور شیخین کے زمانے میں مخصوص رہا۔"

بنی امیہ کی ناراضی | حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے اس عدل و انصاف سے بنی امیہ کی مالی حالت نہایت کمزور ہو گئی۔ اس لئے وہ جو ش

غضب سے دیوانہ ہو گئے۔ اور ہشام کو وکیل بنا کر خلیفہ سے گفتگو کرنے کے لئے روانہ کیا۔ بہت دیر تک گفتگو جاری رہی۔ اور حضرت عمرؓ نے معقول و مدلل مثالوں سے ہشام کو قائل کر لیا۔ آخری الفاظ یہ تھے۔ کہ "مجھ سے پہلے کے خلفاء نے کم زور لوگوں کو اپنی قوت سے دبایا۔ ان کے ماتحت بھی انھیں کے نقش قدم پر چلے۔ اب گے میں خلیفہ ہوا۔ تو یہ کم زور لوگ میرے پاس آئے۔ ایسی صورت میں میرے لئے اس کے سوا اور کون سی تدبیر ہے۔ کہ قوی سے ضعیف کا اور بڑے سے چھوٹے کا حق دلاؤں۔"

حضرت عمرؓ نے ان کے اہل خاندان کے وہ وظیفے بند کر دئے۔ جو انھیں بیت المال سے ملتے تھے۔ عینیہ بن سعد نے شکایت کیا۔ "امیر المومنین! ہم لوگ بھی آپ پر حق رکھتے ہیں۔" فرمایا۔ ہاں تمہارا حق میرے ذاتی مال میں ہو سکتا تھا۔ مگر اس میں گنجائش کہاں۔ بیت المال میں تم اس سے زیادہ حق نہیں رکھتے۔ جتنا برک عماد کے

آخری کنارے پر سکونت رکھنے والے کا۔ واللہ اگر سارا جہان تمہارا ہم خیال ہو جائے۔ تو ان پر قہر الہی کی بجلیاں ٹوٹ پڑیں۔“

غرض آپ نے عزیزوں اور اہل خاندان کی سعی مداخلت و مزاحمت کے باوجود جادۂ عدل سے ذرا انحراف نہ کیا۔ اور تمام غصب شدہ اموال واپس دلا کر چین لیا۔

بیت المال کے مداخل و مصارف کی حالت نہایت افسوس ناک تھی۔ آمد اور خرچ دونوں مدوں میں جائز اور ناجائز رقم لائی اور اٹھائی

بیت المال

جاتی تھی۔ بیت المال کا معدہ بہ حصہ ذاتی عیش و عشرت پر صرف کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کی بخوبی اصلاح کی۔

غصب شدہ مال کی واپسی سے بیت المال بھر پور ہو گیا تھا۔ شاہی خاندان کے تمام دلہیفے یک قلم بند کر دئے گئے۔ بھاری بھاری اور محض نمائشی شاہانہ مصارف پر خط نسخ کھینچ دیا گیا۔ سارا بیش بہا ذاتی مال فروخت کر کے اس کی کل رقم بیت المال میں داخل کر دی گئی۔

نو مسلموں سے جو جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اسے بند کر کے ایک عام فرمان نافذ کر دیا۔ کہ جو لوگ اسلام قبول کر لیں۔ ان کا جزیہ چھوڑ دیا جائے۔ اس پر بے شمار لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور جزیہ چھوڑ دینے سے بیت المال کی آمدنی میں کمی واقع ہو گئی۔

بیت المال کی حفاظت پر خاص توجہ دی۔ ذرا سی غفلت پر شدید مواخذہ کرتے تھے۔ یمن کے بیت المال سے ایک اشرفی کے گم ہو جانے پر حضرت عمرؓ نے وہاں کے حاکم خزائنہ کو تحریر کیا۔ کہ ”مجھے تمہاری امانت پر شبہ نہیں۔ لیکن تمہاری غفلت اس جرم کی ذمہ دار ہے۔ اس لئے اپنی برات کے لئے شرعی قسم کھاؤ۔“

یزید بن مہلب عامل خراسان پر خیانت کا جرم عائد کر کے اسے برطرف کر دیا گیا۔ دفتری مصارف میں معدہ بہ کمی کر دی گئی۔ سلیمان کے عہد میں ابو بکر بن حزم نے لکھنے کے سامان اور روشنی کے خرچ میں اضافے کی استدعا کی تھی۔ اسی اس کا تصفیہ نہ ہوا تھا۔ کہ سلیمان نے رحلت کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کے جواب

میں ابو بکر کو لکھا۔ کہ ”روشنی کے متعلق پہلے سے بہتر حالت پر قناعت کرو۔ لکھنے پر مٹھنے میں ہر لحاظ سے کفایت برتو۔ تمام عالموں کو تنبیہ کی۔ کہ بڑے کاغذ پر جلی قلم سے نہ لکھا جائے۔ خود آپ کے فرمان زیادہ سے زیادہ ایک بالشت کاغذ پر لکھے جاتے تھے۔

مجبوراً اور معذور اشخاص کی ایک فہرست تیار کی۔ اور ہر ایک کا وظیفہ مقرر کیا۔ اس پر عمل درآمد کے سلسلے میں عالموں پر کڑی نگرانی رکھتے تھے۔

منفلس مقروضوں کا قرض ادا کرنے کی ایک علیحدہ مد قائم کی۔ دودھ پیتے بچوں کے وظیفے مقرر کئے۔ ایک عام لنگر خانہ کھول دیا۔ جس سے فقیروں اور مسکینوں کو کھانا ملتا تھا۔ علاوہ بریں ملک کے محتاجوں میں صدقات تقسیم کرنے کا انتظام کیا گیا۔

آمد و خرچ کی شدید دیکھ بھال۔ ظلم و ستم کی بیخ کنی اور مساکین پروری کا یہ خوش گوار نتیجہ ہوا۔ کہ ملک کے گوشے

رعایا کی خوش حالی

گوشے میں آسودہ حالی کے پھول برسے لگے۔ غریبی اور محتاجی نام کو بھی باقی نہ رہا۔ سال ہی بھر میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ صدقہ لینے والے تنگ دست صدقہ دینے والے خوش حال بن گئے۔

بنی امیہ کے عاملین بالعموم ستم پیشہ تھے۔ سلیمان نے کسی قدر انسداد منظام کی طرف توجہ کی تھی۔ لیکن ابھی تک

ظلم و جور کی اصلاح

ملک میں ظلم و جور کی زہریلی ہوائیں چل رہی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ”جبر و تشدد کو پوری طرح ملیا میٹ کرنے پر کمر بستہ ہو گئے۔ چنانچہ حجاج کے ظالم خاندان کو یمن میں منتقل کر کے وہاں کے عامل کو تخریر کیا۔ کہ ”عرب کے اس بدترین خاندان کو اپنے علاقے میں پھیلا دو“

موصل میں چوریاں بہت ہوتی تھیں۔ وہاں کے عامل نے لکھا کہ ”جب تک لوگوں کو شبہ میں گرفتار کر کے سزا نہ دی جائے گی۔ چوری چکاری بند نہیں ہو سکتی“۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ ”صرف شرعی ثبوت پر باز پرس کرو۔ اگر حق انھیں راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ تو اللہ تعالیٰ انھیں راہ راست پر لائے“

جراح بن عبداللہ عامل خراسان نے لکھا۔ "خراسان والوں کے طور طریقے سخت مذموم ہیں۔ تازیانے اور تلوار کے سوا کوئی اور چیز ان کی اصلاح نہیں کر سکتی۔ اگر امیر المؤمنین مناسب خیال فرمائیں۔ تو اس کی اجازت بخشیں۔" آپ نے جواباً لکھا۔ "تمہارا خیال غلط ہے۔ وہ لوگ حق اور انصاف سے درست ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو۔ اسی راستے پر کام زن رہو۔" غرض ظلم کے تمام طریقوں کا کھوج لگا کر اچھی طرح ان کا استیصال کر دیا۔

ذمیوں کے ساتھ سلوک | حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ذمیوں کے ساتھ ایسا قابل تعریف سلوک کیا۔ کہ پوری اسلامی تاریخ میں

دور فاروقیؓ کے سوا اور کوئی دور اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ آپ نے مسلمانوں کے برابر ذمیوں کے مال و جان کی حفاظت کی۔ انھیں مکمل مذہبی آزادی عطا کی۔ جزیہ وصول کرنے میں انتہائی نرمی سے کام لیا۔ اور عمال کو ان کے باب میں ہدایات لکھتے رہے۔ ذمی کا خون مسلمان کے خون کے برابر کر دیا۔ ایک مرتبہ حیرہ کے کسی مسلمان نے ایک ذمی کو مار ڈالا۔ آپ نے عامل حیرہ کو لکھا۔ کہ "قاتل کوئی الفور مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دو۔ وہ اس کے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں۔" حکم کی فوری تعمیل کی گئی۔ اور مقتول کے وارثوں نے قاتل کی گردن مار دی۔

کوئی مسلمان کسی ذمی کے مال کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ جو کوئی دست درازی کرتا۔ پوری سزا پاتا۔ ایک بار ربیعہ شعوذی کسی سرکاری ضرورت سے ایک نبطی کا گھوڑا بیگار میں پکڑ کر اس پر سوار ہو گیا۔ آپ نے چالیس گوزوں کی سزا دی۔

غصب شدہ مال کو واپس دلانے کے ضمن میں ذمیوں کی زمینیں بھی انھیں واپس دلوا دیں۔ ایک ذمی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعویٰ کیا۔ کہ "عباس بن ولید نے میری زمین پر غاصبانہ تصرف کر لیا ہے۔" آپ نے عباس سے سوال کیا۔ "تم اس کا کیا جواب دیتے ہو؟" کہنے لگے۔ "یہ مجھے والد کی طرف سے جاگیر میں ملی تھی۔ اور میں اس کی سند دکھا سکتا ہوں۔" آپ نے فرمایا۔ "کتاب اللہ ولید کی سند پر مقدم ہے۔" اور ذمی کو اس کی زمین واپس دلادی۔

شاہی افراد خاندان اور ذمیوں میں باہم مقدمے تک نوبت پہنچتی تو دونوں سے برابر کا برتاؤ کیا جاتا۔ ایک دفعہ ہشام بن عبدالملک مدعی اور ایک عیسائی مدعا علیہ تھا۔ دونوں ایک ہی جگہ کھڑے کئے گئے۔ ہشام چپیں بچھیں ہوا۔ اور عیسائی کو برا بھلا کہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ہشام کو زجر و توبیح کرتے ہوئے شکوہ عقوبت میں جکڑنے کی دھکی دی۔ اگرچہ تابا نزا آمدنیوں کا انسداد کر دیا گیا۔ جزیہ وصول کرنے میں آسانی پیدا کی گئی۔ پھر بھی بیت المال کی آمدنی میں کمی واقع ہو جانے کے بجائے بعض علاقوں کی آمدنی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ چنانچہ عراق کی آمدنی میں حجاج کے عہد کی نسبت معقول اضافہ ہوا۔

آمدنی میں اضافہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے عامۃ الناس کو فائدہ پہنچانے کے لئے بہت سے اہم کام انجام دئے۔ مثلاً مالک مہروسہ میں بہت سی سرائیں تعمیر کرائیں۔ اور جیسا کہ اوپر تفصیلاً ذکر آچکا ہے۔ خراسان اور سمرقند کے عالموں کو راستوں اور شہروں میں سرائیں بنوانے کا حکم دیا۔ اور مسافروں کی میزبانی کرنے کے لئے تاکید کی۔ سیاسیات میں خوش آئند انقلاب پیدا کرنے کے ساتھ ہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے شریعت کی بھی تجدید کی۔ چنانچہ آپ عدی بن ارطاة کو ایک فرمان میں لکھتے ہیں:-

"ایمان چند سنن، چند احکام اور چند فرائض کا نام ہے جس نے ان اجزا کی تکمیل کی۔ اس نے ایمان کی بھی تکمیل کی۔ اور جس نے ان کی تکمیل نہیں کی۔ اس نے ایمان کی بھی تکمیل نہیں کی۔ اگر حیات مستعار باقی ہے۔ تو میں ان تمام اجزا کو تمہارے سامنے واضح کر دوں گا۔ کہ تم ان پر عمل کرو۔ ورنہ مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی جرح بھی نہیں۔"

چنانچہ عقائد، عبادات اور اخلاق کے ناگوار تغیر کا سختی کے ساتھ انسداد کیا۔ گزشتہ خلفاء عموماً ادائے نماز میں وقت کی پابندی کا زیادہ خیال نہ کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے تمام عالموں کے نام فرمان جاری کیا۔ کہ "نماز کے وقت سارا کام چھوڑ دیا کرو۔ نماز کو ضائع کرنے والا شخص دوسرے فرائض کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔"

حجاج کے عہد میں زکوٰۃ کا انتظام اچھا نہ تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اعمال کے نام ہدایات بھیجیں کہ وہ زکوٰۃ سے متعلق حجاج کی تقلید کو خیر باد کہہ دیں۔ علاوہ بریں آپ خطوں میں لوگوں کو ادائے زکوٰۃ و صدقہ کے باب میں تلقین کرتے رہتے تھے۔

دوسری ناجائز تفریحات کے ساتھ مے خواری بھی عام ہے۔

مے خواری کا انسداد

ہو چلی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے انتہائی کوشش سے اس کے سدباب کا انتظام کیا۔ اور تمام عاملین کے نام فرمان صادر کر دیا۔ کہ "کوئی ذمی اسلامی شہروں میں شراب نہ لائے اور شراب کی دکانیں بند کرادیں۔"

اصلاح اخلاق

اہل عجم کے ساتھ میل جول سے مسلمانوں میں بہت سی بری عادتیں اور رسمیں پیدا ہو چلی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان کے سدباب کا پورا انتظام کیا۔ ایک دفعہ آپ کو مسلمانوں کے خلاف لہو و لعب میں مشغول رہنے کی شکایت پہنچی۔ آپ نے تمام عاملوں کو حکم بھیجا:-

"خبر ملی ہے۔ کہ سفر ہاکی عورتیں موت کی تقریب پر بال کھولے بین کرتی ہوئی نکلتی ہیں۔

اس نوحے کی سختی سے ممانعت کرو۔ اہل عجم شیطان کے بہکانے سے چند چیزوں سے

دل پہلاتے تھے۔ مسلمانوں کو اس کھیل تماشے اور راگ باجے سے منع کرو۔ اور نہ ملنے

والوں کو مناسب سزائیں دو۔"

حامیوں کے عام رواج کے باعث مرد و زن شرم و حیا کا ذرا پاس نہ کرتے ہوئے غسل کرتے تھے۔ آپ نے عورتوں کا حمام میں جا کر غسل کرنا ممنوع قرار دے دیا۔ اور مردوں کے لئے حمام میں تہ بند باندھ کر نہانے کا حکم صادر کیا۔

شوقین لوگوں نے بال سنوارنے سے ایک قدم آگے بڑھ کر پٹیاں جمائی شروع کر دی تھیں۔ آپ نے پولیس کو حکم دیا۔ کہ وہ ہر جمعہ کو نماز کے وقت مسجد کے دروازے پر

کھڑی ہو جایا کرے۔ اور جو شخص پٹیاں جمائے ہوئے گزرے۔ اس کے بال کاٹ دیا کرے۔

ایک قبیح بدعت کا انسداد اہل سنت سے دستور چلا آ رہا تھا۔ کہ اموی خلفاء اور

ان کے عالمین خطبوں میں حضرت علیؓ پر لعن و طعن کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے قطعاً بند کر کے تمام والیوں کے نام فرمان جاری کر دیا۔ کہ "حضرت علیؓ کے باب میں جو ناگوار الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ بند کر دو۔ اور ان کی جگہ قرآن کریم کی یہ آیت داخل کرو:-

ان الله يامر بالعدل والاحسان
وايتاء ذى القربى ويئتي عن الفحشاء
والمنكر والبنى يعظكم لعنكم
تذكروا -

اللہ تعالیٰ عدل۔ احسان اور رشتہ داروں
کو حکم دیتا ہے۔ اور فحش۔ بڑائی اور
ظلم سے منع کرتا ہے۔ کہ شاید تم
سمجھو؟

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ملک گیری کے بجائے
اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں اپنی تمام قوتیں صرف
کرویں۔

اسلام کی تبلیغ و اشاعت

فوجی افسروں کو جنگ سے پہلے دشمن کو دعوت اسلام دینے کی ہدایت تھی۔ اور
عالمین کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ وہ ذمیوں کے آگے اسلام پیش کریں۔ اور جو ذمی مسلمان
ہو جائے۔ اس سے جزیہ لینا بند کر دیا جائے
یہ تدبیر اشاعت اسلام کے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی۔ چنانچہ صرف جراح بن
عبداللہ عامل خراسان کے ہاتھ پر چار ہزار ذمیوں نے اسلام قبول کیا۔ اور اسمعیل بن
عبداللہ عامل مغرب کی تبلیغ سے سارے شمالی افریقہ میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔
سندھ کے اکثر حکمران اور زمیندار مسلمان ہو گئے۔ ان کی جائیدادوں سے بالکل
تعرض نہ کیا گیا۔ اور انھیں مسلمانوں کے مساوی حقوق سے بہرہ اندوز کیا گیا۔ جسے سنگھ
پسر راجہ داہر بھی انھیں لوگوں میں تھا۔

آپ کے اخلاق حسنہ کی شہرت جذب اسلام کے پُر لگا کر دور دراز ملکوں میں پہنچ
گئی۔ جس کا یہ اثر ہوا۔ کہ بعض ممالک نے وفد بھیج کر آپ سے مبلغین روانہ کرنے کی
استدعا کی۔ چنانچہ آپ نے وفد ثبت کے ساتھ سلیمان بن عبداللہ حنفی کو چین روانہ کیا۔

فتوحات چونکہ آپ کا مقصد کشورستانی کے بجائے اسلام کی تبلیغ و اشاعت تھا۔ اس لئے آپ کا سارا عہد حکومت فتوحات سے تقریباً خالی نظر آتا ہے۔ صرف سندھ اور ہسپانیہ میں جہاں پہلے ہی سے لڑائی جاری تھی۔ بعض معمولی فتوحات ہوئیں۔

خانہ جنگی کا قلع قمع حضرت عثمانؓ کے زمانے سے اس دور تک اسلامی ممالک کی سرزمین مسلمانوں ہی کے خون سے لالہ زار نظر آتی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی انتہائی سعی و جہد کے باعث خانہ جنگی اور خونریزی کے شعلوں کے بجائے امن و آشتی کے پھول برسنے لگے۔ آپ نے خارجیوں کے مقابلے میں بھی تلوار نہ اٹھائی۔ اور عبدالحمید عامل کوفہ کو لکھا۔ کہ جب تک ان لوگوں کی طرف سے فتنہ و فساد اور خونریزی کی آگ نہ بھڑکائی جائے۔ انہیں کچھ نہ کہا جائے۔ اور ان کی امن شکن سرگرمیوں کے انسداد کے لئے کسی دورانہدیش آدمی کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

علاوہ بریں آپ نے خود بھی خارجیوں کو سمجھا بچھا کر شورش انگیزی سے باز رکھنے کی جدوجہد کی اور ان کے سردار بسطام کو لکھا۔

” بہتر یہ ہے کہ تم میرے پاس آ کر مباحثہ اور مناظرہ کرو۔ اگر ہم لوگ حق پر ہوں تو تم لوگ عام مسلمانوں کی طرح اطاعت قبول کرو۔ اور اگر تم حق پر ہو۔ تو ہم اپنے متعلق غور کریں۔“

اس پر بسطام نے دو آدمی روانہ کئے۔ اور طرفین میں مناظرہ ہوا۔ طبری اور ابن اثیر بالاتفاق بیان کرتے ہیں۔ کہ ان میں سے ایک آدمی نے اعترافِ حق کر لیا۔ جس پر حکومت کی طرف سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ اور دوسرا واپس چلا گیا۔

ابن سعد بیان کرتے ہیں۔ کہ چکنا گھڑا بوند پڑی۔ ڈھل گئی۔ خارجیوں نے اس مناظرے سے ذرہ برابر اثر قبول نہ کیا۔ اور معمولاً اپنی فتنہ انگیزیوں پر ڈٹے رہے۔ اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ حسب زیل شرائط کے ساتھ عبدالحمید کو ان سے مقابلے

کی اجازت دینے پر مجبور ہو گئے۔

(۱) عورتوں، بچوں اور قیدیوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ مجروحوں کا تعاقب نہ کیا جائے
(۲) فتح کے بعد جو مال غنیمت دست یاب ہو۔ وہ خارجیوں کے بیوی بچوں کو لوٹا دیا
جائے۔

(۳) قیدی صرف اس وقت تک اسیر زندان رکھے جائیں۔ جب تک راست روی اختیار
نہ کر لیں۔

ان شرائط کے پیش نظر عبدالحمید نے خارجیوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن زک اٹھائی۔ پھر مسلمہ
بن عبدالملک روانہ کئے گئے۔

رجب ۱۱ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ بیمار ہو گئے۔ اور یہی بیماری
بیماری مرض الموت ثابت ہوئی۔ ایک روایت تو یہ ہے۔ کہ بیماری طبعی تھی۔ دوسری
روایت یہ ہے کہ زہر کا نتیجہ تھی۔ جب بنی امیہ کو آپ کی اصلاحات کے آئینے میں اپنا
زور ٹوٹنے کی تصویر نظر آنے لگی۔ تو انھوں نے آپ کے کسی خادم کو ایک ہزار اشرفی کا
لاٹچ دے کر زہر دلوادیا۔ آپ کو خبر ہوئی۔ تو انتقام لینے کے بجائے اشرفیاں واپس
لے کر بیت المال میں جمع کر دیں۔ اور غلام کو آزاد کر دیا۔

آپ نے اس بیماری میں زندگی سے بالکل ناامید ہو کر اپنے بعد سلیمان
وصیت کے نامزد کردہ خلیفہ یزید بن عبدالملک کو حسب ذیل وصیت نامہ لکھوایا۔

”میں تمہیں اس حال میں یہ وصیت نامہ لکھوا رہا ہوں۔ کہ بیماری نے بالکل کمزور کر دیا
ہے۔ تم جانتے ہو کہ خلافت کی ذمہ داریوں کے باب میں مجھ سے پرسش کی جائے گی۔
خدا مجھ سے اس کا حساب لے گا۔ اور میں اس سے کوئی کام پوشیدہ نہ رکھ سکوں گا۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فلنقص علیہم بعلمہ وما کنا غائبین۔ ہم ان لوگوں سے اپنے ذاتی علم سے واقعات

بتاتے ہیں اور ہم غیر حاضر نہ تھے۔

”ایسی حالت میں اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش ہو گیا۔ تو میں کامیاب ہوا۔ اور ایک طویل عذاب

سے مخلصی پائی۔ اور اگر ناراض ہوا۔ تو میرے انجام پر افسوس ہے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنی رحمت سے عذابِ جہنم سے بچائے۔ اور اپنی رضا سے جنت عطا فرمائے۔

”تمہیں تقویٰ اختیار کرنا اور رعایا کا خیال رکھنا چاہئے۔ کیونکہ میری طرح تم بھی تھوڑے ہی دن زندہ رہو گے۔ تمہیں اس سے بچنا چاہئے۔ کہ غفلت میں کوئی ایسی لغزش سرزد ہو جائے۔ جس کی تلافی نہ ہو سکے۔“

سلیمان بن عبد الملک خدا کا ایک بندہ تھا۔ خدا نے اسے وفات دی۔ اس نے مجھے خلیفہ مقرر کیا۔ اور میرے بعد تمہیں نامزد کیا۔ میں جس حال میں تھا۔ اگر وہ اس لئے ہوتا۔ کہ بہت سی بیویوں کا انتخاب اور مال و دولت جمع کروں۔ تو خدا نے مجھے ایسے بہتر وسائل عطا کئے تھے۔ جو وہ اپنے کسی بندے کو عطا کر سکتا تھا۔ لیکن میں سخت اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے۔“

اولاد کے متعلق ارشاد چونکہ آپ نے اپنی موروثی جائداد اور گھر کی ایک چیز بیت اعمال میں واپس کر دی تھی۔ اور آپ کی وفات

کے وقت آپ کی اولاد کے لئے کوئی سامانِ معاش باقی نہ رہ گیا تھا۔ اس لئے آپ کے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے آپ کے برادر نسبتی مسلمہ بن عبد الملک نے التماس کی:-

”امیر المومنین! آپ نے ہمیشہ اپنی اولاد کو ہر چیز کی نعمتوں سے دُور رکھا۔ اور اب انہیں تو کُل کی حالت میں چھوڑے جاتے ہیں۔ ان کے باب میں مجھے یا کسی اور عزیز کو کچھ وصیت کرتے جاتیے۔“

اس پر آپ نے فرمایا:-

”تم کہتے ہو۔ کہ میں نے ہمیشہ اپنی اولاد کو دنیاوی نعمتوں سے دُور رکھا۔ واللہ میں نے

ان کا کوئی حق ضائع نہیں کیا۔ ہاں جس مال کے وہ حق دار نہ تھے۔ وہ ان کو نہیں دیا۔ تم

کہتے ہو۔ میں ان کے متعلق کسی کو وصیت کرتا جاؤں۔ تو اس امر میں میرا وصی اور ولی میرا

خدا ہے۔ جو صلحاً رکاد لی ہوتا ہے۔ اگر میرے لڑکے خدا سے ڈریں گے۔ تو خدا خود ہی

ان کے لئے کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔ اور اگر وہ گناہوں میں پھنس جائیں گے۔ تو میں مال دے کر انہیں گناہوں کے لئے اور طاقت و زبناؤں کا۔“

پھر بیٹوں کو طلب کر کے رقت کی حالت میں فرمایا۔

” میری جان تم پر قربان جنہیں میں نے توکل کی حالت میں چھوڑا ہے۔ لیکن الحمد للہ میں نے تمہیں اچھی حالت میں چھوڑا ہے۔ بچو! تمہیں کوئی ایسا عرب اور ذمی نہ ملے گا۔ جو تم پر کچھ بھی حق رکھتا ہو۔ بچو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی۔ ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ۔ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے۔ دوسرے یہ کہ تم خالی ہاتھ رہو۔ اور تمہارا باپ بہشت میں داخل ہو۔ ان دونوں میں سے اس نے یہ پسند کیا۔ کہ تم خالی ہاتھ رہو اور وہ بہشت میں جائے۔ بس خدا حافظ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں حفظ و امان میں رکھے۔“

غرض ۲۵ رجب ۱۰۰ھ کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ۳۹، ۴۰ سال کی عمر میں دو سال پانچ مہینے چار دن کی خلافت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور دیر سمان میں دفن کئے گئے۔

آپ کی چار بیویاں اور پندرہ سولہ بیٹے بیٹیاں تھیں۔ بعض بیٹوں کے ازواج و اولاد نام یہ ہیں:۔ اسحق، یعقوب، موسیٰ، عبداللہ، بکر، ابراہیم، عبدالملک ولید، عاصم، یزید، عبداللہ، عبدالعزیز، ریان۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے عہد خلافت میں حضرت فاروق اعظمؓ کو نمونہ بنا کر بعینہ

ان کے نقش قدم پر چلے۔ اور ایسے ایسے ذریعے کارنامے انجام دئے۔ کہ بعض محدثین انہیں پانچواں خلیفہ راشد مانتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ علم و فضل میں نہایت بلند مقام پر فائز تھے۔ علم و فضل عاقل ذہبی نے انہیں فقیہ مجتہد تسلیم کر کے ان کے دوسرے علمی کمالات کا لوہا مانا ہے۔ امام نووی کا قول ہے۔ کہ ان کی عظمت و شان، فضیلت علمی، و نور علم، صلاح

آثار نبوی کے اتباع اور خلفائے راشدین کی پیروی پر سب متفق ہیں۔

اُس دور کے مشاہیر علماء ان کے آگے طفلِ مکتب تھے۔ نامور صاحبِ علم تابعی میمون بن مہران کا بیان ہے۔ کہ "علماء عمر بن عبد العزیز کے سامنے شاگرد معلوم ہوتے تھے۔" اسی طرح مشہور صاحبِ علم تابعی مجاہد کا بیان ہے۔ کہ "ہم لوگ انھیں تعلیم دینے گئے تھے لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔"

دینی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ میں آپ کو یکساں کمال تھا۔

عالموں کی قدردانی | آپ کے علم و فضل کی شہرت سن کر دور دور سے اہل علم اور ارباب کمال دربارِ خلافت میں کشاں کشاں چلے آتے تھے۔

خلافت کے معاملات میں آپ حسب ذیل حضرات سے رائے اور مشورہ لیتے تھے۔ میمون بن مہران، ریاح بن عبیدہ، رجاء بن حیوٰۃ، محمد بن کعب قرظی، سالم بن عبد اللہ اور سعید بن مسیب۔

مذہبی تعلیم کی اشاعت | آپ نے مذہبی تعلیم کو وسیع اور عام کرنے میں جاں سپارہ جدوجہد سے کام لیا۔ مختلف عالمین کو تاکید لکھا کہ

ارباب علم کو حکم دو۔ مسجدوں میں علم کی ترویج اور توسیع کریں۔ کیونکہ حدیثیں ضائع ہونی جا رہی ہیں۔ لوگوں کو تلقین کرو کہ حلقہ درس میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کریں۔ تاکہ نادان دانا ہو جائیں۔

آپ نے مذہبی تعلیم کی خدمت کرنے والے علماء کی معقول تنخواہیں مقرر کر کے انھیں فکرِ معاش سے مستغنی کر دیا۔ محض کے والی کو حکم دے کر فقہاء کے لئے سو سو دینار کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ طلبہ کو بھی وظیفہ عطا کئے گئے۔

دوسرے ملکوں میں دینی علم کے آفتاب کی تجلیاں برسانے کے لئے علماء بھیجے۔ چنانچہ مدینہ کے نامور فقیہ نافع کو تعلیم حدیث کے لئے مصر اور قاری جعشل بن عامان کو تعلیم قرأت کے لئے مصر و مغرب روانہ کیا۔ بدوؤں کی تعلیم و تربیت کے فرائض حارث بن یجد اشعری اور یزید بن ابی مالک دمشقی کے سپرد کئے گئے۔

ارشاد و ہدایت کا مقدس فریضہ واعظوں اور مفتیوں پر عائد کیا گیا۔ چنانچہ اسکندریہ کی مسند و عظم پر حجاج ابو کثیر اموی متمکن تھے۔

احادیث کی حفاظت و اشاعت | احادیث کی حفاظت و اشاعت کا ذریعہ کارنامہ آپ کے تاج قضیلت و عظمت

میں ڈیر شہوار بن کر رہا ہے۔ آپ نے تمام عالمین صوبہ کے نام فرمان صادر کئے کہ احادیث نبویؐ کو محنت و جاں کا ہی سے ڈھونڈ ڈھانڈ اور چھان پھٹک کر لکھ لو۔ کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اکابر حفاظ حدیث کے اٹھ جانے سے حدیثیں بھی بے نشان ہوتی جا رہی ہیں۔ ہاں یہ احتیاط ضرور پیش نظر رہے۔ کہ صرف آنحضرتؐ کی حدیثیں قلم بند کی جائیں۔

اس طریق سے بے شمار مستند حدیثیں جمع کر کے ان کے مجموعے تیار کئے گئے۔ اور تمام مالک محروسہ میں بھیجے گئے۔

خوفِ خدا | حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بایں ہمہ جاہ و جلال خدا کے خوف سے لرزہ بر اندام رہتے تھے۔ ہر روز رات کو عشا کی نماز سے فارغ ہو کر خلوت میں زار زار رویا اور دعائیں کیا کرتے تھے۔ اکثر اوقات ساری ساری رات اسی شغل میں گزر جاتی تھی۔

قیامت کی باز پرس کا خوف | یہ خوف ہمیشہ ان کے جسم و روح پر طاری رہتا تھا۔ کہ جب قیامت میں خلافت کی ذمہ داریوں اور حقوق امت سے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ تو وہ کیا جواب دیں گے۔ اس لئے وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے اپنے تمام فرائض کو بہ طریق احسن انجام دینے کی انتہائی کوشش کرتے تھے۔

تقویٰ اور تورع | مسلمانوں کے مال میں آپ نے جس تقوے اور تورع کا ثبوت دیا۔ اس کی مثال نہایت کم یاب ہے۔ رات کو بیت المال کی شمع صرف اس وقت تک جلاتے تھے۔ جب تک سرکاری کام کرنا ہوتا تھا۔ پھر اپنا نجی

پیراغ جلا لیتے تھے۔

فقرا کے مہان خانے سے اپنے لئے پانی تک گرم نہ کراتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کا کوئی ملازم آپ کو اطلاع دے بغیر ہیبتہ بھرتک سرکاری مطبخ سے پانی گرم کرتا رہا۔ آپ کو خبر ملی تو اسی قدر لکڑی خرید کر باورچی خانے میں بھجوا دی۔

ایک دفعہ آپ مسلمانوں میں سبب تقسیم فرما رہے تھے، جو بیت المال میں آئے تھے ایک سبب آپ کے چھوٹے بچے نے اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ آپ نے اس کے منہ سے نکال لیا۔ وہ روتا روتا ماں کے پاس گیا۔ ماں نے اسے بازار سے سبب منگوا دیا۔ گھر آئے تو باتوں باتوں میں اس واقعے کا بھی ذکر آگیا۔ فرمانے لگے۔ "واللہ میں نے وہ سبب بچے کے منہ سے نہیں۔ بلکہ اپنے دل سے چھینا تھا۔ کیونکہ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے متعلق باز پرس ہو۔ اور مجھ سے کوئی جواب بن نہ پڑے۔"

ایک دفعہ انھوں نے گھر میں لبنان کے شہد کی خواہش ظاہر کی۔ ان کی زوجہ فاطمہ نے حاکم لبنان کو لکھ کر شہد منگوا لیا۔ اور خلیفہ وقت کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ حیران ہو گئے پھر باتوں باتوں میں اصل معاملہ ظاہر ہوا۔ تو انھوں نے شہد کو چکھے بغیر اسے فروخت کرا دیا۔ اور رقم بیت المال میں جمع کرا دی۔ ساتھ ہی حاکم لبنان کے نام ایک تہدیدی مکتوب میں لکھا۔ کہ "تم نے فاطمہ کے کہلانے پر شہد ارسال کیا ہے۔ واللہ اگر آئندہ اس حرکت کا ارتکاب کیا۔ تو معزول کر دئے جاؤ گے۔ اور میں تمھاری شکل تک دیکھنے کا روادار نہ ہوں گا۔"

تورع کی انتہا یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ نے بیت المال کا مشک دیکھتے ہی ناک بند کر لی۔ کہ اس کی خوشبو نہ آنے پائے۔ عرض کی گئی۔ "امیر المؤمنین! خوش بو سونگھنے میں کیا مضائقہ ہے؟" فرمایا۔ "مشک کا انتفاع یہی ہے۔"

عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد ہدایا و تحائف لینے بند کر دئے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے پھل بھیجا۔ آپ نے لوٹا دیا۔ بھیجنے والے نے عرض کی۔ "ہدیہ تو آنحضرت قبول فرماتے تھے۔" جواب میں فرمایا۔ "ہاں۔ لیکن ہمارے اور ہم سے بعد والوں کے

لئے وہ رشوت ہے۔

تواضع اور مساوات حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے حاکم و محکوم اور خواجہ و بندہ کا فرق مٹا کر مساوات پیدا کر دی۔ اور خود عملی نمونہ پیش کیا۔ ملازموں کے سو جانے پر ضرورت کے وقت خود ہی کام کر لیتے۔ ایک رات رجاہ بن حیوٰۃ سے باتیں کرتے ہوئے وقت زیادہ گزر گیا۔ اور چراغ مدہم ہو گیا۔ رجاہ نے ایک سوتے ہوئے ملازم کو جگانا چاہا۔ انھوں نے منع فرمایا۔ رجاہ خود تیل ڈالنے کے لئے اُٹھنے لگے۔ انھیں بھی روک دیا۔ اور خود اُٹھ کر چراغ درست کرنے کے بعد فرمایا۔ ”جب میں چراغ میں تیل ڈال رہا تھا۔ تو بھی عمر بن عبدالعزیزؓ تھا۔ اور اب بھی عمر بن عبدالعزیزؓ ہوں۔“

لباس تختِ خلافت پر قدم رکھنے سے پہلے آپ شاہانہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔ لیکن جب امیر المؤمنین کی حیثیت سے ملت کے سامنے آئے تو رنگ ہی بدل گیا۔ صرف ایک معمولی جوڑا باقی رہ گیا۔ جو بار بار دھو کر پہنا جاتا تھا۔ مرض الموت میں ایک ہی قمیص تھی۔ جو بہت سیلی ہو گئی۔ مسلمہ بن عبدالملک نے اپنی بہن (فاطمہ) سے کہا۔ لوگ عیادت کے لئے آتے ہیں۔ دوہری صاف قمیص بدلوا دو۔ انھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب دوبارہ مسلمہ نے کہا۔ تو بولیں۔ ”واللہ اس کے سوا دوسری قمیص ہے ہی نہیں۔ بدلوادوں کہاں سے؟“ پھر ایک جوڑا بھی درست نہ ہوتا تھا۔ پھٹ جاتا تھا۔ اور پیوند پر پیوند لگتے جاتے تھے۔

آپ کی اولاد بھی اسی رنگ میں رنگی ہوتی تھی۔ ایک بار تو آپ کی صاحبزادی آمنہ کے لئے کپڑا نہ تھا۔ فرمایا۔ ”فرش چاک کر کے گڑنا بنا دیا جائے۔“ آپ کی بہن کو خبر ہوئی۔ تو ایک تھان بھجوا دیا۔ اور منع کر دیا۔ کہ عمرؓ سے طلب نہ کرنا۔

چودھواں باب

باب

یزید بن عبد الملک

۱۰۵ تا ۱۰۶ھ

یزید بن عبد الملک ۶۵ھ میں پیدا ہوا۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے انتقال کے بعد اپنے بھائی سلیمان بن عبد الملک کی نامزدگی کے مطابق تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

سریر آرائی کے بعد یزید نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے اسوۂ حسنہ کو اپنا مدار عمل بنانے کی کوشش کی۔ لیکن سوا مہینے سے زیادہ اس راستے پر گام زن نہ رہ سکا۔ اور رنگ رلیوں میں پڑا کہ حضرت عمر کی اصلاحات کا خاتمہ کرنے کے بعد دربار اموی کا پرانا نظام پھر جاری کر دیا۔

یزید بن مہلب کی بغاوت اور اس کی بیخ کنی | سلیمان کے عہد میں یزید بن مہلب خراسان

کا حاکم تھا۔ اس نے سلیمان کے انتقال سے چند روز پہلے اسے ایک بڑی آمدنی کی خبر دی تھی۔ لیکن اس کے ارسال کئے جانے سے پہلے ہی سلیمان وفات پا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ تخت خلافت پر جاگزیں ہوئے۔ تو انھوں نے ابن مہلب سے یہ رقم طلب کی۔ اس نے انکار کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے اسے قید و بند میں ڈال دیا اور ابھی یہ اسیر زنداں ہی تھا۔ کہ حضرت عمرؓ کو مرض الموت نے آیا۔

ابن مہلب نے یزید بن عبد الملک کے بعض رشتہ داروں کو سزائیں دی تھیں۔ اس لئے یزید اس سے ناراض تھا۔ ابن مہلب نے خیال کیا کہ یزید تاج خلافت سرور رکھنے کے بعد ضرور اس سے انتقام لے گا۔ اس لئے وہ رشوت دے کر قید خانے سے بھاگ گیا۔ اور بصرہ کی راہ لی۔

یزید نے تخت نشین ہوتے ہی عدی بن ارطاة والی بصرہ کو آل مہلب کی نظر بندی کا حکم بھیجا۔ عدی نے ابن مہلب کے تین بھائیوں مفضل، حبیب اور مروان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔

ابن مہلب نے اپنے بڑھے ہوئے اثر و رسوخ کے باعث بہت جلد ایک لشکرِ جبر جمع کر کے بصرہ پر فوج کشی کر دی۔ اور فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ دیکھتے دیکھتے عراق خراسان اور کرمان میں ابن مہلب ہی کا طوطی بولنے لگا۔ اس نے یزید بن عبد الملک کی بیعت توڑ کر حکومت کے خلاف بغاوت پر کمر باندھ لی۔ مسلمانوں کو کتاب و سنت کے نام پر بنی اُمیہ کے مقابلے کی دعوت دی۔ اور کہا: "ان سے جنگ کرنا ترک و مدہم کے ساتھ جنگ کرنے سے بھی زیادہ موجب ثواب ہے"

حضرت حسن بصریؒ نے مسلمانوں کو اس جنگ سے بے تعلق رہنے کی تلقین کی۔ اور فرمایا: "ابھی کل یہی یزید بن مہلب بنی اُمیہ کی طرف سے فرما رہا تھا۔ اور ان کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے لوگوں کی گردنیں کاٹتا تھا۔ اور آج وہ انھیں لوگوں کو بنی اُمیہ کے خلاف کتاب و سنت کی دعوت دے رہا ہے۔" لیکن لوگوں نے آپ کو مہربلب رہنے پر مجبور کر دیا۔

یزید بن عبد الملک نے اپنے بھائی مسلمہ بن عبد الملک کو اسی ہزار کی عظیم الشان فوج دے کر ابن مہلب کو نیچا دکھانے کے لئے بھیجا۔ ابن مہلب ایک لاکھ بیس ہزار کی زبردست جمعیت کے ساتھ مقابلے کو آیا۔ اسے عراقیوں پر اعتماد نہ تھا۔ اتنے میں یکایک اطلاع ملی کہ فرات کا پل دھڑا دھڑا جل رہا ہے۔ یہ سنتے ہی اہل عراق نے

راہ فرار اختیار کی۔ ابن مہلب نے ہر چند روکنے کی کوشش کی۔ لیکن بے سود۔ ابن مہلب نے اپنی ٹٹھی بھر جانباڑ جماعت کے ساتھ تیغ جماعت کے جوہر دکھاتے ہوئے جان دی۔ اس کے دو بھائی حبیب اور محمد میدان جنگ میں کام آئے۔

اس کے بعد ابن مہلب کا بھائی مفضل بقیۃ السیف جتھے کے ساتھ واسط پہنچا۔

وہاں یزید بن مہلب کا بیٹا معاویہ تھا۔ یہ دونوں چچا بھتیجا اپنے اہل خاندان کے ساتھ عازم بصرہ ہوئے۔ وہاں سے یزید بن مہلب کے حسب ہدایت قنذابیل کی راہ لی۔

قنذابیل کے امیر وداع بن حمید کو معلوم ہوا کہ مسلمہ کی طرف سے ہلال بن اعوز

تمیمی مفضل کے تعاقب میں آ رہا ہے۔ تو اس نے یزید بن مہلب کا پروردہ ہونے

کے باوجود اپنی جان کے خوف سے آل مہلب کو امان دینے سے انکار کر دیا۔

قنذابیل سے باہر ہلال بن اعوز کی فوج اور آل مہلب میں رزم آرائی ہوئی۔

مؤخر الذکر کے تمام مرد بہاوردانہ مقابلہ کرتے ہوئے کام آئے۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر کے

دمشق روانہ کر دئے گئے۔ البتہ ابو عینبہ بن مہلب اور عثمان بن مفضل نے جو بچ گئے، ذہیل

کی راہ لی۔ اس تاسف خیز طریق پر اس نامور خاندان کے عروج و اقتدار کا ستارہ غروب

ہو گیا جس نے خون جگر سے اموی حکومت کے چمن اقبال کی آبیاری کی تھی۔

اس کے بعد یزید بن عبد الملک نے مسلمہ کو عراق کا والی مقرر کیا۔ مسلمہ نے اپنے

داماد سعید بن عبدالعزیز کو خراسان کی ولایت پر مامور کیا۔

سعید کی عیش پرستی اور کمزوری کے باعث سرکش

اور جنگ جو ترکوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور انہوں

قصر باہلی پر ترکوں کا قبضہ

نے مسلمانوں کی بستی قصر باہلی کا محاصرہ کر لیا۔ ان لوگوں نے حاکم سمرقند سے ہتھیاروں کی

اس نے مسیب بن بشیر ریاحی کو چار ہزار سپاہ دے کر بھیج دیا۔ لیکن تین ہزار راستے

ہی سے واپس چلے گئے۔ اور مسیب ایک ہزار کی ٹٹھی بھر سرفروش جماعت کے

ساتھ عازم قصر باہلی ہو گیا۔ وہاں پہنچتے ہی ترکوں پر ہلہ بول دیا۔ اور ایسی بہادری سے

جان توڑ کر لڑا۔ کہ ترکوں نے مجبوراً محاصرہ اٹھا کر راہ فرار اختیار کی۔ مسیب محصور

مسلمانوں کو قصر باہلی سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

سغدوں کی سرکوبی | قصر باہلی کی جنگ میں سفدوں نے مسلمانوں کے حلیف ہونے کے باوجود ترکوں کی امداد کی تھی۔ اس لئے سعید

نے مسلمانوں کے شدید اصرار پر انتقام لینے کی غرض سے علاقہِ سغد کی طرف پیش قدمی کی۔ ترکوں کی ایک جماعت نے کمین گاہ سے بے خبر مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس لئے وہ پس پا ہو گئے۔ لیکن بعد میں مسلمانوں کی ساری فوج پہنچ گئی اور اس نے ترکوں کو شکست فاش دی۔

دوسری جنگ | ۱۰۳ھ میں سعید بن عبدالعزیز کمزوری کے باعث معزول کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ سعید بن ہبیرہ حرشی کا تقرر عمل میں لایا

گیا۔ یہ نامور بہادر سپہ سالار اور بڑا صاحبِ شکوہ و تحمل شخص تھا۔ سغد اور ترک اس کا نام سن کر چینی علاقے کی طرف بھاگ گئے۔ سعید حرشی تعاقب کرتے ہوئے بخندہ تک پہنچ گیا۔ غنیم کی جماعت کو تلوار کے گھاٹ اسیار کر فاتحانہ واپس آیا۔

۱۰۴ھ میں سعید حرشی کسی وجہ سے حکومت خراسان سے معزول کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ مسلم بن سعید کلابی کا تقرر عمل میں آیا۔

خزر پر فوج کشی | اسی سال ثبیت نہرانی کے زیر قیادت مسلمانوں کی ایک فوج نے اہل خزر کی گوشالی کے لئے آرمینیا پر لشکر کشی کی۔ اہل خزر

نے قبچاقیوں، ارمنوں اور ترکوں کے دوسرے قبیلوں کو امداد کے لئے طلب کیا۔ مرج حجارہ میں ایک خون ریز جنگ ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کو زک اٹھانی پڑی اور غنیم نے ان کے سارے مال اسباب پر قبضہ کر لیا۔ یزید کو اطلاع ہوئی۔ تو اس نے جراح بن عبداللہ حکمی کو آرمینیا کا حاکم مقرر کر کے بھیجا اور اسے اہل خزر کی سرکوبی کے لئے ہدایات دیں۔

جراح نے شامی لشکر کے ساتھ ترکستان کی طرف پیش قدمی کی۔ پہلے بروغز

پہنچا۔ پھر نہر کو عبور کر کے باب الا بواب میں خیمہ زن ہوا۔ اہل خزر اسے چھوڑ کر آگے چلے گئے تھے۔ جراح نے جنگ کے بغیر اس پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران میں اہل خزر ایک بھاری فوج لے کر آ پہنچے۔ ہسردان کے ساحل پر طرفین میں گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور ترک زک اٹھا کر واپس چلے گئے۔

اب جراح حصن حصین پہنچا۔ مسلمانوں نے بلا مقابلہ قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اور اہل قلعہ سامان لے کر وہاں سے نکل گئے۔

پھر جراح نے بنجر کی طرف پیش قدمی کی۔ یہ ترکوں کا ایک نہایت سنگین و مضبوط قلعہ تھا جس کی مجتمع طاقت پر انھیں ناز تھا۔ ترکوں نے قلعے کے ارد گرد تین سو گاڑیوں کا ایک دائرہ باندھ دیا۔ مسلمان سر بکفت تیروں کی بے پناہ بارش میں گاڑیوں کی طرف بڑھے۔ اور وہاں تک پہنچ کر گاڑیوں کو باہم ملانے والا رستا کاٹ دیا۔ گاڑیاں دھم سے گر کر نیچے آ پڑیں۔ اور مسلمانوں نے پوری قوت سے حملہ کر دیا۔ اہل خزر نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی اور مسلمانوں نے قلعے پر قبضہ کر کے ان گنت دولت سمیٹ لی۔

۵۱۷ء میں جراح نے آگے بڑھ کر علاقہ لان پر دھاوا کیا۔ بہت سے قلعوں پر قابض ہوا۔ کثیر التعداد ترکوں کو قید کیا۔ اور بہت سامان لے کر واپس آیا۔ جراح کی ان مسلسل فتح مند یوں سے ترکوں پر اس کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور ترکستان میں امن بحال ہو گیا۔

یزید نے اپنے بعد اپنے بیٹے ولید کو ولی عہد بنانا چاہا۔ لیکن اس کے ولی عہد می صلاح کاروں نے ولید کی کم سنی کے باعث اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ لہذا اس نے اپنے بھائی ہشام اور اس کے بعد اپنے بیٹے ولید کو ولی عہد نام زد کر دیا۔

۵۲۵ شعبان ۱۰۵ھ کو یزید بن عبد الملک نے مرض سل سے بلقار مضافات دمشق میں ۳۸ سال کی عمر پا کر چار سال ایک مہینہ کچھ دن حکومت کرنے

کے بعد انتقال کیا۔

یزید کے دس بیٹے تھے۔ ولید، محمد، یحییٰ، عمر، عبدالجبار، سلیمان، ابوسلیمان
اولاد داؤد، ہاشم، عوام۔

ہشام بن عبدالملک

۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ

ہشام بن عبدالملک ۷۲ھ میں عائشہ بنت ہشام کے بطن سے پیدا ہوا۔ باپ نے منصور اور ماں نے ہشام نام رکھا۔ لیکن موخر الذکر نام سے مشہور ہوا۔ یزید کی وفات کے وقت ہشام رصافہ میں تھا۔ یہیں خاتم اور عصا اس کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ پھر دمشق آکر سریر آرائے حکومت ہوا۔

ہشام عبدالملک کی طرح صاحب تدبیر اور حوصلہ مند تھا۔ اس کا عہد حکومت داخلی حوادث اور خارجی مہمات کی ہنگامہ خیز جولان گاہ بنا رہا۔

ہشام نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی عمر بن عراق اور خراسان کی مہمات
ہبیرہ کو معزول کر کے خالد بن عبداللہ کو عراق کا

گورنر مقرر کیا۔

ان دنوں مسلم بن سعید والی خراسان ترکوں کے ساتھ جنگ میں مصروف
مسلم بن سعید تھا۔ خالد نے اسے اپنی مہم کے جاری رکھنے کا فرمان بھیجا۔ مسلم
فرغانہ کی طرف بڑھا۔ وہاں اسے خبر ملی کہ خاقان مقابلے کو چلا آ رہا ہے۔ مسلم نے
اسے روکنے کے لئے پیش قدمی کی۔ خاقان کی فوج سے مسلمانوں کی ٹٹھی بھر جماعت کا
سامنا ہو گیا۔ مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ اور مسلم مقابلے کو خلاف مصلحت جان
کر اپنی جمعیت کو نکال لایا۔

آٹھ روز کے سفر کے بعد مسلمان ایک دریا کے کنارے پہنچے۔ دوسری طرف اہل فرغانہ اور شاش عظیمہ زن تھے۔ ادھر صدور فرمان سے مسلم کے لبوں کو جنبش ہوئی۔ ادھر مسلمانوں کی خون آشام تلواریں تڑپ کر میاٹوں سے باہر نکل آئیں۔ مسلمان دریا کو عبور کر کے دوسرے ساحل پر فروکش ہوئے۔ اتنے میں خاقان کا بیٹا دو لاکھ ترکوں کا لشکر جزائر کے مقابلے کے لئے وہاں پہنچ گیا۔ اور مسلمانوں اور ترکوں میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی مسلمانوں کی مٹھی بھر جمعیت نے ترکوں کی ٹڈی ڈل فوج کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اور ترکوں اور سفدوں کے اکثر نامور افسروں کو جن میں خاقان کا بیٹا بھی شامل تھا۔ گاجرمولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے تھک کر چور ہو جانے کے باعث نچندہ میں آکر قیام کیا۔ اور خبر آئی کہ خالد نے مسلم کو معزول کر کے اسد بن عبد اللہ کو والی خراسان مقرر کیا ہے۔ اور عبد الرحمن بن نعیم سالار فوج بنائے گئے ہیں۔

اسد نے ۱۰۷ھ میں غور پر حملہ کیا۔ غوری اپنا سامان ایک غار میں چھپا کر خود گئے۔ اس نے زنجیروں میں صندوق باندھ کر سارا سامان صحیح و سالم نکلوا لیا۔ ۱۰۸ھ میں اسد نے دوبارہ فوج کشی کر کے غوریوں کو نچا دکھایا۔ قبائلی عصیت اسد کی فطرت ثانیہ تھی۔ اس لئے ۱۰۹ھ میں ہشام نے اسے معزول کر کے اشرس بن عبد اللہ سلمی کو والی خراسان مقرر کیا۔

اشرس عالم و فاضل اور دین دار امیر تھا۔ اس نے ابو الصیدار کو تبلیغ اسلام کے لئے سمرقند اور ماوراء النہر روانہ کیا۔ ترک فوج در فوج دین اللہ میں داخل ہونے لگے۔ ذمیوں کے اسلام قبول کر لینے سے جزیے کی آمدنی کم ہو گئی۔ حسین ابن عمرطہ نے اشرس کو کمی جزیہ کی خبر دی۔ اس نے جواب میں تحریر کیا۔ ”جزیہ مسلمانوں کی قوت ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ذمی محبت اسلام کی بنا پر نہیں، بلکہ جزیے کے مخلصی پانے کے لئے مسلمان ہو رہے ہیں۔ تم امتحان کرو۔ جو ذمی ختنہ کرائے۔ اسلامی فراتقص بجالائے۔ اور قرآن مجید کی کوئی سورت بھی حفظ کر لے۔ اس سے تعرض نہ کرو۔ باقی

سب سے جزیہ وصول کرو۔“

نومسلموں نے اس حکم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اور سات ہزار آدمی میدانِ مقابلہ میں اتر آئے۔ بہت سے انصاف پسند مسلمان بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

اشرس کو خبر ملی۔ تو اس نے مجشربن مزاعم کو بھیجا۔ اس نے نومسلموں کے حامی مسلمانوں کو قید کر کے اشرس کے پاس بھیج دیا۔ پھر نومسلم ترکوں سے جبراً جزیہ وصول کر کے ان کے سرداروں کی بے عزتی کی۔

مجشربن مزاعم نے یہ ٹھل کھلایا۔ کہ سمرقند کے نومسلم مرتد ہو گئے اور ترکوں سے طالب امداد ہو کر مسلمانوں کے مقابلے پر میدان میں اتر آئے۔

اس پر اشرس خود مقابلے کو نکلا اور سغدوں اور ترکوں کے ساتھ معرکہ آرائی ہوئی۔ مسلمان شکست کھاتے کھاتے بچے۔

پھر اشرس بیکند پہنچا۔ وہاں ترکوں نے مسلمانوں کا پانی روک دیا۔ آخر مسلمان انتہائی تنگ و دو سے پانی پر قابض ہو کر دشمنوں کو شکست دینے میں کامیاب ہوئے۔ ابھی یہ معرکہ جاری تھا کہ خاقان ساکم ترکستان نے فرغانہ، افشینہ اور نسف کی فوجوں کو ساتھ ملا کر خراسان کی اسلامی نوآبادی کمرجہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے شہر کے دروازے بند کر کے مروانہ و شجاعانہ مدافعت کی۔ اسی دوران میں اسلامی فوجیں فرغانہ پہنچ گئیں۔ خاقان نے کمرجہ کے محصورین کو پیغام بھیجا کہ ”ہم جس شہر کا محاصرہ کرتے ہیں۔ اسے فتح کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم شہر چھوڑ کر نکل جاؤ۔ ہم تم سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔“ مسلمانوں نے جواب دیا۔ کہ ”ہمارا مذہب ہمیں دشمن کی اطاعت قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ تم جو چاہتے ہو کر لو۔“ آخر طرفین میں یہ معاہدہ ہوا۔ کہ ”دونوں فوجیں کمرجہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ پتا پتہ مسلمان کمرجہ کو خیر باد کہہ کر دلو یہ چلے گئے۔“

۱۱۱ھ میں ہشام نے اشرس کو معزول کر کے اس کی جگہ جنید بن عبدالرحمن مری

کو والی خراسان مقرر کیا۔

مسلمانوں میں جنید نے طخارستان پر چڑھائی کی۔ ادھر ترک یہ خبر پا کر بھاری جمعیت کے ساتھ عازم سمرقند ہوئے۔ وہاں کے عامل سورہ بن ابجر نے جنید کو خطرے کی اطلاع دے کر اس سے کمک طلب کی۔

جنید نے بارہ ہزار کی جمعیت سے سمرقند پہنچ کر سورہ کی امداد کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعض تجربہ کار رفقاء نے کہا: ”معالنے کی نزاکت و اہمیت کے پیش نظر پچاس ہزار سے کم فوج کے بغیر معرکہ آرائی مناسب نہیں۔ مزید کمک کا انتظار ضروری ہے“ لیکن جنید نے جواب دیا۔ ”مجھے سورہ کی مدد کے لئے بہت جلد پہنچنا چاہئے“

غرض جنید اتنی ہی جمعیت کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اور سمرقند کے قریب پہنچ کر ایک گھائی میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اتنے میں خاقان بھی اطلاع پا کر ترکوں کے مختلف قبیلوں کی ملٹی دل فوج لئے آپہنچا۔ مسلمانوں کی منٹھی بھر جماعت نے حیرت انگیز بہادری کا ثبوت دے کر کئی دفعہ ترکوں کی قوت توڑ توڑ ڈالی۔ لیکن دو دن کے خونریز معرکے کے بعد مسلمانوں کی صفوں میں کمزوری کے آثار نمودار ہونے لگے۔ جنید نے سورہ بن ابجر عامل سمرقند کو حالات کی اطلاع دے کر امداد طلب کی۔ وہ بارہ ہزار کی کمک لے کر روانہ ہو گیا۔ جنید کے پاس پہنچنے میں صرف ایک کوس کا فاصلہ باقی تھا کہ ترک بیچ میں آدھکے اور راستہ روکنے کے لئے جھاڑیوں میں آگ لگا دی۔

سورہ نے بے تحاشا آگے بڑھ کر جنید سے مل جانا چاہا۔ اور راستے میں حائل ہونے والے ترکوں کو چھپے ہٹا دیا۔ ترک سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن فریقین میں بہت سے افراد لڑائی کے گردوغبار میں چھپ جانے والے شعلوں کی لپٹ میں آ گئے۔ اسی ہلچل میں سورہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اور اس کی ران کی پٹی ٹوٹ گئی۔ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ترکوں نے موقع پا کر اس زور سے حملہ کیا کہ دس ہزار مسلمانوں کا صفایا ہو گیا۔ اور صرف دو ہزار

زندہ بچے۔

یہ ہمت گسل اطلاع پا کر جنید نے سمرقند کی طرف باگ اٹھائی۔ اتنے میں ترکوں کی فوج مقابلے پر آگئی۔ مسلمانوں نے فوراً صفت آرائی کی۔ جنید نے اعلان کر دیا کہ جو غلام اس لڑائی میں کار نمایاں انجام دے گا وہ آزاد ہے۔ یہ روح افزا اعلان سن کر غلام اس طرح جان توڑ کر لڑے کہ ترکوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

اس کے بعد جنید سمرقند میں داخل ہوا۔ اور ہشام کو حالات کی تفصیل لکھ بھیجی۔ اس نے دشمن سے انتقام لینے کے لئے بیس ہزار گئے ٹھننے بہادروں کا لشکر جرار مع سامان جنگ روانہ کیا۔

جنید سمرقند ہی میں تھا کہ اسے خبر ملی۔ خاقان نے بخارا کی طرف پیش قدمی کر دی ہے۔ جنید بھی فی الفور عازم بخارا ہو گیا۔ راستہ نہایت سنگلاخ اور خطرناک تھا لیکن مسلمان احتیاط اور اہتمام کے ساتھ اسے طے کر گئے۔ کرمنیہ کے قریب خاقان کے ایک دستے سے ٹٹ بھیر ہو گئی۔ لیکن مسلمانوں نے ترکوں کے دھس ہلا دئے۔ جنید بخیر و خوبی بخارا میں داخل ہوا۔ اہل بخارا اس امداد پر باغ باغ ہو گئے۔ اور شکرانے میں ہر مسلمان سپاہی کو دس درہم نذر کئے۔

۱۱۶ھ میں ہشام نے جنید کو یزید بن مہلب کی بیٹی سے شادی کے جرم میں معزول کر کے اس کی جگہ عاصم بن عبداللہ ہلالی کو والی خراسان مقرر کیا۔ ادھر عاصم خراسان پہنچا اور ادھر حارث بن شریح نے علم بغاوت بلند کر کے ہزاروں آدمیوں کو کتاب وسنت اور آزادی انتخاب کے نام پر دعوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ پھر حارث نے بلخ، جوزجان، طالقان اور مروا الروذ پر قبضہ کر کے خراسان کے صدر مقام مرو کی طرف پیش قدمی کی۔ عاصم نے اسے شکست فاش دی اور اس کے ان گنت ساتھی مارے گئے۔ بہت سے ڈوب کر مر گئے۔ حارث تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جان بچا کر نکل گیا۔ عاصم نے اس کا تعاقب مناسب خیال نہ کیا۔

اس کے بعد عاصم نے ہشام سے درخواست کی۔

”خراسان میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے ولایت عراق سے
لمحق کر دیا جائے۔ اس صورت میں وہاں ضرورت کے وقت فوجی مدد پہنچنے میں بہت
ہوگی۔ ورنہ مرکز سے دور رہنے کے باعث بغاوت کی آگ بھڑکتی ہی رہے گی۔“
اس درخواست سے عاصم کا مقصد یہ تھا۔ کہ عراق پر بھی اسی کا پرچم اقتدار لہرانے
لگے گا۔ لیکن عاصم کی امیدوں پر اس پر لگتی۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ عراق کے ساتھ
خراسان کا الحاق تو کر دیا گیا ہے۔ مگر اسے معزول کر کے خالد بن عبداللہ قسری والی عراق
کے بھائی اسد کو والی خراسان مقرر کیا گیا ہے۔

عاصم اپنی معزولی کی اطلاع پا کر غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور حارث کے پاس
قاصد بھیج کر اس شرط پر صلح کر لی۔ کہ حارث خراسان میں جہاں چاہے رہے۔ اور
دونوں مل کر ہشام کو کتاب و سنت پر عامل ہونے کی دعوت دیں۔

حارث کی اس صلح کو فوج نے پسند نہ کیا۔ اس لئے اسے مجبوراً حارث سے
جنگ کرنی پڑی۔ حارث نے پھر زک اٹھائی اور مرو الروذ کی راہ لی۔

اس اثنا میں اسد خراسان پہنچ گیا۔ اور عاصم کو گرفتار کر کے اس سے بیت المال
کی ایک لاکھ درہم کی بقایا طلب کی۔

وہ سری دفعہ منہ کی کھانے کے بعد بھی حارث کا زور نہ ٹوٹا۔ اور اس نے پھر
شورش کی آگ بھڑکا کر خراسان کے متعدد شہروں پر تسلط بٹھالیا۔ اسد ہینوں تک
اس سے رزم آرائی کرتا رہا۔ جب کہیں بڑی مشکل سے ۱۱۸ھ میں اس کی اکڑی
ہوئی گردن خم ہوئی۔ اور وہ خراسان سے مفرور ہو کر خاقان کے ساتھ چلا۔

حارث کی باغیانہ تباہی خیز کارروائیوں کو آغوشِ لحد میں لٹا کر ۱۱۹ھ میں اسد
نے ہرم ترکستان پر توجہ مبذول کی۔ اور نخل کے متعدد قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ خاقان
کو خبر ملی تو وہ مقابلے کے لئے آیا۔ جیون کے پار طرفین میں ٹٹ بھڑ ہوئی۔ خاقان
نے زک اٹھائی اور اسد بخارا واپس چلا گیا۔

موسمِ سرا کے اختتام پر خاقان نے پھر بخارا کا رخ کیا۔ لیکن اب کے بھی منہ

کی کھائی۔ اور مسلمانوں نے اس کے بہت سے سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ایک دن خاقان ایک مشہور ترکی سردار کو رسول کے ساتھ چوگان کھیل رہا تھا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ خاقان نے قسم کھائی کہ وہ کو رسول کا ہاتھ توڑ کر رہے گا۔ کو رسول کو خاقان کے اس حلف کی اطلاع ملی۔ تو اس نے چھاپا مار کر خاقان کا سر قلم کر دیا۔

خاقان کے قتل سے ترکوں کا دامن تنظیم تار تار ہو گیا۔ اور ان میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑکتے لگے۔ اس سے قائمہ اٹھا کر اس نے پھر قتل پر دھاوا کر دیا۔ ترک مقابلے کی تاب نہ لا کر قتل کو خیر باد کہنے کے بعد چین چلے گئے۔ اور کو رسول کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

۱۲۰ھ میں اسد نے بلخ میں انتقال کیا۔ اسی سال ہشام نے خالد کو کسی وجہ سے معزول کر کے اس کی جگہ یوسف بن عمر ثقفی عامل یمن کو والی عراق مقرر کیا۔ یوسف نے عراق کی عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی خالد اور اس کے حکام کو قید و بند میں ڈال دیا اور نصر بن سیار کنانی کو خراسان کی ولایت سپرد کی۔

نصر ایک زبردست صاحب تدبیر۔ منصف اور بہادار فسر تھا۔ اس نے مظالم کی تحقیقات کی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ تین ہزار مسلمانوں سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے۔ اور اسی ہزار غیر مسلموں کو جزیہ معاف کر دیا گیا ہے۔ اس نے چند ہی روز میں اس بد نظمی کو ڈور کر دیا۔ پھر اس نے خراج کی بد عنوانی کا انسداد کیا۔ داخلی اصلاحات سے فراغت حاصل کرتے ہی اس نے ترکوں کے علاقوں پر مسلسل حملے شروع کر دیے۔

۱۲۱ھ میں جب نصر تیسری دفعہ جہاد آرا ہوا۔ تو ترکوں کا قائد کو رسول عاصم بن عمرو کے ہاتھ میں قید ہو گیا۔ اور نصر کے روبرو پیش کیا گیا۔ یہ شجاعت کا پیکر اور اسلام کا جانی دشمن بہتر مرتبہ مسلمانوں کے ساتھ لڑ چکا تھا۔ نصر نے اس کا سر قلم کر کے دریا کے کنارے گزر گاہ عام پر آویزاں کر دیا۔

کو رسول کے قتل سے ترکوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور اظہارِ ماتم کے طور پر انھوں نے اپنے کان اور گھوڑوں کی دم کے بال کاٹ ڈالنے۔ اس کے بعد وہ اپنے

مکانوں کو نذر آتش کر کے نکل گئے۔

حارث بن شریح جس نے اس معرکہ میں کورصول کی امداد کی تھی۔ ابھی اپنی باغیانہ کارستانیوں سے باز نہ آیا تھا۔ نصر نے یحییٰ بن حصین کو اس کی سرکوبی کے لئے چاچ روانہ کیا۔ حارث ایک ترک افسر خرم کو ساتھ لئے مقابلے کو نکلا۔ خرم جنگ میں کام آیا۔ اور اہل چاچ کی کمرہمت ٹوٹ گئی۔ حاکم چاچ نے نصر کو صلح کا پیغام بھیجا۔ نصر نے اس شرط سے صلح کی آمادگی ظاہر کی۔ کہ وہ حارث کو چاچ بدر کر دے۔ حارث نے چاچ سے نکل کر فاریاب کی راہ لی۔ اور چند سال مختلف مقامات کی خاک چھاننے کے بعد ۱۲۷ھ میں مسلمانوں سے آملا۔

چاچ کی طرف سے اطمینان حاصل کر کے نصر نے فرغانہ کی جانب پیش قدمی کی۔ وہاں کے حاکم نے صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ اور اس کی ماں نے نصر کے پاس آکر شرائط صلح کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

ترک اب کاروان بے یوسف اور فوج بے سالار ہو جانے کے باعث بساط جنگ کے پٹے ہوئے مہرے بن چکے تھے۔ اور ان کی اجتماعی طاقت کا تار و پود بکھر چکا تھا۔ اس لئے وہ سکون پسند اور عافیت خواہ بن کر زندگی بسر کرنا چاہتے تھے چنانچہ نصر نے تدبیر و مال اندیشی سے کام لے کر ان کے معقول مطالبات منظور کر لئے اور سفدوں اور ترکوں دونوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

آرمینیا اور آذربائیجان کے علاقے بھی برسوں تک مسلمانوں اور ترکوں کی رزم گاہ بنے رہے۔

یہاں کی عنان ولایت جراح بن عبداللہ حکمی کے ہاتھ میں تھی۔ جراح نے بنجر کا علاقہ فتح کیا۔ ۱۳۷ھ میں ہشام نے جراح کو معزول کر کے اس کی جگہ مسلمہ بن عبدالملک کو عامل مقرر کیا۔ مسلمہ کے نائب حارث بن عمر طائی نے ترکوں کے شہر پر شہر مسخر کر کے ان پر اپنی بہادری کا سکہ بٹھا دیا۔

۱۳۸ھ میں مسلمہ نے خود ترکی علاقے کی طرف پیش قدمی کی۔ خاقان ایک لشکر جبار

کے ساتھ مقابلے پر آیا۔ ایک مہینے تک میدان کارزار گرم رہا۔ آخر مسلمانوں نے فتح کا پرچم لہرایا اور خاقان بھاگ گیا۔

۱۱۱۷ء میں ہشام نے جراح کو بحال کر دیا۔ اس نے طلفس کی جانب سے خزر پر چڑھائی کی اور شہر بیضا کو زیر نگین کر کے بہت سامانِ غنیمت لئے ہوئے لوٹ آیا۔ اہل خزر نے علاقہ لان کے ترکوں سے مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ عریج و ابیل میں خونریز لڑائی ہوئی جس میں جراح کام آیا۔

جراح کے مارے جانے سے ترکوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور وہ ترک تاز کرتے ہوئے موصل کے قریب پہنچ گئے۔ جب ہشام کو اس خطرناک اقدام کی اطلاع ملی تو اس نے فی الفور اس کے انسداد کے لئے سعید حرشی کو روانہ کیا۔ اور تمام مسلمان افسروں کو اس کی امداد کے احکام لکھ بھیجے۔ سعید یلغار کرتا اور مسلمانوں کو دعوتِ جہاد دیتا ہوا اردن پہنچا۔ وہاں سے جراح کے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر خلاط کا محاصرہ کرتے ہوئے اسے فتح کیا۔ پھر وہاں سے پیش قدمی کر کے شہر پر شہر اور قلعے پر قلعہ مسخر کرتا ہوا بذرعہ پہنچ گیا۔

وہاں جا کر پتا چلا کہ خاقان کے بیٹے ورثان کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ سعید نے اہل ورثان کو کہلا بھیجا۔ کہ میرا استقلال سے کام لو۔ بہت جلد کمک آ رہی ہے۔ محصور مسلمانوں کی جان میں جان آئی۔ اہل خزر یہ اطلاع پاتے ہی محاصرہ اٹھا کر چلے گئے اور سعید شہر پر قابض ہو گیا۔

اس کے بعد سعید اردبیل گیا۔ پھر باجروان پہنچا۔ وہاں معلوم ہوا کہ قریب ہی اہل خزر کی دس ہزار فوج ڈیرے ڈالے پڑی ہے۔ اور بہت سے مسلمان قیدی بھی ان کے ساتھ ہیں۔ سعید نے چھاپا مار کر ان سب کا صفایا کر دیا۔ اور مسلمان قیدیوں کو مخلصی نصیب ہوئی۔

اس تباہی خیز شکست کے بعد اہل خزر پھر اپنی بکھری ہوئی جمعیت اکٹھی کر کے سعید کے مقابلے پر اٹھے۔ زرد میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔ پہلے تو مسلمان خزر والوں

کے بے پناہ حملے کی تاب نہ لاسکے۔ اور ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ پھر اہل خزر کے مسلمان قیدیوں نے لب فریاد واکرتے ہوئے تکبیر کے نعرے لگائے۔ مسلمان پورے جوش اور ساری قوت سے ایسی جان بازی کے ساتھ لڑے۔ کہ اہل خزر کے پاؤں نہ جم سکے اور انھوں نے راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے ان کے سارے سامان پر بزور قبضہ کر لیا۔ اور مسلمان قیدیوں کو چھڑا لائے۔

اس شرمناک شکست سے ابن خاقان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور وہ اپنے بکھرے ہوئے شیرازہ فوج کو دوبارہ جمع کر کے انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے نکلا۔ دریائے بیلقان پر فریقین کا آمناسا منا ہوا۔ اہل خزر جان توڑ کر لڑے۔ لیکن مسلمانوں نے شدید حملوں سے ان کے پھلے چھڑا دیئے۔ وہ سر پر پاؤں دکھ کر بھاگ گئے۔ اور بہت سے دریا میں غرق ہو گئے۔

سعید نے ہشام کو ان فتوحات کی اطلاع بھیجی۔ اس نے اس شاندار کارنامے پر خوشنودی کا اظہار کیا۔

۳۳ھ میں ہشام نے سعید حرشی کو واپس طلب کر کے اس کی جگہ مسلم بن عبد الملک کو دوبارہ آرمینیہ و آذربائیجان کا والی مقرر کر کے بھیجا۔

مسلم نے خاقان کے علاقے میں اسلامی فوجوں کا جال بچھا دیا۔ اور زبردست معرکے سر کرتے ہوئے شہر پر شہر اور قلعے پر قلعہ فتح کیا۔ بے شمار ترکوں کو قید و بند میں ڈال دیا۔ اور ماورائے بلخ کا سارا علاقہ زیر نگیں کر لیا۔

اسی اثنا میں خاقان کا بیٹا مارا گیا۔ اور جوش انتقام سے خزر کے بچے بچے کاخورد کھولنے لگا۔ وہ دوسرے قبائل کو ساتھ ملا کر گرجتے ہوئے بادلوں کی طرح مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اٹھ آئے۔ مسلم اس وقت بلخ سے آگے بڑھ چکا تھا۔ اور اپنے آپ پر ترکوں کے ٹڈی دل سے مقابلے کی طاقت نہ دیکھ کر آٹا فانا باب الابواب لوٹ آیا۔ ۳۴ھ میں ہشام نے مسلم کی اس مصالحت بینی کو کمزوری پر محمول کرتے ہوئے اسے واپس بلا لیا۔ اور اس کی جگہ مروان بن محمد کا تقرر عمل میں لایا گیا۔

مروان بن محمد نے ایک لاکھ بیس ہزار کے لشکر جزائر کے ساتھ خزر پر حملہ کیا۔ اور اس کے گوشے گوشے کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ بے شمار شہر مسخر اور قلعے سر کیے۔ اور سریر۔ ارز۔ کیوان۔ تونان۔ سفدان۔ حمزین۔ شروان اور لکڑ کے حاکموں سے عہدِ اطاعت لے کر خراج مقرر کیا۔

غرض مروان بن محمد نے آرمینیا اور آذربائیجان کے چپے چپے پر سلامی شان و شکوہ اور جہاں و جلال کا سکہ بٹھادیا۔ اور بحیرہ خزر کے تمام ساحلی شہروں پر مسلمانوں کا پرچم اقتدار لہرانے لگا۔

یہ سرزمین ایک مستقل محاذِ جنگ تھی۔ تقریباً ہر سال اس پر حملے ہوتے تھے۔ چنانچہ یہاں بھی متعدد علاقوں پر قبضہ کیا گیا۔ ۱۰۵ھ میں مروان نے کخ اور قونیہ کو زیرِ نگیں کیا۔ ۱۰۸ھ میں مسلم بن عبد الملک نے قیساریہ فتح کیا۔ ۱۰۹ھ میں معاویہ بن ہشام نے طیبہ۔ ۱۱۰ھ میں صلح اور ۱۱۲ھ میں خرشدہ پر تسلط بٹھایا۔ اور ۱۱۳ھ میں مسلم بن ہشام نے مسطورہ پر فتح کا جھنڈا نصب کیا۔

ہشام کے عہد میں مہات سندھ کا رڈ کا ہوا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔

سندھ کی فتوحات

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ۱۰۸ھ میں سندھ کی زمام حکومت جنید بن عبدالرحمن کے ہاتھ میں دی گئی تھی۔ اس نے یہاں آکر دریائے سندھ کے ساحلی علاقے کو حملوں کی جولاں گاہ قرار دیا۔

یہ علاقہ راجہ داہر کے بیٹے جے سنگھ کے زیرِ نگیں تھا۔ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور انھوں نے اس کی حکومت سے کوئی تعرض نہ کیا تھا۔ جنید اور جے سنگھ میں معاہدہ قرار پایا۔ لیکن جے سنگھ کسی وجہ سے بدگمان ہو کر مرتد ہو گیا۔ اور جنید کے مقابلے کو نکل آیا۔ جنید نے اسے گرفتار کر کے اس کا سر قلم کر دیا۔

اب جنید نے کیرج کی بغاوت فرو کرنے کے لیے اس کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد مارواڑ۔ مانڈل۔ دھنج۔ بھروچ۔ اجین۔ مالوہ۔ بھیل مان اور گجرات کو فتح کیا۔

۱۱۱۱ء میں والی خراسان کی حیثیت سے جنید کا تقرر عمل میں آیا۔ اور تیم داری نے اس کے عہدے کا جائزہ لیا۔ تیم نے اپنی کمزوری اور نالائقی سے سندھ میں مسلمانوں کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ اور جگہ جگہ بغاوت پھوٹ پڑی۔ سندھیوں نے قوت و اقتدار کے نشے میں چور ہو کر وہ ادھم مچائی کہ وہاں کے مستوطن مسلمانوں کو ہجرت کرنی پڑی۔ تیم سندھ کو خیر باد کہہ کر عازم عراق ہو گیا۔ لیکن راستے ہی میں وفات پا گیا۔

اس کے بعد ایک صاحب تدبیر سردار حکم بن عوانہ کو سندھ بھیجا گیا۔ اس نے سب سے پہلے دریائے سندھ کی مشرقی جانب ایک شہر "محموظ" کی بنا ڈالی۔ پھر عمرو بن محمد بن قاسم کی امداد سے بغاوتوں کو فرو کر کے از سر نو حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور شہر مقصورہ آباد کیا۔

حکم کا تقرر خالد بن عبداللہ قسری کے فرمان سے ہوا تھا۔ اس لئے خالد کے جانشین اور مخالف یوسف بن عمرو ثقفی نے اس کے ماتحتوں کے ساتھ تشدد شروع کر دیا۔ حکم نے اس خطرے کی بنا پر یوسف کو خوش کرنے کی غرض سے سندھ کے غیر مقبوضہ علاقوں کو زیر نگین کرنے کے لئے جاں سپارانہ جدوجہد سے کام لیا۔ اور ایک جنگ میں مارا گیا۔

حکم کے بعد سندھ کی حکومت عمرو بن محمد بن قاسم کو ملی۔ اور اس نے اپنے حریف ابن عرار کو قید و بند میں ڈال دیا۔

ایک ہندو راجہ نے ان دونوں مسلمان سرداروں کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر مقصورہ کا محاصرہ کر لیا۔ عمرو نے یوسف سے کمک طلب کی۔ تو اس نے فی الفور

چار ہزار مجاہدین کی فوج روانہ کر دی۔ راجا اس لشکر کو دیکھتے ہی محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ عمرو نے اس کا تعاقب کر کے اس کی بہت سی فوج کا صفایا کر دیا۔ لیکن وہ خود ہاتھ نہ آسکا۔ اس موقع پر ایک سردار مروان بن یزید نے علم بغاوت بلند کیا۔ لیکن عمرو نے اس کی جمعیت کا زور توڑ کر اسے ٹھکانے لگا دیا۔ اس کے بعد بھی سندھ میں معمولی بہاوت جاری رہی۔

تیسری فرانس کی کوشش | مسلمانوں نے اندلس کو زیر نگین کرنے کے بعد ہی فرانس پر پرچم فتح لہرانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن سب سے بڑا حملہ ہشام کے عہد میں کیا۔

پہلی کوشش | اوپر ذکر آچکا ہے کہ عہد ولید ہی میں مسلمان خطہ فرانس میں اربونہ اور حصن لوڈون تک جا پہنچے تھے۔ لیکن قارل نے یہ پیش قدمی روک دی تھی۔ پھر ایک مدت تک کسی حاکم نے ادھر متوجہ ہونے کا خیال نہ کیا۔ **دوسرا حملہ** | ۷۳۱ء میں امیر سج بن مالک خولانی والی اندلس نے زبردست تیاریوں سے فرانس پر حملہ کیا۔ اور جبل البرانس کے پار ریاست نارمن کا محاصرہ کیا۔ لیکن وہاں کے لوگوں نے سیر اطاعت ختم کر دیا۔

پھر اس نے ڈیوک آف ایکی ٹین کی سلطنت کی جانب پیش قدمی کر کے اس کے صدر مقام طلوشہ (ٹولوس) کا محاصرہ کیا۔ طرفین میں گھسان کا رن پڑا۔ جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اور امیر سج کے جاہم شہادت نوش کرنے پر امیر عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی بقیۃ السیف مسلمانوں کو بچا کر نکال لائے۔

تیسرا حملہ | اب اندلس کی عنان حکومت امیر غلبہ بن یحییٰ کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے ۷۳۱ء میں قریشونہ (کرکسون) کا محاصرہ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے قریشونہ کا نصف علاقہ اور جزیرہ دے کر صلح کر لی۔ اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سٹی مینیا نے گردن اطاعت ختم کر دی۔ پھر غلبہ نے اندرونی فرانس کی جانب پیش قدمی کی۔ اور وادی رہون کے

چپے چپے کو روند کر لیا۔ پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں برگنڈی پر چڑھائی کر کے شہراوٹن کی اینٹ سے اینٹ بجا ڈالی۔ آگے چل کر عیسائی دستوں سے مٹ بھیڑ ہو گئی۔ جس میں عنبسہ نے داد شجاعت دے کر جام شہادت نوش کیا۔
عنبسہ کے بعد یحییٰ - عثمان - حذیفہ - ہشیم اور محمد کا تقرر عمل میں آیا۔ ہشیم نے مقوشہ پر قبضہ کیا۔

۱۱۳ھ میں امیر عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی والی اندلس مقرر ہوا۔ اس نے تدبیر اور ہمت سے ملک بھر میں ضبط و نظم کی خوشگوار فقہ

چوتھا حملہ

پیدا کر دی۔ پھر مہم فرانس سے عہدہ برآ ہونے کا عزم کیا۔ اور پر جوش مجاہدین کے ہمراہ ۱۱۳ھ میں شاندار تیاریوں کے ساتھ فرانس پر فوج کشی کی۔ سرحد پر پہنچتے ہی امیر عثمان بن ابی نعسہ کی بغاوت سے دوچار ہونا پڑا۔ عثمان ڈیوک آف ایکیٹین کو ساتھ ملا کر مقابلے کے لیے آیا۔ لیکن ابن ریان کے ہاتھ سے مارا گیا۔

اس کے بعد غازیان اسلام نے فرانس کے میدانی علاقے کا رخ کیا۔ جنوبی فرانس کے تمام جنگ جو اُمر صفت آرا ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کے طوفان بلا کے آگے تنکوں کی طرح بہ گئے۔ مجاہدین بورڈیو پہنچ کر اسے فتح کرنے کے بعد ڈیوک کے ذخیرہ ساز و سامان پر قابض ہو گئے۔

اب مسلمانوں نے شمال کی جانب پیش قدمی کی۔ ڈیوک کے آدمی راستے میں حائل ہوئے۔ لیکن انھوں نے منہ کی کھائی۔ پھر شجاعان اسلام نے پائی گیرس کو زیر نگین کر کے ٹورس کی راہ لی۔

ڈیوک خطرے سے پریشان ہو کر چارلس ماٹل سے طالب امداد ہوا۔ چارلس اپنی فوجی امداد پیش کرنے کے علاوہ ملک بھر کے بہادر اُمر کو میدان میں لے آیا۔ اور ٹورس کے قریب مقابلہ ہوا۔

ادھر جرمنی - فرانس - پرتگال وغیرہ کی ٹڈی دل فوجیں تھیں۔ اور ادھر پر دیسی اور

بے برگ و ساز عربوں کی ٹٹھی بھر جماعت۔ اس کے باوجود چارلس کو پہل کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور امیر عبدالرحمن نے انتظار سے تھک کر ہتھ بول دیا۔ دو دن تک آگ اور خون کا موسلا دھار میدان برستارہا۔ اور برابر فریقین کے پاؤں جھے رہے لیکن پھر اچانک ڈیوک ایک تازہ دم لشکر لئے نمودار ہوا۔ اور ایسا بے پناہ حملہ کیا کہ تھکے ہوئے مسلمانوں کی مختصر جمعیت کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ اہل فرانس نے مسلمانوں کی کمزوری بھانپ کر سردھڑکی بازی لگا دی۔ امیر عبدالرحمن حریف کی صفوں کو چیر کر کشتوں کے پتے لگاتے ہوئے بہت دؤر نکل گئے۔ اور لڑتے لڑتے بے شمار زخموں سے بڈھال ہو کر شہید ہو گئے۔ سالار کی شہادت سے اسلامی فوج کی کمرہمت ٹوٹ گئی۔ اور وہ رات کے وقت وقفہ التوا میں جنگ سے ہاتھ اٹھا کر پس پا ہو گئے۔

آخری حملہ عبید اللہ بن حجاب والی افریقہ کو مسلمانوں کی اس ناکامی کا علم ہوا۔ تو اس نے امیر عبدالملک بن قطن کو اندلس کا عامل مقرر کیا۔ اس نے جوش انتقام سے لبریز ہو کر پھر فرانس پر چڑھائی کی۔ لیکن موسم برشکال کی ناسازگاری نے مسلمانوں کو بھاری نقصان پہنچایا۔ ابن حجاب نے عبدالملک کو اس کی غیر مال اندیشی اور تشدد کے باعث معزول کر کے ۱۱۶ھ میں عقبہ بن حجاج کو اندلس کا حاکم مقرر کیا۔

شمالی افریقہ اور اندلس عقبہ نے دانائی اور حسن انتظام سے کام لے کر ہر اعتبار سے اندلس کو ترقی دی۔ اور جس سرزمین میں گونا گوں خرابیوں کے باعث جہنم کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اب ضبط و نظم کی روح پرور اصلاحات سے جنت کے پھول برسنے لگے۔

اس کے بعد عقبہ نے یلغار پر مکر باہمی۔ اور بلبلونہ۔ البہ (ابویا) اور جلیقیہ (غلیسہ) کو زیر نگین کر کے فرانس میں اربونہ تک پیش قدمی کی۔

سودان پر فوج کشی ابن حجاب نے اپنے مقبوضات میں جدید انتظامات کرنے

کے بعدڑکی ہوئی مہات پھر شروع کر دیں۔ چنانچہ طنجہ کی زمام اقتدار عمر بن عبداللہ مرادی کے ہاتھ میں دی۔ مغرب کی مہم حبیب بن ابی عبیدہ کے سپرد کی۔ اس نے سوس اقصیٰ اور سودان پر حملہ کر کے انھیں فتح کیا۔ اور کثیر المقدار سونا غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔

سردانیہ پر فوج کشی | بحیرہ روم کی ملتوی مہات کا بھی آغاز کیا گیا۔ چنانچہ حبیب نے جزیرہ سردانیہ پر فوج کشی کر کے اسے

زیر نگیں کر لیا۔

۱۲۲ھ میں حبیب نے صقلیہ پر فوج کشی کی۔ اور اس کے جانناز بیٹے عبدالرحمن نے رومیوں کو ناک چنے چہو کر صقلیہ کے صدر مقام سرقوسہ کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر نے مجبوراً مطاعت ختم کیا۔

بربریوں کی بغاوت | اسی دوران میں بربریوں نے شمالی افریقہ میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس لئے حبیب واپس بلائے گئے۔ بغاوت کی وجہ سے

بربریوں اور عربوں میں قدیم نفرت تھی۔ اور اسی نفرت کی بنا پر عمر بن عبداللہ مرادی حاکم طنجہ عام بربریوں سے اچھا سلوک نہ کرتا تھا۔ اس نے نو مسلم بربریوں سے بھی خمس وصول کرنا چاہا۔ لہذا انھوں نے بھی اس کی مخالفت پر مکر باندھ لی۔ ان دنوں اسلامی فوجیں سسلی میں داد شجاعت دے رہی تھیں۔ اس لیے بربریوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کی آگ بھڑکادی۔

خارجی بھی ہوا کا رخ دیکھ کر بربریوں سے مل گئے۔ اور ان دونوں نے ایک ہو کر میسرہ و خارجی کے زیر قیادت طنجہ پر چڑھائی کر دی۔ طنجہ کا حاکم کمزوری کے باعث مقابلہ کی تاب نہ لاسکا۔ بربریوں نے اسے تہ تیغ کر کے طنجہ پر دست تصرف دراز کیا۔ بس پھر کیا تھا۔ بربریوں کی بن آئی۔ انھوں نے عربوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا۔ طنجہ میں بغاوت کی خبر شمالی افریقہ کے گوشے گوشے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ہر جگہ بربریوں نے شورش و بغاوت کے جھنڈے گاڑ کر طوفان برپا کر دیا۔ اور افسروں کو نکال

کر شہروں پر قابض ہو گئے۔

بربریوں کی بغاوت و کامرانی اور عربوں کی شکست و ہلاکت کی اطلاع اندلس پہنچی تو وہاں کے بربریوں نے بھی بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔ ہشام کو خبر ہوئی۔ تو اس نے ابن حجاب کو معزول کر دیا۔ اور کلثوم بن عیاض قسری کو تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ والی افریقہ مقرر کر کے بھیجا۔ کلثوم راستے کے علاقوں کی فوجیں بھی ساتھ لیتا ہوا قیروان پہنچا۔ یہاں آکر مجاہدین اسلام کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ گئی۔

بربریوں کو حریف کی ان تیاریوں کا علم ہوا۔ تو انہوں نے بھی طنجہ میں اپنا ان گنت لشکر جمع کر لیا۔ کلثوم نے قیروان سے طنجہ کی جانب پیش قدمی کی۔ بقدرہ میں فریقین کا آمنہ سامنا ہوا۔ اگرچہ شامیوں نے حیرت انگیز شجاعت سے مقابلہ کیا۔ لیکن بربریوں کی ٹڈی دل فوج کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ اور بھاری شکست کھا کر پس پا ہو گئے۔ کلثوم۔ حبیب وغیرہ بڑے بڑے سردار شہید ہو گئے۔ ایک تہائی فوج تلف ہو گئی۔ بہت سے گرفتار ہوئے۔ افریقہ کے عرب قیروان چلے گئے۔ اور بلج بن بشر نے اندلس جانے کے لئے سبتہ کی راہ لی۔

اس اثنا میں اندلس کی سرزمین بھی شورش و انقلاب کی جولان گاہ بن گئی۔ جس پر آگے چل کر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔

ہشام کو اس قیامت خیز انقلاب کی خبر ملی۔ تو وہ جوش غضب سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور بربریوں کا نام و نشان تک مٹا دینے کے لئے اپنی تمام قوتیں صرف کر دینے کی قسم کھالی۔ چنانچہ حنظلہ بن صفوان کلبی کو تیس ہزار گنے چنے سرفروش غازیوں کے ساتھ افریقہ بھیجا۔ اور ابو الخطاب کو والی اندلس مقرر کیا۔

افریقہ میں بربری پیشوا شورش کی آگ کو ہوا دینے میں مصروف تھے۔ چنانچہ ادھر حنظلہ قیروان پہنچا۔ اور ادھر انہوں نے دو مختلف طرفوں سے عکاشہ اور عبدالواحد کے زیر سرکردگی قیروان پر حملہ بھی کر دیا۔ پہلے عکاشہ سے منٹ بھیڑ ہوئی۔ حنظلہ نے اس کے چھلکے چھڑا دیے۔ اور ان گنت بربری فتنائے گھاٹ اتر گئے۔ پھر

عبدالواحد سے ٹکر لینے کے لئے چالیس ہزار کاشکرہ جزار بھیج دیا۔ عبدالواحد تین لاکھ بربریوں کی کمان کر رہا تھا۔ شامی فوج انسانوں کے اس ٹھاٹھیں مارنے والے سمندر کے بلاخیز طوفان سے عہدہ برآ نہ ہو سکی اور پس پا ہو گئی۔

جب قیروان کے عربوں نے اپنے آپ کو سخت خطرے میں دیکھا۔ تو جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ اور سر بکف و کفن بدوش میدان میں نکل آئے۔ علما اور خواتین کے جوش اور غیرت دلانے سے عرب مجاہدین تخت یا تختے کو مقصد زندگی قرار دے کر اس طرح جان توڑ کر لڑے کہ برق شمشیر کی آتش فشانی سے بربریوں کے ٹڈیوں کا انسانی پہاڑ پھٹ گیا۔ اور غازیان اسلام کے فلک پیمانہ ہائے تکبیر سے ان کی صفوں میں لرزہ آگیا۔ بربریوں کو شکست فاش ہوئی۔ اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ عربوں نے پھر بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور انھیں چن چن کر قتل کر کے میدان جنگ کو لاشوں کا شہر بنا دیا۔ بربریوں کے مقتولین کی تعداد دو لاکھ کے قریب پہنچ گئی اور شمالی افریقہ میں ان کی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا۔

اندلس کے واقعات | بربریان افریقہ کی شورش انگیزی سے مطلع ہو کر اندلس کے بربریوں نے بھی علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور اپنے

موجودہ حاکم عقبہ بن حجاج کو ملک بدر کر کے سابق معزول حاکم عبدالملک بن قطن کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

عبدالملک مغربی عرب تھا اور عقبہ بن حجاج کا مخالف ہونے کے علاوہ شامیوں سے جو زیادہ تر یعنی عربوں پر مشتمل تھے۔ تعصب رکھتا تھا۔ اس بنا پر اس نے بربریوں کا رہنا بننا منظور کر لیا تھا۔

اندلس کے بربریوں نے عربوں کے خلاف جوش غضب میں سانپ کی طرح بل کھا کر انھیں گاجر مولیٰ کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ عربوں نے وسط اندلس میں جمع ہو کر اپنے مرکز مدافعت بنا لیا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کلثوم بن عیاض کے کام آنے کے بعد بلج بن بشر

اندلس جانے کے لئے سببتہ کی راہ لی تھی۔ لیکن آبنائے جبل الطارق سے پار ہو جانے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس لئے وہ اندلس نہ جا سکا۔ اور مجبوراً سببتہ ہی میں اقامت اختیار کی۔ دس ہزار مجاہدین اس کے ہمراہ تھے۔ لہذا چند ہی روز میں سامانِ رسد ختم ہو جانے پر شامی سپاہ کی جان کے لالے پڑ گئے۔ بلج نے چارو ناچار عبدالملک سے استمداد کی۔ کہ وہ کسی نہ کسی طرح اسے اندلس پہنچا دے۔ لیکن اس نے شامیوں اور یمنیوں سے اختلاف و تعصب کے جوش میں کورا جواب دے دیا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بلج اور اس کے ساتھی بار برداری کے جانور اور گھاس پھوس تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔

ایک روایت ہے کہ جب بلج کو سببتہ میں موت و ہلاکت کا دیومرہ کھولے نظر آیا۔ تو اس نے چمڑے کے ڈونگے بنائے۔ اور بعض تجارتی کشتیاں چھین کر فوج کی معیت میں اندلس پہنچ گیا۔ ساحل پر عبدالملک نے مزاحمت کی۔ لیکن بلج نے اسے نیچا دکھا کر گرفتار کرنے کے بعد نذر دار و رسن کر دیا۔ اور اندلس کے دار الخلافہ قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔

عبدالملک کے ایک ماتحت سردار عبدالرحمن بن علقمہ حاکم باربونہ نے جوش انتقام میں دیوانہ ہو کر بلج پر وار کیا۔ بلج نے اس کی دس ہزار جمعیت کے پرچے اڑا دیئے۔ اور اس کا بازوئے قوت شل کر دیا۔ اسی دوران میں اچانک عبدالرحمن کا ایک تیر بلج کے لئے خدنگ قضا ثابت ہوا۔ اس کے بعد شامی فوج ثعلبہ بن سلامہ کے زیرِ علم جمع ہو گئی۔ اور بربریان اندلس کے ساتھ جنگ کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اسی اثنا میں ابوالخطار وارد اندلس ہوا۔

ہشام کے عہد میں بعض مقامات پر خارجیوں نے بھی فتنہ برپا کیا۔ لیکن خارجی | یہ آگ جلد ہی بجھا دی گئی۔ ۱۱۱ھ میں چند خارجیوں نے یزید بن عمریف ہمدانی عامل سستان کو کھلے بندوں قتل کر دیا۔ خالد بن عبداللہ فرماں روائے عراق نے اصغ بن عبداللہ کلبی کو ایک مختصر جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ

کیا۔ لیکن وہ خود مع دستہ فوج نارا گیا۔ ۱۱۹ھ میں کوفہ کے پاس پہلوں خارجی نے سزا اٹھایا۔ لیکن موصل میں اس کا سر کچل دیا گیا۔
 پھر عمرو الیشکری۔ بختری۔ وزیر سختیانی اور صحاری نے کچھ کچھ وقفوں کے بعد خروج کیا۔ لیکن سب کے سب تلوار کے گھاٹ اُتار دئے گئے۔

زید بن علی کی شہادت | بنی ہاشم خلافت کے باب میں بنی امیہ کے دیرینہ حریف تھے۔ لیکن کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جو

زہر گداز سلوک ہوا۔ اس نے مدت تک بنی ہاشم کو خاموش رکھا۔ البتہ حضرت امام زین العابدینؑ کے صاحب زادے زید بن علیؑ کے دل میں حصولِ خلافت کی آرزو موجود تھی۔ جو کبھی کبھی زبان پر بھی آجاتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت زید کو اپنے ایک خاندانی وقف کے قصبے کے سلسلے میں ہشام کے پاس دمشق جانا پڑا۔ وہ کہنے لگا۔ "تم کینز زادہ ہو کر خلافت کے آرزو مند ہو؟" زید نے جواب میں فرمایا۔ "تم میری ماں کو کینز سمجھ کر اس کا رتبہ کم کرتے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ کہ حضرت اسمعیلؑ ایک کینز کے بطن سے تھے۔ اور ان کے بھائی حضرت اسحاقؑ وغیرہ آزاد عورت کے بطن سے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بھائیوں سے بلند تر درجہ دیا۔ حضرت اسمعیلؑ کو پیغمبری عطا فرمائی۔ اور ان کی اولاد پر رسول اللہ صلعم پیدا ہوئے۔ اس سے زیادہ کسی شخص کی کیا عزت ہو سکتی ہے۔ کہ اس کے نانا رسول اللہ صلعم ہوں۔ اور باپ حضرت علیؑ! ایسی باتیں کہتے ہوئے اللہ سے ڈرا کرو۔" ہشام بولا۔ "تم جیسا شخص مجھے اللہ سے ڈراتا ہے؟" زید نے کہا۔ "نہ کوئی شخص اتنا چھوٹا ہے۔ کہ اللہ کے خوف سے ڈرانے لگے۔ اور نہ اتنا بڑا کہ وہ اسے سن نہ سکے۔"

اس بات جیت کے بعد ہشام نے انہیں تحقیقاتِ قضیہ کے سلسلے میں یوسف بن عمرو والی عراق کے پاس کوفہ روانہ کر دیا۔
 زید بن علیؑ کوفہ پہنچے۔ تو وہاں کے لوگ خفیہ طور پر ان سے ملنے اور اپنی وفاداری

حمایت کا یقین دلا کر انھیں خلافت کے دعوے پر برا بھلا کرنے لگے۔ جب وہ مدینہ واپس جانے لگے۔ تو کوفیوں نے ان کے پاس جا کر کہا۔ ”آپ کہاں جلتے ہیں۔ ہماری ایک لاکھ تلواریں آپ کی حمایت میں میانوں کے اندر تڑپ رہی ہیں۔ عراق میں بنی امیہ آٹے میں نمک ہیں۔ ہمارا ایک ہی قبیلہ انھیں تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔“ زید نے جواب میں کہا۔ ”تم وہی لوگ ہو۔ جنھوں نے میرے دادا حسینؑ کے ساتھ غداری کی۔ پھر مجھے تم پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے۔“ کوفیوں نے حلف اٹھا اٹھا کر یقین دلایا۔ کہ ہم آپ پر اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ اور بنی امیہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔“

زید نے اپنے عم زاد بھائی ابو جعفر سے مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا۔ ”آپ کوفیوں پر ہرگز اعتماد نہ کیجئے۔ انھوں نے ہمارے باپ اور دادا کو دھوکا دیا۔“ لیکن زید آخر کوفیوں کے دام تزیور میں آگئے۔ ڈیڑھ ہزار کوفیوں نے خفیہ طور سے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور حکومت کے خلاف خروج کرنے کے لئے ایک تاریخ بھی مقرر کر دی گئی۔

جب کوفی مقررہ تاریخ پر بنی امیہ کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے۔ تو یوسف بن عمرو الی کوفہ ایک زبردست لشکر لے کر مقابلے کے لئے آ گیا۔ ایک ہی جھڑپ میں کوفیوں کے پائے ثبات میں لغزش پیدا ہو گئی۔ اور وہ زید کو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ صرف دو سو اٹھارہ آدمی ان کے ساتھ رہ گئے۔ اگرچہ یہ مٹھی بھر جماعت نہایت بے جگری سے لڑی اور جان پر کھیل کر حریف کا مقابلہ کیا۔ لیکن آخر بے دم ہو کر شکست کھائی۔ جنگ کے دوران میں ایک تیز زینڈ کی پیشانی پر لگا جس کے نکلنے ہی روح بھی بدن سے نکل گئی۔ ساتھیوں نے ان کی نعش کوفہ ہی میں دفن کر کے یوسف کے ڈر سے قبر کو زمین کے برابر کر دیا۔ لیکن اس نے سراخ لگا کر نعش کو قبر سے نکلوانے کے بعد سولی پر آویزاں کر دیا۔

زینڈ کی شہادت کے بعد ان کے پیروؤں کی ایک مستقل جماعت پیدا ہو گئی۔ جو

زید یہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ فرقہ اب بھی یمن وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

بنی عباس کی دعوت

یوں تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ہی کے عہد سے بنی عباس کی دعوت کا آغاز ہو گیا تھا۔ لیکن اس

نے وسیع اور منظم صورت ہشام کے عہد میں اختیار کی۔

حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کے علاوہ ان کے غیر فاطمی فرزند محمد بن حنفیہ اور حضرت عباس بن ابی طالب کے دو گھرانے بھی خلافت کے دعوے دار تھے۔

عبدالملک کے عہد میں مختار ثقفی اور بعض شیعیاں علیؓ نے حضرت امام زین العابدینؓ کے انکار کے بعد محمد بن حنفیہ کو منصبِ امامت پر متمکن کیا تھا۔ اگرچہ بعد میں محمد بن حنفیہ نے عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ لیکن ان کے حامی انھیں کو امام تسلیم کرتے رہے۔ ان کے بعد ان کے صاحب زادہ ابو ہاشم عبداللہ کو ان کا جانشین تجویز کیا گیا۔

اگرچہ حضرت عباس عم رسول اللہ صلم اور آپ کے فرزند حضرت عبداللہ بن عباس نے کبھی خلافت کی خواہش نہ کی۔ لیکن حضرت عباس کے نبیرہ علی بن عباس کے دل میں یہ آرزو تھی۔ یہ ایک گاؤں حمیمہ میں سکونت پذیر تھے۔

سنہ ۶۸۰ میں ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ سلیمان بن عبدالملک سے ملنے کے لئے دمشق گئے۔ سلیمان نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی۔ اور انھیں فائز المرام کرنے کے بعد اعزاز و اکرام سے رخصت کیا۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ امامت کے خطر کی بنا پر انھیں دمشق سے نکل جانے کے بعد زہر دیا۔ ابو ہاشم حمیمہ میں علی بن عبداللہ بن عباس کے یہاں اتر گئے۔ انتقال سے پہلے ان کے فرزند محمد کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور اپنے حامیوں کو ان کی تائید و حمایت کرنے کی وصیت کی۔ ابو ہاشم کی وصیت سے محمد بن علی کو بڑی تقویت پہنچی۔ محمد بن حنفیہ کے اتباع جو عراق و خراسان میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور امامت منصب علویوں سے عباسیوں میں منتقل ہو گیا۔

محمد بن علی نے تحریک امامت کا ایک مکمل نظام قائم کیا۔ اور اس کے اصول و قواعد مرتب کئے۔ کوفہ اور خراسان کو تحریک کا مرکز بنایا گیا۔

سردبیر و مستعد داعیوں کی ایک مجلس عمومی مقرر کی گئی جس نے تحریک کی اشاعت کے لئے ایک دانش مندانہ اور خفیہ طریق کار تجویز کیا۔

غرض بنی امیہ کی حکومت کو تہ و بالا کرنے کے لئے یہ تحریک نہایت پوشیدہ طور پر زور شور سے جاری کر دی گئی۔ بنی عباس کے داعی مختلف بھیسوں میں عراق اور خراسان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ اور بنی امیہ کے مظالم اور بنی عباس کے حقوق کی تشہیر اور اعلان شروع کر دیا۔ کبھی کبھی اس دعوت کا راز فاش بھی ہو جاتا تھا۔ اور داعی فنا کے گھاٹ اتار دئے جاتے تھے۔ لیکن اس سے تحریک کی رفتار تبلیغ و اشاعت پر کوئی مضر اثر نہ پڑتا تھا۔ کیونکہ ایک کے قتل کے بعد دوسرا فوراً اس کی جگہ لے لیتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے عہد میں ہشام کے زمانے تک متواتر خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔ اور بہت سے عراقیوں اور خراسانیوں نے اس میں سرگرم حصہ لیا۔ مشہور عباسی داعی ابو مسلم خراسانی اسی زمانے میں شریک دعوت ہوا۔

ہشام نے ہر چند اس تحریک کو فنا کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن اس وقت یہ دعوت دُور دراز مقامات میں مستقل طور پر جڑ پکڑ چکی تھی۔ اس لئے ہشام کو ناکامی ہوئی۔ اور اسی دوران میں اسے پیغامِ اجل آگیا۔

۶ ربیع الآخر ۱۲۵ھ کو ہشام بن عبدالملک نے بیچن سال کی عمر میں وفات پائی۔ انیس سال نو مہینے خلافت کرنے کے بعد صافہ میں مرض خناق سے وفات پائی۔

سیرت ہشام بن عبدالملک | ہشام بنی امیہ کے ان تین بہت بڑے خلفا میں تھا۔ جن پر سیاست اور تدبیر ختم ہو گیا۔ پہلے حضرت امیر معاویہؓ تھے۔ جنہوں نے اموی حکومت کی بنیادیں استوار کیں۔

دوسرا عبدالملک تھا۔ جس نے اس کے درو دیوار اور سقفت و بام کو پختہ و مستحکم کیا تیسرا یہ خود تھا۔ جس نے اس کے عظیم الشان قصر شکوہ و تجمل کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔

مسعودی لکھتا ہے کہ "بڑا وسیع النظر۔ ناظم۔ جزورس۔ روشن دماغ اور باتدبیر تھا۔ تمام امور سلطنت اپنے ہاتھ سے انجام دیتا تھا۔ حکومت کی ادنیٰ سے ادنیٰ بات بھی اس کی نظروں سے چھپی نہ رہتی تھی۔ علم اور برداشت اس کے ماہر الامتياز محاسن تھے ابن طقطقی کا بیان ہے۔ کہ "وہ بڑا دانش مند۔ عليم الفطرت اور صالح تھا۔" جادو و سحر پر چڑھ کے بولے۔ عبداللہ بن علی عباسی کہتا ہے۔ "میں نے تمام خلفائے بنی امیہ کے دفتروں کی پرتال کی۔ مگر ہشام کے دفاتر بہترین پائے۔" مدائنی کا قول ہے کہ "بنی امیہ کا کوئی خلیفہ ہشام سے زیادہ حکومت کے عاملوں اور دفتروں کا نگران نہ تھا۔"

ہشام کے زریں کارنامے زبان حال سے ان بیانات کی صداقت کی شہادت دے رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اس نے بیس سال کے طویل عہد حکومت میں سلطنت امویہ کے ستارہ اقبال کو ہم دوش ثریا کر دیا۔ سیاسی پہلو کے علاوہ تعمیر و نظم کے اعتبار سے بھی اس کا عہد کامرانی سے ہم آغوش تھا۔

اس نے غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے لئے غیر آباد زمینوں کی آبادی | خاص توجہ سے کام لیا۔ چنانچہ اس کے عہد میں بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔

بیت المال کی درستی | بیت المال کا انتظام شروع ہی سے قابل اعتراض اور ابر چلا آرہا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے

تمام بدعنوانیاں دور کر کے بہ طریق احسن اس کی اصلاح کی تھی۔ لیکن ان کے بعد وہ قدیم بد نظمی عود کر آئی تھی۔ ہشام نے بخوبی اس کا قلع قمع کیا۔ اور یہ قاعدہ بنا دیا۔ جس تک شہادتوں سے یہ بات پایہ تکمیل کو نہ پہنچ جائے۔ کہ محاصل کی ساری رقم جائز آمدنی کی ہے۔ اسے بیت المال میں داخل نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس عرض کے

چالیس شہادتیں لی جاتی تھیں۔

دفا تر کا ضبط و نظم | دفا تر کا ضبط و نظم نئے سرے سے کیا گیا۔ چنانچہ کاغذات کی صحت و ترتیب اس کے دور کا نمایاں وصف تھا۔

عدالت | ہشام بڑا عدل پرور تھا۔ اس کے زمانے میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ بڑے بڑے امراء نے سلطنت میں سے بھی کوئی صاحب منصب کسی پر ظلم نہ کر سکتا تھا۔

ایک بار کسی عیسائی نے محمد بن ہشام کے غلام کو کسی وجہ سے پیٹا۔ وہ مجروح ہو گیا۔ محمد کے ایک خواجہ سرانے عیسائی سے اس کا بدلہ لیا۔ ہشام کو خبر ملی۔ تو اس نے فی الفور خواجہ سرانے کو بلایا۔ اس نے محمد کا سہارا لیا۔ لیکن ہشام نے اسے سزا دے بغیر نہ چھوڑا۔ اور بیٹے کو انتباہ کیا۔

محکمہ فوج | فوج کے محکمے میں اصلاح اور ترقی ہوئی۔ اہم مقامات پر مضبوط قلعے بنوائے گئے۔ مثلاً انطاکیہ میں حصن قطوغاس۔ حصن بورہ اور حصن بونا کی تعمیر عمل میں آئی۔ علاوہ بریں سرحدی مقامات کے استحکام پر خاص توجہ مبذول کی گئی۔ اور ہر قسم کا کثیر المقدار سامان جنگ جمع کر دیا گیا۔

شمالی افریقہ میں جہاز سازی کے بہت سے نئے کارخانے قائم کئے گئے۔

جدید شہروں کا اضافہ | بہت سے نئے شہر آباد کئے گئے۔ شام میں رصافہ جو موسم گرما کا صدر مقام تھا۔ سندھ میں منصورہ اور محفوظ آباد وغیرہ۔

تالاب اور حوض | ماجیوں کے آرام کے لئے مکہ کے راستے میں تالاب اور حوض تعمیر کئے گئے۔

ریشمی پارچات | ویسی صنعت کو فروغ دینے کا اسے بہت خیال تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں ریشمی پارچات کی صنعت اوج ترقی پر پہنچ گئی۔

دینی خدمات

عقیدے اور عمل کے اعتبار سے ہشام پکا مسلمان تھا۔ وہ دینی خدمات کے رستے میں بھی تیز گام تھا۔ اور دین میں کسی رخنہ انداز بدعت سے اسے سخت نفرت تھی۔ غیلان بن یوسف قدری نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں ”عقیدہ قدر“ کا اظہار کیا تھا۔ لیکن ان کی ہدایت سے تائب ہو گیا تھا ہشام کے عہد میں اس نے پھر سراٹھایا۔ اس نے سر قلم کراویا۔ سعد بن درہم نے خلق قرآن کی فتنہ و آغوش بدعت پیدا کی۔ اس کی بھی گردن مار دی گئی۔

بیٹوں کی پابندی نماز کا اسے بڑا خیال رہتا تھا۔ ایک دفعہ اس کا ایک بیٹا نماز جمعہ میں شریک نہ ہو سکا۔ ہشام نے مواخذہ کیا۔ اس نے سواری کے ناکارہ ہو جانے کا عذر کیا۔ ہشام نے کہا۔ کیا پیدل نہیں جا سکتے تھے؟ اور تعزیراً ایک سال کے لئے سواری کے استعمال کی ممانعت کر دی۔

ہشام بڑا نیک کردار تھا۔ لہو و لعب اور عیش و عشرت سے اسے سخت نفرت تھی۔ جس کسی

کو اس جرم کا مرتکب دیکھتا۔ شکنجہ عقوبت میں جکڑ دیتا۔ ایک دفعہ کوئی بوڑھا شخص اس جرم کی بنا پر اس کے دربار میں پیش کیا گیا۔ کہ وہ مے و نغمہ کا رسیا ہے۔ ہشام نے حکم دیا۔ کہ ”اس کا ”طنبورہ“ اس کے سر پر توڑ دو“۔ حکم کی تعمیل فوراً کی گئی۔ تو بوڑھا رونے لگا۔ ہشام نے کہا ”صبر کرو“۔ وہ بولا۔ ”میں تکلیف کے باعث نہیں روتا۔ بلکہ اس بد مذاقی اور جوہر ناشناسی پر روتا ہوں۔ کہ اب ”بربط“ کو ”طنبورہ“ کہا جاتا ہے“۔

ہشام کو گھوڑے رکھنے کا بہت شوق تھا۔ گھوڑوں کا تو دلدادہ تھا۔ اس کی اس دلچسپی سے گھوڑوں

کی نسل میں خوب ترقی ہوئی۔ اس کا اصطلح گھوڑ دوڑ کے چار ہزار گنے چنے گھوڑوں سے آراستہ تھا۔

ہشام بڑا علم دوست اور فن پرور تھا۔ اس نے امام زہری سے

حدیث کی ایک مستند کتاب مرتب کرائی تھی۔ فارسی کی ایک بلند پایہ کتاب کا ترجمہ کرایا۔ جس میں ایرانی حکمرانوں کے حالات۔ سیاسی واقعات اور متعدد علوم و فنون درج تھے۔ ہشام کے مزاج میں سادگی بہت تھی۔ شاہانہ تکبر نام کو بھی اخلاق و عادات نہ تھا۔ اس کے علم اور کفایت شعاری کو تاریخی شہرت حاصل ہے۔ سخت سے سخت لفظ سن کر چپ ہو رہتا تھا۔ ایک دفعہ کسی نے اس کے منہ پر تلخ اور درشت الفاظ کہے۔ اس نے جواب میں صرف یہ کہا۔ ”اپنے امام کو بڑا کہنا زیبا نہیں۔“

ایک بار خود ہشام کسی مغرور شخص کو ناشائستہ الفاظ کہہ بیٹھا۔ وہ بگڑا کر بولا۔ ”آپ کو خلیفہ وقت ہو کر ایسے اخلاق سوز الفاظ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ ہشام شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ ”مجھ سے اس مکروہ حرکت کا بدلہ لے لو۔“ وہ شخص بولا۔ ”اچھا تو کیا میں بھی تم جیسا سفلہ ہو جاؤں؟“ ہشام نے کہا۔ ”تو کچھ معاوضہ لے کر معاف کر دو۔“ وہ بولا۔ ”یہ بھی مجھ سے نہیں ہو سکتا“ ہشام نے کہا۔ ”تو خدا کے واسطے معاف کر دو۔“ وہ کہنے لگا۔ ”ہاں یہ منظور ہے۔ میں خدا کے واسطے اور تمہارے واسطے معاف کرتا ہوں۔“ اس پر ہشام نے شرم اور ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کہا ”خدا کی قسم آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا۔“

اس کی کفایت شعاری بخل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ کپڑوں کا ایک ہی جوڑا برسوں استعمال کرتا تھا۔ بیٹوں کو بھی اپنی طرح سادہ مزاج بنا لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انتقال کے وقت اس نے بے اندازہ مال و زر چھوڑا۔

پندرہواں باب

ولید ثانی بن یزید بن عبد الملک

۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ

ولید ثانی بن یزید بن عبد الملک ۹۰ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں حجاج بن یوسف ثقفی کی بھتیجی تھی۔

ولید اپنے باپ یزید بن عبد الملک کے حسب وصیت ہشام کے انتقال کے بعد ربیع الآخر ۱۲۵ھ میں بمقام اردن تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ ولید ایک عیاش اور فاسق و فاجر شخص تھا۔ اور خلیفہ بننے کے بالکل ناقابل ہشام نے ہر چند کوشش کی کہ وہ سدھر جائے۔ لیکن ناکام رہا۔ آخر جب وہ اس کی اصلاح سے بالکل مایوس ہو گیا۔ تو اسے دلی عہدی سے محروم کر کے اپنے بیٹے مسلمہ کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا۔ لیکن ابھی اس ارادے کے پورا ہونے کی نوبت نہ آئی تھی۔ کہ وہ خود ہی پورا ہو گیا۔

ہشام کی اس تجویز سے ولید اس سے کھنچ گیا۔ اور دار النخلافے کو خیر باد کہہ کر اپنے جاگیر اردن میں مقیم ہو گیا۔ یہیں اسے ہشام کی وفات کی خبر ملی۔ سب سے پہلے اس نے عباس بن عبد الملک کو فرمان لکھا۔ کہ فوراً رصافہ جا کر ہشام کے بال بچوں کو گرفتار اور اس کے مال و دولت پر قبضہ کر لو۔

ولید ان امرائے دولت سے خاص طور پر ناراض تھا جو اس کے اخراج دلی عہد

کی تجویز میں ہشام کے حامی تھے۔ ولید نے ان سب سے شدید انتقام لینا شروع کر دیا۔ اور انھیں انتہائی تذلیل و توہین کے تیروں کی آماج گاہ بنایا۔

ہشام کے ماموں ہشام بن اسمعیل کو امارت مکہ سے برطرف کر دیا۔ اور اس کے بیٹوں محمد اور ابراہیم کے کوڑے لگوائے۔ پھر انھیں یوسف بن عمر والی عراق کے سپرد کر دیا۔ یوسف نے انھیں شدید سزائیں دیتے دیتے جان ہی سے مار ڈالا۔ سلیمان بن ہشام کو سزواتاریاتوں کی سزا دی گئی۔ اور سروریش منڈوا کر تشہیر کرانے کے بعد عمان کی طرف جلا وطن کر دیا گیا۔ خالد بن عبد اللہ قسری کو فریان بھیجا۔ کہ اس کے بعد اس کے دونوں بیٹوں حکم اور عثمان کی ولی عہدی کی بیعت کرے۔ خالد نے تعمیل حکم نہ کی۔ تو اسے اس کے جانی دشمن یوسف بن عمر ثقفی کے سپرد کر دیا۔ یوسف بن عمر نے اسے نہایت خوفناک عذاب دے کر قتل کر دیا۔

انھیں لوگوں کے خون ناحق کی سرخی کے ساتھ اس کے افسانہ حکومت کا آغاز ہوا۔

یہی بن زید کا خروج اور قتل ^{کساد} یہی اپنے والد زید بن علی کی شہادت کے بعد خراسان چلے گئے تھے۔ اور بلخ میں ایک

محب اہل بیت حریش بن عمر کے یہاں مقیم تھے۔ ولید نے خبر پا کر نصر بن سیار حاکم خراسان کو یہی کے گرفتار کر لینے کے لئے لکھا۔ نصر نے حریش کو طلب کر کے یہی کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ حریش نے لا علی کا اظہار کیا۔ لیکن نصر کی طرف سے سختی ہونے پر حریش کے بیٹے نے یہی کا پتا بتا دیا۔ اور نصر نے انھیں گرفتار کر کے ولید کو مطلع کیا۔ اس نے نصر کو لکھا کہ یہی کو خراسان سے شام روانہ کر دو۔ نصر نے انھیں دو ہزار درہم دے کر عازم شام ہونے کی ہدایت کی۔

ابھی وہ بہت پہنچے تھے کہ یہ خیال کر کے نیشاپور چلے گئے۔ کہیں ان کے لئے دام فریب ہی نہ بچھایا گیا ہو۔ وہاں جا کر انھوں نے خروج کی تیاریاں شروع کر دیں۔

عمرو بن زرارہ والی نیشاپور نے ان کے ارادے سے مطلع ہو کر مقابلہ کیا۔ یہی نے اسے شکست دے کر اس کا سر قلم کر دیا۔ نصر کو خبر ملی۔ تو اس نے سلمہ بن احوز ہلالی کو

ان کے مقابلے کا حکم دیا۔ جو زجان میں دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔ نہایت خونریز جنگ کے بعد یحییٰ تیر لگنے سے شہید ہو گئے۔ اور ان کی جماعت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ یحییٰ کی نعش جو زجان میں سربراہ اویزاں کر دی گئی۔

مذکورہ صدر واقعات کی بنا پر رعایا اور امرا
یزید کی بیعت اور ولید کا قتل

سب کے سب ولید سے بیزار اور متنفر ہو گئے۔ شاہی خاندان کے ارکان نے اس کے خلاف ساد باز شروع کر دی۔ اور یحییٰ قبائل جو حکومت کی روح درواں تھے۔ یزید بن ولید کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کرنے لگے ولید ان دنوں قلعہ نجران میں تھا۔ یحییٰ قبائل یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اسے لے کر نجران پہنچے۔ ولید کا ایک چونک پڑا۔ اور اپنی مٹھی بھر جماعت کے ساتھ مقابلہ کو آیا۔ لیکن مغلوب ہو کر مارا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۲۶ھ میں رونما ہوا۔ اس وقت ولید کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ اور مدت خلافت ایک سال تین مہینے۔

(ع) عیب سے جملہ گوی ہنزش نیز بگو۔ اگرچہ ولید کو
ولید کی بعض خوبیاں

ساری زندگی یکسر رندی و مستی اور سراپا عصیاں تھی تا
اس میں بعض قابل ذکر خوبیاں بھی تھیں۔ اس نے سرکاری خزانے سے محتاجوں

معذوروں اور ایتھوں کی پرورش اور دست گیری کا انتظام کیا۔
ولید ایک خوش گو شاعر تھا۔ اس کا سارا کلام باوہ و ساتی اور ساغروے خانہ کے

کیف و سرور سے لبریز ہے۔ مصرع مصرع میں رندی و سرمستی کے خرابات جھومتے نہ
آتے ہیں۔ خیام عرب ابو نو اس نے ولید کی خمریات سے اپنے کلام کے ساغروے مینا بھ

ہیں۔ ولید نہایت کشادہ دست اور سیر چشم تھا۔ شعرا کا مد سے زیادہ قدر دان تھا
چنانچہ جب یزید بن بنہ شاعر نے اس کے جشن تخت نشینی کی تقریب پر سچاس اش

کا ایک قصیدہ پڑھا۔ تو ولید نے اسے ایک ہزار درہم فی شعر انعام دیا۔
موسیقی کا بھی دلدادہ اور قدر دان تھا۔ چنانچہ وقت کے اکابر مغنی مثلاً عریض
معبد۔ ابن سرتج وغیرہ اس کے دربار کی زیبت تھے۔

گھوڑے رکھنے کا شوق | ہشام کی طرح ولید بھی گھوڑے رکھنے اور گھوڑ دوڑ کا بہت شوقین تھا۔ اس عہد کے بہترین گھوڑے اس کے اصطلب کی آرائش تھے۔

الحاد و دہریت کا اتہام | ولید عیاش طبع اور ظالم ضرور تھا۔ لیکن بعض تاریخوں میں الحاد اور دہریت کے جو افسانے اس کی طرف منسوب ہیں۔ ان کی حیثیت تنقید و تحقیق کی روشنی میں زیب داستان سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ مہدی عباسی کے دور کے ایک نامور فقیہ ابو علائہ کا قول ہے۔ کہ ان سے ایک عینی شاہد نے بیان کیا۔ "ولید شراب کے نشے میں چور رہتا تھا۔ لیکن نماز کے وقت فوراً زندان لباس اتار کر سفید لباس پہنتا اور وضو کر کے نماز پڑھتا۔ اس سے فارغ ہو کر پھر زندانہ مشاغل میں محو ہو جاتا۔" فقیہ موصوف یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد کہتے تھے کہ کیا کسی ملحد و دہریہ کی زندگی ایسی ہو سکتی ہے؟

ولید کی زندگی کا آخری واقعہ یہ تھا کہ جب وہ زک اٹھا کر قصر میں محصور ہو گیا۔ اور لوگ اس کا سر قلم کرنے کے لئے بزور اندر داخل ہوئے۔ تو وہ قرآن کریم کھول کر تلاوت میں مشغول ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ جس طرح عثمان قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ اسی طرح میرا بھی خاتمہ ہو۔

یزید ثالث بن ولید

۱۲۶ھ

یزید ثالث بن ولید فیروز بن یزدگرد شاہ ایران کی بیٹی شاہ آفرید کے بطن سے تھا۔ ولید کے قتل کے بعد رجب ۱۲۶ھ میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔ اسے یزید الناقص بھی کہتے تھے۔ کیونکہ اس نے عہد ولید کے مشاہرہ فوج کے افسانے کو منسوخ کر دیا تھا۔ یہ ایک صالح و متقی خلیفہ تھا۔ اس نے عنانِ خلافت سنبھالنے کے بعد حسب ذیل

تقریر کی :-

” لوگو! میں کوئی جدید عمارت نہیں بنواؤں گا۔ جدید نہر نہیں نکلاؤں گا۔ جب تک کسی مقام کی حفاظت سرحد کا انتظام نہ ہو جائے گا۔ اور وہاں کے باشندوں کی ضروریات پوری نہ ہو جائیں گی۔ اس وقت تک وہاں کی آمدنی کسی دوسرے مقام پر نہ بھیجی جائے گی۔ ہر مقام کا صرف وہی مال دوسرے مقام پر منتقل کیا جائے گا۔ جو وہاں کی ضرورت سے فاضل ہوگا۔ محتاجوں کے لئے اپنا دروازہ کھلا رکھوں گا۔ ہر سال تمہارے وظیفے اور ہر مہینے تمہارا راشن ملتا رہے گا۔ حقوق کے اعتبار سے دور کے رہنے والے قربت کے رہنے والوں کے برابر ہوں گے۔ اگر میں اپنا قول پورا کروں۔ تو تم پر میری اطاعت اور امداد فرض ہے۔ ورنہ مجھے معزول کر دو۔ تم لوگ گواہ رہو۔ میں توبہ کرتا ہوں۔ اگر کوئی ایسا صالح شخص تمہاری نظر میں ہو۔ جو ان باتوں کا وعدہ کرے۔ جن کا میں نے وعدہ کیا ہے۔ اور تم اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہو۔ تو میں سب سے پہلے اس کی بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ خدا کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔“

یزید کی مخالفت اور حمص میں بغاوت

اگرچہ ولید کے مقابلے میں یزید ایک عابد و زاہد خلیفہ تھا۔ لیکن اس

نے چونکہ یزید کو قتل کر کے اور یمنیوں سے فوجی امداد لے کر خلافت حاصل کی تھی۔ اس لئے ایک طرف تو لوگ نہایت جرأت و بے باکی سے خلیفہ وقت کی مخالفت پر تکل گئے۔ دوسرے یمنیوں کے حریف مضری بھی اس کے خلاف میدان میں نکل آئے۔ اور شام کے مختلف حصوں میں بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔

سب سے پہلے اہل حمص نے مخالفت پر کمر باندھ کر یزید کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مروان بن عبداللہ بن عبدالملک امیر حمص نے ان سے اتفاق کیا اور حمص میں بغاوت پھیل گئی۔

حمص والوں نے معاویہ بن یزید بن حصین کو اپنا قائد مقرر کیا۔ اور یزید کے

مقابلے کے لئے دمشق کی راہ لی۔ یزید کو خبر ملی۔ تو اس نے یعقوب بن ہانی اور دوسرے لوگوں کو اہل حمص کی فہمائش کے لئے روانہ کیا۔ اور یہ بھی کہلا بھیجا۔ کہ ”مجھے خلافت کی آرزو نہیں۔ اگر تم مجھے پسند نہیں کرتے۔ تو شوریٰ کے ذریعے سے کسی اور کو خلیفہ چن لو۔“ لیکن اہل حمص نے یزید کی اس پیشکش کو پس پشت ڈال کر مقابلے کے لئے پیش قدمی کی۔

یزید نے ان کے مقابلے کے لئے سلیمان بن ہشام کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ بھیجا۔ سلیمان دمشق سے چل کر حواریں میں اقامت گزریں ہوا۔ مروان بن عبداللہ نے اہل حمص سے کہا۔ ”دمشق جانے کے بجائے حواریں پہنچ کر سلیمان کا مقابلہ کرنا مفید رہے گا۔“ اہل حمص اس رائے کو سن کر چپیں بجھیں ہو گئے۔ اور مروان کو یزید سے سازش کرنے کے الزام میں تہ تیغ کر کے اس کی جگہ ابو محمد سفیانی کو اپنا حاکم منتخب کیا۔

اہل حمص نے دمشق کی جانب پیش قدمی کی۔ تو سلیمان بھی انھیں روکنے کے لئے نکلا۔ اور سلیمان نیہ میں جا لیا۔ ادھر یزید نے عبدالعزیز بن حجاج کے زیرِ لمان ایک اور فوج بھیجی۔ ان دونوں فوجوں نے اہل حمص کے چھلکے چھڑا دیے۔ اور ان کی کثیر تعداد ہلاک ہو گئی۔

اہل حمص نے کوئی اور چارہ کار نہ دیکھ کر مجبوراً سرِ اطاعت خم کر دیا۔

کچھ دیر بعد فلسطین کے باشندوں نے بھی یزید کے خلاف بغاوت پر کمر باندھ لیا۔ انہوں نے اپنے والی سعید بن عبدالملک کو نکال کر یزید کے مخالف یزید بن سلیمان بن عبدالملک کو اپنا حاکم بنا لیا۔ اس کی مخالفت نے اہل فلسطین کو بہت تقویت پہنچائی۔

اس بغاوت کی اطلاع اردن پہنچی۔ تو وہاں کے باشندوں نے بھی علمِ بغاوت بلند کر کے ان کے ساتھ شرکت کی۔ اور شام میں ایک عام شورش برپا ہو گئی۔

یزید نے باغیانِ فلسطین کے سرغنوں کو انعام و اکرام وغیرہ کا لالچ دے کر توڑ لیا۔

اور اہل اردن تہارہ گئے۔ پھر سلیمان بن ہشام کو ایک زبردست لشکر دے کر ان کے مقابلے کو بھیجا۔ اہل اردن آسانی سے مغلوب کر لئے گئے۔

عراق اور خراسان کی بغاوت | اسی طرح عراق اور خراسان میں بھی شورش و بغاوت کی خونیں آندھیاں اٹھنے لگیں۔

یزید نے یوسف بن عمر کو معزول کر کے منصور بن جمہور کو والی عراق مقرر کیا۔ منصور نے عراق میں اپنی مرضی کے مطابق نئے انتظامات کئے۔ اور اپنے بھائی کو والی خراسان مقرر کر کے بھیجا۔ نصر بن سیار عامل خراسان نے اپنے عہدے کا جائزہ دینے سے انکار کر دیا۔

اسی دوران میں یزید نے منصور کو ولایت عراق سے برطرف کر کے اس کی جگہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو بھیجا۔ عبداللہ نے نصر کو ولایت خراسان پر بحال کر دیا۔

اتنے میں خراسان میں قبائلی عصبيت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ کر آتش افروز ہونے لگیں۔ ایک نامور ہمینی سردار جریج بن علی ازدی کرمانی کسی بنا پر نصر سے ناراض ہو گیا۔ ہمینی قبائل نے اس کی امداد پر کمر باندھ لی۔ اور مضر قبائل نصر کی حمایت پر آمادہ ہو گئے۔ نصر نے حیلہ بازی سے کرمانی کو قید و بند میں ڈال دیا۔ کرمانی اپنے حامیوں کے بل پر جیل سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ نصر نے اسے منانے کی سعی کی۔ لیکن بے سود۔ پھر کرمانی ربیع قبائل کو بھی اپنا حامی بنا کر نصر کے مقابلے کی تیاریاں کرنے لگا۔

نصر اور کرمانی کی یہ چپقلش تحریک عباسی کے لئے سازگار ثابت ہوئی۔ اور سلسلہ عباسیہ کے امام ابراہیم بن محمد نے ابو ہاشم بکیر بن ہامان کو ہدایتیں دے کر خراسان روانہ کیا۔ اس نے مرو پہنچ کر نقیبوں اور داعیوں کے مجمع میں محمد بن علی کے بعد ان کے صاحب زادے کے لئے بیعت لی۔

تحریک کے علمبرداروں نے نئے امام سے اظہار عقیدت کیا۔ اور ان کے لئے ایک گراں قدر رقم بطور نذر بکیر کو دی۔

۲۰۔ ۱۲۶ھ کو یزید ثابت بن ولید نے ۶۴ سال کی عمر میں چھ مہینے کے

قریب تخت خلافت پر متمکن رہنے کے بعد طاعون سے انتقال کیا۔ اس کا یہ مختصر سا زمانہ حکومت شورشوں اور بغاوتوں ہی میں گزر گیا۔ اس لئے وہ کوئی کارنامہ انجام نہ دے سکا۔

ابراہیم بن ولید بن عبد الملک

۱۲۶ھ تا ۱۲۷ھ

یزید نے اپنے بھائی ابراہیم بن ولید کو ولی عہد نام زد کیا تھا۔ اس لئے ذی الحجہ ۱۲۶ھ میں اس نے عنان حکومت ہاتھ میں لی۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آرمینیا کا حاکم مروان بن محمد قتل ولید کے باعث یزید کے خلاف تھا۔ چنانچہ اس نے یزید ہی کے زمانے میں جزیرہ پر تسلط بٹھالیا تھا۔ اور یزید کے مقابلے میں صف آرا ہونے والا تھا۔ لیکن یزید نے سیاسی مصلحت کے پیش نظر اسے آرمینیا اور آذربائیجان کے علاقے سپرد کر کے اس کی آتش مخالفت فرو کر دی تھی۔

یزید کی وفات کے بعد مروان بن محمد نے ابراہیم کی خلافت تسلیم نہ کی۔ اور ایک زبردست فوج لے کر شام پر چڑھائی کر دی۔ قنسورین اور حمص کو زیر نگین کر کے اس نے پیش قدمی جاری رکھی۔ عین الحروب ابراہیم کی فوج سے ٹٹ بھڑ ہو گئی۔ مروان نے ابراہیم کو کہلا بھیجا۔ کہ اگر وہ ولید کے دونوں بیٹوں حکم اور عثمان کو رہا کر دے۔ تو مقابلے سے ہاتھ اٹھالیا جائے گا۔ ابراہیم نے انکار کیا۔ اور صفر ۱۲۷ھ میں طرفین میں گھمسان کا رن پڑا۔ ابراہیم کو بڑی بھاری شکست ہوئی۔ اور مروان فتح کا پرچم لہراتا ہوا دمشق میں داخل ہوا۔

مردان حکم یا عثمان کو تخت خلافت پر متمکن کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے داخلہ دمشق سے قبل ہی ان دونوں کو آپ تیغ سے نہلایا جا چکا تھا۔ اس لئے اس نے خود عثمان خلافت ہاتھ میں لی۔ ابراہیم مروان کے آنے کی اطلاع پاتے ہی دمشق سے بھاگ

سکلا تھا۔ لیکن مروان نے اسے جان کی امان دے کر واپس طلب کیا۔
ابراہیم کا زمانہ خلافت بہت مختصر تھا۔ اور اس میں چار مہینے کے دوران میں بھی اس
کی خلافت بالاتفاق تسلیم نہ کی گئی۔ اس لئے مورخین نے اسے مستقل خلیفہ نہ مانا۔

مروان ثانی بن محمد بن مروان

۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ

مروان ثانی بن محمد بن مروان بن حکم ۱۲۷ھ میں کردستان کی ایک پرستار ام ولد
کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور ابراہیم کے فرار کے بعد صفر ۱۲۷ھ میں تاج خلافت سر
پر رکھا۔

مروان عمر رسیدہ، جہاں دیدہ، صعوبت کش، ثابت قدم اور بہادر خلیفہ تھا۔ لیکن
اس کے زمانے میں اموی حکومت کے قصر انتظام کی اینٹ سے اینٹ بچ چکی تھی۔ اور
وہ اپنی متعدد مابہ الامتیاز صلاحیتوں اور خصوصیتوں کے باوجود اس کی تعمیر نو میں کام رہا۔
مروان کا سابقہ عہد حکومت مخالفتوں، خانہ جنگیوں، حوادث
شام کی بغاوت اور انقلابات کا الم ناک مرقع ہے۔ سب سے پہلے گہوارہ

حکومت شام میں مخالفت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ حمص والوں نے علم بغاوت بلند
کر دیا۔ مروان نے خود وہاں جا کر شدید جنگ کے بعد باغیوں کا قلع قمع کیا۔ مروان
ابھی حمص میں تھا۔ کہ اسے دمشق پر اہل غوطہ کے حملے کی خبر ملی۔ اس نے فی الفور ابوالورد
کے زیر کمان دس ہزار کی فوج ادھر روانہ کر دی۔ اہل غوطہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ اور
ان کا سردار یزید بن خالد بن عبداللہ قسری تہ تیغ کر دیا گیا۔ اسی دوران میں اہل فلسطین
نے بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔ ابوالورد اسے بچھلنے کے لئے طبریہ پہنچا۔ لیکن اہل طبریہ
پہلے ہی باغیوں کو پس پا کر چلے گئے۔ ابوالورد نے دوبارہ تعاقب کر کے ان کی سرکوبی
کی۔

اسیران حمص کی فوج نے جو دل سے مروان کے خلاف تھی۔ موقع پا کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور سلیمان بن ہشام کے پاس جا کر اسے شامیوں کی امداد کا یقین دلاتے ہوئے دعوائے خلافت پر برا بھلا بولنے لگا۔ سلیمان آمادہ ہو گیا۔ اور قنسرین میں ستر ہزار کی سپاہ بھجوا کر اپنے گرد جمع کر لی۔ مروان نے قرقیسا سے پوری تیاری کے ساتھ قنسرین کی جانب پیش قدمی کی۔ مقام خساف میں طرفین میں خون ریز معرکہ ہوا۔ سلیمان کو شکست ہوئی۔ اور اس کے لشکر کے تیس ہزار جوان تہ تیغ ہوئے۔ سلیمان حمص کی طرف بھاگا مروان نے اس کا تعاقب کیا۔ راستے ہی میں مروان کے چند آدمیوں نے اس پر شب خون مارا۔ لیکن مروان نے انھیں پس پا کر دیا۔ سلیمان کو خبر ملی۔ تو اس نے حمص سے تدمر کی راہ لی۔ مروان پیش قدمی کر کے حمص پر قابض ہو گیا۔

عبداللہ بن معاویہ کا خروج

کوفہ میں ایک ہاشمی بزرگ عبداللہ بن معاویہ بنیرہ حضرت جعفر طیار نے شیعان بنی ہاشم کی شہ پر خروج کیا۔ ان دنوں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے صاحب زادہ عبداللہ عراق کے والی تھے۔ لوگ ان کے والد کی بزرگی کے باعث انھیں بہت محبوب رکھتے تھے چنانچہ ایک جمعیت کثیر نے ان کے زیر علم جمع ہو کر عبداللہ بن معاویہ کا دست قوت شل کر دیا۔ اور وہ جاں بخشی کرانے کے بعد عازم عراق مجم ہو گئے۔

خوارج

بنی امیہ کی اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ان کے دیرینہ حریف خوارج جتنے بھی ضحاک بن قیس شیبانی کے جھنڈے تلے جمع ہو کر کوفہ پر ہتھ بول دیا۔ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیزؒ والی کوفہ نے مدافعت کی۔ لیکن زک اٹھائی اور کوفہ کو خیر باد کہہ کر عازم واسط ہو گئے۔ ضحاک ان کے تعاقب میں واسط پہنچا۔ طویل معرکہ آرائی کے بعد عبداللہ نے صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ اور واسط بھی ضحاک کے قبضے میں آ گیا۔ اسی اثنا میں سلیمان بن ہشام بھی ضحاک سے آ ملا۔

اب ضحاک کی طاقت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اور اس نے موصل پر بھی قبضہ کر لیا۔ مروان ان دنوں حمص میں تھا۔ اسے ضحاک کی یلغار و ترک تاز کی اطلاع ملی۔ تو

اس نے اپنے فرزند عبداللہ عالی جزیرہ کو فرمان بھیجا۔ کہ وہ ضحاک کو جزیرہ میں داخل نہ ہونے دے۔ عبداللہ ضحاک کو روکنے کے لئے سات ہزار کی فوج لے کر نصیبین میں اقامت گزین ہوا۔ ضحاک نے نصیبین کا محاصرہ چھوڑ کر مروان کے مقابلے کے لئے پیش قدمی کی۔ کفر تو تھا کے پاس طرفین میں خون ریز معرکہ ہوا۔ جس میں ضحاک مارا گیا۔ خوارج نے خیبری کے زیر سرکردگی لڑائی جاری رکھی۔ لیکن مروان کے خدام نے موقع پا کر اسے قتل کر دیا۔

اب خوارج نے شیبان بن عبدالعزیز کو اپنا سردار مقرر کیا۔ اس نے ہمزہ بیوں کی قلت تعداد کے پیش نظر جنگ ملتوی کر کے موصل کی راہ لی۔ مروان اس کے تعاقب میں وہاں پہنچا۔ اور چھ مہینے تک مقابلہ کرتا رہا۔

اسی دوران میں مروان نے عمر بن ہبیرہ کو عراق سے خوارج کا اثر مٹانے کے لئے کوفہ روانہ کیا۔ ابن ہبیرہ نے کوفہ اور بصرہ سے خارجیوں کو نکال دیا۔ پھر عامر بن ضبارة کو سات ہزار فوج کے ہمراہ مروان کی امداد کے لئے موصل روانہ کیا۔

شیبان مصلحتاً موصل سے چلا گیا۔ مروان نے عامر کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ طرفین میں بمقام جیرفت معرکہ آرائی ہوئی۔ جس میں شیبان بڑی طرح زک اٹھا کر بیتان کی جانب چلا گیا۔ اور وہیں ۱۳ھ میں مر گیا۔

سلیمان بن ہشام ہر مقام پر خوارج کا دست و بازو بنا رہا۔ جب ان کا زور لوٹ گیا۔ تو وہ سندھ پہنچا۔ اور سفاح کے دربار میں اعزاز و اکرام حاصل کیا۔ لیکن چند روز کے بعد اس کے ایک غلام کے ہاتھوں مارا گیا۔

اسی زمانے میں ایک اور خارجی سردار ابو حمزہ مختار بن عوف ازدی نے حجاز میں شورش برپا کر رکھی تھی۔ ۱۲۹ھ میں اس نے سات سو رفیقوں کے ساتھ حج کے موقع پر عرفات میں خروج کیا۔ لیکن اس میں اور عبدالواحد بن سلیمان عالی مکہ میں باہم فیصلہ ہوا۔ کہ حج کے ختم ہونے تک کسی قسم کی بد امنی پیدا نہ کی جائے گی۔ حج کے بعد عبدالواحد عازم مدینہ ہو گیا۔ اور ابو حمزہ نے بے مقابلہ مکہ پر قبضہ کر لیا۔

عبدالواحد نے اہل مدینہ کو قندہ خوارج سے مطلع کر کے ان سے جنگ کرنے کے لئے اکسایا چنانچہ مدینہ والے عبدالعزیز بن عبداللہ کے زیر قیادت خوارج کے مقابلے کے لئے مکہ کی طرف بڑھے۔ ادھر سے ابو حمزہ یمنی مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ طرفین میں بمقام قدیر مٹ بھیر ہوئی۔ خوارج نے مدینہ والوں کو کہلا بھیجا تھا۔ کہ :-

”ہمیں اہل مدینہ سے کوئی پر خاش نہیں۔ ہم صرف بنی امیہ کے مقابلے کو نکلے ہیں۔

اس لئے آپ درمیان سے ہٹ جائیں۔“

لیکن اہل مدینہ نے خوارج کی بات نہ مانی۔ اور ان کا مقابلہ کیا۔ جس میں مدینہ والوں نے بڑی طرح زک اٹھائی۔ اور ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے۔ اس کے بعد ابو حمزہ مدینہ پہنچا۔ اور ایک تقریر کرتے ہوئے بنی امیہ کی بڑائیاں اور اپنے گروہ کی اچھائیاں بیان کیں۔ عبدالواحد پہلے ہی اپنے آپ میں تاپ مقابلہ نہ پا کر شام کی طرف جا چکا تھا۔ ابو حمزہ بھی ادھر ہی چل پڑا۔ مروان کو اطلاع ملی۔ تو اس نے ابو حمزہ کا راستہ روکنے کے لئے چار ہزار گنے چنے بہادروں کو عبدالملک بن محمد بن عطفہ کے ماتحت بھیج دیا۔ وادی القریٰ میں طرفین میں خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں شامیوں نے خارجیوں کو ناک چنے چبوائے۔ ابو حمزہ قتل کر دیا گیا۔ اور باقی خوارج راہ فرار اختیار کر کے مدینہ میں اماں گیر ہوئے۔ لیکن عبدالملک نے مدینہ پہنچ کر انھیں بھی فتا کے گھاٹ اتار دیا۔

خوارج کی اس جماعت کا سردار عبداللہ بن یحییٰ تھا۔ جو صنعاء میں اقامت گزیرا تھا۔ اس لئے عبدالملک صنعاء کی جانب روانہ ہوا۔ عبداللہ بن یحییٰ نے اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن عبداللہ کی گردن اڑادی گئی۔ اور عبدالملک نے اس کا سردار ان کے پاس بھجوا دیا۔ اس طرح خوارج کی شورش آغوش لحد میں لٹادی گئی۔

ان شورشوں اور بغاوتوں کے دوران میں خراسان میں عصبیت کا فتنہ

کی بھیانک آگ کے فلک بوس شعلے بھڑک رہے تھے۔ مضر بن قباہل نصر بن سیار عامل خراسان کے زیر قیادت استینین چڑھائے ہوئے تھے۔ اور یمنی قبائل جدیع

بن شبیب کربانی کی سرکردگی میں آمادہ پیکار تھے۔

ابو مسلم خراسانی | عین اس موقع پر ایک عجمی النسل۔ پارسی نژاد اور نو مسلم نوجوان

حیرت انگیز قابلیت سے واقعات کی رو ہی پلٹ دی۔ ابو مسلم بکیر بن ماہان کا غلام تھا بکیر نے اس کی پیشانی پر ستارہ بلندی کی ضیادیکھ کر اسے عباسی تحریک کے اصول سمجھائے۔ پھر اسے حمیمہ میں امام ابراہیم کی خدمت میں بطور نذر پیش کیا۔

۱۲۸ھ میں امام ابراہیم نے ابو مسلم کو جماعت خراسان کا امیر بنا کر بھیجا۔ اور یہ وصیت کی :-

"تم ہمارے گھر کے آدمی ہو۔ میری وصیت کو خوب یاد رکھو۔ مین کے قبیلے کا خیال

رکھنا۔ اور انھیں اپنے ساتھ ملائے رکھنا۔ انھیں کے ساتھ بود و باش رکھنا۔ تم انھیں

ساتھ ملا کر ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہو۔ ربیعہ پر بھروسہ نہ کرنا۔ اور نصر

کو تو قریبی دشمن خیال کرنا۔ پھر تم جس کسی کو شک و شبہ میں پاؤ۔ اسے قتل کر دینا۔

اور جب موقع آئے۔ تو کسی عربی بولنے والے کو خواہ مضر ہو یا یمنی یا ربیعہ۔ زندہ

نہ چھوڑنا۔"

ابو مسلم نے ایک سال تک نہایت گہری نظر سے خراسان کے حالات کا مطالعہ کیا۔

اور اپنے حلقہ اثر و رسوخ کو وسعت دی۔ ۱۲۹ھ میں امام ابراہیم نے اسے دو نشان

"سحاب" اور "طل" عطا فرمائے۔ اور اس کے نام دعوت عباسیہ کے اعلان

کا فرمان صادر کیا۔

۲۵ شعبان ۱۲۹ھ کو ابو مسلم نے "یوم آزادی" منایا۔ سفیدخ میں

عباسی تحریک | تمام حامیان تحریک جمع ہوئے۔ "طل" اور "سحاب" کو ایک

آیت قرآنی پڑھ کر بلند کیا گیا۔ یہی سفیدخ حکومت عباسیہ کا عارضی مرکز قرار دیا گیا

ابو مسلم نے اپنی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد نصر بن سیار کے نام ایک مکتوب بھیج

کر اسے اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔

نصر نے ابو مسلم کی سرکوبی کے لئے فوج بھیجی۔ ابو مسلم نے اپنی جمعیت کی امداد سے اس کے چھلکے چھڑائے۔ اب ابو مسلم کی جماعت میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا۔

اسی دوران میں نصر اور کربانی کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا۔ ابو مسلم نے کربانی کی حمایت کی۔ نصر نے کربانی سے کہلا بھیجا۔ کہ ابو مسلم دغا باز ہے۔ اس سے بچے رہنا بہتر تو یہ ہے۔ کہ ہم تمام جھگڑوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے قائدے کے لئے صلح کر لیں۔ کربانی مان گیا۔ لیکن نصر نے موقع پا کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

نصر نے کربانی کا خون اس لئے اپنی گردن پر لیا تھا۔ کہ پھر کوئی اس کا مخالف نہ رہے گا۔ لیکن اس کی یہ امید نقش بر آب ثابت ہوئی۔ اور کربانی کے بعد اس کا بیٹا علی اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے ابو مسلم کے زیر اثر آ گیا۔

نصر نے جب دیکھا کہ یمن اور ربیعہ کے قبیلے ابو مسلم کے ساتھ مل گئے ہیں۔ تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اور اس نے سمجھ لیا۔ کہ اب حکومت امویہ کا آفتاب لپ بام ہے۔ چنانچہ اس نے مروان کو چند اشعار لکھ بھیجے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے :-

"مجھے راکھ کے اندر چنگاریاں نظر آتی ہیں۔ اور ڈر ہے۔ کہ وہ بھڑک نہ اٹھیں۔

آگ دو لکڑیوں سے جلائی جاتی ہے۔ اور جنگ کا آغاز باتوں سے ہوتا ہے۔ میں

نے حیران ہو کر کہا۔ کاش مجھے علم ہوتا کہ بنی امیہ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔"

ان دونوں مروان خوارج سے برسر پیکار تھا۔ اس لئے وہ کوئی کمک نہ بھیج سکا۔

اسی اثنا میں مروان نے ابراہیم کو حمیمہ سے گرفتار کر کے ان سے عباسی تحریک کی

کیفیت دریافت کی۔ ابراہیم نے کہا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اس پر مروان نے انھیں

قید و بند میں ڈال دیا۔

ایک روایت یہ ہے۔ کہ قید کے بعد فوراً انھیں قتل کر دیا گیا۔ لیکن ایک بیان

یہ ہے۔ کہ وہ چند روز کے بعد مارے گئے۔

ابراہیم کی جانشینی اور عباسیوں کا خروج | ابراہیم کے دونوں بھائی
حمیمہ سے کوفہ چلے آئے

ابو مسلم ان سے ملنے کے لئے آیا۔ اور امام ابو العباس کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں
ابراہیم کا جانشین بنایا۔ انھوں نے قتل برادر کے جاں گسل صدے سے متاثر ہو کر حکم
دیا کہ "خراسان میں جو عرب ان کی دعوت کے قبول کرنے سے انکار کریں۔ بے تامل
تہ تیغ کر دئے جائیں۔"

ابو مسلم یہ حکم لے کر خراسان لوٹ گیا۔ اور اس سرزمین کے گوشے گوشے میں
امویوں کے خلاف آگ لگا کر فیصلہ کیا۔ کہ فلاں تاریخ کو خراسان کے تمام عباسی میدان
میں نکل آئیں۔

پنچاچھ مقررہ تاریخ کو ہرآہ۔ مروالروہ۔ یوشیخ۔ طالقان۔ نسا۔ مرو۔ طوس۔ ایبورو۔
بلخ۔ نیشاپور۔ طغارستان۔ صفاتیان۔ کش۔ ختلان۔ نسف وغیرہ کے سیاہ پوش
عباسی ہاتھوں میں ڈنڈے لئے آگئے۔ اب ابو مسلم ایک لاکھ سے زیادہ سرفروش انسانوں
کی کمان کر رہا تھا۔ عباسی سمندر کی یہ ہولناک طغیانی دیکھ کر نصر کے ہاتھوں کے طوطے
اڑ گئے۔ اور اسے ابو مسلم کے ساتھ بیعت اور یمن کے اتحاد کے آئینے میں اپنی تباہی
و ہلاکت کا عکس صاف نظر آنے لگا۔ اس لئے اس نے از سر نو ان قبیلوں سے مفاہمت
کی طرح ڈالتے ہوئے انھیں حسب ذیل مفہوم کے چند اشعار لکھ بھیجے :-

"ربیعہ اور یمن کے ساتھی (یمن) کو مرو میں یہ پیغام پہنچا دو۔ کہ وہ وقت آنے سے
پہلے جب عقدہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔ انھیں عقدہ آئے۔"

تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ آپس ہی میں جنگ کرتے ہو۔ گویا تم میں کوئی دانا
اور ہوش مند موجود نہیں۔

اور اس دشمن کو تم نے چھوڑ دیا ہے۔ جو تم پر چھا گیا ہے۔ اور جس کا کوئی دین
اور نسب نہیں۔

نہ تو وہ لوگ عرب ہیں۔ جنہیں ہم جانتے ہوں۔ اور نہ اپنی نسبت میں خاص
موازی ہی ہیں۔

ان کا دین ایسا ہے۔ کہ نہ وہ رسول سے منسا گیا ہے۔ اور نہ اسے کوئی کتاب الہی

لاتی ہے۔

”اگر کوئی ان کے دین کی اصلی حقیقت کے متعلق سوال کرے۔ تو ان کا دین صرف یہ ہے۔ کہ عرب برباد ہو جائیں۔“

عربوں میں مصالحت اور دوبارہ اختلاف | یہ اشعار پڑھ کر وسیع النظر عربوں کو عباسی تحریک کی

ہلاکت سامانیوں کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ ایک عرب امیر کی جدوجہد سے۔ مضر ربیعہ اور یمن میں عارضی مصالحت ہو گئی۔ لیکن ابو مسلم کب چوکنے والا تھا۔ وہ اپنی فن کاری چالاک کی۔ چال بازی اور ذہانت کے حزلوں سے پوری طرح مسلح ہو کر عربوں کے مقابلے میں صفت آرا ہو گیا۔ اور عین معرکہ کارزار میں علی بن کرمانی کو یہ پیغام بھیجا۔

”تمھاری غیرت نے یہ کیونکر گوارا کر لیا۔ کہ جس ظالم نے تمھارے باپ کو قتل کر کے سولی پر لٹکایا۔ اس سے آج تم نے صلح کر لی ہے“

ابو مسلم کا جاوہ چل گیا۔ علی بن کرمانی نے اس پیغام سے متاثر ہو کر نصرے سے قطع تعلق کر لیا۔ اور اتحاد عرب سے متعلق بعض روشن دماغ عربوں کا بنا بنایا طلسم ٹوٹ گیا۔ اب ربیعہ اور یمن نے ذاتی ضرورت اور فائدے کی بنا پر ابو مسلم سے اتحاد کی درخواست کی۔ جو اس نے منظور کر لی۔ اور ابو مسلم کو عربوں کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہ گیا۔

خراسان پر ابو مسلم کا قبضہ | ان واقعات نے نصر کی کبر ہمت توڑ ڈالی۔ اور ابو مسلم کے لئے فتح خراسان کا راستہ صاف

ہو گیا۔ چنانچہ اس نے پوری تیاریوں سے مرو پر فوج کشی کی۔ نصر مدافعت کے لئے آیا۔ لیکن اس نے حریف کی بے پناہ طاقت کے آگے گھٹنے ٹیک دئے۔ اور ابو مسلم نے مرو کو تیرنگیں کر کے عباسی حکومت کی داغ بیل ڈال دی۔

مرو پر فتح کا پرچم لہرانے کے بعد ابو مسلم کی طاقت میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا۔ اور اس نے ربیعہ و یمن کی امداد سے مستغنی ہو کر پہلے شیبان بن سلمہ حروری کو تہ تیغ کر دیا۔

پھر حسن کارکردگی کے صلے میں انعام و اکرام دینے کے حیلے سے علی بن کربانی سے اس کے مخصوص سرداروں کے نام دریافت کر لئے۔ جب علی نے سب کے نام بتا دیئے۔ تو ابو مسلم نے علی کو اس کے تمام حامیوں کے ساتھ تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ نصر کی سپر اندازی کے بعد تقریباً سارا خراسان ابو مسلم کے زیر نگیں ہو گیا۔ اور اس نے نئے نئے سرے سے تمام مفتوحہ علاقوں کا انتظام کر کے جگہ جگہ قابل و معتمد حاکم مقرر کر دیئے۔

خراسان پر قبضہ کرنے کے بعد ابو مسلم نے قحطیہ بن شیب | عراق عجم کی تسخیر
طائی کو عراق عجم کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ اس نے معمولی معرکوں

کے بعد رے، اصفہان اور نہاوند پر تسلط بٹھالیا۔ اس کے بعد قحطیہ نے ابو عون عبد الملک کو عثمان بن سفیان سے صف آرا ہونے کے لئے شہر زور کی جانب روانہ کیا۔ اس نے عثمان کو زک وے کر شہر زور پر قبضہ کر لیا۔

عراق عجم کو زیر نگیں کرنے کے بعد قحطیہ نے ابو مسلم کے | عراق عرب کی تسخیر
حسب فرمان عراق عرب کی طرف پیش قدمی کی۔ مروان

کی جانب سے ابن ہبیرہ وہاں کا حاکم تھا۔ وہ مقابلے کے لئے نکلا۔ ساحل فرات پر طرفین کی فوجیں جنگ آزما ہوئیں۔ جس میں ابن ہبیرہ نے منہ کی کھا کر واسط کا رخ کیا۔ تخریب خیز واقعہ یہ رونما ہوا۔ کہ قحطیہ حریف کو مغلوب کر کے خود گم ہو گیا۔ تحقیقات سے پتا چلا۔ کہ وہ کسی طرح دریا میں ڈوب گیا۔ اور بعد میں اس کی نعش دست یاب ہوئی۔ مروان کو اس واقعے کی خبر ملی۔ تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔
"یہ بد بختی کی آخری حد ہے۔ کہ زندہ مروے کے مقابلے میں پس پا ہو گیا۔"

اب کوفہ میں عباسیوں کا طوطی بول رہا تھا۔ چنانچہ | خلیفہ عباسی کی بیعت
۳۲ھ میں ابو العباس عبد اللہ بن علی سفاح کے

ہاتھ پر بیعت خلافت کی گئی۔ اور اس نے جامع کوفہ میں پہلے عباسی خلیفے کی حیثیت سے خطبہ دیا۔

مروان کی شکست اور اس کا قتل | اس وقت مروان ایک لاکھ بیس ہزار کی
عظیم الشان فوج لئے ساحل زاب پر خیمہ

زن تھا۔ بیعت خلافت کے بعد ابوالعباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو ایک لشکر
جما دے کر اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مروان نے اپنی ٹڈی دل فوج اور ہمت و
شجاعت کے بل پر نہایت جوانمردی سے کام لیا۔ مگر تازہ دم اور فاتحانہ جوش و ولولہ
سے بھرے ہوئے عباسی بہادروں کے آگے کچھ پیش نہ گئی۔ اور شکست فاش کھائی۔
اموی فوج حواس باختہ ہو کر پس پا ہوئی۔ اور بے شمار سپاہی دریا میں ڈوب گئے۔
مروان مایوس و شکستہ دل ہو کر موصل لوٹ گیا۔ اور وہاں سے مختلف مقامات
میں ہوتا ہوا عازم مصر ہوا۔ جو نہی اس نے یو صیر میں قیام کیا۔ ابو عون اور صالح بھی
وہاں پہنچ گئے۔ مروان نے مٹھی بھر جماعت سے ان کا آخری مقابلہ کیا۔ اور زک اٹھا کر
مارا گیا۔

مروان کی شمع حیات بجھنے کے ساتھ ہی ۲۸ ذی الحجہ ۳۳۲ھ کو حکومت امویہ
کا جھلملاتا ہوا چراغ بھی ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

بنی عباس کے ہاتھ سے بنی امیہ کا قتل عام | قصر حکومت امویہ کے
پیوند زمین ہو جانے کے

بعد بنی عباس نے بنی امیہ کے زندہ اور مردہ افراد سے نہایت ہولناک انتقام لیا۔
عبداللہ بن علی نے نوے امویوں کو جو زندہ گرفتار ہوئے تھے۔ ڈنڈوں سے پٹوا کر
مروا ڈالا۔ اور ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا۔
اموی خلفاء کی قبریں کھدوا کر انھیں تہس نہس اور ہشام بن عبدالملک کی نعش
کو جو سالم نکلی تھی۔ سولی پر آویزاں کر کے نذر آتش کر دیا گیا۔

حکومتِ بنی امیہ کے اسبابِ زوال

(۱) حکومتِ بنی امیہ کے زوال کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ اس میں آغازِ قیام ہی سے خلافتِ راشدہ کی روح باقی نہ رہی تھی۔ اس کے خلیفہ اول حضرت امیر معاویہؓ نے صحابی ہونے کے باعث ہر چند اسے راہِ شریعت پر چلانے کی ہر امکانی جدوجہد کی، لیکن ان کے جانشین اس صراطِ مستقیم سے منحرف ہو گئے۔ صرف ایک خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اصلاح و تجدید سے کام لے کر خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ کی۔ مگر ان کے بعد میں آنے والے خلفا پھر اسی پرانی غیر اسلامی ڈگر پر گام زن ہو گئے۔ شیعہ اور خوارج مختلف اوقات میں بنی امیہ کے خلاف اٹھ کر ان کے شجرِ حکومت کی جڑوں کو کھوکھلی کرتے رہے۔ خواص امت بھی حکومت کی مخالف تحریکوں میں شہود سے حصہ لیتے رہے۔

(۲) دوسرا سبب یہ تھا کہ ہر سرِ حکومت خلیفہ اپنے بعد ایک سے زیادہ ولی عہد نام زد کر دیتا تھا۔ اس طرح پہلا ولی عہد تاجِ خلافت سر پر رکھنے کے بعد دوسرے ولی عہد کو جو اکثر اس کا بھائی وغیرہ ہوتا تھا۔ محروم کر کے اپنے بیٹے کو یہ منصب دینا چاہتا تھا۔ اس طرح خاندان کے ساغرِ اتحاد میں زہر گھل جانے کے علاوہ امرائے حکومت میں گروہ بندی ہو جاتی تھی۔ اور خلیفے کا جانشین اپنے مخالف عمائدِ سلطنت سے بدلے لیتا تھا۔

(۳) تیسرا سبب یہ تھا کہ خلفا ان امرائے عظمائے حکومت کی حوصلہ شکنی کر کے انہیں نہایت سختی سے موردِ عتاب کرتے تھے۔ جن کی شجاعت اور کمالِ سیاست پر حکومت کا قیام و استحکام منحصر تھا۔ مثلاً سلیمان نے موسیٰ بن نصیر جیسے اولوالعزم فاتح کو صیہ عتاب کیا۔

(۴) چوتھا سبب یہ تھا کہ مضری اور یمنی قبیلے باہمی تعصب اور خانہ جنگی میں مبتلا رہے۔ اموی خلفا مضری قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے یمنی قبیلے کو آگے

بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کمال تدبیر و سیاست سے اس
 تعصب کو ابھرنے نہ دیا۔ اور ان کے متعدد جانشینوں نے بھی اس فتنے کو قیامت بننے
 سے روک رکھا۔ لیکن آخری زمانے میں حالات کی رفتار نے ایسا رخ بدلایا کہ خود
 خلفائے ذاتی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا شروع
 کر دیا۔

~~بکتاب مذہبی پر مبنی تاریخ اسلام~~

یعنی قبائل بنی امیہ کے دست و بازو تھے۔ اس لئے آغاز میں انہیں بہت
 عروج و اقتدار حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ امیر مہلب بنی ابی صفرہ کے شکوہ و
 صولت نے تو اپنے خاندان کو اوج ثریا پر پہنچا دیا۔ لیکن بد نصیبی سے یزید بن مہلب
 اور یزید بن عبد الملک کے درمیان افسوس ناک اختلاف پیدا ہو گیا جس نے ایسی
 تباہ کن صورت اختیار کی کہ یزید بن عبد الملک نے مہلب کے سارے گھرانے کو
 نیست و نابود کر دیا۔ اس کے بعد ان دونوں قبیلوں میں سے جس کسی کا بس چلا۔
 اس نے اپنے حریف کو بلیا میٹ کر نا اپنا فرض عین سمجھا۔ آخر اس خانہ جنگی نے
 بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

3 Sachar
 Fayla
 25-4-63

تاریخ اسلام

نوٹ: یہ کتاب بنی ہاشمی کا تواریخ ہے۔
 علی بن رضوی - مکان بازار ملک
 سردار خان - سڑک لاہور

2/53



Every man has the right of his opinion.
 The first man used it.
 He left him "Boo".

These shows they are
 not good.

چونکہ

Handwritten text in Urdu script along the left margin, partially obscured by the binding.

1/11

2

~~Handwritten scribble~~

~~Handwritten scribble~~

~~Handwritten scribble~~

Handwritten scribble with a horizontal line extending to the right.

~~Handwritten scribble~~

~~Handwritten scribble~~

سوطھواں باب

بنی عباس

ابوالعباس عبداللہ سفاح

۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ

ابوالعباس عبداللہ سفاح ۱۳۲ھ میں بمقام حمیرہ واقع بلقا پیدا ہوئے۔ اس کی اماں کی بیعت ۱۲۹ھ میں اور خلافت کی بیعت ۱۳۲ھ میں ہوئی۔ اس کے عہدِ حکمرانی کا زیادہ حصہ ویرینہ بد نظمیوں کے استیصال اور جدید حکومت کے استحکام میں گزرا۔ سفاح کے لغوی معنی ”خونریز“ کے ہیں۔ اس نے بنی امیہ کے بے شمار افراد کو قتل کر کے خون کی ندیاں بہا دیں۔ اور زہرہ گداز منظام کے پہاڑ توڑے۔ اس خاندان کا ایک جوان مرد عبدالرحمن الداخل بھاگ کر اندلس پہنچ گیا۔ جس نے وہاں ایک پُر جلال و جبروت اموی حکومت قائم کی۔ اور اندلس میں تین سو سال تک بنی امیہ کا پرچم اقتدار و اقبال عجب شان سے لہراتا رہا۔

سفاح نے تحتِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد آرمینیہ اور آذربائیجان کی عنانِ ولایت اپنے بھائی ابو جعفر منصور کے سپرد کی۔ اپنے چچا داؤد کو مکہ معظمہ مدینہ منورہ۔ یمن اور یمامہ کا والی مقرر کیا۔ ایک بیٹے کو عاہل کوفہ اور دوسرے چچا کو والی شام بنایا۔ مصر کا قلم دان فرماں روائی ابو عون کے حوالے کیا۔ فارس

کی زمام امارت اپنے بھائی کے ہاتھ میں دی۔ اور خراسان پر ستور ابو مسلم کے قبضے میں رہنے دیا۔

سقاہ نے وزارت کا منصب قائم کیا۔ اور ابو سلمہ حفص بن سلیمان کو پہلا وزیر بنایا۔ کیونکہ اس نے عباسی تحریک کو فروغ دینے میں بڑی کارنامے انجام دئے تھے۔ لیکن اس کی شمع وزارت چراغ سحر کی طرح جلد خاموش ہو گئی۔ اس لئے کہ اس نے حکومت کو اہل بیت نبوی میں منتقل کرنے کے لئے سعی و جہد کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا تھا۔ اور سقاہ پر یہ راز فاش ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے ابو مسلم کے ہاتھ سے اسے قتل کرادیا۔

ابو سلمہ کے بعد وزارت کا منصب خالد بن برمک کے حصے میں آیا۔ خالد ایک بیدار مغز و روشن دماغ خاندان کا فرد تھا۔ اور فضل و کمال۔ فرزانگی و بصیرت۔ سیاست و تدبیر اور شجاعت و سطوت کے اعتبار سے فخر و دوام سمجھا جاتا تھا۔ علاوہ بریں اس نے تحریک عباسی کی نشر و اشاعت میں جلیل القدر خدمات انجام دی تھیں۔

سقاہ نے اپنے پہلے مقلع بیعت عراق کو دار الخلافہ مقرر کیا۔ پھر ۱۳۲ھ میں ایک نوآباد شہر ہاشمیہ کو پایہ تخت بنایا۔ اس شہر کا دوسرا نام مدنیہ المنصور بھی تھا۔

غیر مملوکہ مقامات پر قبضہ مالک محروسہ کے بہت بڑے علاقے پر تو پہلے ہی قبضہ ہو چکا تھا۔ اب جو علاقے باقی رہ گئے تھے۔ وہ سقاہ کے عہد میں معمولی معرکوں کے بعد زیر نگین ہو گئے۔

۱۳۳ھ میں محمد بن مسلمہ اموی نے خراسان کو واپس لینے کی کوشش کی۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ موصلیوں نے علم مخالفت بلند کر کے عباسی حاکم محمد بن صول کو اپنے شہر سے نکال دیا۔ یحییٰ بن علی نے حسب فرمان زور و قوت کے بل پر اہل موصل سے اطاعت قبول کرائی۔

آرمینیا اور سندھ میں بھی لڑائیاں پیش آئیں۔ لیکن محمد بن صول اور موسیٰ بن کعب

نے علی الترتیب ان مقامات کے غاصبوں کی سرکوبی کر کے امن قائم کیا۔

بغاوتوں کا استیصال | عباسی تحریک اہل بیت کے نام پر شروع کی گئی تھی لیکن جب موقع پر اس راز سے پردہ اٹھ کر حکومت اہل بیت

کے بجائے بنی عباس کو مل گئی۔ تو ان لوگوں نے مخالفت کا طوقان برپا کر دیا۔ اور ان کے ایک سرگرم کارکن شریک نے بخارا میں بغاوت کی آگ لگا دی۔ تیس ہزار آدمی شریک کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ لیکن ابو مسلم نے اسے قتل کر دیا۔ بسام بن ابراہیم خراسانی نے بھی سراٹھایا۔ اور ایک جماعت لے کر میدان میں اتر آیا۔ لیکن خازم بن خزیمہ نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔

خارجی | خارجیوں نے اپنی فطرت کے مطابق عمان اور بحرین میں علم بغاوت بلند کیا۔ سفاح نے خازم کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ عمان میں بساط جنگ آراستہ ہوئی۔ جس میں خوارج کا سرغنہ جلندی مارا گیا۔ اور بہت سے خارجی تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔

رومیوں کی یورش | ۳۳ھ میں رومیوں نے حکومت عباسیہ کی رفتار حالات سے فائدہ اٹھا کر کنج پر یورش کر دی۔ وہاں کے لوگ

مسلمانانِ بلطیہ سے مل کر مقابلے کو نکلے۔ لیکن زک اٹھائی۔ اس کے بعد رومیوں نے بلطیہ کا محاصرہ کیا۔ مسلمان تاب مقابلہ نہ پا کر بلطیہ سے عازم جزیرہ ہو گئے۔ رومیوں نے شہر کو خالی پا کر اس میں گدھے کے ہل چلوا دئے۔ ایک روایت کے مطابق رومیوں نے صلح کر لی۔ اور سفاح نے عبداللہ بن علی کو بھیج کر سرحد کو مضبوط و محفوظ کرایا۔

فتوحات | استحکامِ سرحد کے ساتھ ہی سفاح نے بہات کا رشتہ سنبھال کر سرحد کو یلغار و ترک تاز کا محاذ بنا نا شروع کیا۔ چنانچہ ۳۳ھ میں خالد بن ابراہیم نے ختن پر ہتھ بول دیا۔ وہاں کے حاکم نے بھاگ کر چین کی راہ لی۔

اسی سال فرغانہ اور چاچ میں آویزش رونما ہوئی۔ فرغانہ نے چین سے مدد لے کر چاچ کو مغلوب کیا۔ ابو مسلم خراسانی نے زیاد بن صالح کو بھیج کر اس اختلاف کا خاتمہ

کرا دیا۔

۳۳ھ میں خالد بن ابراہیم نے کتب پر حملہ کیا۔ اور وہاں کے حاکم کو فنا کے گھاٹ اتار کر کثیر المقدار مالِ غنیمت پر قبضہ کیا۔

۳۶ھ میں سفاح نے اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو اور اس کے بعد **ولی عہدی** اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد نام زد کیا۔

اسی سال ابو مسلم خراسانی سفاح سے اجازت لے کر ابو جعفر منصور کے زیر امارت حج کو

روانہ ہوا۔ ابو جعفر کی مراجعت سے قبل ہی ۱۳ ذی الحجہ ۳۶ھ کو سفاح نے ۶۳ سال کی عمر میں چار سال آٹھ مہینے خلافت کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور ہاشمیہ میں رسم تدفین ادا کی گئی۔

سفاح ایک جلیل المرتبت۔ فرزانہ۔ صاحب تدبیر اور کشادہ دست خلیفہ تھا۔ علم اور خوش اخلاقی بھی اس کے آئینہ سیرت

کے جوہر تھے۔ لیکن بنی امیہ سے انتقام لینے میں اس نے حد سے زیادہ خون ریزی کی۔ جس کے باعث وہ "سفاح" کے لقب سے مشہور ہوا۔

ابو جعفر منصور

۳۷ھ تا ۱۵۸ھ

ابو جعفر منصور ۹۵ھ یا ۱۰۰ھ میں ایک بربری کنیز سلامہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور محرم ۳۷ھ میں سریر آرائے خلافت ہوا۔

سفاح کے چچا عبداللہ بن علی کو اس کے انتقال کی خبر ملی۔ تو حکومت کی ہوا وہوس سے منہ میں

پانی بھر آیا۔ اور اس نے لوگوں کے ایک اجتماع کثیر میں کہا:۔

”سقاح نے ہم حمران کے موقع پر کہا تھا۔ کہ جو شخص اس ہم پر جائے گا۔ وہی میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ چنانچہ میں اس ہم پر روانہ ہوا۔ اور میں نے ہی مروان اور دوسرے اموی سرداروں کو ناک چنے چہو کر فتح حاصل کی تھی۔“

لوگوں نے اس کی تصدیق کر کے عبداللہ بن علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن یہ بیان اصلیت سے خالی تھا۔ اس لئے منصور نے اس سے مطلع ہونے پر ابو مسلم سے رائے طلب کی۔ ایک روایت کے مطابق ابو مسلم اس کی امداد کو تیار ہو گیا۔ اور نصیبین میں عبداللہ کے چھکے چھڑا کر اس کا زور توڑ دیا۔ منصور نے عبداللہ کو قید و بند میں ڈال دیا۔ اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔

ابو مسلم کو اس فتح میں بہت ساز و مال ہاتھ آیا تھا۔ منصور نے اسے لینے کے لئے خاص آدمی روانہ کئے۔ ابو مسلم طیش میں آ گیا۔ اور تندہی جذبات کی رو میں بہ کر منصور کی باں کی شان میں ناشائستہ کلمات کہہ ڈالے۔ منصور کو اطلاع ملی۔ تو اس کے دل میں ابو مسلم کی طرف سے گہرے بیٹھ گئی۔ یہ کشیدگی بڑھتے بڑھتے شدید مخالفت کی صورت اختیار کر گئی۔ اور ابو مسلم خلافت عباسیہ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے پر تل گیا۔

چنانچہ ابو مسلم نے ایک شکر جزار ہمارا لے کر نصیبین سے خراسان کی طرف پیش قدمی کی۔ تاکہ منصور کی بیعت پر خط نسخ کھینچ کر وہاں علوی سلطنت کا قیام عمل میں لائے۔ رستے میں ایک مقام پر منصور فرودکش تھا۔ اس نے ابو مسلم کو بلا بھیجا۔ مگر وہ نہ آیا۔ پھر منصور کے کہنے پر عیسیٰ بن موسیٰ اور جریر بن عبداللہ اسے کسی نہ کسی طرح لے آئے۔ منصور نے مصلحتاً کسی قسم کی ناراضی کا اظہار نہ کیا۔ اور حسب معمول اس کے پاس ابو مسلم کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔

ابو مسلم کا قتل ابو مسلم اپنے آپ کو دولت عباسیہ کا بانی سمجھ کر آزادی اور حکومت کی بلند فضاؤں میں اڑ رہا تھا۔ اور منصور حالات کی رفتار کو گہری نظر سے بھانپ کر اسے ایک مستقل خطرہ سمجھنے لگا تھا۔ اس لئے وہ یہ سوچ کر کہ اس سے بچاؤ کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔ کہ ابو مسلم کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔

موقع کا انتظار کرنے لگا۔ دہلی میں ابو مسلم کا آنا جانا تو شروع ہو ہی گیا تھا۔ اس لئے منصور نے مقررہ وقت پر چند مسلح آدمی چھپا دئے۔ ابو مسلم آیا۔ تو منصور نے چالاک سے اس کی تلوار باہر رکھوا دی۔ اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں منصور نے یکایک غیظ و غضب میں آکر اس کے بعض جرائم گنوائے۔ اور پھرتالی بجائی۔ اسی وقت چھپے ہوئے مسلح آدمیوں نے نکل کر اسے تھکا لوتی کر ڈالا۔ اور دولت عباسیہ کا یہ بانی اعظم جس نے اس کا ایوان سلطنت چھ لاکھ آدمیوں کے خون سے تیار کیا تھا خود مرغِ بسمل کی طرح خون آلود فرش پر لوٹنے اور تر پنے لگا۔

سنباد کا خروج | ابو مسلم نہایت بلند پایہ اور مقبول و ہر دل عزیز رہتا تھا۔ اس کا خون بہت جلد رنگ لایا۔ چنانچہ ایک سرگرم حامی فیروز عرف سنباد مجوسی ابو مسلم کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ منصور نے اس کے مقابلے کے لئے جمہور بن مرار عجمی کو ایک سپاہ گراں کے ساتھ بھیجا۔ سنباد کو منہ کی کھانی پڑی اور ساٹھ ہزار مجوسی فتنائے گھاٹ اتر گئے۔ سنباد بھاگ کر طبرستان چلا جانا چاہتا تھا۔ لیکن راستے ہی میں اس کا قصہ پاک کر دیا گیا۔

جمہور بن مرار کا خروج | سنباد کا بہت سامان و متاع دیکھ کر جمہور کے منہ میں پانی بھر آیا۔ چنانچہ اس نے سارا سامان ہتھیا کر مواخذہ کے خوف سے علم بغاوت بلند کر دیا۔ منصور نے محمد بن اشعث کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ طرفین میں بمقام فیروزان گھمسان کا رن پڑا۔ اور جمہور تاب مقابلہ نہ لاکر آذربائیجان کی طرف بھاگ گیا۔ یہاں اس کا سر قلم کر کے منصور کے پاس بھیجا دیا گیا۔

ملبدین حرملہ کا خروج | ۱۳۷ھ میں جزیرہ کے قرب و جوار میں ملبدین حرملہ نے خروج کیا۔ اور مقابلے کے دوران میں متعدد با

شاہی فوجوں کے پاؤں اکھڑا اکھڑ گئے۔ آخر ۱۳۸ھ میں خازم بن خزیمہ نے مرمر سے ٹھکانے لگایا۔

فرقہ زاوندیہ کی بغاوت | ابو مسلم خراسانی کی جمعیت کثیر کا ایک حصہ علاقہ زاوندیہ میں

میں رہتا تھا۔ جسے فرقہ راوندیہ کہتے تھے۔ یہ تنازع کو مانتا تھا۔ اور عثمان بن نہیک کو آدمؑ۔ شہیم بن معاویہ کو جبریلؑ اور منصور کو خدا کہتا تھا۔ جب ان لوگوں نے دار الخلافہ میں آکر اُدھم مچانا شروع کیا۔ تو منصور نے ان کے دو سردار گرفتار کر کے قید و بند میں ڈال دیئے۔ اس پر ان لوگوں نے اور بھی نعل در آتش ہو کر فتنے کو قیامت بنا دیا۔ منصور مجبور ہو کر محل سے نکل آیا۔ اور قریب تھا کہ بلواری محل پر قبضہ کر لیں۔ اتنے میں ایک شخص معن بن زائدہ شیبانی نے جو ایک جرم کی بنا پر منصور کے در سے نئے نئے بھیس میں بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ بلواریوں سے خون ریز معرکہ آرائی کر کے انہیں دندان شکن شکست دی۔

۱۳۱ھ میں عبد الجبار والی خراسان نے

عبد الجبار کی بغاوت اور قتل

علم بغاوت بلند کیا۔ اور فوجی سرداروں کو معزول۔ بے عزت اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ منصور کا ماتھا ٹھٹکا۔ تو اس نے ابو ایوب وزیر کے مشورے سے عبد الجبار کو فرمان بھیجا۔ کہ فوج خراسان کا بہت ساحقہ جہادِ روم پر روانہ کر دو۔ عبد الجبار نے فساد نیت کی بنا پر اس اہم امر کو آئیں باتیں مشائیں کر کے ٹال دیا۔ منصور نے اتمام حجت کے طور پر اسے ایک اور موقع دیا۔ آخر اس کی بدبختی کے الم نشرح ہو جانے پر منصور نے مہدی اور خزیمہ بن خازم کو لشکر جرار دے کر اس کے مقابلے کو بھیجا۔ اور ایک خون ریز جنگ کے بعد عبد الجبار کو شکست دی۔ وہ بھاگ کر روپوش ہو گیا۔ لیکن جلد ہی گرفتار ہو کر منصور کے پاس پہنچ گیا۔ جس نے اسے قتل کرادیا۔

۱۳۲ھ میں عینیہ بن موسیٰ والی سندھ نے

عینیہ بن موسیٰ کی بغاوت

بغاوت پر کمر باندھی۔ لیکن اسے جلد مغلوب کر لیا گیا۔

۱۳۸ھ میں حسان بن مجالد ہمدانی خارجی نے

حسان بن مجالد کی بغاوت

موسل کے قریب ایک گاؤں میں سر اٹھایا۔

اور ان کی آن میں اس قدر طاقت حاصل کر لی۔ کہ دو مرتبہ شاہی فوجوں کو نچا دکھایا۔ اور ایک سردار بلال قیسی کو تہ تیغ کر دیا۔ منصور یہ خبر سن کر آگ بگولا ہو گیا۔ اور نئے سرے سے لشکر بھیجنے کا قصد کیا۔ لیکن فوجوں کے روانہ کرنے سے پہلے امام حنیفہ سے مشورہ طلب کیا۔ انھوں نے ایسا مسکت جواب دیا۔ کہ منصور نے اہل موصل سے باز پرس کا خیال چھوڑ دیا۔

۱۵۰ھ میں خراسان کے مضافات میں ایک شخص استاذ سیس

استاذ سیس کا فتنہ

نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اپنے گرد ایک کثیر جماعت فراہم کر کے خراسان کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو گیا۔ شہزادہ مہدی نے خزیمہ بن خازم کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ استاذ سیس کے فتنے کو پیوند زین کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے متعدد مرتبہ شاہی فوجوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آخر شکست کھائی۔ اور اس کے ستر ہزار آدمی قتل اور چودہ ہزار گرفتار ہوئے۔

افریقہ میں شورش

شمالی افریقہ کی سرزمین گویا بغاوت خیز تھی۔ یہاں کی شورشوں کے حالات اور اوراق گزشتہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ ۱۳۲ھ میں محمد بن اشعث کا استیصال کرنے کے اسن قائم کیا۔ اور کچھ عرصے تک وہاں سکون و عافیت کی ہوائیں چلتی رہیں۔ ۱۳۸ھ میں بغاوت کے فتنے نے پھر سر نکالا۔ جس نے بڑھ کر قیام بن جانے سے برسوں تک اس علاقے کے گوشے گوشے کو محشر انقلاب بنائے رکھا۔ آخر ۱۵۶ھ میں عبداللہ بن سمط کنڈی والی طرابلس نے آخری بربری باغی ابو یحییٰ بن فریاس کو شکست فاش دے کر افریقہ کی بغاوت کو آغوشِ لحد میں ملادیا۔ اور اسن واماں قائم ہو گیا۔

اندلس میں اموی حکومت کا قیام

اندلس میں ساہا سال تک ہمتی اور مضری عصبیت کی انقلاب انگیز آگ بھڑکتی رہی۔ اور اسلامی حکومت بن بن کر بگڑتی اور بگڑ بگڑ کر بنتی رہی۔ ایک مو پر یوسف بن عبدالرحمن مضری نے اندلس کی عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ لیکن

نے اس سے جنگ کی۔ اور اس خانہ جنگی سے مسلمانوں کی طاقت کو بہت ضعف پہنچا۔ جب سفاح نے عباسی حکومت کے قیام کے بعد اموی خاندان کے استیصال پر کربلا دھلی۔ اور اس کے افراد ڈھونڈ ڈھونڈ کر تہ تیغ کئے جانے لگے۔ تو عبدالرحمن الداخلی بھاگ کر مغرب کی جانب چلا گیا۔ اور ۱۳۸ھ میں اندلس پہنچ گیا۔

اہل اندلس نے عبدالرحمن کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور اس نے وہاں کے صدر مقام قرطبہ کی طرف پیش قدمی کی۔ یوسف ان دنوں ایک ہم کئے سلسلے میں جلیقیہ گیا ہوا تھا۔ جب وہاں عبدالرحمن کے حملے کی خبر پہنچی۔ تو یوسف کی فوجوں کا بہت بڑا حصہ اس کا ساتھ چھوڑ کر عبدالرحمن کے پاس قرطبہ چلا گیا۔ اب یوسف کے پاس مٹی بھر جانت رہ جانے سے اس کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ طرفین میں مقابلہ ہوا جس میں یوسف نے شکست کھائی۔ اور اطاعت ختم کر کے صلح کر لی۔ لیکن چند روز کے بعد بد عہدی کر کے بیس ہزار بربریوں کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد میدان مقابلہ میں اتر آیا۔ عبدالرحمن کی فوجوں نے اسے شکست دی۔ اور اس کا سر قلم کر کے دربار خلافت میں پیش کیا گیا۔ اس طرح ۱۳۸ھ میں اندلس بنی امیہ کی حکومت کا گہوارہ بن گیا۔

علویوں کا خروج | علوی اور غیر علوی کا انقلاب در آغوش جھگڑا مدت سے چلا آ رہا تھا۔ لیکن بنی عباس کے عہد میں اس نے زیادہ

زور پکڑ لیا۔ اور منصور کے زمانے میں اس کی شدت ہولناک صورت اختیار کر گئی چنانچہ سب سے پہلے محمد بن عبداللہ المہری الملقب بہ نفس زکیہ منصور کے خلاف میدان میں اتر آئے۔ چونکہ بنی ہاشم کے عالم و فاضل۔ عابد و زاہد اور وسیع اثر و رسوخ رکھنے والے بزرگ "اسمہ کاسمی" والی مشہور حدیث کے مصداق تھے۔ اس لئے شیعیان اہل بیعت اور دوسرے لوگ انھیں مہدی موعود سمجھ کر ان کے زور علم جمع ہو گئے۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

نفس زکیہ ایک عرصے تک خفیہ اس دعوت میں مصروف رہے۔ منصور نے ہر چند انھیں تلاش کرایا۔ لیکن گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تلاش و جستجو

کا یہ سلسلہ نہایت مستعدی و سرگرمی سے مدت دراز تک جاری رہا۔ آخر منصور نے اپنی پیہم ناکامیوں پر سانپ کی طرح بل کھا کر رباح والی مدینہ کو حکم دیا کہ اگر محمد اور ان کے بھائی ابراہیم نہیں ملتے تو حسن کی تمام اولاد بستہ طوق و زنجیر کر دی جائے۔ چنانچہ یہ سب لوگ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر بزدہ روانہ کئے گئے۔ منصور نے انہیں اسیر زنداں کر دیا۔

آلِ حسن کو قید و بند میں ڈال دینے کے بعد ان پر انتہائی نفس زکیہ کا خروج

تشدد کے پہاڑ توڑ کر محمد اور ابراہیم کا پتلا چھنے کی کوشش کی گئی۔ اکثر اشخاص ان مصیبتوں اور عتوتوں کی تاب نہ لا کر جان بحق ہو گئے۔ نفس زکیہ کو ان کے جاں نثار حامیوں نے مجبور کیا کہ بہت جلد میدان میں نکل آئیے۔ چنانچہ رجب ۳۱ھ میں انہوں نے ایک ٹڈی دل جمعیت کے ساتھ خروج کیا اور مدینہ پہنچ کر رباح کو قید کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ پھر گئے پیچھے۔ وہاں کے لوگ بھی ساتھ ہو گئے۔ منصور کو ان حالات کی خبر ملی۔ تو وہ استقلال طبع کے باوجود پریشان ہو گیا۔ اور نفس زکیہ کے نام حسب ذیل مضمون کا ایک خط ارسال کیا۔

”اللہ کے بندے عبد اللہ امیر المؤمنین کی طرف سے محمد بن عبد اللہ کو منصور کا خط

معلوم ہو کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزایہ ہے۔ کہ قتل یا زینب دار و رسن کئے جائیں یا ان کے دونوں مخالفت ہاتھ پاؤں قطع کئے جائیں۔ یا وہ ملک سے خارج کئے جائیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی شدید عذاب ہے۔ ہاں جو لوگ قابو پا جانے سے پہلے ان حرکتوں سے توبہ کر لیں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ غفور اور رحیم ہے۔“ (آیۃ قرآنی)

میں اللہ اور رسول کو درمیان میں ڈال کر اور اس کا واسطہ دے کر عہد کرتا ہوں کہ اگر تم میرے قابو میں آنے سے پہلے اپنی حرکتوں سے تائب ہو کر باز آ جاؤ تو میں تمہارے بیٹوں۔ بھائیوں۔ اہل خاندان اور فقہاء سب کی جان بخشی کرتا ہوں۔ اور تم نے جو

مالی و جانی نقصان پہنچایا ہے۔ اس سے بھی درگزر کروں گا۔ وہ س لاکھ درہم نقد
 دوں گا۔ تمھاری اور جو ضروریات ہوں گی۔ سب پوری کریوں گا۔ اور جو مقام تم اپنی
 اقامت کے لئے پسند کرو گے۔ وہاں قیام کی اجازت دی جائے گی۔ تمھارے
 خاندان کے جس قدر لوگ اسیر ہیں۔ سب آزاد کر دئے جائیں گے۔ تمھارے ہاتھ
 پر جن لوگوں نے بیعت کی ہے۔ یا کسی حیثیت سے تمھارا ساتھ دیا ہے۔ سب کی
 جان بخشی کی جائے گی۔ ان میں کسی سے کبھی باز پرس نہ کی جائے گی۔ اگر تم
 میری ان شرائط پر اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو جینیں تم پسند کرو۔ انھیں
 بھیج دو۔ وہ آکر مجھ سے امان نامہ اور عہد و پیمانہ لے لیں۔

نفس زکیہ کا جواب | محمد ابن عبداللہ نے اس کا یہ جواب تحریر کیا۔

”اللہ کے بندے ہمدی محمد بن عبداللہ کی طرف سے
 عبداللہ بن محمد کے نام ”طسم“۔ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔ ہم ان لوگوں کے
 لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ موسیٰ اور فرعون کے بعض سچے حالات تمھیں سنانے
 ہیں۔ فرعون زمین میں بہت بڑھ رہا تھا۔ اور اس نے اس کے باشندوں
 کے مختلف گروہ بنا دئے تھے۔ ان میں ایک گروہ کو اس قدر کم زور کر دیا تھا کہ
 ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا۔ اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ بے شک وہ مفدہ
 پر دازوں میں تھا۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ اس ملک میں جو کم زور سمجھے گئے۔ ان کے
 ساتھ احسان کریں۔ اور انھیں سردار بنائیں۔ نیز انھیں ملک کا وارث قرار دیں۔
 اور ان کے قدم ملک میں جمائیں۔ اور فرعون و ہمان اور ان کے لشکر کو جن سے وہ
 بڑتے تھے۔ انھیں لوگوں کے ہاتھوں تباہ کر دکھائیں۔

”ہم تمھارے لئے ویسی ہی امان پیش کرتے ہیں۔ جیسی تم نے ہمارے لئے
 پیش کی ہے۔ حقیقت میں خلافت ہمارا حق ہے۔ تم نے ہمارے ہی ذریعے سے
 اس کا دعویٰ کیا۔ ہمارے ہی گروہوں کو لے کر حکومت حاصل کرنے کے لئے
 نکلے۔ اسی لئے کامیاب ہوئے۔ ہمارے باپ علیؑ وصی اور امام تھے۔ پھر تم

ان کی ولایت کے وارث کس طرح ہو گئے۔ حالانکہ ان کی اولاد موجود ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم جیسے شریف و صحیح النسب لوگوں نے حکومت کی خواہش نہیں کی۔ ہم ملعونوں۔ مردودوں اور آزاد کئے ہوئے غلاموں کی اولاد نہیں۔ بنی ہاشم میں کوئی شخص بھی قرابت۔ سابقیت اور فضیلت میں ہمارا ہمسر نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں ہم فاطمہ بن عمرو کی اولاد سے ہیں۔ اور اسلام میں فاطمہ بنت رسول کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تم سے برتر و بہتر بنایا ہے۔ نبیوں میں ہمارے باپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو سب سے افضل ہیں۔ اور سلف میں علیؑ ہیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اور ازواج مطہرات میں سب سے پہلے خدیجہ الکبریٰؓ نے قبلہ رخ نماز پڑھی۔ لڑکیوں میں فاطمہؓ سیدۃ النساء و دختر رسول اللہ صلعم ہیں جنہیں سارے جہان کی عورتوں پر فضیلت ہے۔ اسلام میں پیدا ہونے والوں میں سب سے بہتر حسنؑ و حسینؑ ہیں جو اہل جنت کے سردار ہیں۔ ہاشم سے علیؑ کا دہرا سلسلہ قرابت ہے۔ اور حسنؑ کا عبدالمطلب سے دہرا سلسلہ قرابت ہے۔ مجھے حسنؑ و حسینؑ کے واسطے سے رسول اللہ صلعم کے ساتھ دہرا شرف انبیت حاصل ہے۔ میں نسب کے اعتبار سے بہترین بنی ہاشم ہوں۔ میرا باپ بنی ہاشم کے مشاہیر میں سے ہے۔ مجھ میں کسی عجمی کی آمیزش نہیں۔ اور نہ کسی لونڈی باندی کا اثر ہے۔ میں اپنے اور تمہارے درمیان خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں۔ کہ اگر تم میری اطاعت اختیار کر لو گے۔ تو میں تمہیں تمہارے جان و مال کی دعا دیتا ہوں۔ اور ہر بات سے جس کے تم مرتکب ہو چکے ہو۔ درگزر کرتا ہوں۔ مگر حدود اللہ سے کسی حد کا یا کسی مسلمان کے حق یا معاہدے کا میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔ کیونکہ اس معاملے میں جیسا کہ تم جانتے ہو۔ میں مجبور ہوں۔ یقیناً میں تم سے زیادہ مستحق خلافت اور عہد کا پورا کرنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے نسبت کے لحاظ سے میرے لئے بہترین ماں باپ منتخب کئے۔ اور یہ امتیاز دوزخ میں بھی قائم رکھا۔ میں اس کی اولاد ہوں۔ جس کا درجہ جنت میں سب سے بلند ہوگا۔ میں اس کی اولاد ہوں۔ جسے

دوزخ میں سب سے کم عذاب ملے گا۔ پس میں نیکیوں میں سب سے بڑے نیک اور
 بُروں میں سب سے کمتر بُرے اور جنت و دوزخ کے سب سے بہتر مکین کا فرزند
 ہوں۔ تم نے مجھ سے پہلے بھی چند لوگوں کو امان اور قول دیا تھا۔ پس تم مجھے کس
 طرح کی امان دیتے ہو؟ جیسی ابن ہبیرہ کو دی۔ یا جیسی اپنے چچا عبداللہ بن علی
 کو دی یا جیسی اپنے دست راست ابو مسلم کو دی؟
 منصور یہ خط پڑھتے ہی جل بھن کر کوتلہ ہو گیا۔ اور حسب ذیل مضمون کا نہایت
 سخت جواب لکھا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ میں نے تمہارا خط پڑھا تمہارے
 منصور کا دوسرا خط“

فخر کا انحصار عورتوں کی قرابت پر ہے جس سے جاہل
 بازاری لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چچاؤں۔ باپوں اور
 ولیوں کے برابر درجہ نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے چچا کو باپ کا قائم مقام بنایا ہے۔
 اور اپنی کتاب میں اسے قریب ترین ماں پر مقدم کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ عورتوں
 کی قرابت کا پاس و لحاظ کرتا۔ تو آمنہ (مادہ رسول اللہ صلعم) جنت میں داخل ہونے
 والوں کی سردار ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی کے مطابق جسے چاہا۔ برگزیدہ
 کیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

انکلا تھدی من اجبیت
 ولكن اللہ یھدی من یشاء الخ
 تم جسے پسند کرتے ہو۔ اسے ہدایت یاب نہیں
 کر سکتے۔ لیکن خدا جسے چاہتا ہے۔ ہدایت
 یاب کرتا ہے۔

”تم نے جو فاطمہ ام ابی طالب کا ذکر کیا ہے۔ تو اس کی حالت یہ ہے۔ کہ خدا
 نے اس کے کسی بیٹے اور کسی بیٹی کو اسلام نصیب نہیں کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ
 مردوں میں سے کسی کو قرابت کی وجہ سے برگزیدہ کرتا تو عبداللہ بن عبدالمطلب
 کو۔ اور بے شک وہ ہر طرح بہتر تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لئے
 جسے چاہا۔ اختیار کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کو مبعوث کیا۔ تو

اس وقت آپ کے چار چچا زندہ تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آیہ کریمہ وانذر عشیرتک
الاقربین نازل فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ان لوگوں کو عذاب الہی سے ڈرایا
اور دین حق کی طرف بلایا۔ ان چاروں میں سے دو نے اس دین حق کو قبول کر لیا۔
جن میں سے ایک ہمارے جد اعلیٰ (حضرت عباسؓ) تھے۔ اور دو نے دین حق
کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ ان میں سے ایک تمہارے جد اعلیٰ (ابوطالب)
تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا سلسلہ ولایت آپ سے منقطع کر دیا۔
اور آپ میں اور ان دونوں میں کوئی عزیز داری اور میراث قائم نہ کی جس کی
بابت جوتم نے لکھا ہے۔ کہ عبدالمطلب سے ان کا دھرا سلسلہ قرابت ہے۔
اور پھر تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دھرا رشتہ قرابت ہے۔ تو اس کا جواب
یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الاولین والآخرین ہیں۔ انھیں ہاشم اور عبدالمطلب
سے ایک پدری تعلق تھا۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ تم بہترین بنی ہاشم ہو۔ اور
تمہارے باپ ان میں زیادہ مشہور تھے۔ اور تم میں بھیوں کا میل اور
کسی لوٹھی کا لگاؤ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم پورے بنی ہاشم کے مقابلے میں فخر کرتے
ہو۔ ذرا غور تو کرو۔ تم پر ثناء ہے۔ کل خدا کو کیا جواب دو گے۔ تم نے حد سے زیادہ تجاؤ
کیا۔ اور اپنے آپ کو اس سے بہتر بتایا۔ جو تم سے ذات و صفات میں بہتر ہے۔ یعنی
حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالخصوص تمہارے باپ کی اولاد میں کوئی بہتر
وصاحب فضل سوا کینزک زادوں کے نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد
تم میں علی بن حسین یعنی امام زین العابدینؑ سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔
اور وہ کینزک کے بیٹے اور بے شبہ تمہارے دادا حسن بن حسینؑ سے بہتر ہیں۔
ان کے بعد تم میں محمد بن علی کی مانند کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ ان کی دادی کینزک
تھیں۔ اور وہ تمہارے باپ سے بہتر ہیں۔ ان کے بیٹے جعفر تم سے بہتر ہیں۔ اور
ان کی دادی بھی کینزک تھیں۔ تمہارا یہ کہنا غلط ہے۔ کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
بیٹے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔ ماکان علی اباً احد من رجالکم۔

ہاں تم ان کی بیٹی کے بیٹے ہو۔ اور بے شک یہ قرابت قریبہ ہے۔ مگر اسے میراث نہیں پہنچ سکتی۔ نہ یہ ولایت کی وارث ہو سکتی ہے۔ اور نہ اسے امامت جائز ہے۔ پس اس قرابت کے ذریعے سے تم کس طرح وارث ہو سکتے ہو۔ تمہارے باپ نے ہر طرح اس کی خواہش کی تھی۔ فاطمہؓ کو دن میں نکالا۔ ان کی بیماری کو چھپایا۔ اور رات کے وقت انہیں دفن کیا۔ مگر لوگوں نے شیخیوں کے سوا کسی کو منظور نہ کیا۔ تمام مسلمان اس پر متفق ہیں۔ کہ نانا۔ ماموں اور خالہ مورث نہیں ہوتے۔ پھر تم نے علیؓ اور ان کے سابق بالاسلام ہونے کی وجہ سے فخر کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ بعد ازاں لوگ ایک کے بعد دوسرے کو امام بناتے گئے۔ اور انہیں منتخب نہ کیا۔ حالانکہ یہ بھی ان چھ شخصوں میں سے تھے۔ لیکن سب نے انہیں اس امر کے قابل نہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور اس معاملے میں انہیں حق دار نہ سمجھا۔ عبدالرحمن نے تو ان پر عثمانؓ کو مقدم کر دیا۔ اور وہ اس معاملے میں متہم بھی ہیں۔

”اس کے بعد جب خود ان کا دور آیا۔ تو طلحہؓ اور زبیرؓ ان سے لڑے۔ سعد نے ان کی بیعت سے انکار کیا۔ پھر معاویہؓ کی بیعت کی۔ اس کے بعد تمہارے باپ نے پھر خلافت کی تمنا کی۔ اور لڑے۔ ان سے ان کے ساتھی جدا ہو گئے۔ اور حکم مقرر کرنے سے پہلے ان کے ہواخواہ ان کے مستحق ہونے کی بابت مشکوک ہو گئے۔ پھر انہوں نے رضامندی سے دو شخصوں کو حکم مقرر کیا۔ ان دونوں نے ان کی معزولی پر اتفاق کر لیا۔ پھر حسنؓ خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے خلافت کو معاویہؓ کے ہاتھ کپڑوں اور درہوں کے عوض فروخت کر ڈالا۔ اپنے ہواخواہوں کو معاویہؓ کے سپرد کر دیا۔ اور حکومت نااہل کو سونپ دی۔ پس اگر اس میں تمہارا کوئی حق بھی تھا۔ تو تم اسے فروخت کر چکے۔ اور قیمت وصول کر لی۔ پھر تمہارے چچا حسینؓ نے ابن مرجم (ابن زیاد) پر خرد ج کیا۔ لوگوں نے تمہارے چچا کے خلاف اس کا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے تمہارے چچا کو قتل کیا۔ اور ان کا سر کاٹ کر اس کے

پاس لے آئے۔ پھر تم لوگوں نے بنی امیہ پر خروج کیا۔ انہوں نے تمہیں قتل کیا۔ خرا کی ڈالیوں پر سولی دی۔ آگ میں جلایا۔ شہر بدر کیا۔ یحییٰ بن زید کو خراسان میں قتل کیا۔ تمہارے مردوں کو قتل کیا۔ لڑکوں اور عورتوں کو قید کر لیا۔ اور بے پروا اونٹوں پر سوار کر کے تجارتی لوٹوں کی طرح شام بھیج دیا۔ یہاں تک کہ ہم نے ان پر خروج کیا۔ اور ہم نے تمہارا معاوضہ طلب کیا۔ چنانچہ تمہارے خونوں کا بدلہ ہم نے لے لیا۔ اور ہم نے تمہیں ان کی زمین اور جائداد کا مالک بنا دیا۔ ہم نے تمہارے بزرگوں کو فضیلت دی اور معزز بنایا۔ کیا تم اس کے ذریعے سے ہیں ملزم بنانا چاہتے ہو؟ شاید تمہیں یہ دھوکا ہوا ہے۔ کہ ہم تمہارے باپ کا ذکر حمزہ، عباس اور جعفر پر مقدم ہونے کی وجہ سے کیا کرتے تھے۔ حالانکہ جو کچھ تم نے سمجھا۔ وہ بات نہیں۔ یہ لوگ تو دنیا سے ایسے صاف گئے۔ کہ سب لوگ ان کے مطیع تھے۔ اور ان کے افضل ہونے کے قائل تھے۔ مگر تمہارا باپ بدال و قتال میں مبتلا کیا گیا۔ بنی امیہ ان پر اسی طرح لعنت بھیجتے رہے۔ جیسے کفار پر نماز فرائض میں بھیجی جاتی ہے۔ پس ہم نے جھگڑا کیا۔ ان کے فضائل بیان کئے۔ بنی امیہ پر سختی کی اور انہیں مزاد دی۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں ہم لوگوں کی بزرگی حجاج کو پانی پلانے کی وجہ سے تھی۔ اور یہ بات تمام بھائیوں میں صرف عباسؓ ہی کو حاصل تھی۔ تمہارے باپ نے اس کے متعلق ہم سے جھگڑا کیا۔ عمر فاروقؓ نے ہمارے حق میں فیصلہ کیا۔ پس اس کے مالک جاہلیت اور اسلام میں ہیں رہے۔ جن دنوں مدینہ میں قحط پڑا تھا۔ اور اہل عرب پانی کی ایک بوتل کو ترس گئے تھے۔ اس وقت تمہارے باپ بھی موجود تھے۔ لیکن عمر فاروقؓ نے ہمارے ہی باپ کو وسیلہ بنا کر خدا سے دعا کی۔ اور اس نے پانی برسایا۔ تم جانتے ہو۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بنی عبد المطلب میں سے عباسؓ کے سوا کوئی باقی نہ تھا۔ پس وراثت چچا کی طرف منتقل ہو گئی۔ پھر بنی ہاشم میں سے کئی شخصوں نے خلافت کی خواہش کی۔ مگر عباسؓ کی اولاد کے سوا کوئی کامیاب

نہ ہوا۔ سقایت تو ان کی تھی ہی۔ نبی کی میراث بھی ان کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور خلافت ان کی اولاد میں آگئی۔ غرض دنیا و آخرت اور جاہلیت و اسلام کا کوئی شرف باقی نہ رہا۔ جس کے حامل اور وارث عباسؑ نہ ہوئے ہوں۔ جب اسلام رائج ہوا۔ تو عباسؑ ابوطالب اور ان کی اولاد کے کفیل تھے۔ اور قحط کی حالت میں ان کی دست گیری کرتے تھے۔ اگر بدر میں عباسؑ کو بہ اکراہ نہ نکالا جاتا تو ابوطالب اور عقیل بھوکے مرجاتے اور عتبہ و شیبہ کے برتن چاٹتے رہتے۔ لیکن عباسؑ انہیں کھانا کھلا رہے تھے۔ انہیں نے تمھاری آبرورکھی۔ غلامی سے بچایا۔ کھانے کی پڑے کی کفالت کرتے رہے۔ پھر جنگ بدر میں عقیل کو فدیہ دے کر چھڑایا۔ پس تم ہمارے سامنے کیا فخر جتاتے ہو۔ ہم نے کفر میں بھی تمھارے خیال کی خبر گیری کی۔ تمھارا فدیہ دیا۔ تمھارے بزرگوں کی ناموس کو بچایا۔ اور ہم خاتم الانبیاء کے وارث ہوئے۔ تمھارا بدلہ بھی ہم نے لیا۔ اور جس چیز سے تم عاجز ہو گئے تھے اور حاصل نہ کر سکتے تھے۔ اسے ہم نے حاصل کر لیا۔ و السلام

اس خط و کتابت سے کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اور منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو چھ ہزار فوج کے ساتھ نفس زکیہ کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اور عقب سے اس کی امداد کے لئے محمد بن قحطبه کو ایک لشکر جرار دے کر بھیجا۔ نفس زکیہ کو عیسیٰ کے آنے کی خبر ملی تو انھوں نے اپنے مصاحبوں سے ماٹے طلب کی۔ کہ ہمیں مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کرنی چاہئے یا مقابلے کے لئے شہر سے باہر نکل آنا مفید ہوگا۔ مشیروں میں اختلاف ہوا۔ تو نفس زکیہ نے اقتدائے آنحضرتؐ کے خیال سے اسی خندق کے کھودنے کا حکم دیا۔ جسے حضورؐ نے غزوة احزاب میں کھدوایا تھا۔ آغاز جنگ سے پہلے عیسیٰ نے آخری مرتبہ نفس زکیہ کو پیغام بھیجا۔ کہ "اگر اب بھی آپ جنگ سے باز آجائیں۔ تو آپ کی اور آپ کے خاندان کی جان بخشی کی جائے گی۔" نفس زکیہ نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا۔ کہ "تمہیں بھی آنحضرتؐ سے نزدیکی قرابت حاصل ہے۔ میں تمہیں کتاب و سنت اور اس پر عمل کی دعوت دیتا ہوں اس کے انتقام سے ڈراتا ہوں۔ واللہ میں

اس وقت تک اپنے دعوے سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس سے مل نہ جاؤں۔“

اس کے بعد ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۵ھ کو عیسیٰ نے مدینہ میں منادی کرادی کہ ”اے اہل مدینہ! میں تمہیں امان دیتا ہوں۔ بشرطیکہ تم میرے اور نفس زکیہ کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ اور غیر جانب دار رہو۔“ اہل مدینہ نے اس کا نہایت سخت جواب دیا۔ اور دوسرے دن جنگ شروع ہو گئی۔ نفس زکیہ نے حیرت انگیز بہادری سے مقابلہ کیا۔ آخر جب سینے اور کمر سے دو تیزے ان کے جسم کے پار ہو گئے۔ تو وہ زمین پر گر پڑے اور محمد بن قحطبہ نے ان کا سر اُتار لیا۔ جو بعد میں منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔

اب منصور نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم کی طرف متوجہ ہوا۔ ان کی لقل و حرکت بالکل پوشیدہ

ابراہیم بن عبد اللہ کا خروج

ہوتی تھی۔ اور منصور کو ادھر سے بھی سخت خطرہ رہتا تھا۔ منصور عرصے سے ان کی تلاش میں سرگرم تھا۔ لیکن کچھ پتا نہ چلتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بغداد آئے ہوئے تھے۔ کہ کسی نہ کسی طرح منصور کو بھی پتا چل گیا۔ اس نے فی الفور شہر کی ناکہ بندی کر کے ان کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن ابراہیم کا ایک رفیق سفیان بن حیان مدبرانہ جیلہ بازی سے انہیں ساتھ لے کر بغداد سے نکل گیا اور منصور منہ دیکھتا رہ گیا۔

ہاتھ میں آئے ہوئے شکار کے نکل جانے سے منصور پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور اس نے تلاش و جستجو کی رفتار تیز سے تیز کر دی۔ ابراہیم نے مختلف مقامات میں پھر کر ایک لاکھ جاں بازوں کی فوج اپنے گرد جمع کر لی۔ منصور نے عیسیٰ کو ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ احمز میں طرفین کا مقابلہ ہوا۔ پہلے حملے میں عیسیٰ کی فوج پسپا ہو گئی۔ لیکن پھر اس نے پوری قوت سے اس طرح جان توڑ کر حملہ کیا۔ کہ ابراہیم کی فوج کے قدم لڑکھڑا گئے۔ مگر ابراہیم بدستور جوانمردی اور بے جگری سے لڑتے رہے یہاں تک کہ ایک تیران کے حلق میں آکر لگا۔ اور ان کے جاں نثار رفیق انہیں ایک طرف لے گئے۔ سالار کے ہٹے ہی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ اور ابراہیم کا سر کاٹ

منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔

نفس زکیہ کے دوسرے بھائی اور بیٹے مختلف مقامات میں اپنی تحریک کی تبلیغ و اشاعت کر رہے تھے۔ منصور نے ان میں سے بعض کو قید اور بعض کو قتل کر دیا۔

۱۳۸ھ میں قیصر روم قسطنطین نے ملطیہ پر فوج کشی کر کے اس کی تحصیل سہارا کر دی۔

منصور نے اس کی مرمت کرانے کے بعد متعدد رومی علاقوں پر چڑھائی کی۔

۱۳۸ھ میں منصور نے ملطیہ کو نئے سرے سے مضبوط و مستحکم کیا۔ اور ایک قلعہ بنا کر اس میں چار ہزار بہادروں کی فوج رکھی۔ قیصر کو اطلاع ہوئی۔ تو وہ ایک لاکھ نفوس کا لشکر ہزاروں کر اس طرف آیا۔ لیکن مسلمانوں کی طاقت سے خائف ہو کر واپس ہی سے لوٹ گیا۔

۱۳۹ھ میں منصور نے ہمدی کو طبرستان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور چند ہی دنوں میں وہاں کے والی اصبہبذ نے

ابوالخضر بن عبد اللہ بن غلام کی تاخت و تاراج سے پریشان ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ اس پہاڑی علاقے کی تسخیر کے بعد مسلمانوں نے مصمغان کو بھی فتح کر لیا۔

۱۳۹ھ میں دیلمیوں نے مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کو تہ تیغ کر ڈالا۔ منصور نے انتقام کی غرض سے فوج روانہ

کی۔ ۱۳۹ھ میں باب الابواب کے ترکوں اور خزروں نے آرمینیہ کے کثیر التعداد مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ ۱۳۹ھ میں استراخان خوارزم نے آرمینیہ کے مضافات پر فوج کشی کر کے بہت سے مسلمان اور رومی گرفتار کر لئے۔ اور تفلس میں آدھمکا منصور نے جبرائیل بن یحییٰ اور حرب بن عبداللہ کو ان کی گوشالی کے لئے روانہ کیا لیکن مسلمانوں نے زک اٹھائی۔

۱۴۱ھ میں موسیٰ بن کعب تمیمی والی سندھ کے انتقال پر وہاں کی عنان حکومت اس کے بیٹے عینیہ کے ہاتھ میں آئی۔

لیکن اس کی تاہلی کے باعث یعنی اور مصری قبیلوں کے اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور خود اس نے بھی باغیانہ روش اختیار کر لی۔ اس لئے منصور نے اس کی سرکوبی کے لئے عمر بن حفص کو بھیجا۔ اس نے عینہ پر قابو پا کر اسے منصور کے پاس روانہ کر دیا۔ راستے میں وہ بھاگ گیا۔ لیکن ایک مقام پر قحطانیوں کے ہتے چڑھ گیا۔ انھوں نے اسے تہ تیغ کر کے اس کا سر منصور کے پاس بھجوا دیا۔

۳۳ھ میں منصور نے ابن حفص کو کسی جرم میں معزول کر کے ہشام بن عمرو ثعلبی کو والی مقرر کیا۔ ہشام نے آتے ہی سندھ کے گوشے گوشے میں فوجیں پھیلا دیں۔ اور ملتان۔ قذراہیل۔ گندھار وغیرہ کو فتح کیا۔

سفاح نے اپنے بعد منصور کو اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد **ولی عہدی** نام زد کیا تھا۔ جب منصور نے دیکھا کہ اب وہ نفس زکیہ اور ابراہیم کے حکومت شکن خطرات سے بالکل محفوظ ہو گیا ہے۔ اور اسے عیسیٰ کی امداد کی زیادہ ضرورت نہیں۔ تو اس نے عیسیٰ کے بجائے اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد بتانا چاہا۔ چنانچہ پہلے عیسیٰ پر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ پھر اسے ولایت کو فدیہ سے معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن سلیمان کو والی کو فدیہ مقرر کر دیا۔ اس طرح عیسیٰ کی قوت ٹوٹ گئی۔ وہ مایوس ہو کر عزلت گزیں ہو گیا۔ اور ۳۳ھ میں منصور نے لوگوں سے ولی عہدی کی بیعت لے لی۔

خلافت عباسیہ میں قیام وزارت کا اولین فخر سفاح کو حاصل ہے جسے **وزارت** کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس نے ابوسلمہ حفص بن سلیمان کو پہلا وزیر مقرر کیا تھا۔ پھر وزارت کی اہمیت اس قدر بڑھتی گئی۔ کہ آگے چل کر وزارت ہی حکومت کے سارے نظم و نسق پر چھا گئے۔

منصور کے عہد میں تین وزیر ہوئے۔ (۱) خالد بن برمک (۲) ابوالیوب موریانی۔ (۳) ربیع بن یونس۔ خالد بن برمک کے حالات سفاح کے عہد میں لکھے جا چکے ہیں۔ **ابوالیوب** | ابوالیوب سلیمان بن مخلد | ہواز کے ایک موضع موریان کا باشندہ تھا۔

یہ ابھی بچہ ہی تھا۔ کہ منصور نے اسے خرید لیا۔ پھر تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کر کے سفاح کے پاس ہدیہ بھیج دیا۔ سفاح نے جوہر قابل سمجھ کر اپنے دامن الطاف میں اس کی مزید تربیت کی۔

ابو ایوب علم و فضل اور دانش و تدبیر میں شہرہ آفاق تھا۔ طب۔ کیمیا۔ سحر۔ نجوم جیسا اور دوسرے متعدد علوم و فنون میں اسے کمال حاصل تھا۔ منصور نے انہیں کمالات کی بنا پر اسے وزیر مقرر کر کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ لیکن آخر میں جرم خیانت کی بنا پر منصور ہی کے ہاتھ سے اس کا خاتمہ ہو گیا۔

ربیع بن یونس | یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام ابو فرودہ کے خاندان سے تھا۔ بڑا عاقل و فردانہ۔ معاملہ فہم۔ بہادر اور مدبر تھا۔ اس کی سطوت اور دہدبے سے لوگ لرزہ برآمد رہتے تھے۔ منصور کی وفات تک وزارت کے منصب جلیلہ پر متعین رہا۔

وفات | ذی قعدہ ۱۵۸ھ میں منصور بغداد سے حج کے لئے روانہ ہوا۔ کوفہ میں آکر احرام باندھا۔ وہاں سے دو تین منزل سفر کرنے کے بعد بیمار ہو گیا۔ اور ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ کو ۶۳ سال کی عمر میں ۲۲ سال ۳ ماہ چند دن خلافت کر کے بمقام بطن انتقال کیا۔ اور باب معنی کے قبرستان میں رجم تدفین ادا کی گئی۔

اخلاق و عادات | منصور ذکاوت و فرزانگی کا پیکر۔ تدبیر و سیاست کا پتلا بہمت جرات اور استقلال کا مجسمہ اور جاہ و جلال کی تصویر تھا۔ اس کے عہد میں انقلابات کے زلزلے آئے۔ حوادث کے طوفان اٹھے۔ آفات کی آندھیاں اٹھیں اور مصائب کی بجلیاں کوندیں۔ لیکن اس کا ایوان حکومت ان تمام خطرات کے مقابلے میں اس کے ثبات اور پامردی کے بل پر بنیان مرموص بن کر قائم رہا۔ اور جو مخالف قوت اس سے آکر ٹکرائی۔ وہ خود ہی پاش پاش ہو کر رہ گئی۔ اس نے عباسی حکومت کو اس قدر قوی و مستحکم کر دیا۔ کہ مدت دراز تک اس کی بنیاد میں جنبش نہ آنے پائی۔

مختلف مورخین کا بیان ہے۔ کہ منصور احتیاط۔ دانش۔ اصابت رائے۔ خوبی تدبیر اور تکنت و وقار کے اعتبار سے دنیا کے سلاطین اعظم میں شمار ہوتا تھا۔ فائدے کے معاملے میں بے تامل روپیہ صرف کر دیتا۔ اور نقصان کے موقع پر کوڑی بھی خرچ نہ کرتا تھا۔ جنگ اور امن میں بہترین تدبیر گر اور روشن دماغ تھا۔ ہیبت و بہادری اور دبدبہ و شکوہ کے لحاظ سے بنی عباس میں عظیم ترین خلیفہ تھا۔

عام خود مختار بادشاہوں کے خلاف منصور تفریحی لہو و لعب سے پرہیز

مشاغل سے یکسر تقور تھا۔ اس کے محل میں لہو و لعب کی کوئی چیز آنے نہ پاتی تھی۔ ہمیشہ سادہ اور معمولی لباس پہنتا۔ بلکہ اکثر اوقات اس کے کپڑوں پر پیوند بھی لگے ہوتے تھے۔

منصور کو فضول خرچی کی ہوا تک نہ لگی تھی۔ وہ خود بھی نہایت کفایت شعاری

کفایت شعار تھا اور اہل خانہ کو بھی حفاظت مال کی تلقین کیا کرتا تھا۔ اکثر و بیشتر اس کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے تھے:-

"جس کا مال کم ہوا۔ اس کے معاون و مددگار کم ہوئے۔ جس کے معاون و مددگار کم ہوئے۔ اس کے دشمن اس پر غالب آجائیں گے۔ اور جس کے دشمن اس پر غالب آئے۔ اس نے اپنا ملک کھو دیا۔ اور جس نے اپنا ملک کھو دیا۔ اس کی جائداد کو ہر شخص ہتھیانے کی کوشش کرے گا۔"

منصور کو بخیل کہنا واقعات کو جھٹلاتا اور اس پر بہتان باندھنا ہے۔ بے شبہ و اسراف و تبذیر کے سخت خلاف تھا۔ لیکن بعض اوقات کسی کے کمال سے خوش ہو کر سخاوت کا دریا بھی بہا دیتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی اعرابی کی فصیح و مہذب گفتگو سن کر اسے ایک ہزار اشرفی انعام دے دی۔

انصاف اور تشدد کے باب میں انصاف اور تشدد میں منصور کی روش

منصور کا طریق عمل یہ تھا کہ وہ باغیوں کی سرکوبی میں تشدد سے کام لیتا تھا۔ لیکن امن پسند رعایا کے ساتھ ہمیشہ انصاف

روا رکھتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا:۔

”خلیفے کو صرف خوفِ خدا درست رکھ سکتا ہے۔ سلطان کو اطاعت اور رعایا کو انصاف۔ جو شخص سزا دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس کے لئے معافی زیادہ مناسب ہے۔ اور وہ بہت کم فہم ہے۔ جو اپنے ماتحتوں پر ظلم کرتا ہے۔“

اور اس کے عہد کے واقعات اس قول پر شاہدِ عادل کا حکم رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی شخص نے اس سے ایک حاکم کے متعلق شکایت کی۔ کہ اس نے اس کی کچھ جائداد ہتھیالی ہے۔ منصور نے فی الفور حاکم کو فرمان لکھا۔ کہ ”اگر تم انصاف کرو گے تو ہمیشہ سلامت تمہارا ساتھ دے گی۔ لہذا اس مظلوم سے انصاف کرو۔“

ایک بار کسی دہقان نے ایک اور حاکم کی شکایت کی۔ منصور نے اسے جواب میں لکھا۔ کہ ”اگر تم سچ کہتے ہو۔ تو تمہیں اجازت ہے کہ حاکم کو باندھ کر میرے پاس لے آؤ۔“

منصور کی اس حکمتِ علی پر حسبِ ذیل وصیت نامے سے تیز روشنی پڑتی ہے۔ جو اس نے مرضِ الموت میں اپنے بیٹے جہدی کے لئے لکھوایا تھا:۔

”بیٹا! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی حفاظت کرنا۔ اس کے عوض خدا تمہارے کاموں کی حفاظت کرے گا۔ حرام خوں ریزی سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ کہ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ اور دنیا میں بھی ایسی عار ہے۔ جو کبھی نہیں مٹتی۔ حلال کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ کیونکہ اس میں تمہارے لئے عاقبت میں بھی ثواب ہے اور دنیا میں بھی فلاح ہے۔ میانہ روی سے تجاوز نہ کرنا۔ کہ اس میں تباہی ہے۔ اگر اللہ کو حدود کے سوا کوئی دوسری ایسی چیز معلوم ہوتی۔

جو اس کے مذہب کے لئے زیادہ مناسب اور اس کے گناہوں پر تنبیہ کرنے والی ہوتی۔ تو وہ ضرور اپنی کتاب میں اس کا حکم دیتا۔ خدا کا غضب سب سے زیادہ اپنی یادِ شاہت کے لئے تیز ہے۔ لہذا اس نے ایسے شخص کے لئے جو زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے۔ دگنے عذاب اور عقوبت کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ

ارشاد ہوتا ہے :-

”انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ولسیعون فی الارض فساداً الخ
پس بیٹا! بادشاہت اللہ کی جبل متین۔ اس کا عروہ الوثقی اور دین قیم ہے۔ اس کی حفاظت
کرنا۔ اسے مغیبوط کرنا۔ اس کے لئے مدافعت کرنا۔ اس میں رخنہ ڈالنے والوں کو تعزیر
کے شکنجے میں جکڑنا۔ اس سے بھاگنے والوں کا استیصال کرنا۔ اور اس سے نکلنے والوں
کو عذاب دے کر اور مثلاً کر کے قتل کرنا۔ لیکن اللہ نے قرآن میں جو حکم دیا ہے۔ اس سے
آگے نہ بڑھنا۔ انصاف کے ساتھ حکومت کرنا۔ اپنی حد سے تجاوز نہ کرنا۔ کیونکہ یہ امور
شور و فتنہ کو روکنے والے۔ دشمن کو ہلاک کرنے والے اور کارگردا ہیں۔“

علمی اور تمدنی اعتبار سے منصور کا عہد حکومت امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ
اس کے زمانے میں اقلیدس اور کلیلہ و منہ کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا۔ اور بغداد کا خوبصورت
اور شاندار شہر آباد کیا گیا۔

مہدی بن منصور

۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ

مہدی ۱۲۶ھ میں بمقام ایدج پیدا ہوا۔ منصور نے اس کی تعلیم و تربیت کے لئے
علماء کی خدمات حاصل کیں۔ ۱۳۱ھ میں جب اس نے اپنے چمن زار حیات کی صرف
پندرہ بہاریں دیکھی تھیں۔ اس کے باپ نے اسے عبد الجبار کی بغاوت کا استیصال
کرنے کے لئے خراسان روانہ کیا۔ ۱۳۳ھ میں اس کی شادی ہوئی۔ ۱۳۷ھ میں اسے
ولی عہد اول نامزد کیا گیا۔ ۱۵۳ھ میں امیرالجمہ مقرر کیا گیا۔ ۱۵۸ھ میں اس نے
بغداد میں تخت خلافت پر قدم رکھا۔ اور بیعت لینے کے لئے منبر پر چڑھا کر حسب
خطبہ دیا۔

”تم لوگ جسے امیرالمومنین کہتے ہو۔ وہ ایک بندہ ہوتا ہے۔ جب اسے کوئی بلاتا

ہے۔ تو وہ جواب دیتا ہے۔ اور جب اسے حکم دیا جاتا ہے۔ تو وہ بجالاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی امیر المؤمنین کا محافظ ہوتا ہے۔ میں خداوند کریم ہی سے مسلمانوں کی خلافت کے فرائض انجام دینے کے لئے مدد طلب کرتا ہوں۔ جس طرح تم لوگ اپنی زبان سے میری اطاعت کا اظہار کرتے ہو۔ اسی طرح دل سے بھی موافقت کرو۔ تاکہ قلاح دارین کے امیدوار بن سکو۔ جو شخص تم میں انصاف پھیلانے۔ تم اس کی مخالفت پر آمادہ نہ ہو۔ میں تم پر سے سختیاں اٹھا دوں گا۔ اور عمر کا ہر لمحہ تم پر احسان کرنے اور مجرموں کو سزا دینے میں صرف کروں گا۔

قیدیوں کی رہائی | مہدی نے عنان خلافت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا۔ کہ منصور کے حسب وصیت تمام قیدیوں کو رہا کر کے انعامات عطا کئے۔ اور ضبط کی ہوئی جائدادیں و اگزار کر دیں۔ اس سے رعایا خوش ہو گئی مہدی کے زمانے میں زیادہ انقلابات رونما نہ ہوئے۔ صرف معمولی بغاوتیں ہوئیں۔

مقنع کا خدائی دعویٰ | ۱۵۹ھ میں مرو کے ایک ملحد حکیم مقنع نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ وہ تنازع کا قائل ہونے کی بنا پر کہتا تھا کہ خدا مختلف انسانوں کے جسموں میں حلول کرتا ہوا اب مجھ میں جلوہ نما ہوا ہے۔ اس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں سحر و طلسم سے ایک چاند بنایا تھا۔ جو چاہے غروب سے طلوع ہو کر دو مہینے تک غروب نہ ہوتا تھا۔ اور چار فرسنگ تک اس کی روشنی پہنچتی تھی بہت سے کم عقل عوام اس کے فریب میں آ گئے۔ اور اس کی قیام گاہ کی طرف سجدہ کرنے لگے۔

مقنع نے تھوڑے ہی عرصے میں اپنے پیروؤں کی کثیر تعداد اپنے گرد جمع کر لی جسکو کے دیرینہ دشمن ترک اور سفد بھی اس کے ساتھ مل گئے اور ان لوگوں نے اسلامی علاقوں پر تاخت و تاراج شروع کر دی۔ منصور نے مقنع کی سرکوبی کے لئے متعدد مرتبہ فوج کشی کی۔ لیکن کوئی قابل ذکر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ۱۶۱ھ میں معاذ بن مسلم اور

سعید حرشی اس مہم پر بھیجے گئے۔ انہوں نے مقتنع اور اس کی جمعیت کا محاصرہ کر لیا۔ اور اسے شکست فاش دی۔ جب مقتنع کو موت سنانے نظر آنے لگی۔ تو وہ آگ کے الاؤ میں کود کر داخل جہنم ہو گیا۔ مسلمانوں نے قلعے میں داخل ہو کر مقتنع کی لاش آگ سے نکالی اور اس کا سر کاٹ کر ہمدی کے پاس بھیج دیا۔

۱۶۱ھ میں یوسف البرم نے خراسان میں بغاوت کا قتلہ برپا کیا۔ لیکن یزید بن مزید شیبانی نے جلد اس کی بیخ

بغاوتوں کا استیصال

کشی کر کے باغیوں کو بغداد بھیج دیا۔ جہاں وہ سب قتل کر دئے گئے۔

۱۶۲ھ میں عبدالسلام یشکری نے جزیرہ میں علم بغاوت بلند کیا۔ اور یہ خندہ تھوٹے ہی عرصے میں زور پکڑ کر قیامت بن گیا۔ کئی دفعہ اس کے خلاف فوج کشی کی گئی مگر ناکامی کا سامنا ہوا۔ آخر شبیب نے سخت دشواری سے یشکری کو تلوار کے گھاٹ اتار کر اس کی باغیانہ سرگرمیوں کا قلع قمع کیا۔

۱۶۸ھ میں مصر میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور باغیوں نے موسیٰ بن مصعب والی مصر کو قتل کر دیا۔ ہمدی نے اس کی جگہ فضل بن صالح کو مامور کیا۔ اس نے بڑی مشکل سے کچھ مدت کے بعد امن قائم کیا۔

مختلف حاکموں سے صلح اور بعض سے معاہدہ اطاعت | جب

کی کوئی جماعت سراٹھاتی تھی۔ تو وہ سرحد کے غیر مسلم فرماں رواؤں سے مدد لے کر اپنی قوت میں اضافہ کر لیتی تھی۔ جس سے سخت دشواری کا سامنا ہوتا تھا۔ اس لیے ۱۶۲ھ میں سرحد کے حاکموں سے صلح اور سمجھوتا کر کے اس چشمہ فساد کو بند کر دیا گیا اور کابل۔ سغد۔ بلخستان۔ طخارستان۔ اثرو سند۔ بامیان۔ سیستان۔ تبت۔ سند۔ چین وغیرہ کے حاکموں اور ہندوستان کے بعض راجاؤں سے اطاعت کا معاہدہ کیا گیا۔

رومیوں سے جنگ | ۱۵۹ھ میں ہمدی نے اپنے چچا عباس کو رومیوں سے

مقابلے کی مہم پر روانہ کیا۔ اس نے ادھرہ فتح کیا۔ ۱۶۱ھ میں شمارہ بن ولید نے حملہ کیا۔ اور واقع میں خیمہ زن ہوا۔ اس مہم میں مسلمانوں کا بہت سا جانی نقصان ہوا۔ ۱۶۲ھ میں حسن بن قحطبہ کو سرحد حدت پر بھیجا گیا۔ اس نے متعدد رومی علاقوں میں تباہی پھیلانی۔ پھر یزید بن اسید نے تین قلعے سر کئے۔

۱۶۳ھ میں مہدی نے خود تازہ دم فوجیں جمع کر کے حملے کے لئے باگ اٹھائی۔ اور حلب پہنچ کر بہت سے زندیقوں کو ٹھکانے لگایا۔ پھر مختلف سپہ سالاروں کو علیہ علیہ مہوں پر روانہ کر کے سمالو اور دوسرے قلعے فتح کئے۔

۱۶۴ھ میں عبدالکبیر نے باب حدت کی جانب پیش قدمی کی۔ لیکن رومیوں کی ٹڈی دل فوج کے مقابلے میں ناکام رہا۔ ۱۶۵ھ میں ہارون رشید نے فوج کشی کی اور ایشیائے کوچک میں فتح و ظفر نے اس کے قدم چومے۔ مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔

۱۵۹ھ میں عبدالملک بن شہاب بحری مہم پر سندھ روانہ ہوا۔ سندھ کی مہمات اور باربد کو زیر نگین کیا۔ ۱۶۶ھ میں موسیٰ ہادی نے طبرستان پر فوج کشی کر کے ونداد اور شروین کی گوشالی کی۔

مہدی نے اپنے بعد اپنے بیٹے ہادی کو اور اس کے بعد ہارون کو اپنا ولی عہد نام زد کیا۔

مہدی کے عہد میں تین اشخاص یکے بعد دیگرے وزارت کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ (۱) ابو عبید اللہ معاویہ بن یسار (۲) ابو عبید اللہ یعقوب بن داؤد (۳) فیض بن ابی صالح۔

ابو عبید اللہ معاویہ بن یسار معاویہ بن یسار ایک غلام ہونے کے باوجود نہایت بالغ نظر بیدار مغز اور ماہر سیاسیات

تھا۔ ۱۵۹ھ میں مہدی نے اسے منصب وزارت پر تنگن کیا۔ اس نے شعبہ خراج میں مفید اصلاحات کیں۔ لیکن غرور نے جو گویا اس کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔ ایسے ناسازگار

حالات پیدا کر دئے۔ کہ اسے عہدہ وزارت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس کی زندگی کا آخری حصہ نہایت اندوہ و مصیبت میں گزرا۔ اور ۱۸۱۷ء میں وفات پائی۔

ابو عبد اللہ یعقوب بن داؤد | یعقوب بھی ایک غلام تھا۔ اور ابراہیم بن عبد اللہ کا حامی ہونے کے باعث منصور کے زمانے میں

قید کر دیا گیا تھا۔ ہمدی کے زمانے میں رہا ہوا۔

علویوں اور سادات کی مخالفت سے محفوظ رہنے کے لئے ہمدی کو آل حسن سے تعلق رکھنے والے کسی قابل شخص کی تلاش تھی۔ چنانچہ اس کی نظر انتخاب یعقوب پر پڑی۔ اور اس کے مراتب میں اضافہ کرتے کرتے اسے وزارت کے عہدے پر فائز کر دیا۔

یعقوب نے آل حسن کی محبت میں سرشار ہو کر متعدد وزیدیوں کو بڑے بڑے عہدے عطا کر دئے۔ اس سے دربار خلافت میں اس کی مخالفت کا طوفان برپا ہو گیا۔ اور اسی کی لہر میں اسے لے ڈوبیں۔ چنانچہ ہمدی نے ایک علوی کو اس کے سپرد کر کے اسے تہ تیغ کر دینے کا وعدہ اس سے لے لیا۔ لیکن یعقوب اس آرمائش میں پورا نہ اُترا۔ اور جھوٹی قسم کھانے کے جرم میں قید کر دیا گیا۔ ایک عرصے تک اسیر زنداں رہ کر ہارون رشید کے عہد میں رہا ہوا۔ اور ۱۸۶ء میں انتقال کیا۔

فیض بن ابی صالح | یعقوب کے بعد فیض بن ابی صالح کا اختر اقبال تاباں ہوا اور اس نے مسند وزارت پر جگہ پائی۔ سخاوت و فیاضی

میں اس قدر شہرت حاصل کی۔ کہ مشہور آفاق فیاض یحییٰ بن خالد برکی کا قول تھا۔ اگر تم لوگ فیض کی فیاضیاں دیکھ پاتے۔ تو میری فیاضیاں بھول جاتے۔ ہمدی کی وفات تک وزیر رہا۔ ہمدی کے زمانے میں اس عہدے سے سبک دوش کر دیا گیا۔ ہارون رشید کے عہد تک زندہ رہا۔ اور ۱۷۳ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔

وفات | ۱۲ یا یہ روایت دیگر ۲۲ محرم ۱۶۹ء کو ہمدی نے دس سال ایک ماہ خلافت کرنے کے بعد ۴۳ سال کی عمر میں مابینداں کے ایک موضع میں وفات پائی

وجہ انتقال کے متعلق مختلف بیانات ہیں۔ ایک بیان یہ ہے کہ اسے خواب میں

کی ناپائیداری کا پیغام دیا گیا۔ اور اس سے دسویں دن بعد وہ اس دار فانی سے اٹھ گیا۔

اخلاق و عادات | ہمدی ایک مدبر منظم۔ جہاں بان۔ پرہیزگار۔ خوش اخلاق۔ فیاض اور بہادر خلیفہ تھا۔ اور انھیں محاسن کی بنا پر اس نے رعایا کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ اس کے عہد میں انصاف۔ امن اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ :-

”ظلم و ستم کے سدباب۔ قتل و خونریزی سے اجتناب۔ خوف زدوں کی دست گیری اور جوہ و کرم نے ہمدی کو عام و خاص میں مقبول و محبوب بنا دیا تھا۔“

ایک اور مورخ کا بیان ہے کہ :-

”ہمدی کا عہد حکومت بہت مبارک اور قابل ستائش تھا۔ اس کی صورت اور سیرت دونوں اچھی تھیں۔ رعایا اس سے محبت کرتی اور اس کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔ ہمدی ہر روز مظلوموں کی دادرسی کے لئے دربار آراستہ کرتا تھا۔ اور ہر کس و ناکس ہر وقت بے روک ٹوک اس کے دربار میں جاسکتا تھا۔

وہ نہایت غریب پرور۔ ہمدرد۔ خلائق۔ سادہ مزاج۔ عدل گستر اور عفو و درگزر کرنے والا تھا۔ اپنے غلاموں کی بیمار پرسی کو بھی چلا جاتا تھا۔ کئی مرتبہ لوگوں نے اس پر دعوے دائر کئے۔ اور وہ فریق مقدمہ کی حیثیت سے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا۔

اس کی رقت قلب اس واقعے سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ ایک مرتبہ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کی بیوی مزہ فلک زود ہو کر پھٹے پرانے کپڑوں میں قصر شاہی کے دروانے پر آئی۔ ہمدی کی بیوی خیزران نے اندہ بلا کر اس کا حال سنا۔ اور کپڑے بدلوا کر ایک کمرے میں جگہ دے دی۔ رات کو ہمدی نے محل میں آ کر خیزران کی زبانی سارا ماجرا سنا۔ تو اسے بنت عم کہہ کر بہنوں جیسا سلوک کیا۔ اور عتاسی خواتین کے ساتھ محل میں رکھ کر اس کے لئے آرام و آسائش کے تمام لوازم مہیا کر دئے۔ مزہ میں اور خاندان شاہی کی خواتین میں کوئی فرق و امتیاز روا نہ رکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ہمدی نے اسے ان کے برابر جاگیر بھی عطا کی۔ جس کی بدولت اس نے اپنی بقیہ زندگی عزت و آرام سے اسی محل میں

بسر کردی۔

دین کی خدمت بھی مہدی کے تاج محاسن کا ایک درخشاں گوہر تھی۔

خدمتِ حرمین

اس نے اپنے عہد میں خدمتِ حرمین کی سعادت حاصل کی۔ ۱۶ھ میں عمارتِ کعبہ کی توسیع اور تزئین کرائی۔ مسجدِ نبویؐ کی عمارت میں ترمیم و اضافہ کر کے اسے جاذبِ نظر نقش و نگار سے مزین کیا۔

مکہ کے راستے کی درستی کرائی۔ متعدد نئے مکانات تعمیر کرائے۔ حوض بنوایا۔ بغداد۔ مکہ۔ مدینہ اور یمن کے درمیان ڈاک کی آمد و رفت کا انتظام کیا۔ میثرب و بطحا کے مکینوں میں کروڑوں روپیہ نقد اور ڈیڑھ لاکھ کپڑے تقسیم کئے۔

اگرچہ مہدی خود کوئی بڑا عالم و فاضل نہ تھا۔ لیکن حسنِ تعلیم و تربیت نے اس پر علمِ دوستی کا رنگ چڑھا دیا تھا۔ اہلِ علم اور اربابِ کمال کی بہت قدر دانی کرتا تھا۔ شعر و سخن کے معاملے میں سلیم المذاق تھا۔ اور خود بھی شعر کہتا تھا حدیث میں شغف رکھتا تھا۔

ایک دفعہ اس کے عہد کے نامور عالم شریک اس کے پاس آئے۔ مہدی نے کہا: آپ کو ان تین باتوں میں سے ایک ضرور منظور کرنی پڑے گی۔ یا قاضی کا عہدہ قبول کیجئے یا میرے بیٹوں کو پڑھانے کا فریضہ انجام دیجئے یا میرے ساتھ کھانا کھائیے۔ شریک نے سوچ کر کہا۔ کھانا کھانے کی بات منظور ہے۔ مہدی نے ان کی پُر تکلف دعوت کی۔ اس کے بعد انھوں نے مہدی کے اصرار پر مجبوراً عہدہٴ قضا بھی قبول کر لیا۔ اس کی اولاد کی تعلیم و تربیت کا فرض بھی ادا کیا۔

مہدی نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اور مذہبی امور میں سخت تشریح سے کام لیتا تھا۔ اس کے عہد میں الحاد پرستوں کے ایک گروہ نے

مذہبیت

اٹھایا۔ اور اپنے عقیدے کی نشر و اشاعت کرتے ہوئے بہت سی کتابیں تیار کر لیں۔ مہدی کو علم ہوا۔ تو اس نے ان ملحدوں کے خلاف نہایت سخت اقدام کیا۔ اور تلامذہ و تلمیذوں سے ان کے فرزند کو بے تامل قتل کرانے کے ساتھ ہی ان کی جس قدر کتابیں

مل سکیں۔ جلا ڈالیں۔

خوفِ خدا | مہدی کا رواں رواں خوفِ خدا سے کانپتا رہتا تھا۔ حسن الوصیف بیان کرتے ہیں۔ کہ:-

” ایک دفعہ طوفانِ باد نے ایسی ہولناک تندی اور شدت اختیار کر لی کہ معلوم ہوتا تھا۔ بس ابھی قیامت آجائے گی۔ میں امیر المؤمنین کی تلاش میں نکلا۔ دیکھا تو وہ فرشِ خاک پر ناصیہ فرسائی کرتے ہوئے یوں دعا مانگ رہے ہیں۔ کہ الہی اُمّتِ محمدی کو بچا لے۔ الہی ہمارے مخالفوں کو ہماری بربادی پر خندہ زن ہونے کا موقع نہ دے۔ اگر تو نے میرے گناہوں کی پاداش میں دنیا کو پکڑا ہے۔ تو یہ میری پشیمانی تیری درگاہ میں حاضر ہے۔“

سخاوت | مہدی خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ سخی تھا۔ بلکہ کبھی کبھی اس کی فیاضی امراؤں کے درجے تک پہنچ جاتی تھی۔ منصور نے تو کفایتِ شعاری سے خزانہ بھر دیا تھا۔ لیکن مہدی نے فیاضی سے اسے خالی کر دیا۔ وہ دولت کو بیچ بھکتا تھا۔ اور بات بات پر سیم و زر کا مینہ برساتا تھا۔ اس کی سخاوت کے واقعات سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ کسی شاعر نے کوئی شعر سنایا۔ اسے پسند آ گیا۔ اور اسی وقت اسے پچاس اشرفیاں انعام میں دے ڈالیں۔

عیش پسندی | مہدی کے مزاج میں عجب متضاد باتیں جمع ہو گئی تھیں۔ وہ گزشتہ اوصاف کے ساتھ ہی بلا کا عیش پسند اور رنگین طبع بھی تھا۔ اس کی حرم سرانے خوش گل عورتوں سے پر یوں کا اکھاڑا بنی رہتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس کے نظامِ حکومت میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا تھا۔ وہ عیش و عشرت میں مصروف رہتا تھا۔ فرائضِ جہانبنانی بھی انجام دیتا تھا۔ اور ضرورت کے وقت اسلحہ جنگ سے آراستہ ہو کر آتش و خون کے سمندر میں بھی کود پڑتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا عہد حکومت ہر طرح کا میابی سے ہم آغوش رہا۔

ہادی بن ہدی

۶۹ھ تا ۷۰ھ

ہادی بن ہدی ۶۹ھ میں بمقام رے ایک بربری پرستار خیزران کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور ہدی کے بعد ۶۹ھ میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

حسین بن علی - حسن بن محمد - یحییٰ بن عبداللہ اور دوسرے
حسین بن علی کا خروج آل ابی طالب نے مل کر حکومت عباسیہ کے خلاف

خروج کی سازش کی تھی۔ اور ۶۹ھ کے موسم حج میں اسے لباس عمل پہنانے کا فیصلہ ہوا تھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی عمر بن عبدالعزیز بن عبید اللہ والی مدینہ سے ان لوگوں کا کچھ جھگڑا ہو گیا۔ اور انہوں نے اس کے مکان کا محاصرہ کر کے حسین بن علی کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کی۔ اسی دوران میں ایک طرف سے خالد بن یزید اور دوسری طرف سے عمر بن عبدالعزیز اپنی اپنی جماعتیں لے کر بیعت گاہ میں آ پہنچے۔ اور مقابلہ شروع ہو گیا خالد بن یزید مارا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سب کا زور ٹوٹ گیا۔ اور حسین بن علی کی جماعت نے بیت المال کو ٹوٹ لیا۔ دوسرے دن بنی عباس کے حامیوں نے جمع ہو کر پھر بساہ مقابلہ آراستہ کر دی۔ اور کئی دن کی جنگ کے بعد حسین بن علی نے مدینہ پر قبضہ کر لیا پھر وہ تین ہفتے وہاں ٹھہر کر عازم مکہ ہوئے۔ اور اعلان کر دیا کہ جو غلام ہمارے پاس آجائے گا۔ ہم اسے آزاد کر دیں گے۔ اس پر غلاموں کی ایک کثیر جماعت ان کے ساتھ ہو گئی۔

محمد بن سلیمان اور سلیمان بن منصور نے مقام فح میں حسین کو شکست دی۔ اور ان کو سرکاٹ کر ہادی کے سامنے پیش کیا۔

اس کے بعد حسین کے ماموں اور یس بن عبداللہ بن حسن بھاگ کر مغرب پہنچے اور فاس نے ان کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کئے۔ اور وہ وہیں رہ پڑے۔ لیکن چند روز کے بعد ان کے ایک غدار پیرو نے دانتوں کا درد دور کرنے کے لئے انہیں زہر بھرا منجن

دے دیا۔ جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ اس کے بعد ان کے بیٹے اور یس بن اور یس نے اور یسی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا۔

حمزہ بن مالک کا خروج | علویوں کی آتش بغاوت سرد ہوئی۔ تو حمزہ بن مالک نے ہنگامہ شورش برپا کر دیا۔

وہاں کے عامل منصور بن زیاد نے اس کی سرکوبی کے لئے فوج روانہ کی۔ لیکن شکست کھائی۔ پھر ایک شخص نے دھوکے سے حمزہ کو قتل کر دیا۔

رومیوں سے جنگ | رومیوں نے حد شیبہ پر فوج کشی کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد ۱۶۹ء میں معیون بن یحییٰ نے مقابلہ کر کے انھیں شکست دی۔ اور حد شیبہ پر دوبارہ تسلط بٹھایا۔

ولی عہدی | مہدی نے ہادی کے بعد ہارون کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔ ہادی نے اس کے بجائے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانا چاہا۔ یحییٰ بن خالد برکی نے جو مہدی کے زمانے سے ہارون کا اتالیق تھا۔ ہادی کو معقول دلائل سے سمجھایا کہ یہ تجویز مناسب نہیں۔ ہادی مان بھی گیا۔ لیکن ہارون کے مخالفت برابر ہادی کو اگلاتے رہے۔ کہ جعفری کو ولی عہد بنانا چاہئے۔ آخر ہارون پر سختی کی گئی۔ یحییٰ نے ہارون کو مشورہ دیا۔ کہ وہ شکار کے بہانے سے کہیں چلا جائے۔ ہارون نے یحییٰ کی رائے پر عمل کیا۔ ہادی نے اسے پھر طلب کیا۔ ہارون بیماری کا عذر کر کے حاضر نہ ہوا۔ اسی دوران میں ہادی نے اپنی ماں خیزران سے امور سلطنت کے متعلق تمام اختیارات چھین لئے۔ اور ماں بیٹوں میں سخت کشیدگی بلکہ دشمنی پیدا ہو گئی۔ اب یحییٰ کے ساتھ خیزران بھی ہارون کی دوسری حامی بن گئی۔ اسی اثنا میں ہادی کو پیغام اجل آ گیا۔ اور اس کا یہ ارادہ قدرتا تشنہ تکمیل رہ گیا۔

وزارت | ہادی کا پہلا وزیر ربیع بن یونس تھا۔ مگر جلد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ابراہیم بن زکوان حرانی منصب وزارت پر فائز ہوا۔ ہادی اپنے زمانہ طالب علمی ہی سے ابراہیم کے ساتھ محبت کرتا تھا۔ لیکن مہدی کسی وجہ

سے ابراہیم کا مخالف تھا۔ اس لئے وہ ہادی کو اس کے ساتھ ملنے چلنے سے منع کرتا تھا۔ ہادی نہ مانتا تھا۔ اور ہر وقت اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ آخر یہی نے ہادی کو ولی عہد کی سے خارج کر دینے کی دھمکی دے کر ابراہیم کو اپنے پاس طلب کیا۔ ہادی نے اسے چارونچا بھیج تو دیا۔ لیکن احتیاطاً چند آدمی اس کے ساتھ کر دئے۔ ہادی ابراہیم کو دیکھتے ہی اس پر برس پڑا۔ اور اسے قتل کی دھمکی دی۔ ابراہیم کی خوش نصیبی سے ہادی شکار کو جانے کے لئے بالکل تیار تھا۔ اس لئے اسی وقت روانہ ہو گیا۔ اور زندہ واپس نہ آیا۔

۱۴ ربیع الاول ۳۷ھ کو ہادی نے بمقام عیسیٰ باد سوا برس خلافت کر کے داعی **وفات** اجل کو لبیک کہا۔ ایک بیان یہ ہے۔ کہ اس کی موت طبعی تھی۔ دوسرا یہ ہے کہ اس کی ماں خیزران نے اسے ایک کینز کے ذریعے سے زہر دلو کر مار ڈالا۔

ہادی ایک کامیاب حکمران کے تمام اوصاف کا حامل تھا۔ ایک **اخلاق و عادات** مورخ بیان کرتا ہے۔ کہ :-

”ہادی عالی دماغ۔ سخی۔ بیباک۔ شجاع، متشدد۔ سلیم الطبع۔ اور اولوالعزم فرمانروا تھا۔ نجی صحبتوں میں نہایت بے تکلفی سے کام لیتا۔ لیکن دربار میں آتے ہی اور کا اور ہو جاتا تھا۔“

ہادی کے رضاعی بھائی حسین بن معاذ بن مسلم کا قول ہے۔ کہ :-

”میں نجی صحبتوں میں ہادی سے قطعاً مرعوب اور خائف نہ ہوتا تھا۔ اور اسے پچھا کر زمین پر پٹک دیتا تھا۔ لیکن جب وہ درباری لباس زیب تن کر کے قصر سلطانی میں آتا اور میں اس کے پیچھے کھڑا ہوتا۔ تو اس کے رعب۔ خوف اور ہیبت سے غیر متاثر نہ رہ سکتا تھا۔“

ہادی عیش پسند ہونے کے باوجود مذہبی معاملات میں بڑا سخت تھا۔ مشرکوں اور دہریوں کا توجانی دشمن تھا۔ چنانچہ اس نے بہت سے ملحد اور زندیق تلوار کے گھاٹ اتار دئے

خواجہ کونین سے عقیدت و محبت

خواجہ کونین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہادی کو بے حد عقیدت اور محبت

تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی شاعر نے قصیدہ پڑھا۔ جس میں آنحضرتؐ کی کسر شان کا پہلو نکلتا تھا۔ ہادی نے فی الفور اعتراض کیا۔ شاعر نے اسی وقت دوسرا شعر موزوں کر کے اس کی تلافی کر دی۔ ہادی کو پسند آیا۔ اور اسے پچاس ہزار درہم عنایت کئے۔

ہادی کی علمی حیثیت کے متعلق ایک مورخ لکھتا ہے۔ کہ:-
علمی حیثیت "وہ فصیح و بلیغ ہے۔ کلام پر قادر ہے اور ادیب ہے۔"

ہادی رعایا کے ساتھ رحم، انصاف اور لطف و کرم سے پیش آتا تھا۔ اس نے فضل بن زبیح کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ میرے عدل اور الطاف کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہے۔ کسی کو میرے دربار میں آنے سے نہ روکو۔ اس سے برکت زائل ہو جاتی ہے۔ کوئی ایسا معاملہ میرے سامنے نہ لاؤ۔ جو تحقیقات سے غلط ثابت ہو جائے۔ کیونکہ یہ بادشاہ اور رعایا دونوں کے لئے ضرور ہاں ہے۔

ہادی اپنے باپ ہمدی کی طرح بڑا فیاض اور دریا دل تھا۔ چنانچہ تاریخ کے صفحات اس کی سخاوت کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔
سخاوت

سترھواں باب

ہارون الرشید

۱۶۰ھ تا ۱۹۳ھ

ہارون الرشید بن ہمدی ۱۶۰ھ میں بمقام رے خیزران کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد ۱۶۳ھ ربيع الاول ۱۶۰ھ کو ۲۲ سال کی عمر میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔

ہارون الرشید نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے دیرینہ محسن۔ مشیر کار اور اتالیق یحییٰ بن خالد برمکی کو وزارتِ عظمیٰ کے منصبِ جلیلہ پر مرفراز کیا۔ ہارون الرشید کے عہد میں خلافتِ عباسیہ ترقی کی معراج پر پہنچ گئی۔ اس نے خلافت کے پہلے سال حج کی سعادت حاصل کر کے اہل حرمین کو جو دو عطا سے نوازا۔ آلِ علی پر سے تمام پابندیاں دور کر کے انھیں آزاد کرتے ہوئے قیامِ مدینہ کی اجازت دے دی۔ اور عالمین کے عزل و نصب اور تغیر و تبدل سے نظامِ حکومت کو استوار تر کرنے کی جدوجہد کی۔

۱۶۶ھ میں نفسِ ترکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے دیلم سے علمِ بغاوت بلند کیا۔ اور لوگ چاروں

یحییٰ بن عبداللہ کا خروج

طرف سے ان سے بیعت کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ تھوڑے ہی دنوں میں ایک کثیر النفر جماعت ان کے گرد جمع ہو گئی۔ اور ہارون رشید کو خدشہ پیدا ہو گیا۔ اس نے فضل بن

یہی برکی کو پچاس ہزار کی عظیم الشان فوج کے ساتھ ان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔
فصل نے میدان جنگ میں کودنے کے بجائے یہی کو اس شرط پر صلح کے لئے آمادہ کر لیا
کہ ہارون اپنے قلم سے صلح نامہ تحریر کرے جس پر فقہوں - قاضیوں اور اکابر بنی ہاشم کے
دستخط ہوں۔ چنانچہ اسی فیصلے کے مطابق صلح ہو گئی۔ اور ہارون نے یہی کو بدل و
عطا سے بھی بہرہ اندوز کیا۔

یمینیوں اور مضر یوں میں جنگ | اسی سال دمشق میں یمنی اور مضر ی قبائل
کے درمیان جنگ و جدل نے ہولناک

صورت اختیار کر لی۔ دمشق کا حاکم عبدالصمد بن علی اس کشت و خون کا انسداد کرنے میں
ناکام رہا۔ تو ہارون نے اسے معزول کر کے ابراہیم بن صالح کو والی و دمشق مقرر کیا۔
لیکن اس سے بھی فتنہ فرو نہ ہو سکا۔ اور دو سال تک قتل و جرح کا بازار گرم رہا۔ آخر
ہارون نے جعفر بن یحییٰ برکی کو شام کی طرف بھیجا۔ اور اس نے آتش فساد کو ٹھنڈا کر کے
سندھ میں دارالخلافہ بغداد کی طرف مراجعت کی۔

سندھ میں بغاوت | دمشق کے بعد سندھ کے یمنی اور مضر ی قبائل میں
معرکہ آرائی ہونے لگی۔ اور مقابلے میں ہارون کی منتظر

سعی و جہد کے باوجود کئی سال تک خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ آخر ۸۳۷ء میں ہارون
نے داؤد بن ماتم ہلبی کو اس مہم پر روانہ کیا۔ اس نے یہ کام اپنے بھائی مغیرہ کے سپرد
کر دیا۔ جب مغیرہ منصورہ میں وارد ہوا۔ تو وہاں مضر یوں کا طوطی بول رہا تھا۔ اور انھوں
نے یمینیوں کو مار مار کر نکال دیا تھا۔ مغیرہ نے مضر یوں کو تشدد کا تختہ مشق بنا کر بھڑوں
کے اس چہتے کو چھیڑ دیا۔ اور اسے جان چھڑانی مشکل ہو گئی۔ یہ حالت دیکھ کر مغیرہ منصورہ
کو چھوڑ دینے پر مجبور ہو گیا۔ اس پر داؤد نے خود منصورہ پہنچ کر مضر یوں کو شکست دی۔
اور انھیں گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دینے کے بعد منصورہ پر قبضہ کر لیا۔

عطاف بن سفیان کی بغاوت | ۸۳۷ء میں عطاف بن سفیان ازدی
نے غلم بغاوت بلند کر کے موصل اور

اس کے مضافات پر قبضہ کر لیا۔ ہارون نے خود اس کے خلاف چڑھائی کر کے اسے ناک چنے چھوڑے۔ اور موصل کی فصیل مسمار کر دی۔

۱۷۸ھ میں مصر کے قبیلوں قیس اور قضاعہ نے بغاوت اور **مصر میں بغاوت** سرکشی پر مکر باندھی۔ وہاں کے حاکم اسحاق بن سلمان نے اس فتنے کو مٹانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ ناکام رہا۔ پھر ہرثمہ بن اعین عامل فلسطین نے باغیوں کو مغلوب کیا۔

اسی سال ولید بن طریف خارجی نے جزیرہ **ولید خارجی کی بغاوت اور قتل** میں بغاوت کر کے آرمینیا اور حلوان وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ یزید بن مزید شیبانی کو مقابلے کے لئے بھیجا گیا۔ ۱۷۹ھ میں ایک خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں ولید مارا گیا۔

۱۷۷ھ میں افریقہ شورش و بغاوت کی جولان گاہ بن گئی اور ۱۸۱ھ تک فتنہ و فساد کی آگ شعلہ افروز رہی۔ اسے **افریقہ میں بغاوت**

کی ابتدا یوں ہوئی۔ کہ ۱۷۷ھ میں ہارون الرشید نے فضل بن روح کو عامل مقرر کیا اس نے تونس کی عنان انتظام مغیرہ بن بشر کے ہاتھ میں دی۔ مغیرہ نے بدسلوکی سے فوج کو اپنا مخالف بنا لیا۔ فوج نے خلیفہ سے شکایت کی۔ اس نے مغیرہ کو معزول کر کے اس کی جگہ عبداللہ بن یزید کو بھیجا۔ فوج نے اسے تہ تیغ کر دیا۔ اور فضل کے بھی پیچھے گئی۔ فضل نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ مگر انھیں پسپا ہونا پڑا باغی قیروان پر قابض ہو گئے۔ اور ان کے سرغنہ عبداللہ بن جارود نے فضل کو مار ڈالا۔ ہارون نے آتش بغاوت کو سرد کرنے کے لئے ہرثمہ بن اعین اور یحییٰ بن موسیٰ افریقہ روانہ کیا۔ یحییٰ کے حسن تدبیر سے بغاوت کے دوسرے غنوں ابن جارود اور ابن فارس میں باہم پھوٹ پڑ گئی۔ اور ابن فارس مارا گیا۔ آخر ۱۷۹ھ میں امن قائم ہو گیا اور ہرثمہ نے انسداد بغاوت کے لئے طرابلس کے گرد فصیل بنوائی۔

چند ہی روز کے بعد ہرثمہ نے آئے دن کی شورشوں سے گھبرا کر علیحدگی اختیار کر

اور ہارون نے محمد بن مقاتل کو افریقہ بھیجا۔ اس کے آتے ہی بغاوتوں کا بازار پھر گرم ہو گیا۔

ابراہیم بن اغلب کا تقرر ۱۸۲ھ میں ہارون نے ولایت افریقہ کی زمام انتظام ابراہیم بن اغلب کے ہاتھ میں دی۔ اس نے تمام کج رو باغیوں کو سیدھا کر کے امن قائم کیا۔ اگرچہ بعد میں بھی کبھی سرکشی کی چنگاریاں اڑتی رہیں۔ لیکن ابراہیم کی قابل تعریف انتظامی قابلیت سے وہ امن کی کلیوں میں بدل گئیں۔ اور پھر کسی نے بغاوت کا شگوفہ نہ چھوڑا۔

بیرونی فتوحات ہارون کے زمانے میں بہت سی بیرونی فتوحات ہوئیں۔ رومیوں کے علاقے پر مسلسل حملے کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۱ھ میں خود ہارون نے قلعہ صفصان کو مستحکم کیا۔ اور انقرہ۔ مملورہ۔ قرہ اور حصن سنان پر یکے بعد دیگرے قبضہ کیا گیا۔

اس سلسلے میں ایشیائے کوچک کی ہم خاص اہمیت رکھتی ہے۔ رومیوں کے حاکم نقفور (نسی فور) نے ہارون کو ایک توہین آمیز خط لکھا۔ جسے پڑھتے ہی جوش غضب سے اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ چنانچہ اس نے اینٹ کا جواب پتھر سے دے کر فوجوں کو باگ اٹھالینے کا فرمان بھیجا۔ اور ایشیائے کوچک پر حملہ کر کے اسے ڈورتک تاخت و تاراج کر ڈالا۔ نسی فور نے خراج ادا کر کے صلح کر لی۔ لیکن بعد میں وہ عہد سے پھر گیا۔ ہارون نے پھر تہ بول رایشیائے کوچک کو پامال و برباد کیا۔ ۱۸۸ھ میں ابراہیم بن جبریل نے نسی فور سے مقابلہ کر کے اسے ناک چنے چنوائے۔ رومیوں کے چالیس ہزار آدمی کھیت رہے۔

نسی فور کو اس کی عہد شکنی کا مزہ چکھانے کے لئے ہارون نے رومی سلطنت کے مختلف علاقوں پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ اس ضمن میں صقلیہ۔ واسہ۔ مفلونیہ۔ طوانہ۔ قونیہ۔ اناطولیہ وغیرہ مفتوح ہوئے۔

شام کی بازیابی کی آرزو ہر وقت رومیوں کے دلوں میں چٹکیاں لیتی رہتی تھی لیکن

خشکی کی راہ سے حملے کا دروازہ بند ہونے کے باعث وہ بحیرہ روم کے راستے سے چڑھائی کرتے رہتے تھے۔ اس لئے ہارون نے ساحلوں پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر کے اس خطرے کا انسداد کر دیا۔

ہارون نے اپنے بعد اپنے بیٹے امین کو۔ اس کے بیٹے ہامون کو اور اس کے بعد موتمن کو ولی عہد نام زد کیا۔ اگرچہ ہامون ہر حیثیت سے امین پر فضیلت رکھتا تھا۔ لیکن ہارون کو اس کی چھٹی بیوی زبیدہ کی محبت کے باعث امین کو جو اس کے بطن سے تھا۔ ہامون پر ترجیح دینی پڑی۔ اور یہ بڑی ہولناک و تباہ کن سیاسی غلطی تھی۔

اس خاندان کا مورث اعلیٰ برک بلخ کے آتش کدہ بہار کا متولی تھا۔ اس کا بیٹا خالد عالم و فاضل۔ وانا۔ مدبر۔ اولوالعزم اور بہادر تھا۔ عباسی تحریک کو اس سے بڑی تقویت پہنچی۔ بسفاح نے اسے منصب وزارت سے سرفراز کیا۔

۱۶۳ھ میں خالد نے وفات پائی۔ اس کا بیٹا یحییٰ الولد سرلابیہ کا پورا پورا مصداق تھا۔ اس نے حسن قابلیت سے دربار میں بہت رسوخ حاصل کیا۔ ہمدی نے اسے ہارون کا اتالیق بنایا۔ ہارون نے خلیفہ ہوتے ہی اسے قلمدان وزارت سپرد کر کے سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔

یحییٰ کے چار بیٹے تھے۔ فضل۔ جعفر۔ موسیٰ اور محمد۔ فضل ہارون کا رضاعی بھائی بھی تھا۔ اس لئے ہارون نے اسے متعدد عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز کیا۔ اور اپنے بیٹے امین کی اتالیقی بھی عطا کی۔ پھر اس نے وزارت کا سارا کام سنبھال لیا۔ اور یحییٰ برائے نام وزیر رہ گیا۔

جعفر غیر معمولی قابلیت اور کمالات کا حامل ہونے کے باعث اپنے تمام بھائیوں سے برتر تھا۔ ہارون کو اس کے ساتھ حد سے زیادہ محبت تھی۔ ۱۸۶ھ میں جعفر افریقہ کا والی مقرر ہوا۔ پھر وزارت کے منصب جلیلہ پر سرفراز ہوا۔ ہارون نے اسے اپنے

مامون کا اتالیق بھی مقرر کیا تھا۔

موسیٰ اور محمد نے کوئی نمایاں اور خاص ناموری حاصل نہ کی۔ البتہ موسیٰ بہادری میں مشہور تھا۔

برامکہ نے یہاں تک عروج حاصل کیا۔ کہ وہ سلطنت کے سارے **برامکہ کا زوال** نظم و نسق پر چھا گئے۔ اہل علم اور ارباب کمال کے لئے خزانے کا منہ کھول دیا۔ اور رعایا ان پر جان چھڑکنے لگی۔ جب ہارون کی حیثیت شاہ شطرنج کی رہ گئی۔ تو برامکہ نے اور پر پڑے نکلے۔ اور خود سر ہو کر ہارون کے احکام کو بھی بالائے طاق رکھنے لگے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہارون کو ضرورت کے لئے خزانے سے معمولی رقم ملنی بھی مشکل ہو گئی۔

اس کے علاوہ دوسری یہ بات ہارون کو خار پہلو بن کر کھٹکنے لگی۔ کہ برامکہ کو عباسیوں کے حریف مقابل ائمہ اہل بیت کرام کے ساتھ عقیدت تھی۔ اور وہ ان سے ایسا سلوک کرنے لگے۔ جو بنی عباس کی سیاست کے لئے نقصان رساں تھا۔

برامکہ نے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر اپنے ہی افراد خاندان کو مامور کر دیا تھا۔ اس لئے رعایا انہیں کو بادشاہ سمجھنے لگی تھی۔ اس سے ہارون کے دل میں سخت بدگمانی پیدا ہونے کے علاوہ عباسی متوسلین کی ایک جماعت نے بھی ان کے خلاف علم مخالفت بلند کر دیا تھا۔

ان وجوہ سے برامکہ کا گلشن اقبال تاراج خزاں ہو گیا۔ **برامکہ کی اسیری اور قتل** اور ۱۸۷ھ میں ہارون نے جعفر کو تہ تیغ کر دیا۔ اور

یحییٰ اور فضل کو قید و بند میں ڈال دیا۔ محمد بن خالد کے سوا خاندان برامکہ کا کوئی فرد ایسا نہ تھا۔ جسے طوق بہ گلو اور پابہ جولاں کر کے زنداں کی کڑیاں جھیلے جھیلے ہننگ اجل کا لقمہ بننے کے لئے نہ چھوڑ دیا گیا ہو۔ ان کی تمام جائدادیں اور زر و مال ضبط کر لیا گیا۔

برامکہ کے اقبال و ادبار کا یہ دردناک واقعہ ہر صاحب بصیرت کے لئے آئینہ

عبرت ہے۔

۱۹۲ھ میں ہارون الرشید خراسان کی ایک مہم پر روانہ ہوا۔ طبیعت کچھ
وفات علیل تھی۔ جرجان پہنچ کر بیماری نے زور پکڑا۔ اور وہ طوس واپس آ گیا۔
 دو اور ماہ میں کوئی کسرا ٹھکانہ رکھی گئی۔ لیکن وقت آخر آپہنچا۔ اور اس نے ۳ جمادی الاخر
 ۱۹۳ھ کو طوس میں ۲۳ سال ڈھائی مہینے خلافت کرنے کے بعد وفات پائی۔

اخلاق و عادات ہارون الرشید سلطنت عباسیہ کے تاج اقبال کا گوہر شہوار
 تھا۔ اس کے عہد حکومت میں عباسیوں کے جاہ و جلال کا آفتاب
 نصف النہار پر پہنچ گیا تھا۔ بغداد کی سرزمین علم و تمدن کے ان مول موتی اگل رہی تھی
 اس کے فلک بوس قصر و ایوان اور روکش جنت چمن زار حد تعریف سے بالا تھے۔
 وہ ایک بہادر جرنیل اور مرد میدان تھا۔ کئی مہینے اور کئی سال گھوڑے کی پشت
 پر صرف کر دیتا تھا۔ لیکن صوفیہ میں عالی پایہ صوفی۔ فقہا میں بلند منزلت فقیہ۔ اور
 محدثین میں اعلیٰ مقام محدث ہوتا تھا۔ غیر مذاہب والوں کے ساتھ لطف و مروت
 سے پیش آتا تھا۔ صرف ملحدوں کا دشمن تھا۔
 بعض مورخین بیان کرتے ہیں کہ۔

”ہارون الرشید محرمات کی عظمت کرتا تھا۔ ہر روز سو رکعت نفل پڑھتا تھا۔ ایک
 ہزار درہم یومیہ خیرات کرتا تھا۔ اکثر حج کرتا تھا۔ اور سو علماء و فقہاء کو ہمراہ لے جاتا
 تھا جس سال خود نہ جاسکتا۔ تین سو اشخاص کو نقد و جنس کے ساتھ بھیجتا۔
 حج میں نہایت خضوع و خشوع سے دعائیں مانگتا۔ مناسک حج ادا کرتے وقت
 آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔“

جہاد و شہادت کا بے حد شائق تھا۔ ایک دفعہ ابو معاویہ محدث نے اس سے
 حدیث بیان کی۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میری آرزو ہے کہ خدا کے راستے میں
 قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر مارا جاؤں۔“

یہ حدیث سن کر ہارون اس شدت سے رویا کہ بچکی بندھ گئی۔
 شہنشاہ کونین کی محبت اس کے رگ و پے میں جاری و ساری تھی حضور کا اسم
 گرامی سنتے ہی صلی اللہ علیہ وسلم علی سیدی کہتا۔ ایک دفعہ ابو معاویہ نے کوئی حدیث
 بیان کی۔ کسی شخص نے اس پر لب اعتراض واکیا۔ ہارون فرط غیظ سے آگ بگولا ہو گیا
 اور اسی وقت تلوار منگوائی۔ ابو معاویہ نے مشکل سے عقدہ فرو کیا۔
 علماء و صلحاء کی مصاحبت کو اپنے لئے موجب سعادت اور باعث فخر سمجھتا تھا۔
 سفیان ثوری۔ فضیل بن عیاض اور ابن سماک سے اسے گہری عقیدت تھی۔ ان سے
 نصیحتیں سنتا۔ ایک دفعہ ابن سماک سے ارشاد نصیحت کے لئے عرض کی۔ انھوں نے
 فرمایا:-

”اللہ سے ڈرتا رہ۔ جو وحدہ لا شریک ہے۔ اور اس پر یقین رکھ کر کل مجھے اللہ
 کے سامنے جانا اور وہاں دو جگہوں میں ایک جگہ اختیار کرنی ہے۔ جس کے سوا
 تیسری جگہ نہیں۔ یہ جگہیں بہشت اور دوزخ ہیں۔“

یہ سن کر ہارون زار و قطار رونے لگا۔ اور ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔
 ایک دفعہ فضیل بن عیاض نے ہارون سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-
 ”اے خوش جمال! تجھ پر اس امت کی ذمہ داری ہے۔ تجھی سے اس کا مواخذہ
 ہوگا۔“

یہ سن کر ہارون بہت رویا۔

ایک دن ابن سماک ہارون کے پاس بیٹھے تھے۔ ہارون نے پینے کے لئے پانی
 مانگا۔ پانی آیا۔ ہارون نے پینا چاہا۔ تو ابن سماک نے استفسار فرمایا۔ ”اگر آپ کو
 پیاس کی شدت میں پانی نہ ملے۔ تو ایک پیالہ پانی کتنے میں خرید لیں۔“ ہارون نے کہا
 ”آدھی یا دشا بہت کے عوض۔“ ہارون پانی پی چکا۔ تو پھر پوچھا۔ کہ ”اگر یہ پانی آپ
 کے پیٹ میں رہ جائے۔ اور نہ نکلے۔ تو اس کے نکلوانے میں کتنا خرچ کر سکتے ہو۔“
 ہارون بولا۔ ”ساری سلطنت۔“ ابن سماک نے کہا۔ ”جس سلطنت کی قیمت ایک

پیالہ پانی ہو۔ اس پر زیادہ غرور نہ کرنا چاہیے۔ "یہ نصیحت سن کر ہارون زور پڑا اور دیر تک روتا رہا۔

ہارون کے یہی محاسن تھے۔ جن کے باعث فضیل بن عیاض جیسا نژاد اس کے متعلق کہتا تھا کہ "لوگ اس شخص کو ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ بہت محبوب ہے"

امین الرشید

۱۹۳ تا ۱۹۸ھ

ہارون کے بعد اس کا پہلا نام زد ولی عہد امین الرشید تخت خلافت پر بیٹھا۔ یہ زبیدہ کے بطن سے تھا۔

طوس میں جب ہارون کا انتقال ہوا۔ تو امین بغداد میں تھا۔ اور مامون مرو میں۔ ہارون کے کاتب فضل بن ربیع نے اس کے ہمراہی احرار و وزراء سلطنت سے امین کی بیعت لی۔ اور وہ اس کے اٹھارھویں دن جمادی الاولیٰ ۱۹۳ھ میں بمقام بغداد تخت نشین ہوا۔

رافع بن لیث نے ہارون کے عہد میں خروج کیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کی بغاوت نے اور بھی

زور پکڑ لیا۔ اس نے سفد۔ بلخ۔ ماوراء النہر اور طخارستان کے غیر مسلم باشندوں سے مدد لے کر آتش بغاوت کو ہوا دے دی۔ اور لوٹ مار کا بازار گرم کر کے بہت سے علاقوں میں قیامت برپا کر دی۔ ہرثمہ بن اعین نے جس کے سپرد پہلے یہ ہم سپرد کی گئی تھی۔ رافع سے مقابلہ کیا۔ اور خون ریز جنگ کے بعد اسے شکست دے کر بے دست و پا کر دیا۔

خراسان کی عنان انتظام پورے طور پر مامون امین اور مامون میں مخالفت کے ہاتھ میں تھی۔ اور ہارون ہم خراسان میں

ابن ابی خالد کی وفات کے بعد اس کے حامیوں نے کہا "ہم مجوسی بن مجوسی حسن بن سہل کی حکومت برداشت نہیں کریں گے" اور مامون کی بیعت فسخ کر کے منصور بن ہدی کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہ مانا۔

شورش بغداد | فوج کی اس بغاوت سے بغداد میں بدامنی اور شورش کے تیز و تند شعلے بھڑکنے لگے۔ لٹیروں نے ڈاکے اور غارتگری کا بازار گرم

کر دیا۔ بد معاشوں نے سیاہ کاری کا طوفان برپا کر دیا۔ اس پر خالد بن درویش نے اہل بغداد کی امداد سے ڈاکوؤں اور لٹیروں کو تہس نہس کیا۔ اور سہل بن سلامہ انصاری نے کتاب و سنت کی نشر و اشاعت کے ذریعے سے اس بد نظمی اور اقرارِ تفری کا انسداد کیا۔ آخر سرگرم تگ و دو کے بعد اس شورش کا استیصال کیا گیا۔

حضرت علی بن موسیٰ رضا کی ولی عہدی | مامون کو شروع ہی سے سادہ سادگی اور اہل بیت نبویؑ سے بڑی

عقیدت اور محبت تھی۔ اور حضرت علی بن موسیٰ رضا کے باب میں تو یہ محبت اس حد تک گہرائی میں گئی تھی کہ اس نے انھیں ولی عہد مقرر کر کے جگہ جگہ حکم جاری کر دیا۔ کہ ساری سلطنت میں حمال۔ حکام اور فوجی لوگ سیاہ لباس کے بجائے سبز لباس استعمال کریں۔ اور لوگوں سے علی بن موسیٰ رضا کی بیعت لیں۔

بعض نے خوشی سے اور بعض نے مجبوری سے اس حکم کی تعمیل کی۔ بنی عباس میں فرمان سے بھڑک اٹھے۔ اور انھوں نے مامون کی بیعت فسخ کر کے اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ بنانے کا قصد کیا۔ چنانچہ عین بیعت لئے جانے کے موقع پر عباسیوں نے اعلان کیا۔ کہ وہ مامون کی بیعت توڑ کر ابراہیم بن ہدی کی بیعت رکھتے ہیں۔

ابراہیم کی بیعت | اس کے بعد یکم محرم ۲۰۲ھ کو اہل بغداد نے بھی ابراہیم کی بیعت کر لی۔ فوجیوں کو نقد اور جنس کی صورت میں انعام دیا

یا۔ ابراہیم نے بعد ازاں اپنے حکام متعین کئے۔ اور کوزہ اور سواد کوزہ یرنگین کر کے ملائے

فوج کشی کی۔

انکشاف حقیقت پر مامون کا اقدام | فضل بن سہل نے اتنے بڑے انقلاب کی خبر بھی مامون سے پوشیدہ رکھی۔

لیکن رعایا نہاں کے ماند آں رازے کو وسازند محفل ہا۔ آخر امام علی رضائے اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا۔ کہ اہل بغداد نے آپ کی بیعت فسخ کر کے ابراہیم کو خلیفہ بنا لیا ہے۔ اور معقول دلائل سے واقعات کی بنا پر اسے یقین دلا دیا۔ کہ فضل اس سے حقیقت کو چھپاتا ہے۔ اس کے بعد افسروں نے مامون کو خدمت میں استدعا کی۔ کہ وہ بغداد تشریف لے چلیں۔ وہاں کے باشندے آپ بھی انھیں دیکھ کر اطاعت قبول کر لیں گے۔

رجب ۲۰۲ھ میں مامون نے مرو کا رخ کیا۔ فضل نے ان افسروں کو جنھوں نے اس کے خلاف شہادت دی تھی۔ مامون کی جان بخشی کے باوجود خدنگ عقوبت کا نشانہ بنایا۔ مامون کو خبر ہو تو اس نے فضل کے خلاف اقدام کو شدید تر کر دیا۔ جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۲۰ شعبان ۲۰۲ھ کو فضل بن سہل ذوالریاستین وزیر اعظم ایک حمام میں خفیہ تہ تیغ کر دیا گیا۔ اور قاتل گرفتار کر لئے گئے۔ اور ان کے سر قلم کر کے فضل کے بھائی حسن کے پاس بھیج گئے۔ مامون نے حسن کو دروناک تعزیت نامہ لکھا۔ اور فضل کی جگہ اسے وزیر اعظم کیا۔ پھر اس کی بیٹی سے شادی کر کے اس کے زخم دل پر مرہم رکھتے ہوئے اسے دلجوئی کی۔

امام علی رضا کی وفات | مامون کو امام علی رضا سے اس درجہ محبت تھی۔ کہ انھیں اپنا ولی عہد نام زد کیا۔ اپنی ایک بیٹی ام حبیب کی شادی ان سے کی۔ اور دوسری بیٹی ام فضل کو ان کے بیٹے محمد کے جہالہ عقد میں دیا۔ امام علی رضا کے بھائی کو ولایت یمن پر سرفراز کیا۔ اور امیر الحج بنایا۔ جب مامون نے

میں پہنچ کر قیام کیا۔ تو ایک دن یکایک امام علی رضی اللہ عنہ نے انگور کھانے سے سفر آخرت اختیار کیا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ خود مامون نے ان انگوروں میں زہر ملوایا تھا۔ مگر یہ روایت پابہ اعتبار سے ساقط ہے۔

مامون ان کے صدمہ انتقال سے نہایت غمگین ہوا تنگے سر جنازے کے ساتھ گیا۔ اور تین دن تک مجاور کی طرح قبر پر بیٹھا رہا۔

عیسیٰ بن محمد کا حشر | علی رضا کی وفات کے بعد مخالفت کی حقیقی وجہ قائم نہ رہنے سے ابراہیم کے اکثر حامیوں نے اس سے قطع

تعلق کر لیا۔ ۲۰۳ھ میں اس کے سب سے بڑے حامی عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد نے علم مخالفت بلند کیا۔ اور اسے گرفتار کر دینے کا منصوبہ باندھا۔ عیسیٰ کے مخالف بھائی ہارون نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ ابراہیم نے عیسیٰ کو تازیانے لگا کر قید و بند میں ڈال دیا۔ اس کے ساتھیوں نے ابراہیم کے بعض افسروں کو بغداد سے نکال کر وہاں شورش برپا کر دی۔

ابراہیم کے مخالفوں کی سرگرمیاں | عیسیٰ کے حامیوں نے ابراہیم کی بیعت فسخ کر دی۔ اور مخالفانہ سرگرمیاں

کی رفتار تیز کر کے فوج سے بھی بیعت تڑوا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جمعہ کے دن مامون کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور سپاہیوں کو بیعت سا انعام دے کر خوش کر دیا گیا۔

ابراہیم کا فرار | مخالفین نے حمید کو بلا کر بغداد پر اس کا قبضہ کر دیا تھا۔ اب ابراہیم کے تمام ساتھی اسے چھوڑ کر حمید کے زیر علم جمع ہو گئے۔ اور

مدائن ابراہیم کے قبضے سے نکل کر حمید کے قبضے میں آ گیا۔ ابراہیم نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اور تقریباً دو سال کے بعد اس کی خلافت ختم ہو گئی۔

بسز کی جگہ پھر سیاہ لباس | اسن قائم ہونے پر سفر سلسلہ میں مامون اپنے کو کیر سلطانی کے ساتھ بغداد میں وارد ہوا۔ اور

بنتی عباس نے اس سے اصرار کرتے ہوئے بسز لباس کو بدلو کر پھر قدیم عباسی سیاہ

لباس جاری کرا دیا۔

ایک دن مامون بزم نشاط میں اکل و شرب
طاہر بن حسین والی خراسان سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ طاہر آیا۔

مامون کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔ طاہر نے وجہ دریافت کی۔ مامون نے طال دیا۔
 طاہر کا ماتھا ٹھنکا۔ اور اس نے مامون کے مصاحب خاص حسین کو دو لاکھ درہم
 بھیج کر راز معلوم کر لیا۔ مامون نے حسین سے راز پوشیدہ رکھنے کا وعدہ لے کر کہا۔
 طاہر کو دیکھتے ہی بھائی امین کی ذلت اور قتل کا دردناک منظر سامنے آجاتا ہے۔ مجھ
 ڈر ہے۔ کہ کسی روز طاہر کو میری طرف سے کوئی گزہ یا ضرر نہ پہنچ جائے۔ طاہر کو راز
 کے پاتے ہی اپنی موت آنکھوں کے سامنے پھرتی ہوئی نظر آنے لگی۔ اس نے احمد بن ابی
 خالد وزیر اعظم سے کہہ کر اپنے لئے تمام مشرقی صوبوں کی ولایت کا پروانہ لکھوا لیا۔
 تقرر کے دو سال بعد مشرق میں طاہر نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ مامون
 نے امین ابی خالد کو حکم دیا۔ کہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے فی الفور
 طاہر کو گرفتار کر کے لاؤ۔ لیکن اسی دوران میں طاہر کے انتقال کی خبر آگئی۔ اور اس
 مواخذہ سے بچ گیا۔

امین کے قتل کے بعد اس کے ایک حامی نصر
نصر بن سنیار کی گرفتاری سنیار عقیلی نے بغاوت پر مکر بائدھی۔ مامون۔

عبداللہ بن طاہر کو حاکم مصر مقرر کر کے نصر کی سرکوبی کے لئے مامور کیا۔ ابن طاہر
 نے بڑی مشکل سے اس پر قابو پا کر اسے مامون کے پاس بھجوا دیا۔

اگرچہ مامون اپنے پیش روؤں کے خلاف
عبدالرحمن بن احمد کا خروج علویوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیشتر

آتا تھا۔ لیکن علویوں نے اپنی مخالفانہ روش نہ بدلی۔ چنانچہ عبدالرحمن بن احمد
 علوی نے خروج کر کے یمن میں اہل بیت کی دعوت کا آغاز کیا۔ مامون نے دینار
 بن عبداللہ کو قیام امن کے لئے حکم دیا۔ اس نے ابن احمد کو امان نامہ دکھا کر انھیں

مامون کے پاس بھجوا دیا۔

ابراہیم کی گرفتاری | ابراہیم بن مہدی مامون کے داخلہ بغداد کے وقت روپوش ہو گئے تھے۔ اب انھوں نے قوت پکڑ کر سازش کی کہ

جب بغدادی فوج بغداد کے پل پر پہنچے۔ تو اسے توڑ دیا جائے۔ لیکن مامون کے آدمیوں کو بروقت اس سازش کا علم ہو گیا۔ اور تمام سازشی گرفتار کر لئے گئے۔

متفرق بغاوتیں | عبداللہ بن سری والی مصر نے غلم بغاوت بلند کیا۔ اور اندلسیوں نے اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن مامون نے

جلد ہی ادھر توجہ کر کے ابن سری کو مغلوب کیا۔ پھر اندلسیوں کے مقابلے کے لیے فوج کشی کی۔ وہ لوگ خود ہی مقابلے کی تاب نہ لا کر اسکندریہ چھوڑ گئے۔

اہل قم نے مامون سے درخواست کی۔ کہ اہل رے کی طرح ان کا خراج بھی کم کر دیا جائے۔ مامون نے انکار کیا۔ تو ان لوگوں نے خراج دینا ہی بند کر دیا۔ مامون

نے علی بن ہشام کے ذریعے سے ان کی سرکوبی کرا کے اس خطرے کو رفع کیا۔ ۲۱۱ھ میں زریق بن علی ازدی عربی نے غلم بغاوت بلند کر کے کردستان اور

آذربائیجان کے درمیانی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ سید بن انس ازدی عامل موصل نے مقابلہ کیا۔ لیکن زریق کی چالیس ہزار فوج نے اسے شکست فاش دی اور وہ اسی

جنگ میں کام آیا۔

۲۱۲ھ میں مامون نے محمد بن حمید کو زریق سے انتقام لینے کے لئے بھیجا۔ زاب میں طرفین کا مقابلہ ہوا۔ جس میں زریق نے شکست کھائی اور جان بخشی کا

وعدہ لے کر اپنے آپ کو حوانے کر دیا۔

بابک خرمی | ۲۰۱ھ میں ایک باطنی عجمی بابک تحریک خرمی کی دعوت لے کر اٹھا۔ یہ تحریک ایران کے ایک قدیم مذہب مزدکی کی بنیاد پر

قائم ہوئی۔ مزدکی مذہب کے فنا ہو جانے کے بعد ایک مجوسی جاویدان نے اسے زندہ کرنے کی کوشش کی۔ اسلامی دور میں بابک نے جاویدان کی جانشینی کا

دعویٰ کر کے اس مردے میں جان ڈالنے کے لئے سراٹھایا۔ اس مذہب میں جنسی تسخیر کی پوری پوری آزادی تھی، اندھا کیا چاہے۔ دو آنکھیں۔ اخلاق باختہ عوام میں اس مذہب نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں بابک خرمی نے پیردوں کی ایک بھاری جمعیت اپنے گرد جمع کر لی۔ بابک اپنی بے پناہ طاقت کے بل پر میدان میں اترتا اور اسلامی آبادیوں پر یلغار کر کے ہزاروں مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ مامون نے اس کے مقابلے کے لئے متعدد مرتبہ فوج کشی کی۔ لیکن ہر دفعہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر سال ۱۱۲ھ میں یہ مہم محمد بن حمید کے سپرد کی گئی۔ بابک کو ہزاروں میں مقیم تھا۔ راستہ نہایت سنگلاخ اور دشوار گزار تھا۔ محمد بن حمید نے ہشتاد سو پہنچ کر صف آرائی کی۔ اور فوجیں آگے بھیج دیں۔ بابک موقع انتظار میں تھا۔ مسلمانوں کو اپنی زد پر دیکھتے ہی دروں سے نکل کر بلائے ناگہان کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا۔ مسلمان اس اچانک اور زبردست حملے کی تاب نہ لاسکے اور شکست کھائی۔ محمد بن حمید ملایا گیا۔

ہنگامہ بغداد کے دوران میں مامون کی فوج کا ایک حصہ کابل علاقے میں جنگ کر رہا تھا۔ چنانچہ اسے فتح حاصل ہوئی۔ اور شاہ کابل سرطاعت خم کر کے مسلمان ہو گیا۔

ترکستان کی فتوحات

ترکستان میں بھی مامون نے بعض علاقے فتح کئے۔ کاؤس حاکم اشروسنہ نے ادائے خراج کی شرط پر صلح کی درخواست کی۔ لیکن اس نے نقض عہد کر کے خراج کی رقم نہ بھیجی۔ اس مامون نے اس کی گوشالی کے لئے فوج کشی کی۔ کاؤس نے قبول اسلام سے بچائی۔ کچھ عرصے کے بعد کاؤس کے بیٹے حمید نے اپنے بھائی فضل قہرمان سے تیغ کر دیا۔ پھر باپ کے ڈر سے باز پرس سے بچنے کے لئے مامون کے پاس پہنچا۔ اور اسے اشروسنہ پر حملہ کرنے کا قریب ترین راستہ بتا دیا۔ مامون نے فوج کشی کر کے فتح حاصل کی۔ لیکن کاؤس کو سپراندازی اور قبول اسلام کے صلے میں

اس کی حکومت پر بحال رکھا۔

طبرستان کے پہاڑی علاقوں کی تسخیر | عبداللہ حاکم طبرستان نے دہلیم پر حملہ کیا۔ اور بلاذر۔ شیراز اور

طبرستان کے بعض پہاڑی علاقے فتح کئے۔

ایشائے کوچک کی تسخیر | ۲۱۵ھ میں مامون نے خود ایشائے کوچک پر چڑھائی کی۔ اور فاتحانہ یلغار کرتا ہوا آگے بڑھتا

چلا گیا۔ چنانچہ حصن ماجد۔ حصن قرہ۔ حصن سندس اور حصن ستاذ کو فتح کر کے واپس کیا۔

۲۱۶ھ میں پھر فوج کشی کر کے انطیقوا۔ ہرقند۔ مسموزہ اور لولہ کو مسخر کیا۔

کریٹ کی تسخیر | کریٹ کا کچھ حصہ تو گزشتہ زمانے ہی میں فتح ہو چکا تھا۔ اب مامون نے ابو حفص عمر بن عیسیٰ اندلسی کو اس مہم پر مامور کیا۔ اس نے

ایک اور قلعے پر قبضہ کیا۔ اور کچھ عرصے کے بعد سارا جزیرہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا۔

صقلیہ کی تسخیر | صقلیہ کی تسخیر عہد مامون کی فتوحات میں زریں کار نامہ ہے۔ اس زمانے میں قیصر روم کی طرف سے قسطنطین وہاں کا حاکم

تھا۔ اس نے فیسی کو امیر البحر مقرر کیا۔ کچھ عرصے کے بعد فیسی اور قسطنطین میں جنگ ہوئی۔ جس میں قسطنطین مارا گیا اور فیسی صقلیہ کا مطلق العنان حکمران بن گیا۔

فیسی نے جزیرے کے ایک حصے کی عنان حکومت بلاط کے ہاتھ میں دی لیکن ن دونوں میں نبھ نہ سکی۔ اور مخالفت نے زور پکڑ کر جنگ کی صورت اختیار کر لی۔

بلاط نے فیسی کو شکست دے کر سرقوسہ پر تسلط بٹھایا۔ فیسی نے انفریقہ کے مشہور سیر زیادۃ اللہ سے اس شرط پر امداد طلب کی۔ کہ وہ اسے صقلیہ کے سپید و سیاہ کا

لک بنا دے گا۔ زیادۃ اللہ نے قاضی اسد بن فرات کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیج دیا۔ بلاط شکست کھا کر مارا گیا۔ اور مسلمانوں نے بہت سے قلعے فتح کئے۔

ایک قلعے کے رومی باشندوں نے ادائے جزیہ کی شرط قبول کر کے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حملے سے محفوظ کر لیا۔ لیکن خفیہ تیاریاں کر کے پوری طرح لیس ہو جانے کے بعد جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر طرفین میں زبردست جنگ ہوئی۔ رومیوں کو قسطنطنیہ سے بڑی بھاری کمک پہنچ گئی۔ اور اسلامی لشکر میں بیماری پھیل گئی۔ ابن فرات کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کی جگہ محمد بن ابی الجوارہی کا تقرر ہوا۔ مسلمانوں نے رومیوں کے جہازوں کو نذر آتش کر دیا۔ اور شہر پر شہر فتح کرتے چلے گئے۔ اس اثنا میں ابن ابی الجوارہی وفات پا گئے۔ اور زبیر بن عوف نے ان کی جگہ لی۔ ان فتوحات نے مسلمانوں کی ہمت بڑھا دی۔ وہ مسلسل کامیابیوں کے جوڑے میں حقیقی مقصد کو فراموش کر کے ٹوٹ مار پر تل گئے۔ اور گروہوں میں تقسیم ہو کر مختلف اطراف میں شب خون مارنے لگے۔ رومیوں نے ان کی شکست تنظیم یافتہ فائدہ اٹھا کر ان پر زبردست حملہ کر دیا۔ اور مسلمان سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن حسن اتفاق سے اندلس کے اسلامی بیڑے وہاں پہنچ گئے۔ اور افریقہ سے بھی کمک آگئی۔ ان سب نے رومیوں کے چھکے چھڑا کر مسلمانوں کو حفظ و انصاف سے ہم آغوش کیا۔ اور ۱۶۷ھ میں انھوں نے دوبارہ بلم پر تسلط بٹھایا۔ پھر بد نصیبی سے ان میں اور اندلسی مسلمانوں میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔ جس سے فتوحات منقطع ہو گئیں۔

فضل بن سہل وزیر اعظم

فضل بن سہل بڑا مدبر۔ ماہر سیاسیات۔ کارکن فصیح و بلیغ۔ حلیم الطبع اور فیاض تھا۔ علم بخبر میں اسے کمال حاصل تھا۔ اور اس کی روشنی میں فرائض سلطنت انجام دیتا تھا۔ مامون اور امین میں اختلاف کے وقت فضل کو جوہر قابلیت دکھانے کا موقع ملا اور اس نے یہ نتیجہ در پیج عقدہ ناخن تدبیر سے سلجھا کر مامون کو تخت خلافت متمکن کیا۔ مامون نے اسے حسن خدمات کے صلے میں وزیر اعظم مقرر کر کے ذوالکعبہ کا لقب عطا کیا۔ اس نے بڑے ٹھاٹھ سے وزارت کی۔ لیکن ضد اور ہست

اس قدر پکا تھا کہ یہی بات اس کے قتل کا موجب ہوئی۔ جس کا بیان اوپر آچکا ہے
۶۱ سال کی عمر پائی۔

حسن بن سہل | فضل کے بعد اس کا چھوٹا بھائی حسن وزارت عظمیٰ کے منصب
پر سرفراز ہوا۔ حسن فضل کا عاشق تھا۔ اس لئے اسے اپنے بھائی
کے قتل سے جاں گسل صدمہ ہوا۔ مامون نے اس کی مزید دلجوئی کے لئے اس
کی بیٹی بورن سے شادی کر لی۔ اس شادی کی مثال تاریخ اسلام کے صفحات میں
ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ ۱۹ دن تک برات رہی۔ اور حسن نے فیاضی کے
جوش میں خزانے کا مژہ کھول دیا۔ مصارف کا اندازہ پانچ کروڑ کیا جاتا ہے۔
ان تمام باتوں کے باوجود اسے اپنے محبوب بھائی کے قتل کا صدمہ فراموش نہ
ہوا۔ جس نے آخر جنون کی صورت اختیار کر لی۔ اور اسی حالت میں ۲۳۶ھ
میں انتقال کیا۔

محمد بن ابی خالد | احمد بن ابی خالد امور مملکت سے بخوبی آگاہ۔ بالغ نظر فصیح
و بلیغ اور بلند پایہ نثار تھا۔ جب حسن کو اختلال دماغ کا
مارضہ لاحق ہوا۔ تو مامون نے احمد کو عمدہ وزارت پر فائز کرنا چاہا۔ لیکن اس
نے انکار کیا۔ مامون نے اس کے انکار کو قبول نہ کرتے ہوئے اسے مسند
وزارت پر بٹھا دیا۔ ۲۱۶ھ میں وفات پائی۔

محمد بن یوسف | احمد بن یوسف علم و فضل اور ادب و شعر میں بلند مقام
پر فائز تھا۔ سلطنت کے کام بہ طریق احسن انجام دینے
میں اسے یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مامون نے اس کی قابلیت و عظمت سے آگاہ
ہو کر اسے وزارت کا منصب تفویض کیا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد اس نے
ہنی جانِ عزیز جہاں آفریں کے پردگی۔

نابت بن یحییٰ | احمد بن یوسف کے بعد قلم دانِ وزارت ثابت یحییٰ کی تحویل
میں دیا گیا۔ اسے کتابت اور حساب میں کمال حاصل تھا

لیکن درشت طبع و زود رنج تھا۔ اور جوش غضب میں آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ یہ خراسان کا رہنے والا اور نسلاً مجوسی تھا۔ اس کا والد سوید اپنے **محمد بن یزداد** خاندان میں سب سے پہلا مسلمان تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی تھی۔ حسن قابلیت سے ترقی کرتے کرتے وزیر بن گیا۔ اور مامون کے انتقال تک اس منصب جلیلہ کے فرائض انجام دیتا رہا۔

وفات مامون نے سفر روم سے واپس آتے ہوئے ایک دن دریائے ہندون کے ساحل پر قیام کیا۔ اور سرکاری ہرکارے کی لائی ہوئی عراق کی تازہ کھجوریں کھائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد بخار ہو گیا۔ اور شاہی طبیبوں کے بہترین علاج کے باوجود نہ اُترا۔ آخر یہی بخار مرض الموت ثابت ہوا۔ اس دوران میں اپنے بھائی معتصم کو جو ساتھ تھا۔ ولی عہد نام زد کر کے چند اہم وصیتیں کیں۔ اور جمادی الاخریٰ ۲۱۷ھ میں بیس سال پانچ مہینے خلافت کرنے کے بعد ۲۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔

اخلاق و عادات مامون الرشید فہم و فراست۔ مدبر۔ علم و فضل۔ انصاف۔ بہادری۔ عفو۔ علم اور سادگی کے اعتبار سے سارے خاندان بنی عباس میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ قرآن۔ تفسیر۔ فلسفہ۔ طب۔ ریاضی۔ نجوم اور ادب و شعر میں بھی اسے کمال حاصل تھا۔ جب امون فضل بن سہل کے برگ حشیش۔ نجات پا کر امور مملکت کی طرف بذات خود مستول ہوا۔ اور خراسان سے بغداد آیا۔ تو راستے میں مختلف مقامات میں قیام کرے وہاں کے باشندوں کے حالات سے پوری طرح آگاہ ہونے کے بعد ان فلاح و بہبود کا انتظام کیا۔ رے اور دوسرے بعض علاقوں کے خراج میں کمی کی۔ خبر سانی اور پرچہ نگاری کے صیغے کو بہت زیادہ ترقی دی۔

عدل و انصاف مامون عدل و انصاف کا پیکر تھا۔ اس کے عہد میں

اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ دربار عدالت میں ایک عامی شخص اور شہزادہ سے
میں کوئی فرق و امتیاز روا نہ رکھا جاتا تھا۔ ایک بار کسی عزیز بڑھیا نے اس کے
بیٹے عباس پر استغاثہ دائر کیا۔ مامون نے عباس کو بڑھیا کے پاس کھڑا کر کے دونوں
کے بیانات لئے۔ اور حقیقت حال سے آگاہ ہو کر بڑھیا کے حق میں فیصلہ دیا۔
مامون حکام کے تشدد پر کڑی نگرانی رکھتا تھا۔ اور کج روی پر انھیں شکنجہ عقوبت
میں جکڑ دیتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ حکام کی بے اعتدالیاں ہی بغاوت کا سرچشمہ
ہوتی ہیں۔ اس لئے انھیں ہمیشہ عدل و انصاف کی تاکید کرتا رہتا تھا۔

مامون عمال کے باب میں اس قدر متشدد ہونے کے باوجود
عفو اور بردباری اپنی ذات کے متعلق نہایت نرم طبع اور متحمل مزاج تھا۔
شہنشاہ تک کے قصور معاف کر دیتا تھا۔ چنانچہ ابراہیم بن ہمدی کو جس نے بغداد
کی حکومت پر دست تصرف دراز کیا تھا۔ سامنے قید و بند میں جکڑے ہوئے دیکھ
ر معاف کر دیا۔ اسی طرح امین کے درباری شاعر حسین بن صفاک کو جس نے اپنے
کی نعمت کے مرثیے میں مامون پر بے بنیاد حملے کئے تھے۔ معاف کر کے اس
کو تنخواہ بحال کر دی۔

مامون کی طبیعت میں بے حد انکسار اور سادگی تھی۔ اگر
انکسار اور سادگی کوئی ملازم سویا ہوتا۔ تو اپنا کام خود ہی کر لیتا۔ اور اس کے
رام میں خلل نہ ڈالتا۔ عبدالسلام بن صالح بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک رات میں اور
مامون باتیں کر رہے تھے۔ جب بہت سا وقت گزر گیا۔ تو چراغ ٹھمانے لگا۔ روشنی
محافظ سو رہا تھا۔ میں اٹھ کر درست کرنے لگا۔ تو مامون نے مجھے روک کر خود
درست کر دیا۔ ملازم جاگا۔ تو مامون نے اس سے کوئی مواخذہ نہ کیا۔

مامون کی سخاوت ضرب المثل تھی۔ شاعروں۔ ادیبوں۔ باکمالوں
سخاوت اور حاجت مندوں پر اس کی فیاضی کا بادل یکساں برستا تھا۔ کوئی
مردت مند اس کے باب کرم سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ بوران سے مامون

کی شادی کی تقریب پر ایک غریب آدمی نے نمک اور اشنان کی دو تھیلیاں برگ بزرگ کے طور پر تحفہ پیش کیں۔ مامون نے انھیں اشرافیوں سے بھر دیا۔

نہجی زندگی | مامون کی تصویر زندگی کے دو رخ تھے۔ ایک رخ رنگین اور عشرت بہ کنار تھا۔ رقص و سرود کی محفلیں گرم رہتی تھیں اور بیبیکاؤں چلتا تھا سو سیقی کا دلدادہ تھا۔ خود بھی اس فن میں مہارت رکھتا تھا۔ بالکل مغز اس کے دربار کی زینت تھے۔ اس کا چمن زار عیش حسین و جمیل تیلیوں سے پر بہا رہتا تھا۔

مذہبی زندگی | دوسرا رخ مذہبی تھا۔ وہ اہل سنت۔ اہل تشیع اور فلاسفوں کے عقائد کی معجون مرکب تھا۔ قرآن کا حافظ تھا۔ کبھی کبھی رمضان المبارک میں پورے تیس قرآن ختم کرتا تھا۔ عبادت کی والہانہ مصروفیت سے دل کا سکون اور روح کا اطمینان حاصل کرتا تھا۔

رسول اللہ صلعم سے انتہائی عشق تھا۔ ایک دفعہ کسی قوم سے معاہدے متعلق حضور کا ایک فرمان مبارک اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسے آنکھوں سے لگا کر زار زار رونے لگا۔ اور کہا۔ میں اس عہد کو ہرگز نہیں توڑ سکتا۔

فلسفے کے مطالعے کے باعث اس کے عقائد میں عجیب بو قلمونی پیدا گئی تھی۔ خلق قرآن کا صرف خود ہی قائل نہ تھا۔ بلکہ اس کی نشر و اشاعت کمال شغف و انہماک سے کام لے کر علماء سے جبراً اس کا اعتراف کرایا جس سے اس کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد و تذبذب سے کام لیا۔ اسے تاوک تحریر کا ہدف بنایا۔

تفضیلی شیعہ تھا۔ متعہ کو جائز سمجھتا تھا۔ اور اس کا عام اعلان کرا دیا تھا۔

جب قاضی یحییٰ بن اکنم نے قرآن و حدیث سے اسے ناجائز و حرام ثابت کرنا تو بہ کر کے متعہ کے حرام ہونے کی منادی کرائی۔ لیکن حق یہ ہے کہ خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے والا اور اس کا سرگرم مبلغ سنی یا شیعہ کیا ہو سکتا ہے۔ وہ

جب قاضی یحییٰ بن اکنم نے قرآن و حدیث سے اسے ناجائز و حرام ثابت کرنا تو بہ کر کے متعہ کے حرام ہونے کی منادی کرائی۔ لیکن حق یہ ہے کہ خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے والا اور اس کا سرگرم مبلغ سنی یا شیعہ کیا ہو سکتا ہے۔ وہ

تو بہ کر کے متعہ کے حرام ہونے کی منادی کرائی۔ لیکن حق یہ ہے کہ خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے والا اور اس کا سرگرم مبلغ سنی یا شیعہ کیا ہو سکتا ہے۔ وہ

تو بہ کر کے متعہ کے حرام ہونے کی منادی کرائی۔ لیکن حق یہ ہے کہ خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے والا اور اس کا سرگرم مبلغ سنی یا شیعہ کیا ہو سکتا ہے۔ وہ

تو بہ کر کے متعہ کے حرام ہونے کی منادی کرائی۔ لیکن حق یہ ہے کہ خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے والا اور اس کا سرگرم مبلغ سنی یا شیعہ کیا ہو سکتا ہے۔ وہ

آزاد خیال شخص تھا۔ مگر اس کے باوجود اپنے اسلاف کے خلاف اہل بیت کی محبت و عقیدت اس کے رگ و پے میں جاری و ساری تھی۔ جس کی شہادت اس کے عہد کے واقعات زبان حال سے دے رہے ہیں۔

اسی عقیدت اہل بیت کی بنا پر مامون سے واپسی فدک کی درخواست کی گئی اور اس نے مستند علماء کے صلاح مشورے سے باغ فدک محمد بن یحییٰ بن حسین کو دے دیا۔

مامون خود اپنی نظر میں | مامون خود اپنی ذات پر تبصرہ کرتا ہوا کہتا ہے۔

"معاویہ کا اختر مجمل عمرو بن العاص کے مطلع قوت پر چمک رہا تھا۔ عبد الملک کی روح سلطنت حجاج تھا۔ لیکن میں کسی سہاے کا محتاج نہیں۔ میری ذاتی طاقت ہی میری شوکت و عظمت کی کفیل ہے۔"

انیسواں باب

معتصم باللہ

۱۸۱ تا ۱۸۲ھ

بارون اور شہید کا بیٹا ابو اسحاق محمد معتصم ۱۸۱ھ میں بمقتضیٰ زبیر و واق
 سرحد دوم ایک کینز ماندہ کے کشتن سے پیدا ہوا۔ مامون نے اپنے اہل ان کے
 برعکس محض تقابلی سلسلے کے استحکام کے پیش نظر اپنے بیٹے عباس کو چھوڑ کر
 اپنے اپنے بھائی معتصم کو اس کی شجاعت و فراست سے خوش ہو کر وہاں عہد
 مقرر کیا۔ اہل مامون کی وفات کے دو سرے دن منام طرسوس میں معتصم باللہ
 تحت خلافت پر متمکن ہوا۔ عباس نے والد کی وصیت کے آگے سر تسلیم خم
 کرتے ہوئے خود معتصم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور کسی قسم کا اختلاف نہ ہوا
 نہ ہوا۔

خرمیسوں کی شورش | ابھی معتصم نے تاریخ خلافت سر پر رکھا ہی تھا کہ
 خراسان کے کوہستان علاقے میں قتل و غارت کا بازار گرم کر کے متعدد خراسانی
 حجاج کو تہ تیغ کر ڈالا۔ معتصم نے اس کی گوشمالی کے لئے ہاشم بن ابی جعد اور
 اسحاق بن ابراہیم کو یکے بعد دیگرے بھیج کر اس میں قائم کیا۔

محمد بن قاسم علوی کی ہنگامہ آفرینی | ایک شورش پسند خراسانی کی جو شامت آئی۔ تو اس نے

ایک کم گو و گوشہ نشین بزرگ محمد بن قاسم بن علی بن حسین بن علی کو زبردستی میدان میں لا کر ان کے ہاتھ پر بیعت کرائی شروع کر دی۔ جب ان کے پیروؤں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ تو وہ انھیں جو زجان لے گیا۔ اور خروج کے منصوبے باندھنے لگا۔ لیکن وہاں کے حاکم عبداللہ بن طاہر نے فوراً خطرے کا احساس کر کے اس کا استیصال کر دیا۔

گروہ زط کا خروج | ۲۱۹ھ میں زط کے گروہ نے سراٹھایا۔ اور محمد بن عثمان کی سرکردگی میں لوٹ مار کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ معتصم نے

عجیف بن عتبہ کو اس گروہ کی سرکوبی کے لئے مامور کیا۔ عجیف نے واسط میں صف آرائی کر کے انھیں ناک چنے چبوائے۔ اور سات مہینے تک ان کی بیخ کنی کے لئے جنگ جاری رکھی۔ آخر ۱۰ محرم ۲۲۰ھ کو عجیف ان کے ۲۷ ہزار افراد کو قید کر کے بغداد لایا۔ معتصم نے ان کا معائنہ کر کے انھیں چشمہ زہرہ کے پاس آباد کرنے کا حکم دیا۔ لیکن راستے میں رومیوں نے موقع پا کر ان سب کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

بابک خرمی کی شورش اور خاتمہ | بابک خرمی کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مامون نے اس کی سرکوبی

کے لئے کئی مہیں بھیجیں۔ مگر ناکام واپس آئیں۔ معتصم نے ابو سعید محمد بن یوسف کو بابک کے استیصال پر مامور کیا۔ اس نے اردبیل اور آذربائیجان کے ان درمیانی قلعوں کی مرمت کرا کے جو بابک نے تباہ و برباد کئے تھے۔ پوری تیاری سے اس کے مقابلے کے لئے پیش قدمی کی۔ خرمی بھی اس نواح میں تاخت و تاراج کر رہے تھے۔ راستے میں طرفین کا مقابلہ ہوا۔ ابو سعید نے خرمیوں کی کثیر تعداد کو قتل اور گرفتار کیا۔ اور امیر مسلمانوں کو رہا کرایا۔ آذربائیجان کے دو سردار محمد بن بعیث اور عصبہ کو بھی بابک کے ساتھ مل

گئے تھے۔ معتم نے طاہر بن ابراہیم کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ ابن بعیث نے اطاعت قبول کر کے عہدہ کو گرفتار کرنے کے بعد اسے معتم کے پاس روانہ کر دیا۔

اس کے بعد معتم نے ترکی افسر افشین بن حیدر اشروسنی کو اس مہم پر مامور کیا۔ اس نے نہایت پامردی سے بابک کا مقابلہ کیا۔ اور ۲۲۲ھ میں بابک کے مستقر

بذ کی جانب پیش قدمی کی۔ بابک مقابلے پر آیا لیکن تریف کی بے پناہ جنگی تیاریوں کو دیکھ کر اس سے گفتگو کا طالب ہوا۔ افشین نے امان پیش کی۔ اور بابک نے ایک دن کی

مہلت مانگی۔ افشین نے جواب دیا۔ کہ اگر امان چاہتے ہو۔ تو فوراً وادی کو عبور کر کے چلے آؤ۔ یہ سن کر بابک لوٹ گیا۔ اور مسلمان ایک خونریز جنگ کے بعد بذ میں داخل ہو گئے

بابک نے راہ فرار اختیار کی۔ افشین نے ۶۰۰ مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا۔

افشین نے اعلان کر دیا۔ کہ جو شخص بابک کو گرفتار کر کے لائے گا۔ اسے دس لاکھ

درہم انعام دیا جائے گا۔ بابک بھاگ کر ایک پادری کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ اس نے

انعام کے لالچ میں اسے گرفتار کرادیا۔

صفر ۲۲۳ھ میں افشین بابک کو لے کر معتم کے پاس سرمن رائے پہنچا۔ معتم نے

اسے قتل کر کے لاش سولی پر لٹکا دی۔ اور بغداد میں اس کے بھائی عبداللہ کو بھی

پھانسی دے دی گئی۔

خرمیوں کے ہنگامے سے جگہ جگہ افراتفری پھیل گئی۔ چنانچہ

آرمینیہ میں بد نظمی | آرمینیہ اور آذربائیجان میں بھی بد نظمی کے شعلے بھڑک

اٹھے۔ سہل بن سباط نے ران پر دست تصرف دراز کیا۔ لیکن محمد بن سلیمان کے

حملے کی تاب نہ لا کر وہاں سے بھاگ گیا۔

ورثان میں محمد بن عبید اللہ نے علم بغاوت بلند کیا۔ لیکن بعد میں معافی مانگ لی

پھر آرمینیہ پر متعدد حکام کا تقرر وقتاً فوقتاً عمل میں آیا۔ مگر بد نظمی کی آگ فرو نہ ہوئی

آخر حمدویہ بن عطائے حسن مدیر سے امن قائم کیا۔

طبرستان میں شورش | مازیاہ حاکم طبرستان اور عبداللہ بن طاہر والی خراسان

ہیں باہم کشیدگی تھی۔ ابن طاہر نے معتصم کے پاس مازیار کی شکایت پر شکایت کر کے اسے اس کی طرف سے بدگمان کر دیا۔

افشین کے سر پر ولایت خراسان کے قبضے کا جن سوار تھا۔ اس نے مازیار سے مطلب برآری کی ٹھان کر اسے عبداللہ کے خلاف مشتعل کر دیا۔ مازیار نے بغاوت کر کے مقابلے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ معتصم اور عبداللہ کو بروقت خبر ملی گئی۔ اور انھوں نے فوجیں بھیج کر مازیار کے چھٹکے چھڑا دئے۔

مازیار کے تشدد اور بد مزاجی نے اس کے اپنے آدمیوں کو اس کا دشمن بنا دیا تھا۔ چنانچہ اس کے مخالف بھائی نوہیار نے اسے دھوکے سے گرفتار کر دیا۔ معتصم نے اسے سزائے تازیانہ دلو کر مار ڈالا۔ مازیار کے طرفداروں نے انتقام کے جوش میں نوہیار کو قتل کر دیا۔ اور طبرستان کے سارے علاقے پر مسلمانوں کا پرچم اقتدار لہرانے لگا۔

افشین نے آذربائیجان کی عنان حکومت اپنے ایک عزیز منکبجور کی ہلاکت | منکبجور کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ اسے وہاں بابک کا خزانہ ہاتھ لگا۔ معتصم کو اطلاع دی گئی۔ منکبجور نے انکار کیا۔ معتصم نے افشین کو اس کے معزول کرنے کا حکم دیا۔ منکبجور نے بغاوت پر کمر باندھ لیا۔ لیکن شکست کھائی۔ اور اسے گرفتار کر کے معتصم کے پاس بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ قتل کر دیا گیا۔

۲۲۵ھ میں نواح موصل کے ایک گرو جعفر بن مہر جس نے کردوں کی ایک بھاری جمیعت اپنے ساتھ ملا کر

بغاوت کر دستان | غلام بغاوت بلند کر دیا۔ دربار خلافت سے عید اللہ بن سید کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ جعفر بھاگ کر ایک درے میں چھپ گیا۔ عبداللہ کی فوج کو پہاڑی علاقے سے ناواقف ہونے کے باعث شکست ہوئی۔ اس پر معتصم نے اٹیخ ترکی کو روانہ کیا۔ جس نے خونریز معرکے کے بعد جعفر کو شکست دے کر اسے قتل کر دیا۔

افشین کا قتل

ایک کی شورش کے زمانے میں افشین آرمینیہ کے تحائف دربار
خلافت میں ارسال کرنے کے بجائے اپنے وطن اٹروسنہ بھیج دیا
کرتا تھا۔ معتصم کو جاسوسوں کے ذریعے سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ تو افشین کے متعلق
اس کی رُوش بدل گئی۔ اس سے بدگمانی کی ایک وجہ یہ تھی۔ کہ قومی تعصب اور منافقت
سے اس کے اپنے سابق و قدیم مذہب پر قائم رہنے کا ثبوت ملتا تھا۔

افشین کا ماتھا ٹھنکا۔ تو اس نے بھاگ کر آرمینیہ چلے جانے اور مسلمانوں کے خلاف
جنگ کی طرح ڈالنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس ارادے کے پورا ہونے کی کوئی صورت نظر
نہ آئی۔ تو اس نے یہ منصوبہ باندھا۔ کہ معتصم اور اس کے عہدہ داروں کی دعوت کر کے
کھانے میں زہر دینے سے سب کا خاتمہ کر دیا جائے۔ معتصم پر اس سازش کا راز فاش
ہو گیا۔ تو اس نے افشین کو طلب کر کے قید و بند میں ڈال دیا۔ اور ۲۲۶ھ میں حالت
قید ہی میں قتل کر دیا۔

۲۲۷ھ میں فلسطین میں ایک عباسی افسر نے ابو حرب مبرق کی
مبرق کا خروج

غیر حاضری میں اسی کے مکان پر ٹھہرنا چاہا۔ مبرق کی بیوی نے
روکا۔ تو اس نے اسے کوڑا مارا۔ مبرق نے گھرا کر واقعہ سنا۔ تو غریت و غصہ کے جوش
میں افسر کو ٹھکانے لگا دیا۔ اور کوہ اردن کی طرف بھاگ گیا۔ پھر اس نے گرفتاری کے
خوف سے منہ پر نقاب ڈال کر لوگوں کو کتاب و سنت کا پیرو بنانے اور معتصم کی
طرف سے بدظن کرنے کا کام شروع کیا۔ مبرق کا یہ تیرنشانے پر بیٹھا۔ اور تھوڑے
ہی عرصے میں اس کے پیروؤں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ معتصم نے ان حالات
سے اطلاع پا کر رجاہ بن حیات کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ وہ مصلحتاً اس کے
پاس جا کر ٹھہر گیا۔ مبرق کا حلقہ عقیدت زیادہ تر کاشتکاروں سے بھرا ہوا تھا۔
اس لئے رنصل کے موقع پر وہ لوگ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ اور صرف
بارہ سو آدمی اس کے ساتھ رہ گئے۔ باقی حالات آئندہ اوراق میں بیان کئے
جائیں گے۔

عموریہ کی فتح | ۲۲۳ھ میں بابک کو اپنی شکست سامنے نظر آئی۔ تو اس نے توفیل قائدہ اٹھاتے ہوئے ایک لاکھ رومی فوج اور خرمیوں کا گروہ ساتھ لے کر زبطہ پر چڑھائی کر دی۔ اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔

معتصم کو خبر ملی۔ تو اس نے غیظ و غضب سے آگ بگولا ہو کر کوچ کا حکم دے دیا۔ اور دجلہ کی مغربی جانب بڑے ڈال کر فوجی حکام کو مظلوم مسلمانوں کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ انھوں نے وہاں جا کر امن قائم کیا۔ اور ہجرت کرنے والے خوف زدہ مسلمان سکون یاب ہو کر واپس چلے آئے۔

بابک کی مہم سے قاریخ ہو کر معتصم روم پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ اور رومیوں کے سب سے بڑے شہر اور سنگین ترین قلعہ عموریہ کو حملے کے لئے چنا۔

معتصم نے تمام مہموں سے زیادہ جنگی سامان ہیاکو کے نہایت زور شور سے پیش قدمی کی اور سلوقیہ پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ وہاں سے انگورہ پر یلغار کرنے کے لئے افشیں اور شناس کو مختلف اطراف میں روانہ کیا۔

توفیل مسلمانوں کی عظیم الشان تیاریوں کی خبر سن کر پوری طاقت کے ساتھ نہایت طمطراق اور جاہ و جلال سے مقابلے کے لئے بڑھا۔ آرمینیہ کے نواح میں طرفین میں شدید محرکہ آرائی ہوئی۔ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ کشتوں کے پستے لگ گئے۔ آخر رومی فوجیں افشیں کے بے پناہ حملے کی تاب نہ لا کر منتشر ہو گئیں۔ توفیل نے انگورہ کے سقوط سے مایوس ہو کر عموریہ کو بچانے کی غرض سے معتصم کے اگلے دستہ فوج پر یورش کرنے کے لئے پیش قدمی کی۔ لیکن مجاہدین اسلام نے رومیوں کے چھلکے چھڑا دیے۔

انگورہ میں مسلمان صف آرائی کر کے انتہائی شان و شکوہ سے ترک تاز کرتے ہوئے عموریہ پہنچے۔ اور ایک مسلمان سے جسے رومیوں نے گرفتار کر کے عیسائی بنالیا

تھا۔ فصیل میں سوراخ کی اطلاع پا کر اس پر پتھر برسائے گئے۔ معتم نے خندق کو پٹو اویا۔ اور اسلامی لشکر سنگ باری کرتا ہوا شہر پناہ تک پہنچ گیا۔ طرفین میں گھمان کارن پڑا۔ اور ہزاروں رومی ضرب و جرح کا شکار ہوئے۔ مسلمان آگے بڑھ کر شہر میں داخل ہو گئے۔ اور عموریہ پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں بے حساب مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

عموریہ کی ہتم بالشان تاریخی فتح حاصل کرنے کے بعد معتم تسخیر قسطنطنیہ کی تیاریاں کرنے لگا

عباس بن مامون کا قتل

اسی دوران میں خبر ملی۔ کہ بغداد میں عباس بن مامون نے ایک گروہ سے بیعت لے کر قیصر روم سے سازباز شروع کر دی ہے۔ اس پر معتم فوراً بغداد واپس آ گیا اور عباس کو قید و بند میں ڈال کر اس کا سارا مال و متاع ضبط کر لیا۔ عباس چند روز کے بعد حالت قید ہی میں انتقال کر گیا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معتم نے اسے ایک بورتے میں بھر کر سی دیا۔ اور وہ دم گھٹ کر مر گیا۔

معتم کا پہلا وزیر فضل بن مروان تھا۔ لیکن نااہل اور اخلاق باخت ہونے کے باعث اس کی کوئی بات قابل ذکر نہیں۔

وزارت

فضل کے بعد احمد بن عمار منصب وزارت پر سرفراز ہوا۔ پہلے وہ احمد بن عمار آٹا پینے کا کام کرتا تھا۔ اور یہ پیشہ اتنا بار آور ہوا۔ کہ وہ امیر کبیر بن گیا۔ ایک مرتبہ فضل نے اس کی امانت کو سراہا۔ معتم کو یہ صفت پسند آئی اور اسے وزیر بنا دیا۔

احمد بن عمار

احمد بن عمار آٹا پینے کا کام کرتا تھا۔ اور یہ پیشہ اتنا بار آور ہوا۔ کہ وہ امیر کبیر بن گیا۔ ایک مرتبہ فضل نے اس کی امانت کو سراہا۔ معتم کو یہ صفت پسند آئی اور اسے وزیر بنا دیا۔

احمد نے پڑھا لکھا تھا۔ نہ مدبر و سیاست دان۔ چنانچہ ایک بار معتم نے اس سے "کلار" کے معنی پوچھے۔ وہ مہربلب ہو گیا۔ پھر اپنے مقرب خاص محمد بن زبیر سے مخاطب ہوا۔ اس نے خوب تشریح کی۔ معتم نے اس کی لیاقت سے خوش ہو کر پہلے نشی پھر وزیر بنا لیا۔

محمد بن زبیرات | محمد بن عبد الملک کا دادا زیتون کا تیل بیچا کرتا تھا۔ لیکن

ایک زبردست و نامور ادیب۔ بلند پایہ شاعر۔ مورخ۔ نحو و لغت کا فاضل۔ مدبر۔ سیاست دان۔ عالی دماغ اور صاحب بصیرت تھا۔ لیکن ان اوصاف کے ساتھ ہی غرور اور ظلم کے داغوں سے اس کا دامن کردار آلودہ تھا۔ مگر ظلم کی تاؤ کبھی ساحل آشنا نہیں ہوتی۔ تلوار کا کھیت ہرگز سرسبز نہیں ہوتا۔ آخر صیاد آپ ہی اپنے دام میں آگیا۔ اور اسی تور میں جو اس نے بھرموں کو سزا دینے کے لئے بنوایا تھا۔ گرا کر فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

وفات ۲ ربیع الاول ۲۲۴ھ کو معتم نے ۴۴ سال کی عمر میں آٹھ سال آٹھ مہینے خلافت کرنے کے بعد سفر آخرت اختیار کیا۔ اور سامرا میں رسم تدفین عمل میں لائی گئی۔

اخلاق و عادات معتم تعلیم یافتہ نہ تھا۔ اس لئے اس کے عہد میں ہارون و مامون کے زمانے کی علمی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ لیکن قوت اور بہادری کے میدان کا مرد تھا۔ پانچ من بوجھ اٹھا کر چل سکتا تھا۔ سلطنت کا جاہ و جلال اور جنگاہ کے خوین لٹارے۔ ان دو چیزوں کا وہ بہت دلدادہ تھا۔ بزم کے بجائے رزم میں روپیہ صرف کرتا تھا۔ اس کے دور میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں۔ قیصر روم کے ایسے چھکے چھڑائے۔ کہ اس سے پہلے کبھی اس پر ایسی زبردست ضرب نہیں لگائی گئی تھی۔ فتح عموریہ کا زہریں کارنامہ اس کی مہمات زندگی میں گوہر شہوار کی طرح چمک رہا ہے۔ ایک مورخ لکھتا ہے۔ کہ اس نے آٹھ ملک زیر نگین کئے اور آٹھ دشمنوں کو نچا دکھایا۔ ایک اور مورخ بیان کرتا ہے۔ کہ اس کے عہد میں آٹھ بادشاہ اسیر ہوئے۔ جس کی نظیر سے تمام خلیفوں کے دور خالی ہیں۔

ترکوں کا فروغ معتم نے فرغانہ۔ اشروسنہ اور سمرقند کے کثیر التعداد ترک غلام خرید کر منگوائے۔ اور ان میں سے خاص خاص کو بڑے بڑے منصب عطا کئے۔ حکومت کی حمایت اور نظر عنایت دیکھ کر ترکوں نے پاؤں نکالنے شروع کئے۔ بام عروج پر پہنچ کر جب انھوں نے دیکھا۔ کہ سلطنت کے گوشے گوشے

میں انہیں کاٹوطی بول رہا ہے۔ اور ان کے آفتاب اقتدار کے آگے کسی کا چراغ نہیں جل سکتا۔ تو وہ سطوت و شوکت خلفا کے قصر فلک بوس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے خواب دیکھنے لگے۔ لیکن معتصم کی قوت۔ تدبیر اور بالغ نظری نے ان کے شیرازہ آرزو کو منتشر کر کے تار عنکبوت کی طرح ہوا میں اڑا دیا۔ اور ان کا خوش آمد خواب کثرتِ تعبیر سے پریشان ہو کر رہ گیا۔ مگر ترک برابر اپنی قوت بڑھا کر موقع کا انتظار کرتے رہے۔ اور معتصم کے بعد اس کے جانشینوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر حکومت کے سیاہ و سپید کے مالک بن گئے۔ یہاں تک کہ خلفاء ترکوں کے ہاتھ میں کٹ پھل سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے۔ اور ترک جسے چاہتے۔ تختِ حکومت پر بٹھادیتے۔ اور جسے چاہتے تاج شاہی سے محروم کر دیتے۔

ترکوں کی چیرہ دستی کا انسداد | ترکوں کو تہذیب و تمدن کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔ اس لئے وہ نشہ اقتدار میں چور ہو کر

وحشت و بربریت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ بغداد میں وہ ادم مچالی۔ کہ اہل شہر کو اٹھے۔ جدھر منہ اٹھتا تھا۔ اندھا دھند گھوڑے کڈانے پھرتے تھے بچے۔ بولہ عورت کوئی کچلا جائے۔ ان کی بلا سے۔ لوگوں نے خلیفے سے فریاد کی۔ اس نے ترکوں کی چیرہ دستی کا انسداد کرنے کے لئے ایک نئے شہر سامرا کی بنیاد ڈالی اور اس میں ترکوں کو آباد کر کے خود بھی وہیں سکونت اختیار کر لی۔

رعایا کی فلاح و بہبود | معتصم رعایا کی فلاح و بہبود کا بہت خیال رکھتا تھا چنانچہ اس نے بہت سی افتادہ زمینیں آباد کرائیں

جس سے رعایا کی جان میں جان آئی۔ ملک کی دولت بڑھی۔ جانوروں کو چارہ مل گیا۔ چیزیں سستی ہو گئیں۔ اور معاش کے ذریعے وسیع ہو گئے۔

تعلیم و تربیت | معتصم اپنے اجداد کے خلاف تعلیم کی دولت سے محروم عالم طفلی ہی میں اسے پڑھنے لکھنے سے نفرت تھی۔ ہارون

نے اس کی تعلیم و تربیت کا بخوبی انتظام کیا تھا۔ لیکن اسے ذرا شوق اور دلچسپی نہ ہوتی تھی۔ آخر وہ معمولی پڑھنے لکھنے کے سوا اس میدان میں پھسڈی ہی رہا۔

خلق قرآن کا فتنہ | مامون کے زمانے میں فتنہ خلق قرآن کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اور اس نے اس عقیدے کو منوانے کے لئے علما

پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے۔ چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس کے خلاف زبردست جہاد کیا۔ تو مامون نے انھیں شکنجہ عقوبت میں کس دیا۔ اور مرتے دم معتصم کو انھیں آماجگاہ تشدد بنانے کی وصیت کر گیا۔ معتصم نے علم و فضل سے کورا اور جوہر ناشناس ہونے کے باعث ابن حنبل کو خدنگ جبر کا نشانہ بنایا اور سلطنت کے گوشے گوشے میں علماء سے خلق قرآن کا اعتراف کرانے کے فرمان جاری کر دئے۔

معتصم اس قدر مہمان نواز تھا۔ کہ اس کے باورچی خانے کا روزانہ خرچ ایک ہزار اشرفیوں تک پہنچ گیا تھا۔

سلطنت کے جاہ و جلال سے اتنا شغف ہونے کے باوجود اس کی نجی زندگی نہایت سادہ اور بے تکلف تھی۔ حسن اخلاق اس کے آئینہ کردار کا جوہر تھا۔

واثق باللہ

۲۲۶ھ تا ۲۳۲ھ

ابو جعفر ہارون الملقب بہ واثق باللہ ۲۰ شعبان ۱۹۶ھ کو ایک رومی کینز قراطیس کے بطن سے پیدا ہوا۔ ربیع الاول ۲۲۴ھ میں اپنے باپ معتصم کی وفات کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا۔

نائب السلطنت | واثق نے نہایت دریا زوالی سے کام لے کر ترکوں پر لطف

کرم کا سینہ برسا دیا۔ اور ان کے عروج کا ستارہ اور بھی چمک اٹھا۔ چنانچہ بہت سے ترک مناصبِ جلیلہ پر سرفراز کئے گئے۔ اشناس ترکی کے گلے میں جواہرات کے ہار ڈالے گئے۔ اور جواہرات کا تاج پہنا کر اسے نائب السلطنت مقرر کیا گیا۔ اس منصب کے قیام کا سہرا واثق کے سر ہے۔

قیسیوں کا خروج | واثق نے ابھی اورنگِ خلافت پر قدم رکھا ہی تھا۔ کہ دمشق میں قیسیہ نے غلمِ بغاوت بلند کر کے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی۔ واثق نے رجا بن ایوب فزاری کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس نے شمشیرِ خونِ آشام کو بے نیام کرتے ہوئے ڈیڑھ ہزار قیسیوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر امن قائم کیا۔

مبرقع کی گرفتاری | معتصم کے زمانے میں مبرقع نے خروج کر کے جو شورش برپا کی تھی۔ وہ ابھی فرو نہ ہوئی تھی۔ اس لئے رجا نے قیسیوں کا قلع قمع کرنے کے بعد فلسطین کی راہ لی۔ مبرقع کی جمیعت ٹوٹ کر صرف تھوڑے سے آدمی اس کے ساتھ رہ گئے تھے۔ اور وہ بھی اولوالعزمی و بہادری سے خالی تھے۔ اس لئے رجا نے آسانی سے انھیں مغلوب کر کے مبرقع کو گرفتار کر لیا۔

حجازی عربوں کا خروج | ۲۳۳ھ میں بنی سلیم نے خروج کر کے اطرافِ مدینہ میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی۔ محمد بن صالح عامل مدینہ نے حماد بن جریر کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ لیکن شورش بد امنی کے شعلے ٹھنڈے نہ ہوئے۔

بنی سلیم نے مفسدہ پردازی کی رفتار تیز تر کر کے جگہ جگہ یلغار و ترک تاز شروع کر دی۔ تو واثق نے بغاگیر ترکی کو ایک لشکرِ جرار کے ہمراہ مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اس نے ۲۳۳ھ میں بنی سلیم کو شکست دے کر ان کے ایک ہزار سے زیادہ آدمیوں کو قید و بند میں ڈال دیا۔ پھر ان کے حامیوں بنی ہلال کو نیچا دکھا کر تین سو باغیوں

کو اسیر زندان کیا۔

اس دوران میں سنی فرارہ نے قذک پر قبضہ کر لیا تھا اس لئے یغالی نے ان کی گوتھالی کے لئے پیش قدمی کی۔ یغالی غیر حاضری سے قائمہ اٹھا کر قیدیوں نے بھاگ جانے کی کوشش کی۔ لیکن اہل مدینہ مزاحم ہوئے۔ طریقین میں مقابلہ ہوا اور بہت سے قیدی تہ تیغ کر دیئے گئے۔

۲۳۱ھ میں مالک بن ہشیم خزاعی کے نمبرہ احمد بن نصر کا خروج اور قتل اور فاضل و متقی بزرگ احمد بن نصر نے خروج

کیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ایک کثیر التعداد جمعیت نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ان کی بیعت کر لی۔ لیکن یہ دعوت ابھی پوری طرح پہنچنے نہ پائی تھی کہ ابن نصر گرفتار کر کے واثق کے پاس سافرار روانہ کر دیئے گئے۔

واثق نے ان سے غلطی قرآن کے متعلق رائے طلب کی۔ تو انھوں نے اس کی پر زور مخالفت کرتے ہوئے کہا۔ ”میری نصیحت ہے کہ امیر المؤمنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے اختلاف نہ کریں۔“ واثق نے صاحب اقتدار حضرات سے جو اہل دنیا ہوتے کے باعث اپنے آقا کے اشارہ چشم و ابرو پر رقص کرتے تھے۔ ابن نصر کے باب میں رائے دریافت کی۔ تو انھوں نے اسے واجب القتل قرار دیا۔ چنانچہ واثق نے سر مخفل اپنے ہاتھ سے انھیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

رومیوں کے ساتھ جنگ کا سلسلہ جاری رہنے کے اسیران جنگ کا مبادلہ باعث طرفین کے بہت سے قیدی ایک دوسرے

کے پاس تھے۔ محرم ۲۳۱ھ میں دریائے لاس کے ساحل پر ان کا مبادلہ ہوا۔ اور ۳۶۲ یا بروایت دیگر ۳۶۴ مسلمان قیدی رہا ہو گئے۔ پھر بھی رومیوں کے کثیر التعداد قیدی مسلمانوں کے پاس بچ گئے۔ مسلمانوں نے انھیں بے معاوضہ یہ کہہ کر رومیوں کے پاس واپس بھیج دیا۔ کہ ”اس مبادلے میں بھی ہمیں فوقیت حاصل رہنی چاہیے۔ یہ ہماری طرف سے رومیوں پر احسان ہے۔“

بنی نمیر کی شورش

۲۳۲ھ میں بنی نمیر نے علم بغاوت بلند کیا۔ واثق نے بگا کو ان کے استیصال کے لئے روانہ کیا۔ بنی نمیر نے بگا کی

صفیں توڑ کر قتل و غارت کا طوفان برپا کر دیا۔ جس سے بگا کی قوت کمزور ہو گئی۔ اتنے میں اس کے دو سوتازہ دم سواروں نے آکر بنی نمیر کے دھوئیں بکھیر دئے۔

آرمینیا میں بغاوت

اسی دوران میں آرمینیا میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ واثق نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے خالد بن

یزید کو بھیجا۔ باغیوں کی کبر ہمت ٹوٹ گئی۔ اتنے میں خالد کی وفات سے اس کی فوج کے بکھر جانے کے باعث آرمینیا کا شیرازہ امن اور بھی منتشر ہو گیا۔ واثق نے خالد کے بیٹے محمد کو اس کی جگہ مقرر کیا۔ اس نے باغیوں کو ناک چنے چھو کر امن قائم کیا۔

خارجیوں کی شورش

ہوا کا رخ دیکھ کر دیار ربیعہ کے خارجیوں نے شورش برپا کی۔ غانم بن ابی مسلم نے ان کا استیصال کیا۔ اسی

اثناء میں کردوں نے فارس اور اصفہان کو اپنی باغیانہ سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ صیغہ ترک نے ان کے چھٹے چھڑا کر بہت سے باغیوں کو گرفتار کیا۔

فتوحات

۲۲۸ھ میں فضل بن جعفر ہمدانی نے سسلی پر فوج کشی کی۔ اور بندرگاہ مسینی میں خیمہ زن ہو کر ہر طرف فوجیں پھیلا دینے کے بعد

ناہل کی طرف پیش قدمی کی۔ اس ہم میں دو سال صرف ہو گئے۔ لیکن فتح کی صورت نظر نہ آئی۔ آخر مسلمان بڑی مشکل سے ایک راستہ معلوم کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔ اہل شہر دوسرے حصے میں محو مدافعت ہونے کے باعث اس طرف نہ پہنچ سکے۔ اور مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اسی سال شہر مسکان پر بھی مسلمانوں کا پرچم فتح لہرانے لگا۔

۲۲۹ھ میں اغلب بن فضل نے شرہ میں تیغ شجاعت کے جوہر دکھا کر اس پر قبضہ کیا۔ اس جنگ میں دس ہزار رومی کھیت رہے۔

۲۳۲ھ میں فضل بن جعفر نے مہینی کا محاصرہ کیا۔ اہل شہر نے صفلیہ کے بطریق سے امداد طلب کی۔ مسلمانوں نے فن حرب کے ایک کامیاب اصول پر عمل کرتے ہوئے رومیوں کو جو شہر سے نکل کر صف آرا ہوئے تھے۔ دونوں طرف سے گھیر لیا۔ اور ان کا صفایا کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔

محمد بن زیات معتصم کا آخری وزیر تھا۔ لیکن واثق کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتا تھا۔ اور اس نے جی میں ٹھان لی تھی۔ کہ اورنگ نشین خلافت

ہونے پر اس سے شدید انتقام لے گا۔ مگر ایک دفعہ اسے ابن زیات کا لکھا ہوا مراسلہ بے حد پسند آیا۔ اور اس کی قابلیت نے زبردست سفارش کا کام دے کر واثق کے دل سے برہمی کا غبار دھو ڈالا۔ واثق نے خوش ہو کر اسے وزارت پر بحال رکھا۔ اور کسی دوسرے کو وزیر نہ بنایا۔

۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ کو بدھ کے دن واثق نے باختلاف روایات ۲۲ یا ۲۶ سال کی عمر میں پانچ سال نو مہینے چند دن خلافت کرنے کے بعد مرض استسقا سے وفات پائی۔

واثق گورا چٹا اور حسین و جمیل تھا۔ اعضا مناسب۔ ڈاڑھی چلیہ اور اوصاف گھنی اور خوش نما تھی۔ بایں آنکھ میں پھٹی تھی۔ لیکن اس سے خوبصورتی میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔

واثق عالم، فاضل، ادیب، شاعر اور دانش مند تھا۔ ادب عربی میں مامون سے بڑھ کر لیکن فلسفہ اور حکمت میں اس سے کمتر تھا۔ علم و فضل کا مشتاق ہونے کے باعث مامون ثانی کہلاتا تھا۔ اسے بے شمار عربی اشعار حفظ یاد تھے۔ شعرا و ادبا کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتا تھا۔ علما کا احترام اور ان کی قدر افزائی کرتا تھا۔ راگ کے فن میں کمال رکھتا تھا۔ عود بجانے میں اسے خوب دسترس تھی۔ سوراگوں کا موجد تھا۔ بے حد حلیم الطبع اور صابر تھا۔

خلق قرآن | واثق بے حد آزاد خیال اور تقلید کا مخالف تھا۔ مسئلہ خلق قرآن

میں نہایت غلو اختیار کیا۔ اکثر علما و محدثین قید و قتل کا شکار ہوئے۔ ایک دفعہ امام ابو داؤد اور نسائی کے استاد ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن محمد ازوی خلق قرآن کی مخالفت کے جرم میں گرفتار ہو کر دربار میں پیش ہوئے۔ انھوں نے خلق قرآن کے قائل قاضی احمد بن ابی داؤد سے جو گویا وزیر اعظم تھے۔ سوال کیا کہ "کیا رسول اللہ صلعم قرآن کے مخلوق ہونے کا علم رکھتے تھے یا نہیں؟" قاضی احمد نے اثبات میں جواب دیا، انھوں نے دوسرا سوال کیا کہ "کیا حضور نے لوگوں کو اس عقیدے کی تعلیم دی یا نہیں؟" اس نے نفی میں جواب دیا۔ انھوں نے کہا آنحضرت نے لوگوں کو جس عقیدے کی تعلیم نہیں دی۔ اور علم رکھنے کے باوجود لوگوں کو اس کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ تم لوگوں کو اس کے ماننے پر کیوں مجبور کرتے ہو؟ اس پر واثق حیرت زدہ ہو کر حرم سرانے میں چلا گیا۔ اور سخت پشیمان ہوا۔ پھر ابو عبد الرحمن کو آزاد کر دیا۔ اور معقول انعام دے کر رخصت کیا۔

واثق نے امام احمد بن حنبل پر بھی تشدد نہ کیا۔ بلکہ انھیں رہا کر کے کسی دوسرے مقام پر چلے جانے کا حکم دے دیا۔ ایک روایت ہے کہ واثق نے موت سے پہلے اس عقیدے سے توبہ کر لی تھی۔

علویوں کا احترام | عباسی دور میں ان کے حریف مقابل علوی گروہ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔ واثق نے انھیں پنجہ مصائب

سے رہائی دلائی۔ اور ان کا شایان شان احترام کیا۔

رعایا کی دلجوئی | واثق نے رعایا کی دلجوئی اور بہتری کے لئے بہت سے فائدہ بخش کام کئے۔ مثلاً جہازوں کا بحری ٹیکس معاف کر دیا۔ حالانکہ

اس سے حکومت کی آمدنی میں غیر معمولی اضافہ ہوتا تھا۔

حرمین کی خدمت | واثق نے اپنے پیش رو خلفاء کی طرح خدمت حرمین میں جی بھر کر حصہ لیا۔ اس نے مکہ و مدینہ کے باشندوں پر

اس دریا دلی سے سیم و زر کی بارش کی۔ کہ وہاں کوئی سائل باقی نہ رہا۔ اس کے

انتقال کی خبر اہل مدینہ پر بجلی بن کر گری۔ اور عورتیں تک مدتوں اس کے سوگ میں اشک بار رہیں۔

انتظامی امور میں قابل قدر اصلاحیں کیں۔ اور خیانت کا تو نام و نشان تک مٹا کر رکھ دیا۔

چنانچہ ضروری اور مناسب تشدد سے کام لے کر متعدد خائن کاتبوں پر بڑے بڑے جرمانے کئے۔ مثلاً احمد بن خصیب اور اس کے کاتبوں سے ایک کروڑ دینار۔ ایتاخ ترکی کے کاتب سلیمان بن وہب سے چار لاکھ دینار۔ ابوالعزیز سے ایک لاکھ چالیس ہزار دینار اور ابراہیم بن رباح اور اس کے کاتبوں سے ایک لاکھ دینار وصول کئے۔

واقع نے اس قدر مدبر۔ مستعد۔ ظلم سوز۔ عدو گش اور ترکوں سے بے پروائی اصلاح پسند ہونے کے باوجود ترکوں کے بڑھتے ہوئے فتنے کا جو بعد میں خلفاء پر قیامت بن کر ٹوٹا۔ کچھ انسداد نہ کیا۔

متوکل علی اللہ

۲۳۲ھ تا ۲۴۰ھ

جعفر نام۔ ابوالفضل کنیت۔ متوکل علی اللہ لقب۔ ۲۰۶ھ میں ایک خوارزمی کنیز کے لطن سے پیدا ہوا۔ اور ۲۴۲ھ ذی الحجہ کو تخت خلافت پر بیٹھا۔ نایب حکومت سر پر رکھتے ہی اس نے فوج کو آٹھ مہینے کی تنخواہ عطا کی۔ اور حرمین یمن اور طائف کی عنان حکومت اپنے بیٹے منتصر کے ہاتھ میں دے دی۔

واقع ہی کے زمانے سے متوکل ابن زیات کے خلاف تھا۔ کیونکہ ایک دفعہ اس کا

ابن زیات کی معزولی اور قتل

بھائی کسی بنا پر اس سے ناراض ہو گیا۔ تو اس نے ابن زیات سے کہا۔ کہ وہ

واثق سے سفارش کر کے دونوں بھائیوں میں صلح صفائی کرادے۔ ابن زیات کے سرپر وزارت عظمیٰ کا جن سوار تھا۔ اس نے متوکل کی بات نہ سنی۔ اور توہین آمیز طریق سے پیش آیا۔ متوکل نہایت مایوس اور افسردہ دل ہو کر واپس آیا۔ اور سر پر آرائے خلافت ہوتے ہی ابن زیات کو قید و بند میں ڈال دیا۔ چاہ کن را چاہ در پیش۔ متوکل نے اسے اسی پر خاراہنی طور میں جو اس نے مجرموں کو شکنجہ تعزیر میں جکڑنے کے لئے تیار کیا تھا۔ بند کر کے اس کا خاتمہ کر دیا۔

محمد بن بعیث کی بغاوت اور خاتمہ | آذربائیجان کا رئیس محمد بن بعیث علم بغاوت بلند کر کے قلعہ بند ہو گیا

تھا۔ متوکل کے عہد میں اسے گرفتار کر کے سامرا میں قید کر دیا گیا۔ ۲۳۴ھ میں وہ قید سے بھاگ کر قلعہ مرند میں چلا گیا۔ پھر حکومت سے مقابلے کی تیاری کرنے لگا۔ لیکن بغاوت نے فوج کشی کر کے اسے ناک چنے چوائے۔ اور سامرا لاکر اسیر زنداں کر دیا۔ جہاں وہ ایک مہینے کے بعد مر گیا۔

محمود بن فرج کا دعوائے نبوت | ۲۳۵ھ میں محمود بن فرج نیشاپوری نے سامرا میں پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ اور اپنی ہی

ایک تصنیف کو الہامی کتاب کے طور پر پیش کیا۔ لیکن اس فتنے نے ابھی طول نہ کھینچا تھا۔ اور صرف ۲۷ آدمی اس کے پیرو بنے تھے۔ کہ متوکل نے اسے گرفتار کر کے فنا کے گھاٹ اتروادیا۔ اور اس کی امت قید و بند میں ڈال دی گئی۔ ۲۳۷ھ میں پادریوں کا ایک گروہ علم بغاوت بلند کر کے آرمینیا کے بعض مقامات پر

قابض ہو گیا۔ متوکل نے امیر یوسف کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ لیکن انھوں نے موقع پا کر اسے تہ تیغ کر دیا۔ اس سے شورش و بغاوت کے شعلے اور بھی تندہ و تیزی سے بھڑک اٹھے۔ اب متوکل نے بغاوت کو بھیجا۔ اس نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے باغیوں کے سرغنوں کو چن چن کر قتل کیا۔ لیکن صناریہ کے

حلے میں اسے شکست کھانی پڑی۔ اور کچھ باغی روم۔ خنزرا اور صفالیہ سے مدد لے کر اس کے مقابلے پر آگئے۔ متوکل نے اطلاع پا کر خالد بن یزید شیبانی کو اس مہم پر مقرر کیا۔ اس نے باغیوں سے سرطاعت خم کرا کے فتنے کا انسداد کیا۔

اسی سال صالح بن نصر ہستی نے سجستان پر دست تصرف دراز کیا۔ یعقوب بن صفار اس کے ساتھ مل گیا۔ لیکن

یعقوب بن صفار

طاہر بن عبداللہ عامل خراسان نے سجستان واپس لے لیا۔ پھر درہم بن حسین نے خروج کر کے اسے ہتھیالیا۔ یعقوب اس کا دست راست تھا۔ اور اعلیٰ انتظامی قابلیت سے سجستان کے سیاہ و سپید کا مالک بن گیا۔ پھر فوجی طاقت کو زبردست ترقی دے کر "مشہور صفاری حکومت" قائم کر لی۔

۲۳۹ھ میں رومیوں نے اسلامی ممالک پر فوج کشی کی۔ اور ایک رومی سردار ساحل دمیاط پر اترا۔ وہاں کی فوجیں تقریب عید کے

رومیوں کا حملہ

باعث مصر گئی ہوئی تھیں۔ اس لئے رومیوں نے میدان خالی پا کر لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ اتنے میں ایک مسلمان قیدی امیر بسرطوق و سلاسل کو توڑ پھوڑ کر آزاد ہو گیا۔ اور ایک بھاری جمعیت کے ساتھ رومیوں پر ٹوٹ پڑا۔ رومی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ اور دمیاط میں ایک قلعہ تعمیر کیا گیا۔

۲۴۰ھ میں اہل حمص نے شورش و بغاوت پر مکرانہمی اور وہاں کے حاکم کو نکال باہر کیا۔ متوکل نے محمد بن عبد

اہل حمص کا خروج

اور عتاب بن عتاب کو باغیوں کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا۔ انھوں نے مفسدوں کو چن چن کر قتل کرنے کے بعد امن قائم کیا۔

بارہ ہزار مسلمان رومیوں کے یہاں قید تھے۔ ۲۴۱ھ میں انھیں عیسائی بن جانے کی ترغیب

مسلمان قیدیوں کی رہائی

دی گئی۔ جو مسلمان مسیحی مذہب میں داخل ہو گئے۔ وہ بچ گئے۔ اور جو بتدیل مذہب پر رضامند نہ ہوئے۔ وہ شہید کر دیئے گئے۔ پھر بھی کافی مسلمان باقی رہے

گئے۔ تدورہ ننگہ روم نے متوکل سے کہلا بھیجا۔ کہ اسے ادائے فدیہ کی شرط پر مسلمان قیدیوں کو چھڑا لے جانے کی اجازت ہے۔ اس پر متوکل نے ۹۱۰ قیدی رہا کرائے۔ جن میں ۷۸۵ مرد اور ۱۲۵ عورتیں تھیں۔

۲۳۱ھ میں حبشہ اور سوڈان کے مغربی باشندوں نے جو مصر پر بجاہ کا حملہ

بجاہ کے نام سے مشہور تھے۔ مصر پر چڑھائی کی۔ مسلمانوں نے بجاہ سے معاہدہ کر رکھا تھا۔ کہ فریقین ایک دوسرے پر یورش کرنے سے محترز رہیں گے۔ اور بجاہ چار سو مثقال خام سونا حکومت مصر کو دیا کریں گے۔ متوکل کے زمانے میں ان لوگوں نے نقص عہد کر کے برسوں تک سونا ارسال نہ کیا اور چند مسلمان کان کنوں کو تہ تیغ کر کے ان کے اہل و عیال کو قید و بند میں ڈال دیا۔ متوکل نے آگ بگولا ہو کر امرائے دربار کے سامنے بجاہ پر یورش کرنے کی تجویز پیش کی۔ انھوں نے حملے کی مشکلات پر روشنی ڈالی۔ متوکل نے یورش کا خیال چھوڑ دیا۔ لیکن بجاہ کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے۔ اور وہ مسلمانوں پر برق غضب بن کر گرنے لگے۔ اس لئے متوکل ان کی سرکوبی کرنے پر مجبور ہو گیا۔

متوکل نے محمد بن عبداللہ قسی کو بجاہ کا قلع قمع کرنے کے لئے بجاہ پر یورش

روانہ کیا۔ اس نے زبردست تیاریوں سے بجاہ پر دھاوا بول دیا۔ جنگ کے دوران میں قسی کو معلوم ہوا۔ کہ بجاہ کے اونٹ گھنٹیوں کی آواز سے بھڑکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے گھوڑوں کی گردنوں میں گھنٹیاں ڈال کر دوبارہ یورش کی۔ دشمن کے اونٹ گھنٹیوں کی آواز سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور اس کی فوج کا شیرازہ بکھر گیا۔ بجاہ کو شکست فاش ہوئی۔ ان کے بہت سے آدمی کھیت رہے۔ اکثر قید ہوئے۔ علاقہ بجاہ کا حاکم علی بابا سر اطاعت خم کر کے قسی کی پناہ میں آ گیا۔ اور خمس کی چاروں سال کی پوری رقم ادا کر کے دوبارہ خلافت میں حاضر ہوا۔ متوکل نے اسے خلعتِ فاخرہ عطا کیا۔ اور وہ خوش خوش وطن کو لوٹ گیا۔

تباہ کن بارش اور زلزلے

۱۲۱۷ء میں باد و باران کا ہلاکت بار طوقان اور قیامت خیز زلزلے آئے۔ جن کا سلسلہ تین سال تک متواتر

جاری رہا۔ اس سے ترکستان۔ شام۔ فارس۔ خراسان۔ یمن۔ مغرب۔ مدائن۔ انطاکیہ۔ سیس۔ جزیرہ۔ ثغور۔ طرسوس۔ اور۔ لاذقیہ وغیرہ میں بے شمار مکان گر گئے۔ اور ان گنت آدمی ہلاک ہوئے۔ معتصم نے دل کھول کر مصیبت زدوں کی امداد کی۔

مسلمانوں نے رومیوں سے جنگ کر کے صقلیہ میں بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ اور وہاں مسلمانوں کی ایک

صقلیہ کی فتوحات

نو آبادی قائم ہونے لگی تھی۔ اہل صقلیہ سے جنگ جاری رہی۔ ۱۲۳۲ء میں اہل رخوس نے مسلمانوں سے صلح کر کے شہران کے سپرد کر دیا۔ ۱۲۳۵ء میں رومیوں نے تھریانہ پر فوج کشی کر کے کثیر التعداد مسلمانوں کو شہید کر دیا۔

۱۲۳۶ء میں مسلمان فرماں روا محمد بن عبداللہ بن اغلب کے انتقال پر نام امارت عباس بن فضل بن یعقوب کے ہاتھ میں آئی۔ اور مسلمانوں کی رفتار فتح تیز تر ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ ۱۲۳۷ء میں انھوں نے تھریانہ۔ قطانہ۔ سرقوسہ۔ نوٹس۔ اغوس اور شبرہ پر حملہ کیا۔ اور کہیں صلح۔ کہیں جنگ سے فتح حاصل کی۔

تھریانہ پر تاخت کرنے کے لئے امیر عباس نے خاص اہتمام کیا۔ اور وہاں کے ایک مشہور آدمی کو گرفتار کر کے اس کی امداد سے اسلامی لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ ۱۲۳۸ء میں صقلیہ کے صدر مقام تھریانہ کو زیر نگین کر کے اس میں مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔

رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی۔ تو وہ جوش انتقام میں زخمی سانپ کی طرح بیچ و تاب کھانے لگے۔ چنانچہ انھوں نے متعدد مقامات پر غلیم بغاوت بلند کیا۔ لیکن عباس نے ان سب کے چھکے چھڑا دیئے۔ اور ۱۲۳۸ء میں مفتوحہ علاقوں کو مستحکم کرتے ہوئے سرقوسہ پر چڑھائی کرنے کے بعد قرقنہ کی طرف پیش قدمی کی لیکن راستے ہی میں سفر آخرت اختیار کیا۔

ان مقامات کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی مسلمانوں نے رومیوں سے
معرکہ آرا ہو کر متعدد فتوحات حاصل کیں۔

تتزل کی ابتدا | متوکل کے عہد میں فتوحات اور زبردست جاہ و جلال کے باوجود
داخلی اختلال کے باعث ضعف و تتزل کے آثار نمودار ہونے
لگے۔ اور ان عناصر اختلال میں سب سے زیادہ خطرناک ترکوں کا غلبہ و اقتدار تھا۔
جو حکومت کے نظم و نسق پر بری طرح چھا گئے تھے۔

ایتاخ ترکوں کا خاتمہ | خونخوار اور جنگ جو ترکوں نے اقتدار کے نشے میں چور
ہو کر انتظام سلطنت میں مداخلت اور خلیفے سے گتاخ
شروع کر دیں۔ ایک دفعہ متوکل کو قتل کرنے کی ٹھان لی۔ لیکن وہ اس ارادے میں
کامیاب نہ ہو سکے۔ متوکل نے ان کے غلبے اور طاقت کو شل کرنے کے لئے
سب سے پہلے امیر ایتاخ کی خبر لی۔

ایتاخ ایک جلیل المنزلت ترکی حاکم تھا۔ جو اپنی غیر معمولی قابلیت کے باعث
بادرچی سے ترقی کر کے معتصم کی جوہر شناسی اور قدر افزائی سے حکومت کے ایک
بہت بڑے عہدے پر سرفراز ہو گیا تھا۔

ایک مرتبہ ایتاخ نے معتصم کی محفل عیش میں اس کی جان لینے کا ارادہ کیا
لیکن معتصم کو معلوم ہو جانے پر اس سے عفو کا طالب ہوا۔ پھر اس سے اجازت
لے کر حج کو چلا گیا۔ واپسی پر متوکل نے اسے مع اس کے دو بیٹوں اور کاتب کے
قید و بند میں ڈال دیا۔ اور ایتاخ قید ہی میں مر گیا۔

عمر بن فرج پر عتاب | دوسرا شہزادہ ترکی امیر عمرو بن فرج تھا۔ جو متوکل
کا نشانہ عتاب بنا۔ اس نے معتصم کے عہد میں ایک

دفعہ متوکل کی سخت توہین کی تھی۔ اس نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی عمرو کی جائداد ضبط
کر کے اسے پابہ جولاں کر دیا۔ اس کا بیٹا اور غلام بھی مورد عتاب ہوئے۔ کچھ عرصے
کے بعد عمرو نے ایک کروڑ درہم دے کر رہائی حاصل کی۔ اور ابواز کی جاگیر و اکرار کرائی۔

خیانت کا قلع قمع | ترکوں کی افراتفری دیکھ کر بہت سے حکام نے خیانت پر
 کر باندھ لی۔ معتم نے تحقیقات کرائی۔ اور مجرموں کو قید
 کر دیا۔ ان خانتوں میں تین عیسائی محمد بن عبدالملک۔ سعدون بن علی اور ہیتیم بن
 خالد بھی تھے۔

قاضی احمد بن ابی داؤد پر عتاب | قدر خلق قرآن کے بانی قاضی احمد بن
 ابی داؤد پر عتاب نازل ہوا۔ اور اس
 کی ساری جائداد ضبط کر لی گئی۔ پھر یحییٰ بن اکثم پر جو احمد کے بعد قاضی بنے۔
 برقی عتاب گری۔ اور ان کا سارا مال و متاع قرق کر لیا گیا جس کی مقدار ۵ ہزار
 دینار نقد اور ۳ ہزار جریب زمین تھی۔

علویوں سے مخالفت | متوکل کے دل میں علویوں کی طرف سے گہرے بیٹھی ہوئی
 تھی۔ اور ان کی مخالفت میں اس قدر گرم تھا کہ
 ان کے محبتوں تک سے نفرت اور عداوت رکھتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے بیٹوں
 کے اتالیق یعقوب بن سلیمان سے دریافت کیا کہ "تم ان سے محبت کرتے ہو۔
 یاحسن و حسینؑ سے؟" یعقوب نے کہا۔ "علی کا غلام تمبران دونوں سے افضل ہے۔"
 یہ سن کر متوکل غصے سے دیوانہ ہو گیا۔ اور انھیں عذاب شدید سے قتل کرانے
 کے بعد ان کے بیٹے کو خون بہا دے دیا۔

علاوہ بریں اس نے حضرت امام حسینؑ کے مشہد مبارک اور اس کے آس
 پاس کے مکانات کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اس قطعہ زمین میں ہل چلا دئے۔
 اور زائچن کے لئے قدغن کر دیا۔

امام حسن عسکری کو انعام و اکرام | کسی شخص نے متوکل کو خبر دی کہ امام
 حسن عسکری کا مکان آپ کے خلاف ساز
 باز کامرکز بنا ہوا ہے۔ اور وہاں اسلحہ و شیعیان علیؑ چھپے ہوئے ہیں۔ متوکل نے
 تحقیقات کرائی۔ تو خیر بے بنیاد نکلی۔ ترک انھیں گرفتار کر کے دربار میں لے گئے۔

متوکل نے انھیں تعظیم و تکریم سے اپنے پاس بٹھا کر جام شراب پیش کیا۔ انھوں نے انکار کیا۔ تو شعرستانے کی فرمائش کی۔ امام عسکری نے عبرت آموز شعرستانے کو متوکل اور درباریوں پر رقت طاری ہو گئی۔ متوکل نے ساغر و مینا سامنے سے ہٹا کر امام سے کہا۔ ”آپ پر کچھ قرض تو نہیں؟“ ”بوسے“ ہاں۔ چار ہزار دینار۔“ متوکل نے اسی وقت یہ رقم ادا کر کے انھیں احترام سے رخصت کیا۔

متوکل نے تلخ ذاتی تجربے کے پیش نظر زندگی ہی میں اپنے تین ولی عہدی بیٹوں محمد۔ طلحہ اور ابراہیم کو علی الترتیب منتصر باللہ۔ معتز باللہ اور مؤید باللہ کا لقب دے کر ولی عہدی کے لئے نامزد کر دیا۔ اور حکومت کے تین حصے کر کے ایک ایک حصہ ہر ایک کو دیتے ہوئے اپنے اپنے علاقے کا مطلق العنان بادشاہ بنا دیا۔

متوکل کے زمانے میں ابن زیات۔ ابوالوزیر۔ ابو جعفر محمد بن فضل اور عبد اللہ بن یحییٰ بن خاقان نے یکے بعد دیگرے وزارت کے فرائض انجام دئے۔ پہلے تین وزیر تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد معتبوب اور معزول ہو گئے۔ البتہ ابن یحییٰ اپنے گونا گوں اوصاف کے باعث متوکل کی زندگی بھر وزارت عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر فائز رہا۔ وہ خوش اخلاق۔ سخی اور دین و دلگھا سیر چشم ایسا کہ ایک بار والی مصر نے دو لاکھ دینار نقد اور مصری کپڑوں کے تین صندوق اسے ارسال کئے۔ لیکن اس نے اپنے لئے صرف ایک رومال لے کر باقی سارا مال خزانے میں داخل کر دیا۔ وہ رعایا کے تمام طبقتوں میں یکساں ہر دل عزیز تھا۔ لہذا اسے قتل خلیفہ کے دنوں میں باقی متوسلین سلطنت کے خلاف کسی قسم کا نقصان یا تکلیف نہ پہنچنے پائی۔

معتز کی ماں سے انتہائی محبت ہونے کے باعث متوکل نے ولی عہدی کے باب میں منتصر کے بجائے معتز کا تقدم اور منتصر کو اپنا نام موخر کرنے کا حکم

دیا۔ لیکن منتصر کے اہکار پر اسے زجر و توبیخ۔ عتاب اور نقلیں مرتبہ و پیدت بنا کر پڑا اور معتز پر اعزاز و اکرام اور ترقی منصب کے موتی برسے لگے۔

منتصر پر روز بروز زیادہ سے زیادہ عتاب نازل ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی

تذلیل و تحقیر انتہائی درجے تک پہنچ گئی۔ اور نوبت یہاں تک آئی کہ ایک دن متوکل نے اسے بھرے دربار میں ولی عہدی سے خارج کر دیا۔

ایک بیان یہ بھی ہے کہ متوکل اور فتح بن خاقان نے منتصر اور اس کے حامی ترک امیروں کو تہ تیغ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن وہ اسے لیا س عمل نہ پہنچا سکے اس وجہ سے منتصر نے متوکل کی مخالفت پر مکر باندھ لی۔

اب منتصر نے ترک امرا کے ساتھ مل کر باپ کو ٹھکانے لگانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ قتل کی سازش مکمل ہو گئی۔ اور ۳ شوال

۲۲۷ھ کو دربار برخواست ہونے کے بعد قاتلوں کی مقررہ جماعت نے محل میں داخل ہو کر متوکل پر تلواروں کے وار کرنے شروع کر دیے۔ فتح بن خاقان نے حق نمک ادا کرتے ہوئے اپنے آپ کو متوکل کے اوپر گرا دیا۔ اور دونوں ایک ساتھ قتل ہو گئے۔ قتل کے وقت متوکل کی عمر تقریباً چالیس سال تھی۔ اور اس نے چودہ سال دس مہینے عین دن حکومت کی۔

پہلے خلفاء کا بالعموم یہ دستور تھا کہ رعایا پر سختی کر کے رعایا میں ہردل عزیز می

اس سے سر اطاعت خم کراتے تھے لیکن متوکل نے نرمی اور شفقت سے رعایا کا دل مٹھی میں لے کر اپنے آپ کو ہردل عزیز بنا لیا شدید سے شدید اور نازک سے نازک حالات میں بھی اس نے عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ البتہ عیسائیوں کو رومی حکومت کے ساتھ ساز باز کی پاداش میں یہ نتیجہ بھگتنا پڑا۔ کہ ان کے لباس اور مذہبی رسوم وغیرہ کو خاص پابندی کی زنجیر میں جکڑ دیا گیا۔

متوکل کے زمانے میں ملک کا گوشہ گوشہ سامانِ طرب کی
ملک کی خوش حالی کثرت سے بہشت زار بنا ہوا تھا۔ رعایا آسودہ حال

تھی۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ۔

”متوکل کا عہد خلافت اپنے محاسن۔ رونق و شادابی۔ آسودہ حالی اور عیش و

تعم کے اعتبار سے عہد نشاط تھا۔ رعایا کا ہر ادنیٰ و اعلیٰ اس سے خوش اور مطمئن

تھا۔ اس کا دور راستوں کے تحفظ۔ ضروریات زندگی کی ارزانی اور حسن و عشق

کی جلوہ سامانیوں اور نغمہ طرازیوں کے اعتبار سے بہترین دور تھا۔ مصارف کی

مختلف مدوں میں روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا۔ فوجی مصارف اور انعامات

کے علاوہ متوکل نے ایک ارب درہم ہارونی صرف کر کے قصر جعفری تعمیر کرایا۔ اور

دو لاکھ دینار کے خرچ سے جعفریہ کے نام سے ایک نیا شہر بسایا۔“

اگرچہ متوکل کوئی بہت بڑا عالم و فاضل نہ تھا۔ لیکن احادیث
علم دوستی نبویؐ کے ساتھ اسے خاص دل بستگی تھی۔ علم دوست اور علم

تھا۔ شعر و سخن کا دلدادہ اور شعراء کا قدردان تھا۔ چنانچہ اس نے اکثر سخنوروں

انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

متوکل کو امام شافعیؒ سے انتہائی عقیدت تھی۔ اسی سے
سنت نبویؐ کا احیاء سے اس نے شافعی مذہب اختیار کیا۔ سنت نبویؐ

احیاء اور احادیث رسولؐ کی نشر و اشاعت اس کا شاہکار ہے۔ اس نے محدثین

کراں قدر انعامات سے نوازا۔ محدث ابو بکر بن ابی شیبہ اور ان کے بھائی نے علیؑ

جامع رصافا اور جامع منصور میں عظیم الشان حلقہ ہائے درس قائم کئے۔

متوکل نے خلق قرآن اور رویت باری کی اختلاف

مقبول عام کا رنامہ انگیز و ابتلا آفریں بحثوں کا سختی سے انسداد کر

ایک زریں کار نامہ انجام دیا۔ جس سے وہ خاص و عام مسلمانوں کی آنکھ کا تار

بن گیا۔ بعض اشخاص نے اسے اس بدعت کے استیصال اور احیاء سنت

بنا پر خلفاء راشدین سے مشابہ قرار دیا۔

اولیاء اللہ سے عقیدت متوکل کو مردان حق سے بے حد عقیدت تھی۔ جب لوگوں نے حضرت ذوالنون مصریٰ پر زندقہ کا الزام

لگایا۔ تو اس نے انہیں بلا بھیجا۔ اور ان کی باتیں سن کر ان کا معتقد ہو گیا۔ متوکل انہیں انتہائی محبت اور احترام کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ ذکر صلیحی کے دوران میں حضرت ذوالنونؒ کا ذکر کمال شیفگی سے کرتا تھا۔

جو دو سخا ایک مورخ لکھتا ہے۔ کہ متوکل نہ بخیل تھا نہ مسرف۔ بلکہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرتا تھا۔ ایک اور مورخ کا بیان ہے۔ کہ وہ سخی اور مدح

پسند تھا۔ اور اس نے شاعروں کو اتنے بھاری انعامات دئے۔ کہ گزشتہ خلفائے سے کسی نے نہ دئے تھے۔ بہر حال تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ اس کے جو دو سخا کا بادل کھل کر برستا تھا۔ اور خصوصاً شعراء کا دامن تو وہ زرو مال سے بھر دیتا تھا۔

بے بنیاد الزامات بعض مورخین کا بیان ہے۔ کہ متوکل دخت رز کا پرستار تھا۔ چار ہزار حسین و جمیل کنیزوں سے اس کی محل سرائے پرستان

بنی ہوئی تھی۔ اور مسخرے اور بھانڈے اس کے دربار میں گللیں کرتے پھرتے تھے۔

جس سے رعایا میں عیاشی کا سوقیانہ مذاق پیدا ہو گیا۔ لیکن تحقیق سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ متوکل رنگین مزاج ہونے کے باوجود مے خوار نہ تھا۔ البتہ بیذکاستعمال

کرتا تھا۔ جسے بعض علماء عراق نے جائز قرار دیا ہے۔ جب احیاء سنت کے سلسلے

میں اس کی مذہبی خدمات پر غور کیا جاتا ہے۔ تو عمرات کا اس کی جانب انتساب

محض بے بنیاد الزام تراشی بن کر رہ جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ متوکل کی طرف سے

علویوں کی مخالفت اور حضرت امام حسینؑ کے مشہد مبارک کے انہدام نے بعض

عصبی مورخین کو اس بات پر آمادہ کر دیا۔ کہ اس کا دامن کردار ارتکاب مہیبات کے

داغوں سے آلودہ کر دیں۔

منتصر باللہ

۲۲۷ھ تا ۲۲۸ھ

محمد نام۔ ابو جعفر ابو عبد اللہ کنیت۔ منتصر باللہ لقب۔ ۲۲۳ھ میں بمقام سامرہ رومیہ حبشیہ کنیز کے بطن سے پیدا ہوا۔ ۴ شوال ۲۲۷ھ کو سریر آرائے خلافت ہوا۔ ادھر منتصر نے تاج حکومت سر پر رکھا۔ ادھر ابو العموود شاربی کی بغاوت | شاربی نے یمن۔ موصل وغیرہ میں بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔ منتصر نے یہاں تک اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس نے بڑی مشکل سے شاربی کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا۔ لیکن خلیفہ نے عہدِ اطاعت لے کر اسے رہا کر دیا۔

عبد اللہ بن عباس امیر صقلیہ نے ارمینین۔ مشارعہ وغیرہ بہت سے فتوحات | قلعوں پر قبضہ کیا۔ ۲۲۸ھ میں عبد اللہ کے بجائے خفاجہ بن سفیان کا تقرر ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے محمود کو سرقوسہ بھیجا۔ اس نے سرقوسہ پر فوج کشی کر کے غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اہل سرقوسہ حملے کی تاب نہ لا کر پس پا ہوئے اور محمود فاستحانہ واپس آیا۔

منتصر کا وزیر احمد بن خصیب بڑا ولی عہدی سے معتز اور مؤید کی معزولی | چالاک تھا۔ متوکل کے بعد منتصر

کو خلیفہ بنانے میں ابن خصیب کا بھی ہاتھ تھا۔ اس لئے اس نے اپنی جماعت کی مدد سے خلیفہ پر زور ڈالا۔ کہ وہ معتز اور مؤید کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے بیٹے عبد الوہاب کو ولی عہد نام زد کرے۔ کیونکہ اسے خطرہ تھا۔ کہ اگر معتز خلیفہ بن گیا۔ تو وہ اس کی جماعت کے تمام افراد کو بچن چن کر قصر اہل کی دیواروں میں چن چن دے گا۔ خلیفہ کو چارو ناچار اس غالب اور بااقتدار جماعت کے آگے گھٹنے ٹیک دینے پڑے۔ چنانچہ اس نے معتز اور مؤید کو دربار میں طلب کیا۔ مؤید

رضامندی سے اور معتز نے انکار کے باعث نظر بندی کے بعد بھائی کے سمجھانے پر اوپر سے دل کے ساتھ دست برداری دے دی۔

وفات | منتصر سعید الفطرت تھا۔ لیکن سیاسیات کے زیر اثر مخالف جماعت کے بڑھتے ہوئے اقتدار نے اس کی قوت اختیار کو شل کر رکھا تھا۔

اس نے اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لئے قتل والد کی سازش میں شرکت تو کر لی تھی۔ لیکن ضمیر کی آواز ہر وقت اس پر ملامت کے تیر برساتی رہتی تھی۔ چنانچہ وہ اس بھاری جرم پر غور کر کے عاقبت کے خوف سے لرزہ برآمد ہوتا تھا۔ آخر اسی حزن و افسردگی کے اثر سے ایک دن بیمار ہو گیا۔ چونکہ وہ قتل والد کی ہدامت میں ترکوں کو قاتلین خلفاء قرار دیتے ہوئے ان کا مخالف ہو گیا تھا۔ اس لئے ترک اس کی جان کے لاگو ہو گئے۔ جب وہ بیمار ہوا۔ تو ترکوں نے اس کے طبیب خاص ابن طیفور کو تیس ہزار دینار رشوت دے کر کہا۔ کہ مسموم نشتر سے اس کی فصد کھولے۔ طمع زرنے طبیب سے اس گناہ کا ارتکاب کرا دیا۔ اور منتصر نے ۵ ربیع الآخر ۲۲۸ھ کو صرف ساڑھے پچیس سال کی عمر میں چھہ پینے دو دن خلافت کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

صورت و سیرت | منتصر کا چہرہ بارعب۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ رنگ گندمی اور جسم موٹا تازہ تھا۔

ایک مورخ کا بیان ہے کہ :-

”منتصر نسبت و تحمل کا پیکر اور عقل و فرزانگی کا پتلا تھا۔ نیکی اور فائدہ بخشی اس کی فطرت ثانیہ تھی۔ فیاض۔ پاک باز اور ادیب تھا۔ عدل و انصاف اور اخلاق میں اپنے تمام پیش روؤں سے بڑھا ہوا تھا۔“

تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ :-

”منتصر متحمل مزاج اور کریم النفس تھا۔ وہ رعایا کے ساتھ اس طرح عدل و انصاف سے پیش آیا۔ کہ رعایا اس سے مرعوب ہونے کے باوجود اس پر

جان چھڑکنے لگی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ 'بااختیار کا بدترین فعل استقام ہے'۔

منتصر کو علویوں اور اہل بیت نبوی سے بڑی عقیدت
علویوں سے عقیدت تھی۔ چنانچہ اس نے ان کے ساتھ سختی کرنے کی

مانعت کر دی۔ فدک اور علویوں کے تمام اوقاف واپس کر دئے اور شیعہ ان
 علیؑ کو کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔

مدینہ کے عاملین بالعموم حکومت وقت کے ایما سے آل ابی طالب کو تشدد کا
 تختہ مشق بنانے کے عادی تھے۔ لیکن منتصر نے علی بن حسین کو ولایت مدینہ پر
 روانہ کرتے وقت کہا:۔

"علی! میں تمہیں اپنے گوشت و خون کی طرف بھیج رہا ہوں۔ دیکھو تم ان کے
 ساتھ کیسا سلوک کرتے اور ان کے لئے کیسے ثابت ہوتے ہو۔"

انہوں نے جواب میں عرض کی:۔

"امیر المؤمنین! اس باب میں جو فرمان آپ نافذ فرمائیں گے۔ میں حرف بھرن
 اس کی تعمیل کروں گا۔"

ابن اثیر ج میں لکھا ہے۔ منتصر اکثر و بیشتر کہا کرتا تھا کہ:۔

"واللہ۔ باطل پرست کبھی عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ خواہ ان کی پیشانی سے

ماہتاب ہی کیوں نہ طلوع ہو جائے۔ اور حق پرست کبھی قہر مذلت میں نہیں

گر سکتے۔ خواہ ساری دنیا انھیں ذلیل کرنے پر کیوں نہ تل جائے۔"

منتصر کے اس مختصر زمانہ خلافت میں صرف احمد بن خصیب منصب

وزارت پر فائز رہا۔ لیکن وہ بھی چالاک ہونے کے باوجود اپنے فریضے

منصیبی کو کما حقہ انجام دینے کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔ مزاج کا بھی بڑا سخت اور

تند تھا۔

مستعین باللہ

۲۲۸ھ تا ۲۵۲ھ

احمد نام۔ ابو العباس کنیت۔ مستعین باللہ لقب۔ ۲۲۱ھ میں ایک کثیر مخارق کے بطن سے پیدا ہوا۔ منتصر کے بعد اس کے دونوں بھائی معتز اور مؤید موجود تھے۔ لیکن وہ دونوں ولی عہدی سے خارج ہو چکے تھے۔ منتصر نے کسی کو ولی عہد ام زو نہ کیا تھا۔ اس لئے اس باب میں سخت کشمکش پیدا ہوئی چونکہ متوکل کے ان بیٹوں کو ترکوں ہی نے معزول کرایا تھا۔ اس لئے ترکوں کو ان کی طرف سے خطرہ تھا۔ لہذا ۶ ربیع الآخر ۲۲۸ھ کو معتصم کے پوتے احمد کو تختِ خلافت پر متمکن کیا گیا۔ اور مستعین باللہ اس کا لقب تجویز ہوا۔

معتز کے ہوتے ہوئے مستعین کی تخت نشینی اکثر لوگوں کو ناپسند تھی۔ چنانچہ ایک گروہ نے غلم مخالفت بلند کرتے ہوئے ترکوں پر دھاوا بول دیا۔ اور یہ ہنگامہ نہایت نازک صورت اختیار کر گیا۔ بہت سے باغی قتل ہو گئے۔ اور بہت سے جان بچا کر چلے گئے۔ آخر بغا کبیر نے بڑی مشکل سے بغاوت کے شعلوں کو ٹھنڈا کیا۔

مستعین نے تختِ خلافت پر بیٹھے ہی حکام کے نظام نکام کا تغیر و تبدل میں از سر نو تبدیلیاں کیں۔ اتامش کو وزیر اعظم اور والی مصر و مغرب۔ احمد بن خسیب کو کاتب شاہی اور شاہک خادم کو مہتمم امور ذاتی مقرر کیا گیا۔ اسی دوران میں طاہر بن عبد اللہ والی خراسان کا انتقال ہو گیا۔ نو اس کی جگہ اس کے بیٹے محمد کو ولایت خراسان پر مامور کیا گیا۔ عراق کی حکومت جریر بن لی ولایت اور پولیس کا محکمہ محمد بن عبد اللہ بن طاہر کی تحویل میں دیا گیا۔ اس کے چچا طلحہ کو نیشاپور لی۔ اس کے بیٹے منصور کو سرخس و خوارزم کی حسین بن عبد اللہ کو ہرات کی۔ اس کے چچا سلیمان

بن عبید اللہ کو طبرستان کی اور اسکے چیرے بھائی عباس کو حیران و طالقان کی حکومت عطا کی گئی۔ بغا صغیر کو حلوان و ناسیندان کی حکومت تفویض کی گئی۔ اور شناس کو سپہ سالاری اور عمال سلطنت کی نگرانی کا فریضہ سپرد کیا گیا۔ غرض تمام متاصب جلیلہ پر ترک ہی ترک نظر آنے لگے۔

ترکوں نے خیال کیا کہ مستعین کے معتز۔ مؤید اور احمد بن خصیب کا حشر خلاف بغاوت و شورش کی جو

آگ بھڑکانی گئی ہے۔ وہ معتز اور مؤید کی سازش کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ انھوں نے ان شہزادوں کا حق خصیب کو لیا تھا۔ چنانچہ ترکوں نے انھیں قنا کے گھاٹ ہمارے کا فیصلہ کیا۔ لیکن احمد بن خصیب نے ترکوں کو ان کی بے گناہی کا یقین دلا کر ان پر آہن نہ آتے دی۔ اس طرح وہ تپتے ہوئے سے توتج گئے لیکن ان کی جائداد اور سامان و تحیر ضبط کر کے ان کے پاس تھوڑی سی جاگہ چھوڑ دی گئی انھیں نظر بند کر دیا گیا۔

اس کے بعد احمد بن خصیب کو اپنے اقا یاں نعمت سے قناری کرنے کو یہ سزا ملی کہ اس کے مال و متاع پر قبضہ کر کے اسے جزیرہ گریت میں جلا وطن کر دیا گیا۔

۲۲۹ھ میں رومیوں نے اسلامی علاقوں پر توج کشی اور دو مشہور سرداروں عمر بن عبید اللہ۔ علی بن یحییٰ اور

بہت سے مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس ہنگامے سے بغداد میں شورشوں کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور لوگوں نے نہایت جوش و خروش سے جہاد پر کمر باندھ لی۔ فارس۔ اہواز اور پہاڑی علاقے کے بہت سے جہاد بھی آئے۔ روپیہ بھی کثیر مقدار میں جمع ہو گیا۔ پہلے حکومت نے ان کے کوئی کارروائی نہ کی۔ اور بالکل خاموش رہی۔ لیکن بعض یاغیوں نے سامان پہنچ کر قید خانے توڑ ڈالے۔ تو مستعین نے ان کے مقابلے کے لئے

کو مقرر کیا۔ مگر اہل سامرو بھی باغیوں کے ساتھ مل گئے۔ اور دونوں نے موالی کو پس پا کر دیا۔ آخر ترکی سرور بغا۔ وصیف اور اتامش ترکی لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلے پر آئے۔ بہت سے آدمی گھیت رہے۔ اور شورش کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

اتامش کا خاتمہ | اتامش اور شاہک خادم شاہی خزانے کے سیاہ و سپید کے مالک تھے۔ اور جس طرح چاہتے تھے۔ خرچ کرتے تھے۔

بغا اور وصیف کو خراج کی آمدنی میں سے پھونٹی کوڑی بھی نہ ملتی تھی۔ علاوہ بریں ترکوں اور فرغانیوں کو بھی خرچ کے لیے کافی روپیہ نہ ملتا تھا۔ اس لئے بغا اور وصیف نے ان لوگوں کو اتامش اور شاہک خادم کے خلاف اشتعال دلا دیا۔ ترکوں اور فرغانیوں نے اتامش کو گھیر کر مع اس کے کاتب کے قتل کر کے ان کا سارا اثاثہ لوٹ لیا۔ اتامش کے بعد مستعین نے ابو صالح عبد اللہ بن محمد کو منصب وزارت پر مقرر کیا۔

۲۵۰ھ میں ابو الحسن یحییٰ بن عمرو علوی نے مالی | **یحییٰ بن عمرو کا خروج** | حالت کی کمزوری سے سخت تنگ آ کر ادائے قرض

کی غرض سے تقرر و ظیفہ کے لئے انتہائی کوشش کی۔ لیکن بالکل ناکام و بایوس ہو کر خروج کا ارادہ کیا۔ اور کثیر التعداد عرب اور کوفہ کے شیعیان علیؑ کو ساتھ لے کر میدان میں نکل آئے۔ محمد بن عبد اللہ بن طاہر حاکم عراق نے اطلاع پا کر عبد اللہ بن محمود مرخی کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ اس اثنا میں یحییٰ نے کوفہ پہنچ کر دو ہزار دینار اور ستر ہزار درہم لوٹ لئے۔ اور قید خانے سے قیدیوں کو نکال کر لے گئے۔ ابن محمود نے مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ اور یحییٰ فاتحانہ یلغار سے لوٹ مار کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ اب زیدی بھی یحییٰ کے ساتھ مل گئے۔ اس لئے انھوں نے قوت میں اضافہ پا کر کوفہ کی طرف مراجعت کی۔ اور عبد الرحمن خطاب کے دھوئیں

بکھیر دئے۔ آخر حسین بن اسمعیل اور عبدالرحمن دونوں نے ل کر یحییٰ کو شکست دی۔ اور وہ اپنے بہت سے ہمراہیوں کے ساتھ کام آئے۔ یحییٰ کا سر کاٹ کر مستعین کے پاس بھجوا دیا گیا۔ جسے اس نے ایک صندوق میں بند کر کے اسلحہ خانہ میں رکھوا دیا۔

مستعین نے محمد بن عبداللہ بن طاہر والی عراق طبرستان پر علویوں کا قبضہ

کو یحییٰ کے قتل کے صلے میں طبرستان میں چند جاگیریں عطا کیں۔ جن میں سے ایک جاگیر سرحد دہلیم کے قریب تھی۔ والی عراق نے جابر بن ہارون نصرانی کو جاگیر کے انتظام اور نگرانی کے لئے بھیجا۔ ایک شخص رستم نے جابر کی مزاحمت کی اور رستم کے دونوں بیٹوں محمد اور جعفر نے ویلیوں سے امداد طلب کی۔ وہ ان کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ محمد اور جعفر نے طبرستان کے ایک علوی محمد بن ابراہیم کے پاس جا کر بیعت کی استدعا کی۔ انہوں نے کہا: ہمارے سردار حسن بن زید کے پاس جائیے۔ وہ سب سے ہیں تھے۔ وہاں سے دعوت ملنے پر طبرستان چلے آئے۔ یہاں کے تمام باشندوں نے ان سے بیعت کر لی۔ اور علویوں کی جمعیت نے زور پکڑ لیا۔ حکومت کی فوجوں اور علویوں میں رزم آرائی شروع ہو گئی۔ آخر ایک مدت کے بعد طبرستان اور جرجان پر علویوں کا پرچم اقتدار لہرانے لگا۔ حسن بن زید عمر بھر تک اس علاقے پر حکمران رہے۔ پھر یہاں کی عنان انتظام ان کے بھائی محمد بن زید کے ہاتھ میں آئی۔

مستعین کو زمام خلافت سنبھالنے کے بعد ایک دن بھی

اردن میں بغاوت چین نصیب نہ ہوا۔ جگہ جگہ سرکشی۔ خروج اور بغاوت کے شعلے بھڑکتے رہے۔ اسی سلسلے میں اردن میں ایک لٹھی امیر نے علم بغاوت بلند کیا۔ لیکن پاؤں جتتے نہ دیکھ کر راہ فرار اختیار کی۔ پھر اس کے ناظم قطامی نے سراٹھایا۔ اور اردن کا خراج ہتھیالیا۔ یکایک اس نے پاؤں پھیلا کر اس قدر قوت پکڑ لی۔ کہ کسی بار فلسطین کی فوجوں کو ناک چنے چوہائے۔ آخر بڑی مشکل سے اسے مغلوب کر کے وہاں سے نکالا گیا۔

حمص میں شورش | اس کے بعد اہل حمص نے پر پرزے نکال کر شورش کی آگ

بھڑکادی۔ کیدروالی حمص نے باغیوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن ناکام رہا۔ سرکشوں نے بہت سے فوجیوں کو تہ تیغ کر کے پھانسی پر لٹکا دیا۔ مستعین نے کیدر کے بجائے عبدالرحمن بن حبیب ازدی کو عامل حمص مقرر کیا۔ لیکن وہ جائزہ ولایت لینے سے پہلے ہی چل بسا۔ اور اس کی جگہ فکم دان حکومت فضل بن قارن طبری کے سپرد کیا گیا۔ اس کے آگے اہل حمص نے گھٹنے ٹیک دئے۔ لیکن چند ہی روز کے بعد فضل کو اطلاع ملی۔ کہ حمص والے اس کی بوٹیاں اڑا دینے پر تلمے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ چند فسادوں کو گرفتار کر کے ذبح کر ڈالا۔ اس تدبیر سے وقتی طور پر تو آتش بغاوت فرو ہو گئی۔ لیکن راکھیں کچھ چنگاریاں دبی رہیں۔ جو ۱۵۱ھ میں فتنہ و شرکی پھونکوں سے اس زور شور کے ساتھ بھڑک اٹھیں۔ کہ فضل کو قلعہ بند ہوئے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ باغی ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے۔ انھوں نے ہڈ بول کر فضل کو قلعے سے نکال لیا۔ اور نہایت سنگ دلی سے قتل کر کے لاش کو سولی پر لٹکا دیا۔ حاکم دمشق نے اطلاع پا کر باغیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے ایک بھاری فوج روانہ کی۔ لیکن انھوں نے اس کے بھی پر نچے اڑا دئے۔ آخر مستعین نے موسیٰ بن بغا کو موالی کا لشکر دے کر بھیجا۔ جس نے تین دن تک حمص میں لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ اور باغیوں کے گھروں کو نذر آتش کر کے بغاوت کی آگ بجھائی۔

یوسف القصیص | اسی سال یوسف القصیص نے بغاوت پر کمر باندھی۔ مستعین کے غلام محمد المولد نے اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن سُنڈ کی کھائی

اس پر دربار خلافت سے یہ ہم ابوالساج اثروسی کے سپرد ہوئی۔ اس نے یوسف کو پناہ دے کر مطیع کیا۔

باغز کا خاتمہ | باغز۔ بغا اور وصیف تینوں ترک افسر دربار خلافت میں بہت زیادہ اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ لیکن باغز کی نسبت اس کے دونوں

حریف مرتبے میں بڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے باغران سے حسد رکھتا تھا۔ ادھر
 بغا اور وصیف نے باغز کو دربار سے ہٹا دینے کی سازش کی۔ اس پر باغرا اور اس
 کے حامیوں نے مستعین۔ بغا اور وصیف تینوں کو ٹھکانے لگا دینے کا فیصلہ کیا۔
 مستعین کو پرچہ گزرا۔ تو اس نے بغا اور وصیف سے ذکر کیا۔ ان دونوں نے جیل
 سے باغز کو طلب کر کے قید کر دیا۔ ترکوں نے قصر شاہی کا محاصرہ کر کے شورش
 برپا کر دی۔ بغا اور وصیف نے موقع پا کر باغز کا قصد پاک کر دیا۔

ترک باغز کے قتل میں مستعین کو شریک سازش سمجھ کر بدستور
مستعین کا فرار قصر سلطانی کو گھیرے رہے۔ یہ صورت حالات دیکھ کر

مستعین بغا۔ وصیف۔ شاہک۔ احمد بن صالح وغیرہ کو ہمراہ لے کر سامرا سے
 بغداد چلا گیا۔

مستعین کی بازروی کے لئے ترکوں کی استدعا | ترکوں نے اپنی اس
 حرکت پر نادم ہو کر مستعین

کی خدمت میں ایک وفد روانہ کیا۔ جس نے طلب معذرت کے بعد اس سے
 سامرا واپس چلنے کی استدعا کی۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔

ترکوں نے معتز کو قید سے نکال کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی
معتز کی بیعت معتز نے اپنے بھائی موید کو ولی عہد نامزد کیا۔

مستعین کے حامی سامرا سے بغداد چلے گئے
مستعین اور معتز کے معرکے اور معتز کے طرف داروں نے بغداد سے سامرا

کی راہ لی۔ اب بغداد اور سامرا میں الگ الگ خلافتیں قائم ہو گئیں۔ اور تقریباً
 ایک سال تک دونوں خلیفوں میں خونریز لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اگرچہ آتش خون

کا قلم زخار پوری تندی و تیزی سے بغداد اور سامرا ہی میں موج زن رہا۔
 لیکن بیرونی صوبے بھی اس آگ کے شعلوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ آخر ذیقعد

۲۵ھ میں مستعین کے کمان دار محمد بن عبداللہ بن طاہر نے بغداد کا محاصرہ

کرنے والے ترکوں پر ایسا خونریز حملہ کیا۔ کہ وہ منہ کی گھا کر بھاگ گئے۔ بغا اور وصیف نے اپنے ہم قوم ترکوں کو خراسانیوں اور عراقیوں کے مقابلے سے بھاگتے ہوئے دیکھا۔ تو قومی جوش سے مجبور ہو کر اپنے اپنے دستوں کو ہمراہ لے کر ترکوں کی شکست خوردہ فوج سے جا ملے۔ ترکوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں جم گئے۔ ٹوٹی ہوئی ہمت بندھ گئی۔ اور انھوں نے لوٹ کر دوبارہ بغداد کا محاصرہ کر لیا۔

امیر محمد بن عبداللہ کو مستعین کی شکست اور بے اندازہ کشت و خون کا یقین ہو گیا۔ تو اس نے امیر ابو احمد سے مشورہ کر کے مستعین کو معزول کر دیا۔ اور معتز سے وعدہ لے لیا۔ کہ معزولی کے بعد مستعین کے اہل و عیال اور جائداد کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی۔ وہ مکہ میں رہے گا۔ اور اگر معتز نے نقص عہد کیا۔ تو اس کی بیعت کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد محرم ۲۵۲ھ میں مستعین خلافت سے دست بردار ہو گیا۔

معتز نے یہاں تک تو معاہدے کی پابندی کی کہ مستعین واسط میں نظر بندی کے اہل و عیال اور مال و متاع کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا۔ لیکن مکہ کے بجائے پہلے اسے بغداد میں رکھا۔ پھر واسط میں نظر بند کر دیا۔ جہاں اس نے مرض الموت میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مستعین چند ماہ تک واسط میں نظر بند رہ کر سامرا واپس چلا آیا۔ اور معتز کے اشارے سے قتل کیا گیا۔

سب سے پہلا وزیر احمد بن خصیب تھا۔ اس کے بعد ابو صالح محمد وزارت بن یزاد اس منصب پر سرفراز ہوا۔ وہ عالم و فاضل اور زبردست انشا پرداز تھا۔ دین دار ہونے کے باعث اس نے مالیات کی اصلاح پر خاص توجہ مبذول کی۔ جس سے خیانت کار امرا پھڑوں کی طرح اس کے گرد ہو گئے۔ اور اسے قتل کی دھمکی دی۔ ابو صالح نے مصلحتاً وزارت ترک کر دی۔

اوصاف مستعین مشہور عالم و فاضل۔ جلیل القدر ادیب اور صاحب فصاحت و بلاغت تھا۔ لیکن ان محاسن کے ساتھ ہی نظام حکومت کی اسے ہوا تک نہ لگی تھی۔ ایک مورخ لکھتا ہے:-

”مستعین فہم و دانش۔ سیاسیات اور امور مملکت سے تہی دامن تھا۔ اس کا سارا عہد حکومت فتنہ و شر اور شورش و بغاوت کے داغوں سے داغ دار ہے۔ جو دشمنی میں ضرور مشہور تھا۔ لیکن باقی اوصاف میں بالکل کورا۔“

مستعین کے زمانے سے خلافت نام نہاد رہ گئی تھی۔ اور ترک ہی حکومت کے سیاہ و سپید کے مالک بن گئے تھے۔ جسے چاہتے، خلافت کے تخت پر بیٹھا اور جسے چاہتے اُتار دیتے۔

معتز باللہ

۲۵۲ھ تا ۲۵۵ھ

معتز باللہ ۲۳۲ھ میں بمقام سامرا ایک کیز فقیہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ ۲۵۲ھ میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔

معتز کے دل میں ترکوں کی طرف سے کدورت تھی۔ کیونکہ منتصر کو مجبور کر کے معتز کو ولی عہدی سے خارج کرانے اور منتصر کے بعد اسے محروم کر کے مستبد کو سریر آرائے خلافت کرنے میں انھیں کا ہاتھ تھا۔ لہذا اس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی بغا۔ وصیف اور اس کی جماعت کو امور مملکت سے بے تعلقی کر کے محمد بن ابی عون کو ان کا خاتمہ کر دینے پر مقرر کیا۔ اور اس کے صلے میں بصرہ اور بصرہ کی حکومت بخش دی۔ لیکن اس کے فوراً بعد حالات نے ایسی کردی۔ کہ فریقین میں صلح ہو گئی۔ اور بغا اور وصیف کو ان کے عہدوں پر بحال کرتے ہوئے بغا کے بیٹے کو خبر رساں کا منصب عطا کیا۔

مؤید کی موت اور مستعین کا قتل | معتز کو ابھی ترکوں کے قبضے سے مخلصی ملی ہی تھی۔ کہ موالی کے ساتھ مؤید کی سازش

کا پرچہ گزرا۔ لہذا معتز نے مؤید کو قید و بند میں ڈال دیا۔ اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔

معتز نے اورنگ حکومت پر قدم رکھتے ہی اس وعدے کو پڑے پڑے کر ڈالا۔ جو اس نے امیر محمد بن عبداللہ کی استدعا پر مستعین کی حفاظت جان و مال کے باب میں کیا تھا۔ اور شوال ۲۵۲ھ میں اسے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔

بغداد میں بغاوت | بغداد میں سیاسی انقلاب کی بنا پر شاہی خزانے کی حالت پتلی ہو گئی۔ اور فوجیوں کو دو تین مہینے تک

تخواہ نہ ملی۔ اس لئے بغدادی فوج نے بغاوت کی آگ بجھانے کا کام لیا۔ امیر محمد بن عبداللہ کی فوج نے باغیوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن باغی شہر انگیزی سے باز نہ آئے۔ آخر باغی فوج کے دو آدمیوں نے امیر محمد کے ساتھ مل کر اسے دوسرے باغیوں کا پتا بتا دیا۔ اس نے ایک سرغنے کو قتل اور دوسرے کو قید کر دیا۔ جس سے باغیوں کا زور ٹوٹ گیا۔

خارجیوں کی شورش | بغاوت کے شعلے بھڑکتے دیکھ کر خارجیوں کی یاسی کڑھی میں بھی اُبال آ گیا۔ چنانچہ ان کے ایک سرغنہ

مساور نے کردوں اور عربوں کو گانٹھ کر عقبہ بن محمد والی موصل پر ہتھ بول دیا۔ اور شکست و فتح کی نیزنگیاں دیکھنے کے بعد موصل کے بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ پھر تو خارجیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور وہ جس طرف پیش قدمی کرتے۔ فتح و ظفران کے قدم چوستی۔

علویوں کا خروج | مستعین اور معتز کی جنگ کے دوران میں اسمعیل بن یوسف نے مکہ میں خروج کیا۔ فوجیوں اور عوام کو تہ تیغ کیا۔ اور

دولاکھ دینار وصول کر کے مدینہ پہنچے۔ اس پر قابض ہونے کے بعد مکہ واپس

گئے۔ اور شدید محاصرہ کر کے وہاں کے باشندوں کو ناک چنے چوائے۔

اس کے بعد اسمعیل جدہ پہنچے۔ اور شہر پر عرصہ حیات تنگ کرتے ہوئے عرفہ لوٹ آئے۔ معتز نے ان کے مقابلے کے لئے محمد بن احمد اور عیسیٰ بن محمد کو روانہ کیا۔ عرفہ میں سٹ بھیر پڑھوئی۔ اور اسمعیل نے بہت سے حاجیوں کو فتنہ کے گھاٹ اتار کر ان کا مال لوٹ لیا۔

ان حالات کو دیکھ کر ایک اور علوی ابو احمد محمد بن جعفر نے کوفہ میں خروج کیا۔ لیکن انھیں نیچا دیکھنا پڑا۔ اور معتز نے ان کے اقدام پر خط عفو کھینچ کر انھیں کوفہ کی ولایت پر مامور کر دیا۔ مگر اس پر بھی ان کی امن شکن سرگرمیاں ٹھنڈی نہ ہوئیں۔ اس لئے انھیں گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا گیا۔

انھیں دنوں دو اور علوی احمد بن عیسیٰ اور حسن بن احمد کو کبھی ابن جستان حاکم دہلیم سے مل کر رے پر حملہ آور ہوئے۔ وہاں کے باشندوں نے تاب مقابلہ نہ پاتے ہوئے بیس لاکھ درہم دے کر مخلصی حاصل کی۔

دو اور طالبیوں نے خروج کر کے اہل حجاز پر وہ مظالم توڑے کہ خود خاندان ابوطالب کے چہتر افراد آفات و حوادث سے تنگ آکر مصر چلے گئے۔

اسی زمانے میں جب ترکوں اور ایرانیوں نے یہاں تک **صفاریوں کا خروج** غلبہ پالیا۔ کہ خلفا محض شیعہ قالین بن کر رہ گئے۔ تو

ان سے نہ صرف نظام حکومت میں اختلال پیدا ہو گیا۔ بلکہ اسلامی مفاد بھی زیر و زبر ہونے لگا۔ یہ رنگ دیکھ کر صفاریوں کی ایک نئی قوت ظہور میں آئی اور انھوں نے میدان خالی پاکر سیستان اور ایران کے بڑے حصے پر تسلط بٹھا ہوئے اپنی حکومت قائم کر لی۔

یعقوب بن لیث دولت صفاریہ کا بانی تھا۔ وہ اور اس کا بھائی عمرو سجستان میں تانبے پیتل کے برتنوں کی دکان کرتے تھے۔ یعقوب عابد و زاہد۔ روحانی و دماغ۔ ہمت ور اور بہادر تھا۔ وہ دونوں بھائی صالح بن نصر کنانی کے

مل گئے۔ جو خارجیوں کا زور توڑنے میں بہت مشہور تھا۔ صالح کے زیرِ علم ایک زبردست گروہ جمع ہو گیا۔ اور اس نے عرب و ضرب سے بھستان کو زیرِ نگین کر لیا اس کے بعد ہی صالح نے وفات پائی۔ اور اس کے حسب وصیت یعقوب اس کا جانشین ہوا۔ وہ انتظامی قابلیت کا دھنی تھا۔ چنانچہ اس کی جماعت نے اسے اپنا امیر تسلیم کر لیا۔ اور اس نے بھستان میں خارجیوں کا قلع قمع کر کے اپنی حکومت کا پرچم لہرایا۔

اب یعقوب کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور اس نے اپنی طاقت میں اضافہ کر کے حملوں کی رفتار تیز کر دی۔ پہلے خراسان کی طرف پیش قدمی کی۔ اور ہرات و بلوشیج پر قبضہ کیا۔ پھر کرمان اور فارس پر بھی فتح کا جھنڈا لہرا دیا۔ اور بے شمار زر و مال اس کے ہاتھ آیا۔ پھر اس نے دربارِ خلافت میں تحریری اطاعت نامہ اور گراں بہا تحفے ارسال کر کے بھستان کی طرف مراجعت کی۔

طولون ایک ترکی غلام تھا۔ جسے ۲۰ھ میں نوح بن اسد والی احمد بن طولون

بخارا نے مامون کے پاس ہدیہ بھیجا تھا۔ احمد اس کا بیٹا یا برادر

دیگر متبنی تھا۔ احمد نہایت نیک باکمال اور نامور شخص تھا۔ ابن خلکان لکھتا ہے۔

” احمد انصاف پسند۔ سخی۔ بہادر۔ مدبر اور حسن سیرت کا پیکر تھا۔ تمام کام اپنے

ہاتھ سے کرتا تھا۔ رعایا پر نگرانی رکھتا تھا۔ شہروں کو آباد کرتا تھا۔ علما و فضلا

کا بڑا قدر شناس تھا۔ اس کا دسترخوان ہر کہ دمہ کے لئے گھلا تھا۔ ایک ہزار

دینار ہر روز محتاجوں اور مستحقوں میں بطور خیرات تقسیم کرتا تھا۔“

ایک دفعہ احمد سرمن رائے واپس جا رہا تھا۔ کہ راستے میں قافلے پر ڈاکہ پڑا اور

ڈاکوؤں نے جو سامان لوٹا تھا۔ اس میں مستعین کی چند فرمائشیں بھی تھیں۔ جو ایک

شاہی ملازم دارالخلافہ لے جا رہا تھا۔ احمد نے تہا ڈاکوؤں کا مقابلہ کر کے ان سے

سارا سامان چھین لیا۔ شاہی ملازم نے مستعین کی خدمت میں فرمائشیں پیش کرتے

وقت احمد کی بہادری کا واقعہ سنایا۔ مستعین نے اسے طلب کر کے ایک ہزار دینار

انعام دیا۔ پھر چند ہی روز کے بعد احمد نے اپنی قابلیت سے مستعین کے دل میں گھر کر گیا۔ اور جلد جلد ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا۔

مستعین کے بعد معتز نے احمد بن طولون مصر کا حاکم مقرر کیا۔ ۲۵۲ھ میں جب احمد مصر پہنچا۔ تو وہاں کے حاکم فراج ابن مدبر کا نقش اثر مٹا کر اپنی دھاگ بٹھالی اس کے باقی حالات آگے آئیں گے۔

آئے دن کی شورشوں اور بغاوتوں سے حکومت کو
وصیف اور بغا کا قتل | مالی حالت کمزور ہو گئی تھی۔ ۲۵۲ھ میں فوج کو پنا

پہنچنے تک تنخواہ نہ ملی۔ مطالبے کے جواب میں وصف نے کورا جواب دیا۔ اور فوج نے آگ بگولا ہو کر وصف کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

وصیف کا منصب بغا کو ملا۔ تو اسے بھی اپنی جان کی فکر ہو گئی۔ معتز اور بے کے درمیان معتز کے ولی عہدی سے اخراج اور حکومت سے محرومی کے سلسلے میں

کدورت پہلے ہی سے موجود تھی۔ اب معتز کو بغا کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا۔ تو اس نے بغا کے ترکی خریف امیر بابک کو اس کے مقابلے میں لاکھڑا کیا۔ بغا نے معتز

حملہ کرنے کا منصوبہ باندھا۔ مگر اس کی اس امید پر اس پڑ گئی۔ پھر وہ بغداد کو بھاگ نکلا۔ لیکن گرفتار ہو کر معتز کے دربار میں پیش کیا گیا۔ اس نے اسے ہتھیار کراد

سب سے پہلے قلم دان وزارت ابوالفضل جعفر بن محمود اسکانی کے
وزارت | ہاتھ میں آیا۔ وہ اگرچہ ناخواندہ تھا۔ لیکن فیاضی سے لوگوں کو گرد

کر رکھا تھا۔ ترکوں کی ایک مخالف جماعت نے اسے معزول کر دیا۔ تو ابوعلیسی بر فرغان شاہ اس منصب عالیہ پر سرفراز ہوا۔ وہ بھی کسی خاص قابلیت کا مالک

تھا۔ لیکن سخاوت کی خوبی سے آراستہ تھا۔ اس کے بعد یہ عہدہ ابو جعفر احمد اسرائیل انباری کے حصے میں آیا۔ وہ بے حد زیرک و فہیم اور بلند پایہ کاتب تھا

اس کی قوت حافظہ غیر معمولی تھی۔ ترک کسی وجہ سے اس کے مخالف ہو گئے۔ وہ قید و بند میں ڈال دیا گیا۔ ابن اسرائیل کے بعد ابن محمود اسکانی دوبارہ وزیر مقرر

۲۵۵ھ میں پھر پہلے کی طرح خزانے کے خالی
معتز کی معزولی اور وفات

ہو جانے اور فوج کی تنخواہیں نہ ملنے کے باعث
ہنگامہ برپا ہوا۔ ترکوں نے خلیفہ سے کہا۔ پوری تنخواہیں نہیں تو کم از کم پچاس ہزار
دینار ضرور دے دیجئے۔ معتز نے معذوری کا اظہار کیا۔ تو فوج نے قصر شاہی پر ہتھ
بول دیا۔ اور خلیفہ کو پکڑ کر باہر لانے کے بعد اسے بڑی طرح ذلیل کیا۔ پھر معزول
کر کے اس کا آب و دانہ بند کر دیا گیا۔

اس کے بعد باغی ترک محمد بن واثق کو بغداد سے سامرا لے آئے۔ اور رجب
۲۵۵ھ میں جب معتز سے باقاعدہ دست برداری لے لی گئی۔ تو محمد بن واثق کو
تحت خلافت پر متمکن کیا گیا۔

معتز نے ۴ سال ۸ مہینے اور چند روز کی خلافت کے بعد سفر آخرت اختیار
کیا۔

معتز نہایت خوش گل تھا۔ فصاحت۔ بلاغت اور خطابت
صورت اور سیرت

میں باکمال اور نامور تھا۔ تاج خلافت سر پر رکھنے کے
وقت سے دست برداری تک سارا زمانہ بغاوتوں اور انقلابات میں بسر ہوا۔
نہ اسے امن و سکون میسر آیا۔ اور نہ حکومت کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملا۔

مہتدی باللہ

۲۵۵ھ تا ۲۵۶ھ

ابو عبد اللہ محمد بن واثق الملقب بہ مہتدی باللہ ۲۱۸ھ میں پیدا ہوا۔ پہلے قید خانے
میں اپنے بھائی معتز باللہ سے ملاقات کر کے اس کے اور ترکوں کے درمیان صلح
کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن معتز نہ مانا۔ اس پر مہتدی نے اس سے فسخ بیعت کی اجازت
لے کر رجب ۲۵۵ھ میں تخت خلافت پر قدم رکھا۔

بغداد میں ہنگامہ

نامر میں اس انقلابِ عظیم کے رونما ہونے سے اہل بغداد بالکل بے خبر تھے۔ اور جب وہاں کے پولیس افسر سلیمان

بن عبداللہ نے دربارِ خلافت سے بیعت لینے کے حکم کی تعمیل میں شاہی خاندان کے رکن امیر ابو احمد کو طلب کیا۔ تو انھوں نے سابقہ ہنگاموں کے پیش نظر سلیمان پر شبہ کر کے اس کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے بڑی مشکل سے ابو احمد کی حفاظت کا یقین دلا کر انھیں واپس کیا۔

بغدادی فوج کو روپے کی اشد ضرورت تھی۔ اس لئے ہندی نے امیر یار جون کو تین ہزار اشرافیاں دے کر بھیجا۔ اہل بغداد یہ اطلاع پاتے ہی اس پر دھاوا بولنے کے لئے نکلے۔ اس نے مصلحت اندیشی سے کام لے کر مزید روپیہ منگوا لیا اور بغداد کے عام باشندوں میں بھی تقسیم کیا۔ جب کہیں اس ہنگامے کی آگ ٹھنڈی ہوئی۔ اور شعبان ۲۵۵ھ میں بغداد سے بھی خلیفے کی بیعت ہو گئی۔ اس فتنے کے دوران میں کچھ لوگ قتل و جرح کا تختہ مشق بنے۔ اور کچھ دریا میں غرق ہو گئے۔

معتز کی ماں قبیحہ زرد جو اہر میں کھلتی تھی۔ لیکن بخیل اتنی والدہ معتز کی جلا وطنی

کو ہوا نہ لگنے دی۔ چنانچہ وہ دولت کی حفاظت کے لئے روپوش ہو گئی۔ پھر یہ خیال کر کے کہ وہ شاہی جاسوسوں سے زیادہ عرصے تک چھپی نہیں رہ سکتی۔ اور وہ لوگ اسے ڈھونڈ نکالنے پر خدا جانے اس کے ساتھ کیسا سلوک کریں۔ خود ہی ظاہر ہو کر ساری دولت صالح بن وصیف کے سپرد کر دی۔ صالح نے پوری دولت سمیٹ کر جو لاکھوں اشرافیوں اور آن گنت گراں بہا جواہرات پر مشتمل تھی قبیحہ کو جلا وطن کر دیا۔

مساور خارجی کی بغاوت

مساور خارجی کی جو رگ بغاوت جوش میں آئی۔ اس نے ۲۵۵ھ میں موصل پر چڑھائی کر دی

اور وہاں کے باشندوں اور حاکم کے باہمی اختلاف سے فائدہ اٹھا کر اس میں دخل ہو گیا۔ پھر وہاں کے عامل عبداللہ بن سلیمان کے مکان کو نذر آتش کر کے حدیثہ کی راہ لی۔ مساور نے میدان خالی پا کر اور پاؤں پھیلانے شروع کر دیے۔ اور عراق کی آمدنی ہتھیالی۔ حکومت کی طرف سے ترک اس کے مقابلے کو نکلے لیکن ناکام واپس آ گئے۔

علی خارجی کا قیامت خیز فتنہ | بنی عبد قیس کا ایک معمولی آدمی علی بن عبدالرحیم منتصر کے اہل دربار کا ہم نشین تھا۔ اس نے

حکومت کی کمزوری اور انقلابات کو بھانپ کر سراٹھایا۔ اور خارجیوں کا عقیدہ رکھنے کے باوجود کبھی علوی اور کبھی عباسی بن کر ہوس اقتدار میں شورش کی آگ کو ہوادے دی۔ چنانچہ اس نے لاکھوں حبشی غلاموں کو آزادی کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور "صاحب الزنج" کہلانے لگا۔

بغاوت پسند عوام نے جب دیکھا۔ کہ ہر طرف "صاحب الزنج" کی روز افزوں طاقت کا طوطی بول رہا ہے۔ تو وہ بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ اس نے اپنی چال کو کامیاب اور ناک مدبیر کو نشانے پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر جب اتنی زبردست جمعیت کو اپنے زیر علم پایا۔ تو بے پناہ تاخت و تاج سے عراق بھر میں قیامت برپا کر دی۔ یہاں تک کہ طائران ہوا اور ماہیان دریا تک لرز لرز گئیں۔ اور عالم اسلام کا ذرہ ذرہ چیخ چیخ اٹھا۔ اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی۔

سامرا میں موسیٰ کا داخلہ | امیر بنگا کا بیٹا موسیٰ رے میں تھا۔ جب فوج کو خبر ملی۔ کہ امیر صالح بن وصیف نے کاتبوں سے

ایک رقم خطیر وصول کی ہے۔ تو فوج نے موسیٰ پر زور ڈالا۔ کہ وہ فوراً سامرا پہنچے۔ چنانچہ وہ طبرستان سے روانہ ہو گیا۔ صالح ہندی کو ترغیب دی۔ کہ موسیٰ کو رے میں واپس جانے کا حکم دے دیا جائے۔ ہندی نے ایسا ہی کیا۔ لیکن موسیٰ نے موالیوں کی ہٹ سے مجبور ہو کر سفر جاری رکھا۔ اور دربار خلافت میں اعتذار

لکھ بھجا۔ کہ واپسی کا قصد کرتے سے موالی مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔

محرم ۲۵۶ھ میں موسیٰ فوج لے کر سامرا پہنچ گیا۔ اُس روز ہتدی دربار لگا کر عیال کی داد رسی کر رہا تھا۔ موسیٰ نے باریابی کی اجازت لے کر ہتدی سے گفتگو کا آغاز کیا۔ کافی دیر تک بحث و تمحیص کے بعد فریقین میں معاہدہ ہو گیا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد ایک واقعے کی بنا پر ترک موالی کو شک ہوا۔ کہ ہتدی صالح کے ساتھ جانب داری برت رہا ہے۔ چنانچہ ترکوں نے ہتدی کو تاج و تخت سے محروم کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن امیر بابکیاں نے اس کے خلاف رائے دی۔

ہتدی کو اس فیصلے کی خبر ملی۔ تو اس نے گلے میں تلوار حائل کر کے ترکوں سے یوں خطاب

کیا:-

”مستعین اور معتز پر نہ بھول جانا۔ میں سر بکت اور کفن بدوش آیا ہوں جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے۔ وہ چمک چمک کر تمہارے سروں پر بجلیاں گراتی رہے گی۔ یاد رکھو۔ اگر میرا بال بھی بیکا ہوا۔ تو اس کے بدلے میں تمہاری پوری فوج کا تیا پانچا کر دیا جائے گا۔ کیا دین شرم اور ڈر دنیا سے اٹھ گیا۔ خلفا اور خدا سے یہ دشمنی۔ آخر یہ دیدہ دلیری کب؟ خلیفہ تمہارا دوست ہو یا دشمن۔ تمہاری جسارت دونوں صورتوں میں برابر قائم رہتی ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو۔ کہ میں تمہاری ذات سے کوئی بیوی نفع حاصل کرتا ہوں۔ تو بتاؤ۔ نفع کیا ہے۔ بابکیاں تمہیں علم ہو گا۔ کہ تمہارے بعض متوسلین کے پاس میری اولاد اور بھائیوں سے زیادہ دولت ہے۔ یقین نہ ہو۔ تو جاؤ۔ ان کے گھروں میں جا کر دیکھ لو۔ تمہیں وہاں فرش فردش۔ لونڈی غلام۔ خدم و حشم۔ جاگیر اور آمدنی کچھ بھی اپنے برابر نظر آتا ہے۔ پھر بھی تم سمجھتے ہو۔ کہ مجھے صالح کا علم ہے۔ اور میں بتاتا نہیں۔ صالح میں کیا خاص بات ہے۔ وہ بھی تمہاری طرح میرا ایک معمولی غلام ہے۔ جب اسے تم اچھا نہیں سمجھتے۔ تو میں اس

کے ساتھ کیونکر رہ سکتا ہوں۔ لیکن میں صلح کی تجویز ضرور پیش کروں گا۔ کیونکہ یہ تم لوگوں کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے۔ لیکن اگر اس کے باوصف تم اپنے مطالبے پر اڑے ہوئے ہو۔ تو تمہیں آزادی ہے۔ خوشی سے اسے تلاش کرو۔ اور اپنی تسلی کے لئے اس کے ساتھ جیسا سلوک چاہو روار کھو۔ ہاں یہ یاد رہے کہ مجھے صلح کے متعلق کوئی علم نہیں۔ قسم لینا چاہتے ہو۔ تو اس سے بھی انکار نہیں لیکن کل جمعہ میں بنی ہاشم۔ قضاة۔ حکام اور منصب داران حکومت کے سامنے حلف اٹھاؤں گا۔ بابکیال اور محمد بن بغا کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ صلح نے کاتبوں اور والدہ معتز کی جو دولت بھی لی ہے۔ وہ تمہارے سامنے لی ہے۔ اور اگر لی ہے تو تمہارا دامن بھی اس سے پاک نہیں۔“

یہ سن کر ترک واپس چلے گئے۔ لیکن بابکیال اور محمد بن بغا بھی ہتدی کے مخالف ہو گئے۔ اور ان سب نے بالاتفاق اسے معزول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

فیصلہ معزول کے متعلق ترکوں کی روش | معزولی کے اس فیصلے کو لباس عمل پہنانا آسان نہ تھا۔ رعایا کی ناراضی

اور روپے کی کمی راستے میں آہنی دیوار بن کر حائل ہو گئی۔ اسی اثنا میں فارس سے لسی لاکھ کا خراج آ گیا۔ ترکوں کی لٹائی ہوئی ہمت بندھ گئی۔ لیکن عوام میں ان کے خلاف طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ بعض موالی بھی ترکی امرا کے مخالف ہو گئے۔ اور تقسیم شاہرہ کی باقاعدگی کے مطالبے کے ساتھ سراطاعت ختم کرنے کا یقین دلایا۔

ہتدی کا رویہ اور وفاداروں کی عرضداشت | ہتدی نے مطالبے کا اطمینان بخش جواب دیا۔

اور انھوں نے دربار خلافت میں یہ عرضداشت ارسال کی :-

”تمام سیاسی معاملات امیر المومنین کے حضور میں پیش کئے جائیں۔ اور اس امر میں کوئی شخص مزاحمت نہ کرے۔ فوج کے رسوم عہدستعین کے مطابق کر دئے جائیں۔ اور وہ دربار خلافت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ جو کوئی اس باب

میں امیر المومنین سے مزاحم ہوگا۔ اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اور اگر
امیر المومنین کا بال بھی بیکا ہوا۔ تو موسیٰ بن بغا۔ بابکیال اور باجوہ تمام امر کی بوٹیاں
اڑا دنی جائیں گی۔“

مہندی نے یہ تمام مطالبات منظور کر لئے۔ اور ترک افسروں نے فوج سے معذرت
طلب کی۔ پھر فوج نے اور مطالبات پیش کرتے ہوئے کہا۔ جب تک صالح برآمد
نہ کیا جائے گا۔ اور اس کی اور موسیٰ بن بغا کی تماشی نہ لی جائے گی۔ اسے تسلی نہ ہوگی
مہندی نے ان مطالبات کی بھی منظوری دے دی۔ اس دوران میں فوج میں اختلاف
ہو گیا۔ اور ترک افسروں کو ترک فوج کی حمایت حاصل کر لینے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ
صالح کو تماش کرنے کے گرفتار کرنے کے بعد قتل کر دیا گیا۔

۲۵۶ھ میں ترکوں کا غلبہ و تشدد رنگ لایا۔ اور مہندی کو تاج و
مہندی کا قتل تخت سے محروم کر کے بہ تیغ کر دیا گیا۔ اس کی مدت خلافت
ساڑھے گیارہ مہینے تھی۔

مہندی کا قد چھوٹا۔ جسم موٹا۔ رنگ گندمی اور ڈاڑھی
صورت اور سیرت لمبی تھی۔

مہندی اگرچہ خود زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ لیکن علم دوست اور کمال پرور تھا۔
چنانچہ بہت سے عالم۔ فقیہ اور بالکمال لوگ اس کے دربار کی زینت تھے۔ اس
نے ان لوگوں کا وقار اور عظمت بڑھا کر انھیں مالالال کر دیا۔

انصاف۔ خوف خدا اور پابندی شریعت اس کے آئینہ سیرت کے نمایاں جوہر
تھے۔ ”قیتہ المظالم“ یعنی ایوان عدل میں وہ مظلوموں کی دادرسی کیا کرتا تھا۔ عدل
و انصاف کا وہ اس قدر سختی سے پابند تھا۔ کہ اپنے بیٹے تک کو بھی نہ چھوڑتا تھا
ایک مورخ کا بیان ہے کہ :-

”مہندی نے عمال حکومت کے ظلم و تعدی کو سختی سے روک دیا تھا۔ اس باب
میں اس نے اکثر رؤسا کو شکنجہ عقوبت میں جکڑ دیا۔“

خلفائے عباسیہ کے برعکس اس نے سادگی اور زہد و ورع کو اپنا اور طعننا چھوٹا بنا لیا تھا۔ وہ اپنے اہل خاندان سے کہا کرتا تھا کہ :-

” مجھے عمر بن عبدالعزیزؓ کے نقش قدم پر گام زن ہونے دو۔ کہ میں بنی امیہ کی

طرح بنی عباس میں بھی عمر بن عبدالعزیزؓ کی مثال پیدا کر دوں۔“

چنانچہ اس نے اپنے اس قول کو صحیح معنی میں عمل کا لباس پہنا کر دکھا دیا۔
ہاشم بن قاسم کہتے ہیں :-

” ایک دفعہ رمضان میں شام کے وقت میں ہتدی کے پاس بیٹھا تھا۔ چلنے لگا

تو اس نے مجھے بٹھالیا۔ پھر ہم نے افطار کیا۔ نماز پڑھی۔ اور ایک بید کی ڈلیا

میں ہتدی کا کھانا آیا۔ اس میں دو پتلی پتلی روٹیاں۔ ایک پیالی میں تھوڑا سا نمک

دوسری میں سرکہ اور تیسرے برتن میں روغن زیتون تھا۔ اس نے مجھے کھانا

کھانے کو کہا۔ میں اسے محض افطار سمجھ کر آہستہ آہستہ کھانے لگا۔ ہتدی نے کہا۔

کیا تمہارا روزہ نہ تھا؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ پوچھا۔ کیا کل روزہ

نہ رکھو گے؟ میں نے کہا۔ رمضان ہے۔ روزہ کیوں نہ رکھوں گا۔ کہا۔ پھر

اچھی طرح کھاؤ۔ کیونکہ اس کے سوا اور کھانا ہمارے یہاں نہیں۔ میں نے کہا۔

امیر المؤمنین! خدا نے آپ کو گونا گوں نعمتیں بخشی ہیں۔ پھر اس کے سوا کچھ کیوں

نہیں؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں یہ درست ہے۔ لیکن میں نے غور کیا۔ تو بنی

امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو پایا۔ کہ وہ کم خوری اور رعایا کے آرام و آسائش

کی فکر سے کمزور ہو گئے تھے۔ پھر میں نے اپنے خاندان کی طرف دیکھا۔ تو مجھے

بے حد شرم آئی۔ کہ ہم لوگ بنی ہاشم ہوتے ہوئے بھی ان کی مانند نہ ہوں۔ اس

لئے میں نے یہ طریق زندگی اختیار کیا :-“

معمد علی اللہ

۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ

معمد علی اللہ بن متوکل ۲۲۹ھ میں ایک کوئی لونڈی فقیان کے لطن سے پیدا ہوا۔ مہندی کے قتل کے بعد رجب ۲۵۶ھ میں ترکوں نے معمد کو جو سوق کے قید خانے سے نکال کر تخت نشین کیا۔ اور عام بیعت لی گئی۔ خلیفے نے عبید اللہ بن یحییٰ کو وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا۔ معمد کے عہد میں یہ تغیر قابل ذکر ہے کہ حکومت کا نظم و نسق ترکوں کے ہاتھ سے نکل کر اس کے بھائی موفق باللہ کے ہاتھ میں آ گیا۔ لیکن معمد اس کی چیرہ دستی سے سخت پریشان تھا۔ اس لئے اس نے ابن طولون کا سہارا لینا چاہا۔ مگر بے سود۔

ملک کا سیاسی مطلع | ملک کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ سیاسی مطلع تیرہ و تارک تھا۔ اطراف و اکناف میں شورش۔ بغاوت اور

طوائف الملوکی کے ہنگامے برپا تھے۔ غرض معمد کے زمانے میں حکومت عباسیہ کی مشینری کے تمام پڑزے گھس گئے تھے۔ موفق نے بد نظمی اور بد امنی کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ اور اسے بعض صورتوں میں کامیابی بھی ہوئی۔ لیکن دریا کا ٹوٹا ہوا بند ہاتھوں سے بند نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے شر و فساد کا طوفان زیادہ دیر تک نہ تھم سکا۔

عامل شام کا خروج | عیسیٰ بن شیخ عامل شام ابھی تک برابر امن شکن سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ اس نے معمد کی بیعت سے انکار

کر دیا۔ معمد نے مدبرانہ حکمت عملی سے کام لے کر شام کے علاوہ آرمینیا کا قلم دان حکومت بھی اس کے سپرد کر دیا۔ یہ ناوک تدبیر عین نشانے پر بیٹھا۔ اور اس

نے بیعت کر لی۔ **صاحب الزنج کی حشر آفریں شورش** | صاحب الزنج نے جس کی

قیامت خیز فتنہ آرائیوں کے ابتدائی حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ معتمد کے عہد میں زبردست قوت پکڑ کر تھوڑے ہی عرصے میں بصرہ - ابلہ - عبادان - ابواز - واسط وغیرہ عراق کے بڑے حصے پر تسلط بٹھالیا۔ اور چودہ پندرہ برس تک قاہرہ اور ہیما نہ ستم آرائیوں سے عالم اسلام کو جہنم نار بنائے رکھا۔

”صاحب الزنج“ کے ایک ساتھی مہلبی نے تو اہل بصرہ پر ظلم و جور کی وہ بجلیاں گرائیں۔ کہ چپے چپے سے الامان الامان کی صدائیں آنے لگیں۔ آخر جب وہ لوگ سخت تنگ آ کر سر بکف مقابلے کو نکلے۔ تو مہلب نے انھیں انتہائی سنگ دلی سے بے فرق و امتیاز بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ:-

”جان کے ساتھ عزت بھی خطرے میں تھی۔ سادات بنی ہاشم اور عرب کی عورتیں پکڑ کر دو دو تین تین درہم میں نیلام کی جاتی تھیں۔ اور زنگی عورتیں ان سے لوٹ یوں کی طرح کام لیتی تھیں“

مقتولین کی صحیح تعداد کوئی نہیں بتا سکتا۔ البتہ سرسری اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ تنہا مہلبی نے ۵ لاکھ آدمی قتل کئے۔ اور صرف بصرہ میں ایک دن میں ۱ لاکھ آدمی فنا کے گھاٹ اتارے گئے۔ آخر آتش و خون کے متعدد ہلاکت بار طوفانوں کے بعد ۲۷ھ میں موفق نے ”صاحب الزنج“ کو ٹھکانے لگایا۔ اور ساری اسلامی دنیا نے اطمینان کا سانس لیا۔

دولت صفاریہ کے بانی یعقوب بن لیث کے فارس
صفاریہ اور طاہریہ پر قبضہ اور سجستان کی طرف مراجعت تک کا حال
پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ۲۵۷ھ میں معتمد نے حسن بن فیاض کو فارس کا حاکم مقرر کیا۔ تو یعقوب آندھی کی طرح اس طرف آیا۔ لیکن معتمد نے طخارستان - بلخ اور سندھ کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔ تو وہ فارس کا خیال چھوڑ کر کابل چلا گیا۔ اور وہاں کے والی کو ٹھکانے لگا کر کابل پر قبضہ کر لیا۔

انھیں دنوں یعقوب کا ایک حریف عبداللہ السجری طاہری حکومت پر تصرف کرنے کے لئے نیشاپور پہنچا۔ اور محمد بن طاہر کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن فریقین میں صلح ہو گئی۔ اور ابن طاہر نے قہستان اور طیسین کی عنان نظام اس کے ہاتھ میں دے دی۔ یعقوب صفار کو اطلاع ملی۔ تو اس نے ابن طاہر سے عبداللہ کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ اور اس کے انکار پر خود نیشاپور پہنچا۔ اب طاہری حکومت دم توڑ رہی تھی۔ اس لئے یعقوب نے آسانی سے ابن طاہر اور اس کے تمام افراد خاندان کو گرفتار کر کے اس حکومت کو آغوشِ لحد میں سلا دیا۔

یعقوب نیشاپور آیا۔ تو عبداللہ السجری نے راہ فرار اختیار کر کے طبرستان میں حسن بن زید علوی کے پاس پناہ لی۔ اس لئے یعقوب نے طبرستان پہنچ کر ابن زید کو نیچا دکھایا۔ اور انھوں نے ولیم کا رخ کیا۔ اس دوران میں عبداللہ رے چلا گیا تھا۔ یعقوب نے وہاں کے حاکم سے عبداللہ کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ اس نے مجبوراً یہ مطالبہ منظور کر لیا۔ اور یعقوب عبداللہ کو قتل کر کے سجستان لوٹ گیا۔

دولت عباسیہ اور ابن واصل کی مخالفت سے فارس پر یعقوب کا قبضہ فائدہ اٹھا کر یعقوب فارس پہنچا۔ اور ابن واصل سے مقابلہ کر کے اسے شکست دینے کے بعد فارس کو زیر نگین کیا۔

دولت عباسیہ کے عاملین سے جنگ کے معتمد کے ساتھ یعقوب کی ٹکر سلسلے میں یعقوب خلیفہ کے احکام سے

سرتابی کرتا تھا۔ اس لئے یعقوب کو حکومت کے ساتھ ٹکر لگانی پڑی۔ معتمد نے تمام مشرقی علاقوں میں اعلان کر دیا۔ کہ وہ یعقوب صفار کے اعمال کا ذمہ دار نہیں۔ اس نے جو کچھ کیا ہے۔ مطلق العنانی سے کیا ہے۔ اس نے اسے کہیں کا حاکم مقرر نہیں کیا۔

یعقوب کو خیر ہوئی تو اس نے معتمد کی خدمت میں ایک درخواست ارسال

کی۔ جس میں یہ مطالبات درج تھے :-

(۱) طاہر بن حسین کے رقبہ حکومت کی عنان نظام میرے ہاتھ میں دے دی جائے۔

(۲) مجھے طبرستان۔ جرجان۔ رے۔ آذربائیجان۔ کرمان۔ سجستان۔ سندھ تمام مشرقی ممالک کا والی بنایا جائے۔

(۳) بغداد اور سرمن رائے کا پولیس کا محکمہ میرے متعلق کیا جائے۔

(۴) جن لوگوں نے معتمد کا پہلا فرمان سنا ہے۔ انہیں جمع کر کے اس کی منسوخی کا فرمان سنایا جائے۔

یہ عرض داشت ارسال کرنے کے بعد یعقوب نے بغداد کی راہ لی۔ معتمد اس سے شدید برہمی کی بنا پر برسر پیکار ہونا چاہتا تھا۔ لیکن مسلوب الاختیارات ہونے کے باعث مجبور تھا۔ کیونکہ حکومت کے سپید و سیاہ کا مالک موفق تھا۔ موفق نے اسے عازم بغداد ہونے سے روکنے کے لئے اس کے تمام مطالبات مان لئے۔ اس سے موالی آگ بگولا ہو کر یعقوب سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ان مطالبات کی منظوری کے بعد بھی یعقوب نے عزم بغداد ملتوی نہ کیا۔ اس سے مترشح ہوتا تھا۔ کہ وہ ترکوں کو دولت عباسیہ سے بیدخل کر کے خود اس پر چھا جانا چاہتا تھا۔ ترک موفق سے خفا ہو گئے۔ معتمد نے یعقوب کے بغداد آنے کی خبر سنی۔ تو وہ فرط غیظ سے آپے سے باہر ہو کر یعقوب سے مقابلے کے لئے میدان میں نکل آیا۔

ترکوں نے اسے قومی جنگ سمجھ کر سرد صرہ کی بازی لگادی۔ یعقوب بھی کچی گولیاں نہ کھیلا تھا۔ اس کی بہادری کا گھر گھر چرچا تھا۔ چنانچہ فریقین میں گھسان کارن پڑا۔ کشتوں کے پتے لگ گئے۔ خلیفہ کے بہ نفس نفیس میدان کارزار میں موجود ہونے کے باعث ترکوں کی ہمت بندھی ہوئی تھی۔ اور موجودگی معتمد کی بنا پر یعقوب کی فوج کا ایک حصہ جنگ سے گریزاں تھا۔ اس

لئے اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ لیکن خود آخر تک اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ جب اس کی فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ تو وہ بھی خوزستان کے راستے سے جزیرہ پور کی جانب چلا گیا۔ موفق نے فارس کو اس کے قبضے سے چھڑانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر بے سود۔

اسی سال احمد بن عبداللہ نجستانی نے خراسان پر قبضہ کر کے وہاں سے صفار کا نام و نشان مٹا دیا۔

۲۶۵ھ میں یعقوب صفار کو مرض الموت نے آگھیر لیا اور تھوڑے دنوں کے بعد اس کا انتقال ہو گیا یعقوب کی وفات

تدبیر و سیاست۔ بہادری اور حسن انتظام میں اپنی نظیر آپ تھا۔ اس کی تدبیر و سیاست کے واقعات سے تاریخوں کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

یعقوب کے بعد اس کے بھائی عمرو نے اس کی مسند نشینی پر قدم رکھا۔ اور اس نے خلافت

بغداد سے تعلقات استوار کر کے خراسان۔ اصفہان۔ سجستان اور خراسان کی عنان ولایت ہاتھ میں لیتے ہوئے بغداد و سرمن رائے کی شنگی کا پروانہ حاصل کیا۔

چند سال تک عمرو اور معتد میں بنی رہی۔ لیکن ۲۷۱ھ میں معتد کسی بنا پر اس سے ناراض ہو گیا۔ اور خراسان کا علاقہ اس سے چھین کر محمد بن طاهر کو دے دیا۔ طرفین میں جنگ ہوئی۔ اور عمرو بھاگ گیا۔ ۲۷۶ھ میں پھر اس پر معتد کی نظر عنایت ہو گئی۔ اور اسے شنگی بغداد کے منصب پر سرفراز کر کے ڈھالوں پر اس کا نام ثبت کر دیا۔

معتز کے عہد میں احمد بن طولون مصر کا حاکم تھا۔ معتد کے دور میں اس کے عروج و اقبال کا آفتاب نصف النہار

پر پہنچ گیا۔ کندی بیان کرتا ہے کہ۔

”عیسیٰ بن شیخ والی شام کی بغاوت کے خاتمے پر شام کی حکومت بھی ابن طولون کے سپرد کر دی گئی۔ لیکن مصر کا شعبہ خراج ابن مدبر کے ماتحت تھا۔ پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد معتد نے یہ شعبہ اور اس کے ساتھ سرحدات شام کی حفاظت بھی اسی کی تحویل میں دے دی۔ اس سے مصر۔ سکندریہ اور شام کا وسیع علاقہ ابن طولون کے ماتحت ہو گیا۔“

مقربزی لکھتا ہے۔ کہ:-

”ابن مدبر بہت بد نرشت اور بد دماغ تھا۔ اس نے گونا گوں تدابیر سے ابن طولون کو رام کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس کے دام میں نہ آیا۔ اس سے ابن مدبر نے اس کے خلاف ساز باز شروع کر دی۔ لیکن ناکام رہا۔ ابن طولون کے مدارج میں ترقی ہوتی چلی گئی۔ جس سے ابن مدبر کو اس کے آگے سر اطاعت خم کرنے کے سوا چارہ نہ رہا۔“

ابن طولون نے حکومت کے تمام شعبوں کو بام ترقی پر پہنچا دیا۔ اور ایک جدید خوش نما شہر آباد کیا۔ جس میں ہر قوم کے الگ الگ محلے اور تمام پیشہ وروں کے علیحدہ علیحدہ بازار بنوائے۔ گلیاں صاف ستھری اور سڑکیں وسیع تعمیر کرائیں۔ مسجد میں حمام اور شفاخانہ قائم کیا اور ایک وسیع سیرگاہ بنوائی۔

ابن طولون کے خلاف ساز باز | ابن طولون کا یہ عروج و اقبال دوسرے امرا کے لئے خار پہلو ثابت ہوا۔ اور

انہوں نے آتش حسد سے جل کر اس کے خلاف جوڑ توڑ کرتے ہوئے خلیفے کو اس سے منحرف کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان منصوبہ بازوں کی ایک نہ چلی۔ اور ابن طولون نے سارشیوں کے ایک سرغنہ ابن مدبر کو گرفتار کر کے قید و بند میں ڈال دیا۔

ابن طولون سے موفق کی ٹکڑا | ابن طولون کی یہ حیرت افزا اور رشک انگیز

ترقی خلافت عباسیہ کے مختار مطلق موفق کی نگاہوں میں بھی کاٹنا بن کر کھٹکتی تھی۔ لہذا وہ اسے قعر پستی میں گرانے پر تئل گیا۔ اور موسیٰ بن بغا کو اس کام کے لئے تیار کیا۔ موفق نے ابن طولون کو مصر سے معزول کر کے اس کی جگہ ماجور حاکم دمشق کو بھیجے کا حکم دیا۔ لیکن ماجور کو اس شجاعت آزماہم کا بیڑا اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اس لئے موسیٰ نے خود مصر کی جانب پیش قدمی کی۔ ابن طولون نے اطلاع پانے ہی جنگ کی زبردست تیاری کی۔ اتنے میں موسیٰ وہاں پہنچ گیا۔ اور دس مہینے تک رقبہ میں ٹھہرا رہا۔ لیکن میدان مقابلہ میں اترنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ موسیٰ کی فوج تنگ آکر اسے جنگ یا واپسی پر مجبور کرنے لگی۔ اسی دوران میں موسیٰ نے زندگی کی جنگ میں ہتھیار ڈال دئے۔ اور راہ عدم اختیار کی۔

انھیں دنوں ماجور عامل دمشق نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ **شام پر قبضہ** اب ابن طولون کے لئے حکومت مصر سے دمشق کا الحاق آسان ہو گیا۔ چنانچہ اس نے خود جا کر رملہ اور دمشق پر قبضہ کر لیا۔ پھر حمص، انطاکیہ اور طوس کو زیر نگین کر کے واپس چلا گیا۔

ابن طولون نے خیال کیا۔ کہ شام میں چند روز قیام **باپ بیٹے کی بغاوت** کر کے اس کی سرحد کو رومی حملوں سے محفوظ کر لینا چاہئے۔ لیکن اسی دوران میں اسے خبر ملی۔ کہ اس کے بیٹے عباس نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ فوراً عازم مصر ہو گیا۔ ادھر سے عباس بھی فسطاط پہنچ گیا۔ ابن طولون نے فسطاط پہنچ کر عباس کا قصور معاف کرتے ہوئے اسے بلا بھیجا۔ وہ آنے کو تیار تھا۔ لیکن کان بھرنے والوں نے اسے بھڑکا کر پھر روک دیا۔ اور وہ افریقہ چلا گیا۔ مگر وہاں بھی اسے ٹھہرنا نصیب نہ ہوا۔ اور تباہ حالی میں برقبہ لوٹ گیا۔

اس پر ابن طولون خود عباس کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوا۔ **عباس کا حشر** لیکن اس کی روش میں تبدیلی کی اطلاع پا کر خود روک گیا۔

اور صرف طیار کو روانہ کر دیا۔ اس نے عباس کو شکست دے کر گرفتار کرنے کے بعد ابن طولون کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نے بیٹے کو بغاوت کے جرم میں قطع دست و پا کی سزا دی۔

اہل طرطوس کی بغاوت | اس کے بعد ابن طولون نے اپنے غلام لولو کو فوج دے کر دمشق روانہ کیا۔ لیکن موفق نے اسے اپنے ساتھ ملا لیا۔ ابن طولون نے اطلاع پا کر اس کا تعاقب کیا۔ اور عامل طرطوس کے نائب خلف کو حکم بھیجا۔ کہ وہ مازیار خادم کو گرفتار کر کے بھیج دے۔ لیکن اہل طرطوس نے مازیار کو خلف سے چھین لیا۔ اور اسے نکال کر مازیار کو اس کی جگہ والی بنا دیا۔ ابن طولون نے خبر پاتے ہی اہل طرطوس کی سرکوبی کے لئے قدم بڑھایا۔ مگر معتمد کا ایک ضروری خط ملنے کے باعث یہ ارادہ ترک کر دیا۔

معتمد ابن طولون کی پناہ میں | معتمد نے موفق کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر ابن طولون کے دامن میں پناہ لینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اسے اپنی آمد کی اطلاع کے لئے خط لکھا۔ معتمد طرطوس کو روانہ ہونے والا تھا۔ مگر خط پا کر رُک گیا۔

معتمد نے شکار کے حیلے سے مصر کی راہ لی۔ اس خبر سے موفق کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اور اس نے اسحق بن کندرج کو لکھا۔ کہ جس طرح ہو سکے۔ معتمد کو ابن طولون سے نہ ملنے دو۔ اسحق نے حدیث میں معتمد کی خدمت میں تحفے ہنر کئے۔ اور تدبیر سے اس کے ہمراہیوں کو گرفتار کر کے معتمد کو سامرا واپس کر دیا۔ موفق نے اسحق کی اس جلیل القدر خدمت کے صلے میں اسے مصر کی ولایت بخش دی۔

ابن طولون کی وفات | اس واقعے سے موفق سے ابن طولون کے سابقہ اختلاف نے عداوت کا رنگ اختیار کر لیا۔ اور ابن طولون نے دمشق پہنچ کر اہل مصر کو حسب ذیل مضمون کا ایک خط تحریر کیا۔

”موفق نے معتمد کی بیعت فسخ کر دی ہے۔ اور اس کے ساتھ ایسا نامناسب تاؤ کیا ہے۔ کہ اس کا ذکر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ معتمد نے اس برتاؤ سے سخت پریشان ہو کر رورودیا ہے۔“

مصر والے یہ خط پڑھ کر موفق کے خلاف ہو گئے۔ اور ایک جماعت دمشق پہنچی وہاں کے سرحدی باشندے بھی آگئے۔ ابن طولون نے ان سب سے اعلان جہاد پر دستخط مثبت کرائے۔ پھر مازیار خادم کو ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن نہ مانا۔ اور مخالفت پر اڑا رہا۔ ابن طولون اس کے مقابلے کو طرطوس پہنچا۔ مازیار نے شدید مزاحمت کر کے اسے لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ ابن طولون مصیبت آگیا۔ اور چند روز کے بعد شکستہ میں وفات پا گیا۔

ابن طولون کے بعد اس کا بیٹا ابوالجیش خمارویہ باپ کی

ابوالجیش خمارویہ

مسند جانشینی پر متمکن ہوا۔ اب مختلف حریفوں کی نظر شام کی طرف اٹھنے لگیں۔ خمارویہ نے احمد واسطی اور سعد الایسر کو شام پر چڑھانے کے لئے بھیجا۔ اسحاق والی موصلی و جزیرہ اور ابن ابی السماج نے موفق کو فوج کشی کے لئے اکسایا۔ موفق دشمن کو شکست دے کر دمشق میں داخل ہو گیا۔ خمارویہ مصر میں خبر ہوئی۔ تو وہ ۲۶ھ میں شام پہنچا۔ لیکن زک اکٹھا کر فسطاط واپس چلا گیا۔ پھر سعد الایسر نے خمارویہ کی فوج سے موفق کو شکست دے کر دمشق واپس لے لیا۔ اس کے بعد خمارویہ اور موفق میں صلح ہو گئی۔ اور موفق نے خمارویہ اور اس کی اولاد کے نام مصر اور شام کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا۔

اسد بن سامان خراسان کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ نوح۔ احمد۔ یحییٰ۔ الیاس۔ جس

دولت سامانیہ

زمانے میں مامون الرشید مرو میں تھا۔ یہ چاروں بھائی اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مامون نے ان سب کو اعلیٰ عہدوں پر سرفراز کیا۔ اور اسد کی اولاد میں اعزاز برابر منتقل ہوتا رہا۔ احمد کے سات بیٹے تھے۔ جن میں سے نصر ۲۶ھ

اس کا قائم مقام ہوا۔ اور اسے ماوراء النہر کی حکومت عطا ہوئی۔ اس طرح یہاں دولت سامانیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

موصل کی بغاوت | موصل کے حاکم اساتگین کے بیٹے اور نائب اذکوٹکین نے جو سخت بدچلن تھا۔ اہل موصل پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے۔ جس سے رعایا اس کے خلاف ہو گئی۔ اور ایک اجتماع میں اس پر لعنت و ملامت کے تیر برسائے۔ اذکوٹکین کو اطلاع ہوئی۔ تو لشکر لے کر آ گیا۔ لیکن لوگوں نے مقابلہ کر کے اسے بھگا دیا۔ اور یحییٰ بن سلیمان کو امیر منتخب کر لیا۔ اساتگین کو خبر ملی۔ تو اس نے ہشیم بن عبداللہ کو مقابلے کے لئے موصل روانہ کیا۔ پھر اسحق بن ایوب کو اس مہم پر مامور کیا۔ اسے اس شرط پر صلح کرنی پڑی۔ کہ آئندہ اہل موصل کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ لیکن تھوڑے عرصے کے بعد ایک جھگڑے کی بنا پر اہل موصل نے اسے نکال دیا۔

ان دنوں "صاحب الزنج" کے ساتھ معرکہ آرائی کے باعث حکومت موصل کے انتظام کی طرف متوجہ نہ ہو سکی۔ اور وہاں خوارج و اعراب نے فتنہ انگیزی کا طوفان برپا کر دیا۔

موصل پر خارجی بڑی طرح چھائے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کے خلاف زبردست صف آرائیوں کے باوجود ان کا زور نہ ٹوٹ سکا۔ لیکن پھر ان میں خانہ جنگی کی آگ مشتعل ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں ہرون بن عبداللہ نے نواح موصل پر قبضہ کر لیا۔ اور یہ قبضہ سالہا سال تک قائم رہا۔

قرامطہ | ۲۷۸ھ میں حمدان قرمیط سواد کوفہ کے مقام نہرین میں ظاہر ہوا۔ وہ غالی شیعہ تھا۔ اس نے ایک نیا مذہب جاری کیا۔ وہ دن رات نمازیں پڑھتا اور لوگوں کو پچاس نماز روزانہ کی تلقین کرتا تھا۔ کھجوروں کے ایک باغ کا مال تھا۔ اس نے ظاہری زہد و نقشف سے لوگوں کے دل مٹھی میں لے لئے۔ جموں کے بجائے پیر کا دن مبارک سمجھتا۔ سال بھر میں دو روزے فرض

قرار دیتا۔ نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال کہتا۔ کاشت کاروں میں اس کے مریدوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس سے زراعت کو نقصان پہنچا۔ اس علاقے کے امیر مشیم کی آمدنی میں کمی ہونے لگی۔ تو اس نے تحقیقات کے بعد قرمط کو قید کر دیا۔ امیر کی ایک کنیز نے ترس کھا کر چوری چھپے اسے نکال دیا۔ عوام نے اسے قرمط کی کرامت سمجھا۔ اور اس کا مذہب دُور دُور تک پھیل گیا۔ لیکن اس کی تحریک کا پھول چونکہ کھل چکا تھا۔ اس لئے اس نے عراق کے قیام میں خطرہ محسوس کر کے شام کی راہ لی۔

معتد کے عہد میں بیرونی مہمات پھر شروع ہوئیں۔ ۲۵۹ھ میں جنگِ روم

میں رومیوں نے طرطوس کے قلعہ کر کرہ کو مسلمانوں سے چھین لیا۔ ۲۶۳ھ میں عبداللہ بن الرشید نے چالیس ہزار کے لشکرِ جرار کے ساتھ ارضِ روم پر فوج کشی کی۔ پہلے اسے فتح حاصل ہوئی۔ لیکن بعد میں گرفتار ہو کر قسطنطنیہ پہنچا۔ ۲۶۲ھ میں رومیوں نے ادنہ پر حملہ کیا۔ چار سو مسلمان شہید اور چار سو گرفتار ہوئے۔ اسی سال قیصر روم نے عبداللہ بن رشید کو مع چند مصاحف کے احمد بن طولون کے پاس ہدیہ روانہ کیا۔

۲۶۶ھ میں صقلیہ کے پاس رومیوں اور مسلمانوں کے جنگی بیڑوں میں معرکہ ہوا۔ جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اور رومیوں نے ان کی کئی جنگی کشتیاں پکڑ لیں۔ ابن طولون کے نائب شام نے ارضِ روم پر ایک کامیاب حملہ کیا۔ ان گنت مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

۲۶۸ھ میں ابن طولون کے عامل خلیف فرغانی والی شام نے بلا اور روم پر چڑھائی کی۔ دشمن کے دس ہزار آدمی کھیت رہے۔ اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔

۲۶۹ھ میں رومی ایک لاکھ کی ٹڈی ڈل فوج کے ساتھ مقامِ قلبیہ پر

جو طرس سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ رزم آرا ہوئے۔ ابن طولون کے غلام مازیار عامل طرس نے شب خون مار کر ان کے دانت کھٹے کر دئے۔ نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ کشتوں کے پتے لگ گئے۔ ستر ہزار رومی مارے گئے۔ بطریق اعظم مقتول ہوا۔ اور بے اندازہ مال غنیمت میسر آیا۔ جس میں جواہرات سے مرصع صلیب اعظم بھی تھی۔

۲۷۳ھ میں مازیار نے رومیوں کے خلاف کامیاب پیش قدمی کی۔

۲۷۸ھ میں مازیار اور احمد جعفری نے مل کر ارض روم پر فوج کشی کی۔ مازیار منجیق کا ایک پتھر لگنے سے واپس ہوا۔ اور راستے ہی میں سفر آخرت اختیار کیا۔ صقلیہ کی فتح سب سے زیادہ شاندار تھی۔ ۲۶۲ھ میں جعفر بن محمد امیر صقلیہ نے سمندر اور خشکی دونوں طرفوں سے صقلیہ کے صدر مقام سرقوسہ کا محاصرہ کیا۔ رومیوں نے بحری بیڑا روانہ کیا۔ لیکن مسلمانوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اور چند ماہ کے بعد سرقوسہ زیر نگیں ہو گیا۔ مسلمانوں نے بے شمار مال غنیمت پر قبضہ کر لیا۔

۲۷۸ھ میں معتمد کے بھائی اور ولی عہد موفق نے وفات پائی۔ **ولی عہدی** اور فوج نے معتمد کے بیٹے جعفر کی جگہ موفق کے بیٹے معتضد کو نام زد کیا۔ لیکن اس کا نام جعفر کے بعد رکھا۔ ۲۷۹ھ میں معتمد نے خود جعفر کے بجائے معتضد کو ولی عہد مقرر کیا۔

معتمد کے زمانے میں چھ اشخاص یکے بعد دیگرے وزارت کے عہدے **وزارت** پر فائز ہوئے۔ سب سے پہلا وزیر عبداللہ بن یحییٰ تھا جس کے حالات بیان ہو چکے ہیں۔

دوسرا وزیر حسن بن مخلد تھا۔ جس کا شمار اپنے وقت کے نامور کاتبوں میں ہوتا تھا۔ قوتِ حافظہ میں اپنی نظیر آپ تھا۔

اس کے بعد یہ منصب عالیہ سلیمان بن وہب کو ملا۔ جو علم و فضل و دانائی و

فرزانی اور دفتری کاموں کی دسترس میں دُنیا بھر کے بڑے بڑے کاتبوں میں ایک ممتاز مقام پر متمکن تھا۔ اس کا رشک انگیز عروج و اقبال مامون کی جوہر شناس نظر کا شرمندہ احسان تھا۔

چوتھا وزیر اسمعیل بن یلیل نہایت سخی۔ صاحب جاہ و حشم۔ صاحب سیف اور صاحب قلم تھا۔ آخر میں کسی وجہ سے قید و بند میں ڈال دیا گیا۔ اور وہیں تہ تیغ کر دیا گیا۔

بعد ازاں یہ عہدہ جلیلہ احمد بن صالح بن شیرزاد قطربلی کے حصے میں آیا۔ وہ ایک فصیح و بلیغ انشا پرداز اور نظم و نثر دونوں پر استادانہ قدرت رکھتا تھا۔ لیکن ایک ہی مہینے کی وزارت کے بعد اسے پیام اجل آ گیا۔

چھٹا وزیر سلیمان بن وہب کا بیٹا عبداللہ فہم و فراست کا پتلا اور نامور کاتب تھا۔ ۲۸۸ھ میں انتقال کیا۔

۲۰ رجب ۲۷۹ھ کو معتد نے پچاس سال چھ ماہ کی عمر میں ساڑھے

وفات ۲۸۸ھ میں انتقال کیا۔ اور سامرا میں مدفون ہوا۔

مستند برائے نام خلیفہ تھا۔ اور ہر وقت عیش و عشرت میں مشغول رہتا تھا۔ جملہ امور مملکت موفق انجام دیتا تھا۔ اس نے تدبیر و سیاست اور تمام اوصاف جہاں بانی کے بل پر حیرت انگیز کارنامے انجام دئے۔ اور ترکوں کا جو سلطنت کے سیاہ و سپید پر چھلے ہوئے تھے۔ زور توڑ ڈالا۔

معتضد باللہ

۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ

ابوالعباس احمد بن موفق الملقب بہ معتضد باللہ ربیع الاول ۲۷۳ھ میں صواب
لنیز کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور اپنے چچا کی وفات کے بعد رجب ۲۷۹ھ میں تخت
پر بیٹھا۔ اس نے اپنے غلام بدر کو بغداد کا کو تو ال اور عبید اللہ بن سلیمان کو وزیر
مقرر کیا۔ وہ بڑا معاملہ فہم۔ مدبر اور صاحب جبروت بادشاہ تھا۔ اس نے ترکوں
اور مخالف طاقتوں کو زیر کر کے دولت عباسیہ کو پام ترقی پر پہنچا دیا۔

رافع بن ہرثمہ کا خاتمہ | رافع بن ہرثمہ نے علم بغاوت بلند کر کے خراسان
کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس لئے معتضد

نے اس سے خراسان کی نیابت چھین کر احمد بن عبدالعزیز کو اس کے اخراج
پر مامور کیا۔ اس نے رافع کو شکست دے کر نکال دیا۔ لیکن انھیں دونوں ابن
عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔ تو رافع پھر سے پہنچ گیا۔ اب کے عمرو بن لیث
صفاری حاکم خراسان خود اس کے مقابلے کو بڑھا۔ رافع مختلف سرحدی طاقتوں
کے باہمی اختلاف سے فائدہ اٹھا کر میدان میں ڈٹ گیا۔ لیکن عمرو نے اسے
شکست دی۔ اور وہ خوارزم بھاگ گیا۔ وہاں ابو سعید فرغانی نے اسے تلوار کے
گھاٹ اتار کر اس کا سر عمرو کے پاس بھجوا دیا۔

خارجیوں کی سرکوبی | خارجیوں کے ایک سردار ہارون نے بغاوت پر مگر
باندھ کر نواح موصل پر قبضہ کر لیا۔ محمد بن اسحاق بن کنجلیج

نے ہارون بن سہام شیبانی کو موصل کا والی مقرر کیا۔ اس پر شیبانیوں اور خارجیوں
میں مقابلہ ہوا جس میں خارجیوں کو شکست ہوئی۔

۲۸۰ھ میں خارجیوں اور رومیوں میں خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔ اور یہ تباہ کن
ہنگامہ عرصے تک قائم رہا۔

اسی سال معتقد خود باغیوں کی سرکوبی کے لئے نکلا۔ اور مرد میدان بن کر ان کے چھلکے چھڑاتے ہوئے بے شمار خارجیوں کو فنا کے گھاٹ اُتارا۔

عربوں اور کردوں کو مغلوب و مطیع کر کے معتقد نے موصل کی عنان انتظام نصر قشوری کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بغداد کو مراجعت کی۔ لیکن اس کے بعد فوراً ہی خارجی پھر سرکشی پر اتر آئے۔ اور نصر کی جماعت پر دھاوا بول دیا۔ معتقد نے حسن بن علی کو موصل کا حاکم مقرر کیا۔ وہ پوری تیاری سے مقابلے کو آڈٹا۔ گھسان کارن پڑا۔ خارجیوں نے سترہ جملے کئے۔ لیکن حسن نے ان کی کچھ پیش نہ جاتے دی اور تہایت بہادری سے مدافعت کرتے ہوئے ان گنت خارجیوں کو قتل کر کے۔ میدان کارزار کو لاشوں کا کھیت بنا دیا۔

ہارون بیچ نکلا تھا۔ اس لئے ۲۸۳ھ میں معتقد نے پھر موصل کے لئے سخت سفر بامدعا۔ اور ہارون کو گرفتار کر کے اس کی قشہیر کرنے کے بعد سولی پر لٹکا دیا۔ اب موصل میں امن و سکون کی خوش گوار ہوائیں چلنے لگیں۔

قرامطہ جب قرمطی تحریک کا رہنما حمدان شام چلا گیا۔ تو اس کے بعد یہ تحریک ترقی طور پر پھولتی پھلتی رہی۔ اور اس کے پیروؤں کی تعداد اندر ہی اندر حیرت انگیز طریق سے بڑھتی چلی گئی۔ اس کا میدان ترقی زیادہ تر بحرین کا علاقہ تھا۔ ۲۸۴ھ میں ایک قرمطی مبلغ یحییٰ بن مہدی نے قطیف میں داعی مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور امام زمان کا ایک خط پیش کیا۔ شیعوں نے اس دعوت کے لئے دیدہ و دل فرس راہ کر دیے۔ کچھ عرصے کے بعد یحییٰ نے دواؤں خط پیش کئے۔ اور شیعوں نے حروف بحرف ان کے مندرجہ احکام کی تعمیل کی۔ ۲۸۶ھ میں ابو سعید خنالی نے اس تحریک کا علم بلند کر کے ایک کثیر التعداد اور زبردست جمعیت اپنے گرد جمع کر لی۔ اس نے قطیف میں قیام کر کے اہم ساز و سامان سے لیسے ہوتے ہوئے بصرہ کا قصد کیا۔ ادھر یحییٰ نے مختلف متعدد قبیلوں میں دورہ کر کے بہت سے آدمی اپنے ساتھ ملائے۔ یہاں تک کہ

۲۸۷ھ میں قرامطہ نے ہجر کے مضافات میں ترک تاز شروع کر دی۔ معتقد نے صورتِ حالات سے اطلاع پاتے ہی عباس بن عمر عنوی حاکم فارس کو پیام اور بحریں کا والی مقرر کر کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ بصرہ میں معرکہ آرائی ہوئی اور ابو سعید نے فتح حاصل کر کے عباس کو گرفتار کرنے کے بعد اس کے ہمراہیوں کو آگ میں ڈال ڈال کر جلا دیا۔

اس کامیابی کے نشے میں سرشار ہوا کے گھوڑے پر سوار قرامطہ بڑھتے چلے گئے اور مضافات کو فہ میں تاخت و تاراج شروع کر دی۔ ایک طالبی غلام بدر نے میدانِ مقابلہ میں اتر کر قرامطہ کے بہت سے امرا کو تہ تیغ کر دیا۔ اور معتد کی فوجوں نے بھی ان کے ہزاروں افراد کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر قرامطہ کا ایک داعی ذکر ویہ بن مہر ویہ بنی قلیصر کو ساتھ ملا کر سرحد شام تک تباہی اور بربادی پھیلاتا چلا گیا۔ اور کسی کے روکے نہ روک سکا۔

اسمعیل اور عمرو کی جنگ | عمرو بن لیث صفاری نے رافع بن ہرثمہ کا خاتمہ کرنے کے صلے میں معتقد سے ماوراء النہر کی

حکومت کا مطالبہ کیا۔ اس نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اور عمرو نے محمد بن بشیر کو اس علاقے پر تصرف کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اسمعیل سامانی حاکم ماوراء النہر نے ابن بشیر کا مقابلہ کر کے اسے شکست دی۔ اس پر عمرو خود میدان میں اتر آیا۔ لیکن وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ معتقد نے اسے قید کر کے اس کا سارا علاقہ اسمعیل کے حوالے کر دیا۔

علویوں کا خروج | عمرو بن لیث کی اسیری سے طبرستان کے علویوں کے

دل میں خراسان پر قبضہ کرنے کی دیرینہ آرزو نے پھر سراٹھایا۔ اور محمد بن زید نے غلم خروج بلند کر کے خراسان پر حملہ کرنے کے لئے باگ اٹھالی۔ باب جرجان میں آتش و خون کا سمندر موج زن ہوا۔ ابن زید شکست کھا کر شدید مجروح ہوئے۔ اور چند روز کے بعد انتقال کر گئے۔

۲۸۵ھ میں موفیق کے غلام راعب نے بحری حملہ کیا۔
رومیوں سے جنگ اور رومیوں کے تیس جہاز جلا کر تین ہزار رومیوں کو
 فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ ۲۸۷ھ میں رومیوں نے طرطوس پر فوج کشی کی۔ وہاں
 کے عامل ابو ثابت نے انھیں شکست دی۔ لیکن بد قسمتی سے ان کے ہاتھوں
 میں گرفتار ہو گیا۔

۲۸۸ھ میں حسن بن علی کورہ نے متعدد رومی قلعوں پر حملہ کر کے ان کے
 بہت سے آدمی گرفتار کر لئے۔ رومیوں نے جوش انتقام میں کیسوم پر چڑھائی
 کر کے پندرہ ہزار مسلمان گرفتار کئے۔

پہلا وزیر عبید اللہ بن سلیمان تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس
وزارت کے بعد اس کا بیٹا قاسم منصب وزارت پر فائز ہوا۔ وہ علم و
 فضل کا پیکر۔ مدبر و سیاست کا مجسمہ اور شان و شکوہ کی تصویر تھا۔ قاسم معتقد
 کے اختتام عہد تک اپنے منصب پر قائم رہا۔

ربیع الاول ۲۸۹ھ میں معتقد بیمار ہوا۔ اور بیماری نے مرض الموت
وفات کی صورت اختیار کر لی۔ اس کے بیٹے اور ولی عہد مکتفی باللہ کی
 بیعت کی تجدید کی گئی۔ آخر ربیع الاول اور برودایت دیگر ربیع الآخر میں اس
 نے سات سال نو چھینے خلافت کرنے کے بعد انتقال کیا۔ چار بیٹے اور
 گیارہ بیٹیاں یادگار چھوڑیں۔

معتقد دبدبہ و سطوت۔ بلند ہمتی۔ عالی حوصلگی اور اخلاق
متفرق حالات حمیدہ کا پیکر تھا۔ اس نے دولت عباسیہ کو نشاۃ ثانیہ
 عطا کرنے میں اعجاز مسیحائی سے کام لیا۔ مسعودی بیان کرتا ہے:-

”جو نہی معتقد سریر آرائے خلافت ہوا۔ فتنہ و فساد کے شعلے بجھ گئے جنگ
 و جدل کا طوفان تھم گیا۔ شورش و بغاوت کے ہتکامے دب گئے۔ ظفر و اقبال
 نے اس کے قدم چومے۔ مخالفین نے گھٹنے ٹیک دیے۔ مشرقی اور مغربی

علاقے زیر اطاعت آگئے۔“

ابن طقطقی کا بیان ہے کہ:-

■ معتضد زبیرک - دانا - عالم و فاضل اور اخلاق عالیہ سے آراستہ تھا۔ اس کے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے وقت سلطنت میں بربادی کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ سرحدیں کمزور تھیں۔ اس نے نہایت قابلیت سے ملاحی قدم اٹھایا۔ جس سے سلطنت کے گوشے گوشے میں رونق و آبادی کے پھول برسنے لگے۔ سرحدیں مستحکم ہو گئیں۔ وہ سیاست کا دھنی اور مفید پر دازوں کے لئے پیامِ اجل تھا۔ اس نے رعایا کو فوجوں کی چیرہ دستی سے محفوظ کر دیا۔ اس کے عہد میں شور و شر کے جھکڑا چلے۔ سرکشی و بغاوت کی بجلیاں کوندیں۔ عمرو بن لیث الصفاری نے زبردست اقتدار حاصل کر کے عجم کے بڑے علاقے پر تسلط بٹھالیا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ میں دریائے پنج پر سونے کا پل بنا سکتا ہوں۔ اس کے باورچی خانے کا سامان چھ سو اونٹوں پر بار ہوتا تھا۔ لیکن معتضد کے جاہ و جلال نے اسے قید و بند میں ڈال دیا۔ اس نے خلافت عباسیہ کو از سر نو منظم و مضبوط کر دیا۔ رعایا کو عدل و انصاف سے نوازا۔ اور مرتے وقت بہت سی دولت چھوڑ گیا۔“

یہ ذریعے کارنامہ معتضد کے تاجِ عظمت و فضیلت میں در شہوار بن کر چمک رہا ہے۔ کہ اس نے ترکوں کی ترکی تمام کر کے ظلم و جور کا قلع قمع کر دیا۔ جس سے رعایا نے اطمینان کا سانس لیا۔ حکام کو جبر و تشدد سے روک کر عدل و انصاف کی تلقین کی۔

اس حسن تدبیر سے عدالتوں میں بھی مساوات کے منظر دکھائی دینے لگے۔ اس ضمن میں ایک دلکش واقعہ یہ ہے کہ:-

” ایک امیر کے ذمے بہت سے لوگوں کا قرض تھا۔ قرض خواہوں نے قاضی ابو عازم کی عدالت میں نالش کی۔ وہ امیر معتضد کا بھی مقروض تھا۔ اس نے

قاضی کے پاس پیغام بھیجا کہ یہ شخص میرا بھی مقروض ہے۔ میرا قرض بھی دلایا جا۔
 قاضی نے جواب دیا۔ میں شہادت کے بغیر کسی دعوے کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ معتقد
 نے دو معزز آدمیوں کو اپنا شاہد قرار دیا۔ قاضی نے کہا۔ گواہوں کو عدالت
 میں آکر گواہی دینی چاہئے۔ لیکن قاضی کی جرح کے ڈر سے کوئی گواہ بھی عدالت
 میں جا کر شہادت دینے پر رضامند نہ ہوا۔ اس لئے معتقد کے دعوے کی
 سماعت نہ کی گئی۔“

معتقد کی انتظامی قابلیت سے حکومت کی آمدنی میں نمایاں اضافہ ہو گیا۔ کہاں
 وہ تباہی خیز زمانہ کہ خزانہ خالی ہونے کے باعث کئی کئی ہینوں تک تنخواہیں بھی
 تقسیم نہ کی جاسکتی تھیں۔ اور کہاں یہ آسودگی بخش عہد کہ سلطنت کے ضروری
 مصارف کے بعد ہر سال خزانے میں ایک معقول رقم جمع رہتی تھی۔ پھر لطف یہ
 کہ کوئی نیا ٹیکس لگانے کے بجائے بعض پرانے ٹیکس بھی بند کر دئے گئے تھے
 معتقد نے نفع بخش سیاسی اصلاحات کے ساتھ ساتھ قابل قدر
 دینی خدمت

مذہبی خدمات بھی انجام دیں۔ وہ بڑا نیک اور دین دار تھا۔
 یونانی فلسفے کا چرچا ہو جانے کے باعث عوام کے عقائد و خیالات بہت ناقص
 ہو گئے تھے۔ اس لئے معتقد نے مذہبی جھگڑوں کے انسداد کے لئے فلسفہ اور
 مذہب کی کتابوں کی اشاعت روک دی۔ ادہام و خرافات کو مٹانے کے لئے
 منجموں اور قصہ خوانوں کو عام گزرگاہوں پر بیٹھنے سے منع کر دیا۔ جوسیوں کی
 دیکھا دیکھی مسلمان بھی نوز کو آگ جلاتے۔ اور عید مناتے تھے۔ معتقد نے
 یہ مشرکانہ رسم حکماً بند کر دی۔

کسی رنگین مزاج شخص نے گانے۔ متعہ اور نیند کے مختلف فیہ مسائل سے
 متعلق صرف جواز کے پہلو دکھا کر ایک کتاب میں جمع کئے۔ معتقد نے قاضی
 اسماعیل سے رائے لینے کے بعد اسے زندق کی پوٹ سمجھتے ہوئے نذر آتش
 کرا دیا۔

ذوی الارحام کی میراث کے باب میں معتقد نے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہوئے انہیں حصہ دلانے کا التزام کیا۔ جس سے رعایا خوش ہو کر اس پر جان چھڑکنے لگی۔

مکتفی باللہ

۲۸۹ھ تا ۲۹۵ھ

علی نام۔ ابو محمد کنیت۔ مکتفی باللہ لقب۔ ۲۶۳ھ یا ۲۶۴ھ میں ایک ترکی کنیز جیجک کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور جمادی الاولیٰ ۲۸۹ھ میں اپنے باپ معتقد کی وفات کے بعد تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

بدر حامی بدر حامی معتقد کا مشہور غلام تھا۔ اور اس کے عہد میں سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہ چکا تھا۔ وہ اپنے آقا کے انتقال کے وقت فارس کا حاکم تھا۔ معتقد کے وزیر قاسم بن عبید اللہ اور بدر میں مخالفت تھی۔ کیونکہ قاسم نے معتقد کے جیتے جی اس کے خاندان سے خلافت کے خراج کی کوشش کی تھی۔ اور بدر نے اس سے شدید اختلاف کا اظہار کیا تھا۔ اب قاسم کو بدر سے اٹھانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس لئے وہ ہاتھ دھو کر بدر کی جان کے پیچھے پڑ گیا۔ مکتفی کسی بنا پر بدر سے ناراض تھا۔ اس سے قاسم کے گھر میں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ اور اس نے مکتفی کے دل میں بدر کی طرف سے بغاوت کی آگ بھڑکادی۔ مکتفی نے بدر کو فارس کی حکومت سے برطرف کر دیا۔ اور جب وہ بغداد آ رہا تھا۔ تو راستے ہی میں قاسم کے مقرر کئے ہوئے آدمیوں نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔

شام میں قرامطہ کی ہنگامہ خیزی | مکتفی کے زمانے میں قرامطہ کی ہلاکت

بار سرگرمیوں کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی۔ انھوں نے کوفہ میں زک اٹھانے کے بعد دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اس پر مکتفی خود مقابلے کو نکلا۔ ۲۹۱ھ میں رقبہ پہنچ کر قیام کیا۔ اور محمد بن سلیمان کو ایک جرّار فوج دے کر اس گروہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اس نے نہایت مستعدی سے داد شجاعت دے کر قرامطہ کے چھکے چھڑا دئے۔ ان کا سردار ذکر وہ ۲۹۱ھ میں گرفتار ہو کر مکتفی کے ہاتھ سے تہ تیغ ہوا۔ اور بے شمار قرامطہ مقتول۔ گرفتار اور مفروز ہوئے۔ ذکر وہ کے بعد اس کے بھائی حسین نے سراٹھایا۔ اور بقیۃ السیف قرامطہ کو جمع کر کے فتنہ و فساد کے شعلوں کو ہوا دی۔ لیکن وہ بھی قتل کر دیا گیا۔ اور شام میں امن قائم ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد قرامطہ نے یمن کو اپنی فتنہ انگیزیوں کی جولان گاہ قرار دیا۔

احمد بن طولون والی مصر کا پوتا ہارون سخت نااہل نکلا۔ اور بنی طولون کا خاتمہ دولت عباسیہ کی نظروں سے گرجانے کے علاوہ خود اپنے

عزیزوں اور امرا کی نگاہوں میں بھی ذلیل ہو گیا۔ چنانچہ بدرحسامی اور امیر فائق طولونی نے جو حکومت طولونی کی طرف سے شام کے حاکم تھے۔ ہارون کے خلاف ہو کر عباسی امیر محمد بن سلیمان کو مصر پر حملہ کرنے کے لئے لکھا۔ ۲۹۱ھ میں محمد بن سلیمان اور امیر میانہ والی سرحد نے یک بارگی مصر پر چڑھائی کر دی۔ ہارون نے مقابلہ کیا۔ لیکن شکست فاش کھائی۔ صفر ۲۹۲ھ میں ہارون کے مخالف چپاشیبان اور عدی نے موقع پا کر اسے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔

اب مصر پر شیبان کا پرچم حکومت لہرانے لگا۔ لیکن ہارون کے بعض ہواخواہ اس قتل کو پسند نہ کر کے محمد بن سلیمان کے ساتھ مل گئے۔ اور فسطاط میں میدان کارزار گرم ہوا۔ شیبان کو سر اطاعت خم کرنے کے سوا چارہ نہ رہا۔ اور ربیع الاول ۲۹۲ھ میں ابن سلیمان نے فسطاط کو زیر نگین کر لیا۔ پھر اس نے طولونی خاندان کے تمام افراد کو حکومت سے بے دخل کر کے مصر اور شام سے طولونی حکومت

نام و نشان مٹا دیا۔

۲۹۲ھ میں مکتفی نے ابوالہیجا عبداللہ بن حمدان ثعلبی کو صوبہ روم کی حکومت عطا کی۔ لیکن چند ہی روز بعد کردوں نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ ابن حمدان نے مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ اور ۲۹۳ھ میں دربار خلافت سے مکہ لے کر دوبارہ فوج کشی کی۔ کرد خوف زدہ ہو کر کوہ سلق کی ایک گھاٹی میں چلے گئے۔ بہت دنوں تک جنگ کا بازار گرم رہا۔ آخر کردوں کے سردار محمد بن بلال نے اطاعت قبول کر لی۔ تمام کردوں نے ہتھیار ڈال دئے۔ اور موصل میں پوری طرح امن قائم ہو گیا۔

مکتفی کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ۲۹۲ھ میں زرفہ **فتوحات** نے اناطولیہ کے ساحلی شہر انطاکیہ پر فوج کشی کی۔ اور رومیوں کا ٹڈی دل لشکر بحری مقابلے کے لئے آگیا لیکن اس نے ٹنڈ کی کھائی۔ اور مسلمانوں نے رومی بیڑے پر قبضہ کر لیا۔ بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

۲۹۳ھ میں اندورقس رومی نے مرعش پر تاخت و تاراج کی۔ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کام آئی۔ سرحد کے نئے حاکم رستم بن براد نے فدیہ دے کر بارہ سو مسلمانوں کو رومیوں کی قید سے نجات دلوائی۔ اسی سال رومیوں نے قورس واقع حلب پر فوج کشی کر کے بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ اور گرفتار کیا۔ اور قورس کی جامع مسجد کو آگ لگا دی۔

۲۹۳ھ میں ابن کینغلیغ نے ایشیائے کوچک پر حملہ کر کے چار ہزار رومی گرفتار کئے۔ پھر شکنہ پر فتح کا پرچم لہراتے ہوئے لیس تک پیش قدمی کی۔ اور پچاس ہزار رومی گرفتار کر کے بے شمار قناکے گھاٹ اتارے۔

پہلا وزیر قاسم بن عبید اللہ تھا۔ جس کے حالات بیان ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد قلم دان وزارت عباس بن حسن کے سپرد ہوا۔ **وزارت**

لیکن وہ نااہل اور عیاش تھا۔

۲۹۵ھ میں مکتفی نے ساڑھے چھ سال خلافت کرنے کے بعد وفات

وفات

پائی۔ اور امیر محمد بن طاہر کے مکان میں رسم تدفین عمل میں لائی گئی۔

انتقال سے پہلے اپنے سیزدہ سالہ بھائی جعفر کو ولی عہد مقرر کیا۔

مکتفی کی فطرت میں نرمی اور تحمل کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا

اخلاق و عادات

تھا۔ عفو خطا میں مشہور تھا۔ اس نے مجرموں کی سزا

دہی کے لئے معتقد کے بنوائے ہوئے تہ خانے مسمار کرا کے ان کی جگہ مسجدیں

تعمیر کرا دیں۔ اور اپنے پیش رو کے زمانے کے تمام قیدی رہا کر دئے۔

معتقد نے اپنا محل تعمیر کراتے وقت رعایا کے باغ اور دکانیں لے لی تھیں

مکتفی نے ان تمام کو ان کے مالکوں کے حوالے کر دیا۔ اور بہت سا نقد روپیہ

بھی عطا کیا۔ ان قابل تعریف اوصاف کے باعث اس نے رعایا کا دل

ٹٹھی میں لے لیا تھا۔ اور ہر لب اس کے لئے دعائے خیر کرتا تھا۔

کفایت شعار اتنا تھا کہ اس کی یہ عادت بخل تک پہنچ گئی تھی۔ کھانا کھانے

کے بعد روٹیوں کے بچے ہوئے ٹکڑے خرید بنانے کے لئے محفوظ کر لیتا تھا۔

اور سالم روٹیوں کو دوسرے وقت کے لئے بچا رکھتا تھا۔

مقتدر باللہ

۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ

جعفر نام۔ ابو الفضل کنیت۔ مقتدر باللہ لقب۔ رمضان ۲۸۲ھ میں

غریب کنیز کے بطن سے پیدا ہوا۔ اگرچہ مکتفی خود اسے اپنا ولی عہد مقرر کر گیا

تھا۔ لیکن وہ ابھی صرف تیرہ سال کا تھا۔ اس لئے اکثر امرائے حکومت اس

کی بیعت پر رضامند نہ تھے۔ مگر عباس بن حسن وزیر سلطنت نے اپنے منہ

کی خاطر مکتفی کے حسب وصیت بیعت کی رسم ادا کر دی۔ اور ذی قعدہ ۲۹۵ھ میں وہ سریر آرائے خلافت ہوا۔

مقتدر کی معزولی | بیعت کے بعد بھی اکثر امرائے دولت نے مخالفت ترک نہ کی۔ اور مقتدر کو معزول کر کے عبداللہ بن معتمر کو تخت خلافت پر بٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ ابن معتمر سے قبول خلافت کی استدعا کی گئی۔ تو اس نے اس شرط کے ساتھ منظور کر لی۔ کہ کشت و خون قطعاً نہ ہو۔

عباس نے یہ رنگ دیکھ کر امر کی مخالفت پر مکر بامدھلی۔ لیکن ابھی وہ کوئی عملی اقدام نہ کرنے پایا تھا۔ کہ امیر حسین بن حمدان نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔ پھر مقتدر کا کام تمام کرنے کے لئے قصر خلافت کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن ناکام لوٹ آیا۔ دوسرے دن اس نے ابن معتمر کو اورنگ خلافت پر متمکن کر دیا۔ اور مرتضیٰ باللہ لقب دیا۔

مقتدر کی بحالی | اب ابن حمدان نے مقتدر کو قصر خلافت کے چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ اس پر جنگ ہو گئی۔ اور ابن حمدان نے موصل

کی راہ لی۔ ابن معتمر کے حامی اپنی کمزوری دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور خود اس نے بھی راہ فرار اختیار کر کے امیر عبداللہ بن جصاص کے گھر میں پناہ لی۔

اس انقلاب سے بغداد میں شورش کی آندھیاں چلنے لگیں۔ اور مقتدر اپنے کھوئے ہوئے منصب خلافت پر بحال کر دیا گیا۔ اس نے ابن معتمر کے حامی امرا کو گرفتار کر کے بعض کو تہ تیغ کر دیا۔ اور قلم دان وزارت ابن فراط کے سپرد کیا۔ اس دوران میں ابن معتمر کو بھی تلاش کر کے ٹھکانے لگا دیا گیا۔

حسین بن حمدان کا خاتمہ | مقتدر کا سب سے بڑا مخالف اور نامور امیر حسین بن حمدان ابھی تک قابو میں نہ آیا تھا۔ اس لئے

مقتدر نے اس کے بھائی ابو الہیجا کو اس کام پر مامور کیا۔ فریقین میں جنگ ہوئی۔ مگر بے نتیجہ۔ آخر ابن حمدان وزیر ابن فرات کی وساطت سے خطا معاف کرا کے

دوبارہ خلافت میں حاضر ہوا۔ مقتدر نے اس کے علوم مرتبت کا لحاظ کر کے قم اور قاشان کی عنان ولایت اس کے ہاتھ میں دے دی۔ پھر دیارِ بیحد کا علاقہ بھی اس کی تحویل میں دے دیا۔ اور وہ ۳۰۳ھ تک ان علاقوں پر حکومت کرتا رہا۔

کچھ عرصے کے بعد دوسرے وزیر علی بن عیسیٰ نے کسی اختلاف کے باعث حسین کو موصل کا علاقہ چھوڑ دینے پر مجبور کیا۔ حسین کے انکار پر جنگ ہوئی۔ اور ۳۰۵ھ میں اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

صفاہری حکومت کا خاتمہ | طاہر صفاری نے فارس پر تسلط بٹھا کر مکتفی سے اس کا ٹھیکہ لے لیا تھا۔ لیکن صفاریوں میں پھوٹ

پڑ گئی۔ اور تباہ کن جنگ کے بعد لیث بن علی نے فارس پر قبضہ کر لیا۔ طاہر کے چچالیث کے غلام سکری نے مقتدر سے فارس کا ٹھیکہ لے لیا تھا۔ اس لئے اس نے مونس کو سکری کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ اس نے لیث بن علی کو مغلوب کر کے فارس سکری کے حوالے کر دیا۔ لیکن سکری نے خراج دینا بند کر دیا۔ تو محمد بن جعفر نے اسے نچا دکھا کر فارس سے نکال باہر کیا۔ اس طرح دولت صفاریہ بہت کمزور ہو گئی۔ اور ۲۹۸ھ میں اسمعیل سامانی نے حملہ کر کے لیث بن علی کے بھائی اور جانشین بلال بن لیث کو شکست دینے کے بعد صفاریہ حکومت کو آغوشِ لحد میں سلا دیا۔

مقتدر کے عہد میں قرامط نے پھر سراٹھایا۔ اور عراق و شام میں ہنگامہ

قرامط | برپا کر دیا۔ ۳۱۱ھ میں ابو طاہر قرمطی نے بصرہ پر چڑھائی کر کے وہاں کے والی کو تلواریں کے گھاٹ اتار دیا۔ اور سترہ دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ ۳۱۲ھ میں حاجیوں کے ایک قافلے کو ٹوٹا۔ پھر کوفہ پر فوج کشی کر کے اسے ٹوٹا اور قتل عام کیا۔ ۳۱۵ھ میں مقتدر نے یوسف بن ابی الساج کو ان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن ابو طاہر نے اسے مغلوب کر کے گرفتار کر لیا۔ پھر اس نے بغداد کی طرف پیش قدمی کی۔ شاہی فوجیں اسے روکنے کے لئے بڑھیں۔ لیکن

قرامطہ کے آگے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔

۳۱۶ھ میں قرامطہ نے شام پر چڑھائی کر کے ایک ہنگامہ قتل و جرح برپا کر دیا۔ مقتدر نے فوجیں بھیجیں۔ اور ابوطاہر کو فوٹ لوٹ گیا۔

علاقہ سواد میں قرامطہ کی ایک ہم عقیدہ جماعت نے موقع پا کر حرلیہ بن مسعود اور عیسیٰ بن موسیٰ کی سرکردگی میں شورش برپا کر دی۔ لیکن شاہی لشکر نے اسے بچا دکھا کر سواد میں قرامطہ کی قوت توڑ دی۔

۳۱۷ھ میں ابوطاہر نے حاجیوں کو تہ تیغ کر کے ان کا مال لوٹ لیا۔ اور ہرزین مکہ میں تباہی کی جھاڑو پھیر دی۔

مقتدر کے عہد میں مصر کی فاطمی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ جو طاہری۔ صفاری اور طولونی وغیرہ

حکومتوں کے برعکس اپنے آپ کو خلافت بغداد کی سیادت سے بالکل آزاد رکھے۔ دولت عباسیہ کی ندمقابل بن گئی۔ بنی فاطمہ کو اہل بیت نبویؑ کے ساتھ صحیح نسبت تھی۔ اگرچہ بعض مورخین کو اختلاف ہے۔

اہل بیت میں مختلف اماموں کے پیرو فرقوں میں سے ایک فرقہ باطنیہ تعبیل تھا۔ جو امام جعفر صادق کے بعد ان کے صاحبزادے اسمعیل کی امامت تسلیم کرتا تھا۔ اسی سے عبیدی فرقہ ظہور میں آیا۔ جو عبید اللہ المہدی بن محمد بن جعفر مصدق بن محمد مکتوم بن جعفر صادق کو امام مانتا تھا۔ اس فرقے کے مبلغین نے یمن۔ حجاز۔ بحرین وغیرہ میں اپنی دعوت کی اشاعت کی۔ لیکن مغرب میں محمد نجیب کے زمانے میں اس کا آغاز اور عبید اللہ کے زمانے میں تکمیل ہوئی۔

عبید اللہ مہدی نے فاطمی حکومت کے قیام کے بعد سسلی سے مصر تک دولت فاطمیہ کا پرچم لہرانے کی کوشش کی۔ چنانچہ ۳۱۷ھ میں ان کے بیٹے بوالقاسم نے مصر پر فوج کشی کر کے برقہ۔ قیوم اور سکندریہ کو زیر نگین کیا۔ لیکن عباسی امیر مونس نے انھیں واپس لے لیا۔ اور مہدی کا یہ خواب شرمندہ تعبیر

نہ ہو سکا۔

بحر جان میں زیادتی حکومت | احمد بن اسمعیل سامانی نے محمد بن زید علوی حاکم

طبرستان کو قتل کر کے طبرستان پر تصرف کر لیا تھا۔ ابن زید کے ایک عزیز اطروش نے طبرستان واپس لینے کے لئے سامانیوں کا مقابلہ کیا۔ اور ۳۱۵ھ میں فتح حاصل کر کے طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ۳۱۷ھ میں سامانیوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اطروش کے بعد حسن ان کے جانشین ہوئے۔ انھوں نے دیالہ کے ساتھ ساز باز کر کے سامانیوں سے بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ حسن کے ایک ولی افسر اسفار نے سامانیوں سے بل کر بحر جان کی حکومت حاصل کر لی۔ پھر وہ ایک اور ولی افسر مرداویج بن زیار کی مدد سے طبرستان کے بعض حصوں پر قابض ہو گیا۔ حسن نے اسفار کا مقابلہ کیا۔ لیکن ناکام رہ کر مقتول ہو گئے۔ اور اسفار نے طبرستان سے علوی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

اسفار فتح و کامرانی کے نشے میں چور ہو کر اپنی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ لیکن مرداویج کے آدمیوں نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔ اور مرداویج نے اس کے تمام علاقوں پر قبضہ کر کے ہمدان۔ قم۔ دینور۔ اصفہان اور قاشان کو بھی زیر نگین کرنے کے بعد اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس طرح بحر جان میں باقاعدہ زیادتی حکومت کا پرچم لہرانے لگا۔

۳۱۷ھ میں رومیوں نے ملطیہ پر قبضہ کر لیا۔ ۳۱۵ھ میں رومیوں کا ہنگامہ | دمیاط کو زیر نگین کیا۔ اور شہر میں لوٹ مار کر کے جامع مسجد

میں ناقوس بجوایا۔ اسی سال اہل روم خلاط پر قابض ہو گئے۔ اور وہاں کی جامع مسجد میں سے منبر نکال کر اس کی جگہ صلیب نصیب کر دی۔

مقتدر کی معزولی اور بحالی | مقتدر نے امیر الامرا مونس مظفر کی جگہ ہارون بن غریب کو حاجب مقرر کرنا چاہا۔ مونس کو

لو اطلاع ہوئی۔ تو اس نے فوج لے کر قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا۔ اور مقتدر کو گرفتار کر کے اس کے سوتیلے بھائی محمد بن معتقد کو قاہرہ باللہ کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ فوج نے انعام و اکرام کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس کے پورا ہونے میں توقف ہو جانے کے باعث لوگوں نے مونس کے مکان پر حملہ کر دیا۔ اور مقتدر کو کندھوں پر اٹھا کر قصر خلافت میں واپس لے گئے۔ قاہرہ کو پکڑ کر مقتدر کے سامنے پیش کیا۔ مقتدر نے اسے بے قصور قرار دے کر کوئی مواخذہ نہ کیا۔ اور اپنی تجدید بیعت کا فرمان جاری کیا۔

مقتدر کا قتل | صفر ۳۲۰ء میں مونس نے موصل پر قبضہ کر لیا۔ اور چند روز کے بعد بغداد پر حملہ کرنے کی غرض سے فوجوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ ادھر مقتدر نے بھی لشکر روانہ کیا۔ اور باب شامیہ پر طرفین میں جنگ شروع ہو گئی۔ مقتدر کو شکست ہوئی۔ اور واپس چلا۔ راستے میں بربریوں کے ایک دستہ فوج نے اسے گھیر لیا۔ اور ایک بربری نے اس کا سر قلم کر دیا۔ ان لوگوں نے مقتدر کے جسم کے کپڑے اتار کر برہنہ لاش وہیں چھوڑ دی۔ اور سر کو یزے پر رکھ کر مونس کے پاس لے گئے۔

وزارت | پہلا وزیر عباس بن حسن تھا۔ جس کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس کے بعد قلم دان وزارت ابوالحسن علی بن محمد بن موسیٰ بن فرات کے سپرد لیا گیا۔ وہ عالم و فاضل۔ خلیق و شریف۔ مدبر اور سخی تھا۔ اس نے حسن تدبیرتہ رکان سلطنت کی مخالفت ختم کر کے انھیں مقتدر کا ہوا خواہ بنا دیا۔ ابن فرات تین مرتبہ وزارت سے معزول اور بحال کیا گیا۔ آخری دفعہ حمایت قرامطہ کے الزام میں تہ تیغ کر دیا گیا۔

ابن فرات کے بعد ابوعلی بن عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان منصب وزارت پر سرفراز کیا گیا۔ وہ بالکل نااہل۔ اخلاق باختر اور رشوت خوار تھا۔ اس لئے ۳۲۰ء میں معزول کر دیا گیا۔

ابو علی کے بعد یہ عہدہ جلیلہ علی بن عیسیٰ کو ملا۔ وہ صاحب علم۔ قرآن و حدیث سے واقف۔ ماہر حساب اور پرہیزگار تھا۔ کھلے دل سے صدقہ و خیرات کرتا تھا۔ امور سلطنت میں بھی اسے دسترس اور تجربہ حاصل تھا۔ اس لئے اس کا عہدہ وزارت پر اعتبار سے کامیاب رہا۔

مقتدر پر حرم سلطانی کا بہت اثر تھا۔ خصوصاً اس کی ماں کی فہرکارانہ ام موسیٰ تو اس پر چھپائی ہوئی تھی۔ وہ کسی بنا پر ابن عیسیٰ سے خفا ہو گئی۔ اور مقتدر کو اس کے خلاف پٹی پڑھا کر ۳۱۲ھ میں اسے معزول کرادیا۔

ابن عیسیٰ کے بعد ابن فرات اور بروایت دیگر حامد بن عباس وزیر مقرر ہوا۔ ابن عباس نا اہل اور تند مزاج تھا۔ سخاوت بہت کرتا تھا۔ ناقابلیت کے باعث جلد علیحدہ کر دیا گیا۔ اور ابو علی کا دوبارہ تقرر عمل میں لایا گیا۔ لیکن چند روز کے بعد اسے بھی معزول کر کے ابو العباس احمد بن عبید اللہ بن احمد بن خصیب کو منصب عطا کیا گیا۔ اس کے باب میں ایک مؤرخ لکھتا ہے :-

”ابو العباس بہت دانش مند۔ دین دار اور عالم تھا۔ اخبار عرب کا اسے خاص مذاق تھا۔ فصاحت و بلاغت اور خطاطی میں نامور تھا۔ حکومت اور رعایا دونوں کے مال میں احتیاط برتتا تھا۔ مقتدر کی ماں کسی بات پر اس سے ناراض ہو گئی۔ اس لئے ۳۱۲ھ میں اسے علیحدہ کر دیا گیا۔“

دوسرا مؤرخ بیان کرتا ہے :-

”ابو العباس دخت رز کا دلدادہ تھا۔ ہر وقت نشے میں غرق رہتا تھا۔ فرائض حکومت کی انجام دہی نائبوں پر چھوڑ رکھی تھی۔ عرصے تک کاغذات یونہی بے دیکھے پڑے رہتے تھے۔ اس سے نظام سلطنت میں خلل پیدا ہو گیا۔ اور اسے علیحدہ کر دیا گیا۔“

ابو العباس کے بعد ابو علی محمد بن علی بن مقلد کو وزارت ملی۔ وہ علم و فضل مہتمم اور نامور خطاط تھا۔ خط محقق جو بعد میں خط نسخ کے نام سے موسوم ہوا

اسی کی ایجاد ہے۔ پہلے وہ کسی دفتر میں ایک معمولی محرر تھا۔ پھر صاحب کمال ہونے کے باعث ترقی کرتے کرتے ۳۱۶ھ میں لیڈائے وزارت سے ہم کنار ہوا۔ ۳۱۸ھ میں علیحدہ کر دیا گیا۔

ابو علی کے بعد ابوالقاسم سلیمان بن حسن بن مخلد مسند وزارت پر متمکن ہوا۔ لیکن نااہل ہونے کے باعث یہ اہم فرائض انجام نہ دے سکا۔ اس لئے جلد ہی معزول ہو گیا۔ اور اس کی جگہ عبید اللہ بن محمد کلو اذانی کا تقرر عمل میں آیا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو اس منصب کے ناقابل سمجھ کر خود ہی استعفا دے دیا۔

ابوالقاسم کے بعد حسین بن قاسم بن عبید اللہ بن سلیمان وزیر ہوا۔ لیکن وہ بھی اس بارگراں کو سنبھال نہ سکا۔ اور ۳۱۹ھ میں علیحدہ کر دیا گیا۔

ابن قاسم کے بعد ابوالفضل جعفر بن فرات کو وزارت کا عہدہ ملا۔ لیکن اس کا دامن قابلیت بھی ادائے فرائض کی اہلیت کے پھولوں سے خالی تھا۔ اس کے عہد وزارت میں مقتدر نے سفر آخرت اختیار کیا۔

اگرچہ مقتدر وانا اور مدبر تھا۔ لیکن عیش و عشرت نے اسے نکمّا کر دیا تھا۔ اور اس کے مزاج پر عورتیں چھائی ہوئی تھیں۔

مستغرق حالات

مقتدر نے سفر آخرت اختیار کیا۔ لیکن عیش و عشرت نے اسے نکمّا کر دیا تھا۔ اور اس کے مزاج پر عورتیں چھائی ہوئی تھیں۔

فضل خراج حد سے زیادہ تھا۔ اس نے لونڈیوں اور حرموں پر خزانے کا منہ کھول دیا۔ اور وہ بیت المال جو اس کی سرپر آرائی کے وقت بیش بہا درو گوہر سے بھر پور تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں خالی ہو گیا۔

درباروں کی آرائش میں پانی کی طرح روپیہ بہاتا تھا۔ اس کے علاوہ ذاتی تعیش پر جو روپیہ اس نے صرف کیا۔ اس کی مقدار مؤرخین کے اندازے کے مطابق سات کروڑ اشرفی بیان کی جاتی ہے۔

مقتدر کی ماں امیر کبیر ہونے کی وجہ سے سیم وزر میں کھیلتی تھی۔ اس نے اپنی دولت بعض مفید کاموں میں صرف کی۔ ایک شفا خانہ قائم کیا۔ اور حفاظت

سرحد اور مکہ۔ مدینہ اور محتاجوں کے لئے ایک بہت بڑا وقف قائم کیا۔ جس پر مقتدر کے انتقال کے بعد قاہر جبراً قابض ہو بیٹھا۔

قاہر باللہ

۳۲۱ھ تا ۳۲۲ھ

محمد نام۔ ابو منصور کنیت۔ قاہر باللہ لقب۔ فتنہ کنیز کے بطن سے پیدا ہوا۔ مقتدر کے قتل کے بعد امیر مونس نے اس کے بیٹے احمد کا نام خلافت کے لئے پیش کیا۔ اور اس کے محاسن و محامد پر روشنی ڈالی۔ لیکن امیر ابو یعقوب اسحق بن اسماعیل نوبختی نے اس تجویز کی شدید مخالفت کرتے ہوئے معتضد کے بیٹے محمد کا نام پیش کیا۔ مونس نے صدائے اختلاف بلند کی۔ جو ابو یعقوب کے نقارہ اصرار کے شور و شغب میں دب کر رہ گئی۔ اور شوال ۳۲۱ھ میں قاہر باللہ تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

قاہر نے اورنگ خلافت پر قدم رکھتے ہی مقتدر کی ماں کو گرفتار کر لیا۔ اور اس کی شدید نارضا مندی کے باوجود اس کے اوقات پر جبراً قبضہ کر لیا۔ پھر مقتدر کے بھائیوں اور دوسرے متعلقین کو گرفتار کر کے ان سے روپیہ حاصل کیا۔

مقتدر کے قتل کے بعد اس کا بیٹا عبدالواحد اور دوسرے متعلقین مدائن چلے گئے تھے

عبدالواحد کا قبول اطاعت

قاہر نے اس خطرے کو دور کرنے کے لئے تگ و دو کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ امیر ہارون بن غریب کی طرف سے پیش کی ہوئی تین لاکھ کی رقم وصول کر کے اس کی جان بخشی کرنے کے بعد مار الکوفہ۔ ماسبندان اور مہر جانقوت کی عنان حکومت اس کے ہاتھ میں دے دی۔ اور امیر بلیق کو عبدالواحد کے مقابلے

کے لئے روانہ کیا۔ عبدالواحد کی بدول فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ سر اعلیٰ عت
 خم کر کے بغداد لوٹ آیا۔ قاہرے عبدالواحد کی ضبط شدہ جائداد وغیرہ اسے واپس
 دے دی۔

امیر مونس کا قتل | مونس اور قاہرہ میں شروع ہی سے کشیدگی تھی۔ اس لئے
 قاہرے امیر محمد بن یاقوت کی مرتبہ افزائی کی۔ وزیر ابن مقلہ
 اور ابن یاقوت میں ان بن تھی۔ لہذا ابن مقلہ نے اس کے خلاف مونس کو مشتعل
 کیا۔ اس پر مونس نے قاہرہ کی کڑی نگرانی شروع کرادی۔ قاہرہ کو اطلاع ملی۔ تو
 اس نے بلیق اور مونس کی گرفتاری کے خفیہ احکام نافذ کر دئے۔ ان لوگوں کو خبر
 ہوئی۔ تو مونس۔ بلیق اور ابن مقلہ تینوں نے ساز باز کر کے قاہرہ کو معزول کرنے
 اور ابواحمد بن مکتفی باللہ کو خلیفہ بنانے کے منصوبے باندھنے شروع کر دئے۔
 قاہرہ کو اس سازش کا سراغ ملا۔ تو اس نے ان تینوں کو گرفتار کرنے کی ٹھان لی۔
 آخر کچھ دیر کے بعد وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا۔ اور موقع پا کر ان تینوں
 خوفناک دشتوں کو تلوار کے گھاٹ ڈتار دیا۔

بنی بویہ یا دیلمی حکومت | قاہرہ کے زمانے میں بنی بویہ یا دیلمی حکومت کا
 قیام عمل میں آیا۔ ابو شجاع بویہ بن فنا خسرو

اس خاندان کا مورث اعلیٰ تھا۔ اسے باختلاف روایات بہرام گور اور یزدگرد
 کی نسل سے بتایا جاتا ہے۔ بویہ خود تو ایک نہایت غریب ماہی گیر تھا۔ لیکن
 اس کے بیٹوں علی۔ حسن اور احمد کا ستارہ اوج پر ہوا۔ اور انھوں نے غیر معمولی
 قابلیت و ہمت سے کام لے کر حکومت حاصل کی۔ چنانچہ عماد الدولہ۔ رکن الدولہ
 اور معز الدولہ کے القاب انھیں کے ناموں کی زینت ہیں۔

سامانیہ ماوراء النہر اور علویہ طبرستان کی فوجوں میں دیلمی بھرے پڑے تھے۔
 ان میں سامانیہ کا افسر اسفار بن شیروہ دیلمی اور علویہ کا افسر ماکان بن کاکی دیلمی
 زیادہ نامور تھے۔ اسفار طاقت پکڑ کر علویوں کے ساتھ مل گیا۔ اور طبرستان پر

قبضہ کر لیا۔ ماکان نے اسے وہاں سے نکال دیا۔ لیکن وہ پھر مرد اویج کی مدد سے طبرستان پر قابض ہو گیا۔ اور ظلم و ستم پر کمر باندھ لی۔ جس سے مرد اویج اس کے خلاف ہو گیا۔ علی حسن اور احمد اسے چھوڑ کر مرد اویج کے پاس چلے گئے۔ مرد اویج نے ان کی امداد سے ماکان کا خاتمہ کر کے طبرستان اور جرجان وغیرہ کو زیر نگین کیا اور ان تینوں بھائیوں کو مختلف علاقوں کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا۔

علی نے مابہ الامتیاز فہم اور بہادری کے باعث ترقی پر ترقی کرنی شروع کی۔ اور اصفہان و شیراز پر بھی اس کے اقتدار کا پرچم لہرانے لگا۔ قبضہ شیراز کے بعد اس کی مالی حالت نہایت کمزور ہو گئی۔ لیکن اس موقع پر قدرت نے اس کی امداد کی۔ اور ایک روز اتفاقاً دارالامارت کی چھت سے ایک سانپ کے گرنے اور ایک سوراخ میں داخل ہو جانے پر اس نے سوراخ کو کھدوایا۔ تو ایک خزانہ مل گیا۔ جس سے وہ روپے کی ضرورت سے بالکل بے فکر ہو گیا۔

وزارت پہلا وزیر ابن مقلہ تھا۔ جس کا حال بیان ہو چکا ہے۔

اس کے بعد قلم دان وزارت محمد بن قاسم بن عبید اللہ کے سپرد کیا گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس کی معزولی اور گرفتاری عمل میں آئی۔ اور جلد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

قاہرہ کی معزولی قاہرہ نہایت باجبروت۔ صاحب شوکت و سطوت لیکن سخت گریز خلیفہ تھا۔ جب اس نے مفسدہ پرداز امرار کے ایک گروہ کو ہنس ہنس کر کے رکھ دیا۔ تو دوسرا گروہ اس کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ چنانچہ ۳۲۲ھ کو اسی مخالفت گروہ نے قصر خلافت پر دھاوا بول دیا۔ قاہرہ نے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر مغلوب ہو کر باغیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اور انھوں نے اسے اعدھا کر دیا۔

متفرق حالات قاہرہ جبری و شجاع اور بڑے جاہ و جلال کا خلیفہ تھا۔ لیکن متلون مزاج ہونے کے باعث کامیاب نہ ہو سکا۔ چنانچہ مسعودی لکھتا ہے :-

”قاہر کے تلون اور عدم استقلال کے باعث اس کی سیرت کی سچی تصویر سامنے نہیں آسکتی۔ وہ شجاع اور سخت گیر تھا۔ چند ہی روز میں اس نے مونس بلیق اور علی جیسے ارکان سلطنت کو نیست و نابود کر دیا۔ اور لوگ اس کے دیدار و ہیبت سے کانپنے لگے، اس کی سخت گیری نے خلفاء کے خلاف امر کی چیرہ دستیوں کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن ثبات و استقلال کے فقدان اور لوگوں کو زجر و توبیخ کا نشانہ بنانے کے باعث اس کا انجام اچھا نہ ہوا۔“

تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے :-

”اس کی سیاست کا تلون اور تضاد اس کی ساری زندگی میں جاری و ساری نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو اس نے متعدد مذہبی اصلاحات کیں۔ رقاصاؤں اور مغنیاؤں کا پیشہ اور مے نوشی کو قانوناً بند کر دیا۔ مغنیوں کو قید اور ہیچڑوں کو ملک بدر کر دیا۔ راگ اور عیش و نشاط کے تمام آلات تلف کر ادئے۔ گانے والی کنیزوں کو بیچ ڈالا۔ لیکن خود دائم الخمر تھا۔ عیش و عشرت کے لئے اس نے ایک باغ بنوا کر اس میں ایک شاندار محل تعمیر کرایا تھا۔ باغ اور محل کی زیب و زینت کے لئے دور دور سے درخت اور رخت زیبائش منگوا یا تھا۔“

مسعودی کا بیان ہے کہ :-

”قاہر کی عیش گاہ میں بہت سی خوبصورت اور یکساں قد و قامت کی کنیزیں بھڑکیے مروان لباس میں بلبوس شراب پلانے کا فریضہ انجام دیتی تھیں۔“

راضی باللہ

۳۲۳ھ تا ۳۲۹ھ

احمد نام۔ ابو العباس کنیت۔ راضی باللہ لقب۔ ۲۹۷ھ میں رومی کنیز ظلوم کے بطن سے پیدا ہوا۔

قاہرہ کی معزولی کے بعد جمادی الاخریٰ ۳۳۲ھ میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ اور علی بن عیسیٰ کے اظہارِ معذوری اور تجویز پر ابن مقلہ کو وزیر بنایا۔ اس نے قلم دانِ وزارت سنبھالتے ہی اپنی پالیسی تبدیل کر لی۔ اور مخالفوں تک سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آکر لوگوں کا دل مٹھی میں لے لیا۔ زمانہ قاہرہ کے تمام قیدی چھوڑ دئے۔ امیر بدر الحسینی کو شحنہ بغداد اور محمد بن یاقوت کو حاجب مقرر کیا۔

مقتدر کے عزیز اور دینور و ماسبندان وغیرہ ہارون بن غریب کا خروج کے حاکم ہارون بن غریب نے علمِ بغاوت

بلند کر کے بغداد کی طرف باگ اٹھائی۔ راضی نے ابن یاقوت کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ ہارون نے اس کے چھکے چھڑا کر اس کا تعاقب کیا۔ لیکن راستے میں گھوڑے سے گر پڑا۔ اور پاؤں پر سخت چوٹ آئی۔ ہارون کے غلام مین نے انعام کے لالچ میں اس کا سر کاٹ لیا۔ اور اس کی فوج نے بے دل ہو کر راہ فرار اختیار کی۔

عماد الدولہ کی تصدیق | عماد الدولہ علی بن بویہ صوبہ فارس کی سند حکومت حاصل کرنے کے

لئے درخواست دی۔ اور اقرار کیا کہ اس کے معاوضے میں ایک کروڑ اسی لاکھ درم سالانہ بطور خراج پیش کیا کروں گا۔ ابن مقلہ نے درخواست منظور کر کے راضی کی طرف سے اسے خلعت اور لوئے حکومت بھجوا دیا۔ مرداویج اپنے حریف کی اس ماہِ الامتیاز شان و عظمت پر سخت چراغ پا ہو کر میدانِ مقابلہ میں اتر آیا۔ لیکن عماد الدولہ نے حکمتِ عملی سے کام لے کر اس کے ساتھ صلح کر لی۔

مرداویج کے طور طریقے بالکل بدل گئے۔ اور اس نے ترکوں کو جبر و تشدد کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اس لئے انھوں

نے داخلہ اصفہان کے بعد ایک دن موقع پا کر حمام میں اسے تلوار کے گھاٹ

اتار دیا۔ مرداوتج کے بعد اس کا بھائی دشمنگیر اس کا جانشین ہوا۔

عماد الدولہ کا خروج | عراق اور خوزستان کی سرزمین نہایت زرخیز ہونے کے باعث امرایں استخوانِ مختصمت بنتی چلی آتی تھی

راضی کے عہد میں اس مختصمت نے زور پکڑ لیا۔ عماد الدولہ نے امیر یاقوت کو بچا دکھا کر اپنی طاقت میں حیرت انگیز اضافہ کر لیا۔ یہاں تک کہ راضی نے فارس عراق اور خوزستان کی حکومت باقاعدہ اس کے سپرد کر دی۔ اور اس نے شیراز کو اپنا صدر مقام مقرر کیا۔

امیر یاقوت کے بیٹوں کی گرفتاری | محمد بن یاقوت راضی پر اس قدر چھا گیا۔ کہ وہی حکومت کے سیاہ

و سپید کا مالک بن گیا۔ ابن مقلد کے لئے ابن یاقوت کا یہ اقتدار خوار پہلو بن گیا چنانچہ اس نے مخالفت پر کمر باندھ کر راضی کو اس کی طرف سے بدول کرتے ہوئے اسے اور اس کے بھائی مظفر کو قید کرادیا۔

حنبلیوں کا ہنگامہ | ترکوں اور دوسری عجمی قوموں کے زیر اثر بغداد کی اخلاقی حالت تباہ ہو گئی تھی۔ ۳۲۳ھ میں حنبلیوں نے اس

کی اصلاح کا بیڑا اٹھاتے ہوئے سختی سے احتساب شروع کر دیا۔ اور خلاف شریعت امور میں مزاحمت کرنے لگا۔ بغداد کے کو تو ال نے قیام امن کی غرض سے ان کے خلاف اقدام کیا۔ اس کا ردوائی نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ اور حنبلیوں نے اپنی سرگرمیوں کی رفتار تیز تر کر کے شافیوں کو زد و کوب اور قتل و جرح کا ہدف بنا نا شروع کر دیا۔ جب راضی نے دیکھا۔ کہ اب تو پانی سر سے گزرا جا رہا ہے۔ تو اس نے یہ شدید حکم نافذ کیا۔ کہ اگر حنبلی اس مذہبی تشدد کو ترک نہ کریں گے۔ تو انھیں نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

ناصر الدولہ والی موصل | موصل کا حاکم ناصر الدولہ حکومت کے خلاف گونا گوں ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتا تھا۔ اس

لئے راضی نے اس کے چچا ابوالعلاء کو موصل روانہ کیا۔ ناصرالدولہ نے اسے گرفتار کر کے تہ تیغ کر دیا۔ یہ خبر سنتے ہی راضی آگ بگولا ہو گیا۔ اور اس نے ابن مقلہ کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ ناصرالدولہ اپنے آپ میں مقابلے کی تاب نہ پا کر موصل سے باہر چلا گیا۔ اور ابن مقلہ نے علی بن طباب اور ماگردیسی کو اس کا نگران و محافظ مقرر کر کے مراجعت کی۔ ناصرالدولہ نے ان دونوں کو نکال کر راضی سے طلب معذرت کے بعد دوبارہ ولایت موصل کا صلح نامہ حاصل کیا۔

۳۲۳ھ میں بغداد کی فوجوں نے ابن

ابن مقلہ کی گرفتاری اور عزل | مقلہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے

اس کے مکان پر دھاوا بول دیا۔ اس نے راہ فرار اختیار کی۔ ساجیہ نے حسن تدبیر سے معاملہ سلجھایا۔ اور باغی واپس چلے گئے۔ ابن مقلہ نے اپنے مخالف ابن یاقوت کو اس خروج کا ذمہ دار قرار دے کر اس کی جماعت کو شہر بدر کر دیا۔ فوجیں پھر بگڑ گئیں۔ ابن مقلہ نے تدبیر سے کام لے کر مظفر کو رہا کر دیا۔ اس نے رہائی پاتے ہی ابن مقلہ کو گرفتار کر لیا۔ اور راضی نے فوجوں کے تقاضے اور پسند کے مطابق عبدالرحمن بن عیسیٰ کو وزیر مقرر کیا۔ لیکن اسے جلد ہی اپنی ناقابلیت کے باعث وزارت سے استعفا دینا پڑا۔

امیر یاقوت نہایت نیک دل اور سادہ لوح تھا۔ | امیر یاقوت کا خاتمہ

اس نے اپنے کاتب ابو عبد اللہ کو اہواز کا علاقہ شعیقے میں دے دیا تھا۔ اور عبد اللہ بڑا مطلب پرست اور چلنا پڑزہ تھا۔ جب یاقوت عماد الدولہ سے شکست کھا کر برے حالوں عسکر مکرّم واپس آیا۔ تو عبد اللہ نے اسے رائے دی۔ کہ وہ اپنی مالی حالت کی کمزوری کے باعث بغدادی فوجیں اس کے پاس بھجوادے۔ اور اسے پچاس ہزار اشرفیاں بھی ارسال کر دیں۔ یاقوت نے ایسا ہی کیا۔ لیکن ابو عبد اللہ نے جب دیکھا کہ تیرہین نشانے پر بیٹھتا ہے۔ تو یاقوت سے بے اعتنائی اختیار کر لی۔ یاقوت

چوڑھی بھول گیا۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ ابو عبد اللہ نے تھوڑی سی منتخب فوج اہواز میں رکھ کر باقی کو لوٹا دیا۔ بقیہ فوج نے تنخواہ کے لئے یاقوت کو پریشان کرنا شروع کیا۔

اس کے بعد ابو عبد اللہ نے یاقوت کو یہ پیغام بھیجا۔ ”مجھے دربارِ خلافت سے حکم موصول ہوا ہے۔ کہ یاقوت کو بغداد یا علاقہ جیل کی طرف بھیج دو۔ اس حکم کو رد کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔“ ساتھ ہی ابو عبد اللہ نے یاقوت کے مقابلے کے لئے فوجیں بھیج دیں۔ یاقوت نے شکست کھائی۔ اور اسے قتل کر دیا گیا۔ ابو عبد اللہ نے یاقوت کے بیٹے مظفر کو جو اہواز ہی میں تھا۔ گرفتار کر کے بغداد روانہ کر دیا۔ اور خود یاقوت کے علاقے پر قابض ہو گیا۔

حکومت کی مالی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اس لئے راضی نے مجبور ہو کر عطائے وزارت

امیر الامرا ابن رائق

سے متعلق ابن رائق کی درخواست منظور کر لی۔ اور اسے کمان دار اعظم اور شہر خراج اور تمام دفتروں کا حاکم اعلیٰ بنا کر نہایت عزت و احترام سے بغداد طلب کیا۔ وہ شاہانہ طمطراق سے بغداد آیا۔ اور اسے امیر الامرا کے منصب جلیلہ پر سرفراز کر دیا گیا۔

راضی کو ابن رائق کی امیر الامرائی سے یہ فائدہ تو ہو گیا۔ کہ اس نے حکومت کے تمام مصارف کا بار اپنے ذمے لے کر راضی کو اس فکر جاں گسل سے نجات دلائی۔ لیکن خود خلافت کے سیاد و سپید کا مختار مطلق بنتے ہوئے اسے ایک کٹ پتلی بنا کر بٹھا دیا۔ اور راضی کے رہے سہے اختیارات بھی چھین گئے۔ اس کے باوجود دولت عباسیہ کا درہم برہم نظام اصلاح پذیر نہ ہو سکا۔

سلطنت کا طویل و غریب دامن اقتدار پارہ پارہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ شمالی افریقہ میں علوی۔ مصر اور شام کے ایک حصے میں محمد بن طنج۔ مشرقی صوبوں میں خود سرامرا۔ ماوراء النہر میں سامانی۔ موصل۔ دیار ربیعہ اور دیار مضر میں

آل حمدان - طبرستان اور جرجان میں دیلمی - فارس اور خوزستان کے ایک حصے پر
 عماد الدولہ اور بڑے حصے پر ابو عبد اللہ - کرمان میں ابو علی محمد بن الیاس - بحرین اور
 یمامہ میں قرامطہ - بصرہ اور واسط میں ابن رائق حکمران تھا۔ اور عراق عجم پر دشمنگیر اور
 رکن الدولہ دونوں کی رال ٹپک رہی تھی۔ صرف بغداد اور اس کے قرب و جوار کے
 علاقے پر خلیفہ شاہ شترنج بنا بیٹھا تھا۔ اور اشک حسرت بہاتے ہوئے اپنی بد نصیبی کا
 تماشا دیکھ رہا تھا۔

عراق اور خوزستان کا ہنگامہ

۳۲۵ھ میں ابن رائق راضی کو ساتھ لے کر
 ابو عبد اللہ سے خوزستان واپس لینے کے

لئے غازم واسط ہوا۔ حجریہ بھی بادل تا خواستہ ساتھ ہوئے۔ ابن رائق نے ان کا ایک
 حصہ چھانٹ دیا۔ تو انھوں نے بگڑ کر ہنگامہ برپا کر دیا۔ ابن رائق نے مقابلہ کر کے
 ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ تو وہ بغداد پہنچے۔ وہاں کے کووال نے ان کی جان بچا دی
 ضبط کر کے مکاتوں کو نذر آتش کر دیا۔ اور حجریہ کا زور ٹوٹ گیا۔

اب ابن رائق ابو عبد اللہ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ حجری سپاہیوں کو ساتھ لے کر
 ٹھونک کر میدان مقابلہ میں اتر آیا۔ اور مختلف امراء میں عرصے تک کشمکش جاری
 رہی۔ آخر ابن رائق کو فتح ہوئی۔ اور ابو عبد اللہ ابواز کو چھوڑ کر بصرہ لوٹ گیا۔

ابن رائق کے خلاف ابن مقلہ کے جوڑ توڑ
 ابوالفتح فضل بن جعفر نے
 ابن رائق سے کہا۔ کہ اگر اسے

خراج مصر و شام کی نگرانی اور انتظام کے منصب پر بحال کر دیا جائے۔ تو وہ مصر و
 شام پر تسلط بٹھانے میں اس کی امکانی امداد کرے گا۔ ابن رائق نے حالات کی
 نزاکت کے پیش نظر راضی ہو کر ابوالفتح کو اس کے پہلے منصب پر واپس کر دیا۔ راضی
 نے ابن مقلہ کو قلم دان وزارت عطا کیا۔ لیکن ابن رائق کی امیر الامرائی کے سامنے
 ابن مقلہ کی وزارت کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ ابن مقلہ نے ہر چند کوشش کی۔ کہ ابن رائق
 نے اس کے بیٹوں کی جو بانداد ضبط کر رکھی ہے۔ وہ واکزار کر دی جائے۔ مگر اسے

کامیابی نہ ہوئی۔ اس پر ابن مقلہ نے ابن رائق کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ اور راضی نے یہ وعدہ کیا۔ کہ اگر ابن رائق کی جگہ بجکم کو امیر الامراء بنا دیا جائے۔ تو میں اس سے اکتیس لاکھ اشرفیاں لے دوں گا۔ راضی خاموش رہا۔ اور ابن مقلہ نے اس خاموشی کو نیم رضا سمجھ کر بجکم کو اس منصبِ جلیلہ کے حصول کے لئے اپنی تمام قوتیں صرف کر دینے پر آمادہ کیا۔

بجکم کی امیر الامرائی | بجکم کو خوزستان میں ابن مقلہ کا پیغام ملا۔ تو وہ اس عہدہ عالیہ کے حصول کے لئے جان توڑ کوشش کرنے لگا۔ ابن رائق نے ابو عبد اللہ کو بجکم کے مقابلے پر اکسایا۔ لیکن بجکم نے ابو عبد اللہ کو پس پا کر کے اس کے منصوبوں کی بساط الٹ دی۔ مگر پھر حصولِ مطلب کے لئے اسے واسطہ کی حکومت عطا کر دینے کا عہد کر کے اس سے صلح کر لی۔

۳۲۶ھ میں بجکم نے بغداد کی طرف باگ اٹھالی۔ اور ابن رائق کا مقابلہ کر کے اسے شکست دینے کے بعد فاتحانہ بغداد میں داخل ہو گیا۔ ابن رائق نے راہ فرار اختیار کی۔ اور راضی نے ابن مقلہ کی ہاں میں ہاں ملا کر بجکم کو ابن رائق کی جگہ امیر الامراء بنا دیا۔

ابن رائق پھر بغداد میں | ناصر الدولہ حاکم موصل نے خراج دینا بند کر دیا۔ تو ۳۲۶ھ میں راضی اور بجکم نے موصل پر حملہ کر کے ناصر الدولہ کو شکست دی۔ ابن رائق نے موقع کو غنیمت جان کر قرامطہ کی امداد سے بغداد پر قبضہ کر لیا۔

شام پر ابن رائق کا پرچم حکومت | راضی اور بجکم ابھی موصل سے واپس نہ آئے تھے۔ کہ ابن رائق نے اپنی کمزوری محسوس کرتے ہوئے مصر و شام کی حکومت حاصل کرنے کے لئے راضی سے صلح کر لی۔ جس پر راضی نے اسے دیارِ مضر حزان رہا۔ قنسرین کی چھاؤنی اور عوامم وغیرہ کی حکومت عطا کر دی۔

بابا کا خروج

بجلم کو ابھی قدرے اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا ہی تھا۔ کہ انبار میں اس کے نائب ترک بابا نے غلم بغاوت بلند کیا۔ اور

ابن رائق کی چیرہ دستیوں سے تحفظ کے لئے علاقہ فرات کی حکومت طلب کی۔ بجلم نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ لیکن بابا نے خنان حکومت سنبھالتے ہی ابن رائق کے ساتھ ساز باز کر لی۔ بجلم نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے بابا کے خلاف ایک فوج بھیج کر اسے گرفتار کرنے کے بعد بغداد میں قید کر دیا۔

ابو عبداللہ کی ہنگامہ خیزی

بجلم اور ابو عبداللہ میں بظاہر صلح تھی۔ لیکن ابو عبداللہ بڑا ریاکار۔ کینہ توز اور غرض پرست تھا۔

اس لئے وہ بجلم کو نیچا دکھانے کی غرض سے خفیہ طور پر برابر جوڑ توڑ کرتا رہا۔ چنانچہ اس نے بغداد پر قبضہ کرنے کی نیت سے بجلم کو عراق پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا۔ بجلم اس کی چال میں آگیا۔ لیکن اس کے کماندار ابو زکریا نے اس کا دلی ارادہ بھانپ کر بجلم کو اطلاع دے دی۔ اس نے بغداد واپس جا کر واسط پر چڑھائی کر دی۔ ابو عبداللہ کو خبر ہوئی۔ تو اس نے واسط چھوڑ کر بصرہ کی راہ لی۔ اور بجلم بلا مزاحمت واسط پر قابض ہو گیا۔

ابن رائق اور اخشیدی حکومت

اُن دنوں شام کے چند سرحدی مقامات کے سوا شام و مصر کا سارا علاقہ اخشیدی

حکومت کے زیر نگیں تھا۔ ابن رائق نے توسیع مملکت کے لئے مصر کی جانب پیش قدمی کی۔ محمد بن طنج اخشیدی نے مدافعت کی۔ اور عرصے تک فریقین میں شکست و فتح کی نیرنگی سے رس کشی جاری رہی۔ آخر اس شرط پر صلح ہو گئی۔ کہ ابن رائق اربلہ کے اس پار مصر تک اخشیدی علاقے میں دخل انداز نہ ہوگا۔ باقی شام کا سارا علاقہ اس کے زیر نگیں رہے گا۔ اور وہ اخشیدی حکومت کو ایک لاکھ چالیس ہزار دینار سالانہ ادا کیا کرے گا۔

وزارت | پہلا وزیر ابن مقلہ تھا۔ جس کا ذکر اوپر گزر چکا۔

اس کے بعد قلم دان وزارت عبدالرحمن بن عیسیٰ کی تحویل میں دیا گیا۔ لیکن اس اپنے آپ کو انتظامی قابلیت سے عاری پا کر خود ہی استعفا دے دیا۔ بعد ازاں یہ منصب عالیہ ابو جعفر محمد بن کرخی کو ملا۔ لیکن وہ بھی نا اہل ثابت ہوا۔ یہی روز کے بعد حالات نے یاس انگیز کروٹ لی۔ اور وہ وزارت ترک کر کے میں غائب ہو گیا۔

پھر سلیمان بن وہب بن مخلد اس سٹیج پر جلوہ گر ہوا۔ لیکن وہ بھی حسن قابلیت سے اپنا پارٹ ادا نہ کر سکا۔

ناچار راضی کو ابن رائق کی درخواست منظور کر کے امیر الامراء کا جدید عہدہ تخلیق کرنے کے بعد اسے اس منصبِ جلیلہ پر فائز کرنا پڑا۔ ابن رائق امیر الامراء بن کرومت کے سیاہ و سپید پر قابض ہو گیا۔ اور ابو جعفر کو اپنا وزیر بنایا۔

اس کے بعد یہ رتبہ بلند دوبارہ ابن مقلہ کو ملا۔ پھر سلیمان بن حسن اس عہدے سرفراز ہوا۔

ربیع الاول ۳۲۹ھ میں راضی نے مرض استسقا سے بتیس سال

کی عمر میں چھ سال دس مہینے خلافت کرنے کے بعد انتقال کیا۔

راضی کا دماغ تاریخی معلومات کا خزانہ تھا۔ ادب و شعر سے انتہائی

دل بستگی تھی۔ شعر گوئی پر استادانہ قدرت رکھتا تھا۔ اہل علم و فضل

ارباب کمال کا بے حد قدردان تھا۔ اور خاص خاص موقعوں پر انھیں اپنی ضیوں سے مالا مال کر دیتا تھا۔

راضی کا عہد حکومت دولت عباسیہ کے گلزار اقتدار کی آخری بہار تھا۔

عنی نے عباسی دربار کی قدیم روایات اور خصوصیات کو قائم رکھتے ہوئے ارباب

م کے مجمع۔ خدم و حشم وغیرہ جیسے لوازم سلطنت اور شاہانہ ططراق میں کوئی کسی

آنے دی۔ لیکن اس کی آنکھوں کی شمعیں بجھتے ہی حکومت عباسیہ کا چراغ وقار

ظلمت بھی گل ہو گیا۔

متقی باللہ

۳۲۹ھ تا ۳۳۳ھ

ابراہیم نام۔ ابو اسحق کنیت۔ متقی باللہ لقب۔ زہرہ کنیز کے بطن سے پیدا ہوا۔ ۲۹ ربیع الاول ۳۲۹ھ کو چونتیس سال کی عمر میں ارکان سلطنت کے مشورے سے تختِ خلافت پر بیٹھا۔ واسط میں امیر الامراء بجکم کو خلعت اور لوائے خلافت ارسال کیا۔ سلامہ طولونی کو حاجب مقرر کیا۔ اور سلیمان بن وہب کو وزیر بنا دیا۔ جن دنوں بجکم نے ابو عبد اللہ کو مغلوب کرنے کے لئے واسط کا قتل حملہ کیا تھا۔ اسی دوران میں مال و زر کے لالچ سے کردوں نے ایک جرگے پر ہتہ بول دیا۔ لیکن ناکام رہا۔ اور ایک کرد نے نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا۔

بجکم کے خاتمے سے ابو عبد اللہ کے لئے زبردستی سے ابو عبد اللہ کے خلاف مہم صاف ہو گیا۔ اور دیہی سپاہ کے پاس چلے جانے سے اس کی طاقت میں زبردستی اضافہ ہو گیا۔ اب ان لوگوں کو واسط کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن متقی نے ان کی طلب زر پر انھیں ڈیرا لگا دینا بھجوا کر پیچھا چھڑایا۔ اس پر دیہیوں نے حکومت کے ساتھ مل کر ابو عبد اللہ کے مقابلے کے لئے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے مزید روپے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے چار لاکھ دینار ان میں اور بغدادی فوج میں تقسیم کر کے سلامہ حاجب کو کمانڈر کے عہدے پر فائز کیا۔

ابو عبد اللہ میدان خالی پا کر امیر الامراء کے قتل کے خبر سے اڑتا ہوا بغداد پہنچا۔ وہاں فوج کا ایک حصہ تو اس سے مل گیا۔ اور دوسرا بنی حمدان کے پاس موصل چلا گیا۔ ابو عبد اللہ نے متقی کو ڈرا دھمکا کر جبراً اس سے پانچ لاکھ دینار لے لئے۔ فوج نے

فوج کا ایک حصہ تو اس سے مل گیا۔ اور دوسرا بنی حمدان کے پاس موصل چلا گیا۔ ابو عبد اللہ نے متقی کو ڈرا دھمکا کر جبراً اس سے پانچ لاکھ دینار لے لئے۔ فوج نے

اس سے روپیہ مانگا۔ تو اس نے کورا جواب دے دیا۔ اس پر ترک اور دلیلی اس کے خلاف ہو گئے۔ اور دونوں نے مل کر اس سے سارا مال چھین لیا۔ ابو عبد اللہ نے مقابلے کی تاب نہ لا کر راہ فرار اختیار کی۔ اور واسط پہنچ کر دم لیا۔

ترکوں کا سردار کورتکین اس مہم میں
ور تکین اور ابن رائق میں جھڑپ | پیش پیش تھا۔ اس لئے اس نے

پنی شجاعت اور اقتدار کے بل بوتے پر متقی سے امیر الامرائی کا منصب حاصل کیا۔ موصل میں مقیم دلیلی سپاہ نے شام پہنچ کر ابن رائق کو عازم بغداد ہونے کے لئے ابھارا۔ اُدھر متقی کی طرف سے بھی اسے طلبی کا پروانہ آگیا۔ وہ بغداد کے قریب پہنچا۔ تو عکبرا میں کورتکین نے اس سے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ مغربی جانب سے بغداد میں داخل ہو گیا۔ اتنے میں کورتکین بھی مشرقی جانب سے وہاں آ پہنچا۔ ابن رائق کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ لیکن اہل بغداد نے اس کے ساتھ مل کر کورتکین کے چھکے چھڑا دیئے۔ اور متقی نے ابن رائق کو امیر الامرائی کا عہدہ عطا کیا۔

کورتکین اور ابن رائق کی رسن کشی سے فائدہ
ابو عبد اللہ کی شورش آفرینی | اٹھا کر ابو عبد اللہ نے واسط پر قبضہ کر لیا

تھا۔ اب اس نے خراج روک دیا۔ اور ابن رائق فوج کا مطالبہ زور پورا نہ کر سکا۔ اس لئے فوج ابن رائق کا ساتھ چھوڑ کر ابو عبد اللہ کے پاس چلی گئی۔ ابو عبد اللہ نے اپنے بھائی ابوالحسین کو زبردست فوج دے کر بغداد روانہ کیا۔ جس نے وہاں پہنچ کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ متقی موصل کی طرف بھاگ گیا۔ اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔

موصل کے قریب پہنچ کر متقی نے
ابن رائق کا خاتمہ اور متقی کی واپسی | اپنے بیٹے ابو منصور کو ابن رائق

کی معیت میں ناصر الدولہ والی موصل کے پاس طلب امداد کے لئے بھیجا۔ اس

نے دیرینہ دشمنی کی بنا پر ابن رائق کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور خود متقی کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ متقی نے ضرورت اور غرض کے پیش نظر قتل ابن رائق سے متعلقہ اغماض برت کر ناصر الدولہ کو امیر الامرائی کا منصب عطا کیا۔ پھر ناصر الدولہ نے متقی کے ساتھ بغداد پہنچ کر ابو عبد اللہ کو شکست دی۔ اور اس نے واسط کی طرف راہ فرما کر اختیار کی۔

ترکوں کی سرکشی | ابو عبد اللہ واسط میں پوری طرح تیاری کر کے ناصر الدولہ سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اترے۔ لیکن شکست کھائی۔ پھر اس نے

میں واسط پر حملہ کر کے وہاں بھی ابو عبد اللہ کو نکال باہر کیا۔ اتنے میں ترک افسروں نے بغاوت کر دی۔ ناصر الدولہ موصل کی حفاظت کے لئے چلا گیا۔ تو ترکوں نے اسے بغدادی مکان کو ٹوٹ لیا۔ اس سے تھوڑے ہی عرصے کے بعد ناصر الدولہ کی امیرانہ نے دم توڑ دیا۔

تورون کی امیر الامرائی | باقی ترک افسر تورون اور اس کے ساتھیوں کی سرکشی ہوئی۔ ابو عبد اللہ نے اس سے فائدہ اٹھا کر واسط

قابض ہونے کی ٹھانی۔ اور تورون کے ساتھیوں پر ڈورے ڈالنے لگا۔ تورون کو اسے ساتھ کی دغا بازی کا علم ہوا۔ تو اسے گرفتار کر کے اندھا کر دیا۔ اور خود بغداد چلا گیا۔ متقی نے اسے امیر الامرا کے منصب پر فائز کر دیا۔

تورون کے خلاف سازش | ابو عبد اللہ نے موقع پا کر واسط پر قبضہ کر لیا۔ تو ناچار تورون کو میدان میں آنا پڑا۔ اس

دوران میں بعض افسروں نے متقی کو تورون کے خلاف برا بیخبر کیا۔ کہ تورون اور ابو عبد اللہ دونوں مل کر آپ کی دولت کو ہتھیار لینے کے بعد آپ کو گرفتار کر چاہتے ہیں۔ اس پر متقی نے ہراس زدہ ہو کر عازم موصل ہونے کا ارادہ کیا۔

موصل کو متقی کی روانگی | ابو عبد اللہ کے افسر ابو جعفر بن خیر زاد نے بغداد پہنچ کر خود سری سے عنان حکومت اپنے ہاتھ

لے لی۔ ناصرالدولہ نے بغداد میں فوج بھیج دی۔ اور متقی اس کی نگرانی میں موصل روانہ ہو گیا۔ پتی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ ابن شیرزاد نے اہل بغداد کو ظلم و ستم کے جہنم میں جھونک دیا۔ تورون نے ناصرالدولہ اور اس کے بھائی سیف الدولہ دونوں کو نیچا دکھایا۔ متقی مایوس ہو کر رتہ چلا آیا۔ اور تورون کو پیغام بھیجا۔ کہ میں چاہتا ہوں۔ تم بنی حمدان کے ساتھ صلح کر لو۔ تورون نے حکم کی تعمیل کی۔

ابو عبد اللہ کی موت | ابو عبید اللہ بے زرا اور اس کا بھائی ابو یوسف مالدار تھا۔ بھائی کے قرض کے بارگراں نے ابو عبد اللہ کی

مگر ہمت توڑ ڈالی۔ جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ابو یوسف کی دولت کے جادو نے عبد اللہ کی فوج کو اس سے برگشتہ کر کے بھائی کی طرف مائل کر دیا ابو عبد اللہ کو خبر ملی۔ کہ بھائی اس کا منصب حاصل کرنے کا خواہاں ہے۔ اس دوران میں بعض اور واقعات بھی رو پذیر ہوئے۔ جن کے باعث ابو عبد اللہ نے جوش انتقام میں بھائی کو تہ تیغ کر دیا۔ لیکن اس سے چند ماہ کے بعد اسے بھی موت نے آیا۔

سلطنت عباسیہ کی کمزوری کے باعث رومیوں کو کھل کھیلنے بیرونی لڑائیاں | کا موقع مل گیا۔ چنانچہ ۳۳۳ھ میں انھوں نے سرحد شام

پر فوج کشی کر کے مضافات حلب میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ اور پانچ ہزار آدمی گرفتار کر لئے۔ شام کے مسلمانوں نے انتقام کے طور پر رومی حدود پر زبردست حملہ کر کے کثیر المقدار مال غنیمت حاصل کیا۔ اور بہت سے پادری قید و بند میں ڈال دئے۔

۳۳۳ھ میں قیصر روم نے متقی کو پیغام بھیجا۔ کہ ”رہا کے گرجے میں ایک مقدس رومال ہے۔ جس سے حضرت عیسیٰ نے منہ صاف کیا تھا۔ اگر آپ اسے میرے پاس بھیج دیں۔ تو میں اس کے عوض تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دوں گا۔ متقی نے قاضیوں اور فقیہوں سے شورے کے بعد رومال بھجوادیا۔ اور کثیر تعداد مسلمان قیدی آزاد ہو گئے۔

اسی زمانے میں روسیوں نے آذربائیجان پر دھاوا بول دیا۔ اور بروہہ تک جا پہنچے۔
طرفین میں گھمسان کا رن پڑا۔ جس میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ پھر مسلمانوں نے
جوش انتقام کے نشے میں چوڑ ہو کر کوس جہاد بجا دیا۔ اور روسیوں کے چھٹے چھڑا کر
انہیں بھگا دیا۔

دولت عباسیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ وزارت کا وقار بھی کم ہونے لگا
وزارت حتیٰ کہ منصب امیر الامرائی کے قیام پر تو وزارت برائے نام رہ گئی۔
قاضی تنوخی جامع التواریخ میں لکھتے ہیں :-

”بنی عباس کی حکومت میں پہلے عہدہ قضا کی مٹی پلید ہوئی۔ اور ان پڑھ قاضیوں
کا تقرر عمل میں آنے لگا۔ پھر وزارت کی اہمیت کم ہوئی۔ متقی کے زمانے میں تو اس
کا گلا ہی گھونٹ دیا گیا۔ اور وزارت کوچہ و بازار میں تماشا بن کر رہ گئی۔ ابو الحسن
بن عیاش لکھتے ہیں کہ شارع خلد میں بندر کا تماشا ہو رہا تھا۔ مداری نے بندر
سے باری باری بزاز۔ عطار اور دوسرے پیشہوروں کا نام لے کر پوچھا۔ کہ کیا تم
ویسا بننا چاہتے ہو۔ اس نے ہر بار اثبات میں سر ہلایا۔ لیکن آخر میں جب یہ
پوچھا۔ کہ کیا تم وزیر بننا چاہتے ہو۔ تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اور تماشائی قبضہ
مار کر ہنس پڑے۔“

متقی کے عہد میں امیر الامرائی کی طرح وزارت بھی بدلتی رہتی تھی۔ چنانچہ متعدد
وزارتیں بنیں اور بگڑیں۔ پہلا وزیر سلیمان بن وہب تھا۔ پھر ابو النخیر احمد بن محمد بن محمد
ابو عبداللہ۔ عبدالرحمن بن علیسی۔ محمد بن قاسم کرخی۔ احمد بن علی عبداللہ اصفہانی اور اب
مقلدیکے بعد دیگرے منصب وزارت پر فائز ہوئے۔

متقی کو بنی حمدان کے پاس مقیم ہونے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا
متقی کی معزولی کہ انہوں نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ اب اس
ایک طرف تو بغداد جانے کے لئے تورون سے صلح کی کوشش کی۔ اور دوسری طرف
محمد بن طنج والی مصر کو مدد کے لئے طلب کیا۔ تورون نے صلح کی دعوت منظور کر

متقی کے ساتھ وفاداری کا جلف نامہ لکھ دیا۔ اُدھر محمد بن طنج بھی آ پہنچا۔ اور متقی کو مصر چلنے کے لئے کہا۔ متقی نے ہامی نہ بھری۔ تو اس نے عرض کی۔ کہ توروں کے فریب میں نہ آئیے۔ متقی نے سسی آن سنی ایک کر دی۔ اور عازم بغداد ہو گیا۔ توروں نے بظاہر متقی کی خوب خاطر مدارات کی۔ لیکن بعد میں اسے حفاظت کا اطمینان دلا دینے کے ساتھ ہی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا کر اندھا کر دیا۔ پھر اسے بغداد لاکر تخت خلافت سے معزول کر دیا۔

سیرت | متقی کو امور مملکت پر عبور نہ تھا۔ اور اگر کچھ درک تھا بھی، تو وہ بغاوت و انقلاب کی نذر ہو گیا۔ ابن طقطقی لکھتا ہے :-

متقی میں ملک رانی کا کوئی جوہر نہ تھا۔ اس کے عہد میں حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ شروع سے آخر تک حرب و ضرب اور شورش و انقلاب کی آندھیاں چلتی رہیں۔ توروں کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ حوادث کی چکی میں پس کر رہ گیا۔ انقلاب کے تزلزل نے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ بغداد میں شدید قحط نے تباہی پھیلا دی۔ غلہ سونے کے نرخ پر فروخت ہونے لگا۔ لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔“

متقی دین دار اور خوش اخلاق تھا۔ خطیب لکھتا ہے :-
 ”متقی اپنے پیش رو خلفا کی بہت سی برائیوں سے بچا رہا۔ نمیز کو چھو، تک نہیں۔ حالانکہ خلفا کو اس کے بغیر کھانا ہضم نہ ہوتا تھا۔ صوم و صلاۃ کا سختی سے پابند تھا۔ ہر وقت قرآن کریم پڑھتا رہتا۔ اور کہا کرتا تھا۔ کہ مجھے قرآن کے سوا کسی معاصی کی ضرورت نہیں۔“

مستکفی باللہ

۳۳۳ھ تا ۳۳۴ھ

عبداللہ نام۔ ابوالقاسم کنیت۔ مستکفی باللہ لقب۔ اہل الناس کنیز کے بطن سے

پیدا ہوا۔

صفر ۳۳۳ھ میں اکتالیس سال کی عمر میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ مستکفی کو جزیرہ
میں اسیر زنداں کر دیا گیا۔ اور وہ وہیں ۳۵۰ھ میں انتقال کر گیا

مستکفی نے تورون کو خلعت اور تاج سے نوازا
معز الدولہ کی ہنگامہ خیزی اور ابوالفرج محمد بن علی کو وزیر مقرر کیا لیکن اس

کی وزارت نام نہاد تھی۔ اور امور مملکت کی انجام دہی کا فریضہ تورون کے کاتب ابن
شیرزاد کے سپرد تھا۔

معز الدولہ دہلی اپنی دیرینہ جدوجہد میں کامیاب ہو کر ۳۳۳ھ میں واسط پر
قابض ہو گیا۔ لیکن تورون کے مقابلے کی تاب نہ لا کر واسط چھوڑ کر چلا گیا۔

ناصر الدولہ کی سرکشی ناصر الدولہ والی موصل نے پھر پرتزے نکال کر خراج
بھیجا بند کر دیا۔ لیکن تورون کے سامنے دال گلے نہ دیکھ

کر مجبوراً صلح کر لی۔ اور خراج کی پائی پائی ادا کر دی۔

ابوالحسین بریدی کا خاتمہ ابو عبد اللہ کے بھائی ابوالحسین نے معزولی کے
بعد اپنے بھتیجے ابوالقاسم کی جگہ لینی چاہی۔ اور

تورون کو ایک بھاری رقم دینے کا وعدہ کر کے بصرہ کی حکومت اسے عطا کر دینے پر
اُکسایا۔ ابوالقاسم کو خبر ہوئی۔ تو اس نے ابوالحسین سے زیادہ رقم ادا کرنے کی پیشکش

بجھوادی۔ اس طرح ابوالحسین کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس کام میں ابن شیرزاد
کا بھی ہاتھ تھا۔ اس لئے ابوالحسین نے اس کے خلاف سازش کی۔ لیکن ابن شیر

نے موقع پا کر اسے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

۳۳۲ھ میں امیر الامرا تورون نے
ابن شیرزاد امیر الامرائی کے منصب پر
رحلت کی۔ ابن شیرزاد نے ناصر الدولہ

والی موصل کو اس منصب کے لئے تجویز کیا۔ لیکن فوج نے مخالفت کا اظہار کر کے
خود ابن شیرزاد کو یہ عہدہ دلوا دیا۔

ابن شیرزاد نے اس احسان کا بدلہ دینے کے لئے فوجیوں کی تنخواہیں بڑھا دیں
لیکن خزانہ خالی تھا۔ اس نے امرار سے بڑی بڑی رقمیں وصول کر کے ضروریات سے
عہدہ برآ ہونے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن یوں بھی کمی پوری نہ ہوئی۔ تو رعایا پر
طرح طرح کے ٹیکس لگادئے۔ اس پر بغداد کے گوشے گوشے میں فتنہ و شورش کی آگ
بھڑک اٹھی۔ اور ٹوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔

بغداد میں معز الدولہ دہلی کا داخلہ
مدت سے بغداد پر معز الدولہ دہلی والی
فارس کی رال ٹپک رہی تھی۔ بغداد

کے انقلاب نے اس کے لئے زریں موقع مہیا کر دیا۔ چنانچہ واسط کا حاکم نیال کوشہ
اس سے مل گیا۔ اور ترکی و دہلی فوجوں نے ہنگامے میں شامل ہو کر اس کی طاقت
میں حیرت انگیز اضافہ کر دیا۔ آخر معز الدولہ کا معتمد علیہ امیر عبداللہ ہاشمی مع دہلی
فوجوں کے بغداد میں داخل ہو گیا۔ اور ابن شیرزاد اور مستکفی دونوں روپوش
ہو گئے۔

اسی دوران میں مستکفی نے ظاہر ہو کر بنی بویہ کا استقبال کیا۔ اور ۳۳۲ھ
میں معز الدولہ بھی بغداد آ پہنچا۔ معز الدولہ نے مستکفی کی بیعت کر کے اس سے
عہدہ وفا باندھا۔

جو نہی دیالہ نے خلافت پر دست تصرف دراز کیا۔ خلفاء کارہا سہا و قار بھی
جاتا رہا۔ چنانچہ معز الدولہ نے مستکفی کو نظام حکومت سے بے دخل کر کے اس
کے گزارے کے لئے پانچ ہزار ماہانہ اور کچھ جاگیر مقرر کر دی۔

مستکفی کی معزولی | حرم شاہی کی قہرمانہ علم خلافت پر حاوی ہو گئی تھی۔ اس نے افسروں کی دعوت کی۔ معز الدولہ نے خیال کیا۔ کہ علم ان

افسروں کی مدد سے اسے بغداد سے نکال دینا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس نے اسی روز سے مستکفی کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ اس دوران میں ایک دن معز الدولہ کے مقرر کئے ہوئے دو دہلیوں نے موقع پا کر مستکفی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے تخت سے گرا دیا۔ اور معز الدولہ کو قیام گاہ میں لاکر قید و بند میں ڈال دیا۔ دار الخلافہ کا سارا سامان لوٹ لیا گیا۔ اور ایک سال چار مہینے کی خلافت کے بعد مستکفی کا دور حکمرانی ختم ہو گیا۔

اب بنی بویہ خلافت عباسیہ کے سیاہ و سپید کے مالک بن گئے۔ اور مستکفی محض ایک وظیفہ خوار بن کر رہ گیا۔ معز الدولہ نام نہاد خلیفے کے دوش بدوش بیٹھتا تھا۔

مطیع اللہ

۳۳۴ھ تا ۳۶۳ھ

فضل نام۔ ابو القاسم کنیت۔ مطیع اللہ لقب۔ مشغلہ کنیز کے بطن سے پیدا

ہوا۔

معز الدولہ نے شیعہ ہونے کے باعث بنی عباس کو خلافت سے محروم کر کے بنی فاطمہ کی خلافت قائم کرنی چاہی۔ لیکن اس کے ایک ماہر سیاست مشیر نے اسے ارادے سے باز رکھتے ہوئے سمجھایا۔ کہ اگر آپ نے کسی علوی کو خلیفہ مقرر کیا۔ تو آپ کی ساری قوم اسے خلافت کا حق دار سمجھ کر اس کی فرمانبرداری کو مقدم خیال کرے گی۔ نہ تو دہلیوں پر آپ کا موجودہ اثر و اقتدار باقی رہے گا۔ اور نہ یہ خسروانہ ٹھاٹھ۔ لہذا کسی عباسی کو تخت پر بٹھائیے۔ تاکہ تمام شیعہ اسے غیر مستحق خلیفہ

جان کر آپ کی خدمت و اطاعت پر آمادہ رہیں۔ اور بغداد پر شیعہ حکومت کا سکہ بیٹھا رہے۔ چنانچہ معز الدولہ نے یہ مشورہ پسند کر کے خلیفہ مقتدر کے بیٹے فضل کو جو مدت سے روپوش تھا۔ تلاش کر کے جمادی الاخریٰ ۳۳۴ھ میں تخت خلافت پر متمکن کیا۔ اور اس نے مطیع اللہ کا لقب اختیار کیا۔

مطیع محض نام نہاد خلیفہ تھا۔ اسے امور مملکت سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس کا وظیفہ پانچ ہزار ماہانہ سے کم کر کے تین ہزار کر دیا گیا۔

جاگیریں فوجوں کے تصرف میں | فوجیں روپیہ طلب کرتی تھیں اور حکومت کا خزانہ خالی پڑا تھا۔ معز الدولہ نے

بہترے ہاتھ پاؤں مارے۔ رعایا سے بھی بہت کچھ ہتھیایا۔ لیکن فوجی مظہن نہ ہوئے۔ اس لئے خالد شاہی اور امرا کی جاگیریں فوجی افسروں کے سپرد کر دی گئیں۔ عام جاگیریں خراب حالت میں تھیں۔ زراعت برباد ہو گئی۔ پیداوار میں کمی واقع ہوئی۔ گاؤں ویران ہو گئے۔ جو جاگیریں کسی قدر بہتر حالت میں تھیں۔ ان پر فوجیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور معز الدولہ کا ان پر کچھ زور نہ رہا۔

معمولی علاقے جو عام سپاہیوں کے حصے میں آئے۔ دیکھ بھال اور رکھ رکھاؤ سے محروم ہو گئے۔ اس لئے ان کی حالت پہلے سے بھی ابتر ہو گئی۔ فوجیوں نے کسانوں سے محاصل وصول کرنے کے لئے سختی سے کام لینا شروع کیا۔ تو کسان تباہ ہو گئے۔ محاصل کی آمدنی میں افسوس ناک کمی آگئی۔ چونکہ یہ جاگیریں ترک فوج کے حصے میں آئی تھیں۔ اس لئے ویلی بگڑ گئے۔ اور عام افراتفری پھیل گئی۔

بنی بویہ اور آل حمدان | فی الواقع بنی بویہ کے دور تسلط سے عباسی خلافت ختم ہو گئی۔ اب عراق میں دو طاقتیں بہت بڑی

تھیں۔ (۱) موصل کے حمدانی عرب اور (۲) بصرہ کی بریدی حکومت۔ معز الدولہ کے عہد میں دونی طاقتیں اور پیدا ہو گئیں۔ (۱) بطیمہ میں شاہین ریاست (۲) عمان میں یوسف بن وجیہہ کی طاقت۔ معز الدولہ کو ان چاروں سے عہدہ برآ ہونا پڑا۔

اور بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔

آل حمدان عرب اور سنی تھے۔ اور بنی بویہ عجمی اور شیعہ۔ یوں تو ان دونوں میں قدیم زمانے ہی سے کشیدگی چلی آتی تھی۔ لیکن خلافت بغداد پر بنی بویہ کے تصرف کے بعد ان سے بنی حمدان کی آتش عناد تیز تر ہو گئی۔ اور مستکفی کے ساتھ بنی بویہ کی بدسلوکی سے تو ان کے جوش مخالفت کی کوئی حد نہ رہی۔ چنانچہ ہذبہ انتقام سے آگ بگولا ہو کر ناصر الدولہ نے بغداد پر ہلہ بول دیا۔ معز الدولہ نے مدافعت کا انتظام کیا۔ اور طرفین میں شدید مقابلہ ہوا۔ آخر ناصر الدولہ نے منہ کی کھائی۔ اور ولیمیوں نے اس کے سامان پر جھاڑو پھیر دی۔ محرم ۳۳۵ھ میں معز الدولہ نے دوبارہ بغداد پر قبضہ کر لیا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد فریقین میں مصالحت ہو گئی۔ لیکن یہ مصالحت نام نہاد تھی۔ دونوں میں خون و آتش کا دریا سا لہا سال تک موجزن رہا۔ یہاں تک کہ ۳۵۲ھ میں پھر صلح کا عہد و پیمان ہو گیا۔

دوسری مخالف طاقت ابوالقاسم
ابوالقاسم بریدی کی شورش انگیزی | بریدی والی بصرہ کی تھی ۳۳۵ھ میں

اس نے شورش و بغاوت کا پرچم لہرایا۔ لیکن معز الدولہ نے اسے ایسے ناک چنے چبوائے۔ کہ بصرہ پر حملہ کر کے اس کا دست قوت ہمیشہ کے لئے شل کر دیا۔

۳۳۸ھ میں عمران بن شاہین نے بطیحہ میں
بطیحہ میں شاہین ریاست | ایک ریاست کی داغ بیل ڈالی۔ عمران ایک

معمولی سپاہی تھا۔ لیکن اس نے اولوالعزمی اور بہادری کے بل بوتے پر فتح حاصل کرتے ہوئے بطیحہ کا علاقہ زیر نگین کر لیا۔ اب تو معز الدولہ بھی چونک پڑا۔ اور پوری طرح لیس ہو کر اس کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔ لیکن عمران کچی گولیاں نہ کھیلا تھا۔ اس نے وہ پٹے کے ہاتھ دکھائے۔ کہ معز الدولہ کی فوجوں کو میدان سے بھاگنا پڑا۔ آخر معز الدولہ نے مجبور ہو کر صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ اور بطیحہ کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔ لیکن اس کے بعد بھی اس کی تباہی خیز سرگرمیوں میں کوئی کمی

واقع نہ ہوئی۔ ناچار معزالدولہ نے پھر اس پر حملہ کیا۔ مگر بیماری کے باعث اس مہم میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور عمران نے بطیحہ میں باضابطہ شاہینہ ریاست قائم کر لی۔

۳۵۱ھ میں روز بہان ملی نے اپنا
اہواز اور شیراز میں بغاوت کے شعلے اور اس کے بھائی بلکانے شیراز میں

بغاوت کر دی۔ معزالدولہ کو سخت پریشانی ہوئی۔ لیکن نہایت بہادری اور استقلال سے مقابلہ کر کے دونوں باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا اور جوش انتقام میں دلی افسروں کو آگے بڑھایا۔ اور فوج میں ترک ہی ترک بھروسے لگے۔

بحرین اور عمان میں مخالفانہ مظاہرے
عمان کے حاکم یوسف بن وجیہ نے قرامطہ کو ساتھ لے کر بصرہ

پر ہلہ بول دیا۔ لیکن معزالدولہ کی فوجوں نے ان کے دانت کھٹے کر دیے۔ یوسف کی وفات کے بعد اس کا غلام نافع جانشین ہوا۔ ۳۵۲ھ میں معزالدولہ نے اسے مغلوب کیا۔ اہل عمان نے معزالدولہ کے خلاف مظاہرے کرتے ہوئے وہاں کی حکومت قرامطہ حجر کے سپرد کر دی۔ لیکن وہ نااہل ثابت ہوئے۔ اس پر ان میں باہم پھوٹ پڑ گئی۔ اور حکومت کا سفینہ ڈگمگانے لگا۔ یہ حالات دیکھ کر ۳۵۵ھ میں معزالدولہ نے عمان پر فوج کشی کر کے اسے زیر نگین کیا۔ اور قتل عام کر کے اس مخالف طاقت کو پڑے پڑے کر دیا۔

شیعیت کی فتنہ انگیز تبلیغ
معزالدولہ نے خلفائے ائمہ کا گلا گھونٹنے کے ساتھ ہی بغداد میں کھلم کھلا شیعیت کی

ترویج و اشاعت شروع کر دی۔ اور ۳۵۶ھ میں جامع مسجد بغداد کے دروازے پر تبرّاکی عبارت لکھوادی۔

معزالدولہ نے اس سے بھی آگے بڑھ کر بغداد میں عید غدیر منانے کا حکم دیا۔ اور زور شور سے ڈھول بجا کر اظہارِ مسرت کیا گیا۔

۳۵۲ھ کے آغاز میں معزالدولہ نے حکم دیا کہ "۱۰ محرم کو شہادت حضرت

امام حسینؑ کے سوگ میں تمام دکانیں بند رکھی جائیں۔ خرید و فروخت موقوف کر دی جائے۔ شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ماتمی لباس پہن کر نوہ کریں۔ عورتیں بال کھولے۔ چہرے کو سیاہ اور کپڑوں کو چاک کئے ہوئے سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی اور سینہ کو بی کرتی ہوتی نکلیں۔ "مثنیٰ یہ حکم سن کر دم بخود نہ گئے۔ اور حکومت کے مقابلے میں ان کا کچھ بس نہ چلا۔ لیکن جب اگلے سال ۳۵۳ھ میں پھر یہی حکم دہرایا گیا۔ اور سنیوں پر بھی اس حکم کی تعمیل لازم قرار دی گئی۔ تو وہ اس ذلت کو برداشت نہ کر سکے۔ اور شیعوں۔ سنیوں میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی جس سے خون کی ندیاں بہ گئیں۔ اور بغداد کے گوشے گوشے میں شورش و بد نظمی کے شعلے بلند ہونے لگے۔

۳۵۶ھ میں معزالدولہ عمران بن شاہین کو مغلوب

معزالدولہ کی وفات

کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ کہ راستے میں طبیعت ناساز

ہو گئی۔ اس لئے واسط واپس چلا آیا۔ یہاں مرض کی شدت بڑھ گئی۔ اور صحت کے متعلق مایوسی ہو گئی۔ تو بغداد آ گیا۔ بہتر علاج کیا۔ لیکن شفا نہ ہوئی۔ آخر بائیس سال حکومت کرنے کے بعد ۳۵۶ھ میں انتقال کیا۔

معزالدولہ کے بعد اس کا بیٹا معزالدولہ حکمرانی کرنے

معزالدولہ کی حکومت

لگا۔ یہ ناقابل تھا۔ اور اس نے اپنے باپ کی کسی

وصیت کا بھی پاس نہ کیا۔ البتہ ابوالفضل عباس بن حسین کو وزیر مقرر کیا۔ اسے نظام حکومت کی ہوائ تک نہ لگی تھی۔ اور رات دن عیش و عشرت میں غرق رہتا تھا۔

معزالدولہ نے جاگیر دار دہلیسی امرا کو جاگیروں کی ہوس میں نکال باہر کیا۔ بکتگیر

ترک کے ساتھ ناجائز برتاؤ کیا۔ اس طرح دیالمہ اور ترک دونوں اس کے

مخالف ہو گئے۔

بغداد میں شورش | حکومت کا خزانہ معزالدولہ کے عہد میں بھی خالی ہو گیا

تھا۔ لیکن وہ لشٹم پشٹم کر کے کاربہ آری کرتا رہا۔ عزالدولہ کے زمانے میں روپے کی اور بھی کمی ہو گئی۔ عباس وزیر نے رعایا کو ڈکھ دے کر زبردستی روپیہ وصول کیا۔ جس سے شہر کے تمام لوگ بیچ اٹھے۔ اور بغداد میں شورش کا بازار گرم ہو گیا۔

۳۶۲ھ میں عزالدولہ نے عباس کو معزول کر کے محمد بن بقیہ کو منصب وزارت پر فائز کیا۔ اس نئے وزیر نے اصلاح حالات کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا۔ آخر وہ بھی اپنے پیش رو کے نقش قدم پر چلنے لگا۔ اور بغداد پھر ظلم و بد نظمی کا مرکز بن گیا۔ سبکتگین بڑی مشکل سے صورت حال کو اعتدال پر لایا۔

۳۶۳ھ میں سورا اتفاق سے ایک ترک اور ترکوں اور دہلیوں میں ہنگامہ ہو گیا۔ جس نے بڑھتے بڑھتے ان دونوں جماعتوں کے بہت سے حریفوں کو مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ اور طرفین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔

ان دنوں بغداد میں سبکتگین کا طوطی بول رہا تھا۔ عزالدولہ نے اسے گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن سے وقت سے پہلے خبر ہو گئی۔ اور وہ بچ نکلا۔ پھر اس نے عزالدولہ کے بھائی ابو سحن کو حکومت پیش کی۔ اس نے انکار کیا۔ تو سبکتگین نے عزالدولہ کے محل کو آگ لگا دی۔ اور اثر و اقتدار سے کام لے کر دیالمہ سے بڑی طرح انتقام لیا۔ بغداد میں ترکوں کی حکومت سے سنیوں کو شیعوں سے بدلہ لینے کا موقع مل گیا۔ اور ان دونوں میں خونریزی لڑائی ہونے سے کشتوں کے پتے لگ گئے۔ لیکن ترکوں کے اقتدار کے باعث سنی غالب رہے۔

عباسیوں اور ترکوں کے زمانے میں رومیوں کو اسلامی رومیوں کی یورش علاقوں پر قابض ہونے کا خیال بھی نہ آیا تھا۔ لیکن بنی بویہ کی خانہ جنگی نے ان کے حوصلے بڑھادئے۔ اور انھوں نے جزیرہ شام آرمینیا آذربائیجان وغیرہ پر تاخت و تاراج شروع کر دی۔ جو برسوں تک جاری رہی۔

رومیوں نے اکثر سرحدی شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ان دنوں مسلمان حکمرانوں میں سیف الدولہ والی حلب بڑا بہادر تھا۔ اس لئے وہ تن تہاد شمن کے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ ان خونریز لڑائیوں میں لاکھوں مسلمان ہلاک اور اسیر ہوئے۔ مسجدیں شہید کر دی گئیں۔ اور کثیر التعداد مسلمانوں کو زور و جبر سے عیسائی بنا لیا گیا۔

۳۵۶ھ میں سیف الدولہ نے وفات پائی۔ تو اس کا غلام قرویبہ حلب پر قابض ہو گیا۔ سیف الدولہ کے بیٹے ابوالمعالی شریف نے اس سے جنگ کی۔ رومیوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر شام پر تباہ کن حملے کئے۔ اور اس لہلہاتے چمن زار کو بے آب و گیاہ صحرا میں تبدیل کر دیا۔

اس کے بعد رومیوں نے ملاذ کرد پر دست تصرف دماز کیا۔ اور دیار بکر پر دھاوا کرنے کی تدبیر کر رہے تھے۔ کہ قیصر امانوس کے کمان دار اعظم تقفوز کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ قتل تقفوز سے ذرا متاثر نہ ہوتے ہوئے ۳۶۱ھ میں رومیوں نے دیار بکر پر فوج کشی کر کے اسے تہس نہس کر دیا۔ آخر ناصر الدولہ کے بیٹے ہبیب اللہ نے رومیوں کو ناک چنے چبوا کر ان کے کمان دار اعظم کو گرفتار کر لیا۔ اس سے رومیوں کے حملے کا زور ٹوٹ گیا۔

سبکتگین نے مطیع کی دیرینہ بیماری بھانپ کر ۳۶۳ھ میں اس پر مطیع کا انتقال

زور ڈالتے ہوئے اسے اس کے بیٹے عبدالکریم طائع کے حق میں خلافت سے دست بردار کر دیا۔ اس کے بعد اس نے بغداد سے واسط کی ماہلی اور وہیں ۲۹ سال خلافت کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

مطیع کا دور حکومت فتنہ و فساد سے لبریز رہا۔ قحط کا یہ عالم تھا۔ کہ لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ غرض بغداد کا جنت نظیر شہر ہولناک ہنگاموں اور قیامت خیز انقلابات کے ہاتھوں جہنم زار بن گیا۔

طائغ للہ

۳۶۳ھ تا ۳۸۱ھ

عبدالکریم نام۔ ابو الفضل کنیت۔ طائغ للہ لقب۔ ہزار کنیز کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور ۲۳ ذیقعد ۳۶۳ھ چہار شنبہ کو اورنگ خلافت پر بیٹھا۔ سبکتگین کو نصر الدولہ کا خطاب دے کر عز الدولہ کی جگہ نائب سلطنت مقرر کیا۔ عز الدولہ اپنی والدہ سے ملنے کے لئے واسط آیا۔ اور رکن الدولہ والی فارس کو سبکتگین اور ترکوں کے خلاف امداد بھیجنے کے لئے تحریر کیا۔ رکن الدولہ نے اپنے وزیر ابوالفتح بن عمید کو فوج دے کر بھیجا۔ اور عضد الدولہ کو خط لکھا۔ کہ تم بھی اپنے بھائی عز الدولہ کی مدد کرو۔ ادھر سبکتگین ترکی فوج کو ساتھ لے کر عازم واسط ہوا۔ یہ اطلاع پاتے ہی ابوتغلب حاکم موصل نے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران میں سبکتگین نے وفات پائی۔ تو ترکوں نے افنگین کو اپنا سردار منتخب کر کے واسط کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ یہ محاصرہ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک جاری رہا۔ عز الدولہ اور عضد الدولہ نے کچھ دن واسط میں رہ کر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ عرصے کے بعد فتنہ و فساد ار کا بازار گرم ہو گیا۔ آخر جمادی الاولیٰ ۳۶۳ھ میں عز الدولہ اور عضد الدولہ بغداد میں داخل ہوئے۔ رجب ۳۶۳ھ میں عضد الدولہ نے طائغ للہ کو بغداد واپس بلا کر بیعت کی۔ اور عز الدولہ کو قید و بند میں ڈال کر خود حکومت کرنے لگا۔ رکن الدولہ نے اس صورت حالات سے اطلاع پا کر عضد الدولہ کو ایک عتاب آمیز فرمان لکھا۔ جس کی تعمیل میں عضد الدولہ نے عز الدولہ کو رہا کر کے عراق کا والی بنا دیا۔ اور ابوالفتح کو عز الدولہ کے پاس چھوڑ کر خود فارس کی راہ لی۔

۳۶۶ھ میں رکن الدولہ نے وفات پائی۔ اور عضد الدولہ

عضد الدولہ کی حکومت

اس کا جانشین ہوا۔ اب عز الدولہ اور عضد الدولہ میں

لڑائی ہونے لگی۔ اور موخر الذکر نے اپنے حریف کو تہ تیغ کر دیا۔ آخر ۳۶۲ھ میں عضد الدولہ نے ساڑھے پانچ برس حکومت کرنے کے بعد انتقال کیا۔ اور اس کا بیٹا مصمّم الدولہ

تحت حکومت پر متکین ہوا۔

صمصام الدولہ کی حکومت | ادھر صمصام الدولہ نے عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ ادھر اس کا بھائی شرف الدولہ باغی ہو کر

فارس پر قابض ہو گیا۔ ۳۷۵ھ میں شرف الدولہ نے بغداد پر فوج کشی کی۔ ۳۷۶ھ میں اس نے صمصام الدولہ کو گرفتار کر کے بغداد پر دست تصرف دراز کیا۔

شرف الدولہ کی حکومت | شرف الدولہ کے دوران حکومت میں موصل فتنہ و فساد کی جولان گاہ تھا۔ خلب وغیرہ پر سعد الدولہ

کا پرچم حکومت بہا رہا تھا۔ ۳۷۹ھ میں شرف الدولہ نے دو سال آٹھ ماہ کی حکومت کے بعد انتقال کیا۔ اور اس کا بھائی بہار الدولہ سریر آرائے حکومت ہوا۔

بہار الدولہ کی حکومت | بہار الدولہ نے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی ناصر الدولہ کے بیٹوں ابراہیم اور حسن کو موصل کی حکومت کا پروانہ

دیا۔ ۳۸۰ھ میں بہار الدولہ نے اپنے برادر زادہ ابو علی والی فارس کو قریب سے طلب کر کے تلواز کے گھاٹ اتار دیا۔ اور خود فارس کی راہ لی۔ اسی دوران میں صمصام الدولہ نے فارس میں اپنے گرد ایک جمعیت فراہم کر کے فارس پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ آخر بہار الدولہ نے صمصام الدولہ کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لی کہ فارس صمصام الدولہ کے زیر نگیں رہے۔

فارس سے فارغ ہو کر بہار الدولہ بغداد آیا۔ یہاں سنیوں اور شیعوں میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ بہار الدولہ نے ان میں صلح کرا دی۔

طالع کی گرفتاری | دیلمی حکومت کا خزانہ خالی ہونے کے باعث فوج کی تنخواہ میں بے قاعدگی اور بد نظمی پیدا ہو گئی۔ اس لئے ۳۸۱ھ

میں فوج نے عزم بغاوت بلند کر کے ایک طوفان برپا کر دیا۔ بہار الدولہ نے اپنے ایک مشیر کی رائے سے طالع کو گرفتار کر کے اس کی دولت کے سمیٹ لینے کا منصوبہ باندھنا پختہ وہ طالع سے ملاقات کے بہانے چند دیلمیوں کی معیت میں اس کے پاس

پہنچا۔ اور اسے کھینچ کر تخت سے نیچے اتار لیا۔ پھر اسے تخت خلافت سے معزول کر کے نظر بند کر دیا۔ وہیں ۳۹۳ھ میں اس نے سترہ سال آٹھ مہینے کی خلافت کے بعد ۶۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔

طائع بڑا قوی الصحت اور بہادر آدمی تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے ایک مست بہاڑی مینڈھے سے لڑائی کر کے اسے مغلوب کر لیا تھا۔ سیاسیات اور نظام حکومت کے باب میں وہ بالکل کور تھا۔ اس کے عہد میں دیالہ حکومت کے سیاہ و سپید پر چھا گئے۔ اور خلافت کی قوت نے دم توڑ دیا۔

قادر باللہ

۳۸۱ھ تا ۴۲۲ھ

احمد نام۔ ابو العباس کنیت۔ قادر باللہ لقب۔ دمنہ کنیز کے بطن سے پیدا ہوا۔ ۱۲ رمضان المبارک ۳۸۱ھ کو ۴۴ سال کی عمر میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ یہ ماہر سیاسیات اور شان و شکوہ کا خلیفہ تھا۔ اور اس نے کھوئے ہوئے عباسی اقتدار کو امکانی حد تک بحال کرنے میں تمام قوتیں صرف کر دیں۔

۳۸۳ھ میں بہار الدولہ نے مصمام الدولہ کے ساتھ معاہدہ مصالحت کے خلاف

فارس پر بہار الدولہ کی حکومت

فارس پر فوج کشی کی۔ لیکن ناکام رہا۔ ایک سال کے بعد پھر حملہ کیا۔ حتیٰ کہ ۳۸۸ھ تک جنگ وجدل کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر ذی الحجہ ۳۸۸ھ میں مصمام الدولہ ہتھیار کر دیا گیا۔ اور فارس پر بہار الدولہ کا پرچم حکومت لہرائے لگا۔

۳۸۹ھ میں بہار الدولہ نے عراق کی حکومت ابو جعفر حجاج بن ہرمنہ کے سپرد کی۔ جسے خلیفہ قادر باللہ نے عمید الدولہ کے نام سے نوازا۔

کچھ عرصے کے بعد شیعوں اور سنیوں میں لڑائی ہو گئی۔ اس پر بہار الدولہ نے

عمید الدولہ کو معزول کر کے ۳۹۰ھ میں اس کی جگہ ابو علی حسن بن ہرمز کو مقرر کیا۔ اور عمید الجیوش کا خطاب عطا کیا۔ اس نے شیعہ سنی کے فساد کا قلع قمع کر کے نظام حکومت کو بہ طریق احسن انجام دیا۔

۳۹۱ھ میں عمید الجیوش بھی معزول کر دیا گیا۔ اور عراق و بغداد کی عنان حکومت ابو نصر بن سابور کے ہاتھ میں آئی۔ شیعوں اور سنیوں میں پھر فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ مگر جلد ہی آب مصالحت سے بچھادی گئی۔

۳۹۲ھ یا بہ اختلاف روایت ۳۹۲ھ میں بمقام ارجان بہار الدولہ کی وفات

سال کی حکومت کے بعد وفات پائی۔

بہار الدولہ کے بعد اس کا بیٹا ابو شجاع سلطان الدولہ سند آرائے حکومت ہوا۔ اس نے اپنے

ایک بھائی ابو طاہر جلال الدولہ کو بصرہ کی اور دوسرے بھائی ابو الفوارس کو کرمان کی حکومت عطا کی۔ اور ابو محمد حسن بن سہلان کو نائب السلطنت مقرر کیا۔

بہت سے دہلیوں نے ابو الفوارس کے کان بھر کر اسے سلطان الدولہ کے خلاف پٹی پڑھاتے ہوئے اپنے بھائی سے حکومت چھین لینے پر ابھارا۔ چنانچہ ابو الفوارس نے شیراز پر فوج کشی کی۔ لیکن سلطان الدولہ نے اسے شکست دے کر کرمان تک اس کا تعاقب کیا۔ ابو الفوارس نے سلطان محمود غزنوی سے استمداد کی۔

اس نے امیر ابو سعید طائی کو فوج دے کر اس کے ساتھ کر دیا۔ ابو الفوارس نے کرمان اور شیراز پر قبضہ کر لیا۔ سلطان الدولہ یہ خبر سنتے ہی لوٹا۔ اور ابو الفوارس کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اب کے وہ محمود غزنوی کے پاس نہ گیا۔ کیونکہ ابو سعید کے ساتھ

اس کا سلوک اچھا نہ رہا تھا۔ اور اس نے ہندب الدولہ حاکم بطیمہ کے دامن میں پناہ لی۔ پھر سلطان الدولہ سے معذرت طلب کر کے کرمان کی حکومت پر فائز ہوا۔

مشرف الدولہ کی حکومت | جب عراق میں مشرف الدولہ کی حکومت قائم ہوئی۔ تو سلطان الدولہ نے اپنے بیٹے ابو کالیجار

کو فوج دے کر بھیجا۔ اس نے ابواز پر قبضہ کر لیا۔ ۱۲۱۲ھ میں قرار پایا۔ کہ عراق مشرف الدولہ کے زیر نگیں رہے۔ اور فارس پر سلطان الدولہ کی حکومت ہو۔

۱۲۱۲ھ میں کوثر شیعوں اور سنیوں کا میدان جنگ بن گیا۔ اس جنگ کی آگ بغداد تک جا پہنچی۔ خلیفہ قادر باللہ نے آتش فساد کو فرو کرنے کی کوشش کی۔ ترکوں نے جو سب کے سب سنی تھے۔ اور بغداد کے سنیوں نے خلیفہ کی تائید و حمایت کی۔ جس سے اسے کچھ وقار حاصل ہو گیا۔

سلطان الدولہ اور مشرف الدولہ کا انتقال | ۱۲۱۵ھ میں سلطان الدولہ نے وفات پائی۔ اور ۱۲۱۶ھ

میں مشرف الدولہ نے پانچ سال کی حکومت کے بعد انتقال کیا۔

جلال الدولہ کی حکومت | سلطان الدولہ کے بعد اس کے بیٹے ابو کالیجار نے فارس کی عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ اور مشرف الدولہ

کے بعد عراق میں اس کا بھائی جلال الدولہ تحت حکومت پر بیٹھا۔

۱۲۱۹ھ میں ترکوں نے جلال الدولہ کے خلاف عظیم بغاوت بلند کیا۔ لیکن قادر کی کوشش سے مصالحت ہو گئی۔

اسی سال ترکوں اور دیلمیوں میں جنگ ہوئی۔ اور جلال الدولہ کے بیٹے ابو منصور عزیز حاکم بصرہ نے طرح مصالحت ڈالنے کی کوشش کی۔

اس کے بعد ابو کالیجار نے عراق پر فوج کشی کی۔ جلال الدولہ نے اس کے مقابلے پر لشکر بھیجا۔ اس طرح جنگ و جدل کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اور تباہی و ہلاکت کا یہ ہولناک سلسلہ برسوں جاری رہا۔ حتیٰ کہ ۱۲۲۳ھ میں خلیفہ قادر باللہ کا انتقال ہو گیا۔

خصائل و فضائل | قادر باللہ عالم و فاضل۔ مدبر و سیاست دان اور متقی تھا۔

عدل و انصاف میں مشہور تھا۔ اس کے عہد حکومت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ کوئی رکن حکومت کسی پر تشدد نہ کر سکتا تھا۔

علم کے ساتھ اس کا دامن سیرت عمل کے موتیوں سے بھی مالال تھا۔ اس کی دین داری تہجد گزاری اور سخاوت ضرب المثل تھی۔

صدقہ اور خیرات کا یہ حال تھا۔ کہ اپنے افطار کی چیزوں کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ خود استعمال کرتا تھا۔ اور باقی دو حصہ اور بغداد کی مسجدوں میں بھیج دیتا تھا۔

ابن اشیر لکھتا ہے :-

”قادر باللہ سے پہلے خلافت ترکوں اور دلیمیوں کی ہوا وہوس کا اکھاڑا ہی ہوئی تھی۔ قادر نے اس کی شان و عظمت میں دوبارہ روح پھونک دی۔ قدرتاً لوگ اس سے مرعوب رہتے تھے۔ اور کسی کو اس کے حکم سے سرتابی کی جرات نہ ہوتی تھی۔“

ابن طقطقی کا بیان ہے :-

”قادر کے عہد میں عباسی خلافت کو دوبارہ عروج حاصل ہوا۔ اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ اور اس کا پورا نظام مضبوط و مستحکم ہو گیا۔ دیالہ نے اپنے آپ کو حکومت کے سیاہ و سپید کا مالک سمجھ رکھا تھا۔ اور عزل و نصب کی باگ اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی۔ لیکن قادر جس تقرر کو خلافت طبع سمجھتا تھا۔ نامعلوم کر دیتا تھا۔“

قائم بامر اللہ

۲۲۲ھ تا ۲۶۷ھ

عبداللہ نام۔ ابو جعفر کنیت۔ قائم بامر اللہ لقب۔ ایک ارمنی کینز بدر الدجی کے بطن سے پیدا ہوا۔ ذی الحجہ ۲۲۲ھ میں ۳۱ سال کی عمر میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔ اُن دنوں نظامِ خلافت کے فرائض جلال الدولہ انجام دیتا تھا۔ لیکن اس کی غفلت ایسا رنگ لائی کہ ترکی فوج کی مسلسل بغاوت نے اس کا سارا انتظام حکومت زیر و زبر کر دیا۔

۲۱۹ھ میں ترکوں کی بغاوت کا مختصر حال اوپر گزر چکا ہے۔ ۲۲۲ھ میں شیوہ سنی تصادم سے فائدہ اٹھا کر ترکی فوج نے پھر سراٹھایا۔ لیکن آپ زرنے شورش کی آگ بجھادی۔

۲۲۳ھ میں پھر فوجِ عظیم بغاوت بلند کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور جلال الدولہ کا پتلا حال کر دیا۔ اس پیہم بد نظمی سے بغداد کا امن و ضبط تباہ ہو گیا۔

۲۲۴ھ میں فوج نے آتشِ بغاوت مشتعل کر کے جلال الدولہ کے مکان میں ٹوٹ مچادی۔ وہ تکریت چلا گیا۔ قائم نے اس میں اور ترکوں میں صلح کرادی۔

۲۲۸ھ میں جلال الدولہ اور اس کے بھتیجے ابو کالیجار میں صلح ہو گئی۔

۲۲۹ھ میں جلال الدولہ نے قائم سے اسے "ملک الملوک" کا خطاب عطا کرنے کی استدعا کی۔ قائم نے علماء سے استفتاء کے بعد اسے "ملک الملوک" بنا دیا۔

۲۳۱ھ میں ابو کالیجار نے بصرہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے بیٹے عز الملوک کو بصرہ کا حاکم مقرر کرنے کے خود ہواز کی راہ لی۔

اسی سال طفل بیگ سلجوقی نے نیشاپور پر قبضہ کر لیا۔ اور خراسان کو زیر نگین کر کے سلطان اعظم بن گیا۔

۲۳۵ھ میں جلال الدولہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا ملک العزیز اس

کا قائم مقام مقرر کیا گیا۔ لیکن ملک العزیز فوج کو خوش نہ رکھ سکا۔ ابو کالیجار نے موقع پا کر فوج کے افسروں کو اپنا طرف دار بنا لیا۔ اور وہ ۲۳۶ھ میں بغداد پہنچ گیا۔ قائم نے اسے "محمی الدین" کے خطاب سے نوازا۔ ۲۳۹ھ میں ابو کالیجار نے سلطان طغرل بیگ سے اپنی بیٹی کا عقد کر کے صلح کر لی۔

ابو کالیجار نے اصفہان و کرمان کو زیر نگین کیا۔ اور چار سال کی حکومت کے بعد ۲۴۲ھ میں وفات پائی۔ اس کے

بعد اس کا بیٹا ابو نصر فیروز "ملک الرحیم" کے لقب سے مشہور ہوا۔
ملک الرحیم کی حکومت | اور اس کا بھائی ابو منصور خسرو شیراز پر قابض ہو گیا۔

اب بغاوتوں پر بغاوتیں اور فساد پر فساد شروع ہوئے سیکڑوں آدمی ہلاک ہو گئے۔ ۲۴۲ھ میں سلطان طغرل بیگ نے اصفہان پر دست تصرف دراز کیا۔ اور اس کے بھائی ارسلان بن داؤد نے فارس پر قبضہ کر لیا۔

۲۴۳ھ میں سلطان طغرل بیگ بغداد پہنچا۔ اور قائم نے اسے خلعت عطا کیا۔ ۲۴۵ھ میں شیعوں اور سنئیوں میں نہایت ہولناک فساد رونما ہوا۔ جس میں محلے کے محلے جل کر راکھ کے ڈھیر ہو گئے۔ قائم نے بڑی مشکل سے فساد کی آگ بجھائی۔ ملک الرحیم اپنے بھائی بھتیجوں سے جنگ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۲۴۶ھ شروع ہو گیا۔

اس دوران میں سلطان لغزل بیگ نے آذربائیجان اور جزیرہ پر تسلط بٹھایا۔ رومیوں سے جنگ کر کے بہت سا زر و مال حاصل کیا۔ اور خراسان و فارس کو بخوبی زیر نگین کر کے موصل و شام پر قبضہ جما لیا۔ قائم نے سلطان طغرل بیگ کی یوں عزت افزائی کی۔ کہ خطبوں میں اس کا نام لیا جانے لگا۔ سلطان نے خلیفہ سے باریابی کی اجازت حاصل کی۔ اور ۲۵ رمضان ۲۴۶ھ کو بغداد میں سلطان طغرل بیگ کا خیر مقدم کیا گیا۔ بسا سیری نے بغداد کو فتنہ و فساد کا شعلہ زار بنا دیا۔ طغرل بیگ نے آتش جنگ

فرو کر کے دلیلیوں کا دست قوت مثل کر دیا۔
 ۱۲۲۸ھ کے آغاز میں سلطان طغرل بیگ نے اپنی بھتیجی خدیجہ المنیاطب
 اور سلان خاتون کا عقد خلیفہ سے کر کے خاندان خلافت سے قرابت داری قائم کی۔
 آخر شوال ۱۲۲۸ھ میں سلطان طغرل بیگ کے چیرے بھائی قتلش نے بسا سیری
 سے جنگ کر کے شکست کھائی۔ اور بسا سیری نے صوبہ موصل کو تصرف میں لا کر
 اپنے دوست مستنصر عبیدی والی مصر کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ طغرل بیگ نے
 موصل پر فوج کشی کر کے اسے فتح کیا۔ اور آغاز ۱۲۲۹ھ میں بغداد کی طرف
 مراجعت کی۔

خلیفہ نے نہایت تپاک و گرم جوشی سے طغرل بیگ کا خیر مقدم کیا۔ ایک
 دربار منعقد کر کے اسے "ملک المشرق والمغرب" کے خطاب سے نوازا۔ اور تمام
 ملکوں کی عنان حکومت اس کے سپرد کر دی۔

اسی اثنا میں بسا سیری نے والی مصر سے سازش کر کے ہمدان میں بغاوت کرا
 دی۔ طغرل بیگ نے اسے فرو کرنے کے لئے ادھر کی راہ لی۔ بسا سیری موقع پا کر
 بغداد پر قابض ہو بیٹھا۔ اور ذی قعدہ ۱۲۵۰ھ کو اس نے عبیدی والی مصر کے نام کا
 خطبہ پڑھوایا۔ بغداد کے شیعوں نے اپنے ہم عقیدہ بسا سیری کو ہر امکانی امداد
 بہم پہنچائی۔

بغداد کے سنیوں نے بسا سیری کے تشدد سے تنگ آ کر علم بغاوت بلند کر دیا۔
 لیکن متعدد افراد شکست کھا کر مارے گئے۔ بسا سیری نے قائم کے وزیر اعظم کو
 نذر دار کر کے والی مصر سے استمداد کی۔ لیکن اس نے کسی قسم کی امداد بہم نہ پہنچائی۔
 اس اثنا میں بسا سیری کو خبر ملی۔ کہ سلطان طغرل بیگ نے اپنے بھائی ابراہیم
 کے مقابلے میں فتح حاصل کر لی ہے۔ اس پر بسا سیری نے خلیفہ اور اس کی بیوی
 اور سلان خاتون کو گرفتار کر کے بغداد سے باہر کسی مقام پر نظر بند کر دیا۔ اور قصر خلافت
 میں جھاڑو پھروادی۔

جو نہی طغرل بیگ کو ان واقعات کا علم ہوا۔ اس نے فی الفور بغداد کی طرف باگ اٹھائی۔

۶ ذی قعد ۴۵۱ھ کو بسا سیری نے بغداد کو خیر باد کہی۔ اور طغرل بیگ بغداد میں داخل ہوا۔

اس کے بعد سلطان طغرل بیگ نے خلیفہ کو بغداد میں طلب کر کے اورنگ خلافت پر متمکن کیا۔ اور اس سے معذرت طلب کی۔ ۲۵ ذی قعد ۴۵۱ھ کو قائم بغداد میں وارد ہوا۔

اس کے بعد سلطان طغرل بیگ نے خلیفہ کو بغداد میں طلب کر کے اورنگ خلافت پر متمکن کیا۔ اور اس سے معذرت طلب کی۔ ۲۵ ذی قعد ۴۵۱ھ کو قائم بغداد میں وارد ہوا۔

حکومت سلجوقیہ کا آغاز

یہ لوگ ترکوں کے ایک شریف قبیلے کے سردار کا نام تھا۔ یہ لوگ ترکوں سے زیادہ تہذیب یافتہ اور زیادہ طاقتور تھے۔ سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد سلجوق قبیلہ خراسان کے طول و عرض میں پھیل گیا۔ غزنویوں اور سلجوقیوں میں متعدد خونریز لڑائیاں ہوئیں۔

جن میں سلجوقیوں نے فتح پاکر حیرت انگیز ترقی کی۔ ان کے سردار طغرل بیگ نے خراسان آذربائیجان اور جزیرہ وغیرہ کو مسخر کر کے اپنی طاقت میں اضافہ کیا۔ پھر اس نے بغداد کی طرف عنان توجہ منعطف کر کے دیالمہ کو بے دخل کرتے ہوئے بغداد میں نائب السلطنہ کا منصب عالیہ حاصل کیا۔ اور اس کا خاندان مدت دراز تک حکومت کی گراں بہا نعمت سے بہرہ یاب رہا۔ اس کے جانشین الپ ارسلان سلجوقی نے ڈینیوب سے سندھ تک ایک زبردست حکومت قائم کی۔

۴۵۱ھ میں بسا سیری نے کوفہ کو قتل و غارت کا ہنگامہ مارنا شروع کیا۔

۴۵۱ھ میں بسا سیری نے کوفہ کو قتل و غارت کا ہنگامہ مارنا شروع کیا۔

۴۵۱ھ میں بسا سیری نے کوفہ کو قتل و غارت کا ہنگامہ مارنا شروع کیا۔

۴۵۱ھ میں بسا سیری نے کوفہ کو قتل و غارت کا ہنگامہ مارنا شروع کیا۔

۴۵۱ھ میں بسا سیری نے کوفہ کو قتل و غارت کا ہنگامہ مارنا شروع کیا۔

۴۵۱ھ میں بسا سیری نے کوفہ کو قتل و غارت کا ہنگامہ مارنا شروع کیا۔

اسے وزارت کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد اسے معزول کر کے اس کی جگہ ابونصر بن جہیر کو وزیر مقرر کیا۔ اور ابوالفتح ابوازا واپس چلا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد سلطان طغرل بیگ کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ اور اس نے خلیفہ کی خدمت میں اس کی بیٹی سیدہ سے نکاح کے لئے استدعا کی۔ لیکن خلیفہ نے انکار کر دیا۔ سلطان نے سیاسی جوڑ توڑ سے کام لے کر حالات کو اس قدر نازک و پیچیدہ بنا دیا کہ خلیفہ کو اس کی درخواست منظور کرتے ہی بنی۔ علاوہ بریں خلیفہ کی بیوی نے بھی جو سلطان کی بھتیجی تھی۔ خلیفہ کو سلطان کی بات مان لینے پر مجبور کیا۔ بہر حال ۳۵۲ھ میں شادی ہو گئی۔ اور سلطان طغرل بیگ آرمینیا سے عازم بغداد ہوا۔ شہزادی کی تقریب و دواع منائی گئی اور سلطان دو تین تک بغداد میں مقیم رہا۔ پھر اپنی بیوی سیدہ خاتون کو ہمراہ لے کر بلاد جیل کی جانب روانہ ہوا۔ لیکن رستے میں پہنچ کر بیمار ہو گیا۔ اور ۳۵۵ھ میں وفات پائی۔

سلطان طغرل بیگ لا ولد تھا۔ اس لئے وزیر عبدالملک نے اس کے بھتیجے اور ربیب سلیمان بن داؤد چغری بیگ کو تخت پر بٹھایا۔ لیکن قتلش حاکم قونیہ اور بعض دیگر امرائے علم مخالفت بلند کیا۔ اور اس کی جگہ سلطان کے دوسرے بھتیجے الپ ارسلان کا خطبہ جاری کیا۔ الپ ارسلان نے رے پر حملہ کیا۔ اور عمید الملک کو مغلوب کر کے اس سے بیعت لی۔ لیکن اسے عبدالملک کی طرف سے کبھی اطمینان نہ ہوا۔ اس لئے ۳۵۶ھ میں اسے قید کر کے اپنے وزیر نظام الملک طوسی کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ الپ ارسلان نے شہزادی سیدہ خاتون کو جو رستے میں تھی۔ نہایت عزت و احترام اور جاہ و جلال کے ساتھ بغداد کی جانب روانہ کیا۔ بغداد میں سلطان الپ ارسلان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ خلیفہ نے دربار عام کر کے نظام الملک کو ضیاء الدین عضد الدولہ کا خطاب و خلعت اور سلطان الپ ارسلان کو الوالد الموید کا خطاب عطا کیا۔

۳۶۲ھ میں وزارت سے فخر الدولہ بن جمیر کی معزولی عمل میں آئی۔ لیکن

۲۶۱ھ میں اسے پھر قلم دان وزارت دے دیا گیا۔

۲۶۲ھ میں محمد بن ابی ہاشم والی مکہ نے عبیدی مصری کا نام خطبے سے خارج کر کے خلیفہ قائم بامر اللہ اور سلطان الپ ارسلان کا نام اس میں داخل کیا۔ اور اپنے بیٹے کو سلطان الپ ارسلان کی خدمت میں بھیجا۔ سلطان نے دس ہزار دینار سالانہ اس کی تنخواہ مقرر کی۔ تیس ہزار دینار کے گراں بہا انعام سے نوازا اور ایک خلعت مرحمت کیا۔

۲۶۳ھ میں حلب کے اندر بھی خلیفہ اور سلطان کا خطبہ پڑھا گیا۔

اسی سال قیصر روم ارمانوس نے تین لاکھ کالشکر جرار لے کر صوبہ خلاط پر چڑھائی کی۔ روس۔ غزی۔ تفجائی۔ کرچی۔ خزر اور ارمنی فوجیں بھی اس کے ساتھ تھیں۔ سلطان الپ ارسلان صرف پندرہ ہزار فوج لے کر مقابلے کے لئے میدان میں نکلا۔ اگرچہ رومیوں کے لشکر سے سلجوقیہ کی فوج کو کوئی نسبت نہ تھی۔ لیکن قادر و قوی ذات باری نے دین اللہ کی تائید و حمایت کے لئے مجاہدین میں حیرت انگیز طاقت و شجاعت پیدا کر دی۔ اور مٹھی بھر سلجوقیوں نے لاتعداد رومیوں کی صفوں میں داخل ہو کر انھیں بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالا۔ میدان جنگ پر خون کا دریا بہنے لگا۔ اور جگہ جگہ کشتوں کے نشے لگ گئے۔ رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ قیصر ارمانوس گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن کئی کروڑ فدیے کے وعدے اور اس شرط پر رہا کر دیا گیا۔ کہ وہ تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دے گا اور ضرورت کے وقت الپ ارسلان کو فوجی امداد بہم پہنچائے گا۔

۲۶۵ھ میں الپ ارسلان نے ماوراء النہر پر فوج کشی کی۔ جیچون پر پل باندھ کر سلطانی لشکر نے بیس دن میں اسے عبور کیا۔ ایک قلعہ دار یوسف خوارزمی مجروح کے طور پر دربار سلطانی میں پیش کیا گیا۔ یوسف سلطان پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ خادموں نے روکنا چاہا۔ لیکن سلطان نے انھیں منع کر کے خود اس پر تیر چلایا۔ مگر نشانہ خطا گیا۔ یوسف نے سلطان پر خنجر کا وار کر کے اسے مجروح

کیا۔ خادموں نے یوسف کو تہ تیغ کیا۔ لیکن سلطان اس کاری زخم سے جانبر نہ ہو سکا۔ اور اربع الاول ۳۶۵ھ کو انتقال کیا۔ اس کی نعش مروے جا کر دفن کی گئی۔

الپ ارسلان کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ تخت پر بیٹھا۔ ۳۶۶ھ میں **ملک شاہ** خلیفہ نے اس کے پاس عہد نامہ اور لوائے سلطنت بھیج دیا۔

۱۵ شعبان ۳۶۷ھ کو خلیفہ قائم بامر اللہ نے فصد کھلوائی۔ لیکن خون زیادہ جاری ہو جانے کے باعث دوسرے دن ۷ سال کی عمر میں ۳۳ سال ۸ مہینے کی حکومت کے بعد سفر آخرت اختیار کیا۔

اخلاق و عادات قائم چہانبانی میں الولد ستر لابیہ کا پورا پورا مصداق تھا۔ ابن طقطقی لکھتا ہے :-

” وہ عالم و فاضل اور شریف النفس خلیفہ تھا۔ اس نے خلافت عباسیہ کی قوت و شان میں اضافہ کیا۔ اور سلجوقیوں کی امداد سے خلافت کو دہلیوں کے پنجہ استبداد سے رہائی دلائی۔“

حافظ ذہبی بیان کرتے ہیں کہ :-

” قائم بالعموم روزہ رکھتا تھا۔ راتوں کو جاگتا اور عبادت الہی میں مصروف رہتا تھا۔ قائم ایک صاحب ذوق ادیب اور ماہر فن کاتب تھا۔ دفتری تحریروں کو ناپسند کرتا اور ان میں اصلاح دیا کرتا تھا۔ بے انصافی کو روانہ رکھتا تھا۔ جو دو سخا میں مشہور تھا۔ کوئی سائل اس کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ اس کی سخاوت کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔“

مقتدی بامر اللہ

۲۶۷ھ تا ۲۸۷ھ

عبداللہ نام۔ ابوالقاسم کنیت۔ مقتدی بامر اللہ لقب۔ ازغوان نامی کنیز کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور شعبان ۲۶۷ھ میں اٹیس سال تین ماہ کی عمر میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

۲۶۸ھ میں سلطان ملک شاہ کے ایک سردار اتسر بن ابی خوارزمی نے دمشق کو زیر نگین کر کے خلیفہ مقتدی اور سلطان ملک شاہ کے نام کا خطبہ جاری کرایا۔ اور رفتہ رفتہ سارے شام پر تسلط بٹھالیا۔

۲۶۹ھ میں حنابلہ اور اشاعرہ کے درمیان فتنہ و فساد کی آگ بھراک اٹھی۔ اور فریقین کے بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔

۲۷۰ھ میں ملک شاہ نے اپنے بھائی تاج الدولہ تمش کو شام کا علاقہ جاگیر میں عطا کیا۔ اور اجازت دے دی کہ جس قدر علاقہ والی مصر کے تسلط سے نکال سکتے ہوں نکال لو۔

۲۷۱ھ میں تمش نے حلب کا محاصرہ کیا۔ تو مصری فوج نے دمشق کو گھیر لیا۔ اتسر نے تمش سے مدد مانگی۔ وہ قدموں کو پر لگا کر دمشق پہنچا۔ مصریوں نے راہ فرار اختیار کی۔ تمش نے اتسر کو اس کی کاہلی کے الزام میں تہ تیغ کرا دیا۔ ۲۷۲ھ میں خلیفہ مقتدی نے عبدالملک بن فخرالدولہ بن جہیر کے بجائے ابو شجاع محمد بن حسن کو وزیر مقرر کیا۔ اور ملک شاہ نے عمید الدولہ کو دیار بکر کی عنایت ولایت سپرد کی۔

۲۷۳ھ میں سلیمان بن قتلش سلجوقی حاکم قونیر نے انطاکیہ کو رومیوں کے تصرف سے آزاد کرایا۔

۲۷۹ھ میں شہر مراقتش کے بانی اور حاکم یوسف بن تاشقین نے خلیفہ مقتدی

کی خدمت میں درخواست ارسال کی۔ کہ اسے اس کے مقبوضہ علاقے کی سزا اور سلطان کا لقب عطا فرمایا جائے۔ خلیفہ نے درخواست کو شرف قبول بخش کر خلعت و علم اور امیر المسلمین کا خطاب مرحمت فرمایا۔

اسی سال سلطان ملک شاہ پہلی بار بغداد میں آیا۔ اور خلیفہ سے خلعت حاصل کر کے دوسرے دن اس کے ساتھ چوگان کھیلا۔ نظام الملک وزیر نے اپنے بدرہہ نظامیہ کا معائنہ کیا۔ سلطان ایک ماہ بغداد میں قیام کر کے عازم اصفہان ہوا۔ ۴۸۱ھ میں ابراہیم بن مسعود بن محمود بن بکتگین غزنوی نے وفات پائی۔ اور اس کی جگہ جلال الدین مسعود تخت پر بیٹھا۔

۴۸۲ھ میں فرنگیوں نے سارے جزیرہ صقلیہ پر پرچم تصرف لہرایا۔ یہ جزیرہ سب سے پہلے مسلمانوں نے ۳۵۷ھ میں زیر نگیں کیا تھا۔ پہلے اس جزیرے پر بنی اغلب کا قبضہ رہا۔ پھر عبیدیوں کی حکومت ہوئی۔ ان سے فرنگیوں نے چھین لیا۔ اسی سال سلطان ملک شاہ دوبارہ بغداد میں داخل ہوا۔

۴۸۵ھ میں بمقام بغداد سلطان ملک شاہ نے نہایت تزک و احتشام سے مجلس میلاد منعقد کی۔ اسی سال نہاوند کے مقام پر نظام الملک طوسی وزیر ۷۷ سال کی عمر میں ایک قرمطی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

۱۵ اشوال ۴۸۵ھ کو سلطان ملک شاہ سلجوقی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی بیوی "ترکان خاتون" اور اس کے بیٹے برکیارق میں جنگ و جدل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

۴۸۶ھ میں برکیارق وارد بغداد ہوا۔ تو خلیفہ نے اسے رکن الدولہ کا خطاب عطا کر کے نیابت و سلطانی کا خلعت مرحمت فرمایا

روایت ہے۔ کہ سلطان ملک شاہ نے خلیفہ سے بغداد چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جانے کو کہا۔ تاکہ سلطان تنہا سے اپنا دارالخلافہ بنا لے۔ خلیفہ نے اس سے آٹھ دن کی مہلت حاصل کی۔ اور اس دوران میں اس کے لئے بد دعا کرتا رہا۔ خدا کی قدرت کہ ابھی مہلت کی میعاد پوری نہ ہوئی تھی۔ کہ سلطان کا انتقال ہو گیا۔ اور خلیفہ نے اس مصیبت سے نجات پائی۔

۱۵۱ از محرم ۲۸ھ کو کھانا کھاتے ہی یکایک مقتدی کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اور تھوڑی ہی دیر میں اس کا طائر روح خفس

عسری سے پرواز کر گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چھبیس ابھار کنیز نے اسے ڈھرتے دیا تھا۔ انتقال کے بعد قہر اُٹھی اس کے بیٹے مستظہر باللہ کی بیعت لی گئی۔ اور تھمیز و تکفین کی رسم ادا کی گئی۔ مقتدی نے انیس سال اٹھ مہینے خلافت کی۔ اور اسی سال کی عمر پائی۔

اخلاق و عادات ابن اثیر لکھتا ہے کہ :-

”مقتدی کا دل مضبوط اور ہمت بلند تھی۔ اس کی فتنائے حکومت میں خیر و بدگت کے پھول برسے تھے۔ بزرگی کثرت تھی۔ خلافت کے وقار میں اضافہ ہوا۔ بغداد کی آبادی بڑھ گئی۔ بصلیہ۔ حلبہ۔ قطیعیہ۔ مقتدیہ۔ خربہ ابن جردہ۔ خربہ ابن ہراس۔ دربار القیار۔ اجمہ وغیرہ بہت سے نئے محلے آباد ہوئے۔“

سیوطی بیان کرتا ہے کہ :-

”مقتدی عباس کے نجیب خلفاء میں تھا۔ اس کے عہد میں قوا میں خلافت نافذ ہوئے۔ اور ان کی حرمت قائم کی گئی۔“

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے کہ :-

”مقتدی نے سیاسی اقتدار قائم رکھتے ہوئے دینی احترام کے قیام میں بھی قابل قدر جدوجہد کی۔ مذہبی اور اخلاقی اصلاحیں کیں۔ رقص و سرود کو ذریعہ معاش بنانے والی اخلاق باختہ عورتوں کو دارالخلافہ سے خارج کر دیا۔ ازار کے بغیر حمام میں جانے اور کشتیوں میں مردوں اور عورتوں کے یک جا سوار ہونے کی ممانعت کر دی۔ کبوتر بازی کے برج اور چھتیاں اکھڑا دیں۔“

مستظہر باللہ

۳۸۷ھ تا ۵۱۲ھ

احمد نام۔ ابو العباس کنیت۔ مستظہر باللہ لقب۔ شوال ۳۸۷ھ میں پیدا ہوا۔ اور سولہ سال کی عمر میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ ان دنوں برکیارق بغداد میں موجود تھا۔ اس نے اور تمام سلجوقی امراء نے بطیب خاطر مستظہر باللہ کی بیعت کی۔ خلیفہ مقتدی کی بزم عزائمیں سلطان برکیارق اور دوسرے عمائد سلطنت نے شرکت کی۔ ۳۸۷ھ میں مستنصر عبیدی والی مصر کا انتقال ہوا۔ اور اس کا بیٹا مستعلی تخت پر بیٹھا۔

۳۸۷ھ میں احمد خان عامل سمرقند بے دینی کے باعث تہ تیغ کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا عم زاد بھائی تخت نشین ہوا۔

اسی سال برکیارق کے بھائی سلطان محمد نے خراسان پر دست تصرف دراز کیا۔ برکیارق نے مقابلے کے لئے زبردست تیاری کی۔ اور ۳۹۲ھ میں سے کے مقام پر معرکہ کارزار گرم ہوا۔ برکیارق کو شکست ہوئی۔ اور اس نے خوزستان جا کر پناہ لی۔

۱۵ ذی الحجہ ۳۹۲ھ کو سلطان محمد وارد بغداد ہوا۔ اور خلیفہ مستظہر باللہ نے اسے "غیاث الدین والدین" کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد سلطان نے خراسان کی راہ لی۔

برکیارق خوزستان سے واسط پہنچا۔ اور فوج مرتب کی۔ پھر ۱۵ صفر ۳۹۳ھ کو وہ بغداد میں داخل ہوا۔ خلیفہ نے اسے مبارک باد دے کر خلعت سے نوازا۔ اور اس کے نام کا خطبہ جاری ہوا۔

برکیارق نے قوت حاصل کر کے سلطان محمد کے خلاف فوج کشی کی۔ رود ابيض کے ساحل پر فریقین میں رزم آرائی ہوئی۔ جس میں برکیارق نے زک

اٹھائی۔ اور ۱۵ رجب ۲۹۳ھ کو بغداد میں سلطان محمد کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔
برکیارق ناکام ہو کر کچھ عرصہ رے میں ٹھہرا۔ پھر اصفہان ہوتا ہوا خوزستان
پہنچا۔ وہاں لشکر جمع کر کے جنگ کی تیاری کی۔ اور یکم جمادی الاخریٰ ۲۹۴ھ کو
سلطان محمد کے خلاف حرب و ضرب کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ سلطان محمد کو شکست
ہوئی۔ اور برکیارق فتح کا پرچم لہراتا ہوا رے میں داخل ہوا۔ سلطان محمد اپنے
حقیقی بھائی سنجر کے پاس جرجان چلا گیا۔

۱۵ ذی قعد ۲۹۴ھ کو برکیارق داخل بغداد ہوا۔ اور اس کے نام کا خطبہ
پڑھا گیا۔

غرض اسی طرح ان دونوں بھائیوں میں جدال و قتال کا بازار گرم رہا۔ کبھی
ایک عروس فتح سے ہم آغوش ہوتا۔ کبھی دوسرا۔ کچھ عرصے تک حکومت کا گوہر
بے بہا یونہی دونوں میں گل بازی بنا رہا۔ اور مسلسل کشت و خون سے عراق
فارس وغیرہ ممالک کا امن و امان تباہ ہو گیا۔

آخر جمادی الاولیٰ ۲۹۷ھ میں دونوں کے درمیان معاہدہ صلح قرار پایا۔
جس کے رو سے ملکوں کی تقسیم عمل میں آئی۔ اور دونوں نے یہ شرط منظور کر لی
کہ ہر ایک کے مقبوضہ ملک میں اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔

اس صلح نامے سے بغداد کی حکومت سلطان برکیارق کے حصے میں آئی
لیکن تقدیر اس کی فاسخاں خوشی پر خندہ زن ہو رہی تھی۔ برکیارق نے کچھ
دنوں اصفہان میں قیام کیا۔ پھر وہاں سے بغداد کی جانب آ رہا تھا۔ کہ ربیع الآخر
۲۹۸ھ میں بمقام یزدجرد بیمار ہو کر سفر آخرت اختیار کیا۔ اور اس کی نعش
اصفہان میں لے جا کر دفن کی گئی۔

انتقال سے کچھ دیر پہلے برکیارق نے اپنے بیٹے سالار بیٹے ملک شاہ کو
ولی عہد اور امیر ایاز کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔
۱۵ ربیع الآخر ۲۹۸ھ کو امیر ایاز ملک شاہ کو لے کر بغداد آیا۔ خلیفہ

اسے اس کے دادا ملک شاہ بن الپ ارسلان کے تمام خطابات عطا فرمائے۔ اور بغداد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

سلطان محمد نے موصل کو زیر نگین کر کے بغداد کی طرف باگ اٹھائی۔ ۵۰۱ھ میں داخل بغداد ہو کر امیر ایاز کو تہ تیغ کرنے کے بعد اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔

۵۰۲ھ میں سلطان محمد نے بغداد میں ایک قصر سلطانی تعمیر کرایا۔ اس کے تمام آبائی علاقوں پر اس کی فرماں روائی کے نقارے بجنے لگے۔ اور فتنہ و فساد کے شعلے امن و امان کے پھولوں میں تبدیل ہو گئے۔

ذی الحجہ ۵۱۱ھ میں سلطان محمد نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور اس کا بیٹا سلطان محمود باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ خلیفہ نے اس کی حکومت پر مہر تصدیق ثبت کر کے اسے خلعت عطا فرمایا۔ اور ۱۵ محرم ۵۱۲ھ کو بغداد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ۱۵ ربیع الآخر ۵۱۲ھ کو خلیفہ مستنصر باللہ نے ۴۲ سال کی عمر میں ۴۴ سال ۳ مہینے کی خلافت کے بعد دار فنا سے عالم بقا کی طرف رحلت کی۔

اخلاق و عادات | ابن اثیر لکھتا ہے۔ کہ :-

”مستنصر حلیم الطبع اور خوش اخلاق تھا۔ عوام کے ساتھ احسان و سلوک کرتا تھا۔ نیکی کے کاموں میں بڑا ہوشیار و مستعد تھا۔ عاملین پر پور بھروسہ رکھتا تھا۔ ان کے خلاف شکایت اور غیبت پر توجہ نہ کرتا تھا۔ مطلب پرستوں کی باتیں اس کے عزم کو متزلزل نہ کر سکتی تھیں۔ اور وہ اپنی رائے میں تبدیلی نہ کرتا تھا۔“

دول الاسلام میں لکھا ہے۔ کہ :-

”مستنصر ایک عالم و فاضل شخص تھا۔ ادب و انشا میں سلیم المذاق تھا۔ خط بہت اچھا تھا۔ اس کی مختصر توقعات اس کے مذاق ادب کا آئینہ ہیں۔“

تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے۔ کہ :-

”مستنصر علما و مشائخ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔“

انتظام حکومت اور رعایا کی فلاح و بہبود کے اعتبار سے اس کا عہد نمایاں حیثیت

رکھتا تھا۔ ابن اثیر کا بیان ہے:- کہ:-

”مستظہر کا عہد حکومت رعایا کے لئے راحت و سرور کا زمانہ تھا۔ امن و سکون مسرت و شادمانی اور رنگارنگ کے محاسن کے اعتبار سے ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات تھی۔

”وہ رحم و مروت کا پیکر تھا۔ رعایا کے کسی فرد کو اس کے ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچتی تھی۔ اس باب میں وہ سلجوقی سلاطین اور ان کے نائبوں کے احکام کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔“

مسترشد باللہ

۵۱۲ھ تا ۵۲۹ھ

فضل نام۔ ابو منصور کنیت۔ مسترشد باللہ لقب۔ ربیع الاول ۴۸۵ھ میں پیدا ہوا۔ اور ۱۵ ربیع الآخر ۵۱۲ھ کو ۲۷ سال کی عمر میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ عباسی خاندان کے تمام افراد نے بیعت کر لی۔ لیکن مسترشد کا ایک بھائی ابوالحسن بغداد سے واسط چلا گیا۔ اور ایک سال کے بعد گرفتار ہو کر آیا۔ خلیفہ نے اس کی فرد جرم پر خطِ عفو کھینچ کر اسے قصرِ خلافت میں ٹھہرایا۔ اور ہم آغوش ہو کر خلعت سرفراز کیا۔

سلطان محمود کے بھائی مسعود مقیم موصل نے عظیم بغاوت بلند کیا۔ اور سنجاہ اور اربل کے حاکموں کو ساتھ ملا کر بغداد میں پرچم اقدار لہرایا۔ سلطان محمود نے اپنے ایک اور بھائی سلطان طغرل والی زنجان پر فوج کشی کی طغرل نے راہ فرار اختیار کی۔ اور سلطان محمود نے زنجان میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ سلطان محمد کی وفات کے بعد اس کے بھائی سلطان سنجر والی ماوراء النہر نے سلطان محمود پر چڑھائی کی۔ اور جمادی الاولیٰ ۵۱۳ھ میں بمقام ساوہ چچا بھتیجا میں

کارزار میں اترا آئے۔ امیر ابو الفضل عامل دستارستان، خوارزم شاہ محمد امیر انز و اور علاء الدین
حاکم یزد و سلطان سخر کی پشت پر تھے۔ طرغین میں گھنٹان کا دن پڑا اور سلطان سخر نے
فتح کے شادیانے بجا کر ہمدان کو زیر نگین کیا۔ بغداد میں سلطان سخر کے نام کا خطبہ
پڑھا گیا۔ سلطان محمود پسر پا ہو کر اصفہان پہنچا۔ آخر سلطان سخر کی والدہ نے اس
شرط پر صلح کرادی کہ سلطان سخر سلطان محمود کو اپنا ولی عہد تسلیم کرے، اور خطبوں
میں سخر کے بعد محمود کا نام لیا جائے۔ سلطان سخر نے والدہ کے ارشاد پر سر تسلیم خم کرتے
ہوئے تمام علاقوں میں فرمان بھیج دئے۔ صرف نائے کا علاقہ اپنے قبضے میں رکھا۔
اور سلطان محمود نے اپنے بھائی مسعود سے مصالحت کی طرح وائل کو موصل
اور آذربائیجان کے علاقے اس کی تحویل میں دے دئے۔

۵۱۲ھ میں سلطان مسعود نے سلطان محمود کے خلاف خروج کیا اور ۱۵ بیج الا
۵۱۳ھ کو دونوں بھائیوں میں حرب و ضرب کا ہنگامہ برپا ہوا۔ سلطان مسعود کو
ٹھا کر موصل کے قریب پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوا لیکن امرار نے صلح کرادی جب
۵۱۴ھ میں سلطان محمود بغداد واپس آگیا۔ اور موصل میں پھر سلطان مسعود کا
طوطی بولنے لگا۔

۵۱۵ھ میں سلطان محمود نے موصل کا علاقہ اقسق برسقی کو دیا۔ اور مسعود کے
پاس صرف آذربائیجان کا علاقہ رہ گیا۔

سلطان طغرل اپنے بھائی سلطان محمود سے ہزیمت اٹھا کر گنج میں چلا آیا تھا
۵۱۶ھ میں ان دونوں بھائیوں میں معاہدہ صلح قرار پایا اور سلطان محمود نے اقسق
برسقی کو واسط کا علاقہ بھی عطا کر دیا۔ اس نے اپنی طرف سے اپنے بیٹے عماد الدین
زنگی کو واسط کی حکومت پر مقرر کیا۔

۵۱۷ھ میں سلطان محمود نے اپنے وزیر شمس الملک کو تلوار کے گھاٹ اتار
دیا۔ اور اس کے بھائی نظام الدولہ کو خلیفہ مسترشد نے اپنی وزارت سے
برطرف کر دیا۔

ذی الحجہ ۵۱۷ھ میں خلیفہ مسترشد نے دبیس بن صدوقہ کو مغلوب کرنے کے لئے فوج کشی کی۔ موصل و واسط کی فوجوں نے خلیفہ کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ بارکہ میں مقابلہ ہوا۔ جس میں خلیفہ نے فتح پائی۔ پھر خبر گرم ہوئی۔ کہ دبیس بسفر میں غارتگری کرنے پر تلا ہوا ہے۔ چنانچہ خلیفہ نے عماد الدین زنگی بن اقسنقر کو اس مہم پر روانہ کیا۔ اور دبیس ناکام تمنا ہو کر سلطان طغرل کے پاس چلا گیا۔ ۵۱۸ھ میں اقسنقر شحہ عراق نے عماد الدین زنگی کو بصرہ کی حکومت سے اپنے پاس موصل میں طلب کیا۔ وہ موصل کے بجائے سلطان محمود کے پاس اصفہان پہنچا۔ سلطان نے اسے بصرہ کا پروانہ حکومت عطا کر کے بصرہ واپس کر دیا۔ سلطان طغرل نے دبیس کو اپنا مصاحب بنا لیا تھا۔ اس نے سلطان کو درخشا کر ۵۱۹ھ میں عراق پر حملہ کرا دیا۔ مسترشد مقابلے کے لئے نکلا۔ نہروان میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ لیکن دبیس اور طغرل نے راہ فرار اختیار کر کے خراسان میں سلطان سخر کے پاس جا کر پناہ لی۔

رجب ۵۲۰ھ میں یرنقش زکوی شحہ بغداد نے اصفہان جا کر سلطان محمود کو اطلاع دی۔ کہ مسترشد اپنی طاقت میں اضافہ کر رہا ہے۔ اس کی مالی حالت بھی اچھی ہو گئی ہے۔ بغداد جا کر اس کا تدارک کرنا چاہئے۔ ورنہ اس پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔

اس پر سلطان محمود نے فوجیں لے کر بغداد کی طرف باگ اٹھائی۔ مسترشد کو خبر ہوئی۔ تو اس نے لکھا۔ کہ ادھر آنے کا ارادہ ملتوی کر دو۔ اس سے سلطان محمود کے شبہ نے یقین کی صورت اختیار کر لی۔ وہ تیز تر رفتار کے ساتھ بغداد کی جانب سفر کی منزلیں طے کرنے لگا اور اذی الحجہ ۵۲۰ھ کو بغداد میں داخل ہو گیا۔ مسترشد قصر خلافت چھوڑ کر عربی بغداد میں چلا گیا۔

یکم محرم ۵۲۱ھ کو سلطانی فوج نے ایوان شاہی میں ٹوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ عباسی لشکر بھی مقابلے پر آ گیا۔ اور دجلہ کا ساحل میدان جنگ بن گیا۔ کسی در

تک کشت و خون کا سلسلہ جاری رہنے کے بعد فریقین میں صلح ہو گئی۔

ربیع الآخر ۵۲۱ھ میں سلطان محمود عازم ہمدان ہوا۔ اور عماد الدین زنگی کو ولایت بصرہ سے طلب کر کے شحنہ بغداد مقرر کیا۔

دبیس اور طغرل نے جو سلطان سنجر کے پاس اماں گیر تھے۔ اسے مسترشد اور محمود دونوں کی طرف سے بدظن و مشتعل کرنے کی کوشش کی جس سے متاثر ہو کر سلطان سنجر نے شکرے کر کے کی طرف کوچ کیا۔ اور وہاں پہنچ کر ہمدان سے سلطان محمود کو ملاقات کے لئے طلب کیا۔ وہ بے تامل اپنے چچا سنجر کے پاس چلا آیا۔ سنجر نے اس کی بڑی عزت کی۔ اور دبیس کو اس کے ساتھ کر دیا۔

محمود دبیس کو لے کر ہمدان لوٹ آیا۔ اور ۹ محرم ۵۲۳ھ کو مع دبیس وارد بغداد ہوا۔ پھر سفارش کر کے خلیفہ کی خطا معاف کرائی۔ سلطان محمود نے بہروز کو شحنہ بغداد مقرر کیا۔ اور عماد الدین زنگی کو موصل کی ولایت عطا کی۔

جمادی الاخریٰ ۵۲۳ھ میں سلطان محمود نے بغداد سے ہمدان کی راہ لی۔ دبیس نے موقع پا کر حملہ پر دست تصرف دراز کرتے ہوئے مسترشد کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ مسترشد نے اس کے مقابلے کا حکم دیا۔ چنانچہ ذی قعد ۵۲۳ھ میں سلطان محمود بھی دبیس کی بغاوت سے اطلاع پا کر بغداد پہنچ گیا۔ دبیس حملہ سے بصرہ چلا گیا۔ اور غارت گری کا ہنگامہ برپا کر کے پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ سلطان محمود ہمدان لوٹ آیا۔

شوال ۵۲۵ھ میں سلطان محمود نے ستائیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کے بعد وزیر ابوالقاسم اور اتابک اقسقر نے اس کے کم سن بیٹے داؤد کو تخت پر بٹھایا۔ لیکن اس کے چچوں طغرل۔ مسعود۔ اور سلجوق شاہ میں سے کسی نے بھی اس کی حکومت تسلیم نہ کی۔ بہر نوع بلا و جبل و آذربائیجان میں داؤد کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ذی قعد ۵۲۵ھ میں داؤد ہمدان سے عازم زنجان ہوا۔ اسی دوران میں اطلاع موصل ہوئی۔ کہ سلطان مسعود نے تبریز پر تسلط بٹھالیا ہے۔

داؤد فوراً تبریز کی طرف بڑھا۔ اور محرم ۵۲۶ھ میں شہر کا محاصرہ کر لیا۔ چنانچہ تختی
 میں رزم آرائی ہوئی۔ لیکن صلح ہو گئی۔ داؤد ہمدان چلا آیا۔ مسعود نے ایک مذہبی
 دل فوج جمع کی۔ اور مسترشد سے بغداد میں اپنے خطبے کی استدعا کی۔ داؤد نے
 بھی درخواست کر رکھی تھی۔ مسترشد نے جواب دیا کہ سر دست سلطان سنجر کے
 نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ تم دونوں میں سے کسی کا نام نہ لیا جائے گا۔
 ابھی ان دونوں کی کشمکش جاری تھی۔ کہ سلجوق شاہ اتابک قراچہ ساقی کے ساتھ
 لشکر فراہم کر کے بغداد پہنچ گیا۔ مسترشد نے اس کی بڑی عزت کی۔ ادھر سلطان
 مسعود نے عماد الدین زنگی حاکم موصل سے امداد طلب کی۔ اور دونوں نے بغداد
 پر چڑھائی کر دی۔ سلجوق شاہ نے قراچہ ساقی کو مقابلے پر بھیجا۔ طریقین میں خونریز
 جنگ ہوئی۔ زنگی نے شکست کھا کر تکریت کی طرف کوچ کیا۔ اور وہاں پہنچ کر
 موصل کی راہ لی۔

سلطان مسعود حسن تدبیر سے اس مدعا میں کامیاب ہو گیا۔ کہ عراق پر خود
 اس کی حکومت ہو۔ اور خطبے میں اس کے بعد سلجوق کا نام لیا جائے۔ چنانچہ
 جمادی الاولیٰ ۵۲۶ھ میں سلطان مسعود بغداد میں داخل ہوا۔ اور معاہدہ صلح
 مرتب کیا گیا۔

سلطان سنجر کو یہ حالات معلوم ہوئے۔ تو اس نے طغرل اور دبیس کو ساتھ
 لے کر رے کی طرف پیش قدمی کی۔ وہاں سے ہمدان کی جانب کوچ کیا۔ ادھر
 سے سلطان مسعود اور سلجوق شاہ بغداد سے مقابلے کے لئے بڑھے۔ ان دونوں
 نے سنجر کے مقابلے میں زک اٹھائی۔ اور مسترشد نے دبیس کو شکست دی۔ سلطان
 سنجر نے مسعود اور سلجوق کو معاف کر کے عزت سے اسے پاس رکھا۔ اور طغرل
 کو عراق کا والی مقرر کیا۔

ذی الحجہ ۵۲۶ھ میں اطلاع ملی۔ کہ ماوراء النہر کے حاکم نے بغاوت کی آگ بھڑک
 دی ہے۔ سلطان سنجر نے فی الفور خراسان پر چڑھائی کی۔ اور سلطان داؤد

آذربائیجان سے ہمدان پر فوج کشی کی۔ ادھر سے طغرل بھی فوجیں لے کر پہنچ گیا۔ داؤد زنگ اٹھا کر عازم بغداد ہوا۔ مسعود بھی بغداد کی جانب آیا۔ داؤد اور مسعود نے مسترشد سے اجازت لے کر صوبہ آذربائیجان پر قبضہ کر لیا۔ طغرل نے مقابلہ کیا۔ مگر منہ کی کھائی۔ سلطان مسعود نے ہمدان کو زیر نگیں کیا۔ اور سلطان داؤد آذربائیجان پر قابض رہا۔

سلطان مسعود کو پرچہ لگا۔ کہ سلطان داؤد نے آذربائیجان میں علم خود مختاری بلند کر دیا ہے۔ اس لئے اس نے آذربائیجان کی طرف یاگ اٹھائی۔ سلطان طغرل نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بلاد جیل کو تسخیر کرنا شروع کیا۔ مسعود نے مزاحمت کی۔ لیکن رمضان ۵۲۸ھ میں طغرل نے اسے شکست دی۔ مسعود بغداد آ گیا۔ اور طغرل نے ہمدان میں قیام کیا۔

ایک عرصے تک سلجوقیوں کی خانہ جنگی کے شعلے بھڑکتے رہے۔ آخر محرم ۵۲۹ھ میں طغرل سلطان نے وفات پائی۔ اور سلطان مسعود نے عراق پر قبضہ کر لیا۔

خلیفہ مسترشد اور سلطان مسعود میں کشمکش ہو گئی۔ اور مسترشد نے اس پر فوج کشی کر دی۔ لیکن خلیفہ کی فوج غداری کر کے اس سے الگ ہو گئی۔ اور اسے زنگ اٹھا کر ہمدان میں ایک قلعے کے اندر قید ہونا پڑا۔

یہ اطلاع بغداد پہنچی۔ تو اس کے باشندوں میں صفت ماتم بچھ گئی۔ سلطان نے سخر نے سلطان مسعود کو لکھا۔ کہ خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت طلب کرو۔ اور انہیں عزت و احترام سے بغداد پہنچاؤ۔ سلطان مسعود سلطان سخر کی تعمیل ارشاد میں خلیفہ کے پاس گیا۔ سلطان مسعود کی فوج میں سترہ آدمی باطنی فرقے کے بھی شامل تھے۔ انہوں نے مسترشد کے خیمے میں داخل ہو کر اسے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ سانحہ قتل ۱۶ ذی قعدہ ۵۲۹ھ کو مراغہ میں رونما ہوا۔

اس حادثے کی خبر بغداد پہنچی۔ تو اس کے گوشے گوشے میں کہرام مچ گیا۔ اور مرد و زون کی دروناک چیخوں سے فضائے آسمانی لریز ہو گئی۔ سلطان مسعود نے بھی انتہائی حزن و ملال کا اظہار کیا۔

اخلاق و صفات | سیوطی رقم طراز ہے :-

”مسترشد ایک بلند ہمت۔ شجاع۔ دلیر۔ صاحب الرائے اور جاہ و جلال کا خلیفہ تھا۔ اس نے خلافت کا منتشر شیرازہ نئے سرے سے مرتب و مجتمع کیا۔ اس کے استخوانِ بوسیدہ میں روح پھونکی۔ ارکانِ شریعت مضبوط کئے۔ جنگ میں خود شریک ہوتا تھا۔“

ابن اثیر کا بیان ہے :-

”مسترشد بہادر۔ صاحبِ جرأت۔ دلاور۔ آگے بڑھنے والا اور بلند ہمت خلیفہ تھا۔“

سبکی لکھتا ہے :-

”مسترشد کی بہادری و دلیری اور ہیبت و اقدام سورج سے زیادہ روشن اور ماہِ کامل سے زیادہ منور ہے۔“

حافظ ذہبی کہتے ہیں :-

”مسترشد نے بنی عباس کے شکوہ و تحمل اور جلال و جبروت کو زندہ اور امور سلطنت کو منظم کیا۔ وہ خود میدانِ کارزار میں نکلتا تھا۔“

مسترشد ایک عالم و فاضل خلیفہ اور شاہیر علماء کی جماعت میں ایک ممتاز مقام پر متمکن تھا۔ بہت سے علمائے اس سے حدیث روایت کی ہے۔ ابن اثیر لکھتا ہے :-

”مسترشد فصاحت و بلاغت میں نام آور تھا۔ اس کا خط پاکیزگی اور فصاحت دونوں پہلوؤں سے بہترین تھا۔“

مسترشد فصیح و بلیغ ہونے کے علاوہ جاہ و بیان خطیب بھی تھا۔ سیوطی

اس کی ایک تقریر کے چند اقتباسات درج کئے ہیں۔ جو انشا و ادب اور بلاغت کے اعتبار سے بلند پایہ ہیں۔

وہ ایک سلیم المذاق سخن دان اور سخنور تھا۔ اس کے اشعار میں بہادری کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

علم و فضل کے ساتھ وہ عمل کا بھی مرد میدان تھا۔ کنج عزلت میں عبادت، ریاضت اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ قرآن عزیز کی تلاوت شغف و انتہاک سے کرتا تھا۔ جس روز اس نے جام شہادت نوش کیا۔ وہ روزے سے تھا۔ اور قرآن حکیم کی تلاوت کر رہا تھا۔

ملک کی فلاح و بہبود میں سرگرم تھا۔ رعایا پر شفقت و ہمدردی کی نظر رکھتا تھا۔ عنان خلافت ہاتھ میں لیتے ہی ظلم و تشدد کا نام و نشان مٹا دیا۔ بیش قیمت کپڑے بنانے والوں اور زربانوں سے جو ٹیکس وصول کئے جاتے تھے۔ وہ منسوخ کر دیئے۔ مسترشد نے بغداد کی بوسیدہ فصیل کو نئے سرے سے تعمیر کرنا شروع کیا اور اس کا سارا خرچ شہر کے باشندوں سے وصول کیا۔ عوام کو یہ سخت ناگوار معلوم ہوا۔ مسترشد کو اطلاع ملی۔ تو اس نے ساری وصول شدہ رقم واپس کر کے یہ بار مصارفِ امرائے حکومت کے کندھوں پر ڈالا۔ احمد بن نظام الملک وزیر سلطنت نے پندرہ ہزار دینار کی گراں قدر رقم پیش کی۔ جس سے اہل شہر نے باغ باغ ہو کر اس پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔

راشد باللہ

۵۲۹ھ تا ۵۳۰ھ

منصور نام۔ ابو جعفر کنیت۔ راشد باللہ لقب ۵۲۹ھ میں ایک کنیز کے لطن سے پیدا ہوا۔ اور رمضان ۵۲۹ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا۔

دبیس کا قتل

دبیس نے فتنہ انگیزی اور غارت گری سے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ اور ہر کہ و مر اے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اگرچہ سلطان مسعود میں اور اس میں مصالحت ہو گئی تھی۔ لیکن سلطان اس کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ اس لئے ایک بار جب دبیس سلطان سے ملاقات کرتے آیا۔ تو سلطان نے موقع پا کر اسے فنا کے گھاٹ اتروا دیا۔

صدقہ اپنے باپ کے قتل کی اطلاع پا کر غیظ و غضب سے پاگل ہو گیا۔ چنانچہ اس کی فوج اس کے پاس جمع ہو گئی۔ سلطان نے اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر دونوں میں صلح ہو گئی۔

راشد کی معزولی

راشد باللہ نے تحت خلافت پر قدم رکھتے ہی عدلے تحت سے کام لینا شروع کیا۔ لوگ شکایت پر شکایت لگھ لگھ کر سلطان محمود کے پاس بھیجتے لگے۔ سلطان عازم بغداد ہوا۔ راشد کو خبر ہوئی۔ تو اس نے موصل کی راہ لی۔ سلطان نے بغداد میں داخل ہو کر ایک محضر تیار کرایا جس میں راشد کے ظلم و تشدد۔ جبراً مال چھیننے۔ خونریزی اور مے خواری کے متعلق لوگوں کی شہادتیں فراہم کی گئیں۔ پھر یہ محضر علما کی خدمت میں پیش کر کے فتویٰ طلب کیا گیا۔ اگر خلیفہ ان جرائم کا اذکار کرے۔ تو سلطان وقت کو اسے معزول کر دیتے کا اختیار ہے! نہیں۔ پھر قاضی بغداد ابوطاہر بن کرخی کے سامنے راشد کی بے اعتدالیوں کی شہادتیں پیش کر کے ان سے فتویٰ حاصل کر لیا۔ کہ سلطان وقت ایسے خلیفہ کو معزول کر دینے کا مجاز ہے۔ چنانچہ سلطان مسعود نے ذی قعدہ ۵۳ھ میں اسے معزول کر دیا۔ اس کی مدت خلافت ایک سال تھی۔

راشد اپنی معزولی کی اطلاع پا کر موصل سے بلاد آذربائیجان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور فوج میں مال تقسیم کیا۔ پھر اس طرف کے شہروں میں تباہی اور بربادی کا طوفان برپا کر کے ہمدان چلا آیا۔ وہاں بھی فتنہ پردازی اور فساد انگیزی سے قیامت برپا کی۔ لوگوں کو گرفتار کر کے تہ تیغ اور مدبر دار کیا۔ علما کی ڈاڑھیاں منڈوا ڈالیں

پھر اصقہان پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔

اسی دوران میں راشد بیمار ہو کر صاحبِ قراش ہو گیا۔ اور ۱۲ رمضان المبارک ۵۳۲ھ کو عجمیوں نے اسے چھروں سے ذبح کر ڈالا۔

جب راشد کے قتل کی خبر بغداد پہنچی۔ تو اس کے ماتم میں تمام دفتر ایک دن کے لئے بند کر دئے گئے۔

اوصاف | سیوطی رجم طراز ہے :-

” راشد بہادری اور شجاعت میں نامور تھا۔ سخی اور عالی ظرف تھا۔ اس کا دامن کردار بے لوث تھا۔ اسے بڑی باتوں سے لغزت تھی۔ فصاحت و بلاغت میں اسے بلند مقام حاصل تھا۔ ادب و شعر میں بھی کافی دسترس رکھتا تھا۔“

سلطان مسعود نے راشد کے خلاف جو محفرتیاں گرایا۔ اس سے راشد کی صحیح تصویب آنکھوں کے سامنے نہیں آتی۔ راشد کا سلطان کے خلاف میدان میں آنا راشد کی بہادری کا آئینہ دار ہے۔ سلطان کو کچھ ضرورت نہ تھی۔ کہ راشد جیسے بے شہر خلیفہ کی معزولی کے درپے ہو جاتا۔ پھر مسعود کو کیا پڑی تھی۔ کہ راشد کی مذہبی اور اخلاقی حیثیت کو معرض بحث میں لاتا۔ اس کے علاوہ راشد کو صرف ایک سال کے لئے خلافت کرنے کا موقع ملا۔ اتنے تھوٹے سے عرصے میں وہ کس طرح اس قدر بے اعتدالیوں کا مرتکب ہو سکتا تھا۔

مقتفی لامر اللہ

۵۳۰ھ تا ۵۵۵ھ

محمد نام۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ مقتفی لامر اللہ لقب۔ ۱۲ ربیع الاول ۲۸۹ھ کو ایک حبشی کنیز کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور ۲۲ ذی الحجہ ۳۳۰ھ کو عمانِ خلافت ہاتھ میں لی۔

خلیفہ کے تخت نشین ہوتے ہی حرب و ضرب کا ہنگامہ گرم ہو گیا۔ سلطان مسعود نے سلطان داؤد کے خلاف فوج کشی کی۔ داؤد نے مراغہ میں توڑک اٹھائی۔ لیکن خوزستان پہنچ کر لشکر فراہم کرنے کے بعد تشر کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان مسعود نے سلجوق شاہ حاکم واسط کو تشر کی حفاظت کے لئے بھیجا لیکن اسے پس پا ہو کر لوٹنا پڑا۔

مسعود نے عماد الدین زنگی حاکم موصل کو مقتفی کے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم بھیجا۔ راشد ۵۳۱ھ میں خفا ہو کر موصل سے چلا گیا۔

فارس کے بعض سرداروں نے راشد کی حمایت پر کمر باندھی۔ یہ اطلاع پاتے ہی سلطان مسعود نے بغداد سے کوچ کیا۔ اور شعبان ۵۳۲ھ میں مخالفین کے چھٹکے چھڑا کر آذر بایجان کی راہ لی۔ ادھر راشد۔ داؤد اور خوارزم شاہ مل کر عازم عراق ہوئے۔ سلطان مسعود نے انھیں شکست دی۔ داؤد اور خوارزم شاہ راشد سے علیحدہ ہو گئے۔ راشد نے اصفہان کا محاصرہ کیا۔ لیکن اسی دوران میں خراسانی غلاموں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

ادھر سلجوق شاہ نے واسط سے آکر بغداد پر دست تصرف دراز کیا اور شورش و بد امنی سے ہر طرف ایک قیامت برپا ہو گئی۔

اہل بغداد نے سلجوق شاہ کو ایک لمحے کے لئے بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور اس کے خلاف بغاوت کا ایک طوفان برپا کر کے اسے شکست دینے کے بعد شہر سے نکال دیا۔ طوائف الملوکیت اور فوضویت کے ہولناک شعلے آسمان کی خبر لانے لگے۔ امن و امان کا خرمین برق فساد کی نذر ہو گیا۔ یہاں تک کہ ۵۳۲ھ میں بغداد سے غلام کعبہ بھی روانہ نہ کیا گیا۔

۵۳۳ھ میں سلطان مسعود وارد بغداد ہوا۔ اور آتے ہی متعدد محصولات پر خط نسخ کھینچ دیا۔

کچھ عرصے کے بعد بہت سے سلجوقیوں کے علاوہ دوسرے سردار بھی مطلق العنان

کے منصوبے باندھنے لگے۔ سلطان مسعود نے اپنے مخالف سرداروں کے خون سے ہاتھ رنگنے شروع کئے۔ جس سے اس کا دستِ قوت شل ہو گیا۔ اور وہ بغداد و عراق کو بلچل اور افراتفری کی حالت میں چھوڑ کر بلادِ جیل میں جا کر رہنے لگا۔ خلیفہ مقتفی نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی طاقت اور اثر و اقتدار میں اضافہ کرنا شروع کیا۔ اُدھر سلطان مسعود اور سلطان سنجری کی سطوت اور وقار کم ہو رہا تھا۔ سلطان سنجری نے سلطان مسعود کو قتل امر پر شدید ملامت کی۔ اور ۵۲۲ھ میں بمقامِ رے اقامت گزریں ہوئی۔ سلطان مسعود بھی یہیں اس کے پاس پہنچ گیا۔ رجب ۵۲۲ھ میں ملک شاہ بن سلطان محمود نے بغداد پر فوج کشی کی۔ خلیفہ نے قلعہ بند ہو کر مدافعت کی۔ اور سلطان مسعود کو بلا بھیجا۔ لیکن وہ رے سے نہ آ سکا۔

ملک شاہ داخل بغداد ہونے میں تو ناکام رہا۔ لیکن نہروان میں قتل و غارت کا بازار گرم کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

۱۵ شوال ۵۲۲ھ کو مسعود بغداد میں داخل ہوا۔ اور ۵۲۵ھ میں بہمان کی راہ لی۔ یکم رجب ۵۲۶ھ کو سلطان مسعود نے چند روز بیمار رہ کر ۴۵ سال کی عمر میں ۱۸ سال کی حکومت کے بعد انتقال کیا۔

سلطان مسعود کی وفات کے بعد عظیم الشان سلجوقی خاندان کی جلالت و عظمت ختم ہو گئی۔ اسے اس دودمان کا آخری پاسبان سمجھنا چاہیے۔
راوندی لکھتا ہے :-

”سلطان مسعود مضبوط ڈیل ڈول کا اور زبردست قوتِ بازو کا حامل تھا۔ علم پرور۔ فقیر دوست۔ سخی۔ عادل۔ شفیق اور زندہ دل تھا۔ سیر و شکار کا شوقین اور جنگ کا مرد میدان تھا۔“

ابن اثیر بیان کرتا ہے :-

”سلطان مسعود خوش اخلاق۔ ظریف اور رعایا نواز ہونے کے باعث نیک ترین

فرماں رواؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔“

عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے :-

”سلطان مسعود اپنی بلندی اقبال پر نازاں تھا۔ سیاسی ہتھکنڈوں کا کچھ ایسا

خیال نہ کرتا تھا۔ اس کا دل کینے کی آلائش سے ملوث نہ تھا۔ لیکن بہت سی

خوبیوں کے ساتھ ہی سفلہ نواز بھی تھا۔“

سلطان مسعود کے بعد رجب ۵۴۷ھ میں سلجوقی امرانے اس کے بھتیجے ملک شاہ

بن محمود کو تخت پر بٹھایا۔ وہ بڑا عیاش اور کاہل تھا۔ اس نے اپنے ایک سردار کو

حلہ پر قابض ہونے کے لئے روانہ کیا۔ جس نے حلہ کو تسخیر کر لیا۔ لیکن مسعود بلال

شحنہ بغداد نے اس سردار کو بے سر کر کے حلہ پر خود تسلط بٹھایا۔ مقتفی نے عون الدین

بن ہبیرہ کو اس کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اس نے مسعود کو حلہ سے خارج

کر کے کوفہ اور واسط کو زیر نگین کیا۔ اس دوران میں سلجوقی اور عباسی فوجوں کے درمیان گھم

کارن پڑا جس میں سلجوقیوں کو شکست ہوئی۔ یکم شعبان ۵۴۹ھ کو خلیفہ بغداد واپس آ گیا

۵۵۰ھ میں خلیفہ نے دقوقا پر حملہ کیا۔ لیکن چند روز تک محاصرہ کرنے کے بعد بغداد لوٹا

ملک شاہ ان دنوں بھی عیش پرستی میں عرق تھا۔ حکومت پر سلطان مسعود کو

وزیر خاص بک مسلط تھا۔ جس نے چالاکی سے ملک شاہ کو ایک دعوت میں بلایا

گرفتار کرنے کے بعد مرج بہدان میں اسیر زنداں کر دیا۔

امیر خاص بک نے ہوا و ہوس سے مغلوب ہو کر اوزنگ حکومت پر متصرف

چاہا۔ اسے ملک شاہ کے بھائی سلطان محمد مقیم خوزستان کی طرف سے مخالف

کا خطرہ تھا۔ اس لئے امیر جمال الدین کو بھیج کر اسے سریر آرائے حکومت کر

کے حیلے سے طلب کیا۔ امیر نے اسے خاص بک کی چال سے مطلع کر دیا۔ جس

پر سلطان محمد نے خاص بک کا سر قلم کر دیا۔

ترکستان کے نو مسلم وحشی قبائل غز کے نام سے موسوم تھے۔ ترکان خطا

ماوراء النہر پر قابض ہو کر انھیں وہاں سے خارج کر دیا تھا۔ اور وہ بلخ میں سلطان

کے پاس چلے گئے تھے۔

سلطانی تحصیل داروں نے رشوت ستانی کے لئے انھیں تنگ اور ذلیل کرنا شروع کیا۔ جس پر انھوں نے انتہائی تشویش و اضطراب میں ایک تحصیل دار کو تہ تیغ کر ڈالا۔ غزوں کی قوت توڑنے کے لئے سلجوتی امیر قماج نے سلطان سے کہہ کر ان کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور غزوں سے مقتول تحصیل دار کا قصاص طلب کیا۔ غزوں نے اسے ذلیل کر کے لوٹا دیا۔ قماج نے آگ بگولا ہو کر ان پر چڑھائی کر دی۔ لیکن شکست کھائی۔ اور قماج اور اس کا بیٹا دونوں مارے گئے۔ غزوں نے بلخ میں قتل و غارت کا بازار گرم کر کے وہاں گدھے کے ہل چلوادئے۔

اس پر سلطان خود غزوں کی سرکوبی کے لئے نکلا۔ انھوں نے ہدامت سے اعتذار کرتے ہوئے نقصان کی تلافی پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن سلطان نے امرائے مجبور کرنے پر ان کی معذرت کو سرپائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ دونوں میں ہولناک جنگ ہوئی۔ سلطان زک اٹھا کر گرفتار ہوا۔ غزوں نے اسے برائے نام تخت پر قائم رکھتے ہوئے حکومت کے سیاہ و سپید پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد غزوں نے خراسان پر حملہ کر کے اس کے بڑے بڑے شہروں مرو۔ طوس اور نیشاپور وغیرہ کو لوٹ مار سے تباہ و برباد کر ڈالا۔

۵۵۱ھ میں سلطان سنجر جس کی حیثیت ایک معزز قیدی سے زیادہ نہ تھی۔ قید سے نکل بھاگا۔ اور ربیع الاول ۵۵۲ھ میں ۷۲ سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔ اس کے بعد خوارزم شاہ اور اس کی اولاد سارے خراسان پر قابض ہو گئی۔ اصفہان و رے اور آل سبکتگین کے زیر اثر صوبوں پر بھی تسلط بٹھالیا۔ اور ان کا قبضہ خراج چنگیز خاں تک قائم رہا۔ غرض اس خلیفہ کے عہد میں دولت خوارزم شاہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

خراسان کے سلجوتی مرکز سے محروم ہو گئے۔ اس لئے باقی امرائے سلجوتی نے سلطان سنجر کے بھتیجے سلیمان شاہ کو بادشاہ مقرر کیا۔ اور وہ خراسان میں اپنے آپ

کو غیر محفوظ پا کر بغداد آگیا۔

محرم ۵۵۱ھ میں سلیمان شاہ نے خلیفہ کے دربار میں باریاب ہو کر اس سے بیعت کی۔ خلیفہ نے اسے نائب السلطنت مقرر کیا۔ اور بغداد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

ربیع الاول ۵۵۱ھ میں سلیمان شاہ نے بلاد جبل کی راہ لی۔

ذی الحجہ ۵۵۱ھ میں سلطان محمد بن محمود نے بغداد پر فوج کشی کی قطب الدین بن عماد الدین زنگی بھی جو موصل کا کماندار تھا۔ اس حملے میں سلطان محمد کے ساتھ شریک تھا۔ قطب الدین کو اس کے بڑے بھائی نور الدین زنگی نے زبرد تو بیچ سے لہرہ خط لکھا۔ کہ تم اس یورش میں کیوں شریک ہوئے۔ جس پر اس نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ربیع الاول ۵۵۲ھ میں سلطان محمد محاصرے سے دست کش ہو کر عازم ہمدان ہوا۔ اور قطب الدین نے موصل کی راہ لی۔ ذی الحجہ ۵۵۲ھ میں سلطان محمد نے بمقام ہمدان انتقال کیا۔

اس کے بعد تخت نشینی سے متعلق سلجوقی شہزادوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ آخر سلطان محمود کے چچا شاہ سلیمان کو موصل طلب کر کے تخت پر بٹھایا گیا۔ اب سلیمان شاہ سلجوقی شہزادوں سے مقابلہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ آخر اس نے حکومت تو قائم کر لی۔ لیکن یہ بلند قبالی اسے باس نہ آئی۔ اور وہ اپنے ہی ایک سردار شرف الدین کے ہاتھوں مارا گیا۔

پھر شرف الدین نے ارسلان شاہ بن طغرل کو تخت پر بٹھانے کی تجویز کی۔ اور اس کے اتابک ایلدکز کو اسے اپنے ساتھ لانے کے لئے لکھا۔ وہ فوج لے کر ہمدان آگیا جہاں ارسلان شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

ایلدکز سلطان مسعود کا ایک غلام تھا۔ اور ارسلان شاہ کے باپ کا انتقال ہو جانے پر اس کی ماں کو حبارہ عقد میں لے آیا تھا۔

اب ارسلان شاہ کی تقریب تخت نشینی کے بعد ایلدکز ہی اس کا اتابک اعظم

مقرر ہوا۔ اور خلیفہ کی خدمت میں درخواست ارسال کی۔ کہ بغداد میں ارسلان شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ لیکن خلیفہ نے ایلچی کو ذلیل کر کے بے نیل مرام واپس کیا۔

خلیفہ کے وزیر نے محمود بن ملک شاہ کے نام کا خطبہ پڑھے جانے کی تحریک کی محمود جو ایک کم سن لڑکا تھا۔ اپنے باپ کے مصاحبوں کے ساتھ فارس کی طرف گیا ہوا تھا۔ وہاں کے حاکم زنگی بن وکلا سلغری نے محمود کو ان لوگوں سے چھین کر قلعہ اصطخر میں قید کر دیا۔ خلیفہ کے وزیر نے زنگی کو لکھا۔ کہ محمود کو آزاد کر دو۔ اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے علاقے میں اس کے نام کا خطبہ پڑھو او۔ زنگی نے اس کی تعمیل کی۔

اُدھر ایلدکوز نے زنگی کو ارسلان شاہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تحریر کیا۔ لیکن زنگی نے انکار کر کے فوجیں جمع کیں۔ ایلدکوز نے لشکر تیار کر کے فارس پر یورش کی۔ طرفین میں حرب و ضرب کا ہنگامہ برپا ہوا۔ مگر کوئی قابل ذکر نتیجہ روپذیر نہ ہوا۔

آخر ۲ ربیع الاول ۵۵۵ھ کو مقتفی نے ۶۶ سال کی عمر میں ۲۴ سال ۳ مہینے خلافت کرنے کے بعد انتقال کیا۔

اوصاف مقتفی میں گونا گوں کمالات جمع تھے۔ وہ مدبر و سیاست دان۔ بہادر و شجاع جوی و حوصلہ مند۔ عالم۔ فاضل۔ زاہد و مستقی۔ خوش اخلاق اور شریف النفس تھا۔ اس نے عراق سے سلجوقیوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے:-

”مقتفی بذات خود میدان کارزار میں نکلتا۔ اور تیغ زنی کے جوہر دکھاتا تھا۔ اس نے اپنے تمام حریفوں پر حملہ کر کے انھیں ناک چنے چبوائے۔“

ابن اثیر کا بیان ہے:-

”دلیوں کے اقتدار خلافت کے بعد سے مقتفی پہلا خلیفہ تھا جس نے عراق

کو سلاطین کے اثر سے رہائی دلا کر آزاد حکومت قائم کی۔ اور معتقد کی ایک مستثنیٰ مثال کے سوا مستنصر کے بعد پہلا بادشاہ ہے۔ جس نے خلافت بغداد پر صحیح معنی میں اختیار حاصل کیا۔ اور فوج اور عہدہ داران حکومت پر اقتدار قائم کیا۔ وہ بہادر اور صاحب جرات تھا۔ خود جنگ کے شعلہ زار میں کودتا تھا۔ خبر سانی کے محکمے پر بے تحاشا روپیہ خرچ کرتا تھا۔ ملک کے گوشے گوشے سے ہر خبر اس کے پاس پہنچ جاتی تھی

ابن جوزی رقم طراز ہے:-

”مقتفی سے پہلے خلافت بغداد پر سلاطین کا قبضہ تھا۔ خلفاء نام نہاد تھے۔ مقتفی کے عہد سے عراق اور بغداد پر صحیح معنی میں خلفاء کی حکومت قائم ہوئی۔ اور ان کا کوئی حریف نہ رہا۔“

ابن سمعانی بیان کرتا ہے:-

”مقتفی نیک کردار اور کامیاب حکمران تھا۔ اس میں ذکا و فہم، فضل و کمال، تدبیر و سیاست تمام اوصاف جمع تھے۔ اسی نے امامت کے جسم میں نئی روح پھونکی۔ اور رسوم خلافت کی ترتیب و تنظیم کی۔“

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:-

”مقتفی عالم و فاضل، حلیم و شجاع اور خوش اخلاق تھا۔ وہ فطرتاً سردار معلوم ہوتا تھا۔ اپنے محاسن کے لحاظ سے منصب امانت کے قابل تھا۔ خلفائے اس کی نظیریں شاذ و نادر ہی پائی جاتی تھیں۔ ہر چھوٹے بڑے حکم پر اس کے دستخط کا ثبوت ہونا ضروری تھا۔“

”وہ علم پرور اور علما کا قدردان تھا۔ اسے حدیث نبویؐ سے خاص شغف و انہماک تھا۔ زہد و تقویٰ کی راہ پر ثابت قدم تھا۔ خلافت سے قبل وہ ہر وقت عبادت و ریاضت، قرآن خوانی اور علمی کاموں میں مصروف رہتا تھا۔“

مستجد باللہ

۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ

یوسف نام۔ ابو مظفر کنیت۔ مستجد باللہ لقب۔ ربیع الآخر ۵۱۰ھ میں ایک گرجستانی کینز طاؤس کے بطن سے پیدا ہوا۔ ۵۴۷ھ میں ولی عہد مقرر کیا گیا۔ اور ربیع الاول ۵۵۵ھ میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔

۵۵۶ھ میں ترکمانوں، گردوں اور عربوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ لیکن خلیفہ نے ان سب کو مغلوب کر کے بغاوت کا استیصال کر دیا۔

حلہ میں بنی اسد نے سرکشی پر کرباندھی۔ اور ۵۵۸ھ میں خلیفہ نے فوج کشی کر کے انھیں عراق سے نکال دیا۔

۵۵۹ھ میں واسط کے اندر بغاوت کے شعلے بھراک اٹھے۔ لیکن فوجی طاقت سے انھیں ٹھنڈا کر دیا گیا

۵۶۰ھ میں خلیفہ کے وزیر عون الدین کا انتقال ہوا۔

۵۶۳ھ میں ابن سوار نے مصر کے آخری عبیدی حاکم عاصد الدین اللہ کے وزیر شاور کو مصر سے خارج کر دیا۔ شاور نور الدین زنگی عامل حلب و شام کے پاس پہنچا۔ اس نے امیر اسد الدین شیرکوه کو دو ہزار سوار دے کر مصر بھیجا۔ شیرکوه نے ابن سوار کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن شاور نے اپنے وعدے پورے نہ کئے۔

ان دنوں فرانسیسیوں نے شام و مصر کے ساحلی مقامات پر دست تصرف دراز کر رکھا تھا۔ شیرکوه کو ان عیسائیوں کے اخراج پر مامور کیا گیا۔ اس نے اپنے بھتیجے صلاح الدین کے ساتھ مل کر فرنگیوں کے خلاف حرب و ضرب کا ہنگامہ گرم کر دیا۔ ہینوں کی معرکہ آرائی کے بعد انھیں مصر سے باہر نکال دیا۔ اور خود شام کی جانب چلا آیا۔

۵۶۴ھ میں فرانسیسیوں نے پھر مصر پر فوج کشی کی۔ عاصد الدین اللہ نے

نور الدین زنگی سے امداد طلب کی۔ نور الدین نے شیرکوہ کو صلاح الدین کی معیت میں مصر بھیجا۔ فرانسیسیوں نے شیرکوہ کی آمد کی اطلاع پاتے ہی راہ فرار اختیار کی۔ اور عاضد الدین اللہ نے شیرکوہ کو اپنا وزیر مقرر کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ شاور نے بغاوت پر کمر باندھی۔ شیرکوہ نے فی الفور اسے ٹھکانے لگا دیا۔

۵۶۵ھ میں شیرکوہ نے بمقام مصر وفات پائی۔ تو عاضد الدین اللہ والی مصر نے اس کے بھتیجے سلطان صلاح الدین یوسف کو منصب وزارت پر فائز کیا۔ اس نے حسن قابلیت سے یہاں تک ترقی کی کہ گویا وہی حکومت مصر کے سیاہ و سپید کا مالک بن گیا۔ عاضد کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی۔

مصر میں صلاح الدین کی سطوت و صولت اور نور الدین کے اثر و اقتدار سے فرنگی چو کڑی بھول گئے۔ انھوں نے اندلس اور سسلی کی حکومتوں کو امداد کے لئے بھیجا۔ اور دونوں حکومتوں نے بہت سی فوج۔ سامان جنگ اور زر و مال بھیج دیا۔ ۵۶۵ھ میں شام کے عیسائیوں نے مصر پر حملہ کر کے دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔ اُدھر صلاح الدین اور نور الدین دونوں نے حریف کے مقابلے کے لئے اپنی تمام طاقتیں صرف کر دیں۔ محاصرہ ایک مہینے تک قائم رہا۔ لیکن فرنگیوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پھر بھی وہ محاصرے پر ڈٹے رہے۔ مگر جب انھیں کامیابی کی کوئی امید نہ رہی۔ تو پانچ مہینوں کے بعد محاصرہ اٹھا کر نامراد واپس چلے گئے۔

مستنجد کا وزیر ابو جعفر بن بلدی امیر عاضد الدین ابو الفرج اور امیر

مستنجد کا قتل

قطب الدین قانماز کا مخالف تھا۔ مستنجد نے ابو جعفر کو ان دونوں امیروں کے گرفتار کر لینے کا حکم دیا۔ امیروں کو بھی خبر ہو گئی۔ اتفاق سے ان دونوں ربیع الآخر ۵۶۶ھ میں مستنجد سخت بیمار ہو گیا۔ امیران مذکور کے ساتھ اس کے معالج کا قارورہ ملا ہوا تھا۔ طبیب نے ان کے اشارے سے مستنجد کو حمام کرنے کا مشورہ دیا۔ اس میں ضعف صحت کے باعث حمام کی طاقت نہ تھی لیکن ان امیروں نے جبراً اسے لے جا کر حمام میں بند کر دیا۔ اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔

خلیفہ نے ۵۶ سال کی عمر پائی اور ۱۱ سال خلافت کی۔

استیخدا انصاف پسند۔ رعایا پرور اور شفیق و بامروت تھا۔ اس نے ہر
اوصاف قسم کا محصول بند کر دیا۔ فساد یوں کا قلع قمع کر کے فتنہ و شر کی بنیاد
 اکھاڑ ڈالی۔

بغداد کا ایک جابر قاضی ابن مرخم بڑا دولت مند تھا۔ مستیخدا نے اسے گرفتار
 کر کے ساری دولت ضبط کرنے کے بعد اس کے مستحق ساتھیوں میں تقسیم کر دی۔
 ابن جوزی لکھتا ہے:-

” مستیخدا صاحب فہم و ذکا۔ عالم و فاضل اور صاحب الرائے خلیفہ تھا۔ اسے
 اصطراب اور فلکی آلات بنانے میں دسترس تھی۔ وہ ایک فصیح شاعر اور عالی
 پایہ نثار تھا۔“

مستیخی بامر اللہ

۵۶۶ھ تا ۵۷۵ھ

حسن نام۔ ابو محمد کنیت۔ مستیخی بامر اللہ لقب۔ ۵۳۶ھ میں ایک ارمنی کنیز کے
 بطن سے پیدا ہوا۔ اور ربیع الآخر ۵۶۶ھ میں تخت خلافت کی زینت بنا۔
 امیر عضد الدین اور امیر قطب الدین نے مستیخدا کا خاتمہ کرنے کے بعد اس کے
 وزیر ابو جعفر کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ باندھا۔ چنانچہ اسے بیعت کے بہانے سے
 طلب کر کے تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

مستیخی کے عہد حکومت کے پہلے ہی سال مصر سے عبیدیوں کی حکومت ختم
 ہو گئی۔ اور اس کی جگہ ایوبی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔

سلطان صلاح الدین یوسف وزیر مصر جو گونا گوں کمالات کے باعث حکومت
 کے نظم و نسق پر چھا گیا تھا۔ ملک کی بد نظمی کا استیصال کر کے حسن انتظام سے

حکومت کرنے لگا۔

۵۶۶ھ کے اواخر میں نورالدین محمود زنگی والی شام نے سلطان صلاح الدین کو مصر میں خلیفہ مستفی کے نام کا خطبہ جاری کرنے کے لئے فرمان نافذ کیا۔ محرم ۵۶۶ھ میں سلطان نے مستفی کے نام کا خطبہ پڑھا۔ ۱۰ محرم ۵۶۶ھ کو عاضد الدین والی مصر کا انتقال ہو گیا۔ اور اگلے جمعہ کو مصر کے گوشے گوشے میں خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ جب یہ اطلاع بغداد میں پہنچی۔ تو خلیفہ نے جشن شادمانی منعقد کیا۔ اور اپنے مصاحب خاص صندل کے ہاتھ نورالدین اور صلاح الدین کے خلعت اور سیاہ غلم ارسال کیا۔

پہلے نورالدین شام۔ جزیرہ اور موصل پر قابض تھا۔ اب خلیفہ نے اسے مصر شام۔ جزیرہ۔ موصل۔ دیار بکر۔ خلاط۔ بلاد روم اور سواد عراق کا پروانہ حکومت بھیج دیا۔ اور اسے ان علاقوں میں اپنا نائب السلطنت مقرر کر کے مختار کار بنا دیا۔ جس طرح صلاح الدین و قادامی کی بنا پر نورالدین کی قوت بازو تھا۔ اسی طرح نورالدین حسن تعلقات کے باعث خلیفہ مستفی کا دست راست بنا ہوا تھا۔ اور بڑے بڑے بادشاہ خلیفہ بغداد کی شمشیر ہیبت و سطوت کا لوہا مان کر اس سے لرزہ بر اندام رہنے لگے۔ اور اطراف و اکناف میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جا لگا۔

۵۷۰ھ میں قطب الدین قانماز کمان دار عسا کرنے بغداد میں غلم بغاوت بلند کیا۔ رعایا اپنے بادشاہ پر جان چھڑکتی تھی۔ اس لئے لوگوں نے خلیفہ کے حکم پر کہ قطب الدین قانماز کے مال و متاع سے متعلق تم سے کوئی باز پرس نہیں اس کے مکان پر ٹوٹ کر سب کچھ لوٹ لیا۔ قانماز بغداد سے بھاگ کر حلقہ پہنچا۔ وہاں سے موصل کو جا رہا تھا۔ کہ راستے میں لقمہ اجل ہو گیا۔

۵۷۳ھ میں خلیفہ کا وزیر عضد الدین ابوالفرج محمد بن عبداللہ حج کو جا رہا

کہ ایک قمری کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کی جگہ ظہیر الدین ابن عطار منصب وزارت پر فائز کیا گیا۔

ذی قعدہ ۷۵۷ھ میں مستضیٰ نے نو سال سات مہینے کی خلافت کے بعد اتالیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔

مستضیٰ بامر اللہ نہایت شریف النفس اور کامیاب خلیفہ تھا۔ ملک اوصاف کے گوشے گوشے میں امن و سکون اور فراغت و آسودگی کے پھول برستے تھے۔

ابن اثیر لکھتا ہے :-

”مستضیٰ عدل پرور اور رعایا پر مہربان تھا۔ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے خزانے کا منہ کھول دیتا تھا۔ مقررہ محصول کے سوا رعایا سے ایک کوڑی بھی زیادہ وصول نہ کرتا تھا۔ اس کے عہد میں ملک کو بے نظیر امن و امان اور سکون و اطمینان حاصل تھا۔ طبیعت میں نرمی اور درگزر تھی۔ جرائم پر بھی کم باز پرس کرتا تھا چشم پوشی اس کی فطرت تھی۔ اس کے عہد میں رعایا کے لئے گویا دن عید اور رات شب برات تھی۔

ابن جوزی بیان کرتا ہے :-

”مستضیٰ نے سرپر آرائی کے بعد ہی تمام ناروا محصول منسوخ کر دئے جس کی جو چیز ظلم سے حاصل کی گئی تھی۔ لوٹا دی گئی۔ اور اس قدر انصاف اور داد و دہش سے کام لیا۔ کہ اس کی مثال نہ ملتی تھی۔ بنی ہاشم۔ علویوں۔ عالموں۔ درویشوں اور خانقاہوں پر کشادہ دلی سے روپیہ خرچ کرتا تھا۔ مال و زر اس کی نظر میں بیچ تھا۔ اس کا دست سخا و برکرم بن کر ہمیشہ ضرورت مندوں کے مزع تمنا کی آبیاری کرتا تھا۔ اور نگ نشینی کے وقت امرائے حکومت اور حکام کو گراں بہا خلعت عطا کئے۔ جن میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ صرف ریشمی قبائیں تھیں۔ عام مجالس میں شاذ و نادر ہی شریک ہوتا تھا۔ اور جب کبھی شریک

ہوتا تھا۔ تو نہایت تزک و احتشام سے۔“

حافظ ذہبی رقم طراز ہیں۔

”مستغنی بڑا سخی اور حامی شریعت تھا۔ اس کے عہد میں ملک بھر میں امن و امان رہا۔ خدا نے اس کے عہد کو سعادت سے لبریز کر دیا تھا۔ یمن سے مصر و مغرب تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اور تمام حاکم اس کے فرما بڑا تھے۔“

ناصر الدین اللہ

۵۷۵ھ تا ۶۲۲ھ

احمد نام۔ ابو العباس کنیت۔ ناصر الدین اللہ لقب۔ ۱۰ رجب ۵۵۳ھ کو ایک ترکی کنیز زمرّد کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور ذی قعد ۵۷۵ھ میں تخت پر بیٹھا۔ خلیفہ نے سریر آرائے خلافت ہوتے ہی بیعت لینے کے لئے اسلامی ممالک محروسہ میں قاصد بھیجے۔ ہمدان۔ اصفہان اور رے کے حاکم بہلوان بن ایلدگز نے بیعت کرنے میں لیت و لعل کی۔ لیکن پھر اپنے ہی سرداروں کا تہدید آمیز رد دیکھ کر بیعت کر لی۔

ایلدگز ارسلان شاہ بن سلطان طغرل کا اتالیق اور نگران تھا۔ ارسلان شاہ ایلدگز کا سوتیلا بیٹا بھی تھا۔ ایلدگز کے انتقال پر اس کا بیٹا بہلوان ارسلان شاہ کا اتالیق بنا۔

۵۷۳ھ میں ارسلان شاہ نے بھی وفات پائی۔ تو بہلوان نے اس کے بیٹے طغرل کو اس کا جانشین مقرر کیا۔ اور خود بلا و مذکور کی حکومت کے فرائض انجام دیتا رہا۔

۵۸۲ھ میں بہلوان نے انتقال کیا۔ تو اس کا بھائی عثمان معروف بر قزل ار

اس کا قائم مقام ہوا۔ طغرل کچھ عرصے تک تو قزلباشی کی کفالت و نگرانی میں رہا پھر اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور امرایک امداد سے بعض شہروں پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ مدت تک قزلباشی اور طغرل میں حرب و ضرب کا ہنگامہ برپا رہا۔ آخر طغرل کا اقتدار عزاقتوں ہوتا رہا۔ اور قزلباشی قعر زوال میں گرتا چلا گیا۔

قزلباشی نے ایک عرض داشت کے ذریعے سے دربار خلافت میں اطاعت کا اقرار کرتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا۔ کہ طغرل کی طاقت میں اضافہ ہو جانے سے دربار خلافت کے لئے شدید خطرہ لاحق ہونے کا احتمال ہے۔ اس پر خلیفہ نے بغداد میں شاہان سلجوقی کے عالی شان محلوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اور ابوالمنظر علیہ السلام کو ایک لشکر بجا دے کر قزلباشی کی امداد کے لئے روانہ کیا۔

عید اللہ ابھی راستے ہی میں تھا۔ کہ ۱۸۔ ربیع الاول ۵۸۲ھ کو ہمدان میں طغرل سے ٹکرائی ہو گئی۔ اور خونریز لڑائی کے بعد میدان طغرل کے ہاتھ رہا۔ عید اللہ گرفتار لیا گیا۔ اور باقی فوج بغداد آگئی۔

اس کے بعد قزلباشی اور طغرل میں معرکہ آرائی ہوئی۔ جس میں طغرل شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ اور ایک قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔

اب اصفہان۔ رے۔ ہمدان وغیرہ تمام صوبوں پر قزلباشی کا پرچم حکومت برانے لگا۔ اور اس کے نام کا بسک و خطبہ جاری ہو گیا۔

۵۸۵ھ میں امیر عیسیٰ والی تکریت کے انتقال پر اس کے بھائیوں نے تکریت پر دست تصرف دراز کیا۔ خلیفہ ناصر نے اس پر خود قبضہ کر کے امیر عیسیٰ کے بھائیوں کو جاگیریں عطا کر دیں۔

اسی طرح ۵۸۶ھ میں عازہ کو زیر نگین کر کے وہاں کے امیروں کو جاگیریں بخشیں۔ ۵۸۷ھ میں طغرل کو قید ہی کی حالت میں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اور اڈل بہ آخر نسبتے دارد کے مطابق وہ ایوان حکومت جس کا سنگ بنیاد طغرل نے رکھا تھا۔ اسی کے ہم نام سلطان کے آغوش لحد میں سو جانے پر پیوند زمیں ہو گیا۔

۵۹۱ء میں خلیفہ نے خوزستان پر تسلط بٹھایا۔ اور اپنی طرف سے وہاں کی عنان حکومت مجیرالدین کے ہاتھ میں دے دی۔ خوارزم شاہ نے رے پر حملہ کر کے وہاں کے حاکم قتلغ بن بہلوان کو شکست دینے کے بعد بھگا دیا اور اس علاقے پر خود تصرف کر لیا۔ مویدالدین فاتح خوزستان بھاری لشکر لئے ہوئے روانہ ہونے کو تھا کہ قتلغ بن بہلوان نے اس کے پاس جا کر اسے رے پر چڑھائی کرنے کی ترغیب دی۔ مویدالدین نے اس کے ساتھ ہمدان کی طرف باگ اٹھائی۔ وہاں خوارزم شاہ کا بیٹا فوج لئے ہوئے موجود تھا۔ وہ مویدالدین کے آنے کی اطلاع پا کر رے کی طرف چل دیا۔ اور مویدالدین کو ہمدان کے فتح کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ وہاں سے اس نے رے کی جانب کوچ کیا۔ ابن خوارزم رے کو خیر باد کہہ کر چلا گیا۔ مویدالدین نے رے کو بھی مسخر کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں قتلغ کا سارا علاقہ زیر نگیں کر لیا۔ ملک گیری کی ہوس نے خوارزم شاہ کے دل میں چھکی لی۔ تو اس نے ایک ٹڈی دل لشکر کے ساتھ ہمدان پر یورش کی۔ انھیں دنوں شعبان ۵۹۲ء میں مویدالدین نے وفات پائی۔ لیکن اس کی فوج ثبات و جرات سے حریف کے مقابلے پر ڈٹی رہی۔ آخر بعد کی سپاہ نے سالار کے فقدان کے باعث زک اٹھائی۔ اور خوارزم شاہ نے ہمدان کو فتح کر لیا۔ پھر اصفہان کو مسخر کر کے اپنے بیٹے کی تحویل میں دیا۔ اور ایک بھاری فوج وہاں مقرر کی۔

اس کے بعد خلیفہ ناصر نے سیف الدین طغرل کے زیر قیادت اصفہان کی فتح ایک لشکر بھیجا۔ اس نے ابن خوارزم کو شکست دے کر اصفہان پر قبضہ کیا۔ پھر ہمدان زنجان۔ قزوین وغیرہ پر بھی تسلط بٹھایا۔

۶۰۲ء میں مجیرالدین امیر خوزستان نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ خلیفہ ناصر نے اس کے داماد سنجر کو اس کا جانشین مقرر کیا۔ ۶۰۶ء میں خلیفہ کسی بات پر سنجر ناراض ہو گیا۔ تو اپنے نائب وزیر کو اس کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ سنجر کھاگ کر تاناکہ سعد زنگی کے پاس فارس پہنچا۔ اس نے سنجر کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

ربیع الاول ۶۰۶ھ میں خلیفہ کے لشکر نے خوزستان کو فتح کر کے سنج کو بلا بھیجا لیکن وہ نہ آیا۔ اس پر بغداد کی فوج نے شیراز کی جانب پیش قدمی کی۔ سعد نے سفارش کر کے سنج کو نائب وزیر کے پاس بھیج دیا۔ وہ محرم ۶۰۸ھ میں سنج کو ساتھ لے کر بغداد واپس آیا۔ اور پابند سلاسل کر کے دربار خلافت میں پیش کیا۔ خلیفہ نے اپنے خادم باقوت کو خوزستان کی ولایت سپرد کر کے بھیج دیا۔ اور سنج کو خلعت دے کر آزاد کر دیا۔ محرم ۶۱۳ھ میں خلیفہ نے اپنے پوتے موید بن علی کو تشر کی امارت عطا کی۔ بہلوان کے ایک سردار اغمش نے بلاد جبل پر تسلط بٹھالیا تھا۔ ۶۱۴ھ میں سے قرامط نے تہ تیغ کر ڈالا۔

اغمش کے نذیر اجل ہو جانے کے بعد اس کے علاقے پر اتابک سعد زنگی اور خوارزم شاہ دونوں نے دندان حرص و آرز تیز کر لئے۔ طرفین میں خونریز معرکہ آرائی ہوئی۔ جس میں خوارزم شاہ نے فتح پا کر اغمش کا سارا علاقہ زیر نگیں کر لیا۔ اور خلیفہ کی خدمت میں درخواست بھیجی۔ کہ بغداد میں اس کا خطبہ بطور نائب سلطنت پڑھا جائے۔ خلیفہ نے انکار کیا۔ تو خوارزم شاہ نے بغداد پر چڑھائی کی۔ لیکن برف باری کی کثرت سے اس کی فوج کا بہت سا حصہ تباہ ہو گیا۔ باقی سپاہ ترکوں اور کردوں کی غارت گری کا شکار ہوئی۔ بچے کچھے لوگ بڑے حالوں خوارزم شاہ کے پاس واپس آ گئے۔ وہ اسے بدشگونی سمجھ کر خراسان کی طرف لوٹ گیا۔ ۶۱۵ھ میں اپنے بیٹے رکن الدین کو نیا فتح کیا ہوا علاقہ سپرد کر کے عماد الملک کو اس کا مدار الہام مقرر کیا۔ اور اپنے تمام علاقوں سے خلیفہ کے نام کا خطبہ موقوف کر دیا۔

تاتاریوں کا قیامت خیز طوفان | اس زمانے میں سارا جہان اسلام خصوصاً وسط ایشیا کی اسلامی حکومتیں

ایک نہایت ہولناک اور تباہ کن دور میں مبتلا ہو گئیں۔ طغاج (چین) کے پہاڑوں سے وحشی تاتاریوں کا ایک قیامت خیز طوفان اٹھا۔ جو سارے وسط ایشیا اور روس پر چھا گیا۔ اور چند ہی سال میں تمام اسلامی ممالک کو تاخت و تاراج

کر ڈالا۔ لاتعداد مسلمان گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دئے گئے۔ بے شمار بڑے بڑے شہروں میں سناٹا چھا گیا۔ اور وسط ایشیا کے طول و عرض میں جہاں تہذیب و تمدن کے پھول برستے تھے۔ ویرانی و بربادی کے انگاروں کی بارش ہونے لگی۔ غرض دنیا بھر اسلام میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک خاک اڑنے لگی۔

۶۱۶ھ میں قبیلہ تاتار نے اپنے سرور چنگیز خاں کی سرکردگی میں خروج کر کے ترکستان و ماوراء النہر پر یورش کی۔ اور ترکان خطا سے یہ علاقے چھین لئے۔ پھر چنگیز خاں نے خوارزم کے خلاف صف آرائی کی۔ اور خراسان و بلاد جہاں پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے بعد ارانیہ اور شروان کو مسخر کیا۔ انھیں تاتاریوں کی ایک جماعت نے غزنی، سجستان، کرمان وغیرہ کی طرف پیش قدمی کی۔ خوارزم شاہ نے تاتاریوں سے زک اٹھا کر ۶۱۶ھ میں طبرستان کے کسی مقام انتقال کیا۔

تاتاریوں نے خوارزم شاہ کو نیچا دکھانے کے بعد اس کے بیٹے جلال الدین غزنی میں شکست دی۔ اور چنگیز خاں نے دریائے سندھ تک اس کا تعاقب کیا۔ جلال الدین دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہوا۔ پھر ۶۲۲ھ میں خوزستان و عراق کی راہ لی۔ اور آذربائیجان و آرمینیا پر قبضہ کیا۔ حتیٰ کہ مظفر کے ہاتھ سے مارا گیا۔

رمضان ۶۲۲ھ میں خلیفہ ناصر الدین اللہ نے بیس دن بیمار ناصر کی وفات | کر ۴ سال کی خلافت کے بعد انتقال کیا۔ کسی عباسی خلیفہ اس قدر طویل زمانے تک حکومت نہیں کی۔

اوصاف | ابن طقطقی بیان کرتا ہے :-

”ناصر عالم و فاضل۔ نکتہ آفریں۔ فصیح و بلیغ۔ ذہین۔ ذکی۔ حاضر و باغ۔ تیز طبع۔ سیاست دان۔ باہمیت۔ شجاع اور پُرصوت تھا۔ عالموں سے ماہرانہ بحث کرنا اور امور مملکت کو بہ طریق احسن انجام دیتا تھا۔“

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:-

”ناصر کا عہد حکومت تمام خلفا سے زیادہ طویل تھا۔ دو سیتالیس سال حکم ران رہا۔ اور اس نے نہایت جاہ و جلال سے زندگی بسر کی۔ دشمنوں کی بیخ کنی کی۔ اور سلاطین کو مغلوب کیا۔ جو مخالف طاقت ابھری اسے خاکِ فتا میں دبا دیا۔ جس نے اس سے بُرائی کرنے کی ٹھانی۔ اسے قدرت نے نامراد کر دیا۔ اس بلند اقبالی کے باوجود وہ ملکی مصلحتوں کا پورا خیال رکھتا تھا۔ رعایا کے حالات سے کالملاً باخبر رہتا تھا۔ مملکت کے گوشے گوشے میں جاسوسوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ جو وہاں کے عالمین کے حالات سے برابر آگاہ کرتے رہتے تھے۔ وہ شطرنج سیاست کا چابک دست کھلاڑی تھا۔ اس کی گہری چالوں تک لوگوں کے ذہن نہیں پہنچ سکتے تھے۔ وہ اپنی سیاسی مصلحتوں سے دشمن بادشاہوں میں دوستی اور دوست حکمرانوں میں دشمنی پیدا کر دیتا تھا۔ اور انھیں اس کا علم تک نہ ہونے پاتا تھا۔“

عبداللطیف رقم طراز ہے:-

”ناصر کی ہیبت سے لوگوں کے دل دہل جاتے تھے۔ اہل بغداد کی طرح اہل مصر و ہند بھی اس سے خوف کھاتے تھے۔ اس نے خلافت کی ہیبت میں جس نے معتمد کے بعد دم توڑ دیا تھا۔ از سر نو روح پھونک دی۔ مصر اور شام تک کے فرماں رواؤں پر اس کے ذکر سے لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔“

تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے:-

”عالم اسلام کے تمام حکمران اس کے اطاعت گزار و تابع فرمان تھے۔ اور خلافت بغداد کے تمام قدیم باغیوں نے اس کے آگے گھٹنے ٹیک دئے تھے۔ اس کی برہنہ تیغ نے بڑے بڑے جابر حکمرانوں کی اکڑی ہوئی گردنیں خم کر دی تھیں۔ اس نے ملک پر ملک مسخر کئے۔ اندلس سے چین تک اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے نام کا سبک رواں اور خطبہ پڑھا جاتا تھا۔“

الفخری میں تحریر ہے:-

”ناصرات کے وقت گلی کوچوں میں پیدل پھرا کرتا تھا۔ اس لئے رعایا اور حکام دونوں خائف رہتے تھے۔ کہ اسے امور خانگی تک کی خبر ہو جاتی ہے۔ اس کا محکمہ جاسوسی شہرہ آفاق تھا۔“

رفاہ عام کے سلسلے میں اس کے زریں کارنامے محتاج تشریح نہیں۔ ابن طقطقی بیان کرتا ہے :-

”ناصر کے خیراتی کام اور اوقات لا تعداد ہیں۔ اس نے بہت سے مسافر خانے خانقاہیں اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔“

ان محاسن کے ساتھ ساتھ ناصر ہوس زریں بڑی طرح مبتلا تھا۔ اس نے فراہمی دولت کی پیاس بجھانے کے لئے رعایا پر بڑا تشدد کیا۔ متعدد نئے نئے ٹیکس لگائے مال و جائداد کی خاطر بیسیوں آدمی جیل میں ٹھونس دئے۔ خراج میں غیر معمولی اضافہ کیا۔ فی الواقع وہ انتہا پسند تھا۔ جس طرف جھکتا تھا۔ جھکا ہی چلا جاتا تھا۔ حافظ ذہبی بیان کرتے ہیں :-

”ناصر جب داد و دہش پر آتا۔ تو فارغ البال کر دیتا تھا۔ اور جب شکنجہ عقوبت میں جکڑتا۔ تو سخت جکڑتا تھا۔“

یہی وجہ ہے۔ کہ اس کی طمع زریں انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے پہلو بہ پہلو اس کے جود و سخا کے واقعات بھی پائے جاتے ہیں۔ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے :-

”ایک بار کوئی ہندوستانی انعام کی خاطر اس کے دربار میں ایک طوطا لے گیا۔ جو قل هو اللہ پڑھتا تھا۔ لیکن سوہ اتفاق سے یہ طوطا ناصر کی خدمت میں پیش ہونے سے پہلے ہی مر گیا۔ ناصر نے اطلاع پاتے ہی پان سوا تشریفاں اس کے مالک کو ارسال کر دیں۔“

علم حدیث سے ناصر کو خاص شغف تھا۔ اس نے متعدد عالموں۔ فرمان رواؤں اور اکابر کو قرأت و روایت کی اجازت دے رکھی تھی۔ اور راوی علمائے کبار تھے۔ مقرر دی تھیں۔ ستر احادیث پر مشتمل ایک مجموعہ بھی مرتب کیا گیا تھا۔

ظاہر بامر اللہ

۶۲۲ھ تا ۶۲۳ھ

محمد نام۔ ابو نصر کنیت۔ ظاہر بامر اللہ لقب۔ ۱۵ھ میں پیدا ہوا۔ اور یکم شوال کو باون سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔

ظاہر نے سریر آراءے خلافت ہوتے ہی اس خوبی سے داد انصاف دی۔ کہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے زمانے کی یاد تازہ ہو گئی۔ رعایا کی فلاح و بہبود پر خاص توجہ مبذول کی۔ ہر قسم کا ناجائز ٹیکس معاف کر دیا ضبط لی ہوئی جائدادیں لوٹا دی گئیں۔ مقروضوں کا قرض خود ادا کر دیتا تھا۔

خلیفہ کہا کرتا تھا۔ "میں نے سرشام دکان کھولی ہے۔ اس لئے نیکی کا جتنا بھی سودا ہو سکے۔ کر لینے دو۔ میری زندگی ہی کے روز کی ہے۔"

ایک دفعہ ظاہر خزانے کی طرف چلا آیا۔ ایک عہدہ دار نے گزارش کی کہ "آپ کے والد کے زمانے میں خزانہ بھرا رہتا تھا۔" ظاہر نے جواب میں فرمایا۔ "خزانہ چمے کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ خالی کرنے اور راہِ خدا میں صرف کرنے کے لئے ہے۔ مال کو جمع کرنا تاجروں کا کام ہے۔"

۱۵۔ رجب ۶۲۳ھ کو خلیفہ نے سارے نو پینے خلافت کرنے کے بعد انتقال کیا۔ ظاہر نے انتقال سے چند روز پہلے اپنے ملک کے فرماں رواؤں اور عہد داروں کے لئے حسب ذیل فرمان نافذ کیا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ میں نے تم لوگوں کو جو گھلا چھوڑ رکھا ہے۔ اور تمہاری حرکات سے جو اغماض برتتا ہوں۔ اس کی وجہ غفلت اور بے پروائی نہیں۔ بلکہ قصداً اس لئے ہے۔ کہ اندازہ ہو سکے۔ تم میں سے کس کے افعال پسندیدہ ہیں۔ تمہاری تمام سابقہ حرکات یعنی ملک کی تباہی۔ رعایا کی خانہ بربادی۔ شریعت کی توہین۔ فریب کاری سے حق کی پوشیدہ صورت میں گھلے ہوئے باطل کا اظہار۔ نجی قاصد

کے لئے استیفا و استدراک کے حسین الفاظ سے استیصال اور احتیاج کی تعبیر وغیرہ جس کا تم نے ایک شیرعزاکے سامنے موقع پا کر ارتکاب کیا ہے۔ معاف کی جاتی ہیں۔ تم اس شیر کے امین اور معتمد ہو۔ اس کے باوجود اس کی مائے کو اپنی تمناؤں کے مطابق اور اپنے باطل کو اس کے حق سے ملا دینا چاہتے ہو۔ وہ تمہیں دیتا ہے۔ اور تم اس کا حکم نہیں مانتے۔ وہ تم سے ہمدردی کرتا ہے۔ اور تم اس کی دشمنی پر مگے ہوئے ہو۔ اب خدا نے تمہارے ڈر کو بے خونی۔ تمہاری مفلسی کو دولت مندی اور تمہارے باطل کو حق سے تبدیل کر دیا ہے۔ تمہیں ایک ایسا فرماں روادیا ہے۔ جو غلطیوں سے درگزر کرتا ہے۔ صرف اسی سے باز پرس کرتا۔ اور اسی سے بدلہ لیتا ہے۔ جو اصرار سے اپنی لغزشوں پر جمار ہتا ہے۔ وہ تمہیں انصاف کا حکم دیتا اور تم سے انصاف کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ تمہیں ظلم سے منع کرتا اور اسے تمہارے بڑا خیال کرتا ہے۔ وہ آپ خدا سے خوف کھاتا اور تمہیں بھی بزور اس سے خوف دلانا چاہتا ہے۔ خدا سے اچھی توقع رکھنا اور تمہیں اس کی فرماں برداری کی جانز راغب کرتا ہے۔ پس اگر تم خلق اللہ فی الارض کے عہدہ داروں اور اس کی مخلوق کے امینوں کی پیروی کرو گے۔ تو بہتر۔ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔

اس فرمان کے ساتھ یہ زبانی پیغام بھی ارسال کیا:۔

”اس فرمان کا مقصد یہ نہیں۔ کہ لوگ صرف زبان سے یہ کہنا کافی سمجھیں۔ فرمان شرف صدور لایا“ بلکہ اس کا پورا اثر اور پورا نتیجہ ان کے عمل کی صورت میں ظاہر ہونا چاہئے۔ تم لوگوں کے لئے باتونی امام سے زیادہ زینتِ عمل سے آراستہ امام کی ضرورت ہے۔“

Amir

مستنصر باللہ

۶۲۳ھ تا ۶۲۸ھ

منصور نام۔ ابو جعفر کنیت۔ مستنصر باللہ لقب۔ ۵۸۸ھ میں ایک ترک کنیز کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور رجب ۶۲۳ھ میں تخت پر بیٹھا۔

مستنصر کے عہد میں دو اہم واقعے رو پذیر ہوئے۔ (۱) بیت المقدس پر صلیبیوں کا عارضی قبضہ اور (۲) تاتاریوں کی دوسری یورش اور خوارزمی حکومت کا خاتمہ۔ بیت المقدس ایوبی خاندان کی حفاظت میں تھا۔ ادھر صلاح الدین دامن لحد میں روپوش ہوا۔ ادھر اس کے تینوں بیٹوں عزیز۔ افضل اور ظاہر غازی نے علی الترتیب مصر۔ دمشق اور حلب میں الگ الگ حکومتیں قائم کر لیں۔ اور ان میں فتنہ جنگی کے شعلے بھڑکنے لگے۔ آخر ربیع الآخر ۶۲۶ھ میں بیت المقدس چند شرائط کے ماتحت عارضی طور پر صلیبیوں کے حوالے کر دیا گیا۔

۶۲۲ھ میں چنگیز خاں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اکتائی قاآن تخت پر بیٹھا

تھا۔ اس نے خوارزم شاہ کے بیٹے جلال الدین کے مقابلے کو جس نے اپنی طاقت میں اضافہ کر کے۔ عراق۔ فارس۔ گرجستان۔ آذربائیجان اور خلاط وغیرہ پر تسلط بٹھا لیا تھا۔ اسی ہزار کاٹھنی دل لشکر روانہ کیا۔ جلال الدین نے لاکھ جوڑ توڑ کئے۔ لیکن اس کی کچھ پیش نہ گئی۔ اور وسط شوال ۶۲۶ھ میں جلال الدین ایک گروہ کے ہاتھوں جس کے بھائی کو اس نے قتل کر دیا تھا۔ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ جلال الدین کے قتل کے بعد خوارزمی حکومت نے بھی دم توڑ دیا۔

مستنصر کے دور حکومت میں تاتاری ملکت عباسیہ کے قریب و جوار کے تمام ملکوں کو زیر نگین کر کے عباسی سرحد تک پہنچے تھے۔ لیکن خلیفہ نے مدافعت کے سلسلے میں تاتاریوں کے دانت کھٹے کرنے کے لئے عظیم الشان فوج تیار کر رکھی تھی اس لئے انھیں اس طرف رخ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

جمادی الاخریٰ ۶۴ھ میں مستنصر نے سترہ سال کی خلافت کے بعد باون سال کی عمر میں انتقال کیا۔

اوصاف ابن طقطقی رقم طراز ہے :-

”مستنصر شجاع - سخی اور حوصلہ مند تھا۔ اس کے انعام و اکرام اور فیاضی کی شہرت محتاج دلیل نہیں۔ اس میدان میں کوئی عباسی خلیفہ اس کا حریف نہ تھا۔ اس نے اپنے عہد میں زرین کارنامے انجام دئے۔ اور عالی شان یادگاریں چھوڑ گیا۔ مدرسہ مستنصریہ سب سے بڑی یادگار تھا۔ جس کی تعریف احاطہ بیان سے باہر ہے۔ علاوہ بریں سرائے حربی - اس کاہل - سرائے خزینی - سرائے نہر ساہس - متعدد مسافر خانے خانقاہیں اور مسجدیں بنوائیں۔ اس کا قول تھا۔ ”میری نظر میں سونا اور مٹی یکساں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ کہ ”لن تنالوا البرحتی تنفقوا مما تحبون“۔ لہذا مجھے اندیشہ ہے کہ میں نے جو کچھ خرچ کیا ہے۔ اس کا مجھے کچھ ثواب نہ ملے گا۔“ اس کے زمانے میں عیش و نشاط کے پھول برستے تھے۔ سلطنت کے اطراف و اکناف میں امن و امان اور خیر و برکت کی بارش ہوتی تھی۔ اور سرسبز و شادابی کا دور دورہ تھا۔“

حافظ ذہبی بیان کرتے ہیں :-

”مستنصر ایک صاحب جاہ و جلال خلیفہ تھا۔ خدم و حشم بکثرت تھے۔ وہ بہت انصاف پسند۔ پرہیزگار اور باغیوں کا دشمن تھا۔ اس نے بڑی خوبی سے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ بہت سی مسجدیں اور مدرسے تعمیر کرائے۔ روپیہ بے تامل اور کثرت سے صرف کیا۔ تمام سلاطین اس کے اطاعت گزار تھے۔ اس کا دادا ناصر اس کی دانش و فراست اور پرہیزگاری کی بنا پر اسے قاضی کہا کرتا تھا۔ اس نے ایک ایسا عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا۔ جو عالم اسلام میں مثال نہ رکھتا تھا۔ تاتاریوں کے مقابلے کے لئے ایک لشکر تیار کیا۔ جس میں ایک لاکھ سوار تھے۔ اندلس اور شمالی افریقہ تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔“

سیوطی لکھتا ہے :-

" مستنصر نے اوزنگ نشین ہوتے ہی رعایا کو عدل و انصاف سے نوازا۔ عالموں اور دین داروں کو مصاحب بنایا۔ مدرسے۔ شفاخانے۔ مسجدیں اور خانقاہیں بنوائیں۔ دین کا پرچم لہرایا۔ یاغیوں کی بیخ کنی کی۔ سیرت رسولؐ کی نشر و اشاعت کی۔ فتنہ و فساد کا استیصال کیا۔ لوگوں کو صراطِ مستقیم پر گام زن کیا۔ جہاد کا فریضہ کامل تنہی سے انجام دیا۔ دینِ مبین کی امداد اور سرحدوں کے تحفظ کے لئے فوجیں جمع کیں۔ مستنصر کا عظیم ترین کارنامہ مدرسہ مستنصریہ ہے۔ جس نے بغداد کے سب سے بڑے مدرسہ نظامیہ کو جو نظام الملک طوسی کی یادگار تھا۔ مات کر کے عظمت عبا یہ کی لاج رکھ لی۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے:-

" ۶۲۵ھ میں ساحلِ دجلہ پر اس مدرسے کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ عمارت کی تعمیر سات سال میں اختتام کو پہنچی۔ اور ۶۳۲ھ میں اس کی رسم افتتاح نہایت تزک و احتشام سے منائی گئی۔ جس میں عالموں۔ قاضیوں۔ مدرسوں۔ امراء سلطنت اور اکابر حکومت نے شرکت کی۔"

■ اس مدرسے میں ایک عالی شان کتب خانہ قائم کیا گیا جس میں ۶۰ اور بروایت دیگر ۱۶۰ ہزار شترگراں بہا اور نایاب کتابیں جمع کی گئیں۔ مدرسے کے طلبہ کی تعداد ۲۴۸ تھی۔ جو چاروں فرقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ حدیث۔ نحو۔ طب اور فرائض کے استاد علیحدہ علیحدہ مقرر کئے گئے۔ علاوہ بریں چھوٹے اساتذہ کافی تعداد میں تھے۔ ان سب کے لئے اکل و شرب۔ فواکہ۔ شیرینی و ٹھنڈے کا انتظام مدرسے کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ مدرسے کے مصارف کے لئے بہت سے گاؤں وقف کئے گئے۔"

ابن واصل بیان کرتا ہے:-

" دنیا بھر میں اس سے بڑا کوئی مدرسہ نہ تھا۔ اس کا وقف بھی اپنی نظیر آپ تھا۔ اس میں چاروں فرقوں کے طالب علم تھے۔ مدرسے کے ساتھ ایک باورچی خانہ۔

دار الشفا۔ حمام اور آپ سرود کے لئے آب دارخانہ تھا۔ طالب علموں کے لئے فرش۔ چٹائیاں۔ تیل اور لکھنے کا سامان مفت مہیا کیا جاتا تھا۔ خوراک کے علاوہ ہر متعلم کو ایک اشرفی ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا۔“

تاریخ الخلفاء میں صفحہ ۴۷۵ پر یہ عبارت درج ہے :-

” مستنصر شاعری کا ولداہ اور شعراء کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ایک دفعہ وجیہ قیروانی نے ایک قصیدہ پڑھا۔ جس کے ایک شعر کا مفہوم یہ تھا: ”اگر آپ سقیفہ کے دن موجود ہوتے تو امامت کا قرعہ انتخاب آپ ہی کے نام پر پڑتا۔“

” مستنصر نے اس شعر کی بہت تعریف کی۔ حاضرین دربار میں سے ایک حق گو اور حق پرست شخص نے شاعر کو ٹوک کر کہا: ”تمہارا خیال غلط ہے۔ حضرت امیر المومنین کے بعد امجد حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اس زمانے میں موجود تھے۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ کے مقابلے میں انھیں کسی نے امام منتخب نہ کیا۔“

” مستنصر نے اس سچے جواب پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور اس حق گو شخص کو عطلے خلعت سے سرفراز کرتے ہوئے شاعر کو خارج البلد کرا دیا۔“

مستعصم باللہ

۶۲۰ھ تا ۶۵۵ھ

عبداللہ نام۔ ابو احمد کنیت۔ مستعصم باللہ لقب۔ ۵۹۰ھ میں ایک کینز ہاجرہ بطن سے پیدا ہوا۔ اور جمادی الاخریٰ ۶۲۰ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا۔

اگرچہ مستعصم ذاتی طور پر شریف النفس۔ خوش اخلاق اور پاکباز تھا۔ لیکن اسے حکم رانی کے اوصاف کی ہوا تک نہ لگی تھی۔ وہ کم ہمت۔ کوتاہ نظر۔ کمزور طبع۔ بے اور امور سلطنت سے بے خبر تھا۔ علم و فن کی طرف چنداں راجب نہ تھا۔ روئیل

اور جاہل عوام اس کے مصاحب تھے۔ ہنسی مذاق اور راگ رنگ اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ البتہ اس نے مؤید الدین محمد بن علقمی کو جو بڑا دانش مند اور بالغ نظر تھا۔ اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ لیکن وہ نہایت بدطینت۔ جانب دار اور شراٹگیر تھا۔ اس نے منصب وزارت پر قائم ہوتے ہی خلیفہ کو عضو معطل بنا کر الگ کر دیا۔ اور خود سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ خلافت عباسیہ کا عالی شان ایوان اقتدار کھنڈر بن کر رہ گیا۔

ابن علقمی پہلے ہی سے خلافت بغداد کو متعصبانہ نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اب کہ عنان اختیار اس کے ہاتھ میں آگئی۔ اس نے عباسیوں کا نام و نشان مٹا کر بغداد میں علویوں کی حکومت قائم کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ سلطنت کے خیر سگالوں نے خلیفہ کو وزیر کے غدارانہ منصوبوں سے آگاہ کیا۔ لیکن ابن علقمی کی عتباریوں اور مکاریوں کے آگے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ اور اس نے خلیفہ کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر اس کا دل مٹھی میں لے لیا۔

اب تو ابن علقمی اور بھی کھل کھیلنے لگا۔ چنانچہ اس نے خلیفہ کو بہو بعب میں مصروف کر کے من مانی کارروائیاں کرنی شروع کر دیں۔ اس دوران میں خلیفہ کے بیٹے ابو بکر نے بغداد کے محلہ کرخ پر جس میں سراسر شیعہ آباد تھے۔ حملہ کیا۔ اور ابن علقمی کو بھی بڑا بھلا کہا۔ اس سے ابن علقمی آگ بگولا ہو گیا۔ اور خلیفہ سے شکایت کی لیکن اس نے چنداں پروا نہ کی۔ ابن علقمی نے غیظ و غضب سے دیوانہ ہو کر چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں سے مراسلت شروع کی۔ ہلاکو خاں تاتاریوں کا سب سے بڑا سردار تھا۔ اور خراسان وغیرہ مالک اس کے زیر نگیں تھے۔ ابن علقمی نے ہلاکو خاں کو لکھا تھا کہ "آپ بغداد پر فوج کشی کریں۔ میں نہایت آسانی سے بغداد اور ملک عراق کو آپ کے تصرف میں لادوں گا۔" ہلاکو خاں نے خلیفہ کے لشکر کی کثرت۔ عربوں کی شجاعت اور اہل بغداد کی بہادری کا خیال کر کے تامل و تذبذب سے کام لیا۔ تو ابن علقمی نے بہ لطائف الحیل فوج میں تخفیف کرنے کی تجویز مستطور کرائی۔ بہت سی

فوج باہر دوسرے ملکوں میں بھیج دی گئی۔ باقی آدمیوں کی تنخواہیں ادا کرنے کے لئے لشکریوں کو بازار کا معمول وصول کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس سے لوگ سخت پریشان ہو گئے۔ اور شہر میں ٹوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ ابن علقمی نے فوج کا بہت سا حصہ برخواست کر دیا۔ اور خلیفہ کو یہ کہہ کر اطمینان دلایا۔ کہ اس طرح بچت کا روپیہ تاتاریوں کی مدافعت کے دوسرے انتظامات میں صرف کیا جائے گا۔

ہلاکو خاں کا وزیر خواجہ نصیر الدین طوسی ابن علقمی کے بغداد پر ہلاکو خاں کا حملہ

ڈھب کا آدمی تھا۔ اس نے طوسی کو خط لکھا۔ کہ ہلاکو خاں کو بغداد پر فوج کشی کرنے کے لئے آمادہ کرو۔ اور اس زریں موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ دوسرا خط خود ہلاکو خاں کو تحریر کیا۔ کہ میں نے بغداد کو فوجوں سے خالی کر کے جنگ کا سارا سامان باہر بھیج دیا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی ضمانت کی ضرورت ہے؟

ان تمام امور کے باوجود ہلاکو خاں خلافت بغداد پر ہاتھ ڈالنے سے ہچکچاتا تھا۔ کہ کہیں پھڑوں کے اس چھتے کو چھیرنے سے سارے عالم اسلام میں غم و غصہ کی لہر نہ دوڑ جائے۔ اور اس طرح ایک ہولناک مصیبت کا سامنا ہو۔ بہر نوع اس نے اپنے وزیر نصیر الدین سے اس باب میں مشورہ طلب کیا۔ وزیر نے علم نجوم سے معلوم کر کے کہا۔ کہ آپ خوشی سے بغداد پر حملہ کر دیں۔ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ غرض ذی الحجہ ۶۵۵ھ میں ہلاکو خاں نے نہایت زور شور سے بغداد پر حملہ کر دیا۔ پہلے تو امیر دیودار نے رہے رہے عباسی جانباڑوں کو ساتھ لے کر پوری قوت سے مدافعت کرتے ہوئے تاتاریوں کے دانت کھٹے کر دئے۔ لیکن پھر تاتاری لشکر نے اس زور سے حملہ کیا۔ کہ عباسی فوج کے چھٹے چھوٹ گئے۔ اور تاتاریوں نے بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ اب اہل بغداد میں مقابلے کی تاب نہ رہی۔ ہلاکو خاں نے اپنے لشکر کو قتل عام کا حکم دے دیا۔ اور تاتاری درندوں نے سولہ لاکھ اور دوسری روایت سے ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمانوں کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ خون کی اس

قدر ندیاں بہائی گئیں۔ کہ دریائے وجلہ کا پانی سُرخ ہو گیا۔ اور خاندان عباسیہ کا کوئی بھی فرد جو مغلوں کے ہتھے چڑھا گیا زندہ نہ بچ سکا۔ ابن علقمی نے اپنے آقا مستنصر باللہ کو ندے میں لپیٹ کر ایک ستون سے باندھا۔ اور لائیں لگوا کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

اب ہلاکو خاں نے شاہی کتب خانے کو برباد کرنے کی ٹھانی۔ اور اس کی تمام بے شمار و نایاب کتابیں دریائے وجلہ میں پھلکوا دی گئیں۔ وجلہ کا پانی جو مقتولوں کے خون سے سُرخ ہو رہا تھا۔ اب ان کتابوں کی روشنائی سے سیاہ ہو گیا۔ اور مدت تک سیاہ رہا۔ اس حشر انگیز خونریزی اور تباہی و بربادی کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اور اسے بجا طور پر قیامت صغریٰ کہا جاتا ہے۔

سقوط بغداد کے بعد عراق کے گوشے گوشے میں تاتاریوں کا پرچم اقتدار لہرانے لگا۔ اور عباسی خلافت کے خاتمے کے ساتھ ہی مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت نے بھی دم توڑ دیا۔

اس کے بعد ابن علقمی نے تاتاریوں کو علوی خلافت قائم کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔ لیکن وہ اپنی نمک حرامی کے صلے میں انتہائی ذلت و رسوائی کی موت مر گیا۔

عباسی خلافت مصر میں

مستنصر باللہ

۶۵۹ھ تا ۶۶۰ھ

بغداد سے خلافت عباسیہ کا چراغ گل ہونے کے بعد مصر میں روشن ہوا۔ لیکن اس کی لومدھم ہی رہی۔ اور اسے مالیک کی اصل حکومت کے آفتاب کے آگے

فروع حاصل نہ ہو سکا۔ خلفائے عباسیہ محض ان کے وظیفہ خوار تھے۔ اور اتنے اختیار بھی نہ رکھتے تھے۔ جتنے انھیں دلیلیوں اور سلجوقیوں کے ہمد میں حاصل تھے۔

مستنصر باللہ کے قتل کے وقت اس کا چچا ابوالقاسم احمد تاتاریوں کی قید سے نکل بھاگا۔ اور ۶۵۹ھ میں عرب سرداروں کے ساتھ مصر پہنچا۔ ان دنوں خاندان ملوک کا چوتھا بادشاہ ملک الظاہر بیرس اورنگ حکومت پر متمکن تھا۔ وہ رجب ۶۵۹ھ میں اسے نہایت تزک و احتشام سے قاہرہ لے گیا۔ اور اس نے خود امرائے سلطنت اور اکابر مصر نے اس کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔ اس کے لئے مستنصر باللہ کا لقب تجویز کیا گیا۔ اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور سکہ جاری کیا گیا۔

اب مستنصر نے بغداد کو تاتاریوں کے قبضے سے چھڑانا چاہا۔ تو ظاہر بیرس نے اس کے لئے ایک لشکر جرار مہیا کر دیا۔ اور دمشق تک اس کے ساتھ گیا۔ ذی الحجہ ۶۵۹ھ میں مستنصر عازم عراق ہوا۔ اور حد شہ و غیرہ کو زیر نگین کر کے بغداد کی طرف باگ اٹھائی۔ راستے میں تاتاریوں سے مسلک بھیر ہوئی۔ مصری لشکر نے نہایت جانبازی سے تیغ شجاعت کے جوہر دکھائے۔ طرفین میں گھمسان کارن پڑا۔ لیکن تاتاریوں کا پلہ بھاری رہا۔ اور مصری فوج کو ناکامی و ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔

مستنصر اس شکست سے ایسا شکستہ دل اور نادم ہوا۔ کہ وہ چھپ چھپا کر کسی طرف چلا گیا۔ پھر ایسا مفقود النجر ہوا۔ کہ اس کے قتل یا روپوش ہو جانے سے متعلق کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اور صرف چھ مہینے کے بعد اس کے چمن زار خلافت میں خزاں آگئی۔

حاکم بامر اللہ

۶۶۱ھ تا ۷۰۱ھ

مستنصر کے بعد ظاہر بیرس عباسی خاندان کے فرد ابوالعباس احمد کو جو رجبہ (شام) میں مقیم تھا۔ قاہرہ لے گیا۔ اسے بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ خلیفہ بنایا۔ اور حاکم بامر اللہ کا لقب تجویز کیا گیا۔

حاکم ابھی اپنے گلشنِ خلافت کی دوسری ہی بہار دیکھنے پایا تھا۔ کہ اسے ظاہر کے ساتھ کسی معاملے میں اختلاف ہو گیا۔ اور ۶۶۳ھ میں حاکم نظر بند کر دیا گیا۔ حاکم کی زندگی کا بڑا حصہ قید و بند میں بسر ہوا۔ اور اس کے عہد میں نو بادشاہ مصر میں تخت نشین ہوئے۔ (۱) ظاہر بیرس (۲) محمد سعید برک خاں (۳) سلامش بن بیرس (۴) سیف الدین قلاؤن (۵) صلاح الدین خلیل بن قلاؤن (۶) الملک الظاہر بیدرا (۷) ناصر محمد بن قلاؤن (۸) الملک العادل کتبغا (۹) منصور لاجین۔

حاکم ۲۷ سال تک نظر بند رہنے کے بعد صلاح الدین خلیل کے زمانہ ۶۸۹ھ میں آزاد کیا گیا۔ ۶۹۲ھ میں اس نے حج کیا۔ ملک العادل نے اسے پھر قید کر دیا۔ ۶۹۶ھ میں منصور لاجین نے اسے آزاد کر کے اس کا اقتدار بڑھایا اور وظیفہ مقرر کیا۔ ۶۹۷ھ میں جب حاکم دوسری دفعہ عازم حج ہوا۔ تو منصور نے اسے زادراہ کے طور پر سات لاکھ درہم دئے۔

۱۸۔ جمادی الاولیٰ ۷۰۱ھ کو حاکم نے چالیس سال پانچ مہینے دس دن کی خلافت کے بعد انتقال کیا۔ اور سیدہ نفیسہ کے مزار کے قریب اس کی رسم تدفین ادا کی گئی۔

بظاہر تو حاکم چالیس سال سے زیادہ عرصے تک سریر آرائے حکومت رہا۔ اس کے ہاتھ پر بیعت بھی کی گئی۔ اس کے نام کا خطبہ بھی پڑھا گیا۔ سکہ بھی جاری کیا گیا۔ اور اس نے امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت سے معمول کے مطابق ظاہر کو

خلعت عطا کر کے انور سلطنت کی باگ ڈور بھی اس کے ہاتھ میں دی۔ لیکن فی الحقیقت
آخری چند سال کے سوا اس کی ساری مدت خلافت نظر بندی میں گزری۔ اور ایک
مسلوب الاختیارات خلیفے کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

مستکفی باللہ اول

۷۰۱ھ تا ۷۴۰ھ

حاکم نے وفات پائی۔ تو ناصر محمد بن قلاؤن دوسری دفعہ مصر میں حکومت کر رہا
تھا۔ اس نے حاکم کے بیٹے ابوالزبیر سلیمان الملقب بہ مستکفی باللہ کے ہاتھ پر
بیعت کی۔

ناصر اور مستکفی میں مدت تک گہرے دوستانہ تعلقات قائم رہے۔ ناصر کا دل
اس کی محبت کے علاوہ اس کے احترام اور قدر و منزلت کا بھی حامل تھا۔ ناصر نے
قصر کبش کو مستکفی کے شایان شان نہ سمجھ کر اسے قلعے میں جگہ دے دی اور مستکفی
اور اس کے تمام عزیزوں کے وظائف میں اضافہ کر دیا۔ وہ دونوں اکٹھے گوسے و
چوگاں کھلتے تھے۔ باہم سیر و تفریح کا لطف اٹھاتے تھے۔ اور دوش بدوش جنگ
میں داد شجاعت دیتے تھے۔

اتفاق و اتحاد اور محبت و احترام کے ان تعلقات میں بیس سال تک مسزمو
فرق نہ آیا۔ پھر مفسدہ پردازوں کے جوڑ توڑ رنگ لائے۔ اور ناصر کے دل میں
اس کی طرف سے گرہ بیٹھ گئی۔ چنانچہ ۷۳۶ھ میں اس نے مستکفی کو قصر کبش
میں واپس بھیج دیا۔ ۷۳۷ھ میں قوص روانہ کر دیا۔ لیکن وظائف بدستور قائم رہنے
دئے۔

مقریری لکھتا ہے:-

”ناصر اور مستکفی کے تعلقات تھوڑے عرصے تک خوش گوار رہے۔ اور قوص کی

رواگی سے قبل مستکفی کو دو دفعہ نظر بند کیا گیا۔ قوم بھیجنے کے بعد وظیفے میں تخفیف کر کے معمولی گزارہ مقرر کیا گیا۔ اور وہیں قوم میں ۷۴ھ میں مستکفی کا انتقال ہو گیا۔“

سیوطی رقم طراز ہے:-

”مستکفی علم و فضل میں ممتاز تھا۔ فن خوش نویسی میں دسترس رکھتا تھا۔ سخاوت اس کی فطرت ثانیہ تھی۔ شجاعت میں مشہور تھا۔ عالموں اور باکمال لوگوں کو سرانگہوں پر بٹھاتا تھا۔ اس کی جوہر شناسی اور قدر دانی کے باعث ارباب فضل و کمال اس کے دربار میں کھپے چلے آتے تھے۔“

واثق باللہ

۷۴۰ھ تا ۷۴۱ھ

مستکفی کی وفات کے بعد ناصر نے اس کے نااہل بھتیجے ابواسحق ابراہیم بن محمد بن حاکم الملقب بہ واثق باللہ کو خلیفہ مقرر کیا۔ قاضی القضاات نے مخالفت کی۔ ناصر نے نہ اس کی مخالفت کی پروا کی۔ اور نہ اس بات کا خیال کیا۔ کہ مستکفی نے اپنے بیٹے احمد کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ چنانچہ واثق کے ہاتھ پر بیعت ہو جانے کے بعد اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور سکہ جاری کیا گیا۔

آخر یہ بے جا انتخاب قائم نہ رہا۔ ناصر بعد میں کف افسوس لینے لگا۔ اور تقرر واثق سے تھوڑے ہی عرصے کے بعد ناصر کی مدت عمر ختم ہو گئی۔ اس نے وفات سے قبل اپنے بیٹے منصور کو وصیت کی۔ کہ احمد کو خلیفہ بنایا جائے۔ واثق صرف چھ مہینے تک تخت خلافت پر بیٹھ سکا۔

حاکم بامر اللہ دوم

۴۲۸ھ تا ۴۴۸ھ

منصور نے واثق کو معزول کر کے اپنے باپ ناصر کی وصیت کو پورا کرتے ہوئے ابوالعباس احمد بن مستکفی الملقب بہ حاکم بامر اللہ دوم کو تخت خلافت پر متمکن کیا۔

حاکم کے عہد میں سات بادشاہ مصر میں سریر آرائے سلطنت ہوئے (۱) منصور ابوبکر

(۲) علاؤ الدین کجک ابن محمد (۳) ناصر شہاب الدین احمد (۴) ملک الصالح اسمعیل

(۵) کامل زین الدین شعبان (۶) مظفر زین الدین (۷) ناصر حسن بن محمد۔

تمام سلاطین نے حاکم کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور ان کے باہمی تعلقاً میں کسی قسم کی کشیدگی رونما نہ ہوئی۔

ابن فضل اللہ بیان کرتا ہے :-

"حاکم نے رسوم خلافت میں نئی روح پھونکی۔ اور مصر کے بادشاہ اس کے کسی کام

کو مخالفانہ نظر سے نہ دیکھ سکے۔"

حاکم نے ۴۲۸ھ اور دوسری روایت کے مطابق ۴۵۳ھ میں انتقال کیا۔

معتضد باللہ اول

۴۲۸ھ تا ۴۶۳ھ

حاکم کے بعد اکابر مصر نے اس کے بھائی ابوبکر بن مستکفی الملقب بہ معتضد اول کو تخت پر بٹھایا۔

معتضد کے عہد میں تین بادشاہ مصر میں اورنگ نشین حکومت ہوئے (۱) ناصر حسن

بن محمد مذکور (۲) صالح صلاح الدین بن محمد (۳) ناصر حسن بن محمد دوسری دفعہ۔

اب خلافت کی وہ تکلیف و عظمت بھی ختم ہو گئی۔ جس کا قیام حاکم کی مساعی جمیلہ کا ثمر مندہ احسان تھا۔ زرگروں سے جو محصول لیا جاتا تھا۔ وہ خلفا کے وظائف کی مد میں صرف کیا جاتا تھا۔ لیکن اس رقم کی کمی کے باعث خلفاء کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے سیدہ نفیسہ کے مزار کی معقول آمدنی بھی اس میں منتقل کر دی گئی۔ جس سے خلفاء کی تنگ دستی خوش حالی میں تبدیل ہو گئی۔ لیکن خلافت کا آبگینہ وقار چور چور ہو گیا۔

۶۳ھ میں معتقد نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

سیوطی لکھتا ہے :-

”معتقد شریف النفس۔ خوش کردار۔ کشادہ دست اور علم نواز تھا۔“

متوکل علی اللہ اول

۶۳ھ تا ۸۵ھ

معتقد کے بعد اس کا بیٹا ابو عبد اللہ محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ تخت پر بیٹھا۔ متوکل کے عہد میں پانچ سلاطین ہوئے (۱) منصور محمد بن حاجی (۲) اشرف شعبان بن حسن (۳) منصور علی بن شعبان (۴) صالح حاجی بن شعبان (۵) ملک الظاہر برقوق متوکل نے عالی دماغی اور اولوالعزمی سے اپنا وقار قائم کرنے اور خلافت کے قالب اقتدار میں روح پھونکنے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب ہوا۔ اگرچہ اسے دو بار معزولی کی پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔

مصر کے سلاطین اور عمائد اس کی خود سری سے چین بہ چین ہوتے تھے۔ چنانچہ ۷۹ھ میں سلطان منصور علی بن شعبان کے نائب الحکومت امیر ایفیک نے متوکل کو برطرف کر کے اس کے عم زاد بھائی نجم الدین زکریا کو خلیفہ بنا دیا۔ لیکن دو ہی ہفتے کے بعد متوکل اپنے منصب پر بحال کر دیا گیا۔

۸۳ھ میں سلطان منصور کی وفات پر اس کے نائب ظاہر برقوق چرکسی نے منصور کے نو عمر بیٹے ملک الصالح کو تخت پر بٹھایا۔ لیکن درحقیقت صالح کے پروے میں خود برقوق حکم رانی کرتا تھا۔ چنانچہ چند ہی روز کے بعد یہ راز بے نقاب ہو گیا۔ برقوق نے کھلم کھلا تاج و تخت کو اپنے تصرف میں لے لیا۔ اور مصر کی سلطنت ترکی مالیک کے بجائے چرکسی خاندان میں منتقل ہو گئی۔

اکثر امرا برقوق کے خلاف تھے۔ وہ اس کے مقابلے کے لئے متوکل کو میدان پر لے آئے۔ متوکل نے مصر، عراق اور شام کے امرا سے امداد طلب کی۔ مصر کے امرا و اکابر سے برقوق کی چیرہ دستی و انصاف براندازی کی شکایت کرتے ہوئے کہہ کر وہ قطعاً حکم رانی کا اہل نہیں۔ اور انھیں برقوق کا کام تمام کر دینے کی ترغیب دی۔ برقوق نے یہ اطلاع پاتے ہی قاضیوں سے متوکل کی معزولی کے متعلق استفسار کیا۔ لیکن حصول مدعا میں ناکام رہنے کے بعد ۸۵ھ میں برقوق نے خود اسے معزول کر کے نظر بند کر دیا۔

واقعات باللہ

۸۵ھ تا ۸۸ھ

متوکل کی معزولی کے بعد برقوق نے ابوحنیفہ عمر بن معصم الملقب بہ واقف باللہ کو اورنگ خلافت پر متمکن کیا۔

واقف نے چار سال تک خاموشی سے زندگی بسر کی۔ اس کے عہد حکمرانی میں کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہ ہوا۔ ۸۸ھ میں وفات پائی۔

مستعصم
۷۸۸ھ تا ۷۹۱ھ

MUSTASAM
12/1/1981

واثق کے بعد برقوق نے اس کے بھائی زکریا بن مستعصم الملقب بہ مستعصم کو تخت پر بٹھایا۔

متوکل کی معزولی رنگ لائے بغیر نہ رہی۔ امرا کی طرف سے برقوق کی مخالفت زور پکڑ گئی۔ اور ۷۹۱ھ میں حلب کے نائب الحکومت امیر یلبغانا صری نے اس پر حملہ کر دیا۔

متوکل علی اللہ دوبارہ

۷۹۱ھ تا ۸۰۸ھ

متوکل کی معزولی برقوق کے حق میں اُستروں کی مالا ثابت ہوئی۔ اور اسے اپنی حکومت کا سفینہ خطرات کی منجھار میں ڈنگنا نظر آیا۔ چنانچہ ۷۹۱ھ میں اس نے متوکل کو نظر بندی سے آزاد کر کے عزت و احترام کے ساتھ دوبارہ تختِ خلافت پر بٹھایا۔

برقوق نے متوکل کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اور اس نے باقی زندگی عزت و احترام سے بسر کی۔

مال و زر۔ جاہ و جلال۔ آل و اولاد ہر اعتبار سے متوکل کی قسمت کا ستارہ و ج پر تھا۔ درہم و دینار کے علاوہ وہ کافی جاگیر کا مالک تھا۔ اولاد بھی بہت ہوئی۔ ۸۰۸ھ میں متوکل نے دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کی۔

مستعین باللہ

۸۱۶ھ تا ۸۱۷ھ

متوکل کے بعد خلافت کا منصب اس کے بیٹے ابوالفضل عباس الملقب مستعین باللہ کے حصے میں آیا۔ ان دنوں ظاہر برقوق کے بیٹے ملک الناصر کا طوطی بول رہا تھا۔ سات سال تک مستعین کی زندگی میں کوئی خاص ہنگامہ خیر واقعہ پیش نہ آیا۔ ۸۱۵ھ میں ملک الناصر کے دو امیروں شیخ محمودی اور نوروز نے بغاوت کے شعلوں کو ہوادی۔ ناصر نے مستعین کو ساتھ لے کر آتش سرکشی کے فرو کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا۔ شیخ محمودی نے ناصر کو لمحد و زندیق قرار دیتے ہوئے قاضی ناصر الدین سے اس کے محفر قتل پر دستخط کرائے۔ اور مستعین کو سلطنت مصر کا قلم دان سنبھالنے کی ترغیب دی۔ وہ کسی قدر تامل سے کام لے کر ہر طرح کے اطمینان حاصل کرنے کے بعد اس پر رضامند ہوا۔ اور امیر المؤمنین کے ساتھ سلطنت مصر بھی قرار پایا۔

شیخ محمودی اس تدبیر کی اڑے کر اپنا آٹو سیدھا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس پر زور اصرار کے ساتھ مستعین سے کہا۔ کہ وہ اسے حسب معمول سلطنت مصر کی خلعت عطا کر کے امور مملکت کا مختار بنا دے۔ لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ شیخ محمودی نے اسے قید کر لیا۔ پھر قاضی جلال سے اس کی معزولی کی فتویٰ حاصل کر کے ۸۱۶ھ میں اسے معزول کرنے کے بعد اسکندریہ بھیج دیا۔ اور سلطنت مصر کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔

۸۲۳ھ میں مستعین نے اسکندریہ میں وفات پائی۔

معتضد باللہ

۸۱۶ھ تا ۸۲۵ھ

شیخ محمودی نے صالح سیاست کے پیش نظر مستعین کی معزولی کے بعد اس کے بھائی ابوالفتح داؤد الملقب بہ معتضد باللہ کو منصبِ خلافت پر قارئ کیا۔ معتضد صاحب علم۔ روشن دماغ۔ بالغ نظر اور ارباب کمال کا قدردان تھا۔ اس نے اسی سال تک سکون و عافیت سے فرائضِ خلافت انجام دئے۔ لیکن اس طویل عرصے میں کوئی خاص قابل ذکر واقعہ رونما نہ ہوا۔

معتضد کے عہد میں سات بادشاہ مصر کے اورنگ سلطنت پر متمکن ہوئے۔
 ۱، شیخ محمودی (۲)، مظفر احمد بن شیخ (۳)، ملک الظاہر ططر (۴)، صالح محمد بن ططر
 ۵، ملک الاشراف برس بانی (۶)، عزیز یوسف بن برس بانی (۷)، ملک الظاہر جقمق۔
 ۸۲۵ھ میں معتضد قید حیات سے آزاد ہو گیا۔

مستعین باللہ دوم

۸۲۵ھ تا ۸۵۲ھ

معتضد کے بعد اس کے بیٹے ابوالرہج سلیمان الملقب بہ مستعین باللہ دوم نے تختِ خلافت پر قدم رکھا۔

مستعین نے دس سال تک خاموشی اور امن سے فریضہِ خلافت انجام دیا۔ اور اس ساری مدت میں اس کی خلافت سے متعلق کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا۔ جسے لفظ کے موقلم سے نمایاں کئے بغیر اس کی تصویر حیات تشہیر تکمیل رہے۔

مستعین ایک عابد و زاہد۔ انصاف پسند۔ امن خواہ اور خاموش خلیفہ تھا۔ عبادت و ریاضت اس کی رگ رگ میں خون کی طرح جاری و ساری تھی بلطمان

ظاہر جہنم اس کا بڑا عقیدت مند تھا۔ اور ہر طرح اس کے حقوق کا خیال رکھتا تھا۔
 ۸۵۲ھ میں مستعین نے عالم بقاء کی راہ لی۔ اور سلطان اس کی میت کو کندھا دیتے
 ہوئے قبرستان تک ساتھ گیا۔

قائم بامر اللہ

۸۵۲ھ تا ۸۵۹ھ

مستعین کے بعد ملک الظاہر جہنم نے اس کے بھائی ابوالبقار حمزہ الملقب بے
 قائم بامر اللہ کو خلیفہ مقرر کیا۔ اس کے عہد میں تین بادشاہ مصر میں سربراہانے حکومت
 ہوتے (۱) ملک الظاہر جہنم (۲) منصور عثمان بن جہنم (۳) ملک الاشرف ایٹال۔
 قائم نہایت اولوالعزم اور ہمت ور تھا۔ اس کے عہد کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے
 کہ ملک اشرف کی فوج نے علم بغاوت بلند کیا۔ قائم نے حکومت مصر کو تصرف میں
 لانے کی غرض سے باغیوں کی امداد کی، لیکن باغیوں کے شکست کھا جانے کے باعث
 اس کی امیدوں پر اس پر گئی۔ اشرف قائم کی اس مخالفانہ روش سے آگ بگولا ہو
 گیا۔ اور اسے سخت شست کہا۔ قائم نے جوش غیظ و غضب سے جواب دیا۔ کہ میں
 خلافت سے دست کش ہوتا ہوں۔ لیکن تمہیں بھی معزول کرتا ہوں۔
 آخر معاملہ قاضی وقت کی عدالت میں پیش ہوا۔ وہ قائم کے بھائی یوسف کا
 طرف دار تھا۔ اس نے قائم کے بیان میں قانونی موثکافی کرتے ہوئے فیصلہ کیا۔ کہ قائم
 نے پہلے خلافت سے دست کشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد اشرف کو معزول کیا۔ جب
 وہ خلافت سے دست کش ہی ہو گیا۔ تو اسے معزول کرنے کا اختیار کوئی نہ حاصل
 سکتا تھا۔ اس بنا پر دست کشی درست اور اشرف کی معزولی نادرست ہے۔ یہ فیصلہ
 سن کر اشرف خوشی کے مارے جاے میں پھولا نہ سما یا۔ چنانچہ ۸۵۹ھ میں اس
 قائم کو اسکندریہ بھیج دیا۔ جہاں ۸۶۳ھ میں اس کا طاہر روح نفس عنصری سے پروا

کر گیا۔

مستجد باللہ دوم

۸۵۹ھ تا ۸۸۲ھ

قائم کے بعد اس کا بھائی ابوالحسن یوسف الملقب بہ مستجد باللہ دوم اورنگِ خلافت پر متمکن ہوا۔ بیعت کی رسم ادا ہونے کے بعد اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور سکہ جاری ہوا۔

یوسف کے عہد میں چھ بادشاہ مصر میں تاج پوش سلطنت ہوئے (۱) اشرف اینال (۲) احمد بن اینال (۳) ملک الظاہر خوش قدم (۴) ملک الظاہر بلبائی (۵) ملک الظاہر تریغار (۶) ملک الاشراف قانت بانی۔

مستجد نے پچیس سال تک امن و سکون سے خلافت کے فرائض انجام دئے۔ اور اس طویل مدت میں کوئی قابل ذکر واقعہ روپذیر نہ ہوا۔ ۸۸۲ھ میں مستجد اس سرے قانی سے کوچ کر گیا۔

متوکل علی اللہ ثانی

۸۸۲ھ تا ۹۰۳ھ

مستجد کے بعد اس کا بھتیجا عبدالعزیز بن یعقوب الملقب بہ متوکل علی اللہ جسے وہ ولی عہد مقرر کر گیا تھا۔ خلافت کے تخت پر بیٹھا۔

متوکل کے عہد میں تین بادشاہ مصر میں اورنگ نشین سلطنت ہوئے (۱) ملک الاشراف قانت بانی (۲) ناصر محمد بن قانت بانی (۳) اشرف قانصوہ۔ متوکل خوش اخلاق و شریف النفس تھا۔ اور اس نے حسن سیرت کے بے پناہ

حرب سے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ علم دوست اور فن نواز تھا۔ امام سیوطی اسی کے عہد میں تھے۔ غیرت اور خودداری اس کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ متوکل سیدہ نفیسہ کے مزار کی آمدنی میں سے ایک جتہ بھی ذاتی ضروریات پر صرف نہ کرتا تھا۔ بلکہ ساری کی ساری مزار سے متعلق مکانات وغیرہ پر خرچ کر دیتا تھا۔

۹۰۳ھ میں متوکل محبوب حقیقی سے واصل ہو گیا۔

مستمک باللہ

۹۰۳ھ تا ۹۲۰ھ

متوکل کے بعد اس کا بیٹا یعقوب الملقب بہ مستمک باللہ تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس کے عہد میں پانچ بادشاہ مصر کے اوزنگ سلطنت پر بیٹھے (۱) ناصر محمد بن قاسم یابی، (۲) ظاہر قانصوہ اشرفی (۳) ملک الاشراف جان بلاط (۴) ملک العادل طومان (۵) ملک قانصوہ غوری۔

مستمک نے سترہ سال تک امن و عافیت سے فریضہ خلافت انجام دیا۔ اور اس دوران میں کوئی قابل ذکر واقعہ صورت پذیر نہ ہوا۔ ۹۲۰ھ میں مستمک نے وفات پائی۔

متوکل علی اللہ ثالث

۹۲۰ھ تا ۹۲۳ھ

مستمک کے بعد محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ اوزنگ نشین خلافت ہوا۔ مصر کے اس آخری عباسی خلیفہ کی فرمان روائی کے چوتھے سال ۹۲۳ھ میں

سلطان سلیم اول عثمانی نے مصر پر قابض ہو کر حکومت مالیک کا خاتمہ کر دیا۔
 متوکل محض ایک نام نہاد خلیفہ تھا۔ اور ترکان عثمانی کا ستارہ اقبال پوری تابانی
 سے مصر کے درہ دیوار پر تجلیاں برسا رہا تھا۔ اس لئے جب اس نے دیکھا کہ اب
 سلطان سلیم سلطنتِ مصر کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا ہے۔ تو متوکل نے اس
 کے حق میں خلافت سے بھی دست کشی اختیار کر لی۔ اور رسول اللہ صلیم کے تبرکات
 علم۔ تلوار اور روئے مقدس جو خاندانِ خلافت میں نشانِ خاص کے طور پر بطریق
 وراثت زمانہ قدیم سے چلے آتے تھے۔ اس کے سپرد کر دئے۔ ساتھ ہی حرمین
 شریفین کی کنجیاں بھی اس کی تحویل میں دے دیں۔

اب خلافت قریش کے قبضے سے نکل کر عثمانی خاندان میں منتقل ہو گئی۔ اور
 مالیک مصر کے ساتھ مصر کی عباسی خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

کوینڈر ڈی ریڈنگ پبلشرز
 22/53.
 Museum Rijini,
 1577. Kalam Mela.
 on "Din-e-Shah Abdul Aziz"
 Delhi - 6.

Asif

Asif

Asif

~~Asif~~

Asif

~~Asif~~

Asif

ASIF KHAN

~~Asif~~

~~Asif~~

~~Asif 2~~

Asif

بیسواں باب

ترکانِ عثمانی

عثمان خان اول

۱۲۸۸ء تا ۱۳۲۶ء

ارطغرل کے بعد اس کے بیٹے عثمان خان اول نے سریر آرائے سلطنت ہو کر دولت عثمانیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر سلطان تونہ کا ایک باوفا جاگیردار بنا رہا۔ ان دنوں دولت سلجوقیہ بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رہی تھی۔ اور ایشیائے کوچک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ان حالات سے کما حقہ فائدہ اٹھاتے ہوئے عثمان اپنی فتوحات کا سلسلہ دور دراز علاقوں تک قائم کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے پیشتر بازنطینی علاقوں ہی کو اپنے تونس شجاعت کی بولان گاہ بنائے رکھا۔ کیونکہ ایک تو اس کی ذاتی جاگیر اس سرحد کے قریب تھی۔ دوسرے تبلیغ اسلام پیش نظر تھی۔ تیسرے وہ چادر سے باسرا پاؤں پھیلانا چاہتا تھا۔

بازنطینی قلعہ داروں نے دولت سلجوقیہ کی سرحد پر تاخت و تاراج شروع کر رکھی تھی۔ اس لئے عثمان کو سلطان تونہ کا نائب ہوتے ہوئے مدافعت کے لئے پیش قدمی کرنی پڑی۔ اور قراہہ حصار کا معرکہ ہر کر کے بازنطینیوں کے دانت کھٹے

کروئے۔ سلطان علاء الدین نے عثمان کی بہادری پر تحسین و آفریں کے پھول برسائے ہوئے قزاقہ حصار اور اس کے قرب و جوار کا مفتوحہ علاقہ خود اس کو جاگیر میں دیا۔ علاوہ بریں اسے "بک" کا خطاب عطا کر کے اپنے بگے کے اجرا اور خطبہ جمعہ میں اپنا نام شامل کرنے کی اجازت بھی بخش دی۔

۱۳۰۰ء میں تاتاریوں نے ایشیائے کوچک پر ہڈ بول کر سلطان علاء الدین اور اس کے بیٹے غیاث الدین کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ جس سے دولت سلجوقیہ نے دم توڑ دیا۔ عثمان ایک آزاد و خود مختار حکمران بن گیا۔ اور یہی شہر کو دار الحکومت مقرر کیا۔

۱۳۰۱ء میں عثمان نے بمقام قیون حصار شہنشاہ قسطنطنیہ کی افواج کاہنہ کو ناک چتے چبوا کر ظفر و کامرانی کا پرچم لہرایا۔ اور چھ ہی برس میں اس کے مقبوضہ کی حدیں بحیرہ اسود کے ساحل سے ملکر لگیں۔ باز نطینی قلعے برابر زیر نگین ہوئے گئے۔ جس سے پریشان ہو کر باز نطینیوں نے تاتاریوں کو مقابلے کے لئے اکسایا۔ لیکن عثمانی لشکر نے ان کے بھی چھکے چھڑا دئے۔ اور باز نطینیوں کو تمام امیدیں آغوشِ محدر میں جا سوئیں۔

۱۳۱۷ء میں عثمان نے بروصہ پر حملہ کیا۔ اور تقریباً دس سال تک **وفات** محاصرہ جاری رکھا۔ آخر ۱۳۲۶ء میں دشمن نے گھٹنے ٹیک دئے اور عساکر عثمانیہ نے سلطنت عثمانیہ کے تاج و بار اول کے فرزند اور خاں کی کمان میں قلعہ بروصہ پر فتح کا جھنڈا گاڑ دیا۔ عثمان بستر مرگ پر آخری سانس لے رہا تھا۔ کہ اور خاں فتح کا مژدہ لے کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ عثمان نے بیٹے کی شجاعت پر داد و ستائش کے موتی برسائے ہوئے اسے اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی۔

عثمان نہایت ہمت و راہ اور بہادر تھا۔ میدان کارزار میں **اخلاق و محاسن** فتح اس کے استقبال کو آتی تھی۔ انتظام سلطنت میں

کمال رکھتا تھا۔ ہر کہ و مہ اس کے عدل و انصاف۔ رحم و ہمدردی اور جود و سخاوت کا کلمہ پڑھتا تھا۔ رعایا کے تمام افراد کو بے امتیاز مذہب و ملت ایک نظر سے دیکھتا تھا۔ رعیت کی فلاح و بہبود اور ملک کی آسودہ حالی ہر وقت اس کے پیش نظر تھی اس کی زندگی بالکل سادہ اور نمود و نمائش سے خالی تھی۔ مال و دولت فراہم کرنے کا قطعاً شوق نہ تھا۔ مکان میں کوئی شاہانہ سامان وغیرہ نہ تھا۔ اسی لئے وہ نہایت محبوب و ہر دل عزیز تھا۔ غرض وہ قرون اولیٰ کا ایک مجاہد تھا۔

اور خاں

۱۳۲۶ء تا ۱۳۵۹ء

عثمان کے بعد اس کا فرزند اصغر اور خاں ۲۲ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ اور بڑا بیٹا علاء الدین اس کا وزیر بنا۔

علاء الدین نے اپنے علم و فضل اور تدبیر و دانش کی بنا پر امور اصلاح و ترقی مملکت میں زبردست تنظیم و اصلاح سے کام لیا۔ عثمان نے اجوائے سیکہ کی اجازت حاصل کرنے کے باوجود اس پر عمل نہ کیا تھا۔ اب علاء الدین نے ساری سلطنت عثمانیہ میں اور خاں کے نام کا سیکہ جاری کیا۔ اور رعایا کی مختلف جماعتوں کے لئے الگ الگ لباس تجویز کئے۔

پہلے کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ بلکہ جنگ کے موقع پر فوجی اصلاحات اعلان کے مطابق رضا کار سوار کسی خاص مقام پر جمع ہو جاتے تھے۔ اور داد شجاعت دینے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ ان کی کوئی تنخواہ مقرر نہ تھی۔ بلکہ مال غنیمت ہی سے حق خدمت ادا کر دیا جاتا تھا۔ جنگ آوروں کی کوئی امتیازی وردی بھی نہ تھی۔ لیکن رزم گاہ میں شہسواروں کے جوہر خوب دکھاتے۔ اور صفت بندی و پیش قدمی میں مہارت تامہ

کا ثبوت پیش کرتے تھے۔ علاء الدین نے سلطنت کی ترقی اور استواری کے لئے یہ انتظام ناقص خیال کرتے ہوئے ایک باضابطہ مستقل اور زبردست فوج کی شدید ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ اس نے "پیادے" کے نام سے تنخواہ دار سپاہیوں کی ایک فوج بنائی۔ جو دس دس۔ سو سو اور ہزار ہزار جنگ آزماؤں کے دستوں پر مشتمل تھی۔ لیکن اس فوج نے جلد ہی زور و قوت کے زعم باطل میں غلم بغاوت بلند کر دیا۔ اور خاں نے پریشان ہو کر علاء الدین اور اپنے ایک عزیز قراخلیل سے مشورہ کیا۔ مومن الخاں نے ایک حیرت انگیز اور فتوحات بخش تجویز پیش کی۔

اس تجویز کا حاصل یہ تھا کہ مسیحی جنگی قیدیوں کے کم سن۔ طاقت ور

یعنی چھری

اور ہونہار لڑاکوں کو حلقہ اسلام میں داخل کر کے انھیں فوجی تربیت دی جائے۔ اور خاں نے اس تجویز پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے پہلے ایک ہزار عیسائی لڑاکوں کو فوجی تربیت سے آراستہ کرنا شروع کیا۔ پھر سال بہ سال یہی طریقے پر عمل ہوتا رہا۔ اور جس سال تو عمر اسیران جنگ سے یہ تعداد پوری نہ ہو سکتی اسے مسیحی رعایا کے لڑاکوں سے پورا کر لیا جاتا۔ اس فوج کو ترکی میں یعنی چھری (نئی فوج) کہتے ہیں۔

جاگیر دار اور بے ضابطہ پیادے

پیادوں کی زیادہ دہجوتی کے لئے انھیں تنخواہ کی جگہ جاگیر دے دی جاتی۔ اور ان کے فرائض میں فوجی خدمات کے علاوہ جاگیروں سے متصل سرگروں کی مرمت کا اضافہ کر دیا جاتا۔

بے ضابطہ پیادوں کی ایک اور فوج مرتب کی گئی۔ جنھیں نہ تنخواہیں ملتی تھیں نہ جاگیریں۔ یہ فوج لڑائی کے وقت سب سے آگے جا کر جان پر کھیلتی ہوئی غنیمت کے پہلے حملے کی مدافعت کرتی۔

پیادوں کی طرح سوار بھی دو قسم کے تھے۔ باضابطہ تنخواہ دار اور جاگیر دار سوار۔ اور بے ضابطہ مستقل تنخواہ دار سوار چار دستوں

پر مشتمل تھے۔

ان کے علاوہ جاگیردار سواروں کی بھی ایک فوج تھی۔ جو ”زعامت“ اور تیمار“ کہلاتی تھی۔

کنجی | کنجی بے ضابطہ سواروں کی بھی ایک فوج مرتب کی جاتی تھی جنہیں ”کنجی“ کہتے تھے۔ انہیں تنخواہیں یا جاگیریں نہ ملتی تھیں۔ وہ جنگ کے مال غنیمت سے شکم پُری کرتے تھے۔

۱۳۲۶ء میں اورخان نے نائکو میڈیا کو فتح کیا۔ اب اس کی نظر نائسیا پر پڑی۔ یہ شہر عظیم واہم تھا۔ اورخان نے ہمت سے کام لے کر اس پر چڑھائی کر دی۔ اور ۱۳۳۰ء میں اسے زیر نگیں کر لیا۔

قراسی کی فتح | ۱۳۳۳ء میں ترکی ریاست قراسی کے امیر نے وفات پائی۔ اور اس کے بڑے بیٹے نے تخت پر قابض ہو کر اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کرادیا۔ اورخان نے جوش انتقام سے مشتعل ہو کر قراسی پر دھاوا لڑنے سے فتح کر لیا۔

رفاہ عام کے کام | اس کے بعد بیس سال کا عرصہ اورخان نے ملکی اور فوجی آئین کے نظم و انصرام۔ امن و امان کے قیام اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا۔ مسجدیں۔ مدرسے اور عالی شان عمارتیں تعمیر کرائیں۔ بروصہ کی عظیم الشان درس گاہ اس قدر مشہور ہوئی۔ کہ ایران اور عرب کے طلبہ وہاں حصولِ تعلیم کے لئے کھپے چلے آئے۔ نائسیا میں سلطنت عثمانیہ کا پہلا مدرسہ اور اولین لنگر خانہ قائم کیا گیا۔

پہلے عثمانی فرماں رواؤں کی حکمت عملی یہ تھی کہ یہ مختلف علاقوں کو پالیسی | فتح کرتے ہی ان کے داخلی انتظام میں منہمک ہو جاتے۔ اور نظم و آئین کے مطابق انہیں مضبوط کرنے کے سلطنت میں شامل کر لیتے۔ اسی وجہ سے

انہوں نے ایشیائے کوچک میں ایک زبردست حکومت قائم کر لی۔ اس ملک میں ترکوں کی کثرت آبادی بھی استقلال حکومت کا ایک نمایاں سبب ثابت ہوئی۔

اب اورخاں نے فتوحات کا دائرہ یورپ تک وسیع کرنے کے لیے یورپ میں عمل دخل کی ٹھان لی۔ اور سلطنت بازنطینی کے پورے علاقوں

کو مسخر کرنے کی پوری تیاریاں شروع کر دیں۔ خانہ جنگیوں کے طوفان سے اس سلطنت کا سفینہ حیات ڈگمگا رہا تھا۔ ۱۳۳۸ء میں شہنشاہ اینڈرونیکس سوم کی وفات

پر اس کا بڑا چانسٹر کنٹاکوزین اس کے کم سن بیٹے جان پلیو لوگس کا سرپرست اور ملکہ اینا کے ساتھ اس کا مدارالمہام مقرر ہوا۔ لیکن ۱۳۴۳ء میں کنٹاکوزین نے دست

ہوس دراز کر کے نیکوٹیکا میں اپنی شہنشاہی کا اعلان کر دیا۔ ملکہ نے سخت چیں بچیں ہو کر عظیم بغاوت بلند کیا۔ اور فریقین میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ طرفین اورخاں

امداد کے طالب ہوئے۔ لیکن اس نے کنٹاکوزین کی مدد کے لئے چھ ہزار سپاہی بھیجے۔ جس نے اس ملک کے عوض اپنی بیٹی تھیوڈورا کو اس کے جہاز ازدواج میں

دینے کا وعدہ کیا۔ کنٹاکوزین فاتحانہ قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ ملکہ نے مجبوراً صلح کر لی۔ کنٹاکوزین نے شہزادی تھیوڈورا کا نکاح اورخاں سے کر دیا۔

۱۳۵۳ء میں فریقین پھر خانہ جنگی کا شکار ہو گئے۔ اور اورخاں نے اپنے فرزند اکبر سلیمان پاشا کی کمان میں بیس ہزار سپاہی بھیج کر کنٹاکوزین کی امداد کی جس پر مورخوں

نے یورپی ساحل کا ایک قلعہ بطور معاوضہ پیش کیا۔ کچھ عرصہ بعد تھریس میں زلزلہ آیا جس سے اورشہروں کے علاوہ دروانیال کے مغربی ساحل پر واقع گیلی پولی

کے مشہور ترین قلعے کی فصیل بھی مسمار ہو گئی۔ سلیمان پاشا اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے

گرنی الفور گیلی پولی پر قابض ہو گیا۔ اور اس کی فصیل کی مرمت کر کے وہاں ایک دستہ مقرر کر دیا۔ پھر تھریس کے بعض دوسرے مقامات پر بھی تسلط بٹھالیا۔

یورپ میں اولین فاتحانہ اقدام | ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ ۱۳۵۷ء

انہوں نے پہلی مرتبہ فاتحانہ حیثیت سے سرزمین یورپ پر قدم رکھ کر عیسائی دنیا میں ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔ جس کا حلقہ دو ہی صدیوں میں سیلی پولی سے ویانا تک وسیع ہو گیا۔ عرب مجاہدوں نے تبلیغ اسلام کا جو فرض مغربی یورپ میں انجام دیا تھا۔ مشرقی یورپ میں اسی کے ادا کرنے کی سعادت ترک مجاہدوں کے حصے میں آئی۔

ان حالات سے قسطنطنیہ میں کنٹاکوزین کے خلاف بغاوت سلطنت بازنطینی اور انقلاب کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ جس سے سلطنت بازنطینی دم توڑنے لگی۔ اور ترکوں کا ستارہ ظفر و اقبال زیادہ بلند یوں پر چمکنے لگا۔ آخر یہ سلطنت دولت عثمانیہ کے حلقہ اقتدار میں آگئی۔

۱۳۵۹ء میں اورخان نے اپنے نہایت قابل اور بہادر فرزند سلیمان پاشا کے صدرہ انتقال سے بیحد

وفات اور دیگر حالات

متاثر ہو کر سفر آخرت اختیار کیا۔ اورخان نے ۳۳ سالہ عہد حکومت میں عثمانی فتوحات کو دور دور تک وسعت دے دی۔ اس نے ایشیائے کوچک کے بقیہ بازنطینی علاقوں پر قابض ہونے کے علاوہ بعض ترکی ریاستوں کو بھی دولت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔ بلکہ ارض یورپ میں قدم رکھ کر تھریس کے بعض علاقے بھی زیر نگین کر لئے۔ اس شاہانہ جاہ و جلال کے باوجود وہ درویشی اوصاف میں اپنے باپ کا آئینہ تھا۔ چنانچہ مسٹر گبنس رقم طراز ہیں :-

■ نائسیا میں اورخان غریبوں کو روٹی اور شوربا اپنے ہاتھ سے دیتا تھا۔ علوم و فنون کی سرپرستی آل عثمان کی ایک امتیازی خصوصیت تھی۔ اورخان کا یہ اختصاص بھی بہت نمایاں تھا۔ بڑے بڑے مشہور علما اور مشائخ اس کی صفائی میں تھے۔ انہیں میں سے بعض کو وہ اپنے قائم کئے ہوئے مدرسوں میں معلم مقرر کرتا۔ مثلاً ملاؤد قیصری اور تاج الدین گردجو ایک دوسرے کے بعد

مدرسہ نائسیا میں معلم اول مقرر ہوئے۔ برومیہ کے علم و فضل کی شہرت اس وقت بھی قائم رہی۔ جب یہ سلطنت عثمانیہ کا دارالخلافہ نہ رہا۔ اور عرصے تک یہ شہر ارباب فضل و کمال کا مرکز بنا رہا۔ یہیں عثمانیوں کے اولین شعرائے اپنا اپنا کلام سنایا۔ اور یہیں ان کے بڑے بڑے بزرگوں کے مزاروں پر آج بھی سر عقیدت غم کیا جاتا ہے۔

مراد اول

۱۳۵۹ء تا ۱۳۸۹ء

اور خاں کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا مراد چالیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ مراد کی سریر آرائی کے وقت دولت عثمانیہ ایشیائے کوچک کے شمال مغربی حصہ اور یورپ میں زنیپ۔ گیلی پولی اور تھریس کے بعض دوسرے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن مراد نے اپنے عہد حکومت میں اسے پانچ گنا زیادہ وسیع دے دی۔

تخت سلطنت پر قدم رکھتے ہی مراد نے سب سے پہلے یورپ کی جانب پیش قدمی کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن امیر کرمانیہ نے دیرینہ عداوت کے باعث ایشیائے کوچک میں مراد کے خلاف بغاوت کے شعلے بھڑکا دیے۔ جس پر اسے ادھر کوچ کرنا پڑا۔ چنانچہ اس نے ادھر سے فراغت پا کر یورپ کی جانب توجہ مبذول کی۔ اور ۱۳۶۰ء میں دروانیال کو عبور کر کے فتوحات کے میدان کو مرکز عمل بنا لیا۔

مراد نے دیکھا۔ کہ سلطنت بازنطینی کی حالت یاسر
تھریس کی فتوحات
افزا ہے۔ لہذا اس نے دروانیال کو پار کر کے ایک لشکر جرار لئے ہوئے تھریس پر چڑھا لیا۔ اور شور لو۔ کرک۔ کلیسے اور اسکی

کو فتح کر کے گویا سارے تھریس پر تسلط بٹھالیا۔ پھر عثمانی جرنیل لالہ شاہین نے بلغاریہ میں داخل ہو کر فلپو پولس کو زیر نگین کیا۔ اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے مجبوراً ان شرائط پر مراد سے صلح کر لی۔ کہ تھریس کے جو علاقے اس کے قبضے سے نکل گئے ہیں ان کے دوبارہ حصول کی کوشش نہ کرے گا۔ عثمانیوں کے آئندہ حملوں میں سرویہ اور بلغاریہ کی امداد نہ کرے گا۔ اور اناطولیہ کے ترکی امرا کے مقابلے میں مراد کو مدد دے گا۔ اس کے بعد مراد نے بروصہ کو مراجعت کی۔

اب تک تو مراد صرف بازنطینیوں سے برسر پیکار تھا۔ اور **معرکہ مارٹیزا** دوسری عیسائی حکومتوں نے سلطنت بازنطینی کی حمایت کا بیڑا نہ اٹھایا تھا۔ لیکن فلپو پولس کی تسخیر نے حالات کی رویکسر پلٹ دی۔ اور کلیسائے روم کی وابستہ دامن حکومتیں بھی تلملا اٹھیں۔ چنانچہ پوپ ار بن پنجم نے ہنگری۔ سرویہ۔ بوسینیا اور ولاچیا کے حکمرانوں کو ترکوں کے خلاف فوجیں بھیجنے پر آمادہ کیا۔ اس پر ۱۶۳۳ء میں اتحادیوں نے بیس ہزار فوج تھریس بھیج کر اعلان کیا۔ کہ وہ ترکوں کو یورپ میں رہنے نہ دیں گے۔ یہ سنتے ہی مراد اناطولیہ سے عازم یورپ ہوا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے قبل ہی لالہ شاہین نے آگے بڑھ کر دریائے مارٹیزا کے ساحل پر اتحادی فوجوں پر چڑھائی کر کے انھیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ اور بقیۃ السیف سپاہی دریا میں ڈوب کر مر گئے۔

اس اہم معرکہ کے سر ہو جانے سے کوہ بلقان کا سارا جنوبی علاقہ دولت عثمانیہ میں شامل ہو گیا۔ اور عیسائیوں کی طاقت کو شدید جھٹکا لگا۔ اب مراد نے ایشیا کے بجائے یورپ کو فتوحات کا میدان بنانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس نے ڈیموٹیکا واقع تھریس کو دار السلطنت قرار دیا۔ اور تین سال کے بعد اورنہ کو پایہ تخت بنایا۔ یہیں سے وہ بلقانی ریاستوں پر ہتہ بولنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ معرکہ مارٹیزا کے بعد مراد اور شہنشاہ قسطنطنیہ کے درمیان ایک اور معاہدہ ہوا۔ جس کے مطابق شہنشاہ نے سلطان کو خراج ادا کرنے کی شرط منظور کی۔

شہنشاہ کی نامرادی | کچھ عرصے کے بعد شہنشاہ قسطنطنیہ ذلت محکومی کے شدید
احساس سے تیج و تاب کھا کر ۱۲۶۹ء میں غازم یورپ

ہوا۔ اور یورپ کے پاس جا کر پوپ کی عیسائی طاقتوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف
اکسانے میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔ لیکن نتیجہ وہی ٹائیں ٹائیں فٹس۔ آخر شہنشاہ
نامرادی کا کلنک ماتھے پر لگو کر لوٹ آیا۔ راستے میں وینس کے مقام پر وہاں کے
بعض ساہوکاروں نے عدم ادائے قرض کی بنا پر اسے گرفتار کر لیا۔ اس کے بڑے
بیٹے اینڈرونیکس نے جس کے لئے وہ قسطنطنیہ میں اپنا تخت حکومت چھوڑ گیا
قرض چکانے کا مطلق خیال نہ کیا۔ البتہ چھوٹے مینوئل نے قرض ادا کر کے باپ کو
رہا کر لیا۔ قسطنطنیہ پہنچتے ہی شہنشاہ نے اینڈرونیکس کو تمام مناصب حکومت
موقوف کر کے اس کی جگہ مینوئل کو متعین کیا۔

شہزادہ صاووچی کی سرکشی | اینڈرونیکس کے بیٹے نے مراد کے بیٹے صاووچی سے
ساز باز کر کے فیصلہ کیا۔ کہ شہنشاہ اور مراد دونوں کو

تاج و تخت سے محروم کر کے خود عنان حکومت ہاتھ میں لے لیں۔ ادھر صاووچی نے
علم بغاوت بلند کیا۔ ادھر اینڈرونیکس کا بیٹا باز نطینی امر کی معیت میں شہنشاہ کے
خلاف جنگ پر تہل گیا۔ لیکن اس فتنے کے قیامت بن جانے سے پہلے ہی اسے
موت کی نیند سلا دیا گیا۔ اور شہنشاہ نے ایک جدید معاہدے کے رو سے سلطنت
عثمانیہ کی باج گزاری نئے سرے سے تسلیم کی۔ عثمانی فوج میں جنگی خدمت انجام
دینے کا وعدہ کیا۔ اور اپنے بیٹے مینوئل کو بطور کفالت مراد کے پاس بھیج دیا۔

بلغاریہ۔ مقدونیہ اور سرویہ کی فتح | ریاست ہائے بلقان کی پھوٹ
ان کی بڑیوں ہلا دیں تھیں جس سے

مراد کی منہ مانگی مراد بر آئی۔ اور ۱۲۶۴ء اور ۱۲۶۹ء کے درمیان اس نے بلغاریہ میں پیش قدمی
کرتے ہوئے کوہ روڈوپ تک وادی مارٹیزا پر قبضہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر سرویہ بھی
بلغاریہ کے ساتھ مل گیا۔ جس پر ۱۲۶۱ء میں لالہ شاہین نے سماکوف کے میدان

س بلغاروی اور سروی لشکر کا مقابلہ کر کے ان کے دُھس ہلاوئے۔ اس کے بعد وہ بلقان تک بلغاریہ کا سارا علاقہ دولت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔

۱۳۷۲ء میں لالہ شاہین اور جرنیل افرینوس نے مقدونیہ پر چڑھائی کی۔ اور کوالا۔ ڈروما اور سرریز کو مسخر کرتے ہوئے قدیم سرویہ۔ البانیہ اور یوسینیا میں داخل ہو گئے۔ لالہ شاہ سرویہ نے شکست کھا کر مراد کے آگے سر اطاعت خم کیا۔ سیمان حاکم بلغاریہ نے بھی صلح کی درخواست کی۔ اور ۱۳۸۱ء تک مراد اپنے ایشیائی مقبوضات کی وسعت و استواری میں منہمک رہا۔

۱۳۷۶ء سے ۱۳۸۱ء تک مراد کی سلطنت میں امن و امان کی خوشگوا
اصلاحات | ہوائیں چلتی رہیں۔ اس نے حرب و ضرب کو بالائے طاق رکھ کر استحکام سلطنت پر توجہ مبذول رکھی۔ فوجی نظام میں اصلاحات کا نفاذ کر کے جاگری نظام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ سپاہیوں کو جاگری میں عطا کر کے ہر جاگیر دار کو ضرورت کے وقت ایک یا زیادہ مسلح سوار مہیا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ مسجدوں اور دوسرے دینی اداروں کے لئے زمینیں وقف کیں۔ سپاہیوں کے علم کے لئے سرخ رنگ مراد ہی کے زمانے میں تجویز کیا گیا۔ جو افواج عثمانیہ کا قومی رنگ قرار پایا۔

دوران امن میں بھی مراد کو سلطنت کی توسیع کا خیال برابر دامنگیر
توسیع سلطنت | رہا۔ ۱۳۷۶ء میں اس نے شہزادہ بایزید کی شادی امیر کریمیاں کی بیٹی سے کر دی جس سے ریاست کریمیاں کا بہت سا حصہ اور قلعہ کوتاہیہ چہیز میں لایا۔ اور یہ سارا علاقہ دولت عثمانیہ سے ملحق کر لیا گیا۔

۱۳۷۷ء میں مراد نے ریاست حمید کے امیر سے اس کی ریاست کا بڑا حصہ خرید لیا۔ جس میں ضلع آق بھی شامل تھا۔ اس سے دولت عثمانیہ کی سرحد ریاست کرمانیہ کے بالکل قریب ہو گئی۔ کرمانیہ اور آل عثمان کی دیرینہ کشمکش کو دور کرنے کے لئے مراد نے اپنی بیٹی نفیسہ کو علاء الدین امیر کرمانیہ کے جلالہ عقد میں دے دیا۔ اس صلح کا اثر دس سال تک قائم رہا۔ لیکن اس کے باوجود امیر کرمانیہ کی

سرکشی اور امن براندازی مراد کے جام سکون میں عدم اطمینان کا زہر گھولتی رہتی تھی۔ چنانچہ ۱۳۷۷ء میں فریقین صفت آرا ہو گئے۔ اور قونیہ میں علاء الدین نے گھٹنے ٹیک دئے، مراد نے نفیہ کے کہنے پر علاء الدین کی خطاؤں سے درگزر کر کے اس کی ریاست اسے واپس دے دی۔ اور بروصہ کو لوٹ گیا۔

۱۳۸۸ء تک یورپ میں دولت عثمانیہ سے سارے عیسائی سلطنتوں کا اتحاد

قدیم کھنڈ اور جدید رومیلیا کا الحاق ہو چکا تھا

اور بعض دوسرے اہم علاقے بھی مفتوح ہو چکے تھے۔ ان علاقوں میں ترک اور عرب نوآبادیاں بنا دی گئی تھیں۔ اور وہاں کے بہت سے باشندے دوسرے علاقوں میں بھیج دئے گئے تھے۔ ان نوآبادیوں سے مسیحی دنیا میں ایک عام ہیجان برپا ہو گیا۔

یہی چری کے لئے سالانہ ایک ہزار عیسائی لڑکوں کا مطالبہ اور جنگ قونیہ کے بعد وحشیانہ ٹوٹ مار کے جرم میں سروری سپاہیوں کا قتل اور شدید سزائیں۔ یہ دونوں باتیں جلتی آگ پر تیل کا کام کر گئیں۔ بس پھر کیا تھا۔ شاہ سرویہ نے عیسائی سلطنت

کا ایک زبردست اتحاد قائم کر کے ترکوں کو نیست و نابود کر دینے کا عزم صمیم کیا۔ سرویہ یوسینیا اور بلغاریہ اس تحریک کی رہنما بنیں۔ البانیہ۔ ولاچیا اور ہنگری نے حمایت

کی ہامی بھری۔ پولینڈ نے کمک بھیجی۔ سلانی قوموں کا ایسا زبردست اتحاد اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ سرویہ نے مغربی یورپ کی حکومتوں سے بھی شرکت کی درخواست

کی۔ لیکن وہ بعض وجوہ سے شریک نہ ہو سکیں۔ سارے یورپ کے متحد نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ لاطینی کلیسا کی وہ شدید پھوٹ تھی جس نے تمام مغربی

طاقتوں کو تین تیرہ کر کے دو مخالف جماعتوں میں منقسم کر دیا تھا۔ ایک جماعت پاپا رومہ کی پیرو تھی۔ اور دوسری اس کے حریف پوپ کی مقلد جس نے اونیاں واقع

فرانس کو اپنے جدید کلیسا کا مرکز بنایا تھا۔

جنگ کسووا | غرض سرویہ ان عیسائی سلطنتوں کے اتحاد کے بل پر ترکوں کو یورپ سے کلیہً خارج کر دینے کے لئے کیل کانٹے سے لیس

ہو گیا۔ مراد کو بروصہ میں اطلاع ہوئی۔ تو وہ ستر سال کا بوڑھا ہونے کے باوجود جواں ہمتی سے کام لے کر عیسائیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے اس مہم پر روانہ ہو گیا۔ اتحادیوں نے پہلے ہی بوسینیا میں ایک عثمانی فوج پر دھاوا کر کے بیس ہزار ترک سپاہیوں میں سے پندرہ ہزار کو قتل کر ڈالا تھا۔ اس پر مراد غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور علی پاشا کو حملے کا حکم دیا۔ جو درہ در بند کے راستے سے کوہ بلقان کو عبور کر کے بلغاریہ میں داخل ہوا۔ اور شوملہ اور ترنوا پر قابض ہو کر دریائے ڈینیوب کی جانب پیش قدمی کی۔ ۱۵ جون ۱۳۸۹ء کو کسودا کے میدان میں ایک فیصلہ کن ٹھکان کارن پڑا۔ لڑائی ختم ہونے کو تھی۔ کہ میلوش کو بیلوویچ نامی ایک سروری سردار کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس نے دھوکے سے مراد پر پنجرا کا دار کر کے سے شہید کر دیا۔ قاتل نے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن سپاہیوں نے اسی وقت اسے تکا بونی کر ڈالا۔

اس جنگ کے بعد پانچ سو سال تک اہل سرویہ کو متحد ہو کر کبھی ترکوں سے جنگ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ اور اس وقت سے سرویہ بہ حیثیت ایک خود مختار حکومت کے تو ختم ہو گیا۔ البتہ ستر سال بعد ایک باج گزار سلطنت کی حیثیت سے اسی حکم رانوں کے ماتحت اس کا وجود قائم رہا۔

مراد اپنے ۳۰ سالہ عہد حکومت میں چوبیس سال تک جنگ و جدل میں مصروف رہا۔ اور عظیم الشان فتوحات حاصل کر کے بلغاریہ، سرویہ اور بوسینیا کو دولت عثمانیہ میں شامل کیا۔ اس نے سلطنت عثمانیہ کے حلقہ اقتدار کو وسعت دے کر دریائے ڈینیوب تک پہنچا دیا۔ اور تھریس۔ مقدونیا اور جنوبی بلغاریہ کی ریاستوں پر عثمانی پرچم حکومت لہرا دیا۔

مسٹر گینس تحریر فرماتے ہیں :-

”تیس سال تک مراد نے عثمانیوں کی قیادت ایسے سیاسی مدبر سے کی کہ اس زلزلے کا کوئی مدبر اس سے گونے بدقت نہ لے جا سکا۔ محض اس

لئے کہ مراد کی نسبت محمد قاضی اور سلیمان اعظم کے باب میں ہماری معلومات بہت زیادہ ہیں۔ مراد کا صحیح مقام کہ وہ خاندان عثمانی کا سب سے زیادہ ممتاز و کامیاب باہر سیاست اور محارب تھا۔ کبھی پہچانا نہ جاسکا۔ جب ہم ان مشکلات کا جن کا اس نے مقابلہ کیا۔ ان مسائل کا جنہیں اس نے حل کیا۔ اور اس کے عہد حکومت کے نتائج کا موازنہ اس سے زیادہ پر شکوہ جانشینوں کے کارناموں سے کرتے ہیں۔ تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اگر وہ ان سے بڑھ کر نہیں۔ تو ان کے برابر ضرور ہے۔ جو تغیر اس نے اپنی مدت حیات کے اندر کر دیا۔ وہ تاریخ کے نہایت حیرت انگیز واقعات میں سے ہے۔ اس کی فتوحات کو پانچ صدیوں تک قائم رہنا تھا۔ ۱۸۰۷ء کے معاہدہ برلن تک۔ ان میں سے بعض حال کی جنگ بلقان کے طوفان کے بعد بھی باقی رہ گئی ہیں۔“

مراد نے عیسائی علاقوں کو زیر نگین کر کے اس میں اسلامی حکومت قائم کرنے کے باوجود کسی عیسائی کو قبول اسلام کے لئے مجبور نہ کیا۔ بلکہ اس نے انہیں پوری طرح مذہبی آزادی کی دولت سے مالا مال کر رکھا تھا۔ جس کا روشن ثبوت اس مکتوب سے ملتا ہے۔ جو ۱۳۸۵ء میں یونانی کلیسا کے بطریق اعظم نے پوپ اربن ششم کو تحریر کیا تھا۔

بایزید اول یلدرم

۱۳۸۹ء تا ۱۴۰۲ء

مراد کے بعد اس کا بیٹا بایزید اول یلدرم سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اور شاہی شاہی زیب سر کرتے ہی اپنے برادر اصغر شہزادہ یعقوب کو تہ تیغ کرا دیا۔

سرویہ زک اٹھانے کے باوجود مقابلے کے لئے ہاتھ پاؤں سے صلح سے صلح مار رہا تھا۔ لیکن اس نے جلد ہی اپنی کمزوری اور ناکامی

کا صحیح اندازہ کر کے ہتھیار ڈال دئے۔ اور بساطِ صلح آراستہ کی۔ بایزید نے عالی حوصلگی سے کام لے کر سرویہ کی خود مختاری پر آنچ نہ آنے دی۔ اور اسے صرف باج گزار بنا کر چھوڑ دیا۔ لازار کے جانشین سٹیفن نے سالانہ خراج کے علاوہ یہ بھی معاہدہ کیا۔ کہ وہ پانچ ہزار سپاہی ہر وقت سلطان کی خدمت کے لئے تیار رکھے گا۔ اس طرح سمری امداد بڑی مفید ثابت ہوئی۔

شہنشاہ سے جدید صلح نامہ | اس کے بعد بایزید نے شہنشاہ قسطنطنیہ کو ایک جدید صلح نامے پر مجبور کیا۔ جس کے رو سے

اس نے تیس ہزار طلائی سکہ سالانہ خراج کے طور پر ادا کرنے اور بارہ ہزار سپاہی ہر وقت سلطان کی خدمت میں حاضر رکھنے کا وعدہ کیا۔ ساتھ ہی سلطنت بازنطینی کا باقی ماندہ ایک قلعہ فلاڈلفیا بھی بایزید کے قبضے میں آ گیا۔ اور پوری سلطنت دولت عثمانیہ میں شامل ہو گئی۔

اناطولیہ کی فتوحات | بایزید نے ایشیائے کوچک کی بقیہ ریاستوں پر قبضہ کرنے کے لئے ایدین کی جانب پیش قدمی کی۔ اور اسے فتح

کر کے منتشا اور صاروخاں کو بھی زیر نگیں کر لیا۔ پھر سمرنا پر چڑھائی کی۔ اور ریاست تک کے باقی علاقے کو بھی مسخر کیا۔ پھر کرمانیہ پر ہتھ بول دیا۔ وہاں کے امیر علاء الدین نے اپنی ریاست کا ایک حصہ دے کر صلح کر لی۔

قسطنطنیہ پر چڑھائی | بایزید فتح و ظفر کے نشے میں سرشار درد انیال کو فتح کر کے اور نہ جا پہنچا۔ اس دوران میں جان پلیو لوگس نے وفات

پائی۔ اور اس کا بیٹا مینیول جو بایزید کے دربار میں مامور تھا۔ وہاں سے خفیہ بھاگ کر قسطنطنیہ پہنچے ہی باپ کے تخت شاہی پر متمکن ہو گیا۔ بایزید نے طیش میں آ کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد خود ہی دس سال کے لئے صلح کر کے اس خیال سے محاصرہ اٹھالیا۔ کہ اسے بلغاریہ میں شاہ ہنگری کے حملے کی مدافعت کے لئے فوجوں کی ضرورت تھی۔ شرائط صلح کے رد سے تیس ہزار طلائی کراؤن

سالانہ خراج کی رقم مقرر ہوئی۔ قسطنطنیہ میں ایک اسلامی عدالت کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں ایک ترکی قاضی متعین کیا گیا۔ ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی گئی۔ مسرگین لکھتے ہیں :-

”مینیول نے شہر کے سات سو مکانات بھی مسلمانوں کے سپرد کر دئے۔ اور غلطہ کا نصف حصہ بایزید کو دے دیا۔ جس میں اس نے چھ ہزار عثمانی فوج مقرر کر دی۔ شہر کے باہر جو انگور کے باغ اور بستی کے کھیت تھے۔ ان کی پیداوار کا دسواں حصہ بھی صلح نامہ کے مطابق عثمانی خزانے کو دے دیا گیا۔ اسی وقت سے عثمانیوں نے قسطنطنیہ کو استنبول کہنا شروع کیا۔“

اس کے بعد بایزید ولاچیا کی طرف بڑھا۔ اور

ولاچیا اور نائکوپولس کی فتح | اسے باج گزار بنا کر بوسینیا اور ہنگری کی جانب پیش قدمی کی۔ پہلے تو ترک پس پا ہو گئے۔ لیکن پھر جنگ کا پانسہ پلٹتے ہی شاہ ہنگری سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ اور نائکوپولس پھر ترکوں کے قبضے میں آ گیا۔

۱۳۹۳ء میں بایزید کے فرزند اکبر سلیمان پاشا نے بلغاریہ کے شمالی حصے کو مسخر کیا۔ جنوبی حصہ مراد ہی کے زمانے میں فتح ہو چکا تھا۔ اس طرح بلغاریہ کا سارا علاقہ عثمانیوں کے قبضے میں آ گیا۔

بلغاریہ کے بعد بایزید نے ہنگری کے سرحدی قلعوں ویدین اور سلسٹریا کی فتح | ویدین اور سلسٹریا کے زیر نگیں کیا۔ پھر ترکوں نے ہنگری کے سرحدی علاقے میں چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

کرمانیہ اور آل عثمان میں آویزش کا سلسلہ مدت سے جاری تھا۔ مراد کرمانیہ کی فتح | نے اپنی ایک بیٹی کو امیر کرمانیہ کے عقد میں دے کر آتشِ عداوت کو فرو کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن علاء الدین دولت عثمانیہ کی راہ میں کانٹے بونے سے باز نہ آتا تھا۔ چنانچہ اس نے اناطولیہ کے عثمانی مقبوضات پر ہتھ بول دیا۔ انگورہ اور بروصہ کے درمیان گھسان کارن پڑا۔ جس میں عثمانی فوج نے بھاری زک اٹھائی

اور بایزید کا نائب سلطنت تیمورتاش پاشا سالار فوج گرفتار ہو گیا۔ بایزید یہ اطلاع پاتے ہی اناطولیہ پہنچا۔ اور آق چاتی میں کرمانی فوج کو شکست دے کر علاء الدین اور اس کے دو بیٹوں محمد اور علی کو قید کر لیا۔ یہ لوگ تیمورتاش پاشا کی حراست میں تھے جس نے بایزید سے اجازت لئے بغیر تینوں کو حوالہ دار ورسن کر دیا۔ اس سے بایزید کو سخت رنج و افسوس ہوا۔ بہر نوع کرمانیہ فتح ہو گیا۔ اور اب ایشیائے کوچک میں آل سلجوق کی قائم مقامی کے لئے آل عثمان کا کوئی حریف باقی نہ رہا۔

بقیہ ترکی ریاستوں کی تسخیر | اس کے بعد بایزید نے سمسون۔ سیدواس اور راسیا کو تسخیر کیا۔ پھر مفتوحہ علاقوں کے امرا کی جائے پناہ قسطنطنیہ پر چڑھائی کر کے اناطولیہ کی اس آخری ترکی ریاست کو بھی اپنی سلطنت میں ملا لیا۔

سلطان کا لقب | اب بایزید نے اپنی شوکت و سطوت اور جاہ و جلال کے پیش نظر مصر کے عباسی خلیفہ سے اجازت لے کر امیر کے بجائے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ اس باب میں لین پول عام مورخین کے علی الرغم رقم طراز ہے :-

”آل عثمان میں بایزید پہلا شخص نہیں جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا بلکہ برطانی عجبائب خانہ اور دوسرے مقامات پر عثمانیوں کے جو سگے محفوظ ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اور خاں اور مراد اول بھی اپنے بیگوں پر سلطان کا لقب کندہ کراتے تھے۔ عثمان کے نام کا کوئی سگہ موجود نہیں۔ کیونکہ اگرچہ سلطان علاء الدین سلجوقی نے اسے اپنا سگہ جاری کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی۔ پھر بھی اس نے یہ حق استعمال نہیں کیا اور غالباً پہلا عثمانی سگہ اور خاں کے عہد میں جاری ہوا۔ پس بایزید کے لئے سلطان کا لقب صرف اس بنا پر ایک نئی چیز ہو سکتا ہے۔ کہ اس نے اس کے لئے خلیفہ اسلام کی اجازت بھی حاصل کر لی۔“

ناونوش | ان شاندار فتوحات کی تمکین دور کرنے کے لئے بایزید نے اپنے آپ

کو دخت رز کی آغوش میں گرا دیا۔ اور بول اٹھا ع ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں
لیکن اس نے بے خودی کے اس طوفان میں بھی خودی کا سفینہ ہاتھ سے نہ چھوڑا اور
جب یہ وحشت ناک خبر سنی۔ کہ دولت عثمانیہ کا تختہ اُلٹنے کے لئے یورپ سے صلیبی
اتحاد کا تباہ کن ریلہ آ رہا ہے۔ تو ناؤ نوش اور کیف و رنگ کا شمار اتار کر سوتے ہوئے
شیر کی طرح بیدار ہونے کے بعد تازہ دم اٹھ کھڑا ہوا۔

شاہ ہنگری کو ہر وقت اپنی آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا زبردست
صلیبی اتحاد

خطرہ لاحق رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے یورپ بھر کی مسیحی حکومتوں
سے امداد کی درخواست کی۔ عیسائی طاقتوں نے اس کی التجا کو گوش قبول سے نہ
اور اب کے یورپ کی سلطنتیں بھی میدان میں آدھکیں۔ ڈیوک آف برگنڈی
بیٹا کونٹ ڈی نیورس سالار فوج مقرر کیا گیا۔ غرض ۱۳۹۶ء میں اتحادیوں کی
ہوئی فوج فرانس سے روانہ ہوئی۔ رفتہ رفتہ مختلف عیسائی سلطنتوں کی فوجیں
جمع ہوتی گئیں۔ حتیٰ کہ ان کی مجموعی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔

اتحادیوں نے اپنے ملٹی دل لشکر پر مغرور ہو کر
اتحادیوں کا ابتدائی غلبہ عثمانی مقبوضات کی جانب یلغار کرنی شروع

اور یہ جان کر کہ شاہ سرویہ بایزید کا حلیف ہے۔ اہل سرویہ کو جو سب کے سب
عیسائی تھے۔ وحشیانہ قتل و غارت کا نشانہ بنایا۔ پھر شاہ ہنگری ویدین
اور آرسودا کو فتح کرتا ہوا نائکو پولس کی جانب بڑھا۔ اور وہاں پہنچتے ہی اس
محاصرہ کر لیا۔ نائکو پولس کا کمان دار یوغلان کچی گولیاں نہ کھیلا تھا۔ اس لئے
بایزید کی متوقع امداد کی شہ پاکر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح دشمن کے مقابلے
میں ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں بایزید بھی جاں باز مجاہدین کا دیوپیکر لشکر
آپہنچا۔

۲۴۔ ستمبر ۱۳۹۶ء کو کونٹ ڈی نیورس کھانا کھا رہا تھا۔ کہ اسے یکایک
ہلی۔ ترک آگئے۔ سب کے سب مسیحی جنگ جو ترکوں پر حملہ کرنے کے لئے

کھڑے ہوئے۔ فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی۔ اور تین ہی گھنٹوں میں عثمانی غازیوں نے کشتوں کے پتے لگا کر عظیم الشان فتح حاصل کی۔ اتحادیوں کے ہزاروں سپاہی مارے گئے۔ اور دس ہزار گرفتار ہوئے۔

جب بایزید کو معلوم ہوا۔ کہ آغاز جنگ میں جن ترکوں نے جاں بخشی کے وعدے پر سپر ڈال دی تھی۔ انھیں بھی عیسائیوں نے جہد شکنی کر کے قتل کر ڈالا۔ تو وہ فرط غضب سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور جوش انتقام سے دیوانہ ہو کر دس ہزار عیسائی قیدیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کا حکم دے دیا۔ البتہ کونٹ ڈی نیورس اور اس کے چوبیس ساتھیوں کی جاں بخشی کر دی۔ اور ایک سال تک زیر حراست رکھنے کے بعد ان کا زرفدیہ فرانس سے آجانے پر انھیں رخصت کیا۔ اس موقع پر بایزید نے کونٹ ڈی نیورس کو مخاطب کرتے ہوئے حسب ذیل تقریر کی ہے۔

”جان! مجھے خوب معلوم ہے۔ کہ تو اپنے ملک میں ایک بڑا سردار اور ایک طاقتور رئیس کا بیٹا ہے۔ تو نوجوان ہے۔ اور ابھی تیرے لئے امید کے بہت سے سال باقی ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ میدان جنگ میں تیری اس پہلی کوشش کی ناکامی پر لوگ تجھے قابل الزام ٹھہرائیں۔ اور تو اس بہتان کا داغ مٹانے اور شہرت و ناموری کو مکر حاصل کرنے کے لئے ایک زبردست فوج فراہم کر کے میرے مقابلے میں جنگ کے لئے آئے۔ اگر میں تجھ سے ڈرتا۔ تو تجھ سے اور تیرے ساتھیوں سے تمیے ایمان اور عزت پر حلف لے لیتا۔ کہ نہ تو اور نہ وہ کبھی میرے مقابلے میں ہتھیار اٹھائیں گے۔ لیکن نہیں۔ میں ایسے حلف کا مطالبہ نہ کروں گا۔ یہ خلاف اس کے میں خوش ہوں گا۔ اگر تو اپنے ملک میں واپس پہنچ کر ایک فوج جمع کرے۔ اور اسے لے کر یہاں آئے۔ تو مجھے ہمیشہ میدان جنگ میں اپنے مقابلے کے لئے تیار پائے گا جو بات میں اس وقت کہہ رہا ہوں۔ اسے تو جس شخص سے بھی چاہے نقل کر دینا۔ کیونکہ میں ہمیشہ جنگی کارناموں اور اپنی فتوحات کی توسیع کے لئے تیار اور آرزومند رہتا ہوں۔“

مزید فتوحات

اس کے بعد عساکر عثمانیہ نے ولاچیا۔ سائر یا اور ہنگری پر یورش کی۔ اور پیٹروارڈین پر قابض ہو گئے۔ پھر سرمیا پر حملہ کر کے سال ڈینیوب کے قلعے دوبارہ تسخیر کئے :-

بایزید خود بودا پر حملہ کرنے کے لئے پرتول رہا تھا۔ کہ یکایک طبیعت نے مالش کی اوزیہ ہم مجبوراً معرض التوا میں پڑ گئی۔

یونان کی تسخیر

۱۳۹۷ء میں بایزید نے یونان پر چڑھائی کی۔ اور تھسلی۔ ڈورس فوسیس اور لوکریس پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس کے دو جزیروں یعقوب اور افرینوس نے سارے موریاکو زیر نگین کر لیا۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ

بایزید یونان کی ہم میں فتح و کامرانی کے پھریرے اڑانے کے بعد پھر ادرنہ واپس ہوا۔ اور قسطنطنیہ کو معاً زیر نگین کر لینے کی ٹھان لی۔ چنانچہ اس نے ایک خاص قاصد کی وساطت سے شہنشاہ کو کہلا بھیجا کہ "تاج و تخت سے ہاتھ اٹھا لو۔ ورنہ شہر بہ زور شمشیر فتح کر لیا جائے گا" اور اس وقت وہاں کے باشندے رحم و کرم کے حق دار نہ سمجھے جائیں گے۔ اگر قسطنطنیہ کے معاوضے میں اپنے لئے کوئی دوسری حکومت پسند کر لو گے۔ تو تمہیں دے دی جائے گی۔"

قسطنطنیہ کے باشندے تو دل سے چاہتے تھے کہ جنگ نہ ہو۔ لیکن جان نے اس توقع پر کہ مسیحی سلطنتیں قسطنطنیہ کی حفاظت میں ضرور اس کی امداد کریں گی۔ قاصد کو یہ جواب دے کر رخصت کر دیا :-

"اپنے آقا سے کہہ دو۔ کہ ہم ضعیف و ناتواں ہونے کے باوجود خدا کے سوا کسی دوسری طاقت سے نہیں ڈرتے۔ وہی کمزور کی حفاظت کرتا اور طاقت ور کا غرور توڑتا ہے۔ سلطان کو اختیار ہے۔ کہ جو چاہے کرے۔"

یہ جواب سنتے ہی بایزید نے فی الفور قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ حالات میں ناگہانی تغیر آواہر بایزید قسطنطنیہ کی ہم کا انتظام کر رہا تھا۔

اس کے ایشیائی مقبوضات میں تغیر حالات کی خوئیں آندھیاں چل رہی تھیں۔ بایزید نے اس حشر انگیز انقلاب سے متاثر ہو کر فوراً محاصرے سے ہاتھ اٹھا لیا۔ یہ انقلاب اس آویزش سے رونما ہوا۔ جو بایزید اور تیمور کے درمیان رونما ہو گئی تھی۔

تیمور وہ شہرہ آفاق تاتاری امیر تھا۔ جس کی سلطنت دیوار چین سے ایشیائے تیمور کوچک کی سرحد تک اور بحیرہ ارل سے گنگا اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ۳۵ سال سے کم عرصے میں ۲ سلطنتیں مسخر کر لی تھیں۔ اور نوشاہی خاندان کو تیسٹ و نابود کر دیا تھا۔ اس کا پایہ تخت سمرقند تھا۔ وہ غضب کا بہادر تھا۔ اعلیٰ جبریل۔ بے نظیر بدتر اور عالی دماغ حکم ران تھا۔ وہ اپنے ہوش مند جاسوسوں کے ذریعے سے دشمنوں کے پورے پورے حالات سے کما حقہ آگاہ رہتا تھا۔ ہوا خواہوں کے لئے زندگی بخش نسیم اور دشمنوں کے لئے شمشیر اجل تھا۔

بایزید اور تیمور کی سلطنتیں ہم سرحد تھیں۔ اس لئے باہمی آویزش کا ہونا ناگزیر تھا۔ دوسرا سبب ایک دوسرے کے باج گزار ریگیوں کو حملے کی دھمکی دینا۔ اور ایک دوسرے کے باغیوں کو پناہ دینا تھا۔

۱۴۰۱ء میں تیمور نے سرحد عثمانی میں داخل ہو کر سیواس کا محاصرہ کر لیا۔ بایزید نے پوری قوت سے مدافعت کی۔ جس سے تیمور کی سات آٹھ لاکھ فوج کی ہمت ٹوٹ سی گئی۔ لیکن معاً تیمور نے ایک اور زبردست و حیرت انگیز تدبیر سے کام لیا۔ اس نے مزدوروں کے ذریعے سے دیواروں کی بنیادیں کھدوائیں اور انھیں گرنے سے بچانے کے لئے شہیروں کی تھوئی لگائی۔ کھدائی کا کام ختم ہونے پر بنیادوں کے اندر بڑی بڑی سزنگیں تیار ہو گئیں۔ تو شہیروں کو آگ دے دی۔ اور تمام دیواریں انھیں سزنگوں میں دھنس گئیں۔ اس طرح شہر فتح ہو گیا۔

بایزید نے قسطنطنیہ میں سیواس کے مفتوح ہونے کی خبر سنی۔ تو ایشیائے کوچک کی راہ لی۔ تیمور وہاں نہ تھا۔ دو سال کے بعد لوٹا۔ تو دونوں میں خط و کتابت ہوئی۔ اور صلح کے بجائے جنگ کی طرح ڈال دی گئی۔

جنگ انگورہ

بایزید نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر سیواس کی جانب پیش قدمی کی۔ لیکن تیمور کی فوج سات آٹھ لاکھ کے درمیان تھی۔ اس

نے انگورہ پہنچ کر وہاں کا محاصرہ کیا۔ بایزید نے بھی اطلاع پا کر اپنی فوج کا رخ انگورہ کی طرف پھیر دیا۔ اور دونوں فوجیں آمنے سامنے مقابلے کے لئے ڈٹ گئیں۔ بایزید کی فوج کثیر التعداد تاتاریوں پر مشتمل تھی۔ تیمور کے جاسوسوں نے انھیں بایزید سے توڑ کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ عثمانی فوج کے افسروں نے بایزید کو جنگ سے ہاتھ اٹھا لینے کا مشورہ دیا۔ لیکن ان کا ہر لفظ اس کے بہرے کانوں پر پڑا۔ اور وہ اپنی طاقت کے نشے میں سرشار ہو کر تیمور کی فوجی قوت کو جانچ نہ سکا۔ لہذا اس سے متواتر غلطیوں پر غلطیاں سرزد ہونے لگیں۔

آخر ۲۰ جولائی ۱۴۰۲ء کو وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ جس نے تیمور کو بقلے دوام کا خلعت عطا کیا۔ اور بایزید کو ذلت اہدی کا طوق پہنایا۔ اناطولیہ کی ترکی ریاستوں کے دستے بھی جنھیں بایزید نے جبراً بھرتی کیا تھا۔ وقت پر غدار ثابت ہوئے۔ سروری فوج لڑائی سے دست کش ہو کر بھاگ گئی۔ اب بایزید کے پاس صرف بیسی چری کے دس ہزار جوان باقی رہ گئے۔ اگرچہ اس سٹھی بھر فوج نے فوق العادہ شجاعت اور معجزانہ جانبازی کا ثبوت دیا۔ لیکن تعداد کے لحاظ سے طرفین کا مقابلہ ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ تھا۔ نتیجہ وہی نکلا۔ جس کا یقین تھا۔ یعنی تیمور نے فتح پائی۔ اور بایزید سعی فرار کے باوجود گرفتار کر لیا گیا۔

بایزید حالت اسیری میں

جب بایزید حالت اسیری میں تیمور کے ساتھ آیا۔ تو اس نے بڑھ کر خیر مقدم کیا۔ ہتھکڑی

اُتر وادی۔ اور عزت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ پھر افسوس اور ہمدردی کے انداز میں کہنے لگا۔

”اگرچہ احوال عالم تمام تر اللہ تعالیٰ کے ارادہ و قدرت کے مطابق پیش آتے ہیں۔ اور کسی دوسرے کو واقعی کوئی اختیار و اقتدار حاصل نہیں۔ تاہم العاف

اور حق یہ ہے۔ کہ تم پر جو مصیبت آئی ہے۔ وہ خود تمہاری لائی ہوئی ہے۔ تم نے بارہا اپنی حد سے باہر قدم رکھا۔ اور بالآخر مجھے انتقام پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی تم چونکہ اس دیار میں کفار سے جہاد کر رہے تھے۔ میں نے بہت کچھ تحمل کیا۔ اور ان حالات میں ایک خیر اندیش مسلمان کا جو فرض تھا۔ اسے بجالایا۔ میری خواہش تھی۔ کہ اگر تم فرماں برداری کی راہ اختیار کرو۔ تو تمہیں مال و لشکر کی جس قدر ضرورت ہو۔ اس سے تمہاری مدد کروں۔ تاکہ تم اطمینان و قوت کے ساتھ جہاد میں مصروف رہ سکو۔ اور کشور اسلام کے گوشے گوشے سے بے دینوں کے شرک کی شوکت کو فنا کر دو۔ لیکن تم نے بغاوت اور عداوت اختیار کی۔ حتیٰ کہ یہ نوبت آگئی۔ سب کو معلوم ہے۔ کہ اگر صورت حال اس کے خلاف ہوتی۔ اور یہ قوت و غلبہ جو قادر مطلق نے مجھے بخشا ہے۔ تمہیں حاصل ہوتا۔ تو اس وقت مجھ پر اور میرے لشکر پر کیا گزرتی۔ لیکن اس فتح کے شکرانے میں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے حاصل ہوئی ہے۔ میں تمہارے اور تمہارے آدمیوں کے ساتھ کچھ نہ کروں گا۔ اطمینان رکھو۔“

بایزید نے شرمندہ ہو کر اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ اور آئندہ سر اطاعت خم رکھنے کا وعدہ کیا۔ تیمور نے اسے شاہانہ خلعت پہنایا۔ اور شہزادہ موسیٰ کو بھی آزاد کر کے اس کے پاس بھیج دیا۔

وقات ان سہولتوں کے باوجود بایزید اپنے گزشتہ جاہ و جلال کو یاد کر کے تڑپ رہا تھا۔ اور اسی تڑپ نے اسے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ تیمور کو خبر ہوئی۔ تو وہ زیادہ کڑی نگرانی کرنے لگا۔ بایزید اس اسیری اور ذلت کو بہت دیر تک برداشت نہ کر سکا۔ اور آٹھ مہینے بعد اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ تیمور یہ اطلاع پانے ہی اشک بار ہو گیا۔ اور موسیٰ کو آزاد کر کے بایزید کی نعش شاہانہ عزت و احترام سے بروصہ بھیج دی۔ جہاں اسے سابق عثمانی فرماں رواؤں کے پاس آغوشِ لحد میں لٹا دیا گیا۔

دولت عثمانیہ کی بظاہر تباہی | جنگ انگورہ سے بایزید کے ساتھ ہی دولت عثمانیہ کا بھی گویا خاتمہ ہو گیا۔ تیمور نے عثمانیہ سے بلخ کی ہوتی تمام ترکی ریاستیں ترکی امیروں کو واپس دلا دیں۔ اور ایشیائے کوچک بظاہر کلیتہً آل عثمان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

محمد اول

۱۴۱۳ء تا ۱۴۲۱ء

شہزادوں کی آویزش | بایزید کی وفات کے وقت ایشیا اور یورپ دونوں میں سلطنت عثمانیہ کے مقبوضات کی حالت یاس انگیز تھی۔ لیکن اس کے قابل و بہادر جانشینوں نے چند ہی سال کے اندر نہ صرف سلطنت کے تمام قدیم مقبوضات پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ بلکہ اس کی سطوت و عظمت کو چار چاند بھی لگا دئے۔

بایزید کے ان تین بیٹوں میں سے جو جنگ انگورہ میں جان بچا کر بھاگ گئے تھے۔ سب سے بڑے سلیمان نے اوردز پہنچ کر باپ کی وفات کے بعد اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ دوسرا بیٹا عیسیٰ بروصہ میں بایزید کا جانشین بن بیٹھا۔ سب سے چھوٹے محمد نے ایشیائے کوچک کے شمال مشرق میں ااماسیا کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اب ان تینوں میں سلطنت کے لئے آویزش شروع ہو گئی۔ چونکہ بیٹا موسیٰ بھی جسے تیمور نے اس کے باپ کے انتقال پر رہا کر دیا تھا۔ تلج تخت کے لئے ہاتھ پاؤں مانے لگا۔

پہلے محمد اور عیسیٰ جنگ آزما ہوئے۔ جس میں عیسیٰ نے زک اٹھائی۔ اور وہ بھاگ کر امداد کے لئے سلیمان کے پاس پہنچا۔ سلیمان لشکر لے کر آیا۔ تو محمد موسیٰ سے کہا۔ کہ وہ یورپ جا کر سلیمان کے علاقے پر یورش کر دے۔ سلیمان

فوراً اپنی سلطنت کو بچانے کے لئے یورپ کی جانب مراجعت کی۔ عیسیٰ شکست کھا کر ایسا گیا۔ کہ پھرنہ آیا۔

اب سلیمان اور موسیٰ میں جنگ چھڑی۔ سلیمان اپنی ہی فوج کے ہاتھوں جو اس کے تشدد کی وجہ سے سرکش ہو گئی تھی۔ مارا گیا۔ اور موسیٰ نے میدان خالی پا کر اور نہ کے تخت پر بیٹھے ہوئے اپنے سلطان ہوئے کا اعلان کر دیا۔

موسیٰ موقع پاتے ہی قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا اہتمام کرنے لگا۔ محمد شہنشاہ کی درخواست پر ایداد کو منظور کر کے فوجیں لئے ہوئے وہاں آ گیا۔ آخر موسیٰ نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور محمد اس کے عقب میں چلا۔ سرحد سروبیہ پر طرفین میں رزم آمانی ہونے ہی والی تھی۔ کہ موسیٰ کی فوج میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ اور وہ محمد کے ساتھ جا ملی۔ موسیٰ کو اسی کے کسی باغی سپاہی نے قتل کر ڈالا۔

محمد کی سریر آرائی | اب میدان صاف تھا۔ اس لئے محمد کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس نے صرف آٹھ سال کی قلیل مدت

حکومت میں اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کر کے یورش تیمور سے قبل کی طرح دولت عثمانیہ کو وسیع۔ قوی اور مستحکم بنا دیا۔ استقلالِ مملکت کے لئے اس نے آس پاس کی تمام سلطنتوں سے پیمانہ ہائے صلح استوار کئے۔ اور کربانیہ وغیرہ ترکی ریاستوں کو دولت عثمانیہ کے آگے اظہارِ اطاعت کر کے ادائے خراج پر مجبور کیا۔

اخلاق و عادات | محمد نہایت وسیع القلب۔ عادل اور صادق العہد تھا۔ رعایا کے تمام فرقے اس کے حسن سلوک اور رواداری سے خوش تھے۔ ادب کا بھی مربی تھا۔

۱۴۲۰ء میں محمد نے عالم جادوئی کی راہ لی۔ اور بروحد میں اپنی تعمیر کرائی ہوئی مسجد خضرا سے متصل سپرد خاک کیا گیا۔ اس مسجد کے پاس ہی اس نے دو عمارتیں بنوا کر مدرسہ اور طعام خانہ جاری کیا۔

اس حقیقت کے پیش نظر کہ جنگِ انگورہ کے بعد محمد نے دولت عثمانیہ کے

گرتے ہوئے ایوان کو نہایت قابلیت سے سنبھال لیا۔ اسے سلطنت کے بانیوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

مراد ثانی

۱۲۲۱ء تا ۱۲۵۱ء

مصحف
۱۲۱۱

محمد اول کے بعد اس کا بڑا بیٹا مراد ثانی ۱۸ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اس کی کم سنی سے فائدہ اٹھا کر سلطنت عثمانیہ کے

اہتمام فرماں رواؤں نے علم بغاوت بلند کرنا شروع کیا۔ چنانچہ شہنشاہ قسطنطنیہ نے ایک شخص مصطفیٰ کو جو اپنے آپ کو سلطان بایزید یلدرم کا بیٹا کہتے ہوئے تاج و تخت کا مدعی تھا۔ مراد کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ یہ وہی مصطفیٰ تھا جس نے محمد اول سے شکست کھا کر قسطنطنیہ میں پناہ لی تھی۔ اور جس کی نظر بندی کے معاوضے میں شہنشاہ قسطنطنیہ سلطان سے سالانہ ایک رقم خطیر پاتا تھا۔ شہنشاہ نے مصطفیٰ کو اس شرط پر رہا کر دیا۔ کہ وہ فتح پانے کی صورت میں گیلی پولی اور ساحل بحیرہ اسود کے تمام بازو نظریں شہر سے واپس کر دے گا۔ اور اس کی امداد کے لئے فوج بھی دے دی۔ مراد نے ایشیائے کوچک سے ایک فوج بایزید پاشا کے زیر گمان مصطفیٰ کو بچا دیکھانے کے لئے روانہ کی۔ لیکن یورپ میں ترکی افواج کی کمک سے مصطفیٰ کا پتہ بھاری ہو جانے کے باعث بایزید پاشا شکست کھا کر مارا گیا۔ پھر مصطفیٰ نے ایشیائے کوچک میں پرتو کر مراد کا مقابلہ کیا۔ لیکن زک اٹھا کر بھاگ گیا۔ اور گیلی پولی میں پناہ لی۔ مراد نے گیلی پولی کو مسخر کر کے مصطفیٰ کمال کو پھانسی پر لٹکا دیا۔

۱۲۲۲ء میں مراد نے شہنشاہ قسطنطنیہ کو اس کی غداری مزہ چکھانے کے لئے بیس ہزار فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ مراد کو اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ کہ شہنشاہ نے ایسی چال چلی

جس سے مراد کو محاصرے سے دست کش ہونا پڑا۔ شہنشاہ نے مراد کے برادر کوچک مصطفیٰ کو جو ایشیائے کوچک میں تھا۔ مراد کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ اور مصطفیٰ نے کرمانیہ اور کرمان کے امیروں کی مدد سے ایشیائے کوچک میں مراد کی ایک فوج کو شکست دے کر اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ اطلاع پاتے ہی مراد قسطنطنیہ کے محاصرے سے ہاتھ اٹھا کر ایشیائے کوچک پہنچا۔ اور مصطفیٰ کی فوج کے دھوئیں بکھیر دئے۔ مصطفیٰ گرفتار کر لیا گیا۔ اور مراد کی اطلاع و اجازت کے بغیر بزرگوار کر دیا گیا۔

ترکی ریاستیں | اس کے بعد مراد نے ان ترکی ریاستوں کی طرف عنان توجہ منقطع کی۔ جو جنگ انگورہ کے بعد دولت عثمانیہ کے حلقہ اطاعت سے بھل گئی تھیں۔ پہلے کرمانیہ پر یورش کر کے اسے سلطنت کا باج گزار بنایا۔ پھر کرمانیہ قسطنطنیہ، منتشا، صاروخان، حمید وغیرہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ کر کے ان سب کو دولت عثمانیہ کا مطیع و منقاد بنایا۔ اس طرح ایشیائے کوچک میں دولت عثمانیہ کا سابق اقتدار بحال ہو گیا۔

۱۲۲۲ء میں مراد عازم یورپ ہوا۔ اور قسطنطنیہ یورپ میں جدید مقبوضات | پہنچ کر وہاں کے فرماں رواؤں جا پلیو لوگس سے پیمان صلح باندھا۔ جان نے ادائے خراج کا معاہدہ کرنے کے علاوہ سیلیبریہ اور درکوس کے سوا زیتون اور دریائے اسٹرانیا اور بحیرہ احمر کے ساحل پر باقی ماندہ تمام دوسرے یونانی شہر سلطان کے سپرد کر دئے۔

سالونیکا کی تسخیر | سالونیکا کا فرماں روا اینڈرو نیکس تھا۔ اس نے غداری سے کام لے کر اسے وینس کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ مراد نے اس معاملہ فروخت کی مخالفت کر کے ۱۲۳۰ء میں اسے بزرگ شمشیر مسخر کیا۔ اور اسے مع اس کے ملحقہ علاقے کے دولت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔

سرویہ کی تسخیر | سرویہ کا فرماں روا سٹیفن لازار تو ہمیشہ دولت عثمانیہ کا

و فادار رہا۔ لیکن وہ انتقال کر چکا تھا۔ اور اب اس کی جگہ جارج برنیکوویچ سربراہ ہوا۔ جو ترکوں کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھا تھا۔ اس نے ترکوں کے خلاف ہنگری سے ایک معاہدہ کر کے سمندریا میں ایک زبردست قلعہ بنوایا۔ مراد نے جارج کی مخالفانہ روش سے آگاہ ہو کر اس قلعے کا مطالبہ کیا۔ اس نے انکار کیا۔ مراد نے سرویہ پر پورش کر کے جارج کو شکست دی۔ اور اس سارے علاقے پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔

جنگ انگورہ کے بعد ہنگری دولت عثمانیہ کے حلقہ
مسیحی حکومتوں کا اتحاد اطاعت سے آزاد ہو کر قوت پکڑتا جاتا تھا۔

بوسینیا، البانیہ اور ولاچیا بھی خود مختاری کے لئے مضطرب تھے۔ مراد نے برسرِ اقتدار آنے سے کوئی بیس سال تک تو یہ مسیحی طاقتیں متحد نہ ہو سکیں لیکن ۱۶۲۰ء میں جب لاڈ سلاس شاہ پولینڈ نے ہنگری کی عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ تو سلطنت عثمانیہ کی مخالف مسیحی طاقتوں نے بہت زور پکڑا۔ اور ان میں متحدہ قوت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اس کا محرک ایک فوجی سردار ہونیاڈے تھا۔ اس نے ہنگری پہنچ کر ترکوں کے مقابلے کی ہم سر کرنے کی ہامی بھری۔ اور بیس سال تک دولت عثمانیہ سے برسرِ پیکار رہا۔

۱۶۲۲ء میں مراد نے سرویہ کے شہر بلغراد پر جو ہنگری کے قبضے میں
بلغراد تھا۔ چڑھائی کی۔ کیونکہ اسے تسخیر کے بغیر ہنگری میں داخلہ غیر ممکن تھا۔ لیکن مراد کو ناکامی ہوئی۔

انہیں دنوں عثمانی جرنیل زید پاشا
ہونیاڈے کی خونریز کامرانی رطاسلوینیا میں ہیران اسٹاٹ کا محاصرہ رکھا تھا۔ ہونیاڈے اس قلعے کی حمایت کے لئے میدان میں اترا۔ اور ترکوں کے لشکر جبار کا منہ پھیر دیا۔ بیس ہزار ترک کھیت رہے۔ پھر دعوتِ فتح۔ موقع پر ترک قیدیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ مراد نے اسی ہزار جنگ کیا

بہادروں کی ایک اور فوج شہاب الدین پاشا کے زیرِ کمان روانہ کی۔ اور وازاگ میں ہونیا ڈے نے پھر فتح کا پرچم لہرایا۔

اسلام کے خلاف عیسائیت کا اتحاد | ہونیا ڈے کی فتح اور ترکوں کی شکست نے یورپ بھر کی حکومتوں کے سمند

آرزو پر تازیلے کا کام کیا۔ اور یورپ سے ترکوں کو خارج کر دینے کے لئے طاقتور صلیبی اتحاد کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس اتحاد میں ہنگری۔ پولینڈ۔ ولاچیا۔ بوسنیا اور سرویہ کی حکومتیں شامل ہوئیں۔ جرمنی اور فرانس نے توہوں سے امداد کی۔ یورپ کے ہر ملک نے کثیر تعداد میں نبرد آزما سپاہی روانہ کئے۔ پوپ نے اسے اسلام کے خلاف عیسائیت کی جنگ قرار دے کر سب سے زیادہ فوجی اور مالی امداد بہم پہنچائی۔

ترکوں کی ناکامی | مراد کرمانیہ کی آتش بغاوت فرو کرنے کے لئے ایشیائے کوچک میں تھا۔ اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر

سچی فوج نے ۱۲۲۳ء میں بمقام نیش عثمانی فوج کو بچا دکھایا۔ پھر ہونیا ڈے نے صوفیا پر قبضہ کر کے فلیو پولس پر چڑھائی کی تیاری شروع کی۔ کوہ بلقان کے دامن میں ترک ایک مرتبہ اور مقابلے کے لئے بڑھے۔ لیکن پھر بھی ناکام رہے اور ہونیا ڈے نے بودا کی طرف مراجعت کی۔

صلح | ۱۲۔ جولائی ۱۲۲۳ء کو ریجیڈین میں مراد نے دس سال کے لئے اتحادیوں سے صلح کر لی۔ جس کے رو سے سرویہ دولتِ عثمانیہ کے حلقہ اقتدار سے آزاد کر دیا گیا۔ ولاچیا ہنگری کو دے دیا گیا۔ اور مراد نے ساٹھ ہزار دوکات عثمانی جرنیل محمد چلیپی کا زرِ فدیہ ادا کیا۔

حکومت سے مراد کی بے تعلقی | بیس بائیس سال کی متواتر جنگ و پیکار کے باعث مراد امورِ مملکت سے

بیزار ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ باقی زندگی امن و سکون سے بسر کرنا چاہتا تھا

صلح نامہ مذکور کے بعد جب وہ ایشیائے کوچک میں واپس گیا۔ تو اس کے قابل و شجاع فرزند اکبر شہزادہ علاء الدین کی خبر وفات اس کے خرمین قرار پر بجلی بن کر گری۔ مراد اس صدمے سے ایوانہ سا ہو گیا۔ اور اس نے ہمیشہ کے لئے ترک حکومت کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ اپنے دوسرے ۱۲ سال بیٹے محمد کو تخت نشین کر کے ریاست ایدین میں مقیم ہو گیا۔

تخت سے مراد کی کنارہ کشی کی خبر یورپ کے عیسائیوں کا نقش عہد

گوشے گوشے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور عیسائیوں کے گھروں میں عیش و طرب کے شادیاں بچنے لگے۔ ہنگری کی مجلس قومی نے اس معاہدے کو پارہ پارہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تحریک خداداد کی روح ورواں کا رڈ ٹیل جولین تھا۔ جو پوپ کی کٹی تائید سے نقض عہد پر اصرار کر رہا تھا۔ حالات عیسائیوں کے لئے سازگار تھے۔ جب شاہ ہنگری نے صلح نامے کی خلاف ورزی میں اظہارِ تامل کیا۔ تو جولین نے اس فتوے سے اس کے لب پر ہر سکوت لگا دی۔ کہ غیر عیسائیوں کے ساتھ معاہدے کی پابندی نہ کرنی چاہئے۔ ہنگری کی مجلس قومی کے بعض ارکان کا جوش مخالفت بھی اسی فتوے سے ٹھنڈا کر دیا گیا۔ اس نے مجلس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:-

”کیا تم اس موقع پر ان امیدوں کو پرزے پرزے کر دو گے۔ جو لوگوں نے تمہارے ساتھ وابستہ کر رکھی ہیں۔ اور اس خوش نصیبی سے فائدہ نہ اٹھاؤ گے۔ جو تمہیں نصیب ہوئی ہے۔ تمہارا معاہدہ تمہارے خدا اور تمہارے مسیحی بھائیوں کے ساتھ ہے۔ اور وہ سابق عہد و پیمانے اس نا عاقبت اندیشانہ اور مخالف مذہب معاہدے کو ساقط کر دیتا ہے۔ جو مسیح کے دشمنوں سے کیا گیا ہو۔ دنیا میں اس کا نائب پاپائے روم ہے۔ جس کی اجازت کے بغیر تم نہ کوئی وعدہ کر سکتے اور نہ اسے پورا کر سکتے ہو۔ اس کی جانب سے میں تمہیں

دروع حلفی سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے تمھاری فوج کو برکت دیتا ہوں شہرت اور نجات کی راہ پر میرے نقش قدم پر چلو۔ اور اگر اب بھی تمھیں کچھ پس و پیش ہے تو میں اس گناہ کا وبال اپنے سر لیتا ہوں۔“

لین پول کہتا ہے۔ کہ ”جس طریقے سے یہ قداری عمل میں لائی گئی۔ اس سے زیادہ بڑی بات یورپ کے سو رماؤں اور ایک بڑے سپہ سالار کی شہرت کے لئے تصویر میں بھی نہیں آسکتی۔“

جب عثمانی فوجیں مندرجہ صدر قلعوں وغیرہ سے نکل آئیں۔ اور اتحادیوں نے صلح نامہ سے کماحقہ جلب منفعت کر لیا۔ تو یکم ستمبر کو شاہ لاڈ سلاس۔ کارڈینل جو لین اور ہونیڈے میں ہزار فوج لے کر دولت عثمانیہ کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے پھل کھڑے ہوئے۔ ترک اس جبل و زور سے قطعاً آگاہ نہ تھے۔ اس لئے انھیں اکثر قلعوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ترکی دستے فنا کے گھاٹ اتار دئے گئے۔ پھر دشمن نے جنوب کی طرف سے فاتحانہ یلغار کرتے ہوئے وارنا پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں بھی ترک بے خبری کے باعث تیار نہ تھے۔ مجبوراً انھیں گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ اور وارنا پر بھی سچی پھر برا اڑانے لگا۔

مراد نے اپنے ہونا خواہوں کے مشورے سے عالیس ہزار سرباز و **معرکہ وارنا** تجربہ کار مجاہدین کا لشکر جرار لے کر اتحادیوں کو ناک چتے چھوانے کے لئے پیش قدمی کی۔ اور وارنا کے قریب ڈیرہ ڈال کر جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔

ادھر ہونیڈے فتح و کامرانی کے نشے میں بدست ہوا کے گھوڑے پر سوار مراد پر حملہ کرنے کو نکل کھڑا ہوا۔ ۱۰ نومبر ۱۴۴۴ء کو طرفین میں مقابلہ شروع ہو گیا۔ پہلے پہلے عیسائیوں کا پلہ بھاری رہا۔ لیکن پھر مراد نے تخت یا تختے کے زریں اصول کو سامنے رکھتے ہوئے مینی چری کی ہمت افزائی کی۔ اور دیکھتے دیکھتے ہوا کا رخ پلٹ گیا۔ عیسائی زک اٹھا کر پیچھے ہٹنے لگے۔ لاڈ سلاس کا سر قلم کر کے نیزے پر چڑھایا

گیا۔ ہونیٹے جان بچا کر کھاگا۔ اور اتحادی لشکر کا دو تہائی حصہ گاجرمولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ کارڈنیل کی نقش مکانات عمل کی عبرت ناک مثال پیش کر رہی تھی۔ اگرچہ ترکوں کی اس فتح سے ہنگری تو فوراً زیر نگیں نہ لایا جاسکا۔ لیکن سرویہ اور بوسینیا پوری طرح مسخر کر لئے گئے۔

اس کے بعد مراد نے عنان حکومت پھر شہزادہ محمد کے ہاتھ میں چیری کی سرکشی میں دے کر ایدین میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اب کے بھی

اسے تخت سے کنارہ کشی رہا اس سے آئی۔ کیونکہ خود بینی چیری نے محمد کی تو عمری سے قائدہ اٹھا کر علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور اور نہ میں لوٹ مار کی قیامت برپا ہو گئی مراد کو اصلاح حالات کے لئے مجبوراً پھر زمام سلطنت ہاتھ میں لیتی پڑی۔ اور اس کے اور نہ پہنچنے پر بدامنی کے انگارے امن و سکون کے پھولوں میں تبدیل ہو گئے۔

شہنشاہ قسطنطنیہ کے بھائیوں کی چیرہ دستیوں سے ہمدہ برآ ہونے موریا کی تسخیر کے لئے مراد نے موریا کا رخ کیا۔ اور آسانی سے صورت حالات

پر قابو پا لیا۔ ان دونوں بھائیوں نے ہر اطاعت خم کرتے ہوئے ادائے خراج منظور کیا۔ اور موریا پر قبضہ کر لیا۔

ہونیٹے جوش انتقام میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اور کسودا کا دوسرا معرکہ کافی عرصے میں اسی ہزار کی زبردست فوج جمع کر کے

سرویہ میں آدھکا۔ سرویہ اور بوسینیا نے کھلی غداری کا ثبوت دے کر اپنی اپنی فوجیں میدان جنگ میں اتار دیں۔ تین روز تک گھمسان کارن پڑا۔ آخر ۱۲۲۸ء کو مراد نے دشمن کی فوج کے چھلکے چھڑا کر اسے شکست فاش دی۔ سرویہ کو آزادی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اور اسے دولت عثمانیہ سے ملحق کر لیا گیا۔ بوسینیا نے ادائے خراج کی شرط پر اظہار اطاعت کیا۔

مراد کے آغاز حکومت میں البانیہ کی ایک ریاست سکندر بک کی غداری کے امیر جان کستریو نے دولت عثمانیہ کی اطاعت

قبول کر کے اپنے چار بیٹے بطور ضمانت سلطان کے پاس روانہ کر دئے تھے۔ تین تو عالم طفلی ہی میں وفات پا گئے۔ چوتھا جارج کسٹریو زندہ رہا۔ مراد نے اسے اسلامی تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے ایک سنجی کا حکم بان بنا دیا۔ اور اسے سکندریہ کا لقب عطا فرمایا۔ جان کسٹریو کی وفات پر مراد نے اس کی ریاست دولت عثمانیہ سے لٹحق کر لی۔ تو سکندریہ آگ بگولا ہو گیا۔ لیکن اس دفعہ ضبط کا دامن تھام کر موقع کا منتظر رہا۔ اور ۱۸۰۱ء میں عثمانی لشکر کی ہزیمت کو غنیمت سمجھ کر ریاست کو زیر تسلط لانے پر تہل گیا۔ چنانچہ اس نے فریب و تشدد سے کام لیتے ہوئے البانیہ کا رخ کر کے آج حصار پر دست تصرف دراز کیا۔ اور اپنے ارمداد کا اعلان کر کے عیسائیت کی حمایت اور البانیہ کی آزادی کے لئے خدمات پیش کیں۔ اس طرح وہ سرداران البانیہ کی مدد سے بہت سے قلعوں پر قابض ہو کر فاتحانہ حیثیت سے اپنے آبائی مقبوضات میں داخل ہوا۔ تمام قومی اجرانے اس کے آگے سرطانت خم کر دیا۔ اور وہ ۲۵ سال تک ترکوں سے جنگ کرتا رہا۔

اخلاق و عادات | اہل عثمان کا مخالف اور مشہور متعصب نکتہ ہمیں لارڈ ایورسٹ مراد کے عہد حکومت پر رائے ترقی کرتے ہوئے رقم طراز ہے۔

اس کی حکومت پر نظر ڈالنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا۔ کہ اس نے سلطنت کو بہت دینے کے لئے لڑائیاں کیں۔ تقریباً ہر جنگ کے لئے وہ مجبور کیا گیا۔ تین مرتبہ ہیرکرن نے اس کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ ہر دفعہ مراد نے اسے نیچا دکھایا۔ کرابینہ کو صرف ایک باج گزار ریاست بنالینے پر قناعت کی۔ اور اس کی آزادی سلب کر کے اسے سلطنت میں جذب کر لینے پر اصرار نہ کیا۔ یہ دکھایا جا چکا ہے۔ کہ شہنشاہ قسطنطنیہ کا طریق عمل کیسا خدازانہ تھا۔ اور امر اس کے دائرہ مقبوضات کو تنگ سے تنگ کر دینے میں کس قدر حق بجانب تھے۔ اسی طرح سالونیکا پر بھی مراد کی پورش جب شہر جمہوریہ دینس کے ہاتھ میں تھا۔ بالکل جائز تھی۔ کیونکہ شہنشاہ قسطنطنیہ کو اسے فروخت کرنے اور یوں ایک غیر حکومت کو وہاں قدم جمانے کی جگہ دینے

کا کوئی حق نہ تھا۔ شمالی سرحد پر جو لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں مراد کو اہل ہنگری اور ان کی حلیف مسیحی طاقتوں کے جارحانہ اقدام سے مجبور ہو کر میدان میں آنا پڑا۔ اتحادیوں نے تلوار سے فیصلہ چاہا۔ اور فیصلہ ان کے خلاف ہوا۔

گیبن ایک ترک مورخ کا بیان یوں نقل کرتا ہے :-

”سلطان مراد نے ۲۹ سال کی عمر پائی۔ اور تیس سال چھ مہینے آٹھ دن سلطنت کی۔ وہ ایک منصف بہادر فرماں روا تھا۔ نہایت کشادہ قلب۔ مستقل مزاج۔ عالم رحم دل۔ پابند مذہب اور فیاض۔ وہ اہل علم اور کسی علم یا فن میں کمال رکھنے والے تمام اشخاص سے محبت اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا۔ وہ ایک نیک شہنشاہ اور عظیم المرتبت سپہ سالار تھا۔ کسی شخص نے مراد سے زیادہ یا اس سے بڑی فتوحات حاصل نہیں کیں۔ اس کے عہد حکومت میں سپاہی ہمیشہ فتح مند تھا۔ اچھے شہری خوش حال و مامون۔ جب وہ کسی ملک کو فتح کرتا۔ تو سب سے پہلے وہاں مسجدیں۔ کارواں سرائیں۔ ہسپتال اور مدرسے تعمیر کراتا۔ ہر سال وہ ایک ہزار طلائی سکہ سادات کی نذر کرتا۔ اور ڈھائی ہزار مگرہ معظمہ۔ مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے دیدار لوگوں کے لئے بھیجتا۔“

اس کے بعد گیبن اپنی ذاتی تحقیق اس طرح درج کرتا ہے :-

”مراد کے عدل و انصاف اور تحمل کی تصدیق اس کے طرز عمل اور خود عیسائیوں کی شہادت سے ہوتی ہے۔ جن کا خیال ہے۔ کہ اس کے عہد کی آسودگی اور اس کی پرسکون موت اس کے غیر معمولی محاسن کا صلہ تھی۔ اپنی عمر اور فوجی طاقت کے دوہر شباب میں بھی اس نے شاذ ہی کسی میدان جنگ میں قدم رکھا۔ جب تک پہلے دشمنوں کی طرف سے اسے جنگ کے لئے کافی طور پر برا لگینے نہ کیا گیا۔ دشمن کے مطیع ہو جانے کے بعد قانع سلطان اپنے ہتھیار کھول کر رکھ دیتا تھا۔ اور صلح ناموں کی پابندی میں اس کا عہد ناقابل شکست و مستحکم تھا۔ حملے کی ابتداء عموماً اہل ہنگری کی طرف سے ہوا کرتی تھی۔ سکندر یک کے خلاف اسے اشتعال

خود سکندر یک کی بغاوت کے باعث پیدا ہوا۔ اور کرانیہ کے غدار امیر کو عثمانی سلطان نے دوبارہ زیر کیا۔ اور دونوں مرتبہ معاف کر دیا۔ قبل اس کے کہ موریا پر چڑھائی کرے۔ تھیبز پر موریا کا فرماں روا اچانک حملہ کر چکا تھا۔ جہاں تک سالونیکا کی فتح کا تعلق ہے۔ بایزید کا پوتا اہل وینس کی تازہ خریداری کو زیر بحث لاسکتا تھا۔ اور قسطنطنیہ کے پہلے محاصرے کے بعد سلطان کو کچھ بھی پلوی لوگس کی مصیبت۔ غیر حاضری یا اذیتوں کی بنا پر سلطنت یا رنطینی کے بچھڑنے چوان کو نکل کر دینے کی ترغیب دہی۔

محمد فاتح

۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۱ء

مراوستانی کے بعد اس کا بیٹا محمد فاتح ۱۴۵۱ء میں بمقام اورن تحت نشین ہوا اور مینی چری کو خوش کرنے کے لئے انعامات تقسیم کئے۔

محمد ثانی نے تاج سلطنت سر پر رکھے ہی فتنہ و شر شیرخوار بھائی کا قتل سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے شیرخوار بھائی کو حوض میں غرق کرادیا۔

شہنشاہ قسطنطنیہ سے آویزش سلطان بایزید یلدرم کا پوتا اور خاں قسطنطنیہ میں نظر بند تھا۔ اس کے مصارف سلطان

ادا کرتا تھا۔ قسطنطنیہ کے فرماں روا قسطنطین یازدہم نے اس رقم میں اضافے پر زور دیتے ہوئے یہ انتباہ بھی کر دیا۔ کہ اگر یہ اضافہ منظور نہ کیا گیا۔ تو اور خاں میدان مقابلہ میں اتر آئے گا۔ محمد ثانی ان دنوں ایشیائے کوچک میں آتش بغاوت فرو کرنے میں مشغول تھا۔ اس نے باز نطینی سفراء کو حسن تدبیر سے خصت کر دیا۔

یورپ میں دولت عثمانیہ کے استحکام کے لئے قسطنطنیہ پر قبضہ ہونا نہایت ضروری تھا۔ جب تک اس اہم مقام پر عیسائیوں کا تسلط قائم رہتا۔ ایشیا اور یورپ میں عثمانی مقبوضات کا درمیانی تعلق کسی طرح محفوظ نہ ہو سکتا تھا۔ لہذا جب ترکان عثمانی نے سمرزمین یورپ کو اپنی جوالان گاہ بنایا، اسی وقت سے اس شہر کو زیر نگین کرنا ان کا صلح نظر قرار پایا۔ یہ وجہ بجائے خود محمد ثانی کو اس ہم کا بیڑا اٹھانے کے لئے کافی تھی۔ اسی قسطنطنیہ کی تہدید اس کے توسل یورش کے لئے تازینہ ہو گئی۔

محمد ثانی نے پہلے ایشیائے کوچک کی ملکہ قسطنطنیہ پر یورش کی تیاریاں | کو شورشوں کے رفع کرنے سے صاف کیا

امیر کرمانیہ اور یونیاڈے سے پیمان صلح استوار کیا جس سے شمالی یورپ کی حد تک خطرے سے خالی ہو گئی۔ پھر موریا میں ایک قوج بولند کی تارک شہنشاہ کے حکم مان بھگتانی اس کی امداد کر سکیں۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ یاسفورس گئے پور بی ساحل اور قسطنطنیہ سے کوئی پانچ میل گئے فاصلے پر ایک نہایت مضبوط قلعے کی تعمیر شروع کر دی۔ جو ۱۶۵۲ء کے موسم سرما سے پہلے مکمل ہو گیا۔ اب آبنائے یاسفورس ترکوں کا پورا پورا قبضہ تھا۔

قسطنطنیہ کی فتح کے لئے ضروری تھا۔ کہ ان تین دیواروں کو توڑ پھونڈ کر رکھ دیا جائے۔ جو مغربی جانب سے اس کی حفاظت کر رہی تھیں۔ محمد ثانی نے اس مقصد کے حصول کے لئے نہایت زبردست توپیں بنوائیں۔ علاوہ میں محاصرے کے لئے ۱۸ جہازوں کا ایک بیڑا بھی تیار کرایا۔

قسطنطنیہ کی طرف سے مدافعت | اور قسطنطنیہ بھی مدافعت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اس نے مغربی یورپ

کے حکمرانوں سے ستمناہ کی۔ اور یورپ کی انتہائی اعانت حاصل کرنے کے لئے کلیسا قسطنطنیہ کو کلیسائے روم سے لٹق کر دیا۔ اس تجویز سے یونانی پادری بے حد مشتعل ہوئے۔ اور شہنشاہ کی رعایا کا بہت سا حصہ اس سے کٹ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صرف

چھ ہزار یونانیوں نے اس ہم کے لئے پیش قدمی کی۔ مغربی یورپ نے بھی برائے نام امداد کی۔ اور فلسطین کی ساری فوج کی تعداد نو ہزار سے آگے نہ بڑھ سکی۔

۶۔ اپریل ۱۲۵۳ء کو محاصرے کا آغاز ہوا۔ چند دن کے بعد ایک چھوٹی سی بحری جنگ پیش آگئی۔ جس میں عثمانیوں کو زک اٹھانی پڑی۔ اب محمد ثانی نے محاصرے کو سخت کر دینے کے لئے ایک حیرت انگیز تدبیر سوچی۔ باسفورس اور بندرگاہ قسطنطنیہ کے درمیان پانچ میل کا فاصلہ ہے۔ اس نے یہاں چوبی تختوں کی ایک سڑک بنوا کر اس پر اچھی طرح چربی مل دی۔ اور راتوں رات ۸۰ کشتیاں بیلوں سے کچوا کر بندرگاہ کے اس حصے میں پہنچادیں۔ اب یہ حصہ بھی حملے کی زد میں آگیا۔

۲۹۔ مئی ۱۲۵۳ء کو نماز فجر کے بعد حملہ شروع ہوا۔ اور کچھ دیر تک مقابلہ ہونے کے بعد محمد ثانی نے یہی چری فوج کو لے کر پیش قدمی کی۔ یونانی اس تازہ حملے کی تاب نہ لاسکے۔ اور قسطنطنین نے یکر نا امید کی حالت میں لڑتے ہوئے جان دی۔

محمد فاتح کا داخلہ | اسی روز ظہر کے قریب سلطان محمد فاتح شہر میں داخل ہوا۔ اور سینٹ صوفیا کے گرجے میں اقامت ثلاثہ کا خاتمہ کر کے خدائے واحد کا نام بلند کیا۔ یورپی سلطنتوں نے ایسے موقعوں پر وحشیانہ مظالم کی جو ہولناک مثالیں پیش کیں۔ ان کے مقابلے میں ترکوں نے قسطنطنیہ میں داخل ہوتے وقت گویا کچھ بھی نہ کیا۔ لاریب پہلے توفیح کے نشے میں قتل عام شروع کر دیا۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دئے۔ تو فی الفور تلواریں نیام میں کر لیں۔ اور مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اس باب میں ایورسے رقم طراز ہے:-

” اگرچہ سلطان اور اس کے سپاہیوں نے بہت سے مظالم کئے۔ اور یونانیوں کی پوری جماعت پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فتح قسطنطنیہ

کے موقع پر ویسی نفرت انگیز بد مستیوں کا مظاہرہ ہوا۔ عیسیٰ مسیحؑ میں دیکھی گئی تھی۔ جب عمار بن صلیبی نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ داخلے کے ابتدائی چند گھنٹوں کے بعد اس موقع پر کوئی قتل عام نہ ہوا۔ آتش زنی بھی زیادہ نہ ہوئی۔ سلطان نے گرجاؤں اور دوسری عمارتوں کو محفوظ رکھنے میں پوری کوشش کی۔ اور وہ اس میں کامیاب رہا۔

یکم جون ۱۲۵۳ء کو سلطان محمد فاتح نے امن عام کا اعلان
محمد فاتح کی رواداری کیا۔ اور قسطنطنیہ سے بھاگے ہوئے تمام عیسائیوں کو

مراجعت کی دعوت دی۔ اس نے ان کی جانی و مالی حفاظت کا ذمہ لیتے ہوئے انھیں اپنے کاروبار میں بدستور مشغول ہو جانے پر آمادہ کیا۔ پھر بطریق کلیسا کو اس کے منصب پر بحال کر کے کلیسا کی سرپرستی خود قبول کی۔ اور ایک خاص فرمان کے ذریعہ سے یونانی بطریق کی ذات کو محترم قرار دیتے ہوئے اس کے کلیسا کے دوسرے عہدہ داروں کو تمام ٹیکس معاف کر دئے گئے۔ اسی فرمان کے مطابق یونانیوں کو ان کے نصف گرجے واپس دے دئے گئے۔ اور مذہبی رسوم ادا کرنے کی کُلّی آزادی عطا کر دی گئی۔ دیگر اہم مذہبی مراعات بھی کشادہ دلی سے دے دی گئیں۔

اس سلسلے میں پروفیسر آرنلڈ اپنی مشہور کتاب "دعوت اسلام" میں رقمطراز ہیں

"سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے اور شہر میں امن ہونے کے بعد پہلا انتظام یہ کیا۔ کہ یونانی کلیسا کا حامی اور سرپرست بنا۔ تاکہ عیسائی اس کی اطاعت قبول کریں۔ عیسائیوں پر سختی ہونے کی ممانعت کر دی۔ اور ایک فرمان جاری کیا جس کے مطابق قسطنطنیہ کے نئے بطریق اور اس کے جانشینوں اور ماتحت اسقفوں کو قدیم اختیارات جو حکومت سابقہ میں انھیں حاصل تھے۔ دے دئے گئے جو ذریعے ان کی آمدنی کے تھے۔ وہ بحال ہوئے۔ اور جن قواعد سے وہ مستثنیٰ تھے۔ ان سے بدستور مستثنیٰ کئے گئے۔ گنا دیوس کو جو ترکوں کی فتح کے بعد قسطنطنیہ کا پہلا بطریق ہوا۔ سلطان نے اپنے ہاتھ سے وہ عصا عنایت فرمایا۔ جو اس کے

منصب کا نشان تھا۔ ہزار اشرافیوں کا ایک خریطہ اور پڑھکٹ سامان والا ایک گھوڑا سے دیا۔ نیز اجازت دی۔ کہ وہ اپنے قدیم سامان جلوس کے ساتھ شہر میں سوار ہو کر دورہ کرے۔ ترکوں نے صرف یہی نہیں کیا۔ کہ کلیسا کے سب سے بڑے افسر کی وہی عزت و وقعت قائم رکھی۔ جو اسے عیسائی شہنشاہان روم کے وقت میں حاصل تھی۔ بلکہ عدالت کے وسیع اختیارات بھی اسے دئے۔ بطریق قسطنطنیہ کی عدالت ایسے تمام مقدمات کا جس میں فریقین عیسائی ہوں۔ فیصلہ کرتی تھی۔ جرمانہ کرنے اور مجرموں کو قید کی سزا دینے کے اختیارات جس کے لئے علیحدہ قید خانے بنے ہوئے تھے۔ اور حالات میں سزائے موت کے حکم دینے کا بھی اختیار اسے حاصل تھا۔ وزرائے سلطنت اور ترکی حکام کو ہدایت تھی۔ کہ اس عدالت کے فیصلوں کی تعمیل کریں۔ سابقہ عیسائی سلطنت نے رعایا کے مذہبی امور میں گوناگوں دست اندازیاں کی تھیں۔ لیکن ترکوں نے ان میں کچھ دخل نہ دیا۔ بطریق اور اس کی مذہبی مجلس کو مذہب اور مذہبی انتظامات کے باب میں کئی اختیارات حاصل ہوئے۔ بطریق کو اختیار حاصل تھا۔ کہ مذہبی مشوروں کی مجلس کو جب چاہے قائم کرے اور اس کے ذریعے سے عیسوی فقہ اور اصول کے تمام مسائل کو سلطنت کی مداخلت کے بغیر طے کرے۔ اور چونکہ ایک حیثیت سے وہ سلطانی عہدہ دار بھی تھا۔ اس لئے اس کے اختیار میں تھا۔ مصیبت زدہ عیسائیوں کی حالت کی اصلاح اس طرح کرے۔ کہ سلطان کو غیر منصف ترکی گورنروں کے کاموں سے مطلع کرے۔ ضللع کے یونانی اسقفوں کی بھی بہت عزت تھی۔ اور عدالتی اختیارات انھیں اس قدر دئے گئے تھے۔ کہ موجودہ زمانے تک انھوں نے اپنے علاقوں میں عیسائیوں پر ترکی حاکموں کی طرح حکومت رکھی۔“

یورسلے کہتا ہے :-

”معد کی یہ عظیم الشان رواداری اس عہد کی سچی یورپی حکومتوں کی سیاسی اخلاقیات سے بہت آگے تھی۔ اہل ہسپانیہ نے ان مسلمان مراکشوں کو جنھوں

نے اپنے گرفتار کرنے والوں (عیسائیوں) کا مذہب اختیار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے ملک سے نکالتے وقت اس کے نمونے پر عمل نہیں کیا تھا۔ یونانیوں یا قسطنطنیہ کے دوسرے باشندوں کو ترغیب یا جبر سے مسلمان بنانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔

قسطنطنیہ کی رونق و خوش حالی | محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو نئے سرے سے آگے

بہت سے باشندوں کو جو وہاں سے بھاگ گئے تھے، واپس طلب کر کے آباد کیا۔ دولت عثمانیہ کے مختلف علاقوں سے کثیر التعداد یونانیوں، یہودیوں اور ترکوں کو قسطنطنیہ میں بسایا۔ علاوہ بریں ہر جدید فتح کے موقع پر مفتوحہ علاقوں کے بے شمار باشندوں کو پایہ تخت میں طلب کر کے وہاں آباد کرتا تھا۔ اس کے دور حکم رانی کے خاتمے پر قسطنطنیہ اپنے آخری یونانی حاکم کے عہد سے کہیں زیادہ آباد۔ پُر رونق و آسودہ حال تھا۔

پایہ تخت | محمد ثانی سے قبل گیارہ مرتبہ سلاطین اسلام قسطنطنیہ کا محاصرہ کر چکے لیکن فتح کا سہرا اسی کے سر رہا۔ اور اسی نے اسے دولت عثمانیہ کا پایہ تخت بنایا۔

جامع ایوبیہ | قسطنطنیہ کی فصیل کے ساتھ ہی حضرت ایوب انصاریؓ کا مزار ہے۔ یہاں سلطان نے جامع ایوبیہ کے نام سے ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی۔ اب یہ دستور ہو گیا کہ تخت نشینی کی تقریب اسی مسجد میں جا کر منائی جائے گی۔

دوسری فتوحات | قسطنطنیہ کی فتح سلطان محمد ثانی کا سب سے بڑا زریں کارنامہ ہے۔ جو اس کے تاج سطوت و عظمت میں ڈر شہوار بن چمک رہا ہے۔ اور اسی نمایاں امتیاز نے اسے فاتح کے لقب سے مشہور کیا۔ بریں اس نے اپنے عہد حکومت میں دوسری متعدد شاندار فتوحات بھی حاصل

اس کے حسن جاہ و جلال کو چار چاند لگا رہی ہیں۔

یونان ۱۲۵۲ء میں محمد ثانی نے یونان کی طرف باگ اٹھائی۔ لیکن وہاں کے دونوں حکمرانوں نے جو قسطنطین کے بھائی تھے۔ سلطان کے پہنچنے کا انتظام کئے بغیر اپنے سفیروں کی وساطت سے اظہارِ اطاعت کیا۔ اور ہر سال بارہ ہزار بکات خراج ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔

سرویہ اسی سال محمد نے سرویہ کا رخ کیا۔ اور سمندریہ پر یورش کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ بادشاہ بھاگ گیا۔ ہونیادے نے امداد کے لئے قریبی ترکوں کے ہراول دستے کو سپا کیا۔ لیکن اہل سرویہ عثمانی غلبہ کو نگرہ کی تسلط سے کہیں بہتر سمجھتے تھے۔ اس لئے شاہ سرویہ نے پیمانِ صلح باندھ بیس ہزار دوکات سالانہ خراج ادا کرنا منظور کیا۔

خراد کا محاصرہ اگلے سال پھر محمد ڈیڑھ لاکھ کاشکر جزائر اور تین سو توپیں لے کر سرویہ میں داخل ہونے کے بعد بلغراد پہنچ گیا۔ اور معاہدہ محاصرہ کر لیا۔ بلغراد اس وقت ہنگری کے زیر تسلط تھا۔ قسطنطنیہ کی فتح سے یورپ کے درو دیوار لرز گئے تھے۔ اس لئے یورپ نے صلیبی جنگ کا اعلان کر کے اپنے نمائندہ جان کاپسٹران کو ساٹھ ہزار کی فوج کے ساتھ ہنگری کی امداد کے لئے بھیجا۔ آٹھ روز تک گولوں کی موسلا دھار بارش کے بعد سلطان نے عام حملے کا فرمان صادر کیا۔ طرفین میں شدید خونریزی لڑائی ہوئی۔ آگ اور خون کا سمندر ٹھاٹھیں رنے لگا۔ پچیس ہزار ترکوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ محمد خود میدانِ کارزار میں ترنے کے باعث مجروح ہوا۔ اور محاصرہ چھوڑ دیا گیا۔ اُدھر ہونیادے زخموں سے فوراً ہو کر چل بسا۔ اور دو ماہ بعد جان کاپسٹران نے بھی وفات پائی۔

سرویہ کی فتح محمد ناکام ہو کر ادرنہ کو لوٹ گیا۔ اور محمود پاشا صدر اعظم نے دو سال میں سارے سرویہ کو فتح کر لیا۔ سرویہ کے شاہی خاندان میں خانہ جنگیوں کا طوفان برپا ہو گیا۔ جس نے ہمیشہ کے لئے ملک کی آزادی کا

بیڑا غرق کر دیا۔ آخر ۱۲۵۹ء میں سرویہ کو سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔

بوسینیا کی تسخیر | بوسینیا صدیوں سے لاطینی اور یونانی کلیساؤں کی سرحدوں کا آرائیوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا۔ لوگوں نے پریشان ہو کر ایک

تیسرے مذہب کی پیروی شروع کر دی۔ اب یہ دونوں کلیسا اس نئے فرقے کے مقلدوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے لگے۔ اور اہل بوسینیا کو دامن اسلام میں لینے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ محمود پاشا کی فاتحانہ یلغار دیکھ کر بادشاہ سپر ڈال دی۔ اور ۱۲۶۲ء میں بوسینیا دولت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔

موریا کی فتح | موریا میں طامس اور دمتریس ادائے خراج کے وعدے پر حکمرانوں کو روکے ہوئے تھے۔ بلغراد میں سلطان کی ناکامی دیکھ کر پوپ کے ارکان

پر طامس نے ادائے خراج سے انکار کر دیا۔ محمد نے اس انکار کو بغاوت کا اعلان قرار دے کر ۱۲۵۸ء میں موریا پر فوج کشی کی۔ اور علاقے پر علاقہ فتح کرتا ہوا بڑھ چلا گیا۔ طامس اور دمتریس نے صلح کر لی۔ اور محمد لوٹ آیا۔ لیکن اس کے چاہے ہی یہ دونوں فرماں روا پھر شورش آرائی پر تل گئے۔ محمد پھر پلٹ آیا۔ اور اب بڑی شدت سے حملے کر کے موریا کے سارے علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد اسے دولت عثمانیہ کا ایک صوبہ بنا لیا۔

کرمانیہ | ایشیائے کوچک میں کرمانیہ کے امیر ابراہیم کی وفات پر اس کے بیٹے نے کرمانیہ میں ریاست کے لئے رسن کشی شروع ہو گئی۔ محمد نے ریاست الیہ ہاتھ سے چھین کر خود ان پر قبضہ کر لیا۔

طرابزون اور سیلونوپ | ایشیائے کوچک میں طرابزون اور سیلونوپ کے علاقے ابھی مسخر نہ ہوئے تھے۔ محمد نے سیلونوپ پر یونان

کی۔ اور اسمعیل بیگ نے مقابلے کی تاب نہ لا کر ہتھیار ڈال دئے۔ ۱۲۶۱ء میں محمد نے طرابزون کو فتح کر کے دولت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔ ایشیائے کوچک کے اطراف و اکناف میں عثمانی پرچم لہرانے لگا۔ ساحل بحیرہ

پر جنوا کے علاقے بھی مسخر کر لئے گئے۔

یونانی مجمع الجزائر | محمد نے یونانی مجمع الجزائر پر فوج کشی کر کے لیبوس۔ لمنوس
سیڈالونیا اور یوبیا کو بھی زیر نگیں کر لیا۔

فتح کریمیا کا شاندار کارنامہ | دوسرے اسباب کے علاوہ کریمیا پر حملہ کرنے کا
ایک بہت بڑا سبب اس کا محل وقوع بھی تھا۔

اور محمد جانتا تھا۔ کہ کریمیا پر قبضہ کئے بغیر عثمانی مقبوضات کا پورا پورا تحفظ غیر ممکن ہے
چنانچہ ۱۲۷۵ء میں سلطنت عثمانیہ کے مشہور سپہ سالار احمد کدک پاشا نے ایک زبردست
جنگی بیڑے اور چالیس ہزار لشکر جزائر کے ساتھ پہلے کافہ پر دھاوا کیا۔ اس کے مسخر
ہوتے ہی پورا ملک ترکوں کے قبضے میں آ گیا۔ اور کریمیا کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا۔

ولاچیا میں رفع بغاوت | ولاچیا کے امیر ولاد چہارم نے سلطان کے خلاف
علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور عثمانی تاجروں کو وحشیانہ

طریق سے قتل کرادیا۔ جب اس کی درندگی اور ہولناک مظالم سے ترپنے والے
ستم رسیدوں کی فلک پاش چیخوں سے قسطنطنیہ کے ایوان حکومت کے ستون
لرزنے لگے۔ تو سلطان ایک عظیم الشان لشکر لے کر اس کی گوشالی کے لئے نکلا لیکن
حملے سے پہلے ہی ولاد نے اظہار اطاعت کر لیا۔ اور محمد لوٹ آیا۔ ولاد نے موقع
پاکر ہنگری سے ساز باز کرتے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی سے پھر سرکشی پر مگر
باندھ لی۔ اور درد انگیز ظلم و تشدد کی رفتار تیز سے تیز تر کر دی۔ اس پر سلطان ڈیڑھ
لاکھ کا لشکر جزائر لے کر حملہ آور ہوا۔ اور شہر پر شہر فتح کرتے ہوئے صدر مقام بخار
پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس نے ولاد کو معزول کر کے ولاچیا کی زمام عمارت اس کے
بھائی رادول کے ہاتھ میں دے دی۔ اور یہ ریاست پھر دولت عثمانیہ کے زیر اطاعت
اس کی باج گزار ہو گئی۔

البانیہ اور ہرزگووینا | البانیہ کی تسخیر میں سکندر بک حائل تھا۔ عثمانی لشکر
اس علاقے پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا۔ تو سلطان

نے سکندربک کو البانیہ اور اپائٹرس کا حاکم مان لیا۔ لیکن چھ سال کے بعد اس کے انتقال پر البانیہ اور اپائٹرس کے علاوہ ہرزگووینا کا علاقہ بھی مسخر کر کے دولت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔

سکندربک کی فتح و ظفر نے وینس کو بھی دولت عثمانیہ سے ٹکڑے لینے پر آمادہ کر دیا۔ اور حالات نے جلد ہی ایسی کروٹ لی۔ کہ ان دونوں میں معرکہ آرائی اٹل ہو گئی۔ ۱۴۹۳ء میں جنگ کا آغاز ہوا۔ اور سولہ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ترکوں کو فتح پر فتح حاصل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۴۹۹ء میں حکومت وینس نے مجبوراً صلح کر کے سالانہ خراج ادا کرنے کا معاہدہ کیا۔

۱۴۸۰ء میں محمد نے مسیح پاشا کو روڈس کی مہم پر بھیجا۔ روڈس میں ناکامی | اس نے بہت سے مقامات فتح کر کے روڈس کا محاصرہ کر لیا۔ عرصے تک کوئی قابل ذکر نتیجہ رونما نہ ہوا۔ تو ترکوں نے عام ہڈ بول کر عیسائیوں کے دھوئیں بکھیر دئے۔ لیکن عین داخلہ شہر کے وقت مسیح پاشا نے یہ اعلان کر دیا کہ سارا مال غنیمت سلطان کے حق میں محفوظ سمجھا جائے گا۔ اس سے فوج میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ عیسائیوں نے اس حالت سے فائدہ اٹھا کر نہایت زبردست حملہ کیا۔ اور شہر میں داخل شدہ ترکوں کو شکست دے کر باہر نکال دیا۔ ناچار محاصرہ اٹھالیا گیا۔

اٹلی کو مسخر کرنے کے لئے اس کے دروازے یعنی اوٹرانٹو کی | اوٹرانٹو کی تسخیر | فتح ضروری تھی۔ لہذا احمد کدک پاشا فوج کریمیا نے اس کی خشکی اور سمندر دونوں طرف سے زبردست حملہ کیا۔ اور ۱۱ اگست ۱۴۸۰ء کو اوٹرانٹو پر قبضہ کر لیا گیا۔

اوٹرانٹو کے بعد دوسرے سال محمد کسی نئی مہم کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کہ وفات | یکایک ۳ مئی ۱۴۸۱ء کو ۵۱ برس کی عمر میں اس نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اور قسطنطنیہ میں سپرد خاک کیا گیا۔

فوجی کمالات فوجی قابلیت کے اعتبار سے کوئی جرینل سلطان محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ وہ یہ سمجھ کر کہ جنگ میں فتح حاصل کرنے کے

لئے مازداری اور سرعت عمل لازم ہے۔ اسی اصول کا پابند تھا۔ اور یہی مسلک واقعات کی روشنی میں اسے ایک کامیاب فاتح جرینل قرار دے رہا ہے۔
علم و فضل اور ادب نوازی [لین پول رقم طراز ہے:-

”محمد کی عظمت محض فتوحات کے وسیع دائرے میں محدود نہ تھی۔ اس کی خداداد قابلیت کے جوہر رزم و بزم دونوں جگہ یکساں طور پر نمایاں تھے۔ بہترین اساتذہ کے زیر نگرانی اس نے حیرت انگیز سرعت سے علوم و فنون کی تحصیل کی تھی۔ اپنی مادری زبان کے علاوہ عربی، فارسی، عبرانی، لاطینی اور یونانی پر بھی قدرت رکھتا تھا۔ دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ میں اسے کامل دسترس تھی۔ وہ ایک عالی پایہ شاعر اور شعرو سخن کا بہت بڑا سرپرست بھی تھا۔ اس کے دربار سے تیس عثمانی شعرا و طیفہ پالتے تھے۔ اور وہ ہر سال خواجہ جہاں (ہندوستان) اور مولانا جامی (ایران) کی خدمت میں قیمتی تحفے ارسال کیا کرتا تھا۔“

اہل علم و فضل اور ارباب کمال اس کی قدردانی کے باعث دربار میں کچھ چلے آتے تھے۔ اس نے قسطنطنیہ اور دوسرے مقامات میں بہت سی مسجدیں شفاخانے اور درس گاہیں قائم کر کے ان کے مصارف کے لئے بیش قرار جامدادیں وقف کیں۔

گبن لکھتا ہے:-

”سلطان سکندر۔ افسس۔ قسطنطین اور تھیوڈوسیوس کے حالات زندگی اور کارنامے گہری دلچسپی سے پڑھا کرتا تھا۔ اس کے حکم سے یونانی سوانح نویس پلوٹارک کی مشہور کتاب جو مشاہیر یونان و رومہ کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ ترکی زبان میں ترجمہ کی گئی۔“

اخلاق و عادات | کہا جاتا ہے۔ کہ عالم و فاضل اور خادم اسلام ہونے کے

یا وجود اس کا دامن کردار معصیت کے داغوں سے پاک نہ تھا۔ مغربی مورخین اسے ظالم۔ بے اعتماد اور عیاش قرار دیتے ہیں۔ ان کا بیان ہے۔ کہ ”وہ ذرا سے اشتعال پر قتل کا حکم دے دیتا تھا۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے پاشاہوں اور وزیروں کو بھی اپنی جان کی طرف سے کبھی بے فکری نہ رہتی تھی۔“

لین پول کہتا ہے۔ کہ ”وہ نقض عہد میں اہل ہنگری کا حریت تھا۔“ شوبل لکھتا ہے۔ ”اپنے عیسائی معاصرین کی طرح محمد اس اصول کا قائل تھا۔ کہ جو عہد کفار کے ساتھ باندھا جائے۔ اس پر قائم رہنا ضروری نہیں۔“ اب محمد کے معاصرین کی آراء ملاحظہ کیجئے۔

ایورسے سلطان محمد ثانی کی بے رحمی اور عہد شکنی کے بہت سے واقعات درج کرنے کے بعد آخر میں رقم طراز ہے۔

”محمد کے مظالم اور غداروں پر ایک بلند معیار کے لحاظ سے رائے قائم کرنا شاید قرین انصاف نہیں۔ اس کے دشمن یعنی ان ملکوں کے فرماں روا جن پر اس نے حملہ کیا۔ اور جنہیں اس نے مسخر کیا۔ ان امور میں اکثر اس سے کم نہ تھے۔ سکندر تک جسے البانیہ کی وطن پرستانہ مدافعت کے صلے میں اپنے ملک کے اندر ایک ملی کی شہرت اور تاریخ میں ایک بلند مقام حاصل ہوا۔ جب کبھی اسے موقع ملتا۔ نہایت سفاک اور انتقام جو ثابت ہوتا۔ عاداتاً سیران جنگ کو قتل کرا دیتا تھا۔ اس معاملے میں موریا کے دونوں حکم ران بھی پیچھے نہ تھے۔ ولاچیا کا حاکم ولاہ تاریخ کے شدید ترین ظالم اور خونخوار بد معاشوں میں تھا۔ وہ ”اسپیلر“ یعنی جسم میں میخیں ٹھونک کر ہلاک کرنے والا مشہور تھا۔ اسے ان قیدیوں اور دوسرے مظلوموں کی جنہیں وہ اس ظالمانہ طریق سے قتل کراتا۔ مرتے وقت کی اذیت اور تڑپ دیکھنے میں خاص لطف آتا تھا۔ وہ اس غرض سے اس کی ضیافتوں کی رونق کے لئے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ ایک دفعہ جب کسی جہان نے اس امر پر اظہار تعجب کیا۔ کہ وہ ایسی موت مرنے والوں کے جسم کی بو کیونکر برداشت

کرتا ہے۔ تو اس نے اس مہمان کو فوراً سولی پر چڑھا دیا۔ اور حکم دیا۔ کہ سولی کا کھنبا دوسروں سے بلند رکھا جائے۔ تاکہ جس بو کی مہمان نے شکایت کی ہے۔ اس کی تکلیف اسے نہ پہنچے۔“

گبن لکھتا ہے:-

”اشتعال یا انتقام کے موقع پر محمد ثانی نے جو کچھ بھی کیا ہو۔ تاہم اس کی فطرت نرم و لطیف جذبات سے محروم نہ تھی۔ قسطنطنیہ کی فتح کے دن اس نے جس رحم دلی اور رقت قلب کا ثبوت دیا۔ اس کی مثال اس کے کسی ہم عصر نے کبھی پیش نہ کی۔ ڈیوک نوٹار اس جو افواج قسطنطنیہ کا کمان دار اعظم تھا۔ جب گرفتار کر کے اس کے سامنے لایا گیا۔ تو محمد نے اسے نہ صرف معاف کر دیا۔ بلکہ اپنی سرپرستی کا بھی یقین دلایا۔ اس نے ڈیوک پر یہاں تک نوازش کی۔ کہ اس کی بیوی کی عیادت کے لئے گیا۔ جو علالت اور تازہ مصیبت کے غم سے پریشان تھی۔ اور نہایت نرمی و احترام کے ساتھ جیسے کوئی لڑکا اپنی ماں کو بھائے۔ اسے تسلی و تشفی دی۔ ایسی ہی نرمی کا برتاؤ اس نے حکومت کے بڑے بڑے افسروں سے بھی کیا۔ اور ان میں سے کسی ایک کا زرقہ یہ خود ادا کیا۔ چند ہی روز میں اس کے عفو و کرم کا دامن تمام باشندگان شہر تک دراز ہو گیا۔“

نوٹار اس اور اس کے بیٹوں کے قتل پر روشنی ڈالتے ہوئے مسیحی مورخین نے محمد کو عہد شکن۔ ظالم اور عیاش ثابت کرنا چاہا ہے۔ اور اسے ملاحیاں سنا کر دل کا غبار نکالا ہے۔ لیکن گبن نے داد تحقیق دیتے ہوئے حقیقت کے چہرے سے نقاب الٹا دی ہے۔ اور ایک باز نطنی مورخ کی حق گوئی نے بہتان کے اس جال کو جو کینہ و خصومت کے تاروں سے بنا گیا تھا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا ہے۔ مسیحی مورخ ڈیوک اور اس کے بیٹوں کو شہید قرار دیتے ہوئے قتل کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اس نے اپنے بیٹوں کو سلطان کے جذبہ بوس پرستی کی تسکین کے لئے اس کے پاس بھیجنا منظور نہ کیا تھا۔ لیکن حقیقتاً یہ قتل ایک سازش کا نتیجہ تھا۔ جو نوٹار اس قسطنطنیہ کی

رہائی کے لئے اٹلی سے کر رہا تھا۔ گین رقم طراز ہے:-

”ایسی باغیاز سازش لائق تعریف ہو سکتی ہے۔ لیکن جو باغی دلیرانہ جرات کرتا ہے۔ وہ اس کی پاداش میں اپنی جان کے حق سے بجا طور پر محروم ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی فاتح اپنے دشمنوں کو قتل کر دے۔ جن پر آئندہ وہ اعتبار نہیں کر سکتا۔ تو ہمیں اسے قابل الزام قرار نہ دینا چاہئے“

سلطان محمد ثانی چاہتا تھا۔ کہ وہ ایک خود مختار بادشاہ کی طرح حکومت کرے۔ کوئی وزیر اس کے طرز سلطنت میں دخل نہ دے۔ اس نے سابق سلاطین کا یہ دستور ترک کر دیا تھا۔ کہ وزیروں اور کمان داروں سے مشورہ لیا اور انھیں شریک طعام کیا جائے۔ وہ صرف اپنی مرضی سے فرامین جاری کرتا۔ اور کسی کو دل کے راز سے آگاہ نہ کرتا۔ اکل و شرب میں بھی وہ کسی کو شامل نہ کیا کرتا تھا۔

آج تک فوجی اصلاحات کے سوا نظام حکمرانی کے ضمن میں کوئی آئین حکومت مستقل دستور وضع اور ردون نہ ہوا تھا۔ محمد ثانی پہلا سلطان ہے جس نے دستور حکومت کو باقاعدہ مرتب کیا۔ اس کے قانون نامہ کو دولت عثمانیہ کا دستور اساسی کہنا چاہئے۔

”قانون نامہ“ میں حکومت کو اس خیمے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ارکان سلطنت

جو چار ستونوں پر قائم ہو۔ یعنی (۱) وزراء سلطنت (۲) قضاة عسکر (۳) دفتر دار (خازن) اور (۴) نشان جی (معد سلطنت) اس شاہی خیمے کے بلند دروازے کو باب عالی کہتے ہیں جس سے مراد سلطنت عثمانیہ ہے۔ محمد ثانی کے عہد میں چار وزیر تھے۔ ان کا صدر وزیر اعظم تمام حکام دولت کا حاکم اعلیٰ تھا۔ سلطنت کا مہر بردار بھی وہی تھا۔ وہ اپنی قیام گاہ پر بھی وزراء کا اجلاس طلب کر سکتا تھا۔ قضاة عسکر علما میں سے مقرر کئے جاتے تھے۔ محمد کے عہد میں دو قاضی عسکر تھے۔ ایک یورپ کی۔ دوسرا ایشیا کی عثمانی عدالتوں کا صدر تھا۔ علما ہی میں سے تین بڑے حاکم مقرر کئے جاتے تھے۔

(۱) خواجہ یعنی سلطان اور شہزادوں کا اتالیق (۲) مفتی اور (۳) قاضی قسطنطنیہ۔
نشان جی کا فریضہ یہ تھا۔ کہ سرکاری دستاویزیں تیار کر کے ان پر سلطان کا طغرا ثبت
کرے۔

حکومت کی مجلس بست و کشادہ یوان کہلاتی تھی۔ سلطان کی غیبت میں
دیوان وزیر اعظم اس کا صدر ہوتا تھا۔ دوسرے وزراء اور قضاة عسکر اس کی
داہنی جانب بیٹھتے تھے۔ اور بائیں جانب دفتر دار اور نشان جی کے لئے تھی۔
محمد ثانی نے جماعت علماء کی تنظیم پر خاص توجہ مبذول کی۔ کرسی رقمطراز
علماء ہے۔

"محمد ثانی کے پیش روؤں خصوصاً اور خان کو سکولوں اور کالجوں کے قائم کرنے
کا بہت شوق تھا۔ لیکن محمد ان سب سے بڑھ گیا۔ اسی نے "سلسلہ علماء" قائم
کیا۔ اور سلطنت کے مفتیوں اور قاضیوں کی تعلیم و ترقی کا ضابطہ مرتب کیا۔ فاتح
قسطنطنیہ خوب جانتا تھا۔ کہ ایک بڑی سلطنت کے پیدا کرنے اور اسے قائم رکھنے
کے لئے جواں مردی اور فوجی بہارت کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ضروری ہیں۔
محمد نے جو خود بھی علوم میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اپنی رعایا میں تعلیم
پھیلانے کے لئے بڑی عالی حوصلگی سے کام لیا۔ وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا۔
عدالت کا نظم و نسق کما حقہ درست رکھنے کے لئے ناگزیر ہے۔ کہ قاضیوں کا احترام
قائم کیا جائے۔ اور ان کا احترام قائم کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ نہ صرف
علم و دیانت سے آراستہ ہوں۔ بلکہ سلطنت کے اذیتے اور باعزت عہدوں
پر نامور بھی کئے جائیں۔ نیز افلاس کے وسوسوں اور پریشانیوں سے محفوظ
کردئے جائیں۔"

اس مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے محمد ثانی کا مرتب کیا ہوا نظام تعلیم دینی اور
علی حیثیت کے علماء و سیاسی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ بقول مولانا شبلی مرحوم:
"پچھلے عہد میں تمام مدرسے محض مذہبی مدرسے ہوتے تھے۔ اگرچہ ان میں اور

علوم بھی پڑھائے جاتے تھے۔ لیکن ترکوں کا سررشتہ تعلیم پولیٹیکل حیثیت رکھتا تھا۔ وہ سلطنت کے لئے لائق لائق عہدہ دار پیدا کرتا تھا۔

مدرسوں کے علاوہ محمد نے اونچے درجے کی درس گاہیں بھی قائم کیں۔ جو عہد حاضر کے کالجوں کے برابر تھیں۔ ان میں صرف۔ نحو۔ منطق۔ مابعد الطبیعیات۔ لسانیات۔ بلاغت۔ طرز تحریر۔ فن خطابت۔ اقلیدس۔ ہیئت یعنی دس مضمونوں کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ ان درس گاہوں کے فاسخ التحصیل طلبہ کو "دانش مند" یعنی ایم۔ اے کی سند دی جاتی تھی۔ لیکن جماعت علما کا رکن بننے کے لئے "دانش مند" کی سند لینے کے بعد فقہ اور اصول فقہ کا ایک طویل حساب مکمل کرنا پڑتا تھا۔ اور مختلف امتحانوں میں کامیابی حاصل کرنی پڑتی تھی۔ اس جماعت میں علوم کے بلند ترین مراتب پر فائز ہونے والے اشخاص داخل کئے جاتے تھے۔ اور ایسے لوگوں کو حکومت بڑے بڑے عہدے اور منصب عطا کرتی تھی۔ نیز انھیں خاص مراعات و حقوق دئے جاتے تھے۔

خونیں قانون سلطان محمد ثانی نے قانون نامے کی ترتیب کے وقت برادر گشتی سے متعلق بھی حسب ذیل دفعہ اس میں درج کر دی۔ کیونکہ اس

نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے شیرخوار بھائی کو قتل کر دیا تھا۔

"میرے فقہا کی اکثریت نے یہ فتویٰ صادر کیا ہے۔ کہ میرے جانشینوں میں سے

جو تخت پر بیٹھیں۔ وہ دنیا کے امن و امان کی غرض سے اپنے بھائیوں کو قتل

کر سکتے ہیں۔ ان کا فرض ہوگا۔ کہ اس پر عمل کریں۔"

بایزید ثانی

۱۲۸۱ء تا ۱۵۱۲ء

سلطان محمد ثانی کے دو بیٹے تھے۔ (۱) شہزادہ بایزید حاکم اتامسا اور (۲) شہزادہ جم والی کرمانیہ دونوں لائق اور بہادر تھے۔ لیکن وزیر اعظم شہزادہ جم کا حامی تھا۔ سلطان کی وفات پر مینی چری نے وزیر اعظم کو قتل کر دیا۔ اور بایزید تخت حکومت پر متمکن ہوا۔

شہزادہ جم نے یہ تمنا ظاہر کی۔ کہ یورپی علاقے بایزید کے قبضے میں رہیں۔ اور ایشیائی مقبوضات اسے دے دئے جائیں۔ بایزید نے اسے منظور نہ کیا۔ تو شہزادہ جم نے بغاوت کر کے جنگ کی طرح ڈال دی۔ ۲۰ جون ۱۵۱۲ء کو جم شکست کھا کر مصر چلا گیا۔ وہاں سے فوج لے کر پلٹا۔ اور ایشیائے کوچک کی ترکی سرداروں کی مدد سے برسر پیکار ہوا۔ لیکن پھر ناکام ہو کر رومس پہنچا وہاں کے سردار ڈی آبوسن نے اپنی چالاکی اور غداری کی بنا پر اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ اور بایزید سے فیصلہ کیا۔ کہ وہ ۲۵۰۰۰ دوکات سالانہ کے عوض جم کو نظر بند رکھے۔ آخر چارلس ہشتم شاہ فرانس نے جم کو ڈی آبوسن کی قید سے چھڑا کر پوپ انوسنت ہشتم کے پاس روم روانہ کر دیا۔ پوپ نے ۴۰۰۰۰ دوکات سالانہ جم کی نگرانی کے معاوضے میں بایزید سے وصول کرنے شروع کئے۔ پوپ کی وفات پر سکندر بوجیا اس کا جانشین ہوا۔ اس نے ایک سفیر کے ذریعے سے جم کی زندگی کے متعلق سابق معاہدے کی تجدید کے ساتھ ہی اس دفعہ کا اضافہ کیا۔ کہ اگر وہ سلطان کو جم کے باب میں ہمیشہ کے لئے بے فکر کر دے۔ تو ۴۰۰۰۰ دوکات سالانہ کے بجائے ۳۰۰۰۰ دوکات ایک بارگی وصول کرنے کا حق دار ہوگا۔ اس دوران میں چارلس ہشتم نے اٹلی پر فوج کشی کر دی۔ اور ۳۔ دسمبر ۱۵۱۹ء کو روم پر قبضہ کر لیا۔ پھر چارلس اور سکندر کے درمیان صلح ہو گئی۔ اور ایک اہم شرط

کے مطابق جم چارلس کے ساتھ فرانس روانہ ہو گیا۔ لیکن سکندر..... ۳ دوکات وصول کرنے کے لئے قتل جم کی ظالمانہ تدبیروں میں منہمک ہو گیا۔ اور آخر کامیابی حاصل کر لی۔ بایزید نے بھائی کی نعش یورپ سے منگوا کر شاہانہ کروفر سے بروصہ میں سپرد خاک کر دی۔

ان حالات پر رائے زنی کرتے ہوئے لین پول رقم طراز ہے :-

” اس ساری غم ناک گزشت سے یہ حیرت انگیز نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ دنیائے مسیحیت میں ایک بھی ایمان دار پاشانہ تھا۔ جو قیدی پر ترس کھاتا۔ اور نہ کوئی ایسا تھا۔ جو قیدی ماسٹر (ڈی آوسن) پوپ اور چارلس ہشتم کی غیر شریفانہ اور ضمیر فروشانہ سازشوں پر نفیرین کرتا۔ ان میں سے ہر ایک فدااری اور فضیحت کے انعام کے لئے دوسرے سے مسابقت کی کوشش کر رہا تھا۔ اپنے بھائی کو محفوظ نگرانی میں رکھنے کی خواہش کرنا۔ بایزید کے لئے قابل عفو ہو سکتا ہے۔ لیکن مسیحی کلیسا کے پیشوا اعظم اور رہبانی تائٹوں کی جماعت کے سردار کی مدافعت میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے کافر کی اشرافیوں کے لئے ایک بے کس و مجبور پناہ لینے والے کو فدا دی“

اوٹرانٹو۔ ہرزگووینیا اور ہنگری | بایزید ثانی نے احمد کدک پاشا کو اوٹرانٹو سے واپس بلا کر اس کی جگہ خیر الدین پاشا کو مقرر کیا۔

وہ کافی کمک نہ پہنچنے کے باعث شہر کو ڈیوک آف کلبریا کے حوالے کر دینے پر مجبور ہو گیا۔

ہرزگووینیا ایک باج گزار ریاست تھی۔ بایزید نے اسے مستقلاً دولت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔

ہنگری سے برسوں تک آویزش جاری رہی۔ آخر طرفین میں صلح ہو گئی۔

۱۶۹۸ء میں وینس سے جس جنگ کی ابتدا ہوئی۔ وہ اہم اور نتیجہ خیز تھی | وینس | ترکوں نے موریا میں وینس کے تین بقیہ قلعوں نوارینو۔ موڈن اور کورن

بھی قبضہ کر لیا۔ بایزید ثانی نے اس ترکی بیڑے کو جو محمد فاتح ہی کے عہد میں بحیرہ

روم کی تمام بحری قوتوں پر غلبہ حاصل کر چکا تھا۔ مزید ترقی دی۔ چنانچہ ۱۲۹۹ء میں ترکی امیر البحر کمال رئیس نے ونیس کے بیڑے کو شکست فاش دے کر لیپانٹو کی بندرگاہ پر تسلط بٹھالیا۔

شہزادہ سلیم کی بغاوت | بایزید کے تین بیٹے کرکود۔ احمد اور سلیم ایشیائے کوچک کے مختلف صوبوں پر حکومت کرتے تھے

کرکود محض علمی مذاق رکھتا تھا۔ احمد بایزید کو سب سے پیارا تھا۔ اور اسی کو وہ تخت سلطانی پر بٹھانا چاہتا تھا۔ سلیم کو تشویش ہوئی۔ وہ طرابزون سے عازم قسطنطنیہ ہو کر اور زہ پتچا۔ خم ٹھونک کر مقابلے پر اتر آیا۔ لیکن شکست کھا کر یمیا چلا گیا۔ بایزید نے مینی چری کا ایک وفد طلب کر کے اس سے اس کے مطالبے کی توضیح چاہی۔ وفد نے جواب دیا۔ "ہمارا بادشاہ بوڑھا اور ناتواں ہے۔ اس لئے ہم سلیم کو تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں۔" بایزید نے موقع شناسی سے کام لے کر اعلان کیا۔ "میں اپنے بیٹے سلیم کے حق میں تاج و تخت سے دست بردار ہوتا ہوں اللہ تعالیٰ اسے ایک خوش حال عہد حکومت عطا فرمائے۔" اس کے بعد اس نے حکومت سے بے تعلقی اختیار کر لی۔ اور تین دن کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

سلیم اول

۱۵۱۲ء تا ۱۵۲۰ء

سلیم کی تخت نشینی کے وقت اس کے دونوں بھائی کرکود اور احمد ایشیائے کوچک کے دو صوبوں پر حکومت کرتے تھے۔ چند ہی روز کے بعد شہزادہ احمد والی اناطولیہ نے سرکشی پر کمر باندھ کر بروصہ پر دست تصرف دراز کیا۔ سلیم اس کی گوشالی کے لئے آیا۔ تو اس نے راہ فرار اختیار کی۔ سلیم نے بروصہ پر تسلط بٹھایا۔

لیکن اس کی فوج کے بعض افسروں نے شہزادہ احمد کے کان بھر کر پھر جنگ کے شعلے بھرا کادئے۔ پہلے پہل تو قسمت نے کسی قدر احمد کی یاوری کی۔ لیکن آخر اسے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ سلیم نے مصطفیٰ پاشا وزیر اعظم کو جواہر سے جا ملا تھا۔ پھانسی پر لٹکا دیا۔ اور اپنے پانچ بھتیجوں کو قتل کرادیا۔ شہزادہ کرکود حاکم صاروغاں نے حالات کی ہولناک رفتار دیکھ کر بھانپ لیا۔ کہ اب وہ بھی چند ہی روز کا ہمان ہے۔ لہذا اس نے جان بچانے کے لئے مینی چری سے استمداد کی۔ سلیم کو پتا چل گیا۔ تو وہ دس ہزار سواروں کے ہمراہ اس کے علاقے میں داخل ہوا۔ کرکود نے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن بے سود۔ آخر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

اس دوران میں شہزادہ احمد نے پھر ایک بار سلیم کے خلاف رزم آرائی کی لیکن ۱۵۱۳ء کی جنگ میں اس کی زندگی کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔

ایران کی تسخیر ان دنوں ایران کی زہام حکومت شاہ اسمعیل صفوی کے ہاتھ میں تھی۔ اسمعیل شیعہ تھا۔ اور سلیم سنی۔ اسمعیل کے آدمی اناطولیہ میں شیعیت کی تبلیغ کر کے لوگوں کو سلیم کے خلاف مشتعل کرتے رہتے تھے۔ سلیم فرط غیظ و غضب سے آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے اپنی مملکت کے ستر ہزار شیعوں میں سے چالیس ہزار کو تہ تیغ کرادیا۔ اور بقیہ تیس ہزار کو قید و بند میں ڈال دیا۔ اس ہولناک واقعے سے ایران کے گوشے گوشے میں غصہ و اضطراب کی سرخ آندھیاں چلنے لگیں۔ لیکن شاہ اسمعیل اپنی اور حریت کی طاقت کا اندازہ کر کے خاموش رہا۔

ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ اسمعیل نے دولت عثمانیہ کے خلاف مصر سے اتحاد کی پینگیں بڑھالی تھیں۔ لیکن سب سے بڑا سبب یہ تھا۔ کہ شاہ ایران نے شہزادہ احمد کے بیٹے شہزادہ مراد کو پناہ دینے کے علاوہ سلیم کو تاج و تخت سے محروم کر کے اس کی جگہ مراد کو سربراہ کرانے کے لئے لشکر فراہم کرنا شروع کر دیا۔

تھا۔ سلیم کو خبر ہوئی۔ تو اس نے ایران پر فوج کشی کا عزم مصمم کر کے شاہ اسمعیل کو دعوتِ جنگ دے دی۔

سلیم نے ۲۰۔ اپریل ۱۵۱۴ء کو ایک لاکھ چالیس ہزار کا لشکرِ جرّار اور تین سو نو بیس لے کر ایران کے دارالسلطنت تبریز کی طرف پیش قدمی کی۔ شاہ اسمعیل نے یہ چال چلی۔ کہ جنگ آزما ہونے کے بجائے اپنے تمام سرحدی علاقے ویران کر کے واپس چلا گیا۔ سلیم کو حصولِ رسد میں سخت مشکل پیش آئی۔ فوج نے ہمتِ اردی۔ اور آگے بڑھنے میں تردد کا اظہار کیا۔ لیکن سلیم کے پائے ثبات میں ذرا خزش نہ آئی۔ جب فوج نے کھلم کھلا پیش قدمی سے انکار کر دیا۔ تو سلیم نے اس نازک موقع پر جرات و استقلال سے کام لے کر فوج سے یوں خطاب کیا:-

”کیا اسی طرح تم اپنے سلطان کی خدمت کرتے ہو۔ کیا تمہارا ادعائے وفا محض زبانی تھا۔ جو لوگ واپس جانا چاہتے ہیں۔ وہ فوج سے علیحدہ ہو جائیں۔ اور چلے جائیں۔ لیکن میں نے تو اتنی دُور کا سفر اس لئے نہیں کیا۔ کہ یہاں سے لوٹ جاؤں۔ تم میں سے جو بزدل ہیں۔ وہ فوراً ان بہادروں سے علیحدہ ہو جائیں۔ جنہوں نے تیغ و تفتنگ اور جسم و روح کے ساتھ ہماری ہم کے لئے اپنی جانیں وقف کر دی ہیں۔“

بعد ازاں اس نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ اور ایک بھی سپاہی کو انکار کی جرات نہ ہوئی۔

۲۴۔ اگست ۱۵۱۴ء کو وادی چالدیران میں طرفین کی فوجیں معرکہ آرا ہوئیں۔ ایرانی لشکر اسی ہزار سواروں پر مشتمل تھا۔ عثمانی بہادر بارہ سو میل کی سنگلاخ اور لٹھن راہ طے کرنے کے باعث تھک کر چڑا اور ایرانی سپاہی تازہ دم تھے۔ جب ترکوں نے شدت سے گولہ باری کی۔ تو ایرانی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اور ۲۵ ہزار لاشیں میدانِ کارزار میں چھوڑ گئے۔ شاہ اسمعیل نے بھی مجروح ہو کر راہِ گریز اختیار کی۔

۲۔ ستمبر ۱۵۱۷ء کو سلیم فتح و ظفر کا پرچم لہراتا ہوا تبریز میں داخل ہوا۔ اور وہاں آٹھ دن قیام کرنے کے بعد قسطنطنیہ کی جانب لوٹا۔ اس جنگ سے دیار بکر اور کردستان کے علاقے دولت عثمانیہ میں شامل ہو گئے۔

اس کے بعد سلیم نے توجہ کاٹخ شام اور مصر کی جانب پھیر دیا۔ اُن دنوں ان علاقوں کی عنان فرماں روائی قانصوہ غوری کے ہاتھ میں تھی۔ دولت عثمانیہ اور مصر کے درمیان بایزید ثانی ہی کے وقت سے آویزش جاری تھی۔ ۱۵۱۶ء میں قانصوہ غوری نے شام کے شمالی علاقے میں ایک بھاری لشکر متعین کر دیا تھا۔ تاکہ عثمانی فوجوں کی حرکات سے آگاہی رہے۔ ایشیائے کوچک کے جنوب مشرق میں عثمانی فوج کے کمان دار سان پائٹ نے اس واقعے کی خبر سلیم کو دے کر اس رائے کا اظہار کیا۔ کہ ان حالات میں وادی فرات کی جانب کوچ کرنا پر خطر ہوگا۔ سلیم نے یہ مسئلہ دیوان میں غور و بحث کے لئے پیش کیا۔

دولت مملوکیہ اور سلطنت عثمانیہ کی آویزش
جہان اسلام کی پراگندگی
تعلق فی الواقع جہان اسلام کی عام پراگندگی
تھا۔ جس کا نقشہ مولانا سید سلیمان ندوی "خلافت عثمانیہ" میں یوں کھینچتے ہیں
"نویں صدی کے اواخر میں دنیائے اسلام کے نقشے پر نظر ڈالو۔ تو معلوم ہوگا
کہ اس عظیم الشان جمہوریت کا قالب بے جان ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔
کے دل و دماغ (خلافت مصر) کی کمزوری اور ضعف کا یہ حال پہنچا ہے۔ کہ وہ
دور کے اجزائے بدن کی تو کیا۔ آس پاس کے اعضا کی قوت کا سہارا بھی نہیں
رہے ہیں۔ بڑی بڑی سلطنتیں اور حکومتیں چھوٹی چھوٹی ریاستوں۔ امارتوں
اور ٹکڑیوں میں بٹ گئی ہیں۔ ہندوستان سے لے کر ہسپانیہ تک تمہیں یہی
کیفیت اور یہی نقشہ نظر آئے گا۔ ہندوستان کی طاقت سندھ۔ گجرات۔ مالوہ
احمد نگر۔ بیجا پور۔ برہان پور۔ بیدر۔ کشمیر۔ جون پور۔ بنگال۔ دہلی وغیرہ صوبہ دار

حکومتوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ ترکستان میں بخارا۔ بلخ۔ خوارزم۔ مرو اور کاشغر میں
 بیسیوں خان چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر حکمران ہیں۔ روس کا علاقہ کریمیا۔ قازان۔
 استراخان میں بٹ گیا ہے۔ علاقہ قفقاز میں آذربائیجان۔ داغستان۔ گرجستان
 سب بکھرے ہوئے اجزا ہیں۔ افغانستان و خراسان میں مختلف تیموری شہزادے
 اور ترکمانی امراء ادھر ادھر قسمت آزمائی کر رہے ہیں۔ عراق ایک مستقل حکومت
 ہے۔ مصر و شام میں مملوک سلطانوں کی سلطنت ہے۔ عرب چھوٹے چھوٹے
 شیوخ میں بٹا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ یمن میں تو ایک ایک شہر کا الگ الگ امیر
 ہے۔ حجاز نثر فا کے ایک خاندان کے ماتحت تھا۔ جو کبھی مصر کے زیر اثر بن
 جاتے تھے۔ اور جب کبھی موح ملتا تھا۔ امام یمن سے ساز باز کر لیتے تھے۔
 امام یمن اور سلطان مصر میں ایک سلسلہ جنگ برپا تھا۔ مصر کے پار سودان۔ طرابلس
 تونس۔ الجزائر۔ فاس کتنی ہی ریاستیں تھیں۔ ہسپانیہ کی ایک سلطنت کے
 غرناطہ۔ قرطبہ۔ طلیطلہ۔ شاطبہ۔ حمص۔ بطلیوس کتنے ٹکڑے ہو گئے تھے جن
 میں سے اب صرف ایک یاد دہانی تھی۔ غرض خانوادہ اسلام کا ایک ایک گھر
 اجڑ گیا تھا۔ اور جامعہ خلافت کا تار تار الگ ہو گیا تھا۔“

جہاں اسلام کی پراگندگی سے جو نتائج رونما ہوئے۔ ان کی تصویر مولانا نے مدوح
 نے یوں کھینچی ہے:-

”یورپ کے سبھی سپاہیوں نے ایک ہی دفعہ اس پر چار گوشوں سے حملہ کیا۔
 ۸۹۳ء سے روس نے ایشیائے وسطیٰ کے صحرا سے اسلام پر اپنا حملہ شروع کیا۔
 یہ قازان کی اسلامی ریاست تھی۔ اور ایک طویل سلسلہ جنگ کے بعد ۹۹۳ء
 میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد استراخان اور کریمیا وغیرہ کی باری آئی۔
 یہاں تک کہ اس کے ڈانڈے بحیرہ اسود اور سرحد ایران سے آکر لگے۔
 اسپین اور پرتگال ملک اندلس میں اسلام کا ۸۹۷ء میں خاتمہ کر کے آگے کو
 بڑھے۔ اسپین نے دوستی کے پردے میں تونس و الجزائر پر قبضہ کیا۔ پرتگال نے

پورے افریقہ کو ناپ کر بحیرہ عرب اور بحر ہند میں آکر اپنے ڈیرے ڈالے۔ اور عرب اور ہندوستان کے اسلامی سواحل پر قتل و غارت گری کا آغاز کیا۔ دوسری طرف مراکش کے سواحل پر آکر وطاسی خاندان پر حملہ آور ہوئے۔ جو مغرب میں ایک نئی اسلامی حکومت کی بنیاد ڈال رہا تھا۔ اور آسنی۔ رزمور اور معمورہ پر قبضہ کر لیا۔ صلیبی سپاہیوں کی چوتھی کمین گاہ بحیرہ روم کے جزائر تھے۔ قبرص۔ روڈس۔ مالٹا اور وینس کے صلیبی دستے مصر و شام کی ناکہ بندی میں مصروف تھے۔ خصوصاً قبرص۔ روڈس اور مالٹا تو سینٹ جان کے صلیبی مجاہدین کے بڑے بڑے مستحکم قلعے تھے۔ جو دن رات صرف مسلمانوں کے خون کے پیاسے رہتے تھے۔ اور یہی ان کی زندگی کا مذہبی فرض تھا۔ جو درحقیقت گزشتہ صلیبی سپاہیوں کی یادگار اور فلسطین کی مسیحی نو دسالہ حکومت کی شکست خوردہ فوج کی نسل تھے۔ یہ بحیرہ روم کے دربان تھے۔ جن کے سامنے سے کوئی اسلامی جہاز مسلمان ملکوں کو روانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ قیچاق۔ کریمیا اور روم کے مسلمان حج نہیں کر سکتے تھے۔ وینس کا بازار مسلمان عورتوں کی ناموس اور مسلمان مردوں کی آزادی کی خرید و فروخت کی بڑی منڈی بن گئی تھی۔ جو قیدی کسی حال میں اسلام سے پھرنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ اگر مرد ہوتے۔ تو وہ مصر لاکر بیچ ڈالے جاتے تھے۔ جہاں وہ ملک سپاہیوں میں بھرتی کر لئے جاتے تھے۔ اور اگر لڑکیاں ہوتیں۔ تو وہ اٹلی کے امرار اور دولت مندوں کے عیش خانوں میں بیچ دی جاتی تھیں۔ اور جب کبھی موقع ملتا۔ وہ اسکندریہ تک دھاوا کرتے چلے آتے :

”اس سے زیادہ بد قسمتی یہ کہ اسی زمانے میں ۹۰۵ء میں ایران و خراسان میں صفوی خاندان کا ظہور ہوا۔ جس نے تنگ نظری سے اسلام کے بجائے شیعیت کو اپنے سیاسی کارناموں کا مرکز قرار دیا۔ اہل سنت اس ملک میں یا تو جلا وطن ہونے پر مجبور ہوئے۔ یا ہنگاموں میں قتل ہوئے۔ یا وہ شیعہ بنا ڈالے گئے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ صفویوں نے سلطنت عثمانیہ کے باغی

شہزادوں کو اپنے ہاں پناہ دی۔ اور سلطان مصر سے خط و کتابت کر کے سلطنت عثمانیہ کے خلاف ایک متحدہ حملے کا سامان کیا۔ اس کا نتیجہ باہمی ہنگامہ آرائیاں ہوئیں۔ اور مجموعی حیثیت سے اسلام کی تباہی۔“

فیصلہ | جب سلیم نے دیوان میں سنان پاشا کی تحریر پیش کی۔ تو قانصوہ غوری کے مخالفانہ رویے اور خلافت و امامت دونوں مسئلوں پر بحث و تہیص ہوئی اور فیصلہ ہوا۔ کہ سلطان عثمانی سے زیادہ خدمت حرمین شریفین کا حق دار کوئی مسلمان بادشاہ نہیں۔ اور اس کے لئے حرب و ضرب کے میدان میں اترنا ضروری ہے۔ پس طے پایا۔ کہ پہلے قانصوہ غوری کو اظہار اطاعت کے لئے کہا جائے۔ اگر وہ مان جائے تو نہیا۔ ورنہ معرکہ آرائی کی جائے۔

شام کی تسخیر | قانصوہ غوری کو سلیم کے ایلچیوں نے پیغام دیا۔ تو اس نے طیش میں آکر انھیں اسیر زنداں کر دیا۔ سلیم نے فوج کے ہمراہ شام کی جانب باگ اٹھائی۔ اور اس کے حدود شام میں داخل ہوتے ہی قانصوہ غوری نے اپنی غلطی کا احساس کر کے صلح کا دامن تھام لیا۔ لیکن اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ ۲۴۔ اگست ۱۵۱۶ء کو مرج والیق میں جنگ کا بازار گرم ہوا۔ مملوکوں کی باہمی پھوٹ اور قانصوہ غوری کے دو فوجی سرداروں خیر بے اور غزالی کی فتاری سے مصری فوجوں کی کمرہمت ٹوٹ گئی۔ عثمانی لشکر کی گولہ باری نے ایک ہی گھنٹے میں سلیم کی فتح کا اعلان کر دیا۔ قانصوہ غوری سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ اور اسی بھاگڑ میں مارا گیا۔

خادم الحرمین الشریفین | حلب میں سلیم کے فاتحانہ داخلے سے متعلق مفتی و حلان کی رقم طراز ہیں :-

”حلب کے باشندے اپنے علما اور صلحا کے ساتھ سردوں پر قرآن رکھے ہوئے سلطان کے استقبال کو آئے۔ فتح کی مبارک باد پیش کی۔ اور عفو کے طالب ہوئے۔ سلیم ان سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا۔ پھر جب وہ جامع مسجد میں گیا۔ تو اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ پہلے سلاطین مصر کے القاب

میں خادم الحرمین الشریفین کا لقب شامل کیا جاتا تھا۔ لیکن حلب کی فتح کے بعد جب جامع مسجد کا خطیب خطبہ دینے کھڑا ہوا۔ تو سلطان سلیم خاں کے نام کے ساتھ اس لقب کا اضافہ کیا۔ سلیم اسے آئندہ کامیابی کا پیش خیمہ سمجھ کر اتنا خوش ہوا کہ جو حد وہ پہنچے ہوئے تھا۔ اسے اتار کر اسی وقت خطیب کو دے دیا۔“

اس کے بعد سلیم نے شام کے دوسرے شہروں کا رخ کیا۔ اور ہر
دیگر فتوحات جگہ فتح و کامرانی نے اس کے قدم چومے۔ چنانچہ دمشق بیت المقدس
 حمص وغیرہ پر فتح کا پھر پرا اڑایا گیا۔

شام کے بعد سلیم نے فوج کو مصر کی جانب کوچ کرنے کا حکم
ردانیہ کی جنگ دیا۔ ادھر قانصوہ غوری کا جانشین طومان بے بھی مدافعت
 کی تیاریوں میں مشغول ہوا۔ آخر ۲۲ جنوری ۱۵۱۷ء کو ردانیہ میں گھسان کارن پڑا۔
 مملوکوں کی نادرالوجود بہادری نے عثمانی فوجوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ لیکن ترکوں
 کی توپوں نے ان کی کچھ پیش نہ جانے دی۔ اور طومان بے نے پچیس ہزار مملوک
 سواروں کی لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔

جنگ کے چند روز بعد عثمانی لشکر کا ایک دستہ قاہرہ میں
قاہرہ میں قتل عام داخل ہوا۔ تو طومان بے نے اچانک اس پر حملہ کر کے

پورے کا پورا دستہ تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ سلیم نے آگ بگولا ہو کر چینی ہوئی فوجیں
 روانہ کیں۔ تین دن تک خون و آتش کا سمندر موج زن رہا۔ آخر سلیم کی طرف سے
 جان بخشی کا اعلان سن کر مملوکوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ لیکن سلیم نے عہد شکنی
 کر کے قتل عام کا حکم دیا۔ اور پچاس ہزار آدمی گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے
 قاہرہ کی تسخیر کے بعد سلیم نے طومان بے کا زور توڑنے کی
مصر کا نظم و نسق کوشش کی۔ اور اس میں کامیاب ہو کر اسے گرفتار کر لیا۔

پھر اسے قتل کر کے اطمینان کا سانس لیا۔ اب سلیم مصر کے نظام حکومت کا مسئلہ
 حل کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے مملوک سلاطین کے عہد کا نظام برقرار رکھنے

ہوئے مصر اور شام دونوں کو بارہ بارہ ضلعوں میں تقسیم کر کے ہر ضلع ایک مملوک سردار کے سپرد کیا۔ مرکزی حکومت کا انتظام مجلس دیوان کبیر کے حوالے کر کے اس کے صدر کو پورے ملک کا فرماں روا مقرر کیا۔ اور نظم سلطنت سے متعلق دوسرے اہم امور اس اصول کی روشنی میں طے کئے۔ کہ سلطنت عثمانیہ کے خلاف مختلف طبقات حکومت کے باہم متحد ہونے کا امکان کم از کم رہ جائے۔

مصر کے بعد حجاز پر بھی سلطنت عثمانیہ کا پرچم اقدار لہرانے لگا۔ اور یہ مدعا جنگ کے بغیر ہی اس تدبیر سے حاصل

حرمین کی خدمت

ہو گیا۔ کہ سلیم نے ایک فرمان ہمایونی مع دو گراں بہا خلعتوں کے ایک خود شریف برکات کے لئے اور دوسرا ان کے بیٹے ابونہی کے واسطے ارسال کیا۔ اور دونوں کو ان کے عہدوں پر بحال رکھا۔ سلطان سلیم کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ جس میں اس کے نام کے ساتھ مسلمان بادشاہ کے لئے معزز ترین لقب "خادم الحرمین الشریفین" شامل کیا گیا۔ سلیم کو صرف تین سال تک خدمت حرمین کا موقع میسر رہا۔ جس پر مفتی و حلمان نے اپنی کتاب "فتوحات اسلامیہ" میں یوں روشنی ڈالی ہے۔

■ سلاطین مملوک کی طرف سے شریف مکہ کو جو وظیفہ ملتا تھا۔ سلیم نے اس میں پانسو دینار کا اضافہ کر دیا۔ اس نے ایک دفتر قائم کیا۔ جس میں حرم محترم کے مجادروں کے نام لکھے گئے۔ ان میں سے ہر ایک کا وظیفہ سو دینار مقرر کیا گیا۔ جو مصر کے خزانے سے ادا کیا جاتا تھا۔ اس نے تیس آدمیوں کی ایک جماعت بھی مقرر کی۔ جو روزانہ قرآن عزیز کا ایک ختم پڑھتی تھی۔ اور ان میں سے ہر ایک کی تنخواہ بارہ دینار مقرر کی۔

سلاطین مصر ہر سال بدوؤں اور فقراء مکہ کے لئے غلہ بھیجا کرتے تھے۔ سلیم نے وہ دستور جاری رکھا۔ اور حکم دیا۔ کہ سالانہ سات ہزار اردب (تقریباً من) غلہ اہل حرمین کے لئے ارسال کیا جائے۔ اس میں سے پانچ ہزار اردب مکہ معظمہ کے لئے اور دو ہزار اردب مدینہ منورہ کے واسطے مقرر ہوا۔

”سلیم نے مکہ معظمہ میں مقام حنفی کو از سر نو تعمیر کرایا۔ اور مدینہ منورہ میں امیر مصلح بیگ کو روانہ کر کے بہت سے رفاہی کام انجام دئے۔ اس کی داد و دہش اور امور خیر کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تھوڑے ہی دنوں میں حرمین شریفین میں فارغ البالی پھیل گئی۔ مکہ کے ایک مشہور عالم اور سلیم کے معاصر شیخ قطبی بیان کرتے ہیں۔ کہ میں اپنے بچپن میں مطاف کو اکثر خالی پاتا تھا۔ اور تہا طواف کرتا تھا۔ بازار مسعی کو بھی چاشت کے وقت تک سنان دیکھتا تھا۔ اور اکثر یہ نظر آتا تھا۔ کہ غلہ فروشوں کے قافلے آئے ہوتے ہیں۔ مگر خریدنے والے بہت کم ہیں۔ لیکن اب دولت عثمانیہ کے عہد میں لوگوں کی کثرت ہے۔ رزق وسیع ہے۔ خوش حالی اور فارغ البالی ہے۔ لوگ اس سلطنت کے زیر سایہ امن و اطمینان سے ہیں۔ اور اس کے انعام و اکرام کے دریا میں غوطے لگا رہے ہیں۔“

خلافت

سلیم کو خدمت حرمین کی سعادت حاصل ہونے پر آخری عباسی خلیفہ نے اسے خلافت کے تمام حقوق۔ مقامات مقدسہ و حرمین شریفین کی

کنجیاں اور بعض تبرکات نبویہ مثلاً رسول اللہ صلعم کی تلوار۔ غم اور چادر۔ سید خلافت کے طور پر تفویض کر دئے۔ اس وقت سے سلاطین عثمانی خلیفہ کے لقب سے مشہور عالم ہوئے۔ اور خطبوں میں امیر المؤمنین کی حیثیت سے ان کا نام لیا جانے لگا۔

مراجعت

ستمبر ۱۵۱۷ء میں سلیم مصر اور حجاز کا انتظام کرنے کے بعد شام کی طرف لوٹا۔ اور مختلف مفتوحہ مالک میں قیام کرنے کے بعد ۲۵۔ جولائی ۱۵۱۸ء

قسطنطنیہ پہنچا۔

اب سلیم نے بحری طاقت کی ترقی و توجہ روڈس پر چڑھائی کی تیاریاں کے لئے ۱۵۰۰ جہاز تعمیر کرائے۔ علاوہ

بریں سوا اور جہاز اور آٹھ ہزار کالشکر جزائر مع ایک بڑے توپ خانے کے فراہم کر سلیم زبردست تیاریوں کے ساتھ روڈس کے سفر کے لئے آمادہ ہو رہا تھا۔ کہ یکایک اسے سفر آخرت کی تیاری کرنی پڑی۔

وفات سلیم قسطنطنیہ سے ادرنہ کی جانب روانہ ہوا۔ طبیعت پہلے ہی سے علیل تھی۔ اس لئے ترک پر ہیز کے باعث بیماری نے زور پکڑا۔ اور ۲۲ ستمبر ۱۵۲۰ء کو راستے ہی میں عالم جاودانی کی طرف رحلت کی۔

سلیمان اعظم قانونی

۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء

سلطان سلیم اول کے بعد سلطان سلیمان اعظم قانونی چھبیس سال کی عمر میں تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس کے مدبر اور قابلیت حکم رانی کی شہرت اس سے پہلے پہنچ چکی تھی۔

بلغراد کی تسخیر دولت عثمانیہ اور ہنگری کی باہمی آویزش کو رفع اور سرحدی علاقے میں امن و امان قائم کرنے کے لئے سلیمان نے بلغراد اور زاباکر کو زیر نگین کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اس نے لوی تانی شاہ ہنگری کے پاس سفیر روانہ کر کے خراج طلب کیا۔ لوی نے جواب میں سفیروں کے سر قلم کرادئے۔ اس پر سلیمان نے ہنگری کی تسخیر کے لئے باگ اٹھائی۔ اور زاباکر کو تسخیر کر کے بلغراد کی جانب پیش قدمی کی۔ ۲۹ اگست ۱۵۲۱ء کو بلغراد فتح کر کے قسطنطنیہ لوٹ آیا۔

روڈس کی تسخیر روڈس کے جنگ جو جہازوں کے ذریعے سے قسطنطنیہ اور شام و مصر کے باہمی تعلقات کے رنگ میں بھنگ ڈالتے اور بحیرہ روم کے مشرقی حصے مجمع الجزائر اور اناطولیہ کے ساحلوں پر قتل و غارت کا بازار گرم کرتے رہتے تھے۔ اس لئے سلیمان نے ایک لاکھ جوانوں کا لشکر جرار لے کر یکم اگست ۱۵۲۲ء کو روڈس کا محاصرہ کر لیا۔ اور وہاں کے راہب جنگ جو

تقریباً پانچ ماہ تک بہادری سے مدافعت کرنے کے بعد ۲۵ دسمبر ۱۵۲۳ء کو سپردال دینے پر مجبور ہو گئے۔ سلیمان نے ان کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک کیا۔

مصر کی بغاوت | احمد پاشا حاکم مصر نے باغیانہ روش اختیار کی۔ اس لئے کشتی کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے سلیمان نے ایک فوج وہاں

بھیج دی۔ احمد پاشا شکست کھا کر مارا گیا۔ اور اس کی جگہ مصر کی عنان حکومت ابراہیم پاشا کے ہاتھ میں دے دی گئی۔

۱۵۲۵ء میں سلیمان نے شکار کھیلنے کے لئے اورنگ کی راہ لی۔ تو اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر مینی چری نے علم بغاوت بلند کرتے ہوئے وزراء اور دوسرے حکام کے مکانات ٹوٹ لئے۔ سلیمان نے فوراً لوٹ کر آتش بغاوت فرو کی۔

ہنگری کی تسخیر | تسخیر بلغراد کے بعد ہنگری کے ساتھ جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ فرانسس اول شاہ فرانس نے سلیمان سے ہنگری پر یورش کرنے

کے لئے انتہائی منت و سماجت سے التجا کی۔ تاکہ شہنشاہ چارلس پنجم جس نے حاکم فرانس کو پوپا کی جنگ میں مغلوب کر کے قید و بند میں ڈال دیا تھا۔ فرانس کا پیچھا چھوڑ کر ہنگری کو مرکز توجہ بنالے۔ نیز انھیں دنوں شاہ ایران نے پر پوزے نکال

کر دولت عثمانیہ کے خلاف شہنشاہ چارلس اور شاہ ہنگری کے ساتھ اتحاد کی پیشگیں بڑھانے کی کوشش کی۔ ان اسباب کی بنا پر سلیمان نے ایک لاکھ سپاہیوں کی

بے پناہ فوج اور تین سو توپوں کے ساتھ ہنگری پر یورش کی۔ ۲۸۔ اگست ۱۵۲۶ء کو موہاکز کے مقام پر طرفین میں صفت آرائی ہوئی۔ اور شاہ ہنگری شکست کھا کر

بھاگتے ہوئے دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ اس کے آٹھ پادری۔ بہت سے اکابر ملک اور چوبیس ہزار سپاہی بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دئے گئے۔ ۱۔ ستمبر ۱۵۲۶ء

کو سلیمان فتح کا پھر برا اظہار ہوا ہنگری کے صدر مقام بودا میں داخل ہوا۔ اور وہاں کے باشندوں نے سپردال کر اظہار اطاعت کیا۔

ایران کی مہم | ۱۵۳۲ء میں سلیمان نے ایران کا رخ کیا۔ اور تبریز پر قبضہ

کر کے ایراہیم پاشا کے ساتھ موصل اور بغداد کی طرف باگ اٹھائی۔ پھر ان پر تسلط بٹھا کر دولت عثمانیہ میں شامل کیا۔ ۱۵۵۲-۵۳ء میں بھی سلیمان نے ایران پر چڑھائی کی۔ اور ارلوان و دان کے علاوہ آرمینیا اور مسوپوٹامیا کے چند اہم علاقے لے لئے پھر عدن پر قبضہ کر کے عرب و ایران کے ساحلوں اور شمال مغربی ہند پر اپنا اقتدار قائم کیا۔

بحری طاقت | بری طاقت کے میدان میں ایشیا یا یورپ کا کوئی ملک دولت عثمانیہ سے بازی نہ لے جاسکتا تھا۔ بحری طاقت کے لحاظ سے بھی وہ تمام دوسری سلطنتوں سے پیش پیش تھی۔ چنانچہ سلیمان کے زمانے میں بحیرہ روم کے اندر ترکی بیڑے کا اقتدار برابر قائم رہا۔ جس کی بنا پر سلیمان نے الجزائر۔ طرابلس اور ادرن کے صوبے اور بحیرہ ایجین کے بہت سے جزیرے جو وینس کے ماتحت تھے، مستخر کر لئے۔

پرتگال سے بحری جنگ | اندلس میں ہسپانیہ کے بعد پرتگال مسلمانوں کے سفینہ حیات کو بحر حوادث کی طوفان خیز موجوں کے سپرد کرنے میں تمام سلطنتوں سے گونے سبقت لے گیا۔ ہندوستان۔ چین۔ سیام۔ جاوا۔ سماٹرا۔ جزائر ہند۔ سیلون۔ ملیبار۔ ممباسہ۔ زنجبار۔ حبش۔ مصر۔ عرب کی بحری تجارت پر عرب تاجروں کا اثر و اقتدار تھا۔ بحر ہند۔ بحیرہ عرب۔ خلیج فارس اور بحیرہ احمر کے تجارتی راستوں پر انھیں کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ چین۔ ایران۔ ہندوستان وغیرہ کا مال مصر بھیجتے۔ اور وہاں سے وینس اور جنوا کے تاجر اسے یورپ پہنچاتے تھے۔ پھر اسی طریق پر یورپ کا مال عربوں کے جہازوں پر چین۔ ایران۔ ہندوستان وغیرہ مشرقی ممالک میں جاتا تھا۔ یہ تجارت مسلمانوں اور بالخصوص عربوں کے لئے بہت نفع رساں تھی۔ لیکن جب واسکو ڈی گاما نے راس امتیڈ کی طرف سے ہندوستان تک پہنچنے کا راستہ دریافت کیا۔ تو پرتگال نے یہ تجارت عربوں سے چین لینے کے لئے اسکا نی کوشش شروع کی۔ اور مشرقی ممالک سے تجارت

کرنے کے لئے قدیم راستے کے بجائے واسکو ڈی گاما کا دریافت کیا ہوا راستہ اختیار کرنے کی ٹھانی۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے پرتگیزوں نے جس طریقے سے کام لیا۔ اس پر مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ”خلافت عثمانیہ“ میں یوں روشنی ڈالی ہے :-

”اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عرب جہازوں پر تاخت شروع کی عرب حبش۔ ہندوستان اور فارس کے ساحلی مقامات پر حملے کئے۔ اور نامسلوں کو مجبور کیا۔ کہ وہ مسلمانوں اور عربوں کے ہاتھ اپنا سامان تجارت فروخت نہ کریں۔ بلیبار کے موپلا تاجروں پر بڑی زیادتیاں کیں۔ یمن اور حجاز کے ساحلی شہروں پر قبضہ جمایا۔ اور ہندوستان میں سندھ سے لے کر مدراس و گجرات و بمبئی تک کے بندرگاہوں پر دھاوے کئے۔ ساحلوں اور جزیروں میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ مسجدیں توڑ توڑ کر کلیسا بنائی جا رہی تھیں۔ کالی کٹ کے راجے کو اس پر مجبور کیا گیا۔ کہ وہ مسلمانوں کو عرب آنے جانے سے روک دے۔ کوچین ساحل ہند پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو قتل کیا۔ اور مسجد کو کلیسا بنا لیا۔ پھر رفتہ رفتہ عرب کے سواحل پر عدن۔ ہرمز۔ یریم وغیرہ کو اور ہندوستان کے سواحل میں سے گوا۔ جیول۔ دابل۔ دیپ۔ دمن۔ مہائم وغیرہ کو تاخت و تاراج کیا۔ ۹۱۵ء میں کالی کٹ پر حملہ کر کے شہر کو لوٹ لیا۔ اور وہاں کی جامع مسجد کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ یہی حال انھوں نے عرب کے ساحلی مقامات کا کر دیا۔ عرب کے بحری مسافران قزاقوں کے ہاتھوں سے بہ مشکل جانبر ہو سکتے تھے۔ گوا کا مشہور بندرگاہ سلطنت بیجاپور سے چھین لیا۔ اور سلطان گجرات کے تمام بندرگاہوں پر غارت گری شروع کر دی۔ جدہ اور عدن پر کسی حملے کئے۔ کبھی کامیابی ہوئی اور کبھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ انتہا یہ ہے۔ پرتگالی یہ خواب دیکھنے لگے۔ کہ جدہ پر قبضہ کر کے حجاز پر حملہ کیا جائے۔ اور خاکم بدین مکر معظمہ اور مدینہ منورہ کو ویران اور حرمین محترمین کو مہدم

کر کے اسلام کی عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔

”یہ حالات تھے۔ جن کے دفعے کی ذمہ داری سلیمان نے تخت پر آنے کے بعد بحیثیت خلیفہ المسلمین کے محسوس کی۔ پھر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی حتی الامکان پوری کوشش کی۔ چنانچہ ۹۳۱ھ (۱۵۲۵ء) میں اس نے ایک بیڑا رئیس سلیمان کی اتحتی میں عدن کے محاصرے کے لئے روانہ کیا۔ جس پر اس وقت پرتگیزیوں کا قبضہ تھا۔ مگر اس مہم میں ترکوں کو شکست ہوئی۔ پھر بھی وہ دل شکستہ نہ ہوئے۔ اور بحر ہند میں برابر پرتگال کے جہازوں پر حملے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ گجرات کے ساحل تک پہنچ گئے۔ جہاں ان میں اور پرتگیزیوں میں متعدد معرکے پیش آئے۔ اس کے بعد ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) میں ایک عظیم الشان ترکی بیڑا سلیمان پاشا والی مصر کی سرکردگی میں سویز سے نکلا۔ اور عدن پر قبضہ کرتا ہوا گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ دیپ پہنچنے کے بعد گجراتیوں سے مل کر اس نے پرتگیزیوں پر حملے شروع کر دیے۔ سلیمان پاشا نے دیپ کا محاصرہ کر لیا۔ اور اگر وہ استقلال کے ساتھ محاصرے کو جاری رکھتا۔ تو یہ بندرگاہ پرتگال کے قبضے سے ضرور نکل جاتا۔ لیکن غالباً سلیمان پاشا کی خود رانی اور استبداد نے امرائے گجرات کو آزدہ کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے انھوں نے سامان رسد کا بھیجنا بند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز دفعۃً ترکی بیڑے نے لنگر اٹھا کر کوچ کر دیا۔ اور دیپ پر پرتگیزیوں کا قبضہ بدستور قائم رہا۔ سلیمان کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو اسے بہت غصہ آیا۔ اس نے سلیمان پاشا کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ اور غضب ناک ہو کر کہنے لگا۔ کہ میں نے تم کو دیپ سے فرنگیوں کو نکلنے اور وہاں کے پاشا کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر حاکم بنا کر نہیں بھیجا تھا۔“

حریف کی ناکامی سے پرتگیزی ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اور بہت پیری رئیس | دجرات سے دوبارہ عدن پر تسلط بٹھالیا۔ اس لئے ۱۵۴۱ء میں سلیمان نے نامور ترکی امیر البحر پیری رئیس کی سرکردگی میں ایک زبردست بیڑا بحر ہند میں

بھیجا۔ جو عدن پر قبضہ کر کے مسقط پہنچا۔ اور پرنگالی بیڑے کو گرفتار کر لیا۔ لیکن ہرمز نیز ترکوں کو ناکامی ہوئی۔ اور دو جہازوں کے سوا ان کے باقی تمام جہاز گرفتار ہو گئے۔

۱۵۵۲ء میں سلیمان نے یہ مہم مشہور امیر البحر سید علی کے سپرد کی۔ جس نے **سید علی** اس موسم کے قریب پہنچ کر پرنگلیوں کو شکست دی۔ لیکن مسقط پر طرفین نے سخت نقصان اٹھایا۔ پھر سید علی طوفانی ہوا سے بہتا ہوا بحر ہند میں آگے اور صورت پہنچ کر خشکی پر گام زن ہوتے ہوئے افغانستان۔ ایران اور عراق کے راستے سے قسطنطنیہ لوٹ آیا۔ اور یہ مہم ادھوری ہی رہی۔

مالٹا پر سینٹ جان کے جنگ جوڑوں کا قبضہ تھا۔ ان کے جہاز مخالف مالٹا پر حملہ سے مل کر عثمانی بیڑوں پر یورش کرتے رہتے تھے۔ نیز وہاں کے ظالم عیسائیوں نے مسلمان غلاموں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اس لئے یکم اپریل ۱۵۶۵ء کو سلیمان نے تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ ۸۱ جہازوں کا ایک عظیم الشان بیڑا مسقط کے زیر قیادت مالٹا پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن اسے چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ چار ماہ کے بعد محاصرہ اٹھایا گیا۔ اسی مہم میں پچیس ہزار ترک اور پانچ ہزار عیسائی ہلاک ہوئے۔

سلیمان نے مہم مالٹا کی ناکامی کی خبر اس وقت سنی۔ جب **ہنگری پر حملہ** پر فوج کشی کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ چنانچہ وہ یکم مئی ۱۵۶۶ء کو سال کا بوڑھا ہونے کے باوجود پالکی میں بیٹھ کر عازم ہنگری ہوا۔ سلیمان میں ہنگری اور ٹرانسلوینیا کے بادشاہ سجمند زاپولیا نے اظہار اطاعت کیا۔ سلیمان نے زبیتی پہر تو سر کر لیا۔ لیکن وہاں کا حکم ران زربینی اپنے ۳۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ قلعے کی محصور ہو گیا۔ ترکوں نے چار دن تک لگاتار گولہ باری کر کے نہایت مشکل سے شہر ۱۵۶۶ء کو یہ قلعہ فتح کیا۔

تسخیر قلعہ سے تین دن پہلے ۵۔ ستمبر ۱۵۶۶ء کی رات کو سلیمان کی وفات کا قصر زندگی زلزلہ اجل کے ایک ہی جھٹکے سے زمیں میں

ہو گیا تھا۔ لیکن مصلحتاً یہ خبر پوشیدہ رکھی گئی۔ اور سلیمان کی نعش مسالے سے محفوظ کر دی گئی۔ آخر سات ہفتوں کے بعد جب شہزادہ سلیم تخت نشین ہو چکا۔ تو م۔ اکتوبر ۱۵۶۶ء کو ساری فوج کے سامنے سلیمان کی وفات کا اعلان کر دیا گیا۔

دولت عثمانیہ کی وسعت سلیمان کے عہد حکومت کو اس پہلو سے بھی ایک خاص اور نمایاں امتیاز حاصل ہے۔ کہ اس میں

دولت عثمانیہ طول و عرض۔ طاقت اور خوش حالی کے اعتبار سے معراج کمال کو پہنچ گئی تھی۔ اس عظیم الشان سلطنت کا رقبہ چالیس ہزار میل مربع سے زیادہ تھا۔ یہ بودا سے بصرہ تک اور بحیرہ خزر سے بحیرہ روم کے مغربی حصے تک پھیلی ہوئی اور ایشیائے یورپ اور افریقہ کے متعدد ممالک پر مشتمل تھی۔ سلیمان نے اس طویل و عریض مملکت کو اکیس ولایتوں اور ۲۵۰ سنجقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

آبادی سلیمان کی طویل و عریض مملکت میں بیس مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے۔ جن کی مجموعی تعداد کا اندازہ پانچ کروڑ کے قریب کیا جاتا ہے۔ عثمانی ترک تعداد میں ڈیڑھ کروڑ کے قریب تھے۔

فوج سلیمان کی بے شمار اور بے پناہ فوج میں بیس چری کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ جس کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ مستقل اور تنخواہ دار فوج

کی تعداد اڑتالیس ہزار تھی۔ جو فوجیں سلطنت کے جاگیردار جمع کرتے تھے۔ یا جو مواقع جنگ پر خود ہی اکٹھی ہو جاتی تھیں۔ ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی۔

حق یہ ہے۔ کہ یورپ کی مسیحی فوجیں تنظیم اور ساز و سامان کے اعتبار سے عثمانی فوجوں کے سامنے پرکاش سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھیں۔ کرسی رقم طراز ہے۔

”سلیمان اپنی فوجوں کے جسمانی آرام اور اخلاقی نگرانی پر جس قدر توجہ رکھتا تھا۔ اسے اس بے پردائی سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ جو اس کے حریفوں

کے لشکر میں بد نصیب سپاہیوں کے ساتھ برتی جاتی تھی۔“

آمدنی سلیمان کے عہد میں سرکاری زمین کی آمدنی پچاس لاکھ دوکات تھی۔

عشر۔ جزیہ وغیرہ مستقل محصولوں کی رقم جمع کر کے ساری آمدنی ستراسی لاکھ دوکات تک پہنچ جاتی تھی۔ بعض ریاستوں سے خراج بھی وصول ہوتا تھا۔ جن اعلیٰ حکام کو کسی جرم کی بنا پر شاہی حکم سے قتل کی سزا ملتی تھی۔ ان کے سامان اور جائدادوں سے بھی معقول آمدنی ہو جاتی تھی۔

قوانین سلیمان نے "قانون رعایا" کے نام سے ایک آئین وضع کیا تھا جس میں لگان اور جاگیردار کی طرف سے رعایا پر عائد کی ہوئی دوسری خدمات کو تفصیل سے درج کر دیا تھا۔ تاکہ جاگیردار ناجائز مطالبہ نہ کر سکے۔ اس قانون کے مطابق مزروعہ زمین کا مالک کاشت کار ہوتا تھا۔ اور اس کے معاوضے میں لگان اور دوسرے محصول ادا کرتا اور اپنے جاگیردار کے لئے چند مقررہ خدمات انجام دیتا تھا۔

فوجداری۔ پولیس اور دوسرے قوانین میں بھی سلیمان نے معقول ترمیم و اصلاح کی۔ اور اکثر جرائم کی سزائیں ہلکی کر دیں۔ جھوٹے گواہوں اور کھوٹے سگے چلنے والوں کے لئے داہنا ہاتھ کاٹ ڈالنے کی سزا تجویز کی۔ متواتر تین وقتوں کی نماز ایک روزہ ترک کرنے والے کے لئے جرمانے کی سزا مقرر کی۔

تعمیرات سلیمان کو عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس نے قسطنطنیہ دمشق۔ بغداد۔ قونیہ وغیرہ میں نہایت خوشنما اور شاندار عمارتیں بنوائیں۔ بہت سی مسجدیں تعمیر کرانے کے علاوہ کثیر التعداد مساجد کو نئے سرے سے درست کرایا۔ مگر معظمہ کی پڑانی نہروں کی مرمت کے ساتھ ہی قسطنطنیہ میں ایک نہایت عظیم الشان نہر بنوائی۔ اور مملکت کے تمام مشہور شہروں میں شفا خانے اور پل تعمیر کرائے۔

علم و فضل سلیمان خود عالم و فاضل ہونے کے علاوہ علوم و فنون کا بہت بڑا سرپرست بھی تھا۔ وہ ایک عالی پایہ مصنف اور نغز گو شاعر تھا۔ اس کی تصانیف ترکی ادب میں امتیازی حیثیت رکھتی۔ اور قدر و منزلت کی نگاہ سے

یہی جاتی ہیں۔

خلاق و عادات سلیمان رحم و مروت کا پتلا تھا۔ عدل و انصاف اس کے آئینہ عدالت کا تاب ناک جوہر تھا۔ وہ ہمیشہ رعایا کی فلاح و بہبود میں مشغول رہتا تھا۔ ظلم کا ارتکاب خواہ گورنروں اور اعلیٰ حکام ہی کی طرف سے کیا جاتا سے یک بارگی بھڑکا دیتا اور وہ ظالم حاکموں کو فوراً برطرف کر دیتا تھا۔

سلیم ثانی

۱۵۶۶ء تا ۱۵۷۴ء

سلیمان اعظم کے بعد سلیم ثانی سرمد آرائے سلطنت ہوا۔ لیکن وہ بالکل نااہل تھا۔ اور امور مملکت میں دلچسپی لینے کے بجائے اپنا وقت عیش و عشرت میں صرف کرتا تھا۔ نظام حکومت کی باگ حقیقتاً سلیمان اعظم کے تربیت یافتہ قابل وزیر محمد صوقولی کے ہاتھ میں تھی۔

محمد صوقولی کی سیاسی بالغ نظری محمد صوقولی نے دو اہم تجویزیں مرتب کیں۔ ایک تجویز یہ تھی۔ کہ خاکنائے سویزیں

ایک نہرنکال کر بحیرہ احمر اور بحر ہند کو ملا دیا جائے۔ تاکہ ترکی بیڑے کو ان کے اندر داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ دوسری تجویز یہ تھی۔ کہ ایک نہر کھود کر ڈان اور والنگا کو ملا دیا جائے۔ اس طرح ان دونوں دریاؤں کو اس مقام پر جہاں درمیانی فاصلہ تیس میل رہ جاتا ہے۔ ملا دینے سے جہازوں کے لئے بحیرہ خزر میں پہنچ کر ایران کے شہر تبریز پر چڑھائی کرنا آسان ہو جاتا۔ نیز تجارتی فوائد حاصل ہو سکتے۔ لیکن یہ مقصد جمہی حاصل ہو سکتا تھا۔ کہ روس کے مقبوضہ شہر استراخان کو زیر نگین کر لیا جائے۔

استراخاں پر حملہ

۱۵۶۸ء میں ۲۵ ہزار سنی چری اور دوسرے سپاہیوں اور کریمیا کے تیس ہزار تاتاریوں کی متفقہ فوج نے استراخاں پر یورش

کی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اور دوسری تجویز پر خط نسخ کھینچ دیا گیا۔ ۱۵۷۰ء میں روس کی تحریک سے صلح ہو گئی۔

یمن میں بغاوت

پہلی تجویز بھی معرض التوا میں ڈال دی گئی۔ کیونکہ یمن میں

بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اور سنان پاشا کو فوج

دے کر وہاں روانہ کرنا پڑا۔ آتش بغاوت فرو کر دی گئی۔ اور یمن اور عرب کے دوسرے علاقے دولت عثمانیہ کے ساتھ ملحق کر لئے گئے۔

تونس کی مہم

۱۵۶۹ء میں تونس پر قبضہ کرنے کے لئے اولوچ پاشا کے زیرِ

ایک ترکی بیڑا روانہ کیا گیا۔ شہر پر قبضہ کر لیا گیا۔ لیکن ہسپانوی

فوج نے قلعے میں پناہ لے کر ۱۵۷۲ء تک اس پر اپنا قبضہ قائم رکھا۔

قبرص کی تسخیر

۱۵۷۰ء میں سلیم نے قبرص پر یورش کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن

صوقوللی نے اس تجویز کے خلاف رائے دی۔ سلیم نے کچھ

پروانہ کی۔ اور مصطفیٰ پاشا نے ایک لاکھ سپاہیوں کا لشکر جرار لے کر قبرص پر

بول دیا۔ ترکوں نے اسے فتح تو کر لیا۔ لیکن اپنی فوج کے تقریباً پچاس ہزار جوان

ضائع کر دیئے۔

عیسائی طاقتوں کا اتحاد

تسخیر قبرص کی ہولناک خبر مسیحی طاقتوں پر تباہ گرا

ہم کا گولہ بن کر گری۔ اس لئے بحیرہ روم کی عیسائی

طاقتوں کا اتحاد قائم کیا گیا۔ جس میں ہسپانیہ، وینس، بہادران مالٹا وغیرہ شامل

ہوئے۔ اور ڈان جان کو اس بحری بیڑے کا سالار اعظم مقرر کیا گیا۔ ترکی بیڑے

کا امیر البحر علی پاشا تھا۔

لیپانٹو کی جنگ

۱۰۔ اکتوبر ۱۵۷۱ء کو خلیج لیپانٹو کے دہانے کے قریب دو

بیڑے معرکہ آرا ہوئے۔ جس میں طرفین کو سخت نقصان

ٹھکانا پڑا۔ علی پاشا مارا گیا۔ ترکوں کے پاؤں لڑ کھڑا گئے۔ اور انھیں بھاری شکست ہوئی۔ عیسائیوں نے ترکوں کے ۲۶۶ جہازوں پر قبضہ کیا۔ اور تیس ہزار ترک موت کے گھاٹ اتر گئے۔

اتحادی تو اپنی اس شاندار فتح کے نشے میں چور ہو کر لوٹ گئے۔ لیکن ترکوں نے تلافی نقصان کے لئے تیار ماں شروع کر دیں۔ سلیم بھی عیش منزل سے نکل کر جنگ میں دل چسپی لینے لگا۔ اور امداد کے لئے ایک گراں قدر رقم عطا کی۔ چند ہی ماہ کے اندر ۱۶۸ جہاز کا ایک نیا بیڑا تیار ہو گیا۔ ۱۵۴۲ء میں اتحادی بیڑا پھر بحیرہ روم میں لشکر انداز ہوا۔ اولوچ پاشا نے حملے میں پہل کرنے کے بجائے اتحادیوں کے اقدام کا انتظار کیا۔ اتحادیوں نے ترکوں کی اس زبردست تیاری سے ہیبت زدہ ہو کر حملے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور ترکی بیڑا لوٹ آیا۔

۱۵۴۳ء میں حکومت وینس نے دولت عثمانیہ سے صلح کا معاہدہ کیا۔ جس کے رو سے وینس نے قبرص پر سلطنت عثمانیہ کا قبضہ تسلیم کرنے کے ساتھ ہی اس کے مصارف حصول کی رقم یعنی تین لاکھ دوکات کی ادائیگی بھی منظور کر لی۔ جزیرہ زانطہ کی سابقہ رقم خراج یعنی ۵۰۰ دوکات میں اضافہ کر کے ۱۵۰۰ دوکات سالانہ کر دیا گیا۔ اور قبرص کی رقم خراج ۸۰۰۰ دوکات موقوف کر دی گئی۔

مذکورہ صدر صلح نامے کے بعد ڈان جان نے ایک ہسپانوی بیڑا لے کر تونس پر یورش کی۔ اور قلعے پر ہسپانویہ کا قبضہ جاری ہونے کے باعث ہنتے کھلتے شہر کو مسخر کر لیا۔ اس نے تونس میں ایک نیا قلعہ بنوایا۔ اور ہسپانوی جوانوں کا ایک زبردست دستہ وہاں مقرر کر کے مراجعت کی۔

جب شہر تونس پر ہسپانوی قبضے کی خبر دولت عثمانیہ کے دارالسلطنت قسطنطنیہ میں پہنچی۔ تو صدر اعظم صوقوللی نے اولوچ پاشا کے زیرکمان ایک نہایت عظیم الشان بیڑا روانہ کیا۔ ہسپانوی فوج نے مدافعت کے لئے تمام قوتیں صرف کرتے ہوئے سردھڑ کی بازی لگادی۔ لیکن لشکر عثمانی کے دیوہیکل مجاہدین نے تابڑ توڑ حملوں

سے حریف کی فوج کے چھٹے چھڑا دئے۔ ہسپانوی سپاہی جانبار ترکوں کے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ اولوچ پاشا میدان خالی با فتح و کامرانی کا پھریرا اڑاتے ہوئے شہر میں داخل ہوا۔ اور شہر، قلعہ اور تونس سارے علاقے کو زیر نگین کر کے اسے دولت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔
۱۵۷۴ء میں سلیم نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

مراد ثالث

۱۵۷۴ء تا ۱۵۹۵ء

سلطان سلیم ثانی کے بعد اس کا فرزند اکبر مراد ثالث ۲۸ سال کی عمر میں تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ اور سلطان محمد فتح کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے پاس بھائیوں کو جام فنا پلا دیا۔ پھر سب سے پہلے شراب کی بندش کا حکم نافذ کیا۔ اگرچہ حکومت کے پہلے چار سال تک صوقوللی پاشا کی صدقہ مراد پر حرم کا اثر قائم رہی۔ پھر بھی حرم کی چار خاتونیں (۱) سلطانہ والدہ (۲) سلطانہ صفیہ (۳) ہنگروی خاتون اور (۴) جان فدا سلطانہ پر ساحرانہ اثر کر اس کے مزاج میں پوری طرح دخیل ہو گئی تھیں۔ اور انتظام حکومت انھیں کے مشورے اور منشا کے مطابق انجام پاتا تھا۔

۱۵۷۶ء میں شاہ طہاسب حاکم ایران نے وفات پائی۔ اور وہ ایران کی مہم کا مطلع سیاست خلفشار و بد نظمی کی ہولناک گھٹاؤں سے متاثر ہو گیا۔ بی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ سلطنت عثمانیہ نے اس زریں موقع سے فائدہ اٹھایا۔ مصطفیٰ پاشا نے زبردست ساز و سامان کے ساتھ ایران کی حلیف جارجیا پر فوج کشی کر دی۔ اور سارے علاقے کو زیر نگین کر لیا۔ ایرانی غصے سے آگ بگولا ہو گئے۔ اور ان کے چار لشکروں نے یک با

جارجیا پر پورش کر دی۔ عثمان پاشا حاکم شروان نے ایرانی فوجوں کو ناک چنے چھو کر پسپا کر دیا۔ لیکن جب دولت ایران کے سب سے بڑے لشکر نے دھاوا کیا۔ تو عثمان پاشا نے گھٹنے ٹیک کر در بند کی راہ لی۔ سامن لو اسب سابق حاکم جارجیا نے نقلس کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن ترک محصورین نے ہمت نہ ہاری۔ اور ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اتنے میں صوقولی پاشا کا بیٹا حسن پاشا فوجی امداد لے کر آ گیا۔ اور سامن نے محاصرے سے ہاتھ اٹھالیا۔

۱۵۸۳ء میں عثمان پاشا نے داغستان پر چڑھائی کی۔ اور اسے زیر نگین کر کے کافہ پہنچ گیا۔ پھر محمد کرائی خان کریمیا کو علم بغاوت بلند کرنے کی پاداش میں قتل کر کے عازم قسطنطنیہ ہوا۔

اس کے بعد عثمان پاشا ایک لاکھ ساٹھ ہزار کے لشکر جرّار کے ساتھ تبریز پر حملہ آور ہوا۔ اور ایرانی فوج کے دھونیں بکھیر کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ چھ سال تک طرفین میں جنگ و جدل کا بازار گرم رہا۔ آخر ۱۵۹۱ء میں صلح ہو گئی۔ جس کے رو سے جارجیا۔ شروان۔ تبریز۔ لورستان اور آذربائیجان کا ایک حصہ دولت عثمانیہ میں شامل ہو گیا۔

زوال۔ بغاوت اور بد نظمی | مراد کے درباریوں شمس پاشا وغیرہ اور حرم کی سازش سے محمد صوقولی پاشا قتل کر دیا گیا اور

مملکت کے گوشے گوشے میں بد نظمی کے انگاں برسنے لگے۔ یکے بعد دیگرے دس وزراء صدر اعظم کے منصب پر فائز کئے گئے۔ اس مسلسل رد و بدل میں حرم کا ہاتھ کار فرما تھا۔ اور وہی وزراء اس منصب کے لئے آگے بڑھ سکتے تھے۔ جن پر حرم کی مرہبانہ امداد کے موتی برستے تھے۔ ان حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ رشوت کا دور دورہ ہو گیا۔ یہ فتنہ بڑھتے بڑھتے قیامت بن گیا۔ اور حکومت کا کوئی شعبہ اس لعنت سے محفوظ نہ رہا۔

بگڑی ہوئی فضا کے تباہ کن اثرات فوج تک آ پہنچے۔ جاگیری نظام بہ شیراز

تاریخ ہو کر جاگیروں کی خرید و فروخت شروع ہو گئی۔ آخر میں چری نے بغاوت پر
کرباندھ لی۔ اور رفتہ رفتہ دولت عثمانیہ کے متعدد علاقوں میں سرکشی کا طوفان
برپا ہو گیا۔

انہیں دنوں حالات نے ایسی کروٹ لی
ہنگری اور آسٹریلیا سے جنگ

کہ ہنگری اور آسٹریا سے لڑائی شروع ہو
گئی۔ اور یہی چری کو وہاں بھیج دیا گیا۔ پہلے پہل عثمانی لشکر کا پدہ بھاری رہا۔ لیکن
پھر سیک کے محاصرے میں اسے نیچا دیکھنا پڑا۔ اور حسن پاشا حاکم بوینیا
سے پار ہوتے ہوئے ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ اس پر سنان پاشا نے ادھر کا صبح
اتنے میں آسٹریا کی فوجوں نے بودا کے پاشا کو پس پا کر دیا۔ اور آسٹریا نے چری
عثمانی قلعے سر کر لئے۔

۱۵۹۲ء میں مولڈوویا۔ ولاچیا اور ٹرانسلوینیا کے علاقے عظیم بغاوت بلو
کر کے آسٹریا سے مل گئے۔ اور اپنی ریاستوں کے تمام مسلمانوں کو تلوار کے گھا
اتار دیا۔

آسٹریا کی جنگ ابھی ختم نہ ہوئی تھی۔ کہ ایران سے پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ اور
اول اول عثمانی لشکر شاید کامرانی سے ہم کنار نہ ہو سکا۔

۱۶۔ جنوری ۱۵۹۵ء کو سلطان مراد ثالث نے سفر آخرت اخذ
وفات کیا۔

مراد ذاتی طور پر شریف النفس اور صلح پسند تھا۔ اس
سریر آرائی کے وقت دولت عثمانیہ جس نقطہ عروج

پہنچ چکی تھی۔ اگرچہ مراد میں اس کے بحال رکھنے کی صلاحیت نہ تھی۔ پھر بھی
و تباہی کی ذمہ داری صرف اسی کی ذات پر عائد نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ زوال
اسخطاط کی ہوائیں سلیمان ہی کے عہد سے چلنی شروع ہو گئی تھیں۔ بعد میں
تیزی و تیزی بتدریج بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ مراد کے زمانے میں انھوں

ہولناک طوفان کی صورت اختیار کر لی۔

مراد تصوف کا دلدادہ تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں اس کی تصنیف فتوحات الصیام مشہور ہے۔ شعر و شاعری میں بھی دسترس رکھتا تھا۔ اور مراد ہی تخلص کرتا تھا۔

محمد ثالث

۱۵۹۵ء تا ۱۶۰۳ء

سلطان مراد ثالث کے بعد اس کا فرزند اکبر محمد ثالث سریر آرائے سلطنت ہوا۔

محمد ثالث نے تاج حکومت سرپر رکھتے ہی اپنے بھائیوں کو ابدی نیند ملا دیا۔ اور فوج

کا دل مٹھی میں لینے کے لئے خزانے کا منہ کھول کر سپاہیوں پر انعام و اکرام کی بارش کر دی۔ لیکن دوستوں نے مزید بخشش پر اصرار کیا۔ اور فرہاد پاشا صدر اعظم پر تکمیل مطالبہ کے لئے زور دیا۔ جب ادھر سے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ تو ہوتے ہوتے بات یہاں تک بڑھ گئی۔ کہ فوجیوں نے عظیم بغاوت بلند کر دیا۔ اور قسطنطنیہ کے سوار دستوں نے بھی ان کی پٹیٹھ ٹھونکی۔ آخر یہی چری نے کسی نہ کسی طرح سرکشی کی اس آگ کو ٹھنڈا کیا۔

اس اثنا میں سرحد کی جنگ کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اور دو

مقاموں پر ترکوں کو نیچا بھی دیکھنا پڑا۔ ہر طرف سے زور دیا جا رہا تھا۔ کہ محمد ثالث خود فوج لے کر اس ہم سے عہدہ برآ ہو۔ محمد تردد و تامل سے کام لے رہا تھا۔ لیکن جنگ کی حالت میں آئے دن خطرناک تغیر واقع ہو رہا تھا۔ اور سبھی طاقتوں کی باہمی حمایت سے متعدد قلعے ترکوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ آخر یہی چری کی اس دھکی پر کہ جب تک سلطان خود ان کی سرکردگی کا اہم فریضہ انجام نہ دے گا۔ وہ دشمن کے خلاف سینہ سپر نہ ہوں گے۔ جون ۱۵۹۶ء میں محمد ثالث

نے سرحد کی طرف باگ اٹھائی۔ اور وہاں پہنچ کر آسٹریا و ہنگری کی فوجوں کو ناک چنے چبوائے۔ ٹرانسلوینیائی نے ان فوجوں کی پشتی بانی کی۔ اور وہ تازہ جوش سے بلغار کرتی ہوئی آگے بڑھیں۔ ۲۴۔ اکتوبر ۱۵۹۶ء کو طرفین نے سیرٹیز کے میدان میں آمنے سامنے ڈیرے ڈالے۔ اور تین دن تک گھسان کا رن پڑا۔ ابتدا میں عیسائیوں کو فتح ہوئی۔ اور ان کے غلبہ پانے سے عثمانی فوجیں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ سلطان بھی مایوس ہو کر بھاگنے کا ارادہ کرنے لگا۔ لیکن اس کے ہم رکاب مورخ سعد الدین پاشا نے قرآن عزیز کی ایک آیت پڑھ کر اس کی رگ رگ میں ہمت و شجاعت کی بجلیاں بھر دیں۔ اور وہ نبیان مرصوص بن کر میدان میں ڈٹ گیا۔

اتنے میں کماندار سید کالا پاشا اپنے جانناز بہادروں کے ساتھ دشمن کی صفوں پر بڑھ کر بے اماں بن کر گرا۔ اور ایسی حیرت انگیز شجاعت سے حریفوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کرنا شروع کیا۔ کہ وہ بے اوسان ہو کر بھاگے۔ ان کے پچاس ہزار جوان دلدل میں پھنس کر اور ترکوں کی شمشیر ہائے خارا شگاف سے لقمہ اجل ہو گئے۔ اور ان کی ۹۵ توپیں اور بہت سا مال و زر ترکوں کے ہاتھ آیا۔

اس نہایت عظیم الشان فتح کے بعد جو ترکان عثمانی کی پوری تاریخ کے اندر ان کے فاتحانہ زریں کارناموں میں ایک نمایاں عظمت و اہمیت کی مالک ہے۔ اور جس کا سہرا دراصل سعد الدین پاشا اور سید کالا پاشا کے سر تھا۔ سلطان محمد ناز و تمکنت کی موچھوں پر تاؤ دے کر قسطنطنیہ لوٹ آیا۔ اور اپنے آپ کو رامش و رنگ کی بھول بھلیاں میں کھو دیا۔

سید کالا پاشا اپنی یگانہ بہادری کے صلے میں صدر اعظم کے منصب عالیہ پر سرفراز کیا گیا۔

ایشیائے کوچک میں بغاوت

لیکن یہ نہایت ذمہ دار عہدہ جس تدبیر اور سیاسی بالغ نظری کا متقاضی تھا۔ وہ سید کالا پاشا میں کافی حد تک موجود نہ تھی۔ جنگ سیرٹیز میں عیسائیوں سے مغلوب ہو کر بھاگنے والے ترکی سپاہیوں کی تعداد سید کالا پاشا کی تحقیقات کے مطابق تیس ہزار تھی۔ اس

نے ان تمام کو "فراری" قرار دے کر ان کی تنخواہیں روک دیں۔ اور جاگیریں ضبط کر لیں۔ بہت سے سپاہیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ ان میں سے کثیر التعداد سپاہیوں نے ایشیائے کوچک واپس جا کر ایسی ہولناک بغاوت کی آگ مشتعل کی جس کے نلک بوس شعلے ساٹھ سال تک بھڑکتے رہے۔

اب سلطان محمد چاروں طرف سے
سلطنت کے خلاف شورش آرائی | شورش و بغاوت کی غیر مرنی زنجیروں

میں جکڑ دیا گیا۔ ۱۵۹۹ء میں فوجی جاگیرداروں کے سردار عبدالحمید "قرہ یازبجی" نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے ڈھب کے آدمیوں کا ایک لشکر مرتب کیا۔ اور بارہا عثمانی فوجوں کو نیچا دکھایا۔

سلطان نے فتنہ شورش کا استیصال کرنے کے لئے حسن صوقوللی پاشا کو روانہ کیا۔ اس نے "قرہ یازبجی" کے دانت کھٹے کر کے اسے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ "قرہ یازبجی" تو ایک شدید زخم سے ختم ہو گیا۔ لیکن اس کا بھائی ولی حسن والی بغداد بھائی کی موت کا بدلہ لینے کے لئے ختم ٹھونک کر میں ان میں آ گیا۔ اور حسن پاشا کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی روز افزوں طاقت سے مجبور ہو کر ۱۶۰۳ء میں سلطان نے اس سے صلح کر لی۔ اور اسے بوسینیا کا حاکم بنا دیا۔

اس شورش سے فائدہ اٹھا کر شاہ ایران نے دولت عثمانیہ
ایران سے جنگ | کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اور اپنے غضب شدہ

صوبوں کو واپس لے لیا۔

جون ۱۶۰۳ء میں سلطان محمد ثالث نے اپنے فرزند اکبر محمود کی اس درخواست
وفات | کو کہ اسے باغیوں کی سرکوبی کے لئے ایشیائے کوچک کا سالار لشکر مقرر

کر دیا جائے۔ غضب سلطنت کی پُر فریب تدبیر سمجھ کر شبہ میں تہ تیغ کر دیا۔ لیکن چاہ کن را چاہ در پیش۔ ۲۷ اکتوبر ۱۶۰۳ء کو وہ خود بھی ہنگ اہل کا شکار ہو گیا۔

احمد اول

۱۶۰۳ء تا ۱۶۱۷ء

سلطان محمد ثالث کے بعد اس کا بیٹا احمد اول ۱۴ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اور کم ہستی کے باوجود سطوت و ثبات کا اظہار کرتے ہوئے حکومت کے نظم و نسق میں امید افزا اقدامات کئے۔ مثلاً جب مہم ہنگری کے قائد صدر اعظم نے اپنی پیش قدمی کو اس شرط سے مشروط کر دیا۔ کہ اسے اس قدر رقم فوراً بھیج دی جائے تو احمد نے اسے لکھ بھیجا۔ "اگر تم اپنے سر کی خیر چاہتے ہو۔ تو فوراً روانہ ہو جاؤ۔" صدر اعظم کی اکڑی ہوئی گردن خم ہو گئی۔ اور وہ خاموشی سے مہم پر روانہ ہو گیا۔

علاوہ بریں سلطان نے اپنے پیش روؤں کے علی الرغم سلطانہ صفیہ اور اس کی جماعت کو امور مملکت میں دخل انداز ہونے سے یکسر منع کر دیا۔

اس کے بعد احمد نے سید کالا پاشا کو ایران کی مہم پر بھیجا۔ لیکن وہ ناکام رہا۔

مہمات

۱۶۰۵ء میں اس نے سفر آخرت اختیار کیا۔

مہم ہنگری کے قائد صدر اعظم مصطفیٰ پاشا نے بودا پر توفیق حاصل کر لیا۔ لیکن اسے حالات کی ناساعدت کے باعث پست اور گران کے محاصرے سے مجبوراً دست کس ہونا پڑا۔ پھر کچھ دن کے بعد گران کو زیر نگین کر لیا۔

۱۱۔ نومبر ۱۶۰۶ء کو صلح نامہ سینتوا توروک پر فریقین کے دستخط ثبت کئے گئے۔ اس کے مطابق طرفین

صلح نامہ سینتوا توروک

کے مقبوضات میں تو کوئی قابل ذکر تغیر رو پذیر نہ ہوا۔ لیکن یہ اہم تبدیلی ضرور ہوئی۔ کہ باب عالی نے بین الاقوامی قانون کی پابندی اختیار کر لی اور شاہ آسٹریا کو "حکم ران دیانا" کی جگہ "شہنشاہ" لکھنا منظور کیا۔

یہ صلح نامہ دولت عثمانیہ کے لئے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ سترھویں صدی کا ابتدائی زمانہ اس کے لئے

زوال کی طرف قدم

نہایت نازک اور تشویش انگیز تھا۔ لیکن سلطنت کی خوش نصیبی سے یورپ کی کوئی بڑی طاقت ترکوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے قابل نہ تھی۔ سلطنت عثمانیہ کے شدید ترین دشمن ایران میں بھی اتنا دم خم نہ تھا۔ کہ اپنی فوجوں کو مغرب کی جانب بڑھا کر سلطنت کے لئے خطرے کا موجب ہو سکے۔

وفات ۲۲۔ نومبر ۱۶۱۷ء کو سلطان احمد اول نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

مصطفیٰ اول اور عثمان ثانی

۱۶۱۷ء تا ۱۶۲۳ء

سلطان احمد اول کے بعد دولت عثمانیہ کے راجح دستور کے خلاف اس کے بیٹے کے بجائے اس کا بھائی مصطفیٰ سریر آمانے سلطنت ہوا۔ سلطان مصطفیٰ اپنی بے شعوری اور ناقابلیت کے باعث انتظام سلطنت کا بارگراں سنبھال نہ سکا۔ اس لئے ارکان دولت نے ۱۶۔ فروری ۱۶۱۸ء کو اسے تخت سے اتار کر احمد کے ۱۴ سالہ بیٹے عثمان کے سر پر تاج حکومت رکھ دیا۔ سلطان عثمان ثانی کے عہد حکومت میں دولت عثمانیہ زوال کے قعر عمیق میں گر گئی۔ ایران سے مجبوراً صلح کر کے بہت سے مقبوضات اسے واپس دے دئے گئے۔ مینی چری اور سپاہی دستے سلطنت کے لئے ایک مستقل خطرے کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے عثمان ان کا زور توڑنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اسی مقصد کے لئے ۱۶۲۱ء میں پولینڈ کے خلاف معرکہ کارزار گرم کر دیا گیا۔ نیز قوانین حکومت سخت تر کر دئے گئے۔ ان باتوں سے رعایا کے تمام طبقوں میں عثمان کے خلاف مخالفت کی لہر دوڑ گئی۔

۱۶۲۲ء میں عثمان نے حج کو جانا چاہا۔ لیکن اس کی تہ میں کچھ اور راز تھا جسے وہ پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ اور مینی چری نے اس کے منصوبے سے پوری طرح آگاہ

ہو کر اسے حج سے روکے ہوئے وزیر ارعاضر کو ختم کر دینے پر اصرار کیا۔ بغاوت پھوٹ پڑی۔ اور یہ فتنہ چند ہی روز میں بڑھتے بڑھتے قیامت بن گیا۔ عثمان کو نظر بند کر کے مصطفیٰ کو دوبارہ تخت نشین کیا گیا۔ اور داؤد پاشا صدر اعظم نے گونا گوں مصلحتوں کی بنا پر عثمان کو پھانسی دلوادیا۔

حالات اصلاح پذیر ہونے کے بجائے زیادہ خراب ہو گئے۔ اور اگست ۱۶۲۳ء میں مصطفیٰ کو دوبارہ تخت سے اتار کر اس کی جگہ سلطان عثمان کے بھائی شہزادہ مراد کو اورنگ سلطنت پر بٹھایا گیا۔

مراد رابع

۱۶۲۳ء تا ۱۶۴۰ء

سلطان مراد رابع صرف ۱۲ سال کی عمر میں تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات سے بالائے سرش زہوش مندی می تافت ستارہ بلندی اس حکم سنی میں بھی جو جو باتیں اس سے ظہور میں آئیں۔ ان سے وزار نے بھانپ لیا۔ کہ سلطنت کے دن پھرنے والے ہیں۔ اور اس فرزانہ و بیدار تخت سلطان کے جاہ و جلال سے حکومت کا ستارہ چکنے والا ہے۔ ترک موزخ اولیہ رقم طراز ہے۔

”تخت نشینی کے بعد جب سلطان مراد خزانے میں داخل ہوا۔ تو میرا پ درویش محمد اس کے ساتھ تھا۔ خزانے میں طلائی اور نقرئی ظروف میں سے کچھ بھی باقی نہ تھے۔ صرف تیس ہزار پیاستر (چھوٹے نقرئی سکے) اور الماریوں میں چند مونگے اور چینی کے برتن رہ گئے تھے۔ بادشاہ نے سجدہ

کیا اور پھر کہا۔ ”انشاء اللہ میں اس خزانے کو انھیں لوگوں کی جامداد سے پُر کر دوں گا۔ جنھوں نے اسے لوٹا ہے“

مراد کی کم سنی کے باعث نظام حکومت کے فرائض کلیۃً سلطنت کی حالت

اس کی والدہ سلطانہ ماہ پیکرا انجام دیتی تھیں۔ سلطانہ والدہ کے مدبر اور سیاسی علم و نظر نے مستحکم ستون بن کر گرتے ہوئے قصر سلطنت کو تمام لیا۔ دولت عثمانیہ کا گوشہ گوشہ سورنظم اور بدامنی کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ سرحد پر ایرانی لشکر فتح و کامرانی کے پھریے اڑا رہا تھا۔ اباطاپا شاہ شورش کا علم بلند کر کے ایشیائے کوچک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا ہوا تھا۔ لبنان کا چپّہ چپّہ بغاوت کے تیروں کی آماج گاہ بن گیا تھا۔ مصر اور دوسرے علاقوں کے حکم رانوں نے اطاعت و انقیاد کا جو اکندھوں سے اتار پھینکا تھا۔ تونس۔ طرابلس اور الجزائر نے مطلق العنانی کے جھنڈے گاڑ رکھے تھے۔ روسی لٹیروں نے بحیرہ اسود کے ساحل ہی پر تباہ کاریوں کا طوفان برپا نہیں کر رکھا تھا۔ بلکہ تاخت و تاراج کا دائرہ قسطنطنیہ کے قریبی علاقے تک وسیع کر دیا تھا۔ شاہی خزانہ فقیر کی جھولی بن رہا تھا۔ اسلحہ خانے میں نام نہاد آلات جنگ باقی رہ گئے تھے۔ رعایا بھوکوں مر رہی تھی۔ اور خود مراد کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ ان یاس انگیز حالات میں سلطانہ والدہ کا کمال سیاست آڑے آیا۔ اور ہر شعبہ حکومت میں بتدریج اصلاح کی روشنی جلوہ گر ہونے لگی۔ حتیٰ کہ مراد نے ۲۱ سال کی عمر میں انتظام سلطنت کا بار گراں اپنے نوجوان کندھوں پر اٹھالیا۔ اور حکومت کی گوناگوں خرابیوں کے بھیانک بادل تیزی کے ساتھ چھٹ کر مطلع سیاست صاف و تاب ناک ہونے لگا۔

۱۷ دنوں بغداد کی ولایت عباس صفوی شاہ ایران کی قلمرو میں ہنگامہ بغداد

تھی۔ وہاں کا فتنہ انگیز کو تو ال بکیر آغا حاکم شہر کو ٹھکانے لگا کر خود وہاں کا حکم ران بن بیٹھا۔ مراد نے حافظ پاشا کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اور اس نے بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ بکیر آغانے منافقت سے کام لے کر پہلے شاہ

عباس سے۔ پھر حافظ پاشا سے یہ شرط منظور کرائی۔ کہ اگر اسے بغداد کا حاکم مقرر کر دیا جائے۔ تو وہ شہر خالی کر دے گا۔ اس طرح پہلے ترکی فوجیں شہر میں دراندہ چلی آئیں۔ پھر شاہ عباس نے ایرانی فوجیں لا کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ بکیر آغا نے پھر دام تزویر پھیلایا۔ اور شاہ عباس سے پہلی شرط منظور کر کے ترکوں سے غداری کرتے ہوئے ایرانی فوجیں شہر کے اندر داخل کر دیں۔ شاہ عباس نے بغداد کو زیر نگین کرنے کے بعد بکیر آغا کو اس غداری کی پاداش میں قتل کر کے کبیر کردار کو پہنچا دیا۔

۱۶۲۸ء میں شاہ عباس والی ایران کا انتقال ہو گیا۔ اور ایران پر فوج کشی اس کا کم سن بیٹا شاہ مرزا تخت پر بیٹھا خسرو پاشا صدر اعظم نے موقع پا کر ایران پر چڑھائی کی۔ اور ۱۶۳۰ء میں ہمدان پر قبضہ کرنے کے بعد بغداد کی جانب پیش قدمی کی۔ وہاں پہنچتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد فوج نے بگڑ کر جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور نومبر ۱۶۳۰ء میں خسرو پاشا کو مجبوراً محاصرہ اٹھا کر مراجعت کرنی پڑی۔ اس پر خسرو پاشا کو معزول کر کے اس کی جگہ حافظ احمد پاشا کو دوبارہ صدر اعظم بنایا گیا۔

فروری ۱۶۳۲ء میں مینی چری اور سپاہی فوجوں کے باغیوں نے ہمدان کے ناکام واپس آنے کے بعد رجب پاشا کے برانگیختہ کرنے سے ایوان شاہی کے سامنے جمع ہو کر صدر اعظم حافظ پاشا مفتی اعظم یحییٰ۔ و فتوہ دار مصطفیٰ وغیرہ کے قتل کا مطالبہ بے حد گستاخانہ اور اصرار سے پیش کیا۔ مراد نے انھیں سمجھا سمجھا کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ کسی صورت نہ مانے۔ مراد نے حافظ پاشا کو طلب کر کے باغیوں کے مطالبے سے آگاہ کیا۔ اس پر حافظ پاشا سر بکفت باغیوں پر پل پڑا۔ اور ایک باغی کا سر قلم کر کے بہادری سے جان دے دی۔ مراد نے ایشک بار ہو کر کہا۔

”خدا کی مرضی پوری ہوئی۔ لیکن اے خونخوار انسانو! جو وقت اس نے مقرر کر دیا ہے۔ میں اسی وقت ضرور تم سے اس کا انتقام لیا جائے گا۔ تمہیں نہ خدا

کا خوف ہے۔ نہ رسول کی شریعت کا احترام۔“

لیکن چکنا گھڑا۔ بوند پڑی ڈھل گئی۔ باغی اس تہدید سے قطعاً متاثر نہ ہوئے۔

مراد کو حالات کے آئینے میں اس حقیقت کا چہرہ نظر آیا کہ

رجب پاشا کا قتل

تخت یا تختہ۔ اس نے عزم صمیم کر لیا۔ کہ وہ اپنے عزل و قتل

کی ذرا پرہیز کرتے ہوئے باغیوں کو آغوشِ لحد میں سلا کر سلطنت کی خدمت کرے گا۔

چنانچہ اس نے پوری رازداری سے کام لیتے ہوئے ایک بہادر و قابل اعتماد دستہ تیار

کر لیا۔ یہی چری اور سپاہی دستوں کی پھوٹ اس کی کشت آرزو کے لئے بارانِ رحمت

ثابت ہوئی۔ سب سے پہلے اس نے بغاوت کے اصل سرچشمہ رجب پاشا کو تہ تیغ

کر دیا۔ پھر باغیوں کے قلع قمع پر کمر ہمت باندھی۔

۲۹ مئی ۱۶۳۲ء کو مراد نے ایک دیوان عام منعقد کیا۔

بغاوت کا استیصال

جس میں مفتی اعظم۔ وزراء حکومت۔ مشاہیر علماء اور

سواروں کے چہ قابل اعتماد دستے شامل ہوئے۔ اس نے یہی چری اور سپاہی دستوں

سے حلف لیا۔ کہ وہ پوری طرح بادشاہ کے مطیع و وفادار رہیں گے۔ اور باغیوں

کے سواروں کو گرفتار کر کے اس کے سپرد کر دیں گے۔

اس کے بعد مراد نے آزاد حکومت کی بساط آراستہ کی۔ اور تمام باغیوں کو چن

چن کر موت کے گھاٹ اتارا۔ تھوڑے ہی عرصے میں بغاوت کی خونیں آندھیاں ٹھم

گئیں۔ اور سلطنت کے اطراف و جوانب میں امن و امان کی خوش گوار ہوائیں چلنے لگیں

۱۶۳۵ء میں مراد نے اپنے کھوئے ہوئے مقبوضات پر دوبارہ

ایوان کی تسخیر

قبضہ کرنے کی مہم کو سر کرنے کے لئے باگ اٹھائی۔ اور ایوان کو

زیر نگین کیا۔

۱۶۳۸ء میں مراد ترک بہادروں کا لشکرِ جرار لے کر

بغداد کی شان دار فتح

بغداد کی مہم پر روانہ ہوا۔ اور وہاں پہنچتے ہی شہر کا

محاصرہ کر لیا۔ تیس ہزار محصورین نے مدافعت کے لئے جانیں لڑا دیں لیکن عثمانی

شکر ترک تازی کرتا اور موت سے کھیلتا ہوا فاتحانہ شہر میں داخل ہوا۔ پھر مراد سے تے بارہ سو جانباز سواروں کا ایک دستہ وہاں چھوڑ کر مراجعت کی۔ اور ۱۰ جون ۱۶۳۹ء کو دارالسلطنت میں واپس پہنچ گیا۔

۱۵ ستمبر ۱۶۳۹ء کو ایک صلح نامہ کے رو سے اریوان ایران کی واپسی کو واپس دے دیا گیا۔

وقات بغداد سے واپسی پر مراد نے بحری طاقت کو مضبوط کیا۔ اور البانیہ وغیرہ کی بغاوت رفع کی۔ اس کے بعد وہ جنگ دینس کے لئے تیاری کرنے لگا کہ یکایک بخار نے اسے آگھیرا۔ اور ۹ فروری ۱۶۴۰ء کو اس نے سفر آخری اختیار کیا۔

اخلاق و عادات سلطان مراد رابع جسمانی طاقت اور فوجی لیاقت میں اپنی ناپ آپ تھا۔ اور ساری عثمانی فوج اس کا مد مقابل پیش کرنے سے قاصر تھی۔ بے شبہ تشدد اور سخت گیری اس کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی لیکن اسی سخت گیری کا یہ ساحرانہ کرشمہ تھا۔ کہ فوج کی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ صوبہ دار کی سرکشی کا تختہ الٹ گیا۔ سلطنت کا گوشہ گوشہ فتنہ و فساد اور تباہی و بربادی آلائشوں سے پاک و صاف ہو گیا۔ ملک کا ہر متنفس نشاۃ الثانیہ کی امن پرور راہ سکون بخش فضا میں سانس لینے لگا۔ عدالتوں میں عدل و انصاف کے جنت نگار مناظر دکھائی دینے لگے۔ غرض رعایا کے تمام طبقوں میں اطمینان اور آسودگی کی دوڑ گئی۔ اور حکومت کے ہر شعبے میں حسن انتظام اور تعمیر و ترقی کے پھول برسے لگے۔

ابراہیم

۱۶۲۰ء تا ۱۶۴۸ء

سلطان مراد رابع کے بعد اس کا بھائی ابراہیم سریر آرائے سلطنت ہوا۔ لیکن مراد نے جس مملکت کو ہمت۔ شجاعت۔ حسن تدبیر اور سیحانہ اعجاز نمائی سے تازہ زندگی بخش کر پرامن و مرفہ الحال بنا دیا تھا۔ ابراہیم نے اسے کاہلی۔ بنہ تدبیری اور عیش پرستی سے بد نظمی اور تباہی کے کنارے پر لا ڈالا۔ حکومت کے ہر شعبے میں بے راہہ روی اور رشوت ستانی کا بازار گرم ہونے لگا۔ نئے نئے اور مضحکہ خیز محصول لگا دئے گئے۔ حرم کے مصارف اور عیش و عشرت کے جذبات کی تسکین کے لیے جب اس ذریعہ محاصل نے بھی کفایت نہ کی۔ تو امیر لوگوں کی ذاتی جائدادوں پر ہاتھ صاف کیا گیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سلطنت بھر میں عام بے چینی اور اضطراب کی ہوائیں چلنے لگیں۔ اور شورش و بغاوت کے چھینٹے پڑنے لگے۔ باغیوں کی ایک زبردست جماعت ابراہیم کو معزول کرنے کے لئے پیدا ہو گئی۔ جس نے اس پر یہ فرد جرم عائد کی :-

” بادشاہ نے ظلم و تشدد سے سلطنت عثمانیہ کو برباد کر دیا ہے۔ زمام حکومت عورتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ خزانہ ان کے مصارف کی تکمیل سے قاصر ہے۔ رعایا تباہ ہو گئی ہے۔ کفار کی فوجیں سرحدی شہرہاں سے ماصرہ کر رہی ہیں۔ ان کے بحری بیڑوں نے دریا نیال کی ناکا بندی کر رکھی ہے۔ شورش

آخر ۸ اگست ۱۶۴۸ء کو سلطانہ والدہ کی سعی
ابراہیم کی معزولی اور قتل

مذاہمت کے باوجود ابراہیم کو معزول کر کے اسیر
زندہ کر دیا گیا۔ اور تاج سلطنت ۱۱ سالہ شہزادہ محمد کے سر پر رکھ دیا گیا۔
ابراہیم نے ابھی اپنی حیات اسیری کے دس ہی دن پورے کئے تھے۔ کہ معزول
کرنے والی جماعت نے مفتی اعظم سے فتویٰ لے کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ازف کی فتح ۱۶۴۱ء میں ابراہیم کے سابق صدر اعظم قرہ مصطفیٰ نے ازف کی تسخیر کے لئے ایک فوجی بیڑا روانہ کیا۔ لیکن روسی قزاقوں نے جو اس پر قابض تھے بہادری سے مدافعت کی۔ اور ترکی فوج لوٹ آئی۔ اگلے سال پھر چڑھائی کی گئی۔ اور اب کے سلطنت عثمانیہ کے باج گزار خان کریمیا نے ایک لاکھ تاتاری سپاہیوں سے امداد کی۔ قزاق اس فوج کی تاب نہ لا کر بھاگ گئے۔ اور ازف پر فتح کا علم نصب کر دیا گیا۔

کریٹ کی مہم ۱۶۴۵ء میں ابراہیم نے وینس کے علاقے کریٹ کو سر کرنے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ کیونکہ مالٹا کے بحری قزاق قسطنطنیہ سے مصر جانے والے ترکی بیڑے کو گرفتار کر کے کریٹ کی بندرگاہوں میں لنگر انداز ہونے تھے۔ ترکوں نے کانیا اور ریٹینو پر قبضہ کر کے کریٹ کے صدر مقام کینڈیا کا محاصرہ کر لیا۔ جو تقریباً اکیس سال کے بعد سلطان محمد رابع کے زمانے میں مستحضر ہوا۔ اور جزیرہ کریٹ پر عثمانی پرچم لہرایا گیا۔

محمد رابع

۱۶۴۸ء تا ۱۶۸۷ء

شہزادہ محمد رابع کا نام۔ عنان کے باعث زمام سلطنت حرم کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن حرم میں دو جماعتیں مضرست اوریش تھیں۔ جس کے سبب سلطنت کی فضا شورش و بغاوت کی گھٹاؤں سے تیرہ و تار ہو رہی تھی۔

جمہوریہ وینس نے دولت عثمانیہ کی اس بد نظمی سے فائدہ اٹھا کر اس کے مقابلے کے لئے ایک جنگی بیڑا روانہ کیا۔ جس نے دردانیال کے قریب ایک عثمانی بیڑے کو نچا دکھا کر لیمناس اور ٹینیو اس پر قبضہ کر لیا۔ اور دردانیال کا دہانہ روک لیا۔ دولت عثمانیہ سخت نازک و ناسازگار حالات کے باعث تباہی کے کنارے

پہنچ چکی تھی۔ کہ سلطانہ والدہ نے منصب صدر اعظم کی باگ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دی۔ جس نے سیاسی بالغ نظری اور انتظام سلطنت کی غیر معمولی قابلیت سے مملکت کو نہ صرف برباد ہونے سے بچا لیا۔ بلکہ اس میں حیرت انگیز قوت و شوکت بھی پیدا کر دی۔

محمد کوپریلی ایشیائے کوچک کے ایک چھوٹے سے گاؤں کوپری کا باشندہ تھا۔ جو معمولی تعلیم سے بھی بے بہرہ رہا۔ خوش نصیبی سے وہ سلطان کے مطبخ میں ملازم ہو گیا۔ اور اس نے فطری قابلیت سے بتدریج ترقی کرتے کرتے ۱۶۵۶ء میں صدارت عظمیٰ کی باگ ہاتھ میں لے لی۔

صدر اعظم کا منصب قبول کرنے سے پہلے محمد کوپریلی نے سلطانہ والدہ سے بعض ایسی اہم شرائط منظور کرائیں۔ جن سے وہ غیر محدود اختیارات کا مالک بن گیا۔ اور منتشر شہزادہ سلطنت کی تنظیم و اصلاح کے سلسلے میں بے شمار باغیوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر جبروت شدد کے فولادی پنجے سے سازشوں اور بغاوتوں کا گلا گھونٹ دیا۔ اس کے جاسوس سلطنت کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور وہ ایسی سرگرمی و استعداد سے کام کرتے تھے کہ چہرہ اسی سے لے کر حکومت کے بڑے سے بڑے عہدہ داروں تک اس کی ہیبت سے لرزہ برامدام رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے عہد صدارت میں ۳۶۰۰۰ آدمی قتل کئے گئے۔

محمد کوپریلی کی یہ جاہلانہ حکمت عملی مزرع سلطنت کے لئے ابر رحمت ثابت ہوئی اور اسی بنظاہر ناپسندیدہ سختی کا یہ خوش گوار نتیجہ رونما ہوا۔ کہ شورش و سرکشی کے فتنے پیوند زمین ہو کر امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔ اور حکومت کے ہر شعبے میں باقاعدگی۔ تنظیم۔ انصاف۔ تعمیر۔ اصلاح اور ترقی کے مناظر دکھائی دینے لگے۔

۱۶۶۱ء میں محمد کوپریلی کا انتقال ہو گیا۔ وفات سے پہلے اس نے سلطان اور سلطانہ والدہ سے اپنے بیٹے احمد کوپریلی کو اپنا جانشین مقرر کرایا تھا۔ دم آخر بھی اس نے فلاح سلطنت کے پیش نظر سلطان کو مندرجہ ذیل چار نصیحتیں کر کے ان پر

عمل کرنے کی تائید کی۔

(۱) عورتوں کا مشورہ کبھی خاطر میں نہ لایا جائے۔

(۲) رعایا کے کسی طبقے یا فرد کو حد سے زیادہ مہتمول نہ ہونے دیا جائے۔

(۳) حکومت کا خزانہ ہمیشہ زرو جو اہر سے مالا مال رکھا جائے۔

(۴) سلطان ہمیشہ گھوڑے پر سوار رہے۔ اور فوج کو ہر وقت نقل و حرکت میں مصروف رکھے۔

اب سلطان محمد رابع نے گلشن حیات کی بیسیویں بہار میں قدم رکھا تھا۔ احمد کو پریلی اور وہ زمام سلطنت کو کامیابی سے ہاتھ میں لینے پر قادر تھا۔ لیکن

شکار کا شوق جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ لہذا اس نے اپنے معتمد علیہ صدر اعظم احمد کو پریلی کو سلطنت کے سپاہ و سفید کالک بنا دیا۔ پھلی کے بچے کو تیرنا کون سکھا ہے۔ انتظام حکومت کی اعلیٰ قابلیت کے اعتبار سے وہ الود سٹری لابیہ کا پورا پورا مصدق تھا۔ لیکن علم و فضل کے لحاظ سے باپ کو ناخواندہ ہونے کے باعث بیٹے سے کوئی نسبت نہ تھی۔

احمد کو پریلی کو رعایا کا دل ٹٹھی میں لینے کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ اس کی زندگی یکسر اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ وہ رعایا کے تمام طبقوں میں نہایت ہر دل عزیز تھا۔ اس نے محصولات میں معتد بہ تخفیف کر دی۔ رعایا کو حکام کی سخت گیری سے نجات دلائی۔ کلیساؤں کی تعمیر سے متعلق تمام پابندیاں دُکھ کر دیں۔ غرض ہر لحاظ سے سلطنت کو بام عروج پر پہنچایا۔

۱۶۶۳ء میں گزشتہ آویزشوں کی بنا پر آسٹریا کے خلاف آسٹریا کی جنگ بساط جنگ آراستہ ہو گئی۔ احمد کو پریلی ایک لشکر جرہ

لے کر روانہ ہوا۔ اور نوہزل کا مشہور قلعہ فتح کر کے دوسرے قلعوں کو بھی مسخر کر کے بعد یلغراد کی جانب لوٹ گیا۔

اگلے سال وہ پھر نوہزل آیا۔ اور ۱۶۶۴ء میں قلعہ سری نوار کو مسخر کیا۔ اس

بعد کو مورن پہنچا۔ لیکن وہ اس وریا کو عبور نہ کر سکا۔ کیونکہ آسٹریا اور ہنگری کی فوجوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ یکم اگست ۱۶۶۴ء کو خانقاہ سینٹ گاتھرڈ کے میدان میں فریقین معرکہ آرا ہوئے۔ عثمانی فوج تعداد میں تو حریف سے زیادہ تھی۔ لیکن تنظیم۔ اسلحہ اور مہارت فن حرب کے اعتبار سے بہت پیچھے۔ اس لئے اسے کثرت تعداد کے باوجود نیچا دیکھنا پڑا۔ اور اپنے دس ہزار سپاہیوں کی جان سے ہاتھ دھونے پڑے سلطنت عثمانیہ کی پوری تاریخ میں آسٹریا کے ہاتھوں عثمانی فوج کو یہ پہلی مرتبہ بھاری زک اٹھانی پڑی۔

صلح نامہ واسوار | واسوار میں ایک صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس کے رو سے فیصلہ کیا گیا۔ کہ آسٹری اور ترک دونوں ٹرانسلونیا سے دستبردار

ہو جائیں۔ اور اس کی زمام حکومت اپانی کے ہاتھ میں دی جائے۔ جو سلطان کو خراج ادا کرتا ہے۔ سر یوار اور نوہزل کے قلعے ترکوں ہی کے قبضے میں رہیں۔ ہنگری کے سات صوبوں میں سے تین پر آسٹریا اور چار پر دولت عثمانیہ قابض ہو۔ شہنشاہ آسٹریا دو لاکھ فلورن تاوان جنگ سلطان کو ادا کرے۔

کینڈیا کی تسخیر | ۱۶۶۷ء میں احمد کوپرلی نے کینڈیا پر فوج کشی کی جس کا محاصرہ بیس سال سے جاری تھا۔ محصورین نے تاب مقابلہ نہ لاکر احمد کوپرلی کو ایک گراں بہا رقم پیش کرتے ہوئے استدعا کی۔ کہ وہ محاصرے سے دست کش ہو کر لوٹ جائے۔ احمد نے کہا۔

”ہم لوگ روپے کا کاروبار نہیں کرتے۔ ہم کینڈیا کو مسخر کرنے کے لئے صرف آرا ہیں۔ اور کسی قیمت پر اسے ترک نہ کریں گے۔“

کینڈیا کو باہر سے زبردست کمک آگئی۔ لیکن احمد کوپرلی کے قدم ذرا نہ ڈگمگائے۔ ۱۶۶۹ء میں اہل وینس کے سردار موروسینی نے سپر ڈال دی۔ اور یہ اہم تاریخی محاصرہ تقریباً اکتیس سال کے بعد ختم ہوا۔

فریقین میں ایک صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس کے مطابق کریٹ دولت عثمانیہ میں

شامل کر لیا گیا۔ لیکن تین چھوٹی چھوٹی بندرگاہیں وینس کے پاس رہنے دی گئیں۔

۱۶۷۰ء میں پولینڈ اور اس کے ماتحت اوکراین کے قزاقوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ قزاقوں نے دولت عثمانیہ سے مدد طلب کی۔

پولینڈ سے جنگ

باب عالیہ نے ان کی درخواست منظور کر کے خود بھی چھ ہزار کی ترک فوج بھیجی۔ اور خان کریمیا کو بھی ان کی امداد کرنے کا حکم دیا۔ اس پر پولینڈ اور دولت عثمانیہ کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ جو چار برس تک جاری رہی۔

۲۶۔ اگست ۱۶۷۲ء کو ترکوں نے کینیک اور لبرگ کو فتح کر لیا۔ اور شاہ پولینڈ نے صلح نامہ بوزاکس پر دستخط ثبت کر کے پوڈولیا اور کرین

صلح نامہ

کے صوبے دولت عثمانیہ کو دے دئے۔ اور دو لاکھ بیس ہزار دوکات سالانہ خراج اور کرنا منظور کیا۔ محمد رابع نے جو اب کے احمد کو پریلی کے ساتھ ہم میں شامل ہوا تھا فاتحانہ جوش و خروش سے اور نہ کی طرف مراجعت کی۔

پولینڈ نے اس صلح نامے کو پڑے پڑے کر کے نئے سرے سے جنگ کی داغ بیل ڈال دی۔ چنانچہ احمد کو پریلی نے حریف کی گوشالی کے

پھر جنگ

لئے باگ اٹھائی۔ لیکن ۱۶۷۳ء میں پولینڈ کے جرنیل سو بیسکی نے خوزیم کے قریب اچانک ترک فوج پر شب خون مار کر احمد کو بھاری شکست دی۔ ولاچیا اور مولڈویا وغداری کر کے سو بیسکی سے مل گئے۔ اگلے سال پھر ایک ترک فوج اوکراین کی تسخیر کے لئے روانہ کی گئی۔ لیکن ناکام رہی۔ کیونکہ پولینڈ کی حمایت روس بھی کر رہا تھا۔ ۱۶۷۳ء میں سو بیسکی پولینڈ کے اورنگ حکومت پر متمکن ہوا۔ اور اگلے ہی سال اس نے لبرگ میں پھر ترکوں کو نیچا دکھایا۔ مگر ترکوں کے پائے ثبات میں ذرا لغزش نہ آئی۔ اور انھوں نے زرانہ میں سو بیسکی کے چھکے چھڑا کر پوڈولیا کو زیر نگین کیا۔

سو بیسکی کو صلح کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ چنانچہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۶۷۶ء کو صلح نامہ زرانہ پر دستخط ہو گئے۔ جس کے رُو سے

صلح نامہ زرانہ

کینیک اور پوڈولیا ترکوں کے حوالے کئے گئے۔ اور اوکراین کا تقریباً سارا علاقہ

دولت عثمانیہ میں شامل ہو گیا۔

احمد کوپریلی کا انتقال | صلح نامہ زرانہ کے تین دن بعد احمد کوپریلی کا انتقال ہو گیا۔ اس نے اپنی تادرا الوجود قابلیت اور زندگی کا ناموں

سے ثابت کر دیا۔ کہ دولت عثمانیہ کا کوئی وزیر اس کے اوج مرتبت کو نہیں پہنچ سکتا۔

قرہ مصطفیٰ | سلطان نے احمد کوپریلی کے بعد اس کے لائق اور حقیقی مستحق بھائی مصطفیٰ کوپریلی کے بجائے اپنے داماد قرہ مصطفیٰ کو صدر اعظم کے منصب پر

سرفراز کیا۔ لیکن وہ اس عہدہ جلیلہ کے قابل نہ تھا۔ اور محض ہوس جاہ اور حسب

عظمت کا شیدائی تھا۔ چنانچہ اس کے بے جا تشدد سے رعایا میں زبردست بے چینی

پھیل گئی۔ وہ آسٹریا پر فوج کشی کر کے ویانا کو زیر نگین کرنے کا آرزو مند تھا۔ لیکن اس

میں بھی اس کی یہ ذاتی غرض پنہاں تھی کہ ڈینیوب اور رہائن کے درمیانی علاقوں کی

حکومت حاصل کرے۔ مگر اس فہم کے آغاز سے قبل روس کے ساتھ لڑائی شروع

ہو گئی۔ جس میں قرہ مصطفیٰ کو نیچا دیکھنا پڑا۔

۱۶۷۷ء میں اوکراین کے قزاقوں نے قرہ مصطفیٰ کے تشدد سے تنگ

اوکراین | آکر بغاوت پر مکر باندھ لی۔ روس نے ان کی پیٹھ ٹھونکی۔ قرہ مصطفیٰ نے

ادھر کا رخ کیا۔ لیکن روس اور پولینڈ دونوں کی فوجیں باغیوں کے دوش بدوش سینہ سپر

ہوئیں۔ لہذا اسے ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ ۲۱۔ اگست ۱۶۷۸ء کو اس نے قلعہ

سیزرائم پر تسلط بٹھایا۔ آخر ۱۶۸۱ء میں روس اور دولت عثمانیہ کے درمیان ایک

صلح نامے پر دستخط ہوئے۔ جس کے رو سے اوکراین پر روس کا قبضہ تسلیم کیا گیا۔

۱۶۸۲ء میں ہنگری کے ایک علاقے نے آسٹریا کے

ویانا پر دوبارہ فوج کشی | خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور باغیوں کے سرغنہ

تو کوئی نے شاہ ہنگری ہونے کا اعلان کر کے سلطان کی خدمت میں اظہار اطاعت

کیا۔ قرہ مصطفیٰ نے اس زریں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۶۸۳ء میں پونے

تین لاکھ جوانوں کے لشکر کے ساتھ ویانا کی طرف پیش قدمی کی۔ آسٹریا کے شہنشاہ

لیوپولڈ کے پاس تقریباً ۳۵ ہزار فوج تھی۔ لہذا اس نے سوہیسکی سے استمداد کی۔ سوہیسکی نے پولینڈ اور باب عالی کے صلح نامے کو بالائے طاق رکھ کر ۵۰ ہزار سپاہیوں کی کمک بھیجنے کا وعدہ کیا۔

۱۵۔ جولائی ۱۶۸۳ء کو دوسری دفعہ ویانا کا محاصرہ کیا گیا۔ لیکن قرہ مصطفیٰ کی ہوس دولت سے پکی پکائی کھیر دلیا ہو کر رہ گئی۔ اور اس کے التوائے حملہ سے فائدہ اٹھا کر سوہیسکی اپنی عظیم الشان فوج لے آیا۔ اب پولینڈ اور آسٹریا کی متفقہ فوجیں عثمانی لشکر پر دونوں طرف سے حملہ کرنے لگیں۔ جس کا متوقع نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سوہیسکی نے فتح کا پرچم لہراتے ہوئے تین سو توپیں۔ نو ہزار گولہ بارود کی گاڑیوں اور ۳۵ ہزار خیموں پر قبضہ کر لیا۔

قرہ مصطفیٰ کا قتل | قرہ مصطفیٰ بھاگ کر بودا پہنچا۔ اور شکست کی ذمہ داری عثمانی لشکر کے چند نامور سرداروں پر ڈال کر ان کی گردن مار دی۔ پھر اس نے بلغراد کا رخ کیا۔ لیکن وہاں سلطان نے اسے اپنے حکم سے تہ تیغ کرا دیا اور اس کی جانا دہ پر قبضہ کر لیا۔

صلیبی طاقتوں کا اتحاد | ترکوں کی اس افسوس ناک شکست سے یورپ کے گوشے گوشے میں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ اور ۱۶۸۲ء میں صلیبی طاقتوں کا ایک اتحاد قائم کیا گیا۔ جس میں آسٹریا۔ پولینڈ۔ وینس اور مالٹا شامل ہوئے۔ ۱۶۸۶ء میں روس نے بھی شرکت کر لی۔

ترکوں کا ستارہ گردش میں | اب ترکوں کے گلشن حیات میں ادبار کی بادِ سموم چلنے لگی۔ عثمانی فوجیں ان حملہ آوروں پر غالب نہ آسکیں۔ اور رفتہ رفتہ گران۔ نوہزل۔ اوفن۔ ریجیڈین اور بلغراد کے سوا ہنگری کے تمام قلعے کورن۔ لوارینو۔ کورنٹھ۔ ایٹھنز حتیٰ کہ روسیا اور بودا بھی جو تقریباً ۵۰ سال سے دولت عثمانیہ کے زیر نگیں تھے۔ اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔

۱۲۔ اگست ۱۶۸۴ء کو موہاکز میں میدانِ کارزار گرم ہوا۔ اور سلاووینا اور کروشیا کے صوبوں پر مستقلاً آسٹریا کا قبضہ ہو گیا۔ سلطنت عثمانیہ کے باج گزار علاقہ ٹرانسلوانیا

پر بھی آسٹریا کی سیادت قائم ہو گئی۔

لگاتار ناکامیوں سے عثمانی فوج میں بے دلی اور غم و غصہ کے جذبات پھیل گئے۔ اور

سلطان کی معزولی اور وفات

انہوں نے سلطان سے مطالبہ کیا کہ صدر اعظم سلیمان پاشا کو تہ تیغ کر کے سیاوش پاشا کو اس منصب پر فائز کیا جائے۔ سلطان نے ہوا کا رخ دیکھ کر اس مطالبے پر منظوری کی ہر مثبت کر دی۔ لیکن فوج نے اس سے بھی آگے بڑھ کر قسطنطنیہ پہنچتے ہی عزل سلطان کا مطالبہ پیش کر دیا۔ اور علمائے بالا اتفاق معزولی کا فتویٰ دے دیا۔ اس پر ۸ نومبر ۱۶۸۷ء کو محمد رابع سے تاج و تخت چھین کر اسے سلیمان کی جگہ نظر بند کر دیا گیا۔ اور سلیمان کو تخت حکومت پر متمکن کیا گیا۔

۱۷۔ دسمبر ۱۶۹۲ء کو سلطان محمد رابع نے دنیائے قانی سے عالم جاودانی کی راہ لی۔

محمد رابع کے زمانے میں سلطنت عثمانیہ کو یہ نقصان عظیم بھی برداشت کرنا پڑا۔ کہ الجزائر اور تونس کی حکومتیں آزادی اور خود مختاری کی

الجزائر اور تونس

دولت سے مالا مال ہو گئیں۔ یہ آزادی ۱۶۸۰ء کے قریب عمل میں آئی۔ الجزائر تقریباً دو سو سال اور تونس پچاس سال سے زائد عرصے تک چھستان آزادی کی بہاروں سے کیف اندوز ہونے کے بعد علی الترتیب ۱۸۳۰ء اور ۱۸۸۱ء میں فرانس کے زیر نگیں ہو گئے۔

اول اول بنی چری فوج میں صرف عیسائی نوجوانوں سالانہ انتخاب کے ذریعے سے بھرتی کئے جاتے

بنی چری کے نظام میں ترمیم

تھے۔ لیکن سلطان محمد رابع کے زمانے میں یہ پابندی اٹھادی گئی۔ اور اس میں ترکی مسلمان امیدوار بھی بھرتی ہونے کے خواست گار ہوئے۔ لیکن ۱۶۶۵ء سے عیسائی نوجوانوں کو اس میں بھرتی ہونے کی قطعاً ممانعت کر دی گئی۔

اگرچہ سلطان محمد رابع کو شبانہ روز شکار کے ساتھ غیر معمولی

سلطان کی علم نوازی

دیکھی ہونے کے باعث کسی اور کام کی طرف متوجہ ہونے کا موقع بہت کم ملتا تھا۔ پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح علوم پروری اور فنون نوازی کے

لئے بھی وقت نکال لیتا تھا۔ وہ علماء و فضلاء اور ارباب کمال کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس کا دربار مختلف علوم و فنون میں استادانہ مہارت رکھنے والے اصحاب کے بھرا رہتا تھا۔ اور وہ ان کی مصاحبت سے گہری دلچسپی لیتے ہوئے متعدد علمی مسائل اور فنی رموز سے محظوظ و بہرہ یاب ہوا کرتا تھا۔ جب وہ کسی صاحب کمال سے زیادہ خوش ہوتا تھا۔ تو اس کا دامن امید ڈرہائے مقصود سے مالا مال کر دیتا تھا۔ تاریخ نگار حضرات پر اس کا ابرجود و کرم خاص طور پر گہر باری کیا کرتا تھا۔ اور انہیں مستقل طور پر اپنے دربار میں متعین رکھتا تھا۔

سلیمان ثانی

۱۶۸۷ء تا ۱۶۹۱ء

سلطان سلیمان ثانی ۵۴ سال کی عمر میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ مملکت پر چاروں طرف سے مصائب و نوازل کا ہجوم دیکھ کر اس کی حسین استقلال پر شکن تک نہ آئی۔ اس نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی بغاوت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے فوج پر انعام و اکرام کا مینہ برسادیا۔ اگرچہ اس کے تدبیر اور سیاسی بالغ نظری کا یہ نتیجہ کسی قدر نشانے پر بیٹھا۔ لیکن سرکشی کے بجھتے ہوئے شعلے پھر تیزی سے بھڑکنے لگے۔ قسطنطنیہ کے در و دیوار سے خون کے فوارے چھوٹنے اور کوچہ و بازار میں ٹوٹ مارا انگارے برسنے لگے۔ صدر اعظم سیاوش پاشا کے محل پر حملہ کر کے اس کا سر قلم کر دیا گیا اور خواتین کی توہین کی گئی۔ باغیوں اور بد معاشوں کی دھما چو کڑی اور طوفان کشت و خون سے عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ آخر علمائے ہمت و جرات سے کام لے کر عام لوگوں کو اور بنی چری کو باغیوں کے استیصال پر اکسایا۔ جس کا یہ خوش آئند نتیجہ نکلا۔ کہ بغاوت کی آگ دب گئی۔ اور اس قدر امن قائم ہو گیا۔ کہ سلطان نے ہنگری کی سرحد پر ایک فوج بھیج دی۔

سلطنت میں ضعف و اختلال | جدھر نظر اٹھتی تھی۔ سلطنت کا قصر استقلال
ضعف و اختلال کے جھٹکوں سے متزلزل

دکھائی دے رہا تھا۔ ۱۶۸۴ء میں آسٹریا کی فوجوں نے قلعہ ایڑلا (ہنگری) کو مستحضر کیا۔
۱۶۸۸ء میں بلغراد پر قبضہ کیا۔ پھر بوسینیا کے بڑے حصے نیش اور وڈین پر تسلط
بٹھایا۔ ڈلناشیا بغاوت کے زور سے خود مختار ہو گیا۔ سرویا کا بہت سا علاقہ باب عالی
کے حلقہ اقتدار سے نکل چکا تھا۔

ملکت کے جنوبی علاقے کی بھی یہی حالت تھی۔ اور دولت عثمانیہ کے قدیم
سببوبات پر غنیم کا پرچم اقتدار لہرا رہا تھا۔ یونان اور البانیہ وینس کے زیر تلگیں تھے
وہ باب عالی کا بحری بیڑا دشمنوں کی فاتحانہ تاخت و تاراج سے زور و قوت
لھو چکا تھا۔

سلطنت کی یہ مالوس گن اور لبریز مصائب حالت دیکھ کر
مصطفیٰ کوپریلی | سلطان نے ۱۶۸۹ء میں بمقام ادرتہ ایک دیوان منعقد

کیا۔ جس میں موجودہ صورت حال کی اصلاح کے لئے حاضرین سے رائے طلب
کی گئی۔ سب نے بالاتفاق یہی مشورہ دیا۔ کہ مصطفیٰ کوپریلی کو صدارت عظمیٰ کے
منصب پر سرفراز کیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت اس مشورے کو لباس عمل پہنا
یا گیا۔

مصطفیٰ کوپریلی نے مدبرانہ حکمت عملی سے کام لے کر حکومت کی اصلاح کا
بیڑا اٹھایا۔ رعایا کو مضطرب کرنے والے غیر ضروری محصول معاف کر دئے بشدد
کا بر سلطنت سے گراں قدر رقمیں وصول کر کے خزانہ بھر دیا۔ ذاتی تقرنی ظروف
بھی خزانے میں دے دئے۔ کافی روپیہ جمع ہونے کے بعد فوجی قوت بڑھانے پر
توجہ مبذول کی۔

عیسائی رعایا کو سلطنت کا حقیقی خیر خواہ بنانے کے لئے ان پر مخصوص
مراعات کی بارش کر دی۔ اور تمام حکام کے نام اسی مضمون کے فرامین جاری کئے۔

نیا کلیسا تعمیر نہ کر سکنے کی پابندی دُور کر دی۔

یہ دیکھ کر کہ آسٹروی فوجیں مقدونیہ کے درودیوار سے ٹکرا رہی ہیں۔ مصطفیٰ کو پریلی نے ایک مجلس جنگ کے فیصلے کے مطابق

خالد پاشا کے زیرِ کمان ایک عظیم الشان لشکر مقدونیہ کو روانہ کیا۔ ترکی اور تاتاری فوجوں نے جرمنی۔ آسٹریا اور البانیہ کی متحدہ فوجوں کو دو میدانوں میں ناک چنے چبوائے۔ اور ترکوں نے مقدونیہ اور اس کے قریبی مقامات واپس لے لئے۔

اس عظیم الشان فتح سے عثمانی فوج کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور ۱۶۹۰ء میں ترکوں نے ڈراگویمان اور نیش کو مسخر کر لیا۔ ہنگوی سردار تکیلی نے ٹرانسلونیا پر قابض ہو کر سلطنت کی سیادت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد کوپریلی نے سمندریا پر قبضہ کر کے ودین کو دوبارہ مسخر کیا۔ پھر بلغراد پر فتح کا پھریرا اڑانے کے بعد فاسخانہ شان سے قسطنطنیہ لوٹا جہاں دھوم دھام سے اس کا خیر مقدم کیا گیا۔

۱۶۹۱ء میں مصطفیٰ کوپریلی نے پھر مہم آسٹریا کے لئے باگ سلیمان کی وفات اٹھائی۔ لیکن اس جنگ کے اختتام سے پہلے ہی سلطنت سلیمان ثانی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

احمد ثانی

۱۶۹۱ء تا ۱۶۹۵ء

سلطان سلیمان ثانی کے بعد اس کا بھائی احمد ثانی ۱۶۹۱ء میں تخت حکومت پر بیٹھا ہوا۔ اس کے عہد میں مصطفیٰ کوپریلی کو پورے پورے اختیارات حاصل رہے۔ اس نے بلغراد میں عثمانی لشکر جمع کر کے آسٹریا کی جانب پیش قدمی کی۔ ۱۹ اگست ۱۶۹۱ء کو اس کے قریب طرفین میں جنگ چھڑ گئی۔ اور ڈینیوب میں عیسائی اور ترکی بیڑے بھی رزم ہوئے۔ ترکی بیڑے نے حریف کو نیچا دکھایا۔ لیکن بری میدان جنگ عیسائیوں کے

مصطفیٰ کو پریمی نے جوش شجاعت میں اپنے تجربہ کار مشیروں کی رائے کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ اور امدادی فوج کا انتظار کئے بغیر آسٹری فوج پر ہلہ بول دیا۔ جب اس نے عثمانی مجاہدین کے پائے ثبات میں لغزش دیکھی تو خود تلوارِ علم کر کے دشمن پر پل پڑا۔ اور عیسائیوں کو قتل و جرح کا تختہ مشق بناتا ہوا جام شہادت نوش کر گیا۔

یہ دیکھ کر عثمانی فوجوں کی کمرہمت ٹوٹ گئی اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ بعد ازاں آسٹریا کی ایک فوج نے ٹرانسلونیا پر یورش کی۔ اور تکیلی کو شکست دے کر اس علاقے کو زیرِ نگیں کیا۔

اس کے بعد چھوٹی چھوٹی غیر اہم لڑائیاں ہوتی رہیں۔ البتہ وینس سے جو خونریز جنگ ہوئی۔ اس میں حرلیت نے جزیرہ سافز پر قبضہ کر لیا۔

مقلسی میں آٹا گیلا۔ مرے کو مارے شاہ مار۔ دولت عثمانیہ ابھی شکستوں اور داخلی بغاوتوں کے ہلاکت خیز ریالوں سے سر نہ اٹھانے پائی تھی۔ کہ اس پر دبا اور قحط کی بلائیں بھی نازل ہو گئیں۔ سمرتا میں ایک تباہ کن زلزلہ آیا۔ جس نے اسے زبردست نقصان پہنچایا۔ ۱۶۹۳ء میں قسطنطنیہ ہولناک آگ کی پیٹ میں آ گیا۔ جس کی ہلاکت خیزی نے زلزلے کی تباہی کو بھی فراموش کر دیا۔

۶۔ فروری ۱۶۹۵ء کو سلطان احمد ثانی ابدی خواب کی مدہوشیوں میں کھو گیا :

مصطفیٰ ثانی

۱۶۹۵ء تا ۱۷۰۳ء

سلطان احمد ثانی کے بعد معزول سلطان محمد رابع کا بیٹا شہزادہ مصطفیٰ تخت حکومت کی زینت بنا۔ اس کی بہادری اور اولوالعزمی ستم تھی۔ اختلال سلطنت کی اصلاح کے سلسلے میں سب سے پہلے وہ آسٹریا کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اکابر حکومت کے فیصلے کے خلاف ۱۶۹۵ء میں بہ نفس نفیس بلغراد سے تمیسوار کی طرف باگ اٹھائی۔ بہت سے

قلعے آسٹریا کے قبضے سے چھڑا کر دوبارہ زیر نگیں کئے گئے۔ پھر لیوگوش کے پاس آسٹروی فوج سے جنگ ہوئی۔ جس میں میدان سلطان کے ہاتھ رہا۔ اور آسٹروی کماندار ویرطانی اور اس کی نصف فوج کھیت رہی۔

فتوحات کی ابتدا | سردیوں میں التوائے جنگ کے باعث مصطفیٰ کو فرصت مل گئی۔ اور اس سے قائدہ اٹھا کر اس نے جنگ کے لئے خوب

تیاری کر لی۔ ۱۶۹۶ء میں اس نے تیس سو ارپو دوبارہ قبضہ کیا۔ اور اپنے ہنگروی قلعوں کو مضبوط کر کے لوٹ آیا۔

زنتا کی شدید ناکامی | ۱۶۹۷ء میں مصطفیٰ ایک زبردست فوج لے کر بلغراد سے چل کر ہنگری پہنچا۔ اور دریائے تھائیس کی جانب پیش قدمی

کی۔ زنتا کے مقام پر آسٹروی فوجوں اور عثمانی لشکر کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا۔ لیکن ترکوں کی باہمی چھوٹ اور مینی چری کی بغاوت رنگ لائے بغیر نہ رہی۔ انھیں بھاری شکست ہوئی۔ ۲۶ ہزار سپاہی جنگ میں کام آئے۔ اور دس ہزار عبور دریا کی جدوجہد میں غرق ہو گئے۔

حسین کوپریلی | مصطفیٰ نے سیاسی فرزانگی سے کام لے کر محمد کوپریلی کے برادر زاد حسین کوپریلی کو صدارت عظمیٰ کے منصب عالی پر فائز کیا۔ اس

نے اصلاحات کے سلسلے میں سب سے پہلے سلطنت کی فوجی طاقت اور مالیات پر توجہ مبذول کی۔ اور مختلف ٹیکسوں اور جائداد موقوفہ کی آمدنی سے معتد بہ سرمایہ جمع کر کے پچاس ہزار پیادوں اور اڑتالیس ہزار سواروں کا ایک لشکر تیار کر لیا۔

ازف کا معرکہ | بحیرہ اسود میں قیام اقتدار روس کا منہائے نظر تھا۔ اس عرض پہلے اس نے ازف کو مستخر کرنے کی ٹھانی۔ اور ۱۶۹۵ء میں

ہزار سپاہیوں کی ایک زبردست فوج لے کر اس پر یورش کر دی۔ لیکن شدید ناکامی دوچار ہو کر اپنے تیس ہزار مبارزین کی جانوں سے ہاتھ دھوتے ہوئے پس پا ہو گیا۔ مگر دوسرے سال اس کا محاصرہ کامیاب رہا۔ اور ازف نے گھٹنے ٹیک دئے۔

۲۶۔ جنوری ۱۶۹۹ء کو صلح نامہ کارلووٹز پر دستخط ہوئے۔

صلح نامہ کارلووٹز

جس کے رو سے آسٹریا کا قبضہ ٹرانسلونیا، سلاوینا اور مروش کے شمالی اور تھائیس کے مغربی ہنگروی علاقوں پر بحال رکھا گیا۔ ہنگری اور ٹرانسلونیا کی طرف سے جو خراج شہنشاہ آسٹریا سلطان کو ادا کرتا تھا۔ وہ موقوف کر دیا گیا۔ موریا اور البانیہ وینس کے زیر اقتدار رہنے دئے گئے۔ لیکن آبنائے کورنتھ کے شمالی مقامات سلطنت عثمانیہ کو لوٹا دئے گئے۔ پولینڈ کو پودولیا اور کامینیک واپس دے دئے گئے۔ شہرازت اور بحیرہ ازف پر روس کا تسلط بحال رکھا گیا۔ پیٹر اعظم نے صرف دو برس اور دوسری سلطنتوں نے پچیس برس کے لئے اس صلح نامے پر دستخط ثبت کئے۔

حسین کو پرٹی نے کریمیا، مصر، عرب اور سرحد ایران

شان دار اصلاحات

کی بغاوتوں کا قلع قمع کر کے مملکت میں امن و امان قائم کیا۔ اس کے بعد بڑی و بحری افواج، مالیات، مکاتب، مساجد، اوقاف تمام محکموں کو شاندار اصلاحات سے بہرہ اندوز کیا۔ سلطنت کے طول و عرض میں چھاؤنیوں، بازاروں، مسجدوں اور مدرسوں کے جال بچھا دئے۔ ۱۷۰۲ء میں حسین کو پرٹی نے اپنے مخالفوں کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر استعفا دے دیا۔ اور چند ہی روز کے بعد اس نے عالم عقبی کی راہ لی۔

حسین کو پرٹی کے بعد صدارت عظمیٰ

دال طبان پاشا کا تقرر اور معزولی

کا منصب دال طبان پاشا کے سپرد کیا گیا۔ اس نے مبارزانہ رواج کے زیر اثر صلح نامہ کارلووٹز کے پڑے اڑا دینے چاہے۔ لیکن فوج اور رعایا نے اس کی پالیسی سے شدید اختلاف کرتے ہوئے سلطان سے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ مفتی فیض اللہ کی تائید و سعی سے دال طبان پاشا معزول کر دیا گیا۔

دال طبان پاشا کے بعد رامی محمد پاشا صدر اعظم

مصطفیٰ کا عزل اور انتقال

بنا۔ اس نے حسین کو پرٹی کے طریق کار کی

رہنشی میں سلطنت کی خرابیاں ڈور کرنے پر مکر باندھی۔ لیکن جن لوگوں پر اس کی زد پڑنے لگی۔ انہوں نے یہی چری کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ فوج نے اسے معزول کر دینے کے لئے سلطان پر زور ڈالا۔ یہ مطالبہ بڑھتے بڑھتے ۱۷۰۳ء میں بغاوت کی صورت اختیار کر گیا۔ فوج نے مفتی فیض اللہ کی معزولی پر بھی اصرار کیا۔ سلطان اور نہ میں مقیم تھا۔ اس نے مفتی کی معزولی کے لئے تو فرمان جاری کر دیا۔ مگر صدر اعظم کا خزل اپنی واپسی تک معرض التوا میں ڈال دیا۔

باغیوں نے شورش کی رفتار تیز سے تیز تر کر دی۔ اور خود سلطان کے عزل کی تحریک کرتے ہوئے علماء سے فتویٰ بھی لے لیا۔ سلطان نے آتش بغاوت کے فرو کرنے کی امکانی کوشش کی۔ مگر بے سود۔ آخر ۱۵۔ اگست ۱۷۰۳ء کو مصطفیٰ کا عزل عمل میں آیا اور باغیوں نے اس کے بھائی احمد کو تخت سلطنت پر متمکن کیا۔ ۳۱۔ دسمبر ۱۷۰۳ء کو سلطان مصطفیٰ ثانی کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

سلطان مصطفیٰ ثانی تدبیر۔ سیاسی بالغ نظری اور حسن انتظام کے محاسن سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ اس کی اولوالعزمی اور بہادری کا روشن ثبوت ان فتوحات سے ملتا ہے۔ جو اس کے عہد میں حاصل ہوئیں۔ زنتاکی شکست کے بعد صلح کا دامن تھا مناس کی عالی دماغی اور مصلحت بینی پر وال ہے۔ کیونکہ وہ مملکت کی فوجی طاقت کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے سمجھ گیا تھا کہ کامیابی کے ساتھ آسٹریا سے عہدہ برآ ہونا غیر ممکن ہے۔

احمد ثالث

۱۷۰۳ء تا ۱۷۱۳ء

سلطان احمد ثالث نے تخت نشین ہوتے ہی باغیوں کو انعام و اکرام سے نالا مال کر دیا۔ اور ان کے اصرار پر مفتی فیض اللہ کے قتل کا بھی حکم دے دیا۔ لیکن

غیوں کو یہ قتل بہت ہنگامہ پڑا۔ کیونکہ سلطان نے اپنے ہاتھ پوری طرح مضبوط کر لینے کے حدیثی چری کے متعدد عہدہ داروں کو چن چن کر تہ تیغ کر ڈالا۔

سلطان نے احمد پاشا کو معزول کر کے صدارت عظمیٰ کی باگ اپنے بہنوئی حسن پاشا کے ہاتھ میں دی۔ لیکن وہ بھی سازشوں کا شکار ہو کر برطرف کر دیا گیا۔ پھر پندرہ سال کے دوران میں بارہ صدر اعظم یکے بعد دیگرے مامور ہوئے۔ جس کے باعث روس کی طرف توجہ نہ کرنے کی بنا پر اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا گیا۔

۱۷۰۰ء میں روس اور دولت عثمانیہ کے درمیان **روس کے ساتھ نیا معاہدہ** جو معاہدہ قرار پایا تھا۔ روس اس کی خلاف ورزی

رتے ہوئے جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ اس لئے ۱۷۰۵ء میں ایک نیا معاہدہ مرتب ہوا۔

روس سے جنگ سوڈن کو شکست دینے کے بعد روس نے اپنی سرگرمیوں کا رخ سلطنت عثمانیہ کی طرف پھیر دیا۔ اور کریمیا پر چڑھائی

رہنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ جب خان کریمیا نے قسطنطنیہ آکر پٹر کی جنگی تیاریوں سے پیدا شدہ خطرات پر روشنی ڈالی۔ تو ۲۸۔ نومبر ۱۷۱۰ء کو سلطان نے روس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ ۲۵۔ فروری ۱۷۱۱ء کو روس کی طرف سے بھی جواباً ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا۔

۱۷۱۱ء میں بلطہ جی محمد پاشا صدر اعظم نے ترک مجاہدین کے لشکر جرّار کے ساتھ مولڈیویا کی جانب پیش قدمی کی۔ جس کے حاکم نے سلطنت عثمانیہ سے غداری کر کے پٹر کے ساتھ ساز باز کر لی تھی۔ پٹر بھی اپنی فوج کے ہمراہ وہیں آ گیا۔ اور دریائے پرتھ کو عبور کر کے اس کے ساحل پر ڈیرے ڈال دئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کیونکہ اس کی ایک جانب دریائے پرتھ اور دوسری جانب ایک وسیع دلدل تھی۔ سامنے کی پہاڑیوں پر بلطہ جی محمد پاشا اپنے لشکر کے ساتھ قابض تھا۔ روسی فوجیں عثمانی توپوں کی زد میں آچکی تھیں۔ جن سے بچ کر وہ

دریا کو عبور نہ کر سکتی تھیں۔

پیٹر نے اپنے اور اپنی فوج کے اوپر ہلاکت کی خون آٹا
پیٹر کا یاس انگیز مکتوب | تلواریں لٹکی ہوئی دیکھیں۔ تو اس نے حسب ذیل مکتوب

کا ایک مکتوب روسی سینٹ کے نام ماسکو ارسال کیا۔

” میں تمہیں اطلاع دیتا ہوں۔ جھوٹی خبر سے فریب کھا کر اور اپنی کسی غلطی کے بغیر

میں اپنے آپ کو اس حالت میں پاتا ہوں۔ کہ ترکی فوج نے مجھے خود میرے لشکر میں

بند کر رکھا ہے۔ ہمارے سامان رسد کی فراہمی منقطع کر دی گئی ہے۔ اور ہمیں ہر لمحہ ہلاک

یا قید ہو جانے کا خطرہ ہے۔ بجز اس کے کہ خدا کسی غیر متوقع طریق پر ہماری مدد کرے

اگر میں ترکوں کے ہاتھ گرفتار ہو جاؤں۔ تو پھر تم مجھے اپنا زار یا فرماں روانہ سمجھنا۔ اور نہ

میرے کسی حکم کی پروا کرنا۔ جو میری طرف سے تمہارے پاس پہنچایا جائے۔ خواہ تم میرے

خط کو پہچان ہی کیوں نہ لو۔ بلکہ خود میری آمد کے منتظر رہنا۔ اگر میں یہاں ہلاک ہو جاؤں

اور تمہیں میری وفات کی مصدقہ اطلاع ملے۔ تو اس وقت میرا جانشین اس شخص کو منتخب

کر لینا۔ جو تم میں سب سے زیادہ اہل ہو۔“

اب روسی ترکوں کے لئے بالکل مردہ بدست زندہ تھے۔ پیٹر
صلح نامہ پر تھم | مصائب کے ہجوم سے جو اس باختہ ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی بیوہ

کیتھرائن نے اوسان قائم رکھتے ہوئے ایک ایسی چال چلی۔ جس سے روسیوں کو زندہ

سلامت مراجعت وطن کا موقع مل گیا۔ اس نے اپنا سارا زیور اور فوج سے وصول

زر نقد صدر اعظم کے نائب کے پاس بھیج کر صلح کی درخواست کی۔ صدر اعظم بلطج

پاشا پیٹر کے حریف چارلس ڈووازدہم کے نمائندہ کاؤنٹ پونیاٹوسکی اور خان کریمیا کی

مخالفت کے باوجود اپنے نائب کی سفارش سے دولت عثمانیہ کے لئے نہایت مفید

پر صلح کرنے کے لئے راضی ہو گیا۔ چنانچہ ۲۱ جولائی ۱۸۱۲ء کو صلح نامہ مرتب ہو گیا

میں اندراج دفعات سے قبل یہ الفاظ تحریر کئے گئے۔

” اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فاتح اسلامی فوج نے زار روس کو اس کی تمام فوجوں

کے ساتھ دریائے پرتھ کے قریب گھیر لیا ہے۔ اور زار نے صلح کی درخواست کی ہے۔

اور اسی کی درخواست پر حسب ذیل دفعات مرتب اور منظور کی جاتی ہیں:۔

(۱) زار نے قلعہ ازف اور اس کے ملحق علاقوں سے اپنا قبضہ اٹھالینا منظور کیا۔
 اور انھیں اسی حالت میں سلطنت عثمانیہ کے حوالے کر دینے کا وعدہ کیا۔ جس حالت میں
 اس نے ان پر قبضہ کیا تھا۔

(۲) زار نے منظور کیا۔ کہ اس کا نیا شہر تگنروگ جو بحیرہ ازف پر واقع تھا۔ نیز اس
 علاقے کے بعض دوسرے قلعے جو اس نے تعمیر کرائے تھے۔ سب مسمار کر دئے جائیں۔
 اور کبھی تعمیر نہ ہوں۔ علاوہ بریں کینسکی میں اس نے جو توپیں اور فوجی سامان اکٹھا
 کیا تھا۔ وہ تمام وکمال باب عالی کو دے دیا جائے۔

(۳) زار نے معاہدہ کیا۔ کہ آئندہ وہ اہل پولینڈ یا ان قزاقوں کے معاملات میں جو
 پولینڈ یا خان کریمیا کے محکوم ہیں۔ دخل نہ دے گا۔ اور ان کے علاقوں سے روسی
 فوجیں ہٹائے گا۔

(۴) تجارت آزاد قرار دی گئی۔ لیکن یہ شرط رکھی گئی۔ کہ آئندہ کوئی روسی سفیر
 قسطنطنیہ میں مقیم نہ ہوگا۔ کریمی لکھتا ہے۔ کہ "اس شرط کی وجہ غالباً سازشیں تھیں۔
 جو روس یونانیوں اور دولت عثمانیہ کی دوسری عیسائی رعایا سے کرتا رہتا تھا۔

(۵) اہل روس ان مسلمانوں کو آزاد کر دیں۔ جنہیں انھوں نے دوران جنگ میں یا جنگ
 سے قبل گرفتار کر لیا ہے۔

(۶) شاہ چارلس کو روس سے ہو کر اپنے ملک سویڈن جانے کی اجازت دی گئی۔ اور
 زار نے معاہدہ کیا۔ کہ راستے میں اس سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے۔ اس دفعہ
 میں اس امر کی بھی سفارش کی گئی۔ کہ روس اور سویڈن باہم صلح کر لیں۔

(۷) باب عالی کی طرف سے وعدہ کیا گیا۔ کہ آئندہ وہ اہل روس کو کوئی نقصان نہ
 پہنچائے گا۔ اور اسی طرح اہل روس کی طرف سے یہ معاہدہ ہوا۔ کہ وہ سلطان کی
 رعایا اور ماتحتوں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں گے۔

سلطان کو اس صورت حالات کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور باطلہ جی محمد پاشا کو معزول اور اس کے نائب عثمان اور رئیس آفندی عمر کو تہ تیغ کرا دیا۔ اس نے صلح نامے کی منظوری سے بھی جواب دے دیا۔ اور روس سے پھر جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گیا۔ لیکن امرائے دولت اور سفیر برطانیہ کے مشورے سے سلطان نے جنگ سے ہاتھ اٹھالیا۔ اور دو سال بعد زاروس کے ساتھ ایک اور معاہدہ صلح قرار پایا۔ جس میں مذکورہ صدر صلح نامے کی تمام دفعات درج تھیں۔

۱۸۱۵ء میں صدر اعظم داماد علی پاشا نے موریا پر یورش کی۔ کیونکہ موریا کی تسخیر وینس نے معاہدہ کارلووٹز کی خلاف ورزی کر کے مونٹی نیگرو کے لوگوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں امداد دی تھی۔ ۷ جولائی ۱۸۱۵ء کو کورنتھ نے سپر ڈال دی۔ عثمانی لشکر سارے موریا میں پھیل گیا۔ اور وینس کے تمام قلعے موڈن۔ کورن اور نوارینو وغیرہ باری باری سے سر کر لئے۔ صرف ایک سو ایک دن میں سارا موریا زیر نگیں ہو گیا۔

۱۸۱۶ء میں آسٹریا نے باب عالی کے خلاف وینس سے اتحاد کر لیا۔ دولت عثمانیہ نے اسے معاہدہ کارلووٹز کی خلاف ورزی قرار دے کر آسٹریا سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ داماد علی پاشا ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر بلغراد پہنچا۔ وہاں سے پوری فوج نے پیٹروارڈین کا رخ کیا۔ اور اسی مقام پر ۱۰ اگست ۱۸۱۶ء کو میدان کارزار گرم ہوا۔ پہلے ترکوں کو شاندار فتح ہوئی۔ لیکن شہزادہ یوجین کے مخصوص دستے نے اچانک ہلہ بول کر لڑائی کا پانساپلٹ دیا۔ اور ترکوں کے پاؤں ڈگمگائے۔ داماد پاشا سخت مجروح ہو گیا۔ تو ترکوں کی مگرہمت ٹوٹ گئی۔ اور وہ بلغراد کی جانب بھاگے۔

۱۸۱۶ء میں صدر اعظم خلیل پاشا کی سرکردگی میں ایک اور لشکر جرمن آسٹریا سے مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ شہزادہ یوجین نے پیش قدمی کر کے بلغراد کا محاصرہ کر لیا۔ بعد میں عثمانی لشکر آیا۔ تو اس نے محاصرہ

کا محاصرہ کر لیا۔ آسٹروی فوج کو عجب مشکل کا سامنا ہوا۔ کہ اس کے آگے تو بلغراد کا محصور عثمانی دستہ تھا۔ اور پیچھے خلیل پاشا کا سارا لشکر۔ اگر خلیل پاشا ایک بار کی حملہ کر دیتا تو فتح یقینی تھی۔ لیکن اس نے دیر کی۔ اور حریف کو عثمانی لشکر پر اچانک حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ عثمانی اس ناگہانی یورش سے حواس باختہ ہو گئے۔ اور انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ بیس ہزار عثمانی سپاہی مقتول و مجروح ہوئے۔ اور بہت سا سامان جنگ حریف کے قبضے میں چلا گیا۔ اگلے دن محصور عثمانی دستے نے بھی سپر ڈال دی۔ اور یو جین نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔

معزکہ بلغراد میں ناکام رہنے کی پاداش کے طور پر خلیل پاشا سے منصبِ صدارت چھین کر ابراہیم پاشا کے سپرد کیا گیا۔

وہ اپنی ہم خیال جماعت کے حسبِ منشا آسٹریا سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ لیکن حالات نے ایسی کروٹ لی۔ کہ ۲۱ جولائی ۱۷۱۸ء کو اس نے صلح پر راضی ہو کر معاہدہ پساوویچ پر دستخط کر دئے۔ جس کے رو سے آسٹریا کو تلمیسواز کا علاقہ۔ سروویہ اور ولاچیا کا بڑا حصہ۔ بوسینیا کے چند حصے۔ بلغراد۔ سمندریا۔ رمنک اور متعدد دوسرے شہر مل گئے۔ موریا ترکوں کے حصے میں آیا۔ باب عالی نے عہد کیا۔ کہ الجزائر۔ تونس۔ طرابلس اور رگوسا کے بحری ڈاکوؤں کی چیرہ دستیوں کا گلا گھونٹ دیا جائے گا۔ اور ہنگروی باغیوں کو آسٹریا کی جدید سرحد سے پڑے ہٹا دیا جائے گا۔

معزکہ ایران ۱۷۲۰ء میں دولت عثمانیہ اور روس کے درمیان معاہدہ ہوا۔ ۱۷۲۲ء میں امیر محمود افغان نے ایران کے اختلال اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پچاس ہزار کی بھاری فوج کے ساتھ اس پر چڑھائی کر دی۔ اور اصفہان پر تسلط بٹھالیا۔ شاہ طہاسب نے روس اور دولت عثمانیہ سے استمداد کی۔ روس نے بحیرہ خزر اور بحیرہ اسود کے ساحلی علاقوں کے معاوضے میں امداد دینے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ اور ان علاقوں کو زیر نگیں کرنے کے لئے ایک لشکر بھیج دیا۔ سلطنت عثمانیہ کا ماتھا ٹھنکا۔ اور فریقین میں ٹھن جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ لیکن سفیر فرانس کے بیچ بچاؤ سے ۱۷۲۳ء

میں طرفین کے درمیان ایک معاہدہ صلح قرار پایا۔ جس کے رُو سے اریوان - جارجیا - باکو اور تبریز کے صوبے ترکوں کے حصے میں آئے۔ اور شروان اور بیجرہ خزر کے چند ساحلی علاقوں پر قبضے کا قرعہ روس کے نام پڑا۔ روس پہلے ہی ان علاقوں پر قابض ہو چکا تھا۔ باب عالی کو اپنے علاقے لینے کے لئے ایک لشکر بھیجنا پڑا۔ ایران مقابلے پر آیا۔ لیکن بے سود۔ شاہ طہماسپ نے ہوا کا رخ دیکھ کر صلح کی طرح ڈالی۔ چند روز کے بعد امیر محمود نے پھر ایران پر قبضہ جمالیا۔ ۱۲۵۱ء میں امیر کے انتقال پر اس کا ایک عزیز شاہ اشرف تخت پر بیٹھا۔ ۱۲۵۲ء میں شاہ اشرف اور دولت عثمانیہ کے درمیان ایک نیا معاہدہ صلح قرار پایا۔ لیکن اسی سال ایک ایرانی سردار ناور قلی خاں نے اصفہان پر حملہ آور ہو کر افغانوں کو نیچا دکھایا۔ شاہ اشرف تہ تیغ ہو کر شاہ طہماسپ پھر تخت نشین ہو گیا۔ اب طہماسپ کا طائر خیال بلند فضا میں پرواز کرنے لگا۔ اور اس نے سلطان سے ایرانی علاقوں کی باز دہی کا مطالبہ کیا۔ جب اسے خاطر خواہ جواب نہ ملا۔ تو دولت عثمانیہ سے ٹکڑے لی۔ ناور خاں نے تیغ شجاعت کے وہ جوہر دکھائے۔ کہ ترکوں نے جی چھوڑ دیا۔ قسطنطنیہ میں حالت جنگ کی اطلاع پہنچی۔ تو یہی چری میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔

باغیوں نے سلطان سے ابراہیم پاشا۔ امیر البحر سلطان کا عزل اور انتقال قبودان پاشا اور مفتی اعظم کے قتل کا مطالبہ اس جرم کی بنا پر کیا۔ کہ یہ لوگ مجیبوں سے صلح کے خواہاں ہیں۔ سلطان نے دور رس حکمت عملی سے کام لے کر صدر اعظم اور امیر البحر کا تو خاتمہ کر دیا۔ لیکن مفتی اعظم کو چھوڑ دیا۔ باغیوں نے یہ سمجھ کر کہ اب تو میدان مار لیا۔ خود سلطان سے ترک تاج و تخت کا مطالبہ کیا۔ احمد ثالث نے چپکے سے تخت چھوڑ کر اپنے برادر زادہ محمود کو اورنگ نشین کر دیا۔ اور خود محمود کے مقام نظر بندی میں چلا گیا۔ جہاں چند سال کے بعد اس نے سفر آخرت اختیار کیا۔

اخلاق و اوصاف | سلطان احمد ثالث رموز مملکت سے باخبر تھا۔ اس نے

لورستان اور اردھان کے علاقے طہاسپ کو واپس کر دئے گئے۔ اور جارجیا۔ داغستان
 اریوان۔ ناخ شیوان اور تغلیس سلطان کے حصے میں آئے۔ لیکن نادر خان نے اس
 صلح نامے کی سخت مخالفت کر کے اصفہان پر ہلہ بول دیا۔ اور شاہ طہاسپ کو تاج تخت
 سے محروم کر کے اس کے بیٹے عباس ثالث کو اورنگ نشین کیا۔ عباس کی نابالغی کے
 باعث نادر خان نے اپنے آپ کو اس کا مدار المہام قرار دے کر یلغار کرتے ہوئے بغداد
 کا محاصرہ کر لیا۔

۱۷۳۳ء میں ساحلِ دجلہ پر گھسان کارن پڑا۔ جس میں نادر خان سخت مجروح
 ہوا۔ اور ایرانیوں نے بغداد کے محاصرے سے ہاتھ اٹھالیا۔ اسی سال عثمان پاشا نے
 ایرانیوں پر دھاوا کر کے انھیں ناک چنے چبوائے۔ اس کے بعد کرکود کے قریب نادر خان
 سے پھر مقابلہ ہوا۔ جس میں ترکوں کو شدید ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور عثمان پاشا
 تیغ زنی کے جوہر دکھاتا ہوا کام آیا۔

پھر ترکوں نے متعدد مرتبہ ایرانیوں سے جنگ کی۔ لیکن ہر دفعہ ناک اٹھائی۔ اس
 باب عالی نے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی۔ اس اثنائیں یکم دسمبر ۱۷۳۵ء کو نادر خان
 نے ایران کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور ۱۷۳۶ء اکتوبر ۱۷۳۶ء کو ایک معاہدہ
 صلح قرار پایا۔ جس کے رو سے فریقین کے دائرہ مملکت کی حدود وہی طے پائیں۔ جو
 ۱۷۳۹ء میں سلطان مراد رابع کے معاہدے میں مقرر ہوئی تھیں

ایران کے ساتھ باب عالی کی طرف سے خود صلح کی تحریک اس لئے کی گئی تھی
 کہ روس اس کی جانب فوجیں لئے آرہا تھا۔ جب روس نے موقع پا کر دولت عثمانیہ
 کے علاقوں پر یورش کر دی۔ تو ۱۷۳۶ء میں باب عالی نے مجبوراً روس کے خلاف
 اعلانِ جنگ کر دیا۔

۱۷۔ جون ۱۷۳۶ء کو روسی کمان دار اعظم مارشل میونخ نے کریم کے بعد انہور شہر
 کو سلوف پر قبضہ کر کے وہاں غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ پھر اس
 کی جانب پیش قدمی کی۔ اس باب میں کریمی رقم طراز ہے :-

تبر تھا۔ اس

”پھر میونخ نے اپنے روسی اور قزاق سپاہیوں کو اس شہر کے سامنے ڈاکٹر کھڑا کیا۔ جس کی مدافعت کرنے والا کوئی باقی نہ رہ گیا تھا۔ بعد ازاں اپنی فوج کے ایک چوتھائی حصے کو چند مقررہ گھنٹوں کے لئے بھیجنا شروع کیا۔ تاکہ شہر کے اندر جا کر لوٹ مار کا بازار گرم کرے۔ اس وحشیانہ اور ظالمانہ کام کی تکمیل پوری شرت کی گئی۔ دو ہزار مکانات اور تمام سرکاری عمارتیں برباد ہو گئیں۔ خواتین کا وسیع محل۔ وہ عظیم الشان کتب خانہ جسے سلیم گبرانی نے قائم کیا تھا۔ سب جل کر خاک ہو گئے۔ اس کے بعد روسیوں نے سمیر پولس پر چڑھائی کی۔ جو باغی سرسے کے شمال مشرق میں واقع تھا۔ اس کے باشندے اور دولت سپاہیوں کی زندگی اور لوٹ مار کے حوالے کر دی گئی۔ اور اس کی عمارتیں شعلوں کی مذکورہ گئیں۔ کریمیا کی ساری ہم میں میونخ کی فوج نے سٹاک اور زندگی۔ بہت دہر بریت کی انتہا کر دی۔ روسیوں نے بوڑھوں۔ بچوں اور عورتوں پر ذرا بھی رحم نہ کیا۔ جہاں روسی فوجوں کی مطلق مزاحمت نہ کی گئی۔ وہاں بھی انھوں نے شہروں اور قصبوں میں آگ لگادی۔ اور باشندوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ قدیم یادگاریں بے رحمی سے مٹا دی گئیں۔ کتب خانے اور مدرسے نذر آتش کر دیئے گئے۔ اور قومی عمارتیں اور عبادت گاہیں عمداً برباد کر ڈالی گئیں۔ یہ پوری مہم جو کسی غلام جنگ کے بغیر شروع کر دی گئی تھی۔ خالص سینٹین دزدگی کی روح کے ساتھ ترتیب اور انجام دی گئی۔“

گفتگوئے صلح کی ناکامی | اب سلطنت عثمانیہ جنگ سے تنگ آکر صلح کا درپن
تھامنا چاہتی تھی۔ لیکن روس اور آسٹریا کی طرف
سے صلح کی جو شرائط پیش کی گئیں۔ وہ اس قدر شدید تھیں۔ کہ باب عالی کے لئے
ان کا منظور کرنا قطعاً محال تھا۔

روس کا تباہ کن حملہ | صلح کی بات چیت ابھی جاری تھی۔ کہ آسٹریا میں
میونخ نے ستر ہزار کی فوج کے ساتھ اوزبک کوف پہ

چڑھائی کر دی۔ اور جنرل لاسکی چالیس ہزار روسی سپاہی لے کر کریمیا میں داخل ہوا۔ ترکوں نے معجزانہ جان بازی کے ساتھ مدافعت کی۔ لیکن تقدیر نے یاوری نہ کی۔ اور انھیں شکست کھانی پڑی۔ روسیوں نے فتح و کامرانی کے نشے میں چور ہو کر ہر جگہ قتل و غارت اور آتش زنی کا بازار گرم کر دیا۔ کریمی لکھتا ہے:-

” روسی فخر کرتے تھے۔ کہ اس مختصر سے حملے میں انھوں نے چھ ہزار مکانات۔ اڑتیس

مسجدیں۔ دو گرجے اور پچاس چکیاں جلا ڈالیں۔“

اسی سال آسٹریا نے بھی کسی اعلان جنگ کے بغیر اچانک آسٹریا کی پس پائی

نیش پر ہتہ بول دیا۔ لیکن اس کی فوجیں یہ مہم سر نہ کر سکیں

اور منہ کی کھا کر پسا ہو گئیں۔

آسٹروی فوجیں عثمانی مجاہدوں کی دندان شکن ضربوں سے بوکھلا کر صلح نامہ بلغراد

زخم خوردہ سانپ کی طرح پھربل کھا کر اٹھیں۔ اور سرود یہ پر چڑھ

دوڑیں۔ لیکن انھوں نے ذلت خیز ناکامی کا سامنا کرتے ہوئے راہ فرار اختیار کی۔ اور

بلغراد میں پناہ گزیں ہو گئیں۔ عثمانیوں نے ان کا تعاقب کر کے بلغراد پر گولے برسائے

شروع کر دئے۔

اب آسٹریا کا سارا دم خم ٹوٹ گیا۔ اور وہ صلح کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ آخر

سفر فرانس و لیننوف کے ذریعے سے یکم ستمبر ۱۷۳۹ء کو صلح نامے پر فریقین کے دستخط

ہو گئے۔ جس کے رو سے اس نے بوسینیا۔ بلغراد۔ ولاچیا اور سرود یہ کے تمام علاقے جو

صلح نامہ پساروویچ کے وقت اس کے حوالے کئے گئے تھے۔ باب عالی کو واپس کر دئے

آسٹریا کی جانب سے ایک دفعہ یہ بھی تحریر کی گئی تھی۔ کہ سلطنت عثمانیہ روس کے ساتھ

بھی پیمان مصالحت باندھ لے۔ چنانچہ میونخ کو مطلع کیا گیا۔ پہلے تو وہ حالات سے

آگاہ ہو کر فور غیظ و غضب سے آگ بگولا ہو گیا۔ لیکن غصے کا جن اتر جانے کے بعد

اسے بھی صلح کے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ چنانچہ ۱۸ ستمبر ۱۷۳۹ء کو روس اور سلطنت

عثمانیہ کے درمیان جو معاہدہ صلح قرار پایا۔ اس کے رو سے روس نے کریمیا اور مولدا

کی تمام فتوحات اور اوکڑاکوف سے ہاتھ اٹھالیا۔ اس نے وعدہ کیا۔ کہ شہرازف منہدم کر دیا جائے گا۔ ایک شرط یہ رکھی گئی۔ کہ بحیرہ ازف یا بحیرہ اسود میں روس اپنا کوئی بیڑا رکھنے کا مجاز نہ ہوگا۔ ان دونوں سمندروں میں روس کے جنگی یا تجارتی جہازوں کا داخلہ بھی ممنوع قرار دیا گیا۔

وہابی تحریک | اس کے بعد وقتاً فوقتاً مختلف شورشیں برپا ہوتی رہیں جن میں ایک نہایت زبردست شورش وہابی تحریک کی تھی۔ اس کی داغ بیل شیخ عبدالوہاب نجدی نے ڈالی تھی۔ ابن سعود شیخ نجد کی تائید و حمایت سے اس تحریک کے نتھے پودے نے ایک پیڑ کی شکل اختیار کر لی۔ اور دولت عثمانیہ کو اس کی بیخ کنی کے لئے سعی موفور سے کام لینا پڑا۔ لیکن اس کی قوت گھٹنے کے بجائے بڑھتی ہی گئی۔ اور سلطان محمود کے جانشین بھی اسے مٹانے میں ناکام رہے۔ حتیٰ کہ سلطان محمود ثانی کے زمانے میں محمد علی پاشا حاکم مصر نے اس فرقے کی سیاسی طاقت کا گلا گھونٹ کر اس کے آخری امیر کو گرفتار کر لیا۔ اور ۱۸۱۸ء میں اسے قسطنطنیہ بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

انتقال | ۱۳۔ دسمبر ۱۷۵۲ء کو سلطان محمود اول نے عالم بقا کی راہ لی۔

اوصاف | سلطان محمود اول عدل و انصاف کا پتلا تھا۔ نرمی اور تحمل اس کے آئینہ سیرت کا خاص جوہر تھا۔ جس طرح وہ رعایا پر مہربان تھا۔ اسی طرح رعایا بھی اس کی نصفت شعاری اور مساوات دوستی پر جان چھڑکتی تھی۔ اسے تعمیرات سے خاص انس تھا۔ چنانچہ اس نے قسطنطنیہ اور دوسرے صوبوں میں بہت سی عالی شان عمارتیں بنوائیں۔ ”جامع نور عثمانی“ کی تعمیر کا آغاز اسی نے کیا تھا۔ اس نے دارالسلطنت میں چار کتب خانے بھی قائم کئے۔

عثمان ثالث

۱۷۵۲ء تا ۱۷۵۷ء

سلطان محمود اول کے بعد اس کا بھائی عثمان خاں ثالث تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ عثمان اپنے سہ سالہ عہدِ سلطنت میں محمود ہی کے نقشِ قدم پر چلتا رہا۔ اور ہمسایہ سلطنتوں سے کسی قسم کی ٹکڑ بھینٹ نہ ہوئی۔

۱۷۵۶ء میں ”جنگِ ہفت سالہ“ کا آغاز ہوا۔ جس سے یورپی حکومتیں دو مخالف

گروہوں میں بٹ گئیں۔ اور سات سال تک وسطِ یورپ میں حرب و ضرب کا بازار گرم رہا۔ سلطنتِ عثمانیہ کو یہ دوسرا زریں موقع ملا تھا۔ جب وہ مخالفوں کی باہمی صف آرائی سے نفع کثیر حاصل کر سکتی تھی۔ لیکن عثمان ثالث اپنے پیش رو کے اصول سے ایک رنج بھی ادھر ادھر نہ ہوا۔

نہ تو سلطنت کے داخلی انتظام میں کوئی تغیر روپذیر ہوا۔ اور نہ اس عہد میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیش آیا۔

۳۰ اکتوبر ۱۷۵۷ء کو سلطان عثمان ثالث نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

مصطفیٰ ثالث

۱۷۵۷ء تا ۱۷۶۳ء

سلطان عثمان ثالث کے بعد سلطان احمد ثالث کا بیٹا مصطفیٰ ثالث پچاس سال

کی عمر میں سریرِ آرائے سلطنت ہوا۔

راغب پاشا سلطان محمود اول کے عہد میں اس کے تاجِ حکومت

کا گوہر شہوار تھا۔ اس نے حیرت انگیز قابلیت۔ غیر معمولی تدبیر اور

زبردست نظم و نسق سے عمر بھر سلطنتِ عثمانیہ کو دوسری طاقتوں سے نبرد آزما رہنے

راغب پاشا

دیا۔ اس کی انتہائی لیاقت سے ملک کے گوشے گوشے میں امن و امان کے پھول برستے تھے۔ اور سلطنت تیزی سے اصلاح و ترقی کے مراحل طے کر رہی تھی۔ اس نے اوقاف کی تنظیم و نگرانی کا بیڑا اٹھایا۔ شفا خانے تعمیر کرائے۔ اور صرف خاص سے ایک کتب خانہ عام قائم کیا۔

پرشا سے معاہدہ | راعب پاشا کا سیاسی مطمح نظر یہ تھا۔ کہ سلطنت عثمانیہ کو روس اور آسٹریا کی مخالفت سے بچانے کے لئے دوسری عیسائی طاقتوں سے اتحاد کی پیٹلیں بڑھائی جائیں۔ "جنگ ہفت سالہ" کے بعد یورپ بھر میں مملکت پر شاکی طاقت و سطوت کا طوطی بولنے لگا تھا۔ اور اس کے حکمران فریڈرک ثانی کا وجود روس اور آسٹریا کے لئے خار پہلو بنا ہوا تھا۔ اس لئے ۱۷۶۳ء میں راعب پاشا نے سربکف مساعی سے کام لے کر دولت عثمانیہ اور پرشا کے درمیان معاہدہ اتحاد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ نیپلز۔ سویڈن اور ڈنمارک سے ایسے اتحاد کی داغ بیل پہلے ہی ڈال لی گئی تھی۔ اب راعب پاشا کی آرزو تھی کہ پرشا سے معاہدہ اتحاد کو مضبوط کرنے کے لئے اس میں یہ شرط بھی بڑھادی جائے کہ فریقین جارحانہ اور مدافعانہ لڑائیوں میں ایک دوسرے کی پشت پناہ ثابت ہوں گے۔ لیکن اس باب میں گفتگو کا سلسلہ ابھی جاری تھا۔ کہ ۱۷۶۳ء میں راعب پاشا کا سلسلہ حیات ٹوٹ گیا۔ اور یہ کام پورا نہ ہو سکا۔

فریڈرک کی عہد شکنی | راعب پاشا کے انتقال پر سلطان نے نظام سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ فریڈرک نے اسی وقت تک معاہدہ اتحاد قائم رکھا۔ جب تک اس کے اغراض و مقاصد کی راہ تکمیل میں کوئی روڑا نہ اٹھا۔ لیکن جونہیں اس نے دیکھا۔ کہ اس کی ہوس کارانہ پیاس اس معاہدے کو توڑ ہی دینے سے بچھ سکتی ہے۔ فوراً اس پر خطِ نسخ کھینچ کر باب عالی کے مخالفوں سے قارورہ ملا لیا۔

اب پرشانے روس کے ساتھ رشتہ اتحاد جوڑ لیا۔ اور دولت عثمانیہ کے

خلافت حد سے زیادہ پاؤں پھیلانے۔ ترکوں نے ان دونوں ملکوں کے اس نظامانہ طریق عمل کے خلاف پُر زور صدائے احتجاج بلند کی۔ لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رہی۔ بلکہ روس نے تو ایسی روش اختیار کی۔ گویا باب عالی کو دعوتِ جنگ دے دی۔ یعنی اس نے موریہ۔ کریمیا۔ جارجیا اور مونٹی نگر و میں سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کا بیج بونے کی کوشش کی۔ علاوہ بریں جب پولینڈ کے ایک گروہ نے روس کے تشدد سے تنگ آ کر دولت عثمانیہ کے علاقے میں پناہ لی تو روسی جنرل وائس نے بلبط تک اس کا پیچھا کیا۔ اور شہر پر گولے برسائے اور اسے تباہ و برباد کر دیا۔

تنگ آمد بہ جنگ آمد۔ آخر سلطان
۶۔ اکتوبر ۱۷۶۸ء کو قسطنطنیہ میں دریا

روس کے خلاف اعلانِ جنگ

منعقد کر کے امرائے دولت سے رائے لی۔ سب نے بالاتفاق روس سے جنگ کرنے کے حق میں مشورہ دیا۔ صرف محسن زادہ پاشا صدر اعظم نے مخالفت کی۔ وہ بھی اس بنا پر کہ سلطنت عثمانیہ کی تیاری کافی نہ تھی۔ اسی اختلاف کے باعث اسے معزول کر کے اس کی جگہ سلطان کا داماد امین محمد پاشا صدر اعظم کے منصب پر فائز کیا گیا۔ اور جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔

سلطان کو جنگ کی تیاریوں میں زیادہ دیر ہو گئی۔ اور روس نے اس سے فائدہ اٹھا کر دولت عثمانیہ کے شمالی علاقوں پر تاخت و تاراج کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اولاً کریم گرائی خان کریمیا نے روسیوں کو نیچا دکھایا۔ اور جنوری ۱۷۶۹ء میں روس کے جنوبی علاقوں کو تہس نہس کر ڈالا۔ تھوڑے ہی عرصے میں کریم گرائی نے انتقال کیا۔ اور دولت گرائی اس کا جانشین مقرر ہوا۔

اس دوران میں روس نے جنگی تیاریوں کی رفتار تیز سے تیز کر دی۔ اور پامیر دست فوجیں کیل کانٹے سے لیس کر کے میدان کارزار میں بھیج دیں۔

ادھر امین پاشا نے اپنی ناقابلیت کا ثبوت اس طرح دیا۔ کہ روس کی حیرت انگیز تیاریوں کو دیکھتے ہوئے بھی وہ ابھی تک یہی فیصلہ نہ کر سکا۔ کہ پہلے کس طرف

کرنا چاہئے۔ اور حکام فوج کو طلب کر کے صاف صاف کہ دیا:۔

”مجھے جنگ کا کوئی تجربہ نہیں۔ فوج کی نقل و حرکت کا فیصلہ آپ لوگوں پر ہے۔ اور یہ

آپ ہی بتائیں کہ افواج عثمانیہ کی کامیابی کے لئے بہترین تدبیریں کیا ہوں گی۔ آپ لوگ

بے تکلف اپنے خیالات ظاہر کریں۔ اور اپنے مشورے سے میری رہنمائی کریں“

اس پر فوجی حکام سخت حیران ہوئے۔ اور اتفاق رائے سے فیصلہ کرنے کے بعد فوج دریائے

ڈینیوب کو عبور کر کے ساحل پر تھہر کر خاندپی پہنچی۔ اور وہاں سے بندر کی راہ لی۔

ادھر روس نے پولینڈ سے باب عالی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تھا۔ اس لئے

دولت عثمانیہ نے بھی جواباً پولینڈ کے خلاف صف آرا ہونے کے لئے کمر ہمت چست باندھ

لی۔ خوزیم کے قریب روسیوں اور ترکوں میں جھڑپیں ہوئیں۔ جن میں امین پاشا نے نالائق

کا مظاہرہ کیا۔ سلطان نے اسے معزول کر کے واپس طلب کر لیا۔ اور اگست ۱۷۷۹ء

میں ٹھکانے لگا دیا۔ علی پاشا اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اس نے بہادری سے حریف کا

مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔

۱۷۷۹ء میں سیوس کے قریب روسی فوج نے عثمانی بیڑے سے مقابلہ کیا۔ ترکوں کو

ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ان کا سارا بیڑا برباد ہو گیا۔ صرف ایک جہاز باقی رہا۔ جو روسیوں

کے ہاتھ آ گیا۔

اور لوف نے روسی بیڑے کے ساتھ لنوس پہنچ کر قلعے

کا محاصرہ کر لیا۔ اس پر حسن الجزائر کی فتح

سے قسطنطنیہ کے چار ہزار بد معاشوں کی ایک فوج منظم کر کے اچانک روسی محاصرین

پر یورش کر دی۔ بہت سے روسی وہیں ختم کر دئے گئے۔ اور باقی سر پر پاؤں رکھ کر

بھاگ گئے۔ سلطان نے حسن کو اس حیرت انگیز فتح کے صلے میں عثمانی بحریہ کا قیودان

پاشا بنا دیا۔

اس کے بعد ترکوں کو مسلسل شکستوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اور کریمیا۔ والاجیا۔

مولڈوویا۔ خوزیم۔ یاسی۔ جارجیا اور منگولیا ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔

فرانس۔ انگلستان اور پرشانیہ حالات کی نبض پر انگلی رکھتے ہوئے ایک بام و دو ہوا
 دوزخی پالیسی سے کام لینا شروع کیا۔ اور ایک بام و دو ہوا کا مظاہرہ
 کرتے ہوئے بظاہر دولت عثمانیہ کی دوستی کا دم بھرنے لگے۔ لیکن حقیقتاً اس کی جڑوں پر
 کلہاڑا رکھنے کے لئے گونا گوں ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے۔

بڑے بڑے میاں سو بڑے میاں۔ چھوٹے میاں سبحان
 اس جنگ میں فریب دہی اور ریاکاری کے اعتبار

آسٹریا کی شدید فریب کاری
 سے آسٹریا سب سے بازی لے گیا۔ وہ روس سے ڈر کر باب عالی کی طرف دوستی کا ہاتھ
 بڑھانا چاہتا تھا۔ اور اس دوستی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے دولت عثمانیہ کے چند
 مقامات ہتھیالینے کا بھی متمنی تھا۔ چنانچہ اس کی سیاست کا پلہ کبھی روس کی طرف جھکا
 جاتا تھا۔ اور کبھی باب عالی کی جانب۔ پھر وہ یہ بھی چاہتا تھا۔ کہ اس کے اپنے حلیف فریب
 کے ساتھ دولت علیا کا اتحاد نہ ہونے پائے۔ تاکہ وہ موخر الذکر کو آسانی سے فریب دے سکے۔
 چنانچہ آسٹریائی سفیر مقیم قسطنطنیہ نے سیاسی ہتھکنڈوں سے کام لے کر باب عالی
 فرانس کی یہ تجویز مسترد کرادی۔ کہ وہ مالی معاوضے پر اپنے جہازوں سے سلطنت عثمانیہ
 کی مدد کرے۔

آسٹریا کے بھاگ جائے۔ سو کھے دھانوں پانی پڑا۔ انھیں دنوں روس نے کریمیا
 دست تصرف دراز کیا جس کے باعث دولت عثمانیہ نے موقع کو غنیمت جان کر آسٹریا
 ساتھ اتحاد کرنے میں جلدی کی۔ اور ۶۔ جولائی ۱۸۵۷ء کو دونوں میں حسب ذیل معاہدہ
 قرار پایا۔

(۱) روس کے مقابلے میں آسٹریا سلطنت عثمانیہ کو امداد دے گا۔
 (۲) آسٹریا دولت علیا کے کسی حصے کو علیحدہ نہ ہونے دے گا۔
 (۳) آسٹریا باب عالی کی عزت کے پیش نظر پولینڈ کے استقلال کا تحفظ کرے گا۔
 (۴) اس کے معاوضے میں سلطنت عثمانیہ عہد کرتی ہے کہ وہ ایک کروڑ تیرہ لاکھ پچاس
 ہزار فلورن کی رقم آسٹریا کو ادا کرے گی۔

(۵) علاوہ بریں ولاچیا کے کوچک کا علاقہ آسٹریا کے سپرد کر دے گی اور
(۶) دولت علیا میں آسٹریا کی تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے امکانی امداد بہم
پہنچائے گی۔

اس معاہدے میں یہ بھی درج تھا کہ اسے عام سلطنتوں سے بالعموم اور فرانس سے
بالخصوص پوشیدہ رکھا جائے گا۔

جب اس معاہدے کی نقل دستخط کے لئے حکومت آسٹریا کے پاس پہنچی۔ تو کونترز کی
پانچویں کھل گئیں۔ اور اس نے باب عالی کی طرف سے اطمینان کا سانس لیا۔
اور روس نے اپنے ایک خاص سفیر کو دولت عثمانیہ کی تقسیم سے متعلق حسب ذیل تین
تجویزیں دے کر حکومت آسٹریا کے پاس روانہ کیا۔

(۱) سرویہ۔ ہرزگیوینا۔ بوسینیا۔ مقدونیا اور البانیا پر آسٹریا قابض ہو جائے۔ اور
دولت عثمانیہ کے باقی علاقے مع قسطنطنیہ روس کے لئے رہنے دے۔

(۲) سرویہ۔ ولاچیا۔ ہرزگیوینا اور بلغاریہ پر آسٹریا قبضہ کرے۔ اور البانیا۔ مقدونیا۔
رومانیا۔ اکثر جزائر یونان۔ ایٹلیا کے کوچک اور قسطنطنیہ روس کے حوالے کر دے۔ کریمیا
اور موریا کو خود مختاری دے دی جائے۔

(۳) دریائے ڈنیوب کے شمالی علاقے ترکوں کے پاس رہیں۔ بوسینیا۔ سرویہ اور ہرزگیوینا
کے علاقے آسٹریا کے سپرد کر دئے جائیں۔ بحیرہ اسود کے ساحلی علاقے روس کے حلقہ
اقتدار میں چلے جائیں۔ اور تاتاری علاقے خود مختار رہیں۔

علاوہ بریں سفیر روس نے تقسیم پولینڈ کے باب میں بھی بعض تجاویز پیش کیں لیکن
آسٹریا کی فریب کاری دیکھتے۔ کہ اس نے باب عالی کے ساتھ معاہدہ کرنے کے باوجود
جس میں تقسیم پولینڈ کے انسداد کا بھی عہد کیا گیا تھا۔ روس کی ان تجاویز پر غور و خوض شروع
کر دیا۔ یہ خلاف اس کے دولت عثمانیہ اپنے اس معاہدے پر دیانت داری سے قائم
رہی۔ اور ۲۵ جولائی ۱۸۷۷ء کو موجودہ رقم کی ایک قسط بھی حکومت آسٹریا کو ارسال کی۔
اس نے رقم تو وصول کر لی۔ لیکن معاہدے پر دستخط کرنے سے لیت و لعل کرتی رہی۔

اسی دوران میں سفیر برطانیہ مقیم قسطنطنیہ کو اس خفیہ معاہدے کی نقل مل گئی۔ اس نے اس کی ایک ایک نقل پر شا اور روس کو بھیج دی۔ تاکہ آسٹریا کی غداری یورپ بھر میں آشکارا ہو جائے۔

جنگ کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ حالات نے ایسی کروٹ لی۔ کہ فریڈرک اور کیتھرائن پولینڈ کی تقسیم پر راضی ہو گئے۔ اب آسٹریا نے یورپی طاقتوں کے اس مرغوب و مروج نصب العین کے پیش نظر کہ سیاست میں معاہدوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ روش اختیار کی۔ کہ روس اور پرشا کی ہاں میں ہاں ملا کر خود بھی پولینڈ کی تقسیم میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ ۱۷۹۲ء میں پولینڈ کی پہلی تقسیم نے لباس عمل پہن لیا۔ دولت عثمانیہ نے آسٹریا کی فریب کاری سے مطلع ہو کر موعودہ رقم کی آئندہ قسط روک لی۔ آسٹریا نے اسے خلاف ورزی معاہدہ کی وجہ قرار دیا۔ حالانکہ نہ تو خود اس نے اس معاہدے پر دستخط کئے تھے۔ اور نہ اس کی کوئی شرط ہی پوری کی تھی۔

اس کے بعد روس نے صلح پر آمادگی کا اظہار کیا۔ تو سلطنت عثمانیہ بھی راضی ہو گئی۔ چنانچہ صلح کی مجلس ہو ہو کر ٹوٹ ٹوٹ گئی۔ آخر ۱۷۹۳ء میں روس نے حسب ذیل شرائط دولت کے سامنے پیش کر کے الٹی میٹم دے دیا۔ کہ اگر یہ شرائط تسلیم نہ کی گئیں۔ تو جنگ نئے سرے سے شروع کر دی جائے گی۔

(۱) روس تاتاریوں کی آزادی کا محافظ قرار دیا جائے۔ اور یہی قلعہ اور کرش کے قلعوں کو روس کا تسلط قائم رکھا جائے۔

(۲) بحیرہ اسود اور بحیرہ ایجین میں روس کے تجارتی اور جنگی جہازوں کو آمد و رفت کی پوری آزادی حاصل ہو۔

(۳) مندرجہ صدر قلعوں کے سوا کریمیا کے تمام دوسرے قلعے تاتاریوں کو واپس دے دیے جائیں۔

(۴) مولڈوویا کا امیر گریگوری غیکا جو اس وقت روسیوں کے قبضے میں تھا۔ پھر مولڈوویا موروثی حکم ران مقرر کر دیا جائے۔ اور وہ ہر تین سال میں ایک مرتبہ اپنی ریاست کی ایک

مال آمدنی خراج کے طور پر باب عالی کو پیش کرتا ہے۔

(۱۵) روس کا ایک مستقل نمائندہ قسطنطنیہ میں مقیم رہے۔

(۱۶) کلبرن پورے مالکانہ حقوق کے ساتھ روس کے حوالے کر دیا جائے۔ اور اوکزاکوف قلعہ منہدم کر دیا جائے۔

(۱۷) باب عالی روس کے فرماں رواؤں کے لئے "پادشاہ" کا لقب اور کلیسائے یونان سے متعلق دولت عثمانیہ کے عیسائی باشندوں کی حمایت کا حق تسلیم کرے۔

دولت علیا نازک حالات کی بنا پر آؤر تمام شرائط کو تسلیم کر لینے پر رضامند ہو گئی تھی۔ لیکن اس نے پہلی شرط کے دوسرے حصے کو منظور کرنے سے قطعاً انکار کر دیا۔ یعنی وہ نئی قلعہ اور کرش سے دست بردار ہونے پر کسی صورت آمادہ نہ تھی۔ کیونکہ مفتی اعظم اور امار سلطنت کی رائے کے خلاف اگر یہ شرط تسلیم کر لی جاتی۔ تو قسطنطنیہ میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھنے کا قوی احتمال تھا۔ چنانچہ اس مجلس صلح کا شیرازہ بھی منتشر ہو گیا۔ درنئے سرے سے جنگ کا بلکل بجا دیا گیا۔

۱۷۷۳ء کی فصلِ گل میں امن و صلح کے پھولوں کی جگہ حرب و ضرب کے انگارے برسنے لگے۔ فریقین میں بہت دفعہ طاقت آزمائی ہوئی۔ لیکن میزانِ جنگ کا کبھی ایک پلہ بھاری ہو جاتا تھا۔ کبھی دوسرا۔ اتنے میں جرنیل رومانزوف نے دریائے ڈنیوب کو عبور کر کے سلسٹریا کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں گھسان کارن پڑا۔ آخر روسی فوجیں شہر کے اندر داخل ہو گئیں۔ لیکن ترکوں نے عثمان پاشا کی سرکردگی میں ایسی حیرت انگیز جانبازی سے مقابلہ کیا۔ اور آبادی کے تمام مرد یوں سینہ تان کر لڑنے مرنے کے لئے ٹھکھڑے ہوئے۔ کہ روسیوں کو بھاگتے ہی بنی۔ ان کے آٹھ ہزار سپاہی ہلاک اور ایک ہزار مجروح ہوئے۔ سلطان نے عثمان پاشا کو اس زریں کارنامے کے صلے میں "غازی" کا خطاب عطا فرمایا۔

روسیوں کے وحشیانہ مظالم | روسیوں نے عبرت ناک شکست کھا کر بھی جی نہ چھوڑا۔ اور قرہ سو پر چڑھائی کر کے ترکوں کو

بچا دکھایا۔ اب تو وہ آؤر بھی شیر ہو گئے۔ اور رومانزوف نے وارنا اور شوملا کی طرف فوجیں روانہ کر دیں۔ شوملا کی راہ میں بازار جیک پڑتا تھا۔ جہاں سے تقریباً ساری فوج اور بہت سے باشندے شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ روسیوں کو اس پر قبضہ کرنے میں کچھ مشکل پیش نہ آئی۔ لیکن ان کے متعلق کریسی رقم طراز ہے :-

” فتح کی آسانی نے انھیں شہر کی بقیہ آبادی کے ساتھ جو تقریباً ساری کی ساری ضعیف و پیر مردوں۔ بے کس عورتوں اور بچوں پر مشتمل تھی۔ انتہائی وحشیانہ سلوک کرنے سے باز نہ رکھا۔“

عورتیں۔ بچے اور بوڑھے تمام کے تمام دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر مار ڈالے گئے۔

تلواریں کا کھیت کبھی سرسبز نہیں ہوتا۔ پانی کی نالی منجھڑھار میں ڈوبتی ہے۔ آخر مکافات عمل کا

روس کی عبرت انگیز شکست

آیا۔ اور عثمانی فوج نے بازار جیک اور دارنا میں روسیوں کے چھکے چھڑا دئے۔ بہت سے روسیوں کا جرمولی کی طرح کاٹ کر رکھ دئے گئے۔ اور معتد بہ مال غنیمت ترکوں کے ہاتھ آیا۔

وفات ۲۵ دسمبر ۱۷۷۳ء کو سلطان مصطفی ثالث قسید حیات سے آزاد ہو گیا۔

ادھاف مصطفی صاحب علم اور خوش ذوق تھا۔ تعلیم کے سلسلے میں اس نے متعدد کارنامے نمایاں انجام دیئے۔ بہت سے مدرسے اور خالقائیں قائم کیں۔

اس نے بعض اہم ملکی اصلاحات جاری کیں۔ مالیات کا نظام درست کیا۔ ادارہ اوقاف

کو قیز لراغاسی کے ہاتھ سے لے کر صدر اعظم کی تحویل میں دیا۔ اگرچہ روس کے ساتھ طویل

جنگ کا سلسلہ شروع ہو جانے کے باعث اسے تمام توجہات سلطنت کی حفاظت پر مرکوز

کرنی پڑیں۔ پھر بھی اس نے بعض ایسی اصلاحات کو لباس عمل پہنایا۔ کہ یہ کارنامہ ہمیں

زندہ رہے گا۔

عبدالحمید اول

۱۷۷۳ء تا ۱۷۸۹ء

سلطان مصطفیٰ ثالث کے بعد اس کا بھائی عبدالحمید اول تخت نشین ہوا۔

ترکوں کی پس پائی | روس کے ساتھ معرکہ آرائی کا بازار ابھی گرم تھا۔ اور کیتھرائن نے گزشتہ شکستوں کا انتقام لینے کے لئے بخوبی تیاریاں کر لی تھیں۔ لیکن ترک جنگ کو ختم کر کے صلح کے آرزو مند تھے۔ صرف علماء کی جماعت بہ رہی تھی۔ کہ تاتاریوں کے سر سے اپنی سیادت کا سایہ اٹھالینا اور کریمیا کے اہم لمعوں کرش اور سنی قلعہ کوردسیوں کے قبضے میں دے دینا زیبا نہیں۔

آخر ۱۷۷۴ء میں محسن زادہ پاشا صدر اعظم نے شولہ سے ہرسوا کی جانب پیش قدمی لی۔ جہاں روسی فوجیں اپنے نئے جرنیل سوارو کے زیرِ کمان کیل کانٹے سے لیس لڑنے کرنے پر تلی کھڑی تھیں۔ سوارو نے خود آگے بڑھ کر کوزلیج کے مقام پر صدر اعظم کی فوج سے نبرد آزمانی کی۔ اور ترکوں کو نیچا دکھایا۔ حالات کی نزاکت کے ساتھ ہی سنی چری نے علم بغاوت بلند کر کے نیا گل کھلا دیا۔ اس پر محسن زادہ پاشا نے جنگ کو بند کر کے صلح کا رشتہ ہاتھ میں لیا۔

صلح نامہ کینارجی | ۱۶۔ جولائی ۱۷۷۴ء کو کینارجی کے مقام پر ایک صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس کی دفعات کا اقتباس درج ذیل ہے:-

روس نے تقریباً ان تمام عثمانی مقامات سے ہاتھ اٹھا لیا۔ جس پر اس کی فوجیں قابض ہو گئی تھیں۔ لیکن کریمیا باب عالی کو واپس نہ دیا گیا۔ بلکہ سرحد پولینڈ تک بسویا کا تاتاری علاقہ اس کے ساتھ ملا کر ایک مستقل تاتاری حکومت کی تشکیل کر دی گئی جس کے خان کے انتخاب کا حق صرف تاتاریوں کو دیا گیا۔ اس دفعہ میں یہ وضاحت بالخصوص کر دی گئی تھی۔ کہ "کسی عذر کی بنا پر حکومت روس یا سلطنت عثمانیہ خان کریمیا کے اتھار میں دخل نہ دے گی۔ اور نہ حکومت مذکورہ کے نجی۔ سیاسی۔ ملکی اور داخلی معاملات میں

دست انداز ہوگی۔ بلکہ دونوں قوم تاتار کو سیاسی اور ملکی اعتبار سے ان طاقتوں کے برابر تسلیم کریں گی۔ جو خود مختار اور صرف خدا کے تابع فرمان ہیں۔" پھر بھی کریمیا اور دوسرے تاتاری علاقوں میں سے روس نے کرش۔ بینی قلعہ۔ ازف اور کلبرن کے قلعوں اور ان کے متصل علاقے پر اپنا تسلط قائم رکھا۔ قبارطہ کے دونوں علاقے بھی اگرچہ وہاں کے باشندے مسلمان تھے۔ روس کی تحویل میں دئے گئے۔ عیسائی رعایا کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور آئندہ ان پر زیادہ نرمی سے حکومت کی جائے گی۔ باب عالی کی طرف سے سفیر روس مقیم قسطنطنیہ کو یہ اختیار بھی دیا گیا۔ کہ وہ ضرورت کے وقت ان صوبوں کے حق میں دولت عثمانیہ سے گزارش کرے۔

عام عیسائی رعایا کی نسبت صلح نامہ میں ایک اہم دفعہ درج تھی جس کے رو سے روس کو باب عالی کی عیسائی رعایا کا حق حمایت مل گیا۔ اور روس کے سفیروں کو باب عالی میں عیسائیوں کی طرف سے گزارشات پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ روس اور باب عالی کے تجارتی جہازوں کو ان حکومتوں کے کنارے پر کے تمام سمندروں میں آنے جانے کی مکمل آزادی دی گئی۔ اسی دفعہ سے روس کو اس حق بھی بہرہ اندوز کیا گیا۔ کہ باب عالی کے جس علاقے میں مناسب خیال کرے۔ اپنے قنصل متعین رکھے۔ لیکن دولت علیا کو اپنے قنصل روس میں بھیجنے کا حق نہ دیا گیا۔ صلح نامے میں یہ بھی فیصلہ ہوا۔ کہ آئندہ قسطنطنیہ میں ایک روسی سفیر متعین رہے گا۔ اور زار روس کو "بادشاہ" کا لقب دیا جائے گا۔ اس معاہدے سے پہلے فریقہ کے درمیان جتنے معاہدے اور صلح نامے ہو چکے تھے۔ سب منسوخ کر دئے گئے۔ اس معاہدے کے جو شرائط میں علاقہ ازف کی حدود اور سرحد کیوبان کی تعیین کرنے کا تھا۔

یہ صلح نامہ دولت عثمانیہ کے لئے سخت نقصان رساں تھا۔ کریمیا کی آزادی قبضے کا مقدمہ تھی۔ کیتھرائٹ نے خود ہی اس میں داخلی بد نظمی پیدا کی۔ اور خود ہی اسے رفع کرنے کے بہانے سے لشکر بھیج کر سارے ملک کو زیر نگیں کر لیا۔

اس صلح نامے کی وہ دفعہ جس میں روس کو باب عالی کی عیسائی رعایا بالخصوص کلیسائے یونان سے تعلق رکھنے والے عیسائیوں کی حمایت کا حق دیا گیا تھا۔ سلطنت عثمانیہ کی پیٹھ میں چھرا بھونک دینے کے مترادف تھی۔

حسن پاشا کی اصلاحات | اگرچہ ترکوں پر اس صلح نامے کا اثر خوش گوار نہ پڑا پھر بھی ایک اولوالعزم اور بہادر جماعت سربازی سے اپنے

ملک کی حفاظت کرتی رہی۔ اس جماعت کی عنان قیادت حسن پاشا البحر اتری کے ہاتھ میں تھی۔ حسن پاشا نے جدید مفید اصلاحات کے سلسلے میں طرز جدید کے متعدد جنگی جہاز تعمیر کرائے۔ اور حکام جہاز کی فنی تعلیم و تربیت کے لئے ایک بحری درس گاہ قائم کی۔

بغاوتوں کی بیخ کنی | حسن پاشا نے ایک نہایت مفید اصلاحی نظام عمل مرتب کیا تھا۔ لیکن سلطنت عثمانیہ کے مختلف صوبوں کی بغاوتوں کو

رفع کرنے کی غرض سے چونکہ اسے عموماً دارالسلطنت سے باہر ہونا پڑتا تھا۔ اس لئے وہ اپنی گونا گوں حیرت انگیز اور نفع بخش تجاویز کو بروئے کار نہ لاسکا۔

شام میں شیخ طاہر نے علم خود سری بلند کیا۔ حسن پاشا نے عکہ کا محاصرہ کر کے اسے سر کر لیا۔ اور شیخ طاہر کو اسیر زنداں کر دیا۔

۱۷۷۸ء میں حسن پاشا نے موریا کی طرف باگ اٹھائی۔ وہاں البانی دستوں نے سر اٹھا کر قتل و غارت گری کا بازاز گرم کر رکھا تھا۔ حسن پاشا نے وہاں پہنچ کر ان کے چھکے چھرا کے بعد انھیں باہر نکال دیا۔ سلطان نے حسن پاشا کو موریا کا والی بنا دیا۔

اس کے بعد سلطان نے حسن پاشا کو خود سر مالیک مصر کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ اس نے قاہرہ کو زیر نگین کر کے باغیوں کی سرکشی کا استیصال کیا۔ لیکن ۱۷۸۷ء میں روس سے لڑائی ہو جانے کے باعث سلطان نے اسے واپس طلب کر لیا۔

روس کی چالیں | کیتھرائٹن اپنے ناپاک مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔ اس کے دل و دماغ میں ایک

ہی خیال موجزن تھا۔ کہ ترکوں کو یورپ بدر کر کے قسطنطنیہ کو زیر نگین کر لیا جائے۔

کیتھرائن نے بخوبی سمجھ لیا۔ کہ آسٹریا کو ملائے بغیر باب عالی سے متعلق اس کے منصوبے شرمندہ تکمیل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ مراسلت کے ذریعے سے روس اور آسٹریا میں ایک معاہدہ ہو گیا۔ اور کیتھرائن نے جوزف حاکم آسٹریا کے سامنے تقسیم دولت عثمانیہ کی ایک سکیم پیش کی۔

جوزف اس سکیم سے پوری طرح متفق نہ تھا۔ کیونکہ اس کے خیال کے مطابق تقسیم میں آسٹریا کا حصہ کم رکھا گیا تھا۔ پھر بھی اس نے کیتھرائن سے رشتہ اتحاد قائم رکھنے کی غرض سے اسے منظور کر لیا۔

یہ سکیم توزیب قرطاس ہی رہی۔ البتہ ۱۸۳۳ء میں روس نے صلح نامہ کینارجی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کریمیا پر تسلط بٹھا کر اپنی سلطنت کے ساتھ اس کا الحاق کر لیا۔

کریمیا پر روس کا تسلط

اس سلسلے میں فرانسیسی مورخ ژون کیئر نے رولیر کا مندرجہ تحت بیان نقل کیا ہے ”صلح نامہ کینارجی کے نتائج بہت جلد محسوس ہو گئے۔ مسقووی کا زپردازوں کی سازشوں سے قرم میں فساد ہوا۔ دولت غزے معزول کیا گیا۔ اور اس کی جگہ شاہین غزے کا تقرر عمل میں آیا۔ جس نے اپنے آپ کو کیتھرائن کی سرپرستی میں دے دیا۔ امرانے نئے خان قرم کے خلاف غلم بغاوت بلند کیا۔ خان نے روس سے مدد کی درخواست کی (۱۸۳۳ء) پوٹکن نے فوراً ستر ہزار کی فوج سے قرم پر چڑھائی کر دی۔ لیکن اس کی فتح کو فتح کی دیوی نے شرف نہ بخشا۔ قتل کے ساتھ یہ فتح حاصل ہوئی۔ اور پھانسیوں کے ساتھ اس کا اعلان ہوا۔ خود خان کی آنکھوں کے سامنے کئی ہزار شریف تاتاری سنگسار اور قتل کر دئے گئے۔ روسیوں نے بد نصیب شاہین غزے کو ایک عرصے تک لیت ولعل میں رکھا۔ آخر بے چارے کو اپنی حکومت سے جس کی اس نے تذلیل کی تھی۔ ہاتھ اٹھانا پڑا۔ پھر روسیوں نے اسے کالوگا میں قید کیا۔ شدید تکلیفوں کے شکنجے میں جکڑا۔ اور اس کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کیا۔ آخر کار اسے ترکوں کے انتقام کے لئے سرحدی علاقے پر چھوڑ دیا۔ ترکوں نے اسے پکڑ کر روڈس روانہ کیا۔ جہاں وہ فرانسیسی قنصل کی مزاحمت کے باوجود تہ تیغ کر دیا گیا۔“

کرمیا کے ان حالات کی اطلاع قسطنطنیہ
اتحاد مغرب میں فرانس کی مایوسی

پہنچی۔ تو وہاں ایک طوفان اضطراب

برپا ہو گیا۔ لیکن باب عالی نے عاقبت اندیشی کی بنا پر خاموشی اختیار کر لی۔

فرانس روس کی اس منصوبہ بازی سے انگاروں پر لوٹنے لگا۔ اور اس نے روس کی

خطرناک چہرہ دستیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مغربی طاقتوں کا اتحاد قائم کرنے کی ٹھانی۔

چنانچہ وہ سب سے پہلے انگلستان کی جانب متوجہ ہوا۔ لیکن انتہائی کوشش کے باوجود

اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کے بعد فرانس نے پرشا اور آسٹریا کا رخ کیا۔ لیکن وہاں بھی اس کا نخل تمنا

بار آور نہ ہوا۔

اکیلے فرانس میں اتنا دم خم نہ تھا۔ کہ باب عالی کی حمایت میں روس سے دست دگریا

ہوسکے۔ چنانچہ اس نے دولت عثمانیہ کو یہ آخری اطلاع دے کر کہ مغربی طاقتوں سے

مدد کی امید نہیں۔ مجبوراً ۱۸۳۳ء میں روس سے ایک صلح نامہ کر کے کرمیا اور کیومان پر

اس کا قبضہ تسلیم کر لیا۔

روس جنگ کے لئے بالکل تیار تھا۔ لیکن وہ
روس کے خلاف اعلان جنگ

چاہتا تھا۔ کہ باب عالی پہل کرے۔ چنانچہ

اس نے اپنے خفیہ نمائندوں کے ذریعے سے دولت عثمانیہ کی عیسائی رعایا کو بغاوت پر

آمادہ کر دیا۔ امیر ولاچیا نے کھلم کھلا غم بغاوت بلند کر کے روس کے پاس پناہ لی۔ دولت

علیائی نے روس سے مطالبہ کیا۔ کہ امیر ولاچیا کو پناہ نہ دی جائے۔ اور بغاوت کا زہر پھیلا

والے قنصلوں کو معزول کر دیا جائے۔ روس نے نہ صرف اس مطالبے کو نامنظور ہی کیا

بلکہ صوبہ بسرابیا اور اوکزاکوف اور اکرمان کے شہروں کا اس بنا پر مطالبہ بھی کر دیا۔ کہ

پہلے یہ علاقے خان کرمیا کے قبضے میں تھے۔ جس کی سلطنت اب روس میں شامل

ہو گئی ہے۔ ترکوں نے اس توہین آمیز سلوک سے آگ بگولا ہو کر مجبوراً ۱۵ اگست

۱۸۷۶ء کو روس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔

انگلستان کی فریب کارانہ پالیسی | اس اعلان جنگ میں انگلستان کی فریب کارانہ پالیسی بھی کار فرما تھی۔ ایک طرف تو اس نے

سلطنت عثمانیہ اور فرانس کے ساغر اتحاد میں زہر گھولنے کی جدوجہد کی۔ اور دوسری طرف اپنی امداد کا فریب دے کر دولت علیا کو روس کے خلاف جنگ کا اعلان کرنے پر براہِ نگیختہ کیا چنانچہ ژون کیر نے انگلستان کی اس دورِ مخنی اور پُر فریب پالیسی پر لوالے کا مندرجہ تحت بیان نقل کیا ہے :-

”انگلستان نے جس کے مشورے۔ جس کا توسط اور جس کی غیر جانب داری ترکی کے حق میں سم قاتل کا کام کر رہی تھی۔ باب عالی کے سامنے فرانس کے اغراض کو بری روشنی میں پیش کیا۔ اور یہ اتہام لگایا۔ کہ فرانس حقیقتاً اس سے عیاری اور بیوفائی کو کام میں لارہا ہے۔ اور دیوان کو ترغیب دی۔ کہ وہ فرانسیسی تجاویز صلح کو مسترد کر دے۔ روس سے سازش کر کے اس نے باب عالی کو باور کرایا۔ کہ روس اصل میں خوف سے پیچھے ہٹ رہا ہے۔ اور یہ کہ اب سابقہ فتوحات کے واپس لینے کا وقت آ گیا ہے۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا۔ کہ وہ آسٹریا کو جنگ سے باز رکھے گا۔ سویڈن اور پولینڈ کو اس کی طرف سے جنگ پر آمادہ کرے گا۔ اور اپنی بحری طاقت سے پوری مدد دے گا“

ترکوں کی ناکامی | ان دنوں غازی حسن پاشا مصر میں باغی مملوکوں کی سرکوبی کر رہا تھا۔ سلطان نے اسے واپس طلب کر کے کلبرن پر یورش کرنے کے لئے

اوکزا کو ف بھیج دیا۔ کلبرن میں سالار فوج مشہور جرنیل سوارو سے مقابلہ ہوا۔ جس میں ترکوں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

آسٹریا کی فریب کاری اور شکست فاش | روس کے ساتھ معاہدہ اتحاد کے باوجود آسٹریا نے ابھی تک

باب عالی کے خلاف کوئی جارحانہ اقدام نہ کیا تھا۔ لیکن اس کی یہ خاص وجہ تھی۔ کہ جوہن نیدر لینڈز کی آتش بغاوت کو ٹھنڈا کرنے میں مصروف تھا۔ جوہن وہ ادھر سے فارغ ہوا۔ فوراً ترکوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں پر مگر باندھ لی۔ لیکن باب عالی کو اسی فریب

میں رکھا۔ کہ وہ اس کے اور روس کے درمیان صلح کرانے میں کوشاں ہے۔ چنانچہ ۲۔ دسمبر ۱۷۸۷ء کو آسٹریا نے اچانک بلغراد پر ہلہ بول دیا۔ لیکن اسے بری طرح منہ کی کھائی پڑی۔ اور اس کا پورا دستہ فوج ترکوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے ہی والا تھا۔ کہ آسٹروی کمانڈار نے بلغراد کے سالار سے معافی مانگ لی۔ دولت علیا کو آسٹریا سے انتقام لینے کا زریں موقع حاصل تھا۔ لیکن وہ انتہائی شرافت و دیانت داری سے معاہدے پر قائم رہی۔ اور آسٹریا سے جنگ آزمانہ ہوئی۔ لیکن آسٹریا نے اس ایمانداری کا یہ صلہ دیا۔ کہ ۱۰۔ فروری ۱۷۸۸ء کو باب عالی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔

سلطنت عثمانیہ نے روس کی جانب سے اپنے آپ کو خطرے سے محفوظ سمجھ کر آسٹریا کے مقابلے کے لئے فوج روانہ کر دی۔ اور منڈیا کے میدان میں حریت کو ناک چنے چوائے۔ جوزف آگ بگولا ہو کر آگے بڑھا۔ لیکن ترکوں کی حیرت انگیز کامیابی سے اس کا جی چھوٹ گیا۔ اور وہ تیسوار کی جانب سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اس ہم میں آسٹریا کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ اور اس کے تیس ہزار آدمی لڑائی میں اور چالیس ہزار بیماری سے ہلاک ہو گئے۔

روسی جرنیل پوٹمکن نے محاصرہ اوکزاکوف میں ہمت ہار دی۔ تو

سقوط اوکزاکوف

جرنیل سوارد کو امداد کے لئے بلایا۔ اور ۱۶۔ دسمبر ۱۷۸۸ء کو زبردست

حملہ کر دیا۔ پہلے تو ترکوں نے روسیوں کے ایسے دانت کھٹے کئے۔ کہ ان کے چار ہزار آدمی ہلاک کر دیے۔ پھر جب روس کا ٹیڈی دل لشکر ساون کے طوفان باد و باران کی طرح لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی گیا۔ تو بے پناہ کثرت تعداد کی بنا پر روسیوں نے میدان مار لیا۔ اور شہر پر قابض ہو کر قتل عام کا بازار گرم کر دیا۔

اس موقع پر ترکوں کے صبر و ثبات کے باب میں اٹمین رقم طراز ہے :-

”ترکی عورتیں اور بچے جو تعداد میں تقریباً چار سو تھے۔ اوکزاکوف کی فتح کے بعد جب

شہر سے نکال کر روسی فوج کے پڑاؤ پر لائے گئے۔ تو پہلی رات کو سب کے سب ایک

خیمے میں ٹھہرا دیے گئے۔ موجودہ حالات میں ان کے قیام کے لئے اس سے بہتر انتظام

نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مگر اس رات شدید برف باری ہو رہی تھی۔ اور ان غریبوں کو کڑا کے کی سردی اور کپڑوں کے نہ ہونے سے بے حد تکلیف تھی۔ ان میں سے اکثر زخموں کی شدید تکلیف میں بھی مبتلا تھے۔ چونکہ میں ترکی بولتا تھا۔ اس لئے مجھے ان کا محافظ اور نگران مقرر کیا گیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ ان سب پر کامل سکون طاری ہے۔ کوئی عورت نہ روتی ہے۔ اور نہ آہ و فغاں کرتی ہے۔ حالانکہ ان میں سے شاید ہر ایک کا باپ یا بچہ یا شوہر قتل ہو چکا تھا۔ یہ عورتیں سکون اور استقلال کے لہجے میں بات کرتیں۔ اور جو سوالات میں ان سے کرتا۔ ان کے جواب بغیر کسی اضطراب کے دیتیں۔ میں حیران تھا۔ اور یہ فیصلہ نہ کر سکتا تھا۔ کہ ان کی یہ حالت بے حسی کا نتیجہ ہے۔ یا اس بات کا کہ انھوں نے قسمت کے بڑے بڑے نسیب و فرزند دیکھے اور سنے ہیں۔ پاپھر اس کا سبب تسلیم و رضا کی وہ تعلیم ہے۔ جو ان کا مذہب انھیں دیتا ہے۔ اور آج بھی میں اس کا سبب معلوم کرنے سے ویسا ہی قاصر ہوں۔ ان میں سے ایک عورت خاموش لیکن غیر معمولی طور پر غمگین انداز میں بیٹھی تھی۔ میرا جی چاہا۔ کہ اسے کچھ تسلی دوں۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔ تو کیوں بہت سے کام نہیں لیتی اور مصیبت کو ایک مسلمان کی طرح برداشت نہیں کرتی۔ جیسے کہ تیری ساتھی عورتیں برداشت کر رہی ہیں؟ اس نے میرے سوال کا جواب ان موثر الفاظ میں دیا:-

”میں نے اپنے باپ۔ شوہر اور بچوں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب میرا ایک ہی بچہ رہ گیا ہے۔“ میں نے جلدی سے پوچھا۔ کہ وہ بچہ کہاں ہے۔ اس نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ کہ ”یہ ہے۔“ اور ایک بچے کی طرف اشارہ کیا۔ جو اس کے پہلو میں پڑا تھا۔ اور جس نے اسی وقت دم توڑا تھا۔ میں اور وہ لوگ جو ساتھ تھے۔ بے اختیار رو پڑے لیکن ذرا بھی نہ روتی۔ اُس رات میں ان مصیبت زدہ عورتوں اور بچوں کو جو زخموں اور سردی کی تکلیف سے مر رہے تھے۔ اپنے گرم زمیں دوز کمرے میں لے گیا۔ اور جتنے آدمیوں کی اس میں گنجائش تھی۔ اتنوں کو وہاں ٹھہرایا۔ وہ لوگ بارہ روز میرے ساتھ رہے۔ لیکن اس پوری مدت میں ان میں سے کسی ایک نے بھی نہ کوئی شکوہ کیا۔ اور

نے اپنے شدید اندرونی صدمے کو ظاہر ہونے دیا۔ بلکہ ہر عورت خواہ وہ بوڑھی ہو یا جوان
اپنی سرگزشت مجھ سے اس طرح بیان کرتی تھی۔ جیسے وہ کسی غیر متعلق آدمی کا قصہ کہ
رہی ہو۔ بغیر فریاد۔ بغیر ٹھنڈی سانسوں اور بغیر آنسوؤں کے۔“

وفات مارچ ۱۷۷۹ء میں یوسف پاشا صدر اعظم نے آسٹریا کی مہم کے لئے باگ
اٹھائی۔ اور نوے ہزار مجاہدین کے ساتھ ڈینیوب کو عبور کر کے ٹرانسلوینیا جا
پہنچا۔ وہاں سے وہ آسٹریا پر یورش کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کہ ۷۔ اپریل ۱۷۸۹ء کو سلطان
عبدالحمید اول نے وفات پائی۔ اور سلیم ثانی کی سربراہی کے ساتھ ہی صدارت عظمیٰ کے
منصب عالیہ پر بھی کسی دوسرے آدمی کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ یہ جدید صدر اعظم و دین کا
سابق حکم ران تھا۔ فوجی قابلیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ ہرگز ہرگز اس عہدہ جلیلہ کا حقدار
نہ تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ اس صورت میں نکلا۔ کہ یوسف پاشا کی مہم موقوف کر دی گئی۔
اور ترکوں کا لشکر ٹرانسلوینیا سے واپس طلب کر لیا گیا۔

سلیم ثالث

۱۷۸۹ء تا ۱۸۰۷ء

سلطان عبدالحمید اول کے بعد سلیم ثالث ستائیس سال کی عمر میں تختِ حکومت
پر متمکن ہوا۔

ترکوں کی متواتر ناکامیاں روس اور آسٹریا سے جنگ کا سلسلہ ابھی جاری تھا۔
چنانچہ جوزف شاہ آسٹریا نے مشہور جرنیل اڈن
کی سرکردگی میں فوج روانہ کی۔ اس نے بوسینیا اور سرویہ پر یورش کر کے ان کے اکثر
علاقوں کو زیر نگین کیا۔

آسٹریا کی ایک اور فوج نے شہزادہ کو برگ کے زیر کمان جرنیل سوارو کی روسی فوج

کے ساتھ مولڈ یویا کی جانب پیش قدمی کی۔ سلطان سلیم نے حسن پاشا کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد ترکوں کی اور فوج میدان جنگ میں پہنچی مگر وہ بھی ۱۶ ستمبر ۱۴۸۹ء کو دریائے رمنک کے قریب پس پا ہو گئی۔

ترکوں کی ان مسلسل ناکامیوں کی اطلاع قسطنطنیہ پہنچی۔ تو وہاں شورش و بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اور لوگوں نے سلطان سے حسن پاشا کے قتل کا مطالبہ کیا۔ سلطان رفع بغاوت کی غرض سے اس کے قتل کا حکم دینے پر مجبور ہو گیا۔ اسی سال آسٹریا نے سمندریا اور بلغراد پر بھی قبضہ کر لیا۔

۱۴۹۰ء میں جوزف نے وفات پائی۔ اور زمام حکومت

آسٹریا سے مصالحت | اس کے بھائی گرانڈ ڈیوک لیوپولڈ کے ہاتھ میں آئی

وہ پہلے ہی سے اپنی سلطنت کے فائدے کے لئے باب عالی سے آبرو مندانه صلح کرنے کا متمنی تھا۔ چنانچہ ۸ اگست ۱۴۹۱ء کو فریقین میں ایک صلح نامہ مرتب ہو گیا جس کے رو سے آسٹریا نے وہ تمام علاقے جو دوران جنگ میں سرویہ۔ بوسینیا اور ولاچیا کے صوبوں میں مسخر کئے تھے۔ اور جن میں سمندریا اور بلغراد کے قلعے بھی شامل تھے۔ باب عالی کو واپس دے دئے۔ صرف کرویشیا کے ایک چھوٹے سے علاقے اور سوا کے قدیم شہر پر اپنا اقتدار قائم رکھا۔

کیتھرائن کے دم خم ابھی وہی تھے۔ اور وہ فتح قسطنطنیہ کے

یونانیوں کی شکست | جنت الحقاء میں ہوائی قلعے تعمیر کر رہی تھی۔ چنانچہ اس

دلکش خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے اس نے یونان کے طول و عرض میں اسی آدمی روانہ کر کے وہاں کے باشندوں کو بغاوت کے کیل کاٹے سے پوری طرح لیس کر دیا۔ روس نے یونانیوں کے تیرہ جہازوں پر مشتمل بیڑے کو توپوں سے مدد دی۔ لیکن یونانی چوہوں کو تو ترکی بلی کی سیاؤں سے ڈر لگتا تھا۔ اس لئے جب بحیرہ ایجین عثمانی جہاز یونانیوں کے مقابلے کے لئے آئے۔ تو یونانی بیڑا منہ کی کھا کر ہنگامہ کالقمہ بن گیا۔

ترکوں کی ناکامی بحری جنگ کی اس ناکامی سے کیتھرائن کچھ زیادہ پریشان نہ ہوئی۔

کیونکہ بری فوجوں کی کامیابی اس کی ڈھارس بندھا رہی تھی چنانچہ ۲۲۔ دسمبر ۱۷۹۰ء کو جرنیل سوارو نے ترکوں کے اہم قلعہ اسماعیل کو سر کر لیا۔ ترکوں نے مدافعت میں حیرت انگیز بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اور جب روسی شہر میں داخل ہو کر قتل عام کا بازار گرم کرتے ہوئے درمیانی حصے میں پہنچے۔ تو ترکوں اور تاتاریوں کے ایک دستے نے دو گھنٹے تک عدیم النظیر شجاعت سے مقابلہ کیا۔ اور اس دستے کا ایک ایک سپاہی تیغ زنی کے جوہر دکھاتا ہوا کام آیا۔ اس معرکہ میں چونتیس ہزار ترک مقتول اور دس ہزار گرفتار ہوئے۔ روسیوں نے بربریت و درندگی کے وہ ہولناک مناظر پیش کئے۔ کہ خود سوارو کی آنکھیں بھی اشک بار ہو گئیں۔

تحریک صلح انگلستان۔ پرشا اور ہالینڈ برابر صلح کے لئے جدوجہد کر رہے تھے کیتھرائن نے پہلے تو صاف جواب دے دیا۔ لیکن جب اکتوبر ۱۷۹۱ء میں پوٹسڈام میں صلح ہوئی

اور اتحادیوں نے بھی زیادہ اصرار کیا۔ تو وہ صلح کی گفتگو کرنے پر رضامند ہو گئی۔ اتحادیوں نے آسٹریا کی طرح روس کے سامنے بھی یہی شرط پیش کی۔ کہ فریقین دوران جنگ کے تمام مفتوحات سے ہاتھ اٹھالیں۔ کیتھرائن نے یہ شرط مسترد کر دی۔ اور اتحادی اس پر دباؤ ڈالنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

انگلستان کی جدید روش انگلستان اب تک روس کا حامی اور دولت عثمانیہ کا مخالف چلا آ رہا تھا۔ جیسا کہ اس کے وزیر اعظم لارڈ پیٹم اور

وزیر خارجہ کی پالیسی سے ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے جب ۱۷۹۱ء میں انگلستان کے نوجوان وزیر اعظم مسٹر پیٹ نے باب عالی کی حمایت میں روس کو صلح پر مجبور کرنا چاہا۔ تو سارا انگلستان پنچے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گیا۔ لیکن پیٹ اپنے اصول پر قائم رہا۔ اور ۱۷۹۲ء کے اجلاس میں جب یہ مسئلہ پھر زیر بحث لایا گیا۔ تو اس نے صاف صاف کہہ دیا۔

”آئندہ انگلستان کی سیاست خارجہ کا بنیادی اصول یہ ہوگا۔ کہ یورپ میں قوت کا تعاون قائم رکھا جائے۔ اور اسی بنا پر جہاں تک ممکن ہو۔ نہ سلطنت روس کی قوت بڑھنے

دی جائے۔ اور نہ دولت عثمانیہ کی قوت گھٹنے دی جائے۔“

پارلیمنٹ نے پٹ کی اس تجویز پر منظوری کی مہر ثبت کر دی۔

صلح نامہ یاسی

کیٹھرائن نہایت غرض پرست اور زمانہ ساز تھی۔ جب اس نے صلح نامہ یاسی کے حالات اس کے مصالحوں کے خلاف ہیں۔ تو اس نے

پولینڈ کی دوسری تقسیم کا ارادہ ملتوی کر کے ترکوں کے ساتھ صلح پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ ۹ جنوری ۱۷۹۵ء کو یاسی میں فریقین کے درمیان ایک صلح نامہ مرتب ہو گیا جس

روس نے قلعہ اوکزاکوف اور دریائے نیسٹرا اور دریائے بوگ کے درمیانی علاقے اور تمام فتوحات جو مولڈوویا، بسارآبیا، کیوبان اور دلاچیا کے صوبوں پر شامل تھیں۔

کو واپس کر دیں۔ دریائے نیسٹرا ملک روس کی جدید سرحد قرار پایا۔ جس کے مغرب کے تمام علاقے دولت علیا کو واپس دے دئے گئے۔ یونان حسب سابق سلطنت عثمانیہ کے قبضے میں

کیٹھرائن کا انتقال

۱۷۹۵ء میں پولینڈ کی آخری تقسیم نے لباس عمل اور کیٹھرائن کی آرزو پوری ہو کر اسے پولینڈ کی طرف سے

اطمینان حاصل ہو گیا۔ اب اس کی مطلب پرست فطرت نے دولت عثمانیہ پر حرص و آنکھیں ڈالیں۔ اور اس پر حملے کی تیاریوں کے سلسلے میں تین لاکھ سپاہیوں کا لشکر جرّار

ایک عظیم الشان جنگی بیڑا مرتب کر لیا۔ وہ جنگ کا اعلان کرنے ہی کو تھی کہ قضا کے زبردستی ہاتھ نے اس کے تمام منصوبوں کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا۔ اور ۱۷۹۲ء میں زارینہ کی موت کے

روس کی یہ قیامت آفریں ہم التوا کی آغوش میں چلی گئی۔

انتظام سلطنت

اب سلطان سلیم چاہتا تھا کہ اپنی تمام توجہات مکمل اصلاحیہ اور

جنگ شروع ہو جانے کے باعث اصلاحات کا نہایت مفید کام معرض التوا میں اس زمانے میں دولت عثمانیہ کے نظم و نسق سے متعلق کریسی کے بیان کا اقتباس یہ

درج کیا جاتا ہے۔

یاشا سلیم کی سلطنت میں یورپ، ایشیا اور افریقہ کی چھبیس ولایتیں شامل تھیں۔ یہ ولایتیں

ایک سو تریسٹھ علاقوں پر منقسم تھیں۔ جنہیں لوا کہتے تھے۔ ہر لوا میں متعدد قضا یا ضلع ہوتے تھے۔ ہر قضا اپنا انتظام خود کرتا۔ اور وہ عموماً ایک شہر اور اس کے ماتحت علاقوں پر مشتمل ہوتا یا ایک ضلع پر جس میں زیادہ تر چھوٹے چھوٹے قصبے یا گاؤں شامل ہوتے تھے۔ ولایت کا حاکم ایک پاشا ہوتا تھا۔ جسے "سراسر" نشان عطا ہوتا تھا۔ ایسے پاشا کا منصب ایک وزیر کے منصب کے برابر ہوتا۔ وہ اپنی ولایت کے ایک یا چند خاص لواؤں پر براہ راست حکومت کرتا۔ بقیہ لواؤں کے مقامی حکام پر وہ ایک عام سیادت رکھتا تھا۔ بہتر لواؤں کی حکومت ایسے پاشاؤں کے سپرد تھی۔ جو "پاشائے دو نشان" تھے۔ انہیں لواؤں اور ولایتوں کو عموماً یا شالق کہتے تھے۔ بالعموم پاشاؤں کا تقرر ہر سال ہوتا تھا۔ لیکن اگر کوئی پاشا اتنا طاقت ور ہوتا کہ اسے برطرف کرنے میں باب عالی کو بغاوت کا اندیشہ ہوتا۔ یا وہ دیوان عالی کے بعض وزراء کو رشوت کے ذریعے سے اپنا حامی بنائے رکھتا۔ تو ایک ہی شخص کئی کئی سال تک بلکہ کبھی کبھی عمر بھر اپنے عہدے پر مامور رہتا۔ بائیس لواؤں کے پاشائت العمر کے لئے مقرر تھے۔"

انتظام کے سلسلے میں پاشا کی مدد کے لئے باب عالی کی طرف سے دو یا تین آدمی **اعیان** مقرر کئے جاتے تھے۔ جن کا انتخاب اس ولایت کے باشندے کرتے تھے۔ یہ لوگ اعیان کہلاتے تھے۔ کبھی کبھی اعیان کا عہدہ موروثی ہوتا تھا۔ لیکن اس صورت میں یہ ضروری تھا کہ نئے اعیان کو اپنے مورث کی جگہ مقرر ہونے کے لئے باشندوں کی کثرت رائے حاصل ہو۔ عیسائی رعایا کے افسرانہیں کی طاقتوں میں سے مقرر کئے جاتے تھے۔ جو ٹیکس ان کے ضلع پر لگایا جاتا تھا۔ اس کی تشخیص یہی افسر کیا کرتے تھے۔"

ان دنوں سلطنت عثمانیہ کے طول و عرض میں شورش اور **ملک میں افراتفری** افراتفری مچی ہوئی تھی۔ عرب میں وہابیوں کا طوطی بول رہا تھا۔ مصر میں حکام عثمانی کا اقتدار دم توڑ چکا تھا۔ شام میں خود مختاری کی ہوا میں چل رہی تھیں۔ یونان کے شمالی علاقوں نے مطلق العنانی پر کمر باندھ لی تھی۔ مونٹی نیگرو اور ہرزگوینیا بھی اسی راستے پر گام زن تھے۔ ولاچیا اور مولڈوویا پر ترکوں سے زیادہ روسیوں

نکا اٹھواؤں کے اقتدار تھا۔ پاشاؤں میں بغاوت اور خانہ جنگی زوروں پر تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت بھر کا امن و امان تباہ ہو گیا۔ اور رعایا کو جان کے لالے پڑ گئے۔

پاشا کے بعد بے اور آغا کا مرتبہ تھا۔ جو اپنے اپنے علاقے میں پاشا کے برابر لیے اور آغا صاحب اقتدار تھے۔

جاگیرداروں کی مطلق العنانی | نظام جاگیری سے متعلق سلیمان اعظم کے بنائے ہوئے قاعدے تبدیل ہو چکے تھے۔ اور جگہ جگہ

جاگیرداروں نے خود سری کا علم بلند کر رکھا تھا۔ باب عالی کمزوری کے باعث ان سے عہدہ برآ نہ ہو سکتا تھا۔

سرجان باب ہاؤس نے ذاتی مشاہدے کی بنا پر صوبہ البانیہ سے متعلق دولت عثمانیہ کی بد نظمی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔ اسی سے باقی صوبوں کے حالات کا بھی کیا جاسکتا ہے۔

”البانیہ میں تقریباً ہر قسم کی حکومت کے نمونے ملتے ہیں۔ بعض ضلعوں اور شہروں پر ایک شخص کی حکومت ہے۔ جس کا ترکی لقب یولوباشی یا یوتانی لقب پکتان ہے۔ جو سچی یورپ سے لیا گیا ہے۔ بعض اپنے انکایر کے زیر حکومت ہیں۔ اور بعض کسی کی حکومت تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ ہر شخص خود اپنے خاندان کا حاکم ہے۔ چند مقامات پر حکومت معطل ہے۔ اور اگرچہ بظاہر ظلوائف الملوک برپا نہیں۔ لیکن کوئی حاکم بھی نہیں۔ ہمارے زمانے میں آرجیرو کا سڑک کے وسیع شہر کی یہی حالت تھی۔ مفصلیات کے بعض علاقے ایسے ہیں۔ جہاں ہر آغایا بے ہو گیا ہمارے قدیم تعلقہ داروں کا جواب ہو سکتا ہے۔ ایک چھوٹا سا سردار ہے۔ اور گاؤں کے لوگوں پر ہر طرح کا حق رکھتا ہے۔ باب عالی کا احترام جس نے سلطنت عثمانیہ کے دور عظمت میں ملک کو چھوٹی چھوٹی پاشائیوں اور امارتوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اب بہت کم رہ گیا ہے۔ اور مختلف علاقوں کی حدود جو اس نے قائم کی تھیں۔ درہم برہم اور فراموش ہو چکی ہیں۔“

غرض انتظام سلطنت کے اونٹ کی کوئی کل سیدھی نہ تھی۔ اور دولت عثمانیہ

زوال و انحطاط کے قعر عمیق میں گر چکی تھی۔ سلطان سلیم کی اصلاحات نے تاریخ کے اس دور میں ایک نیا خوش آئند انقلاب پیدا کر دیا۔ اگرچہ ان اصلاحات کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیا گیا۔ لیکن ان کی پیدا کی ہوئی نئی روح قائم رہی۔ جو دولت علیا کے آئندہ حکم رانوں کے لئے سنگ میل ثابت ہوئی۔

اصلاحات | اصلاحات سے متعلق سلطان سلیم کی مرتب کی ہوئی جامع حکیم کے دو سے قرار پایا۔ کہ موجودہ جاگیرداروں کے انتقال پر ان کی جاگیریں ضبط کر لی جائیں۔ اور ان کی آمدنی بیت المال میں جمع کر کے ایک نئی فوج پر صرف کی جائے۔ پاشاؤں کے اختیارات میں تخفیف کر دی جائے۔ ہر حاکم ولایت کا تقررتین سال کے لئے ہو۔ اس مبعاد کے بعد دوبارہ تقرروہان کے باشندوں کی رضامندی سے ہو۔ مال گزاری ٹھیکیداروں کی وساطت سے نہیں۔ بلکہ حکام بیت المال کے ذریعے سے وصول کی جائے۔ مرکزی حکومت میں صدر اعظم کے اختیارات قدرے کم کر دئے گئے۔ اور تمام اہم معاملات پر دیوان سے رائے لینا ضروری قرار دیا گیا۔

تعلیم | سلطنت کے طول و عرض میں مدرسوں کا جال بچھا دیا گیا۔ یونانیوں نے اس تجویز سے بہت فائدہ اٹھایا۔ اور ناجائز حرکت یہ کی۔ کہ درس گاہوں اور چھاپ خانوں کے ذریعے سے باب عالی کے خلاف بغاوت پھیلانے کی کوشش کی۔ لیکن سلیم نے انتہائی عالی ظرفی سے کام لیتے ہوئے ان مکاتب و مطابع کو بند نہ کیا۔ اور قسطنطنیہ میں ایک مطبع قائم کر کے انسداد شورش کے لئے یونانی پادریوں سے کام لینا چاہا۔ سلیم نے مختلف علوم و فنون کی نشر و اشاعت کے لئے بہت سے مطبعے قائم کرنے کے علاوہ فن مصافیات وغیرہ کی بہت سی کتابیں فرانسیسی سے ترجمہ کرا کے ترکی میں شائع کرائیں۔

فوج | سلیم نئی چری کی آئے دن کی سرکشی سے تنگ آ گیا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ امن عامر کے لئے ایک مستقل خطرہ تھے۔ اور اپنے نظام میں کسی قسم کی اصلاح کے روادار نہ تھے۔ اس لئے سلیم نے جدید یورپی نظام کے مطابق ایک نئی اور قابل اعتماد فوج مرتب کرنے کا ارادہ کیا۔ صدر اعظم یوسف پاشا نے روسی فوج کے ملازم ایک ترک قیدی

لفٹنٹ عمر آغا کو یورپی طرز پر ایک دستہ قائم کرنے کی اجازت دی۔ اور یوسف پاشا قسطنطنیہ کی مراجعت پر وہ نیا دستہ ہمراہ لایا۔ سلیم نے معاہدہ کرنے پر اسے بہت پسند کیا۔ ۱۷۹۲ء میں قیودان پاشا کے منصب پر کوچک حسین کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ اور

بحریہ وہ بارہ برس تک فرائض منصبی انجام دیتا رہا۔ اس دوران میں اس نے ترکی بیڑے اور سلاح خانے کو جدید طرز پر منظم کیا۔ اور متعدد جدید جنگی جہاز تعمیر کرائے۔ سویڈن اور فرانس سے بہت ماہر انجنیر طلب کر کے عثمانیوں کو نئی طرز کی توپیں ڈھالنی سکھائیں قسطنطنیہ کے سابق مدرسہ توپچیہ کو نئے سرے سے منظم کرنے کے علاوہ ایک نیا بحری مدرسہ قائم کیا۔

اس دوران میں انقلاب فرانس کی سرخ آندھی اٹھی۔ جو دیکھتے دیکھتے فضا پر

نیپولین بعید تک چھا گئی۔ نیپولین بونا پارٹ ملک پر ملک فتح کرتا ہوا دولت عثمانیہ کی سرحد کے قریب پہنچ گیا۔ باب عالی کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر نیپولین نے متعدد عثمانی علاقوں اور خصوصاً یونان میں اپنے نمائندے بھیجے۔ اور وہاں کے باشندوں کو اطمینان دلایا کہ ترکوں کے خلاف بغاوت کرنے کی صورت میں فرانسیسی فوج ان کی پشتی بانی کرے گی۔ خیر کیا جاتا تھا۔ کہ سلطنت عثمانیہ کے کسی یورپی صوبے پر یورش ہوگی۔ لیکن نیپولین کی تجویز سے فرانس نے مصر کے راستے سے انگلستان پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا۔

حکومت فرانس نے نیپولین کو یہ خفیہ احکام بھیجے تھے۔ کہ مصر کو زیر نگیں کر کے انگریزوں سے ان کے ایشیائی مقبوضات چھین لئے جائیں۔ بحیرہ احمر پر پورا فرانسیسی اقتدار قائم کرنے کے مالٹا پر تسلط بٹھالیا جائے۔ علاوہ بریں خود نیپولین نے یہ ذاتی سکیم بنا رکھی تھی۔ کہ یونان میں ایک زبردست سلطنت قائم کر کے یونانیوں اور دوسرے عیسائیوں کو باب عالی کے خلاف براہیختہ کرے۔ ترکوں کو نیچا دکھا کر قسطنطنیہ پر قابض ہو جائے۔ پھر وہاں سے فرانس پر فوج کشی کرے۔

۱۹۔ مئی ۱۷۹۸ء کو نیپولین طولون سے روانہ ہو کر تین ہفتے کے بعد مالٹا کی تسخیر پہنچا۔ اور اسے آسانی سے فتح کر لیا۔

اس کے بعد نپولین نے جزیرہ کریٹ کی جانب باگ اٹھائی۔ لیکن انگریزوں نے اسکندریہ کی فتح | امیر البحر نیلسن کے تعاقب کی اطلاع پا کر معاً اسکندریہ کا رخ کر لیا۔
 وہ اپنی فوج سے یوں مخاطب ہوا:-

”سپاہیو! تم ایک ایسی فتح کے لئے جا رہے ہو۔ جس کے اثرات دنیا کی تہذیب اور تجارت پر بہت زیادہ ہوں گے۔ تم انگلستان پر موت کی ضرب لگانے سے قبل ہی ایک نہایت یقینی اور کاری ضرب لگاؤ گے۔ ممالیک جو تمام تر انگریزی تجارت کے حامی ہیں۔ تمہارے پہنچنے کے چند ہی روز بعد کا عدم ہو جائیں گے۔“

۱۸ جولائی کو نپولین اسکندریہ پہنچا۔ اور اگلے روز اسے فتح کر لیا۔

نپولین نے دولت عثمانیہ سے کہا۔ مصر پر حملے کا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ اسے ان ملکوں سے جنہوں نے عثمانی اقتدار کو محض برائے نام باقی رکھا ہے۔ نجات دلانی جائے۔ اس کے بعد نپولین نے اہل مصر کے نام حسب ذیل اعلان شائع کیا:-

”مدت دراز سے جا رہا اور قفقاز میں خریدے ہوئے غلاموں کا گروہ دنیا کے سب سے زیادہ خوب صورت مقام کو اپنے مظالم کی آماج گاہ بنائے ہوئے ہے۔ لیکن خداوند عالم جس کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ ان کی سلطنت کے ختم کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اے اہل مصر! انہوں نے تم سے بیان کیا ہے۔ کہ میں تمہارے مذہب کو برباد کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔ ان کی باتوں کا یقین نہ کرو۔ انہیں یہ جواب دو۔ کہ میں تمہارے حقوق کو دوبارہ قائم کرنے اور غاصبوں کو سزا دینے کے لئے آیا ہوں۔ اور یہ کہ خدا۔ اس کے رسول اور قرآن کی جتنی عزت ملوک کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ میں کرتا ہوں۔ نہایت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ہمارا ساتھ دیں گے۔ ان کی خوش حالی اور مرتبے میں ترقی ہوگی۔ لیکن سخت افسوس ہے ان کی حالت پر جو ملوکوں کے ساتھ ہو کر ہم سے لڑیں گے۔ ہر شخص ملوکوں کی تباہی پر خدا کا شکر ادا کرے گا۔ اور پکارتے گا۔ بزرگی اور عظمت ہے سلطان کے لئے۔ بزرگی اور عظمت ہے فرانسیسی فوج کے لئے جو سلطان کی حلیف ہے۔ ملوکوں پر لعنت اور اہل مصر کے لئے خوش قسمتی۔“

کیا ہم نے پوپ کو برباد نہیں کر دیا۔ جو گوں کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کا حکم دیتا تھا۔
کیا ہم نے مبارزین مالٹا کو برباد نہیں کر دیا۔ کیونکہ وہ احمق یہ خیال کرتے تھے۔ کہ مسلمانوں
سے جنگ کرنا خدا کی مرضی کے مطابق ہے۔

سکندریہ میں ایک دستہ فوج مقرر کر کے پنولین نے قاہرہ کی جانب
قاہرہ پر قبضہ پیش قدمی کی۔ لیکن اس کی فوج ریگستان میں دھوپ کی شدت
اور پانی کے قحط سے پیاس کی تکلیف برداشت نہ کر سکی۔ اس صورت حالات کے باوجود
پنولین صبر و ثبات کا پیکر بنا ہوا تھا۔ ایک دن کسی سپاہی نے مجبور ہو کر کہا۔ ”کیا آپ نے
اسی طرح ہمیں ہندوستان لے جائیں گے؟“ پنولین نے معاً جواب دیا۔ ”نہیں۔ میں تو
جیسے سپاہیوں کے ساتھ اس ہم پر روانہ نہ ہوں گا۔“ اس پر سپاہی اور اس کے دوست
ساتھیوں پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

ملوکوں کے سرداروں اور مصر کے حقیقی فرماں رواؤں مراد بے اور ابراہیم بے نے آگے
بڑھ کر فرانسیسی فوج کی مزاحمت کی۔ لیکن بے سود۔ پنولین قاہرہ کی حدود میں داخل ہوا
۲۱۔ جولائی ۱۷۹۸ء کو فریقین میں گھسان بکارن پڑا۔ مراد بے کی فوج بارہ ہزار جوانوں اور
پنولین کا لشکر تیس ہزار مبارزین پر مشتمل تھا۔ مراد کو شکست ہوئی۔ اور پنولین نے قاہرہ
پر قبضہ کر لیا۔

اس اثنا میں انگریز امیر البحر نیلسن نے سکندریہ پہنچتے ہی فرانسیسی جہاز
جنگ نیل پر یورش کر کے انھیں نیچا دکھایا۔ پنولین کو قاہرہ کی واپسی پر اپنی اس
شکست کی اطلاع ملی۔ تو کہنے لگا۔

”اب ضروری ہے۔ کہ یا تو ہم انھیں ملکوں میں رہ جائیں۔ یا قدام کی طرح بہادرانہ یہاں
سے نکلیں۔ انگریز ہمیں مجبور کر رہے ہیں۔ کہ ہم اپنے ارادے سے عظیم تر کارنامے
کر دکھائیں۔“

جب پنولین نے دیکھا۔ کہ اب فرانس سے کسی طرح اس
مصر میں جبری قیام نہیں پہنچ سکتی۔ اس لئے مصر میں قیام کرنا ناگزیر ہے۔

اس کے باکمال ہمراہیوں میں سے بعض نے زراعت شروع کر دی۔ بعض نے انگور کے باغ لگائے۔ بعض نے آلات ہیتا کرنے کے لئے کارخانے قائم کئے۔ زمین سے شورہ نکالا۔ اور اس کے کارخانوں میں بارود تیار کی۔

علمی خدمت | نپولین نے ایک کیمیائی تجربہ گاہ قائم کی۔ جہاں سائنس کے مشہور فرانسیسی علما تجربے کیا کرتے تھے۔ "ادارہ مصریہ" کے نام سے ایک انجمن کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس میں بہت سے علمی شعبے تھے۔ اس انجمن نے علمی تجربات کے علاوہ مصر کے آثارِ قدیمہ۔ وادی نیل کی پیمائش اور ارضیاتی تحقیقات کے سلسلے میں بھی بڑا کام کیا۔

قاہرہ میں بغاوت کے شعلے | اگرچہ نپولین نے اہل مصر کے ساتھ بہت زیادہ تعلقات قائم کئے۔ ان کے رسم و رواج کو اپنانے کے علاوہ متعدد درس گاہیں قائم کیں۔ اور عقد و ازدواج سے بھی مصریوں کے ساتھ رشتہ جوڑا۔ لیکن ان کے دل مٹھی میں نہ لے سکا۔ چنانچہ ۲۱ اکتوبر ۱۷۹۸ء کو قاہرہ میں بغاوت کے نہایت ہولناک شعلے بھڑک اٹھے۔ اور بہت سے فرانسیسی ہلاک ہوئے۔ نپولین نے ان سے خوفناک انتقام لیا۔ اس ضمن میں فرانسیسی مورخ ارنسٹ ہامیل رقم طراز ہے :-

"یہ بغاوت ہولناک۔ وحشیانہ اور ظالمانہ طریق سے فرو کی گئی۔ دستے قائم کر کے فوج باغیوں پر ٹوٹ پڑی۔ اور انھیں سچ سچ ذبح کر کے رکھ دیا۔ بونا پارٹ نے حکم دے دیا تھا۔ کہ تمام مسلح باشندے جو سڑک پر پائے جائیں۔ قتل کر دئے جائیں۔ باغیوں نے جلد اظہارِ اطاعت کر دیا۔ اگرچہ ان کے پانچ ہزار سے زیادہ آدمی قتل ہو گئے۔ نپولین کی رحم دلی کی بہت کچھ تعریف کی گئی ہے۔ لیکن اس رحم دلی کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے۔ ایک مقررہ مدت تک تیس قیدی روزانہ قتل کئے جا رہے تھے بمقصد یہ تھا۔ کہ لوگوں کے دلوں میں دہشت بیٹھ جائے۔ ایک دن صبح کو فرانسیسی دستے نچروں کی ایک قطار جن پر بورے لڑے ہوئے تھے۔ ہنکاتے ہوئے قاہرہ میں لائے۔

اس وقت وہاں لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ اور ہر شخص یہ معلوم کرنے کے لئے بیتاب تھا۔ کہ بوروں میں کیا ہے۔ سپاہیوں نے یک بارگی تمام بورے کھول ڈالے۔ بوروں کے اندر سے سیکڑوں سر نکلے۔ آخر ان بد نصیبوں کا جرم کیا تھا؟ صرف یہ کہ وہ اپنے وطن کو آزاد کرانا چاہتے تھے۔ جسے دشمن نے حملہ کر کے برباد کر ڈالا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ ریگستان کے سیاہ باشندے یورپی تہذیب کے باب میں کوئی اچھی رائے قائم نہ کریں گے۔

فرانس سے انقلاب جنگ | بحری طاقت تسلی بخش نہ ہونے کے باعث دولت عثمانیہ کو جمہوریہ فرانس سے ٹکرا جانے میں قدرے تامل تھا۔

لیکن مصر کی تسخیر سے ہندوستان کے حالات نازک و پرخطر ہو جانے کا قومی امکان تھا۔ اس لئے انگلستان نے باب عالی سے اتحاد کی پیشکشیں بڑھائیں۔ روس نے بھی اپنے مفاد کی خاطر ایسا ہی کیا۔ چنانچہ دولت علیہ انگلستان اور روس کے درمیان معاہدہ اتحاد قرار پایا۔ اور سلطنت عثمانیہ نے جمہوریہ فرانس کو جنگ کا الٹی میٹم دے دیا۔

شام پر نپولین کی یورش | سلیم نے یہ سکیم بنائی۔ کہ شامی لشکر مصر میں فرانسیزیوں پر یورش کرے۔ اور اسی وقت مصطفیٰ پاشا روڈس کی فوج

کے ساتھ خلیج ابوقیر کی جانب سے چڑھائی کرے۔ لیکن نپولین نے مصر میں ان حملوں کا انتظار کئے بغیر جنوری ۱۷۹۹ء میں پچیس ہزار کی فوج کے ساتھ شام پر فوج کشی کر دی۔ اور العریش غزہ اور یافہ پر قبضہ کر لیا۔ یافہ کے ترکی دستے نے جو پانچ ہزار جوانوں پر مشتمل تھا اس شرط پر اطاعت قبول کی تھی۔ کہ انھیں فوجی قیدی تصور کیا جائے گا۔ لیکن نپولین نے معاہدے کو پڑے پڑے کر کے پورے دستے کو تہ تیغ کر دیا۔

اس کے بعد نپولین نے عکا کی جانب پیش قدمی کی جس کی تسخیر سارے شام کی تسخیر کا پیش خیمہ تھی۔ لیکن دو مہینے تک محاصرہ جاری رکھنے کے باوجود اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کا ایک سبب یہ بھی تھا۔ کہ بحری جانب سے عکا کو برابر ملک پہنچ رہی تھی۔ اور انگریز امیر البحر سڈنی سمٹھ نے نپولین کی بھیجی ہوئی بڑی بڑی توپیں چھین کر انھیں فرانسیزیوں کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ آخر نپولین نے محاصرے سے دست کش ہو کر مصر

راہ لی۔ اور اس کی مشرقی سلطنت کا خواب ہمیشہ کے لئے پریشان ہو کر رہ گیا۔

ادھر نپولین مصر پہنچا۔ ادھر ترک مجاہدین نے ابو قیر
مصر میں نپولین کی کامیابی کے فرانسیسی دستے کے دھوئیں بکھیر دئے۔ نپولین کو

خبر ہوئی۔ تو وہ فوراً ابو قیر پہنچ گیا۔ فریقین میں گھسان کارن پڑا۔ ترکوں نے فرانسیسیوں کے
چھکے چھڑا دئے۔ لیکن نشہ فتح میں چور ہو کر وہ ادھر ادھر بکھر گئے۔ اور حریف کے مجرد
سپاہیوں کے سر کاٹنے لگے۔ نپولین نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی تازہ دم فوج آگے
بڑھا دی۔ ترکوں نے منتشر ہو چکنے کے باعث اس ناگہانی حملے کی تاب نہ لا کر راہ فرار
اختیار کی۔ ناچار ترکوں کے کمان دار مصطفیٰ پاشا نے سپردال دی۔ اور نپولین نے مصر پر
قبضہ کر لیا۔

نپولین بعض ناگزیر حالات کے باعث انتظام کی
مصر دوبارہ عثمانی قبضے میں باگ جرنیل کلیبر کے ہاتھ میں دے کر فرانس واپس

چلا گیا۔ کلیبر نے پہلے تو صلح کا دامن تھاما۔ پھر اس بنا پر کہ برطانی امیر البحر لارڈ کاٹھ نے
فرانسیسی فوج سے قبول اطاعت کا مطالبہ کیا تھا۔ صلح نامے کی خلافت درزی کر کے عثمانی
لشکر پر یورش کر دی۔ اور ہلیوپولیس کی جنگ میں اسے نیچا دکھایا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں
کے بعد وہ تہ تیغ ہو گیا۔ اس کا جانشین منوڈیسا قابل نہ تھا۔ اس لئے ۱۸۰۱ء میں فرانسیسیوں
نے جنگ کے دوران میں منہ کی کھائی۔ اور مصر دوبارہ عثمانیوں کے زیر نگیں ہو گیا۔

مارچ ۱۸۰۲ء میں باب عالی اور فرانس کے درمیان
صلح ہو گئی۔ جس کے رو سے نپولین نے مصر پر سلطنت

فرانس کے ساتھ مصالحت
عثمانیہ کی حکومت تسلیم کر لی۔ اور سلطان نے فرانس کے سابق حقوق و مراعات کی تجدید کی

اب سلیم پھر اصلاحات کے کام میں مصروف ہو گیا۔ دو تین
سال میں تو بچپوں نے ترقی کر کے یسٹ چری کو بھی مات کر دیا
اور ہر طرف "نظام جدید" کی برتری کے نقارے بجنے لگے۔ سلیم نے "نظام جدید" کے
دوستے اور قائم کر کے بہترین پوری فوجوں کے نمونے پر انھیں تعلیم و تربیت دلائی۔ پاشاؤں

نے بھی ان فوجی اصلاحات کی تائید کر کے اپنے صوبوں میں ان کا نفاذ کیا۔ سلیم نے دلیری سے کام لے کر ۱۸۰۵ء میں ایک فرمان جاری کیا۔ کہ آئندہ یہی چری اور دوسری فوجوں میں سے بہترین نوجوان چن کر "نظام جدید" میں داخل کئے جائیں۔ اس پر یہی چری نے علم بغاوت بلند کر کے سلطنت کے مختلف حصوں میں شورش و بدتمشی کا طوفان برپا کر دیا۔ سلیم کو ناچار یہ فرمان منسوخ کر دینے کے علاوہ دوسری فوجی اصلاحات بھی سر دست بند کر دینی پڑیں۔

فوجی اصلاحات کو ملتوی کر دینے سے یہی چری کی شورش
سلیم کے خلاف ساز باز کا فتنہ تو ہنگامی طور پر فرو ہو گیا تھا۔ لیکن اصلاحات

کے خلاف جذبات بدستور مشتعل تھے۔ ۱۸۰۶ء کے آغاز میں شیخ الاسلام اسعد آفندی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ وہ سلیم کا ایک بے لوث خیر خواہ ہونے کے علاوہ اس کی تمام اصلاحات کا زبردست مؤید بھی تھا۔ اس کی موت سلیم کی معزولی کا باعث بنی۔ علماء کی اکثریت پہلے ہی اصلاحات کے خلاف تھی۔ لیکن سلیم کے عزل میں سب سے پیش پیش قائم مقام موسیٰ پاشا تھا جس نے دور دور تک سلیم کے خلاف گہری سازش کا پُر خطر حال پچھا دیا۔ "نظام جدید" کا ایک حصہ ان دنوں قلعہ ہائے باسفورس کا تحفظ کر رہا تھا۔ اس میں دو ہزار خام سپاہی بھی تھے۔ جنہیں "یمقی" کہا جاتا تھا۔ انہیں "نظام جدید" سے بتدریج متاثر ہونے کے لئے اس کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ لیکن موسیٰ پاشا نے یہ بے پروا دی کہ سلطان انہیں جبراً نظامی دستوں میں مدغم کر دینا چاہتا ہے۔ یہ خبر ان کے خرمین سکور پر برق بے اماں بن کر گری۔ اُدھر اس نے سلیم سے "یمقیوں" کے نام ایک فرمان نافذ کر دیا۔ کہ وہ نظامیوں جیسی وردی پہن لیں۔ یہ اطلاع پاتے ہی "یمقیوں" نے نہایت جوش و خروش سے علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور سلطانی قاصد محمد آفندی کو ٹھکلنے لگا کہ یہی چری کو ساتھ لئے ہوئے آت میدان میں جمع ہوئے۔

سلیم اب تک موسیٰ پاشا کے سحر فریب میں مبتلا تھا۔ لہذا وہ اس
سلیم کی معزولی حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے قطعاً تیار نہ تھا جب باغیانہ
 کامرغ نہ قباحتی او غلوآت میدان میں پہنچا۔ تو اس وقت بھی موسیٰ پاشا نے سلیم کو اس

دھوکے میں رکھنے کی سعی کی۔ اور اسے آتش بغاوت کے جلد ٹھنڈا ہو جانے کا یقین دلایا۔ چنانچہ اس نے قصر سلطانی کو محفوظ کرنے کے بجائے سرکشنوں کو منانے کے لئے جدوجہد کی۔ لیکن اس باب میں اس کی تمام کوششیں نقش برآب ثابت ہوئیں۔ قباقرچی اور غلو نے اصلاحات کے مخصوص حامیوں کو جبراً آت میدان میں لا کر انھیں بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالا۔ اور کشت و خون کا یہ سلسلہ دو دن تک جاری رہا۔

جب سلیم نے دیکھا کہ اب حملے کی بلا خود اس پر نازل ہونے والی ہے۔ تو اس نے فوراً ایک فرمان کے ذریعے سے تمام اصلاحات پر خط نسخ کھینچ دیا۔ لیکن اس کے عزل کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔

مفتی اعظم نے جس کا دامن ابتدا ہی سے سازش کے داعیوں سے ملوث تھا۔ اپنے فتوے سے اس فیصلے پر قانون کی مہر بھی لگا دی۔

۲۹۔ مئی ۱۸۰۷ء کو سینی چری موسیٰ پاشا کے زیر قیادت ایوان سلطانی میں داخل ہوئے سلیم کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر تخت چھوڑ کر محل کے اس حصے میں چلا گیا۔ جہاں شہزادہ مصطفیٰ اب تک نظر بند تھا۔ باغیوں نے مصطفیٰ کو اورنگ حکومت پر متکین کیا۔

مصطفیٰ رابع

۱۸۰۷ء تا ۱۸۰۸ء

سلطان سلیم ثالث کے بعد مصطفیٰ رابع تیس سال کی عمر میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ لیکن اس کے پردے میں سلیم کو معزول کر کے اسے تخت نشین کرنے والے باغی فضائے حکومت پر چھائے ہوئے تھے۔ قلعہ ہائے باسفورس کی عنان انتظام قباقرچی اور غلو کے ہاتھ میں دی گئی۔ اور سلیم کی تمام اصلاحات پر خط استرداد کھینچ کر انھیں نسیانیا کر دیا گیا۔ یہ سن کر ڈینیوب کے ساحلی علاقوں میں روس سے صفت آرا ہونے والی عثمانی فوجوں نے اطمینان و مسرت کا سانس لیا۔ لیکن سرعسکر ابراہیم علمی پاشا صدر اعظم نے

ناک بھوں چڑھائی۔ جس پرینی چری نے اسے ٹھکانے لگا کر اس کی جگہ چلی مصطفیٰ پاشا کو سالار فوج اور صدر اعظم مقرر کیا۔

اُن دنوں روسی فوجیں پرشایں پولین سے صفت آ رہی تھیں۔ لیکن پولین نے انھیں ناک چنے چھو کر نیچا دکھایا۔

زار الگزیبڈر نے پولین سے صلح کی استزعا کی۔ لیکن اسے بروئے کار لانے سے پہلے ہی ہارڈن برگ وزیر اعظم پرشانے فریقین کے

سامنے یہ عجیب و غریب تجویز پیش کی۔ کہ مولڈیویا۔ ولاچیا۔ رومیلیا اور بلغاریہ کے صوبے روس کے حوالے کر دئے جائیں۔ یونان اور جزائر آئیونین فرانس کے زیر نگیں ہوں۔ سربیا اور بوسینیا آسٹریا کی تحویل میں دئے جائیں۔ پولینڈ کی زمام حکومت شاہ سیکسنی کے پاس دے کر سیکسنی پر پرشاکا پرچم اقتدار لہرا دیا جائے۔ پولین نے اس سکیم پر نظر تک ڈال کر گوارا نہ کیا۔

زار اور پولین میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس میں قرار پایا۔ کہ اگر سلطنت عثمانیہ پولین کے حسب مشاروس سے طرح مصالحت نہ ڈالے گی۔ تو فرانس اور روس مل کر ترکوں کو قسطنطنیہ اور رومیلیا کے سوا باقی یورپی علاقوں سے نکال دیں گے۔ اور ان علاقوں کو خود تقسیم کر لیں گے۔ یعنی البانیہ۔ بوسینیا۔ مقدونیا اور یونان فرانس کے زیر نگیں ہوں۔ ولاچیا۔ مولڈیویا۔ بلغاریہ اور دریائے بارٹیزا تک کے تمام علاقے روس کے سپرد کر دیے جائیں گے۔ سربیا آسٹریا کی تحویل میں دئے دیا جائے گا۔

اس خفیہ معاہدے کا لفظ لفظ پولین کی غداری کا ماژطشت ازبام کر رہا ہے۔ اس صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پولین محض ذاتی مقاصد کے پیش نظر اپنے حلیف باب عالی کو قلع قمع کر دینے پر کس حد تک تیار تھا۔ حالانکہ روس سے سلطنت عثمانیہ کی موجودہ حالت میں زیادہ تر اسی کی ماسعی کار فرما تھیں۔ بہر کیف اگست ۱۸۰۷ء میں اس کے ذریعے فریقین کے درمیان عارضی طور پر صلح قرار پائی۔

قسطنطنیہ کی حالت | اس اثنا میں قسطنطنیہ کے حالات زیادہ یا اس انگیز صورت

اختیار کرتے جا رہے تھے۔ سلطان کے پردے میں مفتی اعظم اور قائم مقام موسیٰ پاشا فرماں روائی کا پرچم لہرا رہے تھے۔ لیکن تھوڑے عرصے کے بعد ان میں باہم پھوٹ پڑ گئی۔ اور مفتی اعظم نے قباچی اوغلو سے ساز باز کر کے موسیٰ پاشا کو معزول اور ملک بدر کر دیا۔ اس کے منصب پر طاہر پاشا متعین ہوا۔ لیکن اس کی آزادہ روی اور خود مختاری نے اس کی راہ میں کانٹے بوندے۔ اس لئے وہ بھی برخاست کر دیا گیا۔ اور روسیج کے حکم زان اور سلطان سلیم کے وفادار شک خوار مصطفیٰ پاشا بیرق دار کے پاس حاکر پناہ گزیں ہوا۔

بیرق دار نے اپنے زیر قیادت ایک جماعت قائم کی تھی جس کا مقصد سلیم کو دوبارہ تخت نشین کرنا تھا۔ چنانچہ اس نے صدر اعظم چلی مصطفیٰ پاشا اور دوسرے وزیروں کے پاس اپنا خاص آدمی بھیج کر انہیں بتایا۔ کہ مفتی اعظم اور قباچی اوغلو محض ذاتی اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے فوج کے بل بوتے پر حکومت کے سیاہ و سفید کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ صدر اعظم نے اپنے مفاد کی خاطر بیرق دار سے ساز باز کر کے قباچی اوغلو کے قتل کا فرمان نافذ کر دیا۔ چنانچہ وہ ٹھکانے لگا دیا گیا۔

سلیم کا قتل | اس دوران میں بیرق دار ایک زبردست لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ کی حدود میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے امرائے سلطنت کو طلب کر کے باغی فوج کے استیصال اور سلطنت میں امن قائم کرنے کا حلف لیا۔ پھر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ سلطان مصطفیٰ نے اس خیال سے کہ یہ مظاہرہ مفتی اعظم اور بیعتی فوج کے خلاف ہے۔ مفتی کو برخاست کر دیا۔ اور اس فوج کو توڑ دینے کا فرمان جاری کر دیا۔ لیکن جلد ہی اس پر بیرق دار کا حقیقی مقصد آئینہ ہو گیا۔ چنانچہ اسی وقت قصر سلطانی کا دروازہ بند کر لیا گیا۔ اور شاہی دستہ مدافعت کے لئے لیس ہو گیا۔ بیرق دار حملے کا حکم دے کر محل کے اندر داخل ہو گیا۔ لیکن اسی اثناء میں سلطان نے سلیم اور اپنے چھوٹے بھائی شہزادہ محمود دونوں کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ بیرق دار ابھی سلیم کے مقام نظر بندی تک نہ پہنچ سکا تھا۔ کہ جلاؤں نے

سلیم کا خاتمہ کر دیا۔ بیرق دار اس کی نعش دیکھ کر زار زار رونے لگا۔ قیودان پاشا سعید علی نے اسے کہا۔ ”یہ رونے کا وقت نہیں۔ انتقام لینے کا وقت ہے۔“ اس پر بیرق دار نے سلطان مصطفیٰ کے دیوان میں آکر اسے کھینچتے ہوئے تخت سے اتار دیا۔ مصطفیٰ کے حکم سے سلیم کا تو کام تمام کر دیا گیا تھا۔ لیکن محمود کے ایک وفادار غلام نے اسے کسی ایسی پوشیدہ جگہ چھپا دیا تھا۔ کہ جلاوڑیروں کی تلاش کے باوجود اس کا سراغ لگانے میں ناکام رہے۔ چنانچہ اس کی جان بچ گئی۔

۲۸۔ جولائی ۱۸۰۸ء کو سلطان مصطفیٰ کی معزولی اور شہزادہ محمود مصطفیٰ کی معزولی کی سریر آرائی کا اعلان کر دیا گیا۔ چند روز کے بعد مصطفیٰ کو تہ تیغ کر دیا گیا۔

محمود ثانی

۱۸۰۸ء تا ۱۸۳۹ء

مصطفیٰ پاشا بیرق دار نے صدارت عظمیٰ کی باگ ہاتھ میں لیتے ہی اولاً ان غداروں کو کیفر کردار تک پہنچایا جن کے دامن عزل سلیم کے جرم سے آلودہ تھے۔ پھر وہ جدید یورپی نظام کے مطابق ایک نئی فوج تیار کرنے لگا۔ اور البانی اور بوسینی فوجوں کو رخصت کر کے صرف چار ہزار جوان رکھ چھوڑے۔ بینی چری نے موقع پاتے ہی انتقام لینے کی ٹھان لی۔ اور صدر اعظم کے محل پر چڑھائی کر کے اسے نذر آتش کر دیا۔ اسی دوران میں بیرق دار بھی جل کر خاک ہو گیا۔ اس کے بعد بینی چری اور نظام جدید کے درمیان نہایت ہولناک جنگ ہوئی۔ دونوں فوجوں کو اپنے اپنے خیر خواہوں کی طرف سے کمک پہنچ گئی۔ لیکن مقدم الذکر نے فتح پائی اور محمود سے تمام مطالبات منظور کرائے۔ تین چار سال تک حکومت کی زمام نظام بینی کے ہاتھ میں رہی۔

حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ زار اور نپولین میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا۔ نپولین نے سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کر لینے سے متعلق ایک سکیم پیش کی۔ جسے کرپسی نے "قومی رہزنی کی عظیم الشان سکیم" قرار دیا ہے۔ اور جس پر تبصرہ کرتے ہوئے لارڈ ایورسلے رقم طراز ہے۔

"اس میں شک نہیں۔ کہ نپولین اپنے نئے حلیف ترکوں کو چھوڑ دینے اور ان کی سلطنت کے حصے بخرے کرنے کے لئے ان کے قدیم دشمنوں سے مل جانے پر راضی تھا۔ تاریخ میں غداری کی اس سے بڑی مثال نہیں مل سکتی۔"

۱۸۱۲ء میں باب عالی اور روس کے درمیان **سلطنت کا ضعف و اختلال** ایک صلح نامے پر دستخط ہوئے۔ اس میں جو

دفعہ سرویہ سے متعلق تھی۔ اس سے آگ بگولا ہو کر اس نے عظیم بغاوت بلند کر دیا۔ علاوہ بریں سلطنت کے طول و عرض میں عام ضعف و اختلال کا اظہار ہو رہا تھا۔ پاشا آئے دن زیادہ خود سر ہوتے جاتے تھے۔ عرب میں وہابیوں نے زور پکڑ کر حرمین شریفین پر بھی دست تصرف دماز کر دیا تھا۔ مصر میں محمد علی پاشا خود مختاری کی فضا میں پرواز کر رہا تھا۔ مولڈیویا۔ ولاچیا اور یونان کے صوبے بھی سرکشی کے لئے پرتول رہے تھے۔ یہاں تک کہ خود بینی چری جو سلطنت عثمانیہ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتے تھے۔ اور جنہوں نے پہلی نین صدیوں میں سلطنت کو ترقی و وسعت دے کر اس کی حدیں یورپ۔ ایشیا اور افریقہ کے وسیع خطوں تک پہنچادی تھیں۔ اب اپنی ہی مملکت کے لئے ایک دوامی اور بھاری خطرہ بنے ہوئے تھے۔

کمزوری کے آثار زیادہ تر افریقی مقبوضات میں ظاہر ہو رہے تھے۔ جن میں اہم صوبہ مصر کا تھا۔ وہاں کا نظم و نسق ملوکوں کے ہاتھ میں تھا۔ باب عالی کی حکومت برائے نام تھی۔ ۱۸۰۵ء میں سلطان نے محمد علی کو پاشائے مصر بنا کر بھیجا۔ جس سے مصر کی تاریخ میں ایک جدید دور کا آغاز ہوا۔

محمد علی | محمد علی ایک معمولی زمیندار کا بیٹا تھا۔ اور بچپن ہی میں یتیم ہو جانے کے باعث ناخواندہ رہنے کے باوجود حیرت انگیز ذاتی قابلیت سے بتدریج ترقی کرتے

ہوئے مصر کا فرماں روا بن گیا۔ اس کا قوی ترین اقتدار مملوکوں کی نگاہوں میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگا۔ اور انھوں نے اس کی مخالفت پر مکرہمت چست باندھ لی۔ محمد علی کمال تدبیر سے یہ بھید پا گیا۔ کہ جب تک مملوکوں کو نیست و نابود نہ کر دیا جائے گا۔ مصر پر پورا پورا اقتدار قائم نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ وہ سیاسی حکمت عملی کو بروئے کار لایا۔ اور ۱۸۱۷ء میں ان کے تقریباً پانسو جلیل القدر سرداروں کو قاہرہ میں طلب کر کے کہا۔ "ہمیں باہم صلح کر کے وہابیوں کی بیخ کنی کے لئے حجاز کی جانب ایک زبردست فوج بھیجنی چاہئے" مملوک اس جھانسنے میں آگئے۔ اور سب کے سب محمد علی کی اس دعوت میں شامل ہوئے کھانے سے فارغ ہو کر محمد علی نے قلعے کے دروازے بند کر دئے۔ اور البانی سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے چشم زدن میں گولیوں کی بوچھاڑ سے تمام مملوک سرداروں کو ڈھیر کر دیا۔ صرف ایک سردار بچ نکلا۔ اس کے بعد ملک کے گوشے گوشے میں مملوکوں کے قتل عام کا بازار گرم ہو گیا۔ اور ان کی ساری آبادی تقریباً فنا ہو کر رہ گئی۔

محمد علی نے اپنے بیٹے طوسن پاشا کے زیرِ کمان وہابیوں کی سرکوبی کے لئے حجاز کی طرف فوجیں بھیجیں۔ طوسن پاشا نے وہابیوں کے چھکے چھکے

حجاز کی مہم

کر مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن مکہ معظمہ اس سے سمر نہ ہو سکا۔ اس لئے ۱۸۱۲ء میں محمد علی نے خود مکہ معظمہ پہنچ کر اسے زیرِ نگیں کیا۔ اس سے وہابیوں کا ایوانِ قوت متزلزل ہو گیا۔

۱۸۱۳ء میں وہابیوں کے امیر سعود نے وفات پائی۔ اور اس کے فرزند و جانشین عبداللہ

وہابی بغاوتوں کا استیصال

سعود نے طوسن پاشا سے صلح کی گفتگو کر کے اپنے صدر مقام داعیہ کو اس کے سپرد کر دیا۔ منظور کیا۔ لیکن اس دوران میں قاہرہ کی فوج نے محمد علی کے خلاف بغاوت کر دی۔ طوسن پاشا مصر کی طرف لوٹ گیا۔

قیام امن کے بعد محمد علی نے اپنے فرزند اکبر ابراہیم پاشا کے زیرِ کمان نئے سرے وہابیوں کے خلاف فوج بھیجی۔ ۱۸۱۸ء میں ابراہیم پاشا نے داعیہ پہنچ کر اس کا محاصرہ

عبداللہ بن سعود نے تنگ آکر صلح کر لی۔ ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ ابن سعود قسطنطنیہ جائے گا۔ چنانچہ وہاں پہنچنے کے بعد ۱۸۱۹ء میں قتل کر دیا گیا۔

محمد علی کی تعمیری سرگرمیاں | اس کے بعد محمد علی نے سارا افریقہ اور نیویا کو زیر نگین کیا۔ یورپ کے جدید فوجی نظام کے مطابق ایک لاکھ

سپاہیوں کا لشکر جرار مرتب کیا۔ ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا۔ گودی اور بندرگاہ تعمیر کرائی۔ توپ خانے اور سلاح خانے بنوائے۔ سکندریہ سے قاہرہ تک ایک نہر

کھالی۔ اس نے عدل و انصاف سے کام لے کر رعایا کا دل مٹھی میں لیا۔ امن و امان قائم کیا۔ خوش حالی کو فروغ دیا۔ مصر میں قیام امن کے علاوہ ۱۸۲۵ء میں سلطان کے

حسب فرمان یونان میں فوجیں روانہ کر کے وہاں کی ہولناک بغاوت کا بھی قلع قمع کر دیا۔ یونان کی بغاوت متعدد اسباب پر مبنی تھی۔ بعض اسباب کی

یونان کی بغاوت | ذمہ داری تو خود باب عالی پر عائد ہوتی تھی۔ مثلاً ترکوں نے

سی ملک کی تسخیر کے وقت وہاں کے حاکم سے صرف خراج وصول کرنے پر قناعت کی۔ بافتندوں کے مذہب۔ زبان اور رسم و رواج پر ذرا توجہ نہ کی۔ مفتوحین کی عصبیت ختم

کر دینے کا کبھی خیال نہ کیا۔ تمام مفتوحہ اقوام کے ساتھ ان کا یہی سلوک تھا۔ اور اس باب میں یونانیوں کے ساتھ تو انھوں نے خصوصیت سے یہی طریق عمل اختیار کیا۔ جیسا کہ سر چارلس ایلیٹ لکھتے ہیں :-

"جنوب مشرقی یورپ پر حکومت ترکوں کی تھی۔ لیکن اس (انیسویں) صدی تک

اس کے مذہب۔ تعلیم۔ تجارت اور مالیات کا انتظام یونانیوں کے ہاتھ میں تھا۔"

بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ حکومت کا نظم و نسق بھی زیادہ تر یونانیوں ہی کے قبضہ قدرت میں تھا۔ ترکوں نے یونان اور اس کے متعلقہ جزائر کو زیر نگین کرنے کے بعد مقامی حکومت

کی تمام انتظام گویا یونانیوں ہی کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ بحیرہ ایڈریاٹک اور بحیرہ ایجین کے یونانی جزیروں میں یونانیوں کی حکومت خود اختیاری بالخصوص نمایاں

تھی۔ اس ضمن میں شیویل لکھتا ہے :-

”بحیرہ ایجین کے جزیروں میں یہ حیرت انگیز حدود تک پہنچ گئی تھی۔ اس خطے میں ہر جزیرہ اکثر کسی تحریری سند شاہی کی بنا پر اپنے معاملات کا انتظام خود کرتا تھا۔ اور سال میں ایک مرتبہ کے سوا جب خراج کی معہودہ رقم وصول کرنے کے لئے عثمانی عہدہ آتا تھا۔ شاید ہی کبھی کوئی سرکاری افسروہاں دکھائی دیتا ہو۔ پھر تھسلی اور اپیرس کے پہاڑی علاقوں میں گاؤں کے باشندے نہ صرف اپنے ہاں کے ملکی انتظامات کے مالک تھے۔ بلکہ انھیں ہتھیار رکھنے کا غیر معمولی حق بھی حاصل تھا۔ ان کے سلاح بند دستوں نے جوار ماٹولی کے نام سے مشہور تھے۔ مفسلات کوڈاکوؤں سے پاک رکھنے کی خدمت اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ یونانیوں میں حکومت خود اختیاری کی آخری مثال کے طور پر پیلوپونیسس کی حالت پر غور کیجئے۔ جو موجودہ زمانے میں موریا کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ محاصل کے جمع کرنے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے موریا کے پاشا نے ان کی ذمہ داری دولت مند عیسائی زمینداروں کی ایک جماعت پر عائد کر دی تھی۔ جنھیں پرائمیٹ کہتے تھے۔ اور یہ لوگ ضلعوں اور دیہات کے منتخب نمائندوں سے مدد لیتے تھے۔ یہ پرائمیٹ ترکوں کے گماشتہ ہونے کی حیثیت سے اگرچہ نادانستہ اور اکثر شاید دانستہ بھی اپنے غریب ہم مذہبوں پر مظالم کرتے رہتے تھے۔ پھر بھی وہ چونکہ حکومت اور رعایا کے درمیان اہل موریا کی ایک نمائندہ جماعت تھے۔ اس لئے موافق حالات میں ایک حقیقی مجلس شوریٰ کی حیثیت اختیار کر سکتے تھے۔“

رفتہ رفتہ یونانیوں نے اپنی بحری اور بری دونوں طاقتیں مضبوط کر لیں۔ اور سلطنت عثمانیہ کے ملکی امور میں بھی یہاں تک اقتدار حاصل کر لیا۔ کہ حکومت کے تمام شعبوں پر چھا گئے۔

باب عالی کی عام یونانی رعایا کو یورپ کی دوسری قوموں کی عام یونانی رعایا نسبت بہتر مقام حاصل تھا۔ جارج فنلے رقم طراز ہے۔

”اگرچہ حکومت عثمانیہ بغض پہلوؤں سے یورپ میں سب سے زیادہ مستبد حکومت تھی۔ پھر بھی دوسری حیثیتوں سے سب سے زیادہ متحمل اور روادار بھی تھی۔ یہ جسم

کو قید کرتی۔ لیکن دماغ کو آزاد چھوڑ دیتی تھی۔ اس کی عیسائی رعایا کے نیچے کے طبقے یورپ کے دوسرے حصوں کے مساوی طبقوں کی نسبت ذہنی اعتبار سے بالعموم زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ یونانی نہ تو صنعت و حرفت کے کارخانوں کے غلام تھے۔ اور نہ زرعی غلام ہان کی مزدوری زیادہ آزاد بھی تھی اور زیادہ نفع بخش بھی۔ اور انھیں شہری حقوق اتنے ہی زیادہ حاصل تھے۔ جتنے خود فرانس میں اسی طبقے کے لوگوں کو انقلاب سے پہلے حاصل تھے۔

اٹھارھویں صدی کے آخر کے قریب عثمانی تسلط کا بار اس قدر ہلکا ہو گیا تھا۔ کہ یونانی ایک ترقی کرنے والی قوم بن گئے تھے۔ ان میں ایک بڑی تعداد چھوٹے چھوٹے کاشت کار زمینداروں کی تھی جنھیں اپنی حالت کے سدھارنے کے مواقع اکثر حاصل تھے۔ شہروں میں مزدوروں اور تاجروں کی جفاکش آبادی کو دولت مند تاجروں کی جماعت سے جنھیں اکثر غیر ملکی حکومتوں کی حمایت حاصل ہوتی۔ مدد ملتی رہتی تھی۔ ساحلی علاقوں میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی۔ جس میں زیادہ تر یونانی اور تھوڑے سے البانی شامل تھے۔ یونانیوں کو بڑی حد تک شخصی آزادی کے مواقع میسر تھے۔ استحصال بالبحر کا بار ترک کان اور تاجر پر اسی قدر تھا۔ جس قدر یونانی کسان اور تاجر پر اور معاشرتی مدارج کی ترقی میں یونانیوں کی نسبت ترکوں کے لئے سیاسی رکاوٹیں عموماً زیادہ تھیں۔ صوبوں کے بہت کم ترک باشندوں کو انتظام حکومت میں کبھی اتنا دخل حاصل ہوا۔ جتنا اہل فنار کو باقاعدہ اور مستقل طور پر حاصل تھا۔ دیہاتی علاقوں میں اسلامی آبادی کے مسلمان افسر شاہزیاد ہی لوگوں کو بے انصافی سے بچلنے کی اتنی قدرت رکھتے تھے۔ جتنی یونانی جماعتوں کو حاصل تھی۔ اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ انھیں یونانیوں سے کم حقوق اور مراعات حاصل تھیں۔

غرض ترکوں نے یونانیوں کو یہاں تک کھلا چھوڑ دیا۔ اور ان کا دامن تمنا گونا گوں حقوق و اختیارات سے اس قدر نالا مال کر دیا۔ کہ انھیں ”رعایا“ کے بجائے ”معاون“

کہنے لگے۔ فرانسیسی مورخ دلاژون کیٹر تحریر کرتا ہے:-

” انھوں (ترکوں) نے یونانیوں کا یہاں تک لحاظ رکھا تھا۔ کہ انھیں ”رعایا“ کے تحقیری نام کے بجائے ”معاون“ کا لقب دیا تھا۔“

تعلیم کے اعتبار سے بھی یونانی یورپ کی دوسری عیسائی قوموں کے مقابلے میں بڑھے ہوئے تھے۔ اور اسی تعلیم نے ان میں تحریک آزادی کو فروغ دیا۔ یونانی شاعر ریگاز کی قومی نظموں اور ادیب کوریز کے مقدمات نے سیاسی پروپیگنڈے کی آگ کو ہوا دے کر یونان پرستی کی تحریک کو زبردست تقویت پہنچائی۔ اس باب میں ایلین فلپس رقم طراز ہے:-

”مراعات خصوصی سے پہلے بھی سلطان کی عیسائی رعایا اپنے مذہبی ارکان کے ادا کرنے۔ دولت فراہم کرنے اور جس طرح چاہے تعلیم حاصل کرنے میں بالکل آزاد تھی۔ عیسائی کلیسا نیز حکومت کے اونچے درجے تک ترقی کر سکتا تھا۔ ترجمان باب عالی یا کسی صوبے کا گورنر ہو سکتا تھا۔ عثمانی حکومت میں کسانوں کا درجہ اٹھارھویں صدی میں یورپ کے اکثر حصوں سے بہتر تھا۔ زرعی غلامی جو سارے عیسائی یورپ میں تقریباً عالم گیر تھی۔ ترکی میں مفقود ہو چکی تھی۔ اور مملکت ترکی کے بہت سے حصوں میں کاشت کاروں کو ایسی خوش حالی حاصل تھی۔ کہ اس سے بعض ان قوموں کے کسان جو زیادہ مہذب سمجھے جاتی تھیں۔ واقف بھی نہ تھے۔“

ان حالات کے پیش نظر بغاوت کے میدان میں یونانیوں کا خم ٹھونک کر اتر آنا سخت حیرت انگیز۔ افسوس ناک اور غداری کے مترادف ہے۔ علاوہ بریں سلطنت عثمانیہ کے روز افزوں ضعف و اختلال۔ اس کے داخلی امور میں یورپی حکومتوں کا عمل دخل۔ یونان اور روس کی ساز باز۔ فرانس کا انقلاب۔ ان سب امور نے مل کر یونان کو براہِ نگیختہ کرتے ہوئے کامل آزادی کے حصول پر آمادہ کیا۔ اور انگلستان۔ روس اور فرانس کی پشتی بانی سے یہ کہ نیم چڑھا ہو گیا۔

یونانیوں نے دیکھا۔ کہ تحریر اور تقریر کے زبردست حربوں سے سیاسی انجمن ہتھیریا وہ طاقت ہے جس سے حکومتیں زیر و زبر کی جاسکتی ہیں۔

انہوں نے ادبی اور سیاسی انجمنیں قائم کیں۔ جن میں فائیک ہتیریا خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس سیاسی انجمن کا واحد مقصد یونان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک انقلاب کی آگ مشتعل کرنا تھا۔ فنلے لکھتا ہے:-

”اس کے ابتدائی ارکان دیوالیہ تاجر اور سازشی قسمت آزما تھے۔ انجمن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ عثمانیوں کا جو اکنڈھے سے اتارنے کے بعد مشرق میں نئے سرے سے یونانی سلطنت قائم کی جائے۔ اور اس کے لئے تمام یونانیوں کو فوجی حیثیت سے منظم کیا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انجمن نے ہر جائز و ناجائز ذریعہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے بعض منصوبے عجیب و غریب تھے۔ مثلاً دولت عثمانیہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے اوڈیسہ کے ارکان ہتیریا نے یہ تجویز کیا تھا۔ کہ قسطنطنیہ کو نذر آتش کر دیا جائے۔ سلاح خانے کو آگ لگا دی جائے۔ جنگی جہازوں کا بیڑا تباہ کر دیا جائے۔ سلطان اور اس کے وزراء تہ تیغ کر کے قسطنطنیہ کے تمام مسلمان بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالے جائیں۔“

فنلے یونانیوں کی اس سکیم پر رائے زنی کرتے ہوئے رقم طراز ہے:-

”یہ تجارت پیشہ مفسدہ پر داز خیال کرتے تھے۔ کہ ایک سلاح خانے کو جلا کر اور ایک بادشاہ کو قتل کر کے وہ سلطنت کو تہ و بالا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اس امکان کی طرف سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کہ اس سے کروڑوں جنگ جو مسلمانوں کی آتش غضب بجا طور پر بھڑک اٹھتی۔ اور وہ خونیں انتقام کے جوش میں ترکی حکومت کو بچانے کے لئے قسطنطنیہ کی جانب دوڑ پڑتے۔ اور اگر یہ سازش کرنے والے عثمانی نظام حکومت کی تمام خرابیوں کے اصلی سرچشمے کو فنا کر چکے ہوتے۔ تو مسلمانوں نے ایک جدید اور زیادہ طاقت ور ترکی سلطنت کی بنیاد رکھ دی ہوتی۔“

ہتیریا نہایت تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کرنے لگی۔ کیونکہ یونانی سمجھ رہے تھے۔ کہ بس دولت عثمانیہ کوئی دن کی مہمان ہے۔ اور روس بہت جلد قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے یونان کی جنگ آزادی میں اس کی قوت بازو بن جائے گا۔ چنانچہ بقول میریٹ ۱۸۲۰ء میں ہتیریا کے ارکان کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ گئی۔ اور یہ لوگ سلطنت عثمانیہ کے طول و

عرض میں پھیل گئے۔

روس کی سرپرستی سے یونانیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ فنلے کا بیان ہے۔

”روس کی لگازشیں جنھوں نے اہل یونان پر بہت سے مصائب ڈھائے ہیں۔ عملاً ۱۶۲۳ء

میں شروع ہو گئی تھیں۔ چاندلر نے جو ۱۶۶۶ء میں یونان گیا تھا۔ لوگوں کو اکثر یہ گفتگو کرتے

سنا کہ انھیں روس کی مدد سے جلد حکومت عثمانیہ سے نجات ملنے والی ہے۔“

روس کی مدد کے ضمن میں فنلے رقم طراز ہے۔

”بدقسمتی سے روس کے اثر نے یونانیوں کی توجہ مقامی اصلاحات سے ہٹا کر فتح کے

منصوبوں کی طرف مبذول کر دی۔ حکومت روس یونانیوں کو ایسی حالت میں دیکھنا نہیں

چاہتی تھی۔ کہ وہ دوسروں کی مدد کے بغیر خود اپنی کوششوں سے آزادی حاصل کر سکیں۔

سلطان کی غیر مطمئن رعایا کی حیثیت سے وہ کیتھرائن کی پالیسی کے کارآمد آئے تھے لیکن

مقامی حقوق و مراعات کے حاصل ہونے کی صورت میں جن سے انھیں (اہل) کیوس کی

طرح اپنی حالت کو بہتر بنانے کا موقع ملتا۔ وہ سلطان کی کارآمد رعایا بن جاتے۔ اور آخر کار

سلطنت عثمانیہ کے جائز وارث قرار دئے جاتے۔“

۱۸۲۰ء میں جب عثمانی فوجیں علی پاشا والی یانینا سے رزم آرا ہوئیں۔ تو

دستور برات

یونانیوں کی روش میں اچانک ایک تغیر رونما ہو گیا۔ اور روسی کارندے

بھی تیز ہو گئے۔ فنلے کہتا ہے۔

”عیسائیوں نے جو طریقہ اختیار کیا۔ وہ بسا اوقات باغیاز تھا۔ روسی کارندے ان کی

امداد کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔“

یونانیوں کا یہ بدلا ہوا وتیرہ اس دستور برات کا نتیجہ تھا۔ جو تھوڑے عرصے میں دولت

عثمانیہ میں جاری ہو گیا تھا۔ اس کے رو سے سلطان کی رعایا اس کی کسی دوسری دوست

حکومت کی رعایا بن سکتی تھی۔ اور کثیر التعداد یونانی اس دستور سے فائدہ اٹھا کر مغربی حکومت

کی رعایا بن گئے تھے۔

مولڈیویا میں بغاوت کے شعلے | سلطنت عثمانیہ اور علی پاشا کی باہمی آویزش

کے انگارے یونان کی انقلابی جماعت پر پھول بن کر برسے لگے۔ چنانچہ ۱۸۲۱ء میں یونانی امپریسینلانٹی نے مولڈیویا پہنچ کر بغاوت کے شعلے بھڑکا دیئے۔ اور تمام یونانیوں کو باب عالی کے خلاف جنگ آزما ہونے کی دعوت دی۔ امپریسینلانٹی ہتھیار کا سردار اور روسی فوج کا مشہور افسر ہونے کے علاوہ زار الکزمینڈر کے وزیر خارجہ کاؤنٹ کاپوڈاسٹریا کا ایڈی کانگ بھی تھا۔ اس لئے کہا جاتا تھا۔ کہ امپریسینلانٹی روس کے کھونٹے کے بل کو درہا ہے جیسا کہ اُس کے اس اعلان سے ظاہر ہوتا تھا۔ جو خود اس نے اہل مولڈیویا کے نام دعوت نامہ بغاوت میں بدیں الفاظ کیا تھا۔ کہ یہ تحریک ”ایک بڑی طاقت“ کی تائید اور حمایت سے شروع کی گئی ہے۔ لیکن مولڈیویا کے رہنے والے یونانیوں کو ان کے انتہائی ظلم و ستم کے باعث سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے باغیوں کو ذرا مڈ نہ لگایا۔ ایلین فلیس رقم طراز ہے۔

”رومانی کسانوں کو فتاری یونانیوں کی جماعت رہائی دلانے والوں کے لباس میں محض مضحکہ خیز اور دہم فریب معلوم ہوئی۔ اس وقت تک وہ یونانیوں کو صرف اپنے ہوسپوار (حکم ران) اور اس کے ماتحت افسروں کے ذریعے سے جانتے تھے۔ جو ظلم و تشدد کے ساتھ ان سے محصول وصول کرتے تھے۔ اور جن کی حکومت میں ان کی حالت ان کسانوں سے زیادہ دردناک تھی۔ جو براہ راست سلطان کے زیر حکومت تھے۔ روس کے نام سے بھی ان کے دلوں میں شکریتے کا جذبہ پیدا نہ ہوا۔ کیونکہ ۱۸۰۵ء سے ۱۸۱۲ء تک جب مولڈیویا اور ولاچیا کی ریاستیں روس کے قبضے میں رہیں۔ وہاں کے باشندے حملہ آوروں کے استحصال بالجبر سے مصیبت کی آخری حد تک پہنچ گئے تھے۔ اور اپنے مکانوں اور کھیتوں کو زار کی ظالمانہ پالیسی کی وجہ سے تباہ و برباد ہوتا ہوا دیکھ چکے تھے۔“

باغیوں نے اپنی خوں ریز سرگرمیوں کا آغاز یوں کیا۔ کہ گلاٹز۔ یاسی اور دوسرے مقامات میں ترکوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ یہ ہولناک خبر جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گئی۔ اور مسلمان مدافعت کے لئے لیس ہو گئے۔ قتلے رقم طراز ہے۔

"یہ صحیح طور پر کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس نازک موقع پر عثمانی تسلط کو سب سے زیادہ موثر مدد یونانیوں کی سفاکی سے پہنچی۔ نہ کہ سلطان محمود کی سرگرمی سے۔ اہل ہتیریا کے مظالم نے ابتدا ہی سے انقلاب کے جنگ استیصال ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے خون آشام مسرت کے ساتھ اپنے دشمنوں کا یہ فیصلہ قبول کر لیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس چیز نے ان کے مقصد کو انصاف اور خدا کے نشا کے مطابق بنا دیا۔ انھوں نے بھائیوں کے خون کا انتقام لینے اور قوم و مذہب کو خوشخوار حملہ آوروں سے بچانے کے لئے ہتھیار سنبھال لئے۔"

قسطنطنیہ میں ان خوں چکاں واقعات کی خبر پہنچی۔ تو مسلمانوں پر اچانک یہ راز طشت از بام ہوا۔ کہ عیسائیوں نے ان کے خلاف ہولناک سازش کر رکھی ہے۔ چنانچہ ان کے جوش انتقام کی آگ پورے زور سے بھڑک اٹھی۔ اور انھوں نے قسطنطنیہ۔ سمرنا۔ اور دوسرے شہروں میں بہت سے یونانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ہیپیلانٹی کی تحریک اپنی کھودی ہوئی قبر میں
ہتیریا کے خلاف اظہارِ نفرت | آپ ہی دفن ہو گئی۔ کیونکہ بطریق قسطنطنیہ

نے ہتیریا کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا۔ روس نے ہتیریا سے قطعی بے تعلقی کا اعلان کیا۔ اور زار الکزمینڈر نے ہیپیلانٹی کے طریق عمل پر سخت نفرت کرنے کے بعد اسے روس کی ملازمت سے بھی موقوف کر دیا۔ لیکن وہ کتے کی دم کی طرح ٹیڑھے کا ٹیڑھا ہی رہا۔ روس کا اعلان مولڈیویا کی باغی جماعت کے لئے
بغاوت مولڈیویا کا خاتمہ | پیغامِ اجل ثابت ہوا۔ اور ۱۸۲۱ء میں ترکوں نے

دراگشان میں ہیپیلانٹی کی جماعت کو نیچا دکھا کر بغاوت مولڈیویا کا استیصال کر دیا۔ سپیڈ نے راہ فرار اختیار کی۔ لیکن گرفتار ہو کر ۱۸۲۴ء تک اسیر زندان رہا۔ اور اگلے سال مر گیا۔ موریا میں پہلے ہی بغاوت کی خونیں آندھیاں چلی
موریا میں ترکوں کا قتل عام | چکی تھیں۔ چنانچہ وہاں کے یونانیوں نے اسے
انقلابی گیت کے اس مفہوم کے مطابق کہ "ترک اب زندہ نہ رہنے پائیں گے۔ نہ موریا

میں۔ نہ دنیا کے کسی حصے میں۔ "مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اور پچیس ہزار ترکوں نے جام شہادت نوش کیا۔

ترکوں کا جوش انتقام | باب عالی نے اس کے جواب میں انتقامی کارروائی کرتے ہوئے چند ممتاز یونانی حکام اور یونانی کلیسا کے بطریق

اعظم گریگوریوس کو پھانسی دے دی۔ پھر قسطنطنیہ میں عام مسلمانوں نے سیکڑوں یونانیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اس کے بعد سمرنا اور گردونواح کے دیہات میں ترکوں نے بہت دنوں تک یونانیوں کے قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔

یونانیوں کی درندگی | بغاوت کے خونی میدان میں یونانی درندوں نے ایسی ہولناک وحشت و بربریت کا ثبوت دیا تھا۔ کہ خود

عیسائی مورخوں کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔ قسطنطنیہ میں یونانیوں کے خلاف شورش کے دوران میں سابق شیخ الاسلام نے ایک فرمان کے ذریعے سے مسلمانوں کو یونانیوں پر ہاتھ اٹھانے سے روکا تھا۔ اس کا صلہ یونانیوں نے یہ دیا۔ کہ جب موصوف حج کو روانہ ہوئے۔ تو انھوں نے ان کا جہاز گرفتار کر لیا۔ اور شیخ الاسلام کی آنکھوں کے سامنے ان کی بیٹیوں اور افراد خاندان کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا۔ پھر دوسرے ترکوں کو تہ تیغ کیا۔ آخر میں خود شیخ الاسلام کو وحشیانہ اور زہرہ گداز اذیتیں دے کر موت کے گھاٹ اتارا۔ قتلے بیان کرتا ہے:-

"معدور و مجبور بوڑھے مرد۔ اونچے طبقے کی عورتیں۔ خوب صورت لونڈی غلام اور کم سن بچے عرشہ جہاز پر بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈلے گئے۔ اس ظالمانہ کارروائی کو ہلکا کرنے کی کوشش بعد میں یہ کہہ کر کی گئی۔ کہ یہ ایک انتقامی فعل تھا۔ یہ بیان غلط ہے۔ جو لوگ ان مظالم کے مرتکب ہوئے۔ انھوں نے شیخ الاسلام کے قتل سے پہلے اپنے بطریق کی پھانسی کا حال نہ سنا تھا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ شروع ہی سے سمندر اور خشکی میں دونوں جگہ لڑائی کا مقصد ترکوں کو نیست و نابود کر دینا تھا۔"

بغاوت کے دوران میں یونانیوں کے دوش بدوش ترکوں سے جنگ کرنے والا یونانیوں کا زبردست حامی انگریز جرنیل کارڈن اپنی کتاب "انقلاب یونان" میں رقم طراز ہے :-
 "یونانیوں نے جو بھی قومی یا شخصی مظالم کئے ہوں۔ ان کے انتقام کی درندگی کو حق بجانب ثابت کرنا غیر ممکن ہے۔"

نوارینیوں کے محاصرے میں یونانی باغیوں نے اس شرط پر محصور ترکوں سے ہتھیار رکھوائے تھے۔ کہ قلعے کا سارا سامان۔ زرد جوہر اور سونے چاندی کے برتن یونانیوں کے سپرد کر دئے جائیں گے۔ اور ترکوں کو بہ حفاظت مصر یا تونس بھیج دیا جائے گا۔ لیکن یونانیوں نے سارے سامان پر قبضہ کر لینے کے بعد معاہدے کو پارہ پارہ کرتے ہوئے ترکوں کو بے دریغ تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ اور ان کی آن میں تمام مردوں۔ عورتوں اور بچوں کا خاتمہ کر دیا۔ یونانی پادری فرانسس چشم دید حالات کی بنا پر لکھتا ہے :-

"عورتیں بندوق کی گولیوں اور تیغوں کے وار سے مجروح ہو کر سمندر کی جانب بھاگتی تھیں۔ اور انھیں قصداً گولیوں سے مارا جاتا تھا۔ مائیں شیرخوار بچوں کو سینوں سے لگائے ہوئے اپنی برہنگی کو چھپانے کی غرض سے (ان کے کپڑے بھی چھین لئے گئے تھے) سمندر میں کود پڑتی تھیں۔ لیکن جب وہ پانی میں چھپنے کی کوشش کرتیں۔ تو یہ سنگ دل رائفل والے انھیں گولیوں کا نشانہ بناتے۔ شیرخوار بچوں کو ماؤں کے سینوں سے چھین کر چٹانوں سے ٹکراتے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ تین چار سال کے بچے زندہ سمندر میں پھینک دئے جاتے تھے۔"

موریا کے پایہ تخت ٹریپولٹرا کے محاصرے میں بھی قلت آب کے باعث ترکوں کو ڈالنی پڑی تھی۔ وہاں کے یونانی توپ خانے کا فرانسیسی افسر کرنیل ریباڈ یونانیوں کے مظالم سے متعلق چشم دید حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :-

"عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے پہلے عموماً شدید جسمانی اذیت پہنچائی جاتی تھی۔ اڑتا گھنٹے کے بعد یونانیوں نے قتل عام سے بچے ہوئے مرد۔ عورت۔ بوڑھے۔ بچے خصوصاً عورتوں اور بچوں کو جمع کیا۔ اور پہاڑ کی ایک گھاٹی میں لے جا کر ایک ایک کو قتل کر ڈالا۔"

دو سال کے بعد قتلے اس مقام سے گزرا۔ وہ لکھتا ہے :-
 ”میں نے غیر مدفون ہڈیوں کے ڈھیر دیکھے۔ جو سردیوں کی بارش اور گرمیوں کی دھوپ
 سے سفید ہو گئی تھیں۔ بہت سی ہڈیوں کے ناپ سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ یہ بچوں کی
 ہڈیاں ہیں۔“

ایلیس فلپس یونانیوں کی غذائیوں اور سفائیوں پر رائے زنی کرتے ہوئے رقم طراز ہے۔
 ”حقیقت یہ ہے۔ کہ ہر جگہ اس بغاوت کی امتیازی صفت غذائی اور غیر محدود سفاکی
 تھی۔ ایک وحشی قوم کی زیادتیوں کا لحاظ کرنا جس کے صدیوں کے دبے ہوئے شدید
 بغض و عناد کو بالآخر نکلنے کا موقع ملا تھا۔ شاید روا ہو سکتا ہے۔ لیکن کوئی شے اس
 بے دردانہ غذائی کا عذر برائت نہیں ہو سکتی۔ جو تقریباً ہر موقع پر قتل و خون سے پہلے
 برتی جاتی تھی۔ اور چونکہ یورپ نے ترکوں کے ظالمانہ انتقامات پر بڑی لعنت ملامت کی
 ہے۔ لہذا تاریخ کے اصول انصاف کے رو سے ہمارے لئے ان جرائم کا چھپانا جائز نہیں۔
 جو انتقامات کے محرک ہوئے۔“

یونانی باغیوں سے یورپ کی ہمدردی | یورپ نے یونانی باغیوں سے زبردست ہمدردی کا
 اظہار کیا لیکن انصاف پسند اور بالغ نظر حضرات

پر یونانیوں کے مقصد جنگ کی قلعی کھل گئی۔ چنانچہ ۱۸۲۲ء میں جب انگلستان کا مشہور شاعر لارڈ بائرن یونان
 پہنچ کر باغیوں کی فوج میں شامل ہوا۔ تو یہ حقیقت اس پر آشکارا ہو گئی۔ کہ یونانی سردار سازش اور خود غرضی کا
 شکار ہیں۔ اسی طرح ایک فرانسیسی جماعت نے چشم خود حالات کا مشاہدہ کیا۔ اور یونانی درندوں کی جہالت و
 وحشت سے بیدار پذیر ہو کر فرانسیسی امیر البحر سے استدعا کی کہ اسے فرانس واپس بھیج دیا جائے۔ اس
 استدعا کے ایک حصے کا ترجمہ درج ذیل ہے :-

”ہماری روانگی فرانس سے قبل لوگ یونانیوں کی شجاعت کی تعریف کرتے تھے۔ کہ
 وہ بہادری اور عظمت میں اپنے اسلاف سے بڑھ کر ہیں۔ لیکن ہم نے یہاں ایسے لوگوں
 کو پایا۔ جو حبت مال میں جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے ہیں۔ جو
 جہالت اور وحشت کی تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔“

کمان داربو جول بغاوت یونان کے سلسلے میں ۲۲ - دسمبر ۱۸۲۷ء کو رقم طراز ہے:-
 ” میں مشرق میں آیا ہوں۔ میں یونانیوں کا بہت بڑا مددگار تھا۔ اور تجربے سے پہلے ان
 کے متعلق میرے حسن ظن میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ وہ
 وطنیت۔ شجاعت اور اتحاد سے بالکل خالی ہیں۔ ان کے ہر رئیس کی خواہش یہ ہے۔
 کہ دولت مند ہو جائے۔ طوائف الملوک بلاد یونان میں انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ اور بیشتر
 حکام جو ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔ مسلح بحری ڈاکوؤں کی حیثیت سے مشہور ہیں۔
 اگر دول عظمیٰ مداخلت نہ کرتیں۔ تو یونانی اس سال سپر ڈال دیتے۔ یورپی اقوام کے ممنون
 کرم ہو کر بھی یونانی ڈاکو خود انھیں قوموں کی تجارت پر حملے کرتے تھے۔“

باوجودیکہ انگلستان باب عالی کا دوست

برطانیہ کی طرف سے مخالفت

تھا۔ لیکن اس نے بھی یونانی باغیوں کی

پیٹھ ٹھونکی۔ جس سے دونوں حکومتوں میں اُن بن ہو گئی۔ اس ضمن میں رئیس آفندی عثمانی
 وزیر خارجہ نے برطانی سفیر لارڈ سٹیننگفورڈ سے احتجاجاً کہا:-

” یہ بات خلاف عقل ہے۔ کہ کوئی حکومت خواہ وہ کسی شکل کی ہو۔ اتنی طاقت نہیں
 رکھتی۔ کہ اپنی رعایا کو اپنی من مانی لڑائیوں سے باز رکھ سکے۔ یا غیر حکومتوں سے جو
 معاہدے ہو چکے ہیں۔ ان کے توڑنے پر انھیں سزا دے سکے۔ اگر ایسا ہی ہے۔ تو پھر
 یورپ کا امن جسے قائم رکھنے کے لئے حکومت برطانیہ اس قدر فکر مندی ظاہر کر رہی ہے۔
 غیر سرکاری افراد کی خواہشات پر منحصر ہو کر رہ جائے گا۔ کیونکہ اس وقت ایک مملکت
 دوسری مملکت سے یہ کہ سکے گی۔ کہ میں آپ کی مخلص اور وفادار دوست ہوں۔ لیکن
 میری استدعا ہے۔ کہ آپ بس اسی سے مطمئن رہیں۔ اور ناراض نہ ہوں۔ اگر میری
 رعایا میں سے کچھ لوگ آپ کی رعایا پر چڑھ دوڑیں۔ اور ان کے گلے کاٹ ڈالیں۔“
 فنلے رقم طراز ہے:-

” اس بے لاگ اور منصفانہ احتجاج میں بالآخر قطعی طور پر یہ مطالبہ کیا گیا تھا۔ کہ برطانی
 رعایا کو ترکی کے خلاف جنگ کرنے اور اسلحہ۔ روپیہ اور گولہ بارود کے ساتھ یونانیوں

کی مدد کرنے سے روکا جائے۔“

لیکن بعد کے حالات زبان حال سے شہادت دے رہے ہیں۔ کہ تھوڑے عرصے کے بعد حکومت برطانیہ نے اس ہلکے سے پردے کو بھی الٹ دیا۔ اور ہانکے پکارے یونانیوں کی حمایت کے دوران میں اتر آئی۔

محمد علی کی امداد | جب بغاوت کا زور کسی طرح ٹوٹ ہی نہ سکا۔ تو ۱۸۲۳ء میں سلطان نے محمد علی پاشا والی مصر سے امداد کی۔ اور موخر الذکر نے اس وعدے پر امداد دینا منظور کیا۔ کہ دمشق اور کریت کے علاقے مصر کے ساتھ شامل کر دئے جائیں۔ چنانچہ محمد علی کے بیٹے ابراہیم پاشا نے ایک لشکر جرار کے ساتھ نوارینو کا محاصرہ کر لیا۔ اور ۲۶۔ مئی ۱۸۲۵ء کو اسے فتح کر لیا۔

موریائی فتح | اس کے بعد ابراہیم پاشا نے موریائی کو مستحضر کر کے اس کے سارے علاقے پر عثمانی تسلط قائم کر دیا۔

بینی چری کا خاتمہ | محمودیت سے بینی چری جیسی مارا آستین فوج کے استیصال کی تیاریاں کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے توپچیوں کی فوج میں نمایاں اضافہ کر لیا۔ اور عثمانی فوجوں کی جدید تنظیم کے سلسلے میں وزراء و علما کی ایک مجلس کے دستخطوں سے اس مضمون کا ایک فتویٰ شائع کیا گیا۔ کہ بینی چری کے ہر دستے سے سپاہیوں کی ایک مقررہ فوج جدید فوجی قواعد سے لے لی بھیجی جائے۔ اس فتویٰ سے بینی چری میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور ۱۸۲۶ء میں انھوں نے علم بغاوت بلند کر کے خاص خاص وزیروں کے قتل کا مطالبہ کرتے ہوئے قصر سلطانی کا رخ کیا۔ محمود نے مقابلے کا پورا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ چنانچہ توپچیوں کی فوج کے کماندار ابراہیم نے بینی چری کے دھوئیں اڑا دئے۔ اور اس کا ایک ایک سپاہی مارا گیا۔ پھر سلطنت کے طیل و عرض سے اس فوج کے ہزاروں سپاہی چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دئے گئے۔ اور بینی چری کو بالکل ختم کر کے اس کا نام بھی سرکاری دستروں سے محو کر دیا گیا۔

اس کے بعد محمود نے یورپی نظام کے مطابق
 اپنی جدید فوج کی تعداد بڑھا کر پینتالیس ہزار

مخالفتیں۔ لڑائیاں اور معاہدے

کر لی۔ اس میں توپچیوں کی فوج شامل نہ تھی۔ وہ اس جدید فوج کو ڈھائی لاکھ تک پہنچانا
 چاہتا تھا۔ لیکن دہلی عظمیٰ اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئیں۔ اور انھوں نے محمود کی
 گوناگوں اصلاحات کا جواب پوری طرح شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا۔ محمود کا معاہدہ اور مسلم الثبوت
 مورخ مولکی لکھتا ہے :-

” اگر یہی چری کے استیصال کے بعد ترکی کو امن و سکون کے دس سال میسر آجاتے۔ تو
 سلطان محمود کی فوجی اصلاحات اس مدت میں کچھ قوت حاصل کر لیتیں۔ اور ایک قابل اعتماد
 فوج کی مدد سے سلطان اپنے ملک کے نظم و نسق میں ضروری اصلاحات جاری کر لیتا۔
 سلطنت عثمانیہ کی مردہ شاخوں میں نئی روح پھونک دیتا۔ اور اپنے پڑوسیوں کے لئے
 خوفناک بن جاتا۔ لیکن روس نے ان میں سے ایک بات بھی نہ ہونے دی۔ اور سلطان
 کی فوجی اصلاحات کو شروع ہی میں ختم کر دیا۔“

اگست ۱۸۲۶ء میں روس نے پوزوں مطالبہ کیا۔ کہ ایشیا کے بعض قلعے جو اس کے دعوے
 کے مطابق صلح نامہ بخارست میں اسے دئے جا چکے تھے۔ فوراً دے دئے جائیں۔ مولڈویا
 اور ولاچیا کے باشندوں کو قبل بغاوت کے تمام حقوق سے بہرہ اندوز کیا جائے۔ اور
 سر دیہ والوں کے سیاسی حقوق بے تاخیر منظور کر لئے جائیں۔ ترک ان مطالبات پر جوش
 غضب کے پیکر بن گئے۔ لیکن محمود نے اپنی حالت کا بخوبی جائزہ لینے کے بعد مجبوراً تسلیم
 ختم کرتے ہوئے ۷۔ اکتوبر ۱۸۲۶ء کو معاہدہ آق کرمان پر دستخط کر دئے۔

یورپ کی عیسائی طاقتوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دولت عثمانیہ پر حملہ کرنے کا
 ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ۶۔ جولائی ۱۸۲۷ء کو لندن میں انگلستان۔ فرانس اور روس کے درمیان
 ایک معاہدہ ہوا۔ جس کا مقصد ترکوں اور یونانیوں میں مصالحت کرانا ظاہر کیا گیا۔ اور صلح
 کی بنیادی شرط یہ تجویز کی۔ کہ یونان کو عملاً قطعی طور پر آزاد کر دیا جائے۔ اور سلطان کو سالانہ
 خراج کی ایک مقررہ رقم ملتی رہے۔ نیز جنگ فوراً روک دی جائے۔

محمود نے اس مطالبہ صلح کو نامنتظر کرتے ہوئے جواب دیا کہ کوئی حکومت باب عالی کے داخلی امور میں مداخلت کرنے کی مجاز نہیں۔

موریا میں ابراہیم پاشا کی عظیم الشان کامیابی دول تلاتہ کے لئے خار پہلو ثابت ہوئی۔ اس لئے انھوں نے یونان کی امداد میں اپنے جنگی بیڑے روانہ کر کے امیر البحرہوں کی دست سے ابراہیم پاشا سے مطالبہ کیا۔ کہ اب وہ باغیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے۔ اور فوج وغیرہ لے کر لوٹ جائے۔ ابراہیم پاشا نے انکار کیا۔ تو ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو اتحادی بیڑوں کے کمان دار انگریز امیر البحرہ کو ڈرننگٹن نے ابراہیم پاشا کی جو موریا کے اندرونی علاقوں میں باغیوں کی سرکوبی کے لئے گیا ہوا تھا۔ غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک ترکی مصری جہازوں پر جو خلیج نوارنیو میں لنگر انداز تھے۔ یورش کر دی۔ سبب یہ بیان کیا گیا کہ عثمانیوں کی ایک گولی سے ایک انگریز مر گیا۔ اس ایک عیسائی کی ہلاکت کا بدلہ لینے کے لئے تقریباً پورا عثمانی بیڑا تباہ کر دیا گیا۔

سلطنت عثمانیہ اور روس کے تعلقات مدت سے کشیدہ چلے آ رہے تھے۔ اور کوئی ایک معاملہ کسی وقت بھی نکولس جیسے زار کے لئے جنگ کی وجہ بن سکتا تھا۔ اس لئے محمود نے نکولس کے یقینی حملے کا انتظار کئے بغیر ۲۰ دسمبر ۱۸۲۷ء کو خود ہی جنگ کا اعلان کر دیا۔ لڑائی نے طول کھینچا۔ آخر ۱۴ اپریل ۱۸۲۹ء کو فریقین میں صلح ہو گئی۔

محمد علی پاشا نے مطالبہ کیا کہ بغاوت یونان کے استیصال کے صلے میں حسب معاہدہ شام۔ دمشق اور کریٹ اس کے حوالے کر دئے جائیں۔ محمود نے صرف کریٹ کی حوالگی منظور کی۔ تو محمد علی نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ محمود نے اس کا پورا مطالبہ منظور کرنے کے علاوہ بیت المقدس۔ طرابلس۔ حلب اور اٹھنے کے علاقے بھی اس کے حوالے کر دئے۔

چند سال کے بعد ۱۸۳۹ء میں محمد علی سے پھر جنگ شروع ہو گئی۔ کیونکہ وہ شام اور فلسطین میں عجیب و غریب منصوبوں سے کام لے رہا تھا۔ اور عطا کردہ ولایتوں میں کامل خود مختاری اور مطلق العنانی کا طالب تھا۔ محمود نے زبردست فوج بھیجی۔ لیکن افسروں کی غداری کے باعث اسے شکست ہوئی۔

محمود کا انتقال یکم جولائی ۱۸۳۹ء کو محمود نے سفر آخرت اختیار کیا۔

محمود کی رواداری

محمود ہمیشہ رعایا کی فلاح و بہبود میں کوشاں رہتا تھا۔ خصوصاً عیسائیوں کے آرام و آسائش کا ہر وقت خیال رکھتا تھا۔ ٹرون کیئر رقمطراز ہے

”اس نے مطالبات کا خیر مقدم کیا۔ شکایات کو سنا۔ حق تلفی کی دادرسی کی۔ تمام شکووں

کو دور کیا۔ اور اپنے اس منشاہ کو بخوبی ظاہر کر دیا۔ کہ اس کی ساری رعایا میں قوم و ملت کا

امتیاز روارکھے بغیر انصاف کی حکم رانی رہے گی۔“

سلطان عبدالمجید خاں

۱۸۳۹ء تا ۱۸۶۱ء

سلطان محمود ثانی کے بعد اس کا فرزند اکبر سلطان عبدالمجید خاں سولہ سال کی عمر میں سربراہ

سلطنت ہوا۔

ان دنوں سلطنت عثمانیہ نہایت نازک اور پیچیدہ حالات میں سے گزر رہی تھی۔ فاتحانہ

کامرائیوں کے باعث محمد علی کا شہباز خیال شوکت و سطوت۔ جاہ و جلال اور خود مختاری کی بلند

فضاؤں میں پرواز کر رہا تھا۔ یکایک خبر آئی۔ کہ سکندریہ میں محمد علی نے ترکی بیڑے پر قبضہ

کر لیا ہے۔ نو عمر سلطان چوکرڑی بھول گیا۔ اور محمد علی سے صلح کی طرح ڈال دی۔ محمد علی نے

اس شرط پر صلح کرنی منظور کی۔ کہ مصر۔ شام۔ طرابلس (واقع ایشیائے کوچک) کریٹ اور اطرن

کی پاشائیاں اسے میراثاً سپرد کر دی جائیں۔ سلطان نے ابھی کچھ جواب نہ دیا تھا۔ کہ انگلستان

فرانس۔ روس۔ آسٹریا اور پرشا کے سفیروں نے اپنے اغراض و مقاصد کے پیش نظر اس سے

استدعا کی۔ کہ ابھی جواب میں قدرے توقف سے کام لیا جائے۔ کیونکہ دول عظمیٰ کی وساطت سے

یہ معاملہ باب عالی کے حسب منشا فیصل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ۱۵ جولائی ۱۸۴۰ء کو بمقام

لندن دولت عثمانیہ۔ انگلستان۔ روس۔ آسٹریا اور پرشائیں معاہدہ ہوا۔ جس میں سلطان اور

محمد علی کے درمیان صلح کی شرائط کی گئیں۔ فرانس اس میں شامل نہ ہوا۔ کیونکہ وہ خفیہ

طور پر محمد علی کا طرف دار تھا۔ اتحادیوں نے محمد علی کو الٹی میٹم دیا۔ کہ وہ دس دن کے اندر سلطان سے اظہار اطاعت کر کے شام سے فوجیں واپس بلا لے۔ جس کے صلے میں مصر کی حکومت اس کی نسل کے لئے اور شام کی حکمرانی خود اس کے لئے زندگی تک مستقل کر دی جائے گی۔ ورنہ مقررہ مدت کے اندر مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں شام کی پاشائی اس سے چھین لینے کے علاوہ مصر کی پاشائی بھی اس کی مدت حیات تک محدود کر دی جائے گی۔ محمد علی نے فرانس کی مدد کے بھروسے پر الٹی میٹم کو ٹھکرا دیا۔ جس پر عثمانی فوجوں نے اتحادیوں کی زبردست امداد سے قلعے پر قلعہ فتح کرتے ہوئے پورے شام کو زیر نگین کر لیا۔ اس کے بعد انگریزی بیڑے نے سکندریہ کی جانب پیش قدمی کی۔ لیکن محمد علی نے اپنی طاقت کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے صلح کی داغ بیل ڈالی۔ اور ۲۰ ستمبر ۱۸۴۱ء کو ایک معاہدہ کے رو سے قرار پایا۔ کہ صرف مصر کی حکومت محمد علی اور اس کی نسل کے لئے مستقل کر دی جائے۔ باقی تمام علاقے اس سے چھین لئے جائیں۔ مصر کی سالانہ آمدنی کا چوتھائی حصہ خراج کے طور پر مقرر کیا گیا۔ پھر چار لاکھ پونڈ سالانہ کی رقم مقرر کی گئی۔ باب عالی کی طلب پر چند بحری اور فوجی دستوں کی فراہمی بھی ضروری قرار دی گئی۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا۔ کہ اسے مصر میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ فوج رکھنے کا اختیار نہیں۔

اس کے بعد اتحادیوں اور دولت عثمانیہ کے درمیان ایک جداگانہ معاہدے کے رو سے قرار پایا۔ کہ ترکی جہازوں کے سوا کسی دوسری حکومت کے جنگی جہازوں کو دریا نیال اور آبنائے باسفورس میں داخل ہونے کا اختیار نہیں۔

اب سلطان عبدالمجید نے اطمینان سے سلطان محمود ثانی کی تیار کردہ سکیم کے مطابق نفاذ اصلاحات سے متعلق اپنے باپ کے تیار کردہ فرمان کا اعلان کیا۔ جسے "خط شریف کلخانہ" کا تاریخی نام دیا گیا ہے۔ یہ فرمان اپنی نوعیت کے اعتبار سے دولت عثمانیہ کا اہم دستور خیال کیا جاتا ہے۔ اس کا ملخص یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"یہ امر بخوبی معلوم ہے۔ کہ سلطنت عثمانیہ کے ابتدائی دور میں قرآن عزیز کے احکام اور سلطنت کے قوانین کا احترام ہمیشہ کیا جاتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ

سلطنت کی طاقت و عظمت میں ترقی ہوتی گئی۔ اور بلا استثناء اس کے تمام باشندوں میں بہت زیادہ خوش حالی اور فارغ البالی پھیل گئی۔

” ڈیڑھ سو سال سے پیہم حادثوں اور مختلف وجوہ سے شریعت نبویؐ اور قوانین سلطنت کی پابندی جاتی رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ طاقت اور فارغ البالی کمزوری اور افلاس سے بدل گئی ہے۔ کیونکہ جو حکومت اپنے قوانین کی پابندی ترک کر دیتی ہے۔ اس کا سارا استحکام بھی کافور ہو جاتا ہے۔

” ہم شروع ہی سے ان معاملات پر غور کر رہے ہیں۔ اور سریر آرائی کے دن سے آج تک بہبود و عیاشیہ۔ صوبوں کی اصلاح اور قومی بار کی تخفیف ہماری توجہ کا مرکز ہے۔ اگر ہم عثمانی صوبوں کے جغرافیائی حالات۔ زمین کی زرخیزی۔ باشندوں کی موزنیٰ طبع اور ذکاوت ہم کو پیش نظر رکھیں۔ تو ہمیں یقین آجائے گا۔ کہ موثر طریقوں کے دریافت اور استعمال کرنے پر امید ہے۔ خدا کی بدد سے خاطر خواہ نتیجہ چند ہی سال میں حاصل ہو جائے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر پورا اعتماد کر کے ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔ کہ جدید قوانین کے ذریعے سے دولت عثمانیہ کے صوبوں میں عمدہ نظم و نسق پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ قوانین بالخصوص مندرجہ تحت امور سے متعلق ہوں گے:-

(۱) رعایا کی جان۔ آبرو اور مال کے کامل تحفظ کی ضمانت۔

(۲) محاصل کے وصول کرنے کا ایک باقاعدہ نظام۔

(۳) فوج کی بھرتی اور اس کی مدت ملازمت کی تعیین کے لئے بھی ایسا ہی باقاعدہ نظام۔

محاصل کی تشخیص کا انتظام نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ سلطنت کو اپنے علاقوں کی

حفاظت کرنے میں مختلف مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اور فوجوں نیز دوسری

ملازمتوں کے لئے روپے کی ضرورت رہتی ہے۔ جس کے حاصل کرنے کی اس کے سوا

کوئی صورت نہیں۔ کہ رعایا پر چندے لگائے جائیں۔

” اگرچہ بفضلہ تعالیٰ ہماری رعایا کچھ عرصے سے اجاروں کی مصیبت سے نجات پا چکی

ہے۔ جنہیں اب تک غلطی سے آمدنی کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ تاہم ایک مہلک دستور اب تک جاری ہے۔ جس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی وہ مراعات جو "الزامات" کے نام سے مشہور ہیں۔

"اس نظام کے تحت صوبے کا ملکی اور مالی انتظام کسی ایک شخص کی مطلق العنانی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ جو بعض اوقات نہایت سخت گیر اور حریم ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حاکم اگر نیک نہیں۔ تو وہ اپنے فائدے کے سوا کسی چیز کی پروا نہیں کرتا۔

"لہذا ضروری ہے۔ کہ آئندہ ملت عثمانیہ کے ہر فرد پر اس کے حسب حیثیت محصول لگایا جائے۔ اور اس سے زیادہ کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائے۔

"یہ بھی ضروری ہے۔ کہ بری اور بحری فوجوں کے مصارف کی تعیین خاص قوانین کے ذریعے سے کر دی جائے۔ اگرچہ ملک کی حفاظت کا خیال سب پر مقدم ہے۔ اور تمام باشندوں کا فرض ہے کہ اس مقصد کے لئے سپاہی فراہم کریں۔ پھر بھی ضروری ہے کہ وقت کی ضرورت کے لحاظ سے فوجی دستوں کے لئے جو ہر ضلع ہتیا کرے۔ قوانین مقرر کر دئے جائیں۔ نیز فوجی سپاہیوں کی مدت ملازمت کم کر کے چار یا پانچ سال کر دی جائے۔ کیونکہ ضلع کی آبادی کا لحاظ کئے بغیر کسی ضلع سے زیادہ اور کسی سے کم سپاہیوں کا بھرتی کرنا بے انصافی کے علاوہ ملک کی زراعت اور صنعت و حرفت کو بھی ایک مہلک صدمہ پہنچانا ہے۔ اسی طرح سپاہیوں کو عمر بھر فوجی خدمت میں رکھنے کے لئے ان کے اندر مایوسی پیدا ہو جاتی۔ اور ملک کی آبادی بھی کم ہونے لگتی ہے۔

"غرض ان مختلف قوانین کے بغیر جن کی ضرورت تسلیم کر لی گئی ہے۔ سلطنت میں نہ قوت رہ سکتی ہے۔ نہ دولت۔ نہ خوش حالی۔ نہ امن۔ بہ خلاف اس کے ان جدید قوانین کی موجودگی سے یہ تمام باتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

لہذا آئندہ ہر ملزم کے مقدمے کی سماعت علانیہ ہمارے شرعی قانون کے مطابق ہوا کرے گی۔ اور جب تک باضابطہ فیصلہ نہ سنا دیا جائے۔ کسی شخص کو اختیار نہ ہوگا۔ کہ دوسرے کو خفیہ طور پر یا علانیہ زہر دے کر یا کسی دوسرے طریقے سے مار ڈالے۔

”کسی کو اجازت نہ ہوگی۔ کہ وہ دوسرے کی آبرو پر حملہ کرے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔
 ”ہر شخص اپنے ہر قسم کے مال و متاع پر قابض رہے گا۔ اور پوری آزادی سے اسے
 فروخت یا منتقل کر سکے گا۔ کسی کو اس میں مزاحمت کا حق نہ ہوگا۔ مثلاً کسی مجرم کے بیگناہ
 وارث اپنے قانونی حقوق سے محروم نہیں کئے جائیں گے۔ اور نہ اس مجرم کا مال و متاع
 ضبط کیا جائے گا۔

”یہ مراعات ہماری ساری رعایا کے لئے خواہ وہ کسی مذہب یا فرقے سے تعلق رکھتی
 ہو۔ یکساں طور پر جاری ہوں گی۔ اور وہ بلا استثناء ان سے مستفید ہوگی۔
 ”پس جیسا کہ ہماری مقدس شریعت کے قانون کا تقاضا ہے۔ سلطنت کے تمام
 باشندوں کو ان کی جان۔ آبرو اور مال کی نسبت ہماری طرف سے کامل ضمانت عطا کی
 جاتی ہے۔

”دوسرے امور کے لئے چونکہ ضروری ہے۔ کہ اہل الرائے کے اتفاق سے طے کئے
 جائیں۔ لہذا ہماری مجلس عدل جس میں چند متعین دنوں میں ہمارے وزراء اور اعیان
 سلطنت بھی شریک ہوا کریں گے۔ جان و مال کی حفاظت اور محاصل کی تشخیص کے
 متعلق بنیادی قوانین مرتب کرنے کی غرض سے منعقد ہوتی رہے گی۔ ان مجالس میں
 ہر شخص اپنے خیالات و آراء کا اظہار آزادی سے کرے گا۔

”جو قوانین فوجی ملازمت سے متعلق ہوں گے۔ ان پر مجلس حرنلی میں بحث ہوگی۔
 جس کا اجلاس سرعسکر کے محل میں ہوا کرے گا۔ جس وقت کوئی قانون طے کر لیا جائے گا۔
 اور اس غرض سے کہ وہ ہمیشہ کے لئے قائم اور قابل نفاذ ہو جائے۔ ہم اس کی منظوری
 اپنے دستِ خاص سے اس پر لکھ دیں گے۔

”چونکہ ان قوانین کا مقصد تمام تر مذہب۔ حکومت۔ قوم اور سلطنت کا احیاء ہے۔
 اس لئے ہم عہد کرتے ہیں۔ کہ کوئی بات ایسی نہ کریں گے۔ جو ان کے مخالف ہو۔
 ”اپنے اس عہد کی ضمانت کے طور پر ہمارا ارادہ ہے۔ کہ اس فرمان کو سلطنت کے
 تمام علماء اور اعیان کی موجودگی میں اس ایوان میں رکھ دینے کے بعد جس میں نبی کریم صلعم

کے تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ قادر مطلق کے نام پر خود بھی اس کی پابندی کا حلف لیں۔ اور علماء و اعیان کو بھی اس کا حلف دلوائیں۔

”اس کے بعد علماء یا اعیان میں سے کوئی شخص یا کوئی اور جو بھی ان قوانین کی خلاف ورزی کرے گا۔ اسے بلا لحاظ اس کے رتبے یا شہرت کے وہ سزا دی جائے گی۔ جو جرم کے ثابت ہونے کی حالت میں مقرر ہے۔ اس کے لئے تعزیری قوانین کا ایک مجموعہ منضبط کیا جائے گا۔“ چونکہ آج سے سلطنت کے تمام عہدہ داروں کو معقول تنخواہیں دی جائیں گی۔ اور جن لوگوں کی خدمات کا معاوضہ اس وقت کافی نہیں ملتا۔ انھیں بھی ترقی دے دی جائے گی۔ اس لئے رشوت ستانی کے خلاف جس کی ممانعت قوانین الہی میں آئی ہے۔ اور جو زوال سلطنت کے خاص اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ سخت قانون نافذ کیا جائے گا۔

”ان قوانین سے چونکہ قدیم دستوروں کی مکمل تجدید ہوتی ہے۔ اور وہ بالکل بدل جاتے ہیں۔ اس لئے یہ فرمان سلطانی قسطنطنیہ اور ہماری سلطنت کے تمام شہروں میں شائع کر دیا جائے گا۔ اور حلیف طاقتوں کے تمام سفیروں کو جو قسطنطنیہ میں مقیم ہیں۔ اس کی نقلیں باضابطہ بھیج دی جائیں گی۔ تاکہ وہ ان قوانین کی مراعات کے شاہد رہیں۔ جو اللہ کی عنایت سے ہمیشہ قائم رہیں گی۔

”خداے قدیر ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے! جو لوگ ان قوانین کے خلاف کوئی بات کریں۔ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی خوشی سے محروم ہو جائیں

دستور ثانی ۱۸۵۶ء

۲۱۔ فروری ۱۸۵۶ء کو سلطان عبدالحمید نے باب عالی کے دوسرے اہم دستور کا اعلان کیا۔ جس کا اقتباس درج

ذیل ہے۔

”ساری رعایا کی جان و مال اور عزت و آبرو کی ضمانت جو ”خط شریعت گلخانہ“ میں دی گئی ہے۔ اس کی توثیق کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق رعایا کے مراتب و مذاہب میں کسی قسم کا

امتیاز جائز نہ ہوگا۔“

”ان تمام حقوق و مراعات کی جو نصاریٰ اور سلطنت کے دوسرے فرقوں کو دئے گئے ہیں۔ از سر نو توثیق کی جاتی ہے۔ ان حقوق و مراعات پر بے توقف نظر ثانی کر کے زمانے اور سوسائٹی کی ضروریات کے مطابق انھیں ترقی دی جائے گی۔ اور اس غرض سے بطریق کے زیر صدارت ایک مجلس منعقد کی جائے گی۔ جو مندرجہ صدر اصلاحات پر بحث کر کے اپنی رائے باب عالی میں پیش کرے گی۔ سلطان محمد فاتح اور اس کے جانشینوں نے جو حقوق بطریق کو عطا کئے تھے۔ ان میں اس جدید حق کا اضافہ کیا جائے گا۔ اور آئندہ بطریق کا انتخاب عمر بھر کے لئے ہوا کرے گا۔“

”نصاریٰ اور دوسرے فرقوں کے بطریقوں۔ اسقفوں اور مذہبی عہدہ داروں کو باب عالی کے تجویز کردہ طریقے کے مطابق وفاداری کا حلف لینا پڑے گا۔“

”وہ تمام محصول اور چندے جو مختلف فرقوں کے پادری اپنی جماعتوں سے وصول کیا کرتے تھے۔ ممنوع قرار دئے جاتے ہیں۔ مقررہ تنخواہیں بطریقوں۔ اسقفوں اور تمام چھوٹے بڑے مذہبی عہدہ داروں کو ان کے مراتب اور خدمات کے لحاظ سے دی جائیں گی۔ پادریوں کی منقولہ یا غیر منقولہ جائداد سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔“

”موجودہ کلیساؤں۔ مدرسوں۔ ہسپتالوں اور قبرستانوں کی مرمت کی عام اجازت ہے۔ لیکن اگر کسی جدید کلیسا۔ مدرسہ۔ قبرستان یا ہسپتال کے تعمیر کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اور بطریق یا اُس فرقے کا مذہبی پیشوا اسے منظور کرے گا۔ تو ہر جدید تعمیر کا نقشہ باب عالی میں پیش کیا جائے گا۔ اگر کوئی وجہ مانع نہ ہوگی۔ تو سلطان نقشہ ملاحظہ فرما کر تعمیر کی منظوری خود صادر فرمائے گا۔“

”ہر فرقے کو اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔“

”وہ تمام القاب و امتیازات جن سے رعایا کے بعض طبقے اعلیٰ اور بعض ادنیٰ

شمار ہوتے ہیں۔ ہمیشہ کے لئے شاہی دفتر سے خارج کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح عہدہ داروں اور عام لوگوں کو بھی دل آزار اور اہانت آمیز کلمات کے استعمال سے

سختی سے روکا جاتا ہے۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے سزا کے مستوجب ہونگے۔
 ”چونکہ تمام مذاہب کو آزادی حاصل ہے۔ اس لئے کوئی شخص اپنے مذہب کی
 وجہ سے ستایا نہ جائے گا۔ اور نہ کسی کو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔
 ”ملکی اور فوجی عہدے ساری رعایا کے لئے یکساں کھلے رہیں گے۔ تقرر صرف
 قواعد و ضوابط کے مطابق اور قابلیت کی بنا پر ہوگا۔

”ہر فرقے کو علوم و فنون کے مدارس قائم کرنے کی اجازت ہے۔ البتہ نصاب
 تعلیم اور اساتذہ کا انتخاب ایک مخلوط مجلس کے زیر نگرانی ہوگا۔ جو باب عالی کی طرف
 سے مقرر کی جائے گی۔

”وہ تمام مقدمات جن کا تعلق تجارت یا فوج داری سے ہوگا۔ اور جن میں فریقین
 مختلف فرقوں کے ہوں گے۔ مخلوط عدالتوں میں پیش کئے جائیں گے۔ اور ان کا
 اجلاس برسر عام ہوا کرے گا۔ صوبوں اور سبخوں کے دیوانی کے مقدمات بھی مخلوط
 عدالتوں میں وکیل اور قاضی کی موجودگی میں پیش ہوں گے۔ اور ان عدالتوں کا اجلاس
 بھی برسر عام ہوگا۔

”جن مقدمات میں فریقین ایک ہی فرقے کے ہوں گے۔ یا جو مقدمات وراثت
 سے تعلق ہوں گے۔ وہ فریقین کی خواہش کے مطابق یا ان کے بطریق کے سامنے
 پیش ہوں گے۔ یا ان کی قومی مجلس کے۔

”ایک ضابطہ تجارت و ضابطہ فوجداری نیز وہ تمام قواعد و ضوابط جو مخلوط
 عدالتوں سے متعلق ہیں۔ حتی الامکان جلد از جلد شائع کر دئے جائیں گے۔ اور
 سلطنت عثمانیہ میں جتنی زبانیں مستعمل ہیں۔ ان سب میں ان کا ترجمہ کر دیا جائے گا۔
 ”قید خانوں اور حوالاتوں کی اصلاح کی جائے گی۔ اور معمولی جرائم کے مجرموں کے
 لئے نئے ضابطے مرتب کئے جائیں گے۔ بجز ان سزاؤں کے جو باب عالی کے پولیس
 کے ضابطہ کے رد سے مقرر ہوں گی۔ اور تمام ایذا میں یک قلم منسوخ کی جاتی ہیں۔ اس
 حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دی جائے گی۔

”چونکہ محصولوں کے عائد کرنے میں مساوات برتی جائے گی۔ اس لئے انصاف کا تقاضا یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کی طرح عیسائی اور دوسرے فرقے کے لوگ بھی فوج میں داخل ہوں۔ لیکن انھیں فوجی خدمات کے معاوضے میں نقد رقم پیش کرنے کی اجازت بھی حاصل رہے گی۔“

”مسلمانوں کے علاوہ دوسرے فرقوں کو بھی فوج میں بھرتی کرنے کے ضوابط مرتب کر کے جلد شائع کر دئے جائیں گے۔“

”صوبوں کی مجلس میں اصلاح کی جائے گی۔ تاکہ انتخابات بہتر طریق پر ہو سکیں۔ اور باشندوں کی آزاد و صحیح رائے معلوم ہو سکے۔“

”چونکہ تجارتی معاملات اور غیر منقولہ جائیدادوں کے قوانین ساری رعایا کے لئے یکساں ہیں۔ اس لئے باب عالی جب غیر حکومتوں سے کوئی ایسا معاہدہ کرے گا۔ جس کے رو سے غیر ملکی باشندوں کو سلطنت کے ان قوانین کو تسلیم کر کے ملکی باشندوں کے حساب سے محصول ادا کرنا ضروری ہوگا۔ تو ایسی صورت میں غیر منقولہ جائیدادوں کی ملکیت حاصل کرنے کا حق بھی غیر ملکی باشندوں کو عطا کیا جائے گا۔“

”اجارہ داروں کی وساطت سے عشر اور دوسرے محصولوں کے وصول کرنے کا جو طریق اب تک رائج تھا۔ وہ موقوف کیا جاتا ہے۔ آئندہ جہاں تک ممکن ہوگا۔ حکومت کے عہدہ دار براہ راست وصول کیا کریں گے۔“

”مقامی محصولوں کی تشخیص حتی الامکان اس طرح کی جائے گی۔ کہ پیداوار اور تجارت کی ترقی کو نقصان نہ پہنچے۔“

”صوبوں میں محصول ان امور کے لئے عائد کئے جائیں گے۔ جو سب کے لئے مفید ہوں۔ مثلاً سڑکوں کی تعمیر جو اندرون ملک کے علاوہ سمندر کے ساحل تک چلی جائیں گی۔“

”ہر عہدہ دار کی تنخواہ متعین کر دی جائے گی۔“

”عیسائی اور دوسرے فرقوں کے معاملات کی نگرانی کے لئے ایک ایک افسر

مقرر ہوگا۔ جو اپنے مشوروں سے سٹیٹ کونسل کو مدد دے گا۔ یہ افسر صدر اعظم کی مجلس وزراء میں سے منتخب کئے جائیں گے۔ اور ان کا تقرر ایک سال کے لئے ہوا کرے گا۔

”سٹیٹ کونسل کے ممبروں کو معمولی اور غیر معمولی اجلاسوں میں اپنی رائے آزادانہ ظاہر کرنے کی اجازت ہوگی۔ اور ان پر اس کے خلاف کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا جائے گا۔

”رشتہ ستانی کے قوانین بلا امتیاز ساری رعایا کے لئے یکساں نافذ ہوں گے۔ خواہ اس کے مجرم کسی طبقے یا رتبے کے اشخاص ہوں۔

”باب عالی مالی اعتبار کے قائم کرنے میں حتی الوسع پوری کوشش کرے گا۔ اور جن چیزوں سے اس اعتبار کو تقویت ہوتی ہے۔ مثلاً بنک وغیرہ۔ انھیں فروغ دے گا۔ اور ان کے لئے ضروری سرمایہ فراہم کرے گا۔

”باب عالی ملکی پیداوار کے نقل و حمل کے لئے سڑکیں اور تہریں تعمیر کرائے گا۔ اور تمام رکاوٹیں دور کر کے زراعت کی ترقی میں آسانیاں بہم پہنچائے گا۔“

ان کے علاوہ سلطان عبدالمجید نے تعلیم کے شعبے میں بھی **دوسری اصلاحات** اصلاحات نافذ کیں۔ اور بردہ فروشی کی مذموم رسم کو مٹانے کے لئے قوانین جاری کئے۔

اس سلسلے میں نہایت ضروری اصلاحات نافذ کی گئیں۔ فوج **فوجی اصلاحات** کے دو حصے کر دئے گئے۔ (۱) نظام (۲) ردیف۔ پہلی فوج میدان کارزار میں رہتی تھی۔ اور دوسری حرب گاہ کی مقررہ میعاد ختم کرنے کے بعد آئندہ ضروریات کے لئے تیار رکھی جاتی تھی۔

ان اصلاحات کے نفاذ سے مختلف صوبوں میں بغاوتوں کے **اصلاحات کا نتیجہ** شعلے بھڑک اٹھے۔ لیکن جرنیل عمر پاشا کی بہادری اور فرزانگی نے بہت جلد اس طوفان سرکشی کا زور توڑ دیا۔ اور تجارت و رفاہ عام کے اعتبار سے سلطنت اوج ترقی کی بلندیوں پر پرواز کرنے لگی۔

روس اور آسٹریا نے باب عالی کو انتباہ کیا۔ کہ ترکی میں پناہ لینے والے ہنگری

کے قومی سرداروں کو دولت علیا سے نکال دیا جائے۔ ورنہ جنگ کے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ لیکن انگلستان کے ڈائنٹ پلانے پر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اور انھوں نے سلطنت عثمانیہ سے قطع شدہ سفارتی تعلقات دوبارہ قائم کر لئے۔

اب روس نے انگلستان کو ساتھ ملا کر دولت عثمانیہ کو پارہ پارہ جنگ اور صلح کرنے کے لئے اس کے سامنے ایک سکیم پیش کی۔ لیکن انگلستان

نے اسے مسترد کر دیا۔ پھر روس نے باب عالی سے چند مطالبات کی تکمیل کے لئے کہا۔ لیکن سلطان نے انکار کر دیا۔ اس پر روس نے جنگ چھیڑ دی۔ لیکن مڈ کی کھائی۔ پھر بھی روس باز نہ آیا۔ اور ۲۸ مارچ ۱۸۵۳ء کو انگلستان اور فرانس نے اس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔

آخر ۲۵ فروری ۱۸۵۳ء کو پیرس میں سلطنت عثمانیہ۔ انگلستان۔ فرانس۔ روس آسٹریا۔ سارڈینیا اور پرتگال کے درمیان ایک صلح نامہ قرار پایا۔ جس کی خاص دفعات یہ تھیں:-

(۱) ان حکومتوں نے باب عالی کو باقاعدہ مجلس دول یورپ کا رکن بنا لیا۔ اور اس کی آزادی اور اس کے مقبوضات کی سالمیت کے لئے بالاتفاق ذمہ داری لی۔
(۲) سلطان نے مذہب و نسل کی تفریق کے بغیر ساری رعایا کی اصلاح حال کا وعدہ کیا۔ اور دول یورپ نے واضح اعلان کیا۔ کہ انھیں باب عالی کے داخلی امور پر دخل دینے کا مجموعی یا انفرادی طور پر کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔

(۳) بحیرہ اسود تمام اقوام کے تجارتی جہازوں کے لئے کھول دیا گیا۔ لیکن جنگی جہازوں کا داخلہ ممنوع قرار پایا۔ روس اور باب عالی کو اس کے ساحلوں پر اسلحہ خانہ قائم کرنے کی بھی ممانعت کر دی گئی۔

(۴) فریقین کے تمام مفتوحہ علاقے واپس کر دئے گئے۔ چنانچہ قارص سلطنت عثمانیہ کو لوٹا دیا گیا۔ اور کریمیا روس کو۔

(۵) ایک بین الاقوامی کمیشن کے زیر نگرانی دریائے ڈنیوب بھی تمام اقوام کے جہازوں

کے لئے کھول دیا گیا۔

(۶) جنوبی بسرابیا کا علاقہ جو روس نے لیا تھا۔ مولڈیویا سے ملحق کر دیا گیا۔ مولڈیویا اور ولاچیا پر دولت علیا کی حکومت بدستور قائم رکھی گئی۔ روس ان ریاستوں کی حمایت کے حق سے جس کا وہ تہاد عوامی دار تھا۔ دست کش ہو گیا۔ اور ان کے حقوق کا تحفظ مندرجہ صدر حکومتوں نے مجموعی طور پر اپنے ذمے لے لیا۔ ان ریاستوں کو حکومت خود اختیاری کے حقوق عطا کئے گئے۔ انھیں مذہب۔ قانون سازی اور تجارت کی پوری آزادی اور ایک "قومی مسلح فوج" رکھنے کی اجازت دی گئی۔

(۷) سرویہ کو بھی انھیں حقوق سے بہرہ اندوز کیا گیا۔ لیکن اسے 'قومی فوج' رکھنے کی رعایت سے محروم کر دیا گیا۔ اس کے داخلی امور میں سلطنت عثمانیہ کی فوجی مداخلت دول یورپ کی اجازت کے بغیر ممنوع قرار دی گئی۔

فتنہ و شورش صلح نامہ پیرس کے بعد سلطنت کے مختلف حصوں میں فتنوں کی آندھیاں چلتی رہیں۔ اور شورشوں کے طوفان اٹھتے رہے۔ چنانچہ ۱۸۵۸ء میں کریٹ کے یونانیوں نے دست شورش دراز کیا۔ لیکن جلد ہی باغیوں کو نیچا دکھا دیا گیا۔ جولائی ۱۸۵۸ء میں جدہ کے عیسائیوں اور مسلمانوں میں آویزش ہوئی۔ مسلمانوں نے فرانسیسی قنصل اور اس کے سکریٹری کو مجروح اور قنصل کی بیوی کا کام تمام کر دیا۔ انگریزی بیڑے نے جدہ پہنچ کر مجرموں کو پھانسی دینے کا مطالبہ کیا۔ تعمیل میں ذرا توقف ہوا۔ تو انگریزوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ اسمعیل پاشا نے عثمانی بیڑے کے ساتھ جدہ جا کر گولہ باری بند کرا دی۔ اور مجرموں کو نذر دار کر دینے کا حکم سنایا۔

۱۸۶۰ء میں شام ایک نئے فتنے کی جولان گاہ بن گیا۔ لبنان میں مسلمان فرقہ دروزی اور عیسائی فرقہ مارونی باہم لڑ پڑے۔ رفتہ رفتہ اس جنگ کے بادل مذہبی رنگ اختیار کر کے شام کے اکثر حصوں پر چھا گئے۔ دروزی قوی تر ہونے کے باعث غالب آئے۔ اور انھوں نے ہزاروں عیسائیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔

اس موقع پر امیر عبدالقادر الجزائری نے عیسائیوں کی جو امداد کی۔ اس پر فرانسیسی

مورخ ولاژون کیئر کے حسب ذیل بیان سے روشنی پڑتی ہے :-

”اگر دمشق میں عبدالقادر نہ ہوتا۔ تو ایک عیسائی کی بھی صورت دکھائی نہ دیتی۔ یہ عرب بہادر جس نے سولہ برس تک فرانسیسیوں سے نہایت بے دردی کے ساتھ جنگ کی تھی۔ دمشق میں تنہائی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ آگ کے شعلے پہلی ہی دفعہ بھڑکے تھے۔ اور دراندوں کی صدا پہلی ہی بار بلند ہوئی تھی۔ کہ اس نے بغیر کسی پس و پیش کے عیسائیوں اور ان کے قاتلوں کے درمیان اپنے آپ کو ڈال دیا۔ اس نے ایک چھوٹی سی فوج کے ساتھ عیسائیوں کو عامۃ الناس سے چھڑایا۔ اور انھیں اپنا محل رہنے کو دیا۔ عیسائیوں کے سکونتی مقام پر عرب سواروں کا پہرہ لگا دیا۔ اس شخص نے جو مسلمان۔ اولاد پیغمبر اسلام اور فرانس کا قدیم دشمن تھا۔ ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر ان خوشخوار ٹولیموں کو پس پا کیا۔ جو اسلام اور ترکی کے لئے باعث ننگ تھیں۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ ان بدقسمتوں پر پوشاک کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ جنھیں اس نے موت کے پنجے سے رہائی دی تھی۔ اس نے خود اپنی نگرانی میں عیسائی محافظین کو بیروت پہنچایا۔ جہاں انھیں کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ اس کا یہ ایثار شرافت اور شہر یغانہ بہادری ایک لمحے کے لئے بھی کم نہ ہوئی۔ اس کی زندگی کا یہ صفحہ ایسا شاندار ہے۔ جس کے آگے ایک صدی کا کارنامہ بھی مدغم پر جاتا ہے۔“

وفات۔ ۲۵۔ جون ۱۸۶۱ء کو سلطان عبدالحمید نے اس دار فانی سے رحلت کی۔

سلطان عبدالعزیز

۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۷ء

سلطان عبدالحمید کے بعد اس کے بھائی سلطان عبدالعزیز نے تخت حکومت

زینت دی۔

سلطان عبدالعزیز نے اپنے دونوں پیش روؤں کی اصلاحات کو لباس عمل پہن

شروع کیا۔ چنانچہ اس نے نظام حکومت میں مفید اصلاحات نافذ کیں۔ اور تعمیرات، زرعیات، معدنیات اور تعلیم کے سلسلے کو ترقی دی۔ ۱۸۶۸ء میں ایک مجلس نظمیہ (کونسل آف سٹیٹ) قائم کی جس کی صدارت کا منصب محنت پاشا کو عطا کیا۔ فرانسیسی ضابطہ فوج داری اور ضابطہ تجارت تو پہلے ہی مرتب ہو چکے تھے۔ ۱۸۷۲ء میں "مجلد" کے نام سے ایک جدید ضابطہ دیوانی جاری کیا گیا۔ جس میں آئین شریعت کو ضروریات وقت کے مطابق مرتب کرنے کی سعی کی گئی۔

یونان کی بغاوت اور سچی طاقتوں کی طرف سے اس کی پشتی بانی کے سلسلے میں باغی کو سامان جنگ وغیرہ ہتیا کرنے کے باعث بہت زیادہ روپے کی ضرورت پیش آئی۔ تو سلطان محمود ثانی نے ہنڈیاں جاری کیں۔ پھر سلطان عبدالمجید نے اصلاح مالیات کی کوشش کی۔ لیکن کثیر مصارف جنگ کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی۔

۱۸۶۲ء میں سلطان عبدالعزیز نے نواد پاشا کو صدارت عظمیٰ کے منصب پر فائز کر کے مالیہ اور میزانیہ کا انتظام اس کی تحویل میں دے دیا۔ لیکن اسے بھی ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۸۶۶ء میں محمد رشدی پاشا صدر اعظم بنا۔ تو اس کی سرگرم کوشش سے ادائے سود کی صورت نکل آئی۔ اور سلطنت دیوالیہ ہونے سے بچ گئی۔

ابھی سلطنت مالی کمزوری کی زبردست کھکیڑ سے سنبھلنے نہ پائی تھی۔ کہ سیاسی فتنے اور شورشیں سراٹھانے لگیں۔ ۱۸۶۶ء میں

مولڈیویا اور ولاچیلنے مل کر رومانیہ کی ریاست قائم کر لی۔ اور ۱۸۶۸ء میں جرمن شہزادہ چارلس کو اس کا حکم ران مقرر کیا۔ حالانکہ یہ "صلح نامہ پیرس" کی صریح خلاف ورزی تھی۔

دول عظمیٰ کی پشتی بانی کے بل بوتے پر سرویہ نے سلطنت عثمانیہ سے مطالبہ کیا۔ کہ وہ بلغراد اور دوسرے سرودی قلعوں سے اپنی فوجیں نکال لے۔ دولت علیا نے "معاہدہ پیرس" کے رد سے اسے مسترد کر دیا۔ لیکن بعد میں بغاوت کریٹ کے باعث حالات کی ناسازگاری کی بنا پر ان قلعوں سے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔ اور سرویہ کی آزادی مکمل ہو گئی۔

یونانی مفسدہ پردازوں نے کریٹ میں بغاوت کے شعلے بھڑکا دیے۔ کیونکہ وہ اس جزیرے کو اپنی سلطنت میں شامل کر لینا چاہتے تھے۔ باب عالی نے آتش بغاوت کو سرد کرنے کے لئے انتہائی کوشش سے کام لیا۔ اور اس کی یہ سعی و جہد بڑی حد تک کامیابی کا تاج پہن چکی تھی کہ یکایک دولِ عظمیٰ اپنی رسوائی عالم خیر اندیشی کا پروانہ لے کر میدان میں آدھمکیں۔ آخر ۱۸۶۹ء میں دولِ عظمیٰ کی تحریک سے پیرس میں ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ جس کے فیصلے کی بنا پر سلطان کی جانب سے کریٹ کو حکومت خود اختیاری کے بعض حقوق عطا کر دیے گئے۔

۱۸۷۷ء میں روس نے فرانس اور جرمنی کی جنگ سے فائدہ اٹھا کر معاہدہ پیرس کے خلاف ورزی کرتے ہوئے بحیرہ اسود پر پھر قبضہ کر لیا۔

پہلے بلقان کی سلافی قومیں بلغاریہ۔ بوسنیہ وغیرہ یونانی کلیسا کے ماتحت ہونے کی بنا پر

بلغاریہ کی جداگانہ قومی ہستی

یونانی ہی خیال کی جاتی تھیں۔ لیکن کچھ مدت سے ان میں بیداری کے آثار نمایاں رہے تھے۔ اور وہ اپنا مستقل قومی کلیسا قائم کر کے یونانیوں کے مقابل میں اپنی ایک جداگانہ ہستی قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ یونانی کلیسا کے بطریق اعظم نے انھیں چکنی چپڑی باتوں سے بہت تھپکیاں دیں۔ لیکن اہل بلغاریہ کچی گولیاں نہ کھیلے تھے۔ انہوں نے اس کی ایک نہ سنی۔ اس موقع پر روس نے ان کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے وعدہ کیا۔ وہ سلطنت عثمانیہ سے کہ سن کر بلغاریہ کے لئے ایک علیحدہ مستقل کلیسا قائم کرنے کی اجازت لے دے گا۔ چنانچہ روسی سفیر جنرل اگنا تیف نے باب عالی میں اہل بلغاریہ زبردست سفارش کر دی۔ اور ۱۰ مارچ ۱۸۷۷ء کو سلطان نے ایک فرمان جاری کر کے بلغاریہ کی جداگانہ ہستی کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے لئے کلیسائے یونان سے آزادی مستقل قومی کلیسا قائم کرنے کی اجازت دے دی۔

اب گویا بلقان میں ایک جدید قومیت کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ اور بلغاریہ کی قوم کے قومی حریف بن کر ان کے مقابلے پر میدان میں آئے۔

روس کی تباہ کن سرگرمیاں | جب تک سلطان عبدالعزیز کے نظام حکومت کا چمن زار
فواد پاشا۔ عالی پاشا۔ رشیدی پاشا اور مدحت پاشا

جیسی جلیل القدر ہستیوں کی سرفروشانہ آب پاشیوں سے سرسبز و شاداب رہا۔ اس نے دولت
عثمانیہ کو ہر اعتبار سے قابل رشک اور ترقی کا گہوارہ بنائے رکھا۔ لیکن ۱۸۷۲ء میں فواد
پاشا اور عالی پاشا کی تاگہانی وفات سے انتظام سلطنت کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ اور بد نظمی و
شورش کا بازار گرم ہونے لگا۔

اس صورت حالات سے روس کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہو گئیں۔ عالی پاشا کی زندگی
میں تو روسی سفیر جرنیل اگناتیف کی دال نہ گل سکتی تھی۔ اب اسے کھل کھیلنے کا موقع مل
گیا۔ اور اس نے گہری سیاسی چالوں سے کام لے کر جدید صدر اعظم محمود ندیم پاشا کو اپنے
ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا لیا۔ چند ہی روز میں اگناتیف پڑا سر ارتد پر کے جادو سے نقصان
سلطنت پر چھا گیا۔ اور سلطان کی حکومت گویا راز کی حکومت بن گئی۔ نائٹ اپنی تصنیف
"بیداری ترکی" میں رقم طراز ہے :-

"روسی حکمت عملی نے قسطنطنیہ میں غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ حسب دستور قدیم جماعت
اصلاح کے خلاف سازش میں مصروف تھی۔ اور سلطنت عثمانیہ کی بربادی کی تدبیریں
کر رہی تھی۔"

جمعیت سلافیہ | روس نے دولت عثمانیہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے "جمعیت سلافیہ"
کی بنیاد ڈالی۔ جس نے سلافی قوموں میں روسی ادبیات کی اشاعت

کا آغاز کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس نے یہاں تک ترقی کی۔ کہ ریاست ہائے بلقان کے
تمام عیسائی "جمعیت سلافیہ" کے زیر علم جمع ہو گئے۔ اور بغاوت کا پرچم لہرانے کے لئے
اس کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔ یہ جمعیت روس کے اعیان حکومت پر مشتمل تھی۔ اور اگناتیف
اس کی روح و رواں تھا۔ میریٹ بیان کرتا ہے :-

"جنگ کریمینا کے بعد سے "اتحاد سلافی" کے جدید عقیدے کے مبلغین جن میں زیادہ
روسی تھے۔ اپنی ہم مذہب اور ہم نسل قوموں میں برابر پروپیگنڈا کرنے میں مصروف تھے۔"

۱۸۶۷ء میں "اتحادِ اسلامی" کی ایک عظیم الشان کانگریس ایک علمی انجمن کے پردے میں بمقام ماسکو منعقد ہوئی۔ اس کانگریس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "اتحادِ اسلامی" کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کا صدر مقام ماسکو تھا۔ اور ایک چھوٹی کمیٹی بخارست میں قائم کی گئی۔ کتابیں اور مختلف رسالے بلقان میں تقسیم کئے جا رہے تھے۔ نوجوان مسلمان کثرت سے روسی یونیورسٹیوں میں جانے لگے۔ جس طرح رومانیہ کے نوجوان پیرس جاتے تھے۔ سر ویہ۔ مونٹی نگرو۔ بوسینیا اور بلغاریہ میں ہر طرف خفیہ جماعتوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اس تحریک کو سرکاری مدد بھی حاصل تھی۔ عوام کے پروپیگنڈے کی پشت پر اعلیٰ سیاسی قوتیں بھی کام کر رہی تھیں۔ جزیرہ نمائے بلقان میں ہر روسی قافلہ "اتحادِ اسلامی" کا رکن تھا۔ اور جنرل اگناٹیف جو اس تحریک کا ایک پرجوش حامی تھا۔ قسطنطنیہ میں سفیر مقرر کیا گیا تھا۔

روس کے اس تباہ کن پروپیگنڈے کو بے مدحت پاشا کی تعلیمی سکیم کا حشر کرنے کے لئے مدحت پاشا نے یہ سکیم مرتب کی۔

کی۔ کہ بلغاریہ کے خاص شہروں میں ایسے درسگاہیں کھولی جائیں۔ جہاں مسلمان اور عیسائی ایک جا اعلیٰ اور ضرورت وقت کے مطابق تعلیم حاصل کر سکیں۔ تاکہ عیسائی طلبہ کو روسی یونیورسٹیوں میں جا کر تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اور وہ وہاں سے "اتحادِ اسلامی" کے متعصب مبلغ بن کر نہ لوٹیں۔ جب یہ تعلیمی سکیم باب عالی میں پیش ہوئی۔ تو اگناٹیف دیکھتے ہی انگاروں پر لوٹنے لگا۔ اور وہ شطرنج سیاست کی تمام چالوں سے کام لے کر یہ سلطان کے ذہن نشین کراتے ہوئے کہ اس سکیم سے بلغاریہ دولت علیا سے جدا ہو جانے کے بعد مصر کی طرح کامل آزادی کا دم بھرنے لگے گا۔ اسے درہم برہم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ سلطان نے اس نہایت مفید مدبرانہ اور دور رس تعلیمی سکیم کو مسترد کر دیا۔

سلطان نے مطلق العنانی کے نشے میں چور ہو کر اسراف پر مگر سلطان کا اسراف لی۔ اور تعمیرات کا شوق پورا کرنے کے لئے سنگ مرمر کے محل تیار ہونے لگے۔ سلطنت کی مالی حالت پہلے ہی کمزور تھی۔ اب رسی ہی کسر بھی

دگئی۔ رفاہ عام کے کام بند کر کے چندے وصول کئے جانے لگے۔ ناقابل لوگ صوبوں میں بھیجے جانے لگے۔ جس سے ہر طرف ابتری۔ بد نظمی اور ہنگاموں کے شعلے بھڑکنے لگے۔

اس صورت حال پر سلطان نے ندیم مدحت پاشا کی صدارت اور معزولی پاشا کو برخاست کر کے ۱۸۴۳ء میں اس

جگہ مدحت پاشا کو صدر اعظم مقرر کیا۔ اس نے اصلاح مالیات پر زبردست توجہ مبذول کی۔ اور حسابات کی جانچ پرتال کے دوران میں اسے معلوم ہوا۔ کہ ایک لاکھ ترکی پونڈ کے حسابات کا سراغ نہیں ملتا۔ تحقیقات پر پتا چلا۔ کہ یہ رقم محمود ندیم پاشا کے نام سے برآمدہ کے قصر سلطانی میں بھیجی گئی ہے۔ اب دار الخلافہ میں دو حریف جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ ۱) مدحت پاشا کی جماعت اور (۲) محمود ندیم پاشا کی جماعت۔

اس کے بعد مدحت پاشا نے ایک ایسے معاملے کی تحقیقات کی جس میں خود سلطان بادامن بھی آلودہ نظر آیا۔ سلطان نے رفع ہدامت کے لئے مدحت پاشا کو معزول کر دیا۔

اس دوران میں مالیات کا نظام تہ و بالا ہو گیا۔ اور نوبت یہاں ہرزگوئیوں کی بغاوت تک پہنچ گئی۔ کہ ۷۔ اکتوبر ۱۸۴۵ء کو دولت عثمانیہ نے اپنے

عرض خواہوں کو تحریر کیا۔ ”حکومت پورا سود ادا کرنے سے قاصر ہے۔“ اس خبر سے یورپ کے طول و عرض میں غیظ و غضب کی بجلیاں گوند گئیں۔ اور جگہ جگہ ساہوکاروں نے باب عالی کے خلاف جلسے کر کے بغاوت کے ہنگامے برپا ہونے کے لئے زمین تیار کر دی۔

روس برابر مخالفانہ سرگرمیوں کو ہوا دے رہا تھا۔ آسٹریا چاہتا تھا۔ کہ بوسینیا اور ہرزگوئیوں میں بغاوت کے انگارے برسا کر خود ان پر قابض ہو جائے۔ یہ دونوں حکومتیں موثر تدبیروں سے کام لے کر جلد ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔ اور مذکورہ صوبوں میں بغاوتوں کے شعلے پورے زور سے بھڑکنے لگے۔

۱۲۔ دسمبر ۱۸۴۵ء کو سلطان کی طرف سے ایک شاہی فرمان صادر ہوا جس میں باغیوں کے مطالبات منظور کرنے کے لئے۔ لیکن بھٹس میں چنگاری ڈال کر ڈور کھڑی ہو جانے والی

بی جمالی یعنی روس اور آسٹریا کی ملی بھگت باغیوں کی پیٹھ ٹھونک رہی تھی۔ اس لئے انھوں نے پھر بھی سپرنٹنڈنٹ ڈالی۔ اندھا کیا چاہے۔ دو آنکھیں۔ دول عظمیٰ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا لیا۔ روس۔ جرمنی اور آسٹریا کے حکم ران سر جوڑ کر بیٹھے۔ اور موخر الذکر کے چانسلر کاؤنٹ اندرا نے بوڈاپسٹ سے اندراسی نوٹ جاری کیا۔

اس نوٹ میں یہ ظاہر کرنے کے بعد کہ دول عظمیٰ قیام امن کے لئے کس بیتاب ہیں۔ اور باب عالی واجب اصلاحات کے نفاذ سے کہاں تک قاصر رہا ہے۔ اس امر پر زور دیا گیا تھا۔ کہ سلطان سے فوراً حسب ذیل مطالبات کی تکمیل کروائے جائے۔

”بوسینیا اور ہرزیگوینا کے باشندوں کو کامل مذہبی آزادی عطا کی جائے۔ اور مسلم و غیر مسلم رعایا سے یکساں سلوک کیا جائے۔ اجارہ داروں کی وساطت سے ٹیکس وصول کرنے کا طریقہ بند کر دیا جائے۔ اور آئندہ ٹیکس براہ راست عمال حکومت کے ذریعے سے وصول کئے جائیں۔ بوسینیا اور ہرزیگوینا کے باشندوں سے جو ٹیکس لئے جائیں۔ وہ انھیں صوبوں کی مقامی ضروریات پر صرف کئے جائیں۔ ایسے کسانوں کی تعداد بڑھائی جائے جو زمین کے مالک ہوں۔ اور اس طرح دیہی آبادی کی حالت بہتر بنائی جائے۔ ایک کمیشن مقرر کیا جائے جس کے ارکان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی تعداد برابر ہو۔ اور وہ اپنی نگرانی میں نہ صرف ان اصلاحات کو جاری کرائے۔ جو دول عظمیٰ کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔ بلکہ انھیں بھی جن کا وعدہ سلطان نے ۲۔ اکتوبر اور ۱۲۔ دسمبر کے فرمان میں کیا ہے۔ اگر مندرجہ صدر مطالبات جلد اور موثر طریقے پر پورے نہ کئے گئے۔ تو دول عظمیٰ بغاوت کے روکنے کی کوشش سے بری الذمہ ہو جائیں گی۔“

۳۔ جنوری ۱۸۷۶ء کو ”اندراسی نوٹ“ سلطان کے روبرو پیش کیا گیا۔ اس نے ایک دفعہ کے سوا جس میں ٹیکسوں کو محض مقامی ضروریات پر صرف کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔ باقی تمام منظور کر لیں۔ لیکن اس کے بعد بھی باغیوں نے سپرنٹنڈنٹ ڈالی۔ اور اس مطالبے پر ڈٹے رہے۔ کہ پہلے اصلاحات کو لباس نفاذ پہنایا جائے۔ سلطان نے جب

یا۔ کہ جب تک بغاوت موجود ہے۔ اصلاحات کی کوئی سکیم جامہ عمل نہیں پہن سکتی۔

اس کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ بوسینیا نے بھی بغاوت کے ضمن میں ہرزگوینا کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اور سروویہ۔ مونٹی نگو اور بلغاریہ بھی پرچم بغاوت لہرانے کے لئے پر تو لنے لگے۔

۱۸۷۶ء کو سالونیکا میں جرمن اور فرانسیسی قنصل مارے گئے۔ جس سے یورپ بھڑک

رکوں کے خلاف غصہ و عداوت کی لہر دوڑ گئی۔ قتل کا یہ واقعہ ایک بلغاری نو مسلم لڑکی کے راجہ سے رو پذیر ہوا۔ جسے یونانی اور بلغاری اٹھا کر لے گئے تھے۔ اس سلسلے میں سلطان

نے چھ ترکوں کو نذر دار اور بہتوں کو قید کر دیا۔ لیکن پھر بھی یورپی طاقتوں کے خونیں انتقام کی پیاس نہ بجھی۔ اور وہ ترکوں کے خلاف صلیبی اتحاد کے قیام کی تجویزیں کرنے لگیں۔

اسی دوران میں بلغاریہ سے بھی بغاوت کے شرارے اڑنے لگے۔ حکام کی درخواست پر

بلغاریہ میں بغاوت کے شعلے

سلطان نے قیام امن کے لئے وہاں فوجی دستے بھیجنے کا ارادہ کیا۔ تو اگنا تیف پھر راستے میں حائل ہو گیا۔ اور کوئی باقاعدہ فوج روانہ نہ کی جاسکی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس کی زغرا کے یسائی یکایک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس ضمن میں نائب قنصل برونی نے سرسری ایٹا سفیر برطانیہ مقیم قسطنطنیہ کو یہ اطلاع بھیجی :-

” اکتوبر ۱۸۷۵ء میں فیصلہ ہو چکا تھا۔ کہ بلغاریہ کے آٹھ دس مقامات پر بیک وقت بغاوت شروع کر دی جائے گی۔ لیکن کسی خاص وجہ کی بنا پر اسے معرض التوا میں ڈال دینا مناسب خیال کیا گیا۔ چنانچہ تمام مرکزوں میں ہر کا بے روانہ کر دئے گئے۔ مگر اس کی زغرا میں التوا کی خبر جو میں گھنٹے بعد پہنچی۔ اور وہاں کے لوگوں نے یہ باور کرتے ہوئے کہ باغیوں کی پوری فوج ان کی حمایت پر کمر بستہ ہو جائے گی۔ غلم بغاوت بلند کر دیا۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ گزشتہ مئی (۱۸۷۶ء) کی شورش۔ بغاوت یا انقلاب جو کچھ بھی وہ رہا ہو۔ اکتوبر ۱۸۷۵ء میں واقع ہونے والا تھا۔ مگر نہ ہوا۔“

۱۸۷۶ء کو فلپو پولیس کے نائب قنصل ڈیو پونی نے لارڈ ڈربی وزیر خارجہ انگلستان کو حسب ذیل رپورٹ ارسال کی :-

”صورت حالات یہ تھی۔ جب ۲۔ مئی کو ان انقلابی کمیٹیوں کی مرتب و منظم بغاوت جو گزشتہ تیرہ سال سے بخارست اور ماسکو میں قائم تھیں۔ دفعۃً ادرات آلان میں شروع ہو گئی۔ تو انقلابیوں کی تجویز یہ تھی۔ اور ان کی امداد دیہات کے پادری اور مدرسوں کے معلم کر رہے تھے۔ کہ ساری ولایت میں ریلوے سٹیشن اور پل برباد کر دئے جائیں۔ اور نذر اور فلپو پولیس کے شہروں میں آگ لگا دی جائے۔ پان سو آدمیوں کو لے کر تاتار بازار جیت پر چھاپا مارا جائے۔ اور وہاں حکومت کے ذخیرے پر قبضہ کر لیا جائے۔ فوجوں کے لئے گورنر جنرل کے پاس اور نذر تار بھیجا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ اس نے یہ جواب دیا۔ کہ کوئی باضابطہ فوج بھیجنے کے لئے موجود نہیں۔ اس لئے بہتر ہوگا۔ کہ بے ضابطہ دستے فراہم کر لئے جائیں۔ ۳۔ مئی کو فلپو پولیس کے چند ممتاز اشخاص نے وہاں کے ملاکی صدارت میں ایک جلسہ کیا۔ جس میں گورنر جنرل کی یہ تجویز کہ نذر عامی (بے ضابطہ سپاہی) بھرتی کر لئے جائیں۔ منظور کی گئی۔ اور فیصلے کی اطلاع ارکان جلسہ کے دستخطوں سے اور نذر بھیج دی گئی۔ اس کے بعد فوراً باشبوز قول یعنی بے ضابطہ سپاہیوں کو بھرتی کرنے کے لئے ولایت کے مختلف حصوں میں احکام جاری کئے گئے۔“

باغی دزدوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مرد و عورت۔ بوڑھا بچہ کسی کو بھی چھوڑا۔ ڈیو پونی رقم طراز ہے:-

”یہ علانیہ کہا جاتا ہے۔ کہ فلپو پولیس کا روسی نائب قنصل ان دردناک مصیبتوں کا تہا ذمہ دار ہے۔ جو بائنگ پر نازل ہوئی ہیں۔ علاوہ بریں بہت سے دیہات میں خود بلغاریوں نے آگ لگا دی۔ تاکہ وہاں کے باشندوں کو بغاوت پر مجبور کریں۔ سنگری کے گاؤں کو جو اس وقت صرف کھنڈر ہے۔ ابتدا میں ایک پادری ہی نے آگ لگائی۔ یہ شخص لوگوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر مجبور کرنے کی غرض سے ہاتھ میں چاقو لے کر ادھر ادھر دوڑتا پھرتا تھا۔ اور ان سے کہتا تھا۔ کہ اب تمہاری مخلصی کا وقت آ گیا ہے۔ اور روسی سپاہی ترکوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کرنے کے لئے قریب پہنچ گئے ہیں۔ قابل اعتماد اور آزاد شہادت کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ بلغاریہ کی بغاوت کا خاکہ احتیاط و مستعدی سے ان لوگوں نے

تیار کیا تھا۔ جو غیر علاقوں سے آئے تھے۔ اور فوجی مصافیات کے ماہر و تجربہ کار تھے۔ اگر ان کی تدبیریں کامیاب ہو جاتیں۔ اور اہل بلغاریہ ترکوں پر غلبہ حاصل کر لیتے۔ تو کوئی شبہ نہیں۔ کہ یورپ میں ترکی کا وجود خطرے میں پڑ جاتا۔ اور بلغاریہ والوں نے ان سے کہیں زیادہ مظالم کئے ہوتے۔ جتنے مسلمانوں کے سرعاند کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ابتدائی بغاوت ہی سے مقدم الذکر نے ہر ترک کو جو انھیں ملا۔ عمر یا جنس کا لحاظ کئے بغیر قتل کر ڈالا۔ اور متعدد مرتبہ ان پر ناگفتہ بہ مظالم توڑے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ سفاکیوں کا ارتکاب دونوں طرف سے ہوا ہے۔ مثلاً مجھ سے قابل وثوق طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ کارلوو کے مقام پر بلغاریوں نے ایک ترک لڑکے کی دونوں باہوں کی کھال کہنی تک کھینچ لی۔ اور لو کوئی میں بلغاریوں نے اسی مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ اور ایک بچے کو قتل کر کے اس کا گوشت کھلم کھلا فروخت کیا۔ علاوہ بریں عورتوں کو ایسے وحشیانہ مظالم کی آماج گاہ بنایا۔ جنھیں تحریر کرتے ہوئے قلم کا سینہ شق ہوا جاتا ہے۔“

”ڈیلی نیوز“ کی مبالغہ آمیز خبروں۔ گلیڈ سٹن کی شعلہ بار تقریروں اور اس کے ایک رسالے نے انگلستان بھر میں ترکوں کے خلاف غیظ و غضب کی آگ بھڑکادی۔ ”ڈیلی نیوز“ کا جو مضمون انگلستان میں ترکوں کے متعلق مخالفت و عناد کا زہر پھیلا کر شورش و بغاوت کرانے کا موجب ہوا۔ اس کے باب میں سر ہنری ایسٹ ۲۵۔ جولائی ۱۸۷۶ء کو رقم طراز ہیں:-

”میں یہ یقین کرنے کی وجہ رکھتا ہوں۔ کہ ”ڈیلی نیوز“ کا نامہ نگار جس کے خطوط نے انگلستان کے لوگوں کو بلغاری سفاکیوں کی جانب اس قدر متوجہ کیا۔ ایک باغی سردار کے دو بلغاریہ عزیزوں کی باتوں سے فریب کھا گیا۔ ان میں سے ایک قسطنطنیہ میں ایک بلغاری اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ ظاہر ہے۔ کہ اس کے ذریعے سے جو اطلاع حاصل کی گئی ہوگی۔ وہ محض ناقابل اعتماد خیال کی جاسکتی ہے۔“

یورپ کے طول و عرض میں ترکوں کے خلاف اشتعال اور نفرت پھیلانے کا مقصد حاصل کرنے کے لئے یکسر بے بنیاد خبریں بھی سچے واقعات کی طرح صحیح تسلیم کر لی جاتی تھیں۔ سر ہنری ایسٹ تحریر کرتے ہیں:-

”بغاوت کے فرو کرنے میں جو زیادتیاں کی گئیں۔ وہ یقیناً بہت بڑی تھیں۔ جیسا کہ اس فوج کی نوعیت کا لازمی تقاضا تھا۔ جس سے فوری ضرورت کے موقع پر باب عالی کو مجبوراً کام لینا پڑا۔ لیکن یہ بھی اسی حد تک یقینی ہے۔ کہ جو تفصیلات دی گئی ہیں۔ وہ تقریباً تمام تر روسی اور بلغاری ذرائع سے ماخوذ ہیں۔ اور ان میں اس شرم ناک حد تک مبالغہ کیا گیا ہے۔ کہ وہ زیادہ توجہ کی مستحق نہیں ہو سکتیں۔ نفرت انگیز مظالم کے واقعات ایسے تفصیلی طریق پر مجھ سے بیان کئے گئے تھے۔ کہ ان کی سچائی میں شبہ کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ لیکن تحقیق کرنے سے وہ سراسر بناوٹی ثابت ہوئے۔“

مسلمانوں کو گونا گوں جبر و تشدد کا تختہ مشق بنانے سے متعلق بغاوت کی سکیم کے بارے میں نائب قنصل کالورٹ ۲۹۔ اگست کو فلیپو پولیس سے رقم طراز ہے :-

”عیسائی کشنر جن میں سے ایک یو ایچ آفندی خود بلغاری ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ انہیں اس امر میں ہرگز شک نہیں۔ کہ گزشتہ مئی کے آغاز شورش میں باغیوں کی طرف سے سخت وحشیانہ مظالم کئے گئے۔ اور ان مظالم کا ارتکاب عمداً کیا گیا۔ تاکہ وہ بلغاریہ میں عام بغاوت برپا کرنے کا بہترین ذریعہ ہوں۔ کیونکہ اس کے بعد عاکم قوم کی طرف سے جس بے امتیاز انتقام کا ہونا لازم تھا۔ وہ عیسائیوں کی حالت کو اس قدر ناقابل برداشت بنا دیتا۔ کہ خواہ وہ کتنا ہی پُر امن طریق سے رہنا چاہتے۔ حفاظت خود اختاری کے لئے انہیں مجبوراً اٹھنا ہی پڑتا۔ من جملہ دیگر واقعات کے بلیک بے نے ٹرنو کے قریب ایک گاؤں کے عیسائی باشندوں کی زبانی یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا۔ کہ بغاوت کے شروع میں باغیوں نے وہاں کے ایک دولت مند ترک کو پکڑا۔ جس سے اس کی عدل پروری اور فیض رسانی کی وجہ سے مسلمان اور عیسائی دونوں یکساں محبت کرتے تھے۔ اور اسے زمین میں کمر تک دفن کر کے پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیا۔“

۳۔ مئی کو اوٹلمو کوئی کی بغاوت کی خبر دیتے ہوئے سرہنری الیٹ لارڈو ڈربی کو تحریر کرتے ہیں :-

”یہ معلوم تھا۔ کہ انقلابی ایجنٹ اہل بلغاریہ میں سرگرمی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔“

اور حال میں اسلحہ اور گولہ بارود کثیر مقدار میں باہر سے لایا گیا ہے۔“
حکومت برطانیہ کی طرف سے بھیجے ہوئے والٹر بیرنگ کی تحقیقات سے متعلق ہیر ہرنزی
الیٹ ۱۱۔ اگست کو لارڈ ڈبلیو کے نام لکھتے ہیں :-

”مسٹر بیرنگ کا ایک خط کل ملا۔ جس میں یہ الفاظ درج ہیں :- اس میں قطعاً شبہ
نہیں۔ کہ گزشتہ بغاوت کے برپا کرنے میں فلپو پولیس کاروسی قنصل پیش پیش تھا۔“

۱۱۔ مئی ۱۸۴۶ء کو برلن میں روس۔ آسٹریا اور پرشاکے نمائندوں
یادداشت برلن نے باہم مشورہ کر کے ”یادداشت برلن“ کے نام سے ایک نوٹ
مرتب کیا۔ جس میں ترکوں کے لئے شدید ضرر رساں مطالبات باب عالی میں پیش کر کے
آخر میں دھکی دی گئی تھی۔ کہ دو مہینے تک ان مطالبات کی تکمیل نہ کی گئی۔ تو سلطنت عثمانیہ
کے ساتھ تشدد برتا جائے گا۔

اٹلی اور فرانس نے تو اس یادداشت پر مہر اتفاق ثبت کر دی۔ لیکن برطانیہ نے اس
بنا پر نارضا مندی کا اظہار کیا۔ کہ اس کی ترتیب کے وقت اس سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ اور
قسطنطنیہ کے تحفظ کی غرض سے انگریزی بیڑے کو خلیج بسینک میں جو در دانیال کے دہانے پر
واقع ہے۔ لنگر انداز ہونے کا حکم دیا۔ برطانیہ کی اس روش سے ”یادداشت برلن“ کا زور
بڑی حد تک ٹوٹ گیا۔

سلطنت عثمانیہ گونا گوں مشکلات میں مبتلا تھی۔ جگہ جگہ شورش
بغاوت اور مخالفت کے خونیں چشمے اُبل رہے تھے۔ خزانے
میں پھوٹی کبڑی تک نہ تھی۔ سلطان ان خطرات کی طرف سے آنکھیں بند کر کے عیش و عشرت
میں غرق تھا۔ باب عالی کے داخلی امور میں یورپی طاقتوں کی مداخلت کی رفتار تیز سے
تیز تر ہو رہی تھی۔

یہ دیکھ کر عمائد سلطنت نے سلطان کو معزول کر دینے کا فیصلہ کیا۔ لیکن قبل ازیں اس
سے صدر اعظم محمود بدیم پاشا اور شیخ الاسلام حسن فہمی آفندی کی موقوفی کا فرمان صادر کر لیا۔
چنانچہ محمد ارشدی پاشا کو صدر اعظم اور حسن خیر اللہ آفندی کو شیخ الاسلام مقرر کیا گیا۔

چونکہ سلطان کی معزولی کے لئے شیخ الاسلام کا فتویٰ لایا ہی تھا۔ لہذا اس سے فتویٰ حاصل کیا گیا۔ اور ۲۹ مئی ۱۸۷۶ء کو وزیر نے سلطان عبدالعزیز کو معزول کر کے سلطان عبدالمجید خاں کے بیٹے شہزادہ مراد کو تخت نشین کیا۔ عبدالعزیز نے اس حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ اب تو قسطنطنیہ کی فوج بھی اس کا ساتھ نہ دے گی۔ مزاحمت کا خیال ترک کر کے سکون و سکوت سے علیحدگی اختیار کر لی۔

سلطان مراد خاں خامس

۲۹ مئی ۱۸۷۶ء تا یکم ستمبر ۱۸۷۶ء

سلطان مراد خاں خامس نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی صدر اعظم رشیدی پاشا کے نام ایک فرمان جاری کیا۔ کہ مجلس وزارت طویل گفت و شنید کے بعد اتفاق رائے سے صلاحات کی ایک سکیم مرتب کر کے پیش کرے۔ چنانچہ دستوری حکومت کا وہ خاکہ حضور سلطانی میں پیش کر دیا گیا۔ جو مدحت پاشا اور اس کے فقار نے سلطان عبدالعزیز کے آخری عہد سلطنت میں تیار کیا تھا۔

سلطان مراد پہلے ہی سے اعصابی اختلال میں مبتلا تھا۔ اور نہایت سرگرمی سے بہترین علاج ہو رہا تھا۔ لیکن دو روز انگیز حادثے ایسے پیش آئے۔ کہ اس کی بیماری میں اضافہ ہو گیا۔ سلطان عبدالعزیز نے تخت سلطنت سے دست کش ہونے کے بعد اپنے دو نور بازوؤں کی رگیں کاٹ کر خود کشی کر لی۔ جس کی تصدیق نامور ڈاکٹروں کی متفقہ رپورٹ سے ہو گئی۔

اس سے چند روز بعد سلطان عبدالعزیز کے سابق ایڈی کاٹنگ حسن نے موقع پا کر چھ بھرے ہوئے پستول لئے۔ اور وہ رات کے وقت اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں مجلس وزارت کا اجلاس ہو رہا تھا۔ حسن نے جاتے ہی گولیاں برسائی شروع کر دیں۔ جن سے حسین عونی پاشا وزیر جنگ مدحت پاشا کا ملازم احمد آغا اور وزیر بحریات کا ایڈی کاٹنگ

شکری بے تینوں جان بحق ہو گئے۔ حسن بڑی مشکل سے گرفتار ہو کر حوالہ دار ورسن ہوا۔
شبیہ کیا جاتا تھا۔ کہ اس نے اپنے آقا کا انتقام لینے کے لئے یہ کارروائی کی ہے۔

وزارت میں دو جماعتیں | مراد کی عدالت طبع ان حادثوں کے برداشت کرنے کی تاب نہ لاسکی۔ چنانچہ اس کی صحت یا س انگیز

حد تک گر گئی۔ سلطنت کے حالات نے نازک صورت اختیار کر لی۔ وزارت میں دو جماعتیں بن گئیں (۱) صدر اعظم محمد رشدی پاشا کی جماعت اور (۲) سلطان کے بہنوئی محمود جلال الدین پاشا کی جماعت۔ باب عالی میں پہلی جماعت کا اقتدار تھا۔ اور قصر سلطانی میں دوسری کا۔

عثمانی قانون کے لحاظ سے ناقص دماغ شخص سلطان نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے وزارت نے فیصلہ کیا۔ مدحت پاشا شہزادہ عبدالحمید ولی عہد سے بات چیت کر کے پتہ لگالے۔ کہ وہ نفاذ اصلاحات میں ان کے حسب منشا حصہ لے کر ان کا اطمینان کرا سکتا ہے۔ یا نہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہو۔ تو اسے تخت نشین کرنے سے قبل حسب ذیل شرائط منظور کرائی جائیں :-

(۱) جدید دستور حکومت کا اعلان فی الفور کر دیا جائے گا۔

(۲) حکومت کے معاملات میں صرف ذمہ دار وزراء سے رائے لی جائے گی۔

(۳) ضیاء بے اور کمال بے کو کاتب خاص (پرائیویٹ سکرٹری) اور سعد اللہ بے

کو باش کاتب (چیف سکرٹری) بنایا جائے گا۔

عبدالحمید نے یہ شرائط مان لیں۔ شیخ الاسلام نے اختلال دماغ کی بنا پر مراد

کی معزولی کا فتویٰ دیا۔ اور یکم ستمبر ۱۸۷۶ء کو وزراء نے مراد کو تخت سے اتار کر اس

کی جگہ تاج سلطنت شہزادہ عبدالحمید کے سر پر رکھ دیا۔

سلطان عبدالحمید خاں ثانی

۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۹ء

سلطان عبدالحمید خاں ثانی جن تین شرائط کو منظور کرنے کے بعد سربراہ آرائے سلطنت ہوا تھا۔ ان میں سے آخری دو شرطیں تو اس نے قطعاً پوری نہ کیں۔ اور پہلی شرط کی برائے نام پابندی کی۔ مدحت پاشا غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور محمود پاشا۔ جو دت پاشا اور ان کی جماعت کے ارکان کو زبردست انتباہ کیا۔ کہ اگر اس بنیادی مسئلے کے تصفیے میں ذرا بھی لیت و لعل کی گئی۔ تو وہ اپنے عہدے سے استعفا دے دے گا۔ آخر ۲۳۔ دسمبر ۱۸۷۶ء کو دستور اساسی کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے رو سے ایک مجلس شوریٰ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے دو ایوان تھے (۱) دارالاعیان اور (۲) دارالمستوفین قرار پایا۔ کہ مقدم الذکر ایوان کے ارکان نام زدگی سے اور مؤخر الذکر کے کثرت برائے سے منتخب ہوں گے۔ مجلس شوریٰ کے ماتحت ایک مجلس وزارت بھی قائم کی گئی۔ ساری رعایا کو بے امتیاز مذہب و ملت مساوی حقوق عطا کئے گئے۔ اور حکومت کے عہدوں کے دروازے سب کے لئے برابر کھول دئے گئے۔

اس اعلان پر سلطنت کے طول و عرض میں تمام حلقوں کی طرف سے مسرت و شادمانی کا اظہار کیا گیا۔ لیکن یورپی طاقتوں اور بالخصوص برطانیہ کے گوشے گوشے میں صفت ماتم بچھ گئی۔ کیونکہ اس سے سلطنت عثمانیہ کے داخلی امور میں مداخلت کو روکنے کے لئے ان کے رستے میں آہنی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔ تعریضاً کہا گیا۔ اس دستور کے نفاذ کا واحد مقصد یہ ہے۔ کہ عیسائیوں کے تحفظ حقوق کے لئے قسطنطنیہ میں ہونے والی یورپی کانفرنس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ لیکن یہ اعتراض بے بنیاد تھا۔ کیونکہ اس کے لئے مدحت پاشا اور اس کے رفقاء ایک سال سے سر بکف جدوجہد میں مصروف تھے۔ جیسا کہ سر ہنری الیٹ سفیر برطانیہ کے حسب ذیل مکتوب سے واضح ہوتا ہے:-

” دسمبر ۱۸۷۵ء کے آغاز میں مجھ سے مدحت پاشا کے ایک رفیق نے بیان کیا۔ جو حکومت کے بعض اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ چکا تھا۔ کہ مدحت پاشا کی پارٹی کا مقصد ایک دستور ایسا حاصل کرنا تھا۔ یہ واقعہ اعلان دستور کے وقت سے ایک سال سے زیادہ پہلے کا ہے۔ جب یہ کہا گیا۔ دستور کا اعلان صرف اس لئے کیا گیا ہے۔ کہ اس کا نفرنس کو شکست دی جائے۔ جو اس وقت قسطنطنیہ میں منعقد کی گئی تھی۔ چند روز کے بعد مدحت پاشا خود خود مجھ سے ملاقات کو آئے۔ اور اپنے خیالات اس تفصیل سے بیان کئے۔ کہ اس سے پہلے کبھی نہ کئے تھے۔ حالانکہ میں ان خیالات کے عام مقصد سے واقف تھا۔ انھوں نے بیان کیا۔ کہ سلطنت تیزی سے بربادی کی طرف لائی جا رہی ہے۔ رشوت خواری اور دوسری بد نظمیاں جس حد تک پہنچ چکی ہیں۔ اس سے پہلے کبھی نہ پہنچی تھیں۔ سرکاری محکمے روپے سے بالکل خالی ہیں۔ لیکن کروڑوں روپے قصر سلطانی میں پہنچ رہے ہیں۔ صوبے گورنروں کی جنھوں نے اپنے عہدے قصر سلطانی سے خریدے ہیں۔ بے روک ٹوٹ سے برباد ہو رہے ہیں۔ جب تک پورا نظام نہ بدل دیا جائے۔ کوئی چیز سلطنت کو بچا نہیں سکتی۔ مدحت پاشا کے نزدیک اس کا واحد علاج یہ تھا۔ کہ پہلے سلطان پر قابو حاصل کیا جائے۔ اس طرح کہ وزراء کو ذمہ دار بنا کر خصوصاً مالیات میں ایک قومی مجلس عمومی کا جواب وہ بنایا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس مجلس کو صحیح معنی میں قومی بنایا جائے۔ جس کی صورت یہ ہے۔ کہ مختلف جماعتوں اور مذہبوں کے تمام امتیازات مٹا دئے جائیں۔ اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے بالکل مساوی حقوق دئے جائیں۔ تیسرے یہ کہ مرکزیت توڑ کر مقامی حکومت قائم کر دی جائے۔ اور گورنروں کو صوبائی نگرانی کے ماتحت رکھا جائے۔“

یقیناً اسے تسلیم کرنا چاہئے۔ کہ یہ خیالات روشن خیالی پر مبنی اور مدبرانہ تھے۔ اور حوصلہ افزائی کے مستحق تھے۔ مدحت پاشا نے بار بار اس کا ذکر کیا۔ کہ انگریز قوم کی ہمدردی مصلحین کے لئے کس قدر قیمتی ہوگی۔ اور کس طرح ان کے ہم وطن انگلستان کی مثال کو سامنے رکھ کر اس کی تقلید کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا۔ مجھے اس

میں ذرا بھی شبہ نہیں۔ کہ ان کے قائم کئے ہوئے اصولوں پر جو تجویزیں مرتب کی جائیں گی۔ انہیں ہر انگریز جو میری طرح مطلقیت کے لئے دستوری حکومت کی پابندیوں کے فوائد کا قائل ہے۔ ضرور پسند کرے گا۔ اور ان کی کامیابی چاہے گا۔ میں نے دیا تدارکی سے انہیں اس کا یقین دلایا تھا۔ کیونکہ بلاشبہ سب سے آخری چیز جس کی میں توقع کر سکتا تھا۔ یہ تھی۔ کہ جو لوگ اس ملک میں دستوری اصولوں کے لئے اپنی سرگرمی کا سب سے زیادہ مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہی سب سے پہلے ان لوگوں کی تحقیر و تذلیل اور ان کی تجویزوں کا استہزا کریں گے۔ جو ان اصولوں کو اپنے ملک میں رائج کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔“

مسکندہ

اس ضمن میں برطانی پارلیمنٹ کے ممبر مسٹر جوزف کاوین کی اس تقریر کا حسب ذیل اقتباس بھی قابل ملاحظہ ہے۔ جو انہوں نے ۳۱۔ جنوری ۱۸۸۸ء کو انگلستان کی خارجی پالیسی کے موضوع پر کی تھی:-

”ترکی میں برسوں سے ایک سرگرم اور محبت وطن جماعت موجود ہے۔ جو اپنے اداروں کو مغربی طرز زندگی اور یورپی ضروریات کے مطابق بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس جماعت کا سیدھا سادہ پروگرام یہ ہے۔ کہ اس جزیرہ نما کی مختلف قوموں کو باہم ملا کر ایک متحدہ حکومت قائم کی جائے۔ جس کی بنیاد سب کی مذہبی اور سیاسی مساوات پر ہو۔ نواد پاشا اور عالی پاشا نے ان اصولوں کے لئے مدت تک جدوجہد کی۔ اور اب انہیں اصولوں کو اسی خلوص سے مدحت پاشا اور ان کے حامی پیش کر رہے ہیں۔ ہر مذہب اور قوم کے لوگ ایک ہی سطح پر رکھے جائیں گے۔ اس پروگرام کی تائید عیسائی اور مسلمان دونوں یکساں کر رہے ہیں۔ لیکن ان ترک مصلحین کی مخلصانہ کوششوں کا ذکر جس حقارت سے انگلستان کے آزاد خیال سیاست دان کرتے تھے۔ وہ اس بحث کے من جملہ دیگر قابل افسوس واقعات کے ایک نہایت تکلیف دہ اور افسوس ناک واقعہ تھا۔ اور جو بھی ترکی دستور پر آوازے کستا۔ یقیناً یہ آزاد خیال گورنمنٹ کے حامیوں کا کام نہ تھا۔ کہ وہ اس کے لئے تحقیر و استہزا کا طریقہ اختیار کرتے۔ بیشک

ایسی حکومت کے قیام کا تصور ناممکن نہیں جس میں مسلمان اور عیسائی دونوں متحد ہوں۔ اور جو ہلک اثر اس وقت قسطنطنیہ پر غالب ہے۔ وہ ترکی کی سیاسی زندگی سے دور کر دیا جائے۔“

قسطنطنیہ کی کانفرنس | دستور اساسی کے اعلان ہی کے روز ۲۳۔ دسمبر ۱۸۷۶ء کو قسطنطنیہ میں دولِ عظمیٰ کے نمائندوں کی کانفرنس بھی منعقد ہوئی۔ جس میں متعدد تجویزیں پیش ہوئیں۔ اور ہنگامہ خیز بحث و تمحیص ہوئی۔ آخری ترمیم شدہ تجویز دولِ عظمیٰ کی طرف سے پیش کی گئی۔ کہ مقامی حکام کی امداد کے لئے ایک قنصل کمیشن متعین کر دیا جائے۔ اور بلغاریہ۔ بوسینیا اور ہرزگوینا کے حکم ران پہلے پانچ سال تک دولِ عظمیٰ کی منظوری سے مقرر کئے جائیں۔ ترکوں نے اسے بھی منظور نہ کیا۔ تو دولِ عظمیٰ کے نمائندوں نے یہی تجویز بابِ عالی میں ارسال کر کے دعوتِ جنگ کے طور پر اسے دھکی دی۔ کہ اگر انھیں ایک ہفتے کے اندر اس کا اطمینان بخش جواب موصول نہ ہوا۔ تو وہ قسطنطنیہ سے چل دیں گے۔

ترکوں کا فیصلہ | اس پر ترکوں نے اپنی ایک نمائندہ مجلس عالیہ منعقد کر کے کانفرنس کی اس آخری تجویز پر بحث کی۔ اور ہنگامہ خیز تقریروں کے بعد اسے منظور کر کے فیصلے کی اطلاع دولِ عظمیٰ کے نمائندوں کو بھیج دی گئی۔ ۲۰۔ جنوری ۱۸۷۷ء کو انھوں نے قسطنطنیہ سے رخت سفر باندھ لیا۔

روس سے جنگ اور صلح | ۲۲۔ اپریل ۱۸۷۷ء کو روس نے بابِ عالی سے جنگ شروع کر دی۔ جس میں ترکوں کو پس پا ہونا پڑا۔ اور

۳۱۔ جنوری ۱۸۷۸ء کو ”مضبوط اور نہ“ کے نام سے ایک صلح نامے پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔ ۳۔ مارچ ۱۸۷۸ء کو روس اور بابِ عالی کے درمیان ”معابدہ سان سٹیفانو“ قرار پایا۔ جس کے رو سے قسطنطنیہ صوبہ

تھریس اور ادرنہ پر ترکوں کا قبضہ قائم رکھا گیا۔ سرربیہ۔ رومانیہ اور مونٹی نگرو کو خود مختاری دے دینے کے علاوہ ان کی حدود بڑھا دی گئیں۔ لیکن ادھر یہ معاہدہ شائع ہوا۔ ادھر

اطراف و اکناف سے مخالفت کا طوفان برپا ہو گیا۔

۱۳۔ جون ۱۸۷۸ء کو برلن میں وڈل عظمتی کے نمائندوں کی ایک کانگریس منعقد ہوئی۔ ایک ماہ کی معرکہ آرا بحث و تمحیص کے بعد ۱۲ جولائی کو معاہدہ برلن مرتب ہوا۔ جس پر کانگریس کے ارکان نے دستخط ثبت کئے۔ اس معاہدے سے معاہدہ سان سٹیفانو تقریباً سارے کا سارا منسوخ ہو گیا۔

معاہدہ برلن

معاہدہ برلن دولت عثمانیہ کے یورپی مقبوضات کے لئے تباہ کن ایٹم بم ثابت ہوا۔ عثمانی صوبوں کی جگہ یونان، سردیہ، بلغاریہ، رومانیہ اور مونٹی نگرو کی مطلق العنان حکومتیں معرض وجود میں آگئیں۔ باقی صوبوں میں تحریک آزادی کے شعلے بھڑک اٹھے۔

یونان نے توسیع حدود کے نشے میں چور ہو کر مقدونیہ کے بعض علاقوں پر تاخت و تاراج شروع کر دی۔ ۷۔ اپریل ۱۸۹۷ء کو باب عالی نے بھی جواباً جنگ کا نفاذہ بجا دیا۔ اور یونانیوں کے چھکے چھڑا کر انھیں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

جنگ یونان

استبداد پسندی عبدالحمید کے رگ و پے میں جاری و ساری تھی اگرچہ بظاہر اس نے دستور اساسی کا اعلان اور مجلس شوریٰ کا افتتاح کر کے دول یورپ اور مدحت پاشا کی حزب الاصلاح دونوں کے مطالبات کو لباس تکمیل پہنایا تھا۔ لیکن حقیقتاً وہ دستوری حکومت کا سخت مخالف تھا۔ اسی بنا پر اس نے قسطنطنیہ کی کانفرنس کے بعد مجلس شوریٰ کو بھی توڑ دیا۔ اور دستور کی روح و رواں مدحت پاشا کو پہلے جلا وطن کر دیا۔ پھر قتل کا الزام عائد کر کے اسے پھانسی کی سزا دے دی۔

عبدالحمید کا استبداد

مدحت پاشا خود تو آغوشِ لحد میں جاسویا۔ لیکن اس کے پیدا کئے ہوئے خیالات زندہ تھے۔ اور ہر فرد قوم کی نس میں نس میں خون بن کر دوڑ رہے تھے۔ عبدالحمید اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھا۔ چونکہ یہ خیالات بیشتر مغربی تعلیم اور یورپ کی سیاحت کا ثمرہ تھے۔ لہذا اس نے ان دونوں چیزوں کو شدید پابندی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ مسٹر نامٹ رقم طراز ہیں :-

"عبد الحمید اپنی مسلمان رعایا کو آن پڑھ رکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ کسی کو اس کی اطاعت سے روگردانی کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ اسے معلوم تھا۔ کہ جدید یورپ کی آزاد خیالی کا بیج ترکی کی زمین میں بو دیا گیا ہے۔ اور اس نے عزم کر لیا تھا۔ کہ اس بیج کو بالکل نکال پھینکے گا۔ یا کم از کم اس کی نشوونما نہ ہونے دے گا۔ اس نے ترکی کو مغربی ترقی کے اثر سے علیحدہ رکھنے کی جدوجہد کی۔ اور کسی حد تک اس میں کامیابی بھی حاصل کر لی۔ چند مستثنیات کے سوا اس کی رعایا کے لئے اجنبی ممالک میں سفر کرنا ممنوع تھا۔ اور سلطنت کے اندر بھی لوگوں کی نقل و حرکت شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی۔"

خالدہ ادیب خانم لکھتی ہیں :-

"جس کسی کے پاس تنظیمات کے متعلق کوئی کتاب پکڑی جاتی تھی۔ اسے شدید سزا کے شکنجے میں جکڑ دیا جاتا تھا۔ ایسی کتابوں کا ایک صفحہ بھی پکڑ لینا بغاوت پر محمول کیا جاتا تھا۔ آزادی۔ دستور۔ حُب وطن اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ لغت کی کتابوں سے نکال ڈالے گئے۔"

فوج کی تعلیم | ان تمام مساعی کے باوجود عبد الحمید فوج کو یورپ کے اثر سے محفوظ رکھنے پر قادر نہ ہو سکا۔ کیونکہ اسے علم تھا۔ کہ جدید یورپی اصولوں پر فوج کی تربیت اور تنظیم بقائے سلطنت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتی ہے۔ چنانچہ اسے مجبوراً فوجی تعلیم گاہیں قائم کرنی پڑیں۔ البتہ وہ اتنی احتیاط ضرور کرتا تھا۔ کہ جدید تعلیم یافتہ افسروں کو دور دراز مقامات پر بھیج دیتا تھا۔ تاکہ دار الخلافہ ان کے خیالات کے اثر سے بچا رہے۔

نظام جاسوسی | جاسوسی کا نظام بہت دور رس اور پراسرار تھا۔ وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ اس پر بالادست میں لاکھ پونڈ سالانہ خرچ ہوتا تھا۔ ساری سلطنت کے طول و عرض میں کوئی مقام۔ کوئی طبقہ اور کوئی گھر جاسوسوں کی زد سے محفوظ نہ تھا۔ اس سلسلے میں عبد الحمید کے جبروت شدہ کاتبانہ بالخصوص عالی خاندان۔ روشن دماغ۔ محب وطن اور شریف النفس افراد پر گرتا تھا۔ جاسوسوں

کی یہ آن گنت فوج سلطان کے پاس اطلاعات بھیجتی رہتی تھی۔ جن کی بنا پر بے شمار ترک، ابرہی
ملک بدری اور قتل کی سزائیں پاتے تھے۔

خالدہ ادیب خانم رقم طراز ہیں:-

”عبد الحمید نے گردوں، عربوں اور البانی رئیسوں پر جو دو کرم کا مینہ برسا دیا۔ اور انھیں
اپنے مقربین میں شامل کر لیا۔ تنظیمات کے متعلق جو کچھ لکھا گیا تھا۔ وہ ترکی زبان میں تھا۔
اور دوسرے مسلمانوں پر ان خیالات کا اثر نہ ہوا تھا۔ لہذا ان پر اس دور استبداد میں اتنی
سختیاں نہ ہوئیں۔ جتنی ترکوں پر کی گئیں۔ اور ابھی ان میں اس بات کے سمجھنے کی صلاحیت
نہ تھی۔ کہ یہ مرحمت خسروانہ محض رشوت ہے۔ جو انھیں اس لئے دی جاتی ہے۔ کہ وہ
ترقی نہ کر سکیں۔ اور انھیں نئے خیالات کی ہوا نہ لگنے پائے۔“

عوام پر گونا گوں مظالم اس کثرت سے ہوتے تھے۔ کہ ان
عام لوگوں کی بیزاری

بے چاروں پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا۔ بھاری ٹیکسوں
سے ترک کسانوں کی کمرے ڈھری ہو گئی تھیں۔ تعمیرات۔ پولیس اور عدالتوں کے محکمے
عوام کو دھڑی دھڑی کر کے لوٹ رہے تھے۔

علاوہ بریں فوجی نظام بھی زیرِ زبر ہو رہا تھا۔ سپاہیوں کو غذا و لباس کی تکلیف
کے علاوہ قلتِ اسلحہ کی بھی شکایت رہتی تھی۔

مسٹر نائٹ بیان کرتے ہیں:-

”ترکی میں فوجی خدمت کا بار تمام تر مسلمان آبادی پر ہے۔ عیسائی اب تک اس سے
بالکل بری ہیں۔ اس کے عوض وہ صرف ایک خفیف ٹیکس دیتے ہیں۔ ترک سپاہی جفاکشی
اور بہادری کے لحاظ سے دنیا کے بہترین سپاہیوں میں ہے۔ بڑی بڑی سختیوں
کو بغیر شکایت کے برداشت کر لے گا۔ تاہم اس کی برداشت کی بھی ایک حد ہے۔
سابق دور حکومت میں ان اعلیٰ درجے کی فوجوں کی جو قابلِ رحم حالت میں نے قلعوں
اور فوجی جو کیوں میں دیکھی۔ اس کے بیان میں مبالغہ مشکل سے ہو سکتا ہے۔ ان فوجوں
کو پورا راشن کبھی نہ ملتا تھا۔ بعض اوقات ان پر فاقے گزرتے تھے۔ بلقان کی شدید

مردیوں کے زمانے میں بھی جب وہ سرحد کی حفاظت پر متعین رہتیں۔ انھیں کافی لباس میسر نہ تھا۔ اکثر ان کی وردیاں پُرانی ہو کر چیتھڑے چیتھڑے ہو جاتی تھیں۔ اور جو بھی ملکی لباس مل سکتا۔ وہ اسی کو پہن کر بسر کر لیتیں۔ ان کی قلیل تنخواہ ہمیشہ بقایا میں پڑی رہتی۔ وہ فوجی تربیت اور تنظیم سے بھی محروم تھیں۔ یعنی یورپ کا بہترین فوجی جوہر افسوس ناک طریق پر ضائع ہو رہا تھا۔ خود افسروں کی تنخواہ بھی باقاعدہ نہ ملتی تھی۔ ان میں اتنی استطاعت نہ تھی۔ کہ صاف ستھری زندگی کا سامان فراہم کر سکتے۔ نفرت انگیز نظام جاسوسی کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے بھی کشیدہ رہتے تھے۔ ان حالات میں وہ اپنے سپاہیوں کے اندر وہ بلند فوجی روح پیدا نہ کر سکتے تھے۔ جو پہلے ترکی فوج کا طغرائے امتیاز تھی۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جب لڑائی کا موقع آتا تھا۔ تو یہ لوگ یاد رکھتے تھے۔ کہ ہم ترک سپاہی ہیں۔ اور خوب لڑتے تھے۔

انجمن اتحاد ترقی | اس سلطنت گیر عام بیزاری نے آخر یہ گل کھلایا۔ کہ ملک کے گوشے گوشے میں انقلاب کی بادِ سموم چلنے لگی۔ کچھ عرصے کے بعد سب سے پہلے جینیوا میں اصلاح کے سرگرم کارکنوں اور فدائے ملک و قوم جلاوطن نوجوان ترکوں نے "انجمن اتحاد ترقی" کی داغ بیل ڈالی۔ جس کی غرض و غایت یہ تھی۔ کہ ہر امکانی کوشش سے کام لے کر سلطنت کے چپے چپے پر اصلاحات کے چشے بہا دئے جائیں۔ رفتہ رفتہ اس انجمن نے یہاں تک ترقی کر لی۔ کہ لندن اور ذول یورپ کے دوسرے دارالحکومتوں میں اس کی شاخوں کا جال بچھا دیا گیا۔

نوجوان ترکوں نے یہ راز معلوم کر لیا تھا۔ کہ سلطنت کے بقا و استحکام کے لئے رعایا کے تمام طبقوں کا دامن بے امتیاز قوم و مذہب یکسانی حقوق کے موتیوں سے مالامال کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ انھوں نے پیرس کی آرمینی۔ بلغاری اور دوسری غیر مسلم انقلابی انجمنوں کو ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ اور ۱۹۰۳ء میں آرمینی انجمنوں کے ساتھ معاہدہ اتحاد قرار پایا۔

سٹرٹنٹ رقم طراز ہیں :-

"نوجوان ترکوں اور آرمینی انقلابیوں کے درمیان بکھوٹے کی راہ میں سیاسی مشکلات

بہت کم تھیں۔ یہ مسئلہ ایسا نہ تھا۔ جیسا کہ مقدونیہ میں یونانیوں اور سلاویوں کا مسئلہ جن کی ہم قوم خود مختار حکومتیں سرحد پر موجود تھیں۔ جن کی مدد وہ حاصل کر سکتے تھے۔ اور جن سے حمایت اور اگر اتفاق نے مساعدت کی۔ تو الحاق کی امید بھی کر سکتے تھے۔ کیونکہ آرمینیا اب صرف ایک جغرافیائی اصطلاح ہے۔ اور قدیم آرمینیا ترکی۔ روس اور ایران کے درمیان تقسیم ہو چکا ہے۔ ترکی آرمینیا میں ارمینوں سے بہت زیادہ مسلمانوں کی تعداد ہے۔ اور ایک خود مختار آرمینی علاقے کا پیدا کرنا جیسا کہ انقلابیوں کی ایک جماعت کی خواہش تھی۔ ظاہر ہے۔ کہ ایک ناقابل عمل سکیم تھی۔ چنانچہ ارمینوں میں جو لوگ زیادہ سمجھ دار تھے۔ انھوں نے بخوبی جان لیا تھا۔ کہ ترکی حکومت کا واحد بدلہ روسی حکومت ہو سکتی ہے۔ اور سرحد پار ان کے بھائیوں کے تجربے نے ثابت کر دیا تھا۔ کہ ان دونوں میں ترکی حکومت قابل ترجیح ہے۔ کیونکہ اس کے ماتحت انھیں ایک حد تک نسلی خود مختاری اور مختلف رعایتیں حاصل تھیں۔ یہ سچ ہے۔ کہ عبدالحمید کے استبداد سے یہ رعایتیں بہت محدود ہو گئی تھیں۔ لیکن حکومت روس جو ہمیشہ اپنی ماتحت قوموں کو روسی بنانے پر تھی رہتی تھی۔ انھیں ہرگز یہ مراعات نہ دیتی۔

پیرس کی انقلابی کانگریس

اس کے بعد نوجوان ترکوں نے دوسری غیر مسلم انقلابیوں کو اپنا ہم نوا و معاون بنانے پر توجہ مبذول

کی۔ اور دسمبر ۱۹۰۶ء میں بمقام پیرس ایک انقلابی کانگریس منعقد ہوئی۔ جس میں انجمن ترقی۔ آرمینی۔ بلغاری۔ یہودی۔ عرب۔ البانی اور دوسری انجمنیں شامل ہوئیں۔ اور تمام نمائندوں نے بالاتفاق حسب ذیل امور پر منظوری کی فہرثت کی :-

(۱) سلطان عبدالحمید خان تخت سے اتار دئے جائیں۔

(۲) دولت عثمانیہ کی سلامتی کا تحفظ کیا جائے۔

(۳) قانون کی نظر میں تمام نسلوں اور مذہبوں کو کامل مساوات حاصل ہو۔

(۴) مدحت پاشا کے وضع کئے ہوئے دستور اساسی کی بنیاد پر دستوری حکومت کا قیام

عمل میں لایا جائے۔

ان حالات نے نوجوان ترکوں کو ان کی تحریک انقلاب کی نشر و اشاعت میں بڑی مدد دی۔ مقدونیہ میں "انجمن اتحاد و ترقی" نے اپنی خفیہ سوسائٹی کا بڑا دفتر سالونیکا میں قائم کیا۔ اور مقدونیہ اور البانیہ میں جگہ جگہ اس کی شاخیں کھول دی گئیں۔ مسٹر نائٹ تحریر کرتے ہیں:-

"سالونیکا کمیٹی" کے ارکان میں سے اکثر کے ساتھ میں نے ملاقات کی ہے۔ وہ سب اعلیٰ اور متوسط طبقے کے لوگ تھے۔ فوج کے نوجوان افسر تھے۔ جنہوں نے مدارس حربیہ میں تعلیم پائی تھی۔ اور بیرن فائڈر گولڈز کے اعلیٰ نظام کے تربیت یافتہ تھے۔ وہیں تھے۔ ڈاکٹر تھے۔ اور چند علما تھے۔ اونچے درجے کے افسروں اور محکمہ دیوانی کے اعلیٰ عہدہ داروں میں سے کوئی بھی اس کمیٹی کا ممبر نہ تھا۔ یہ تمام افراد جن میں سے بیشتر متوسط عمر سے کم کے اور خفیہ کمیٹی کے ممبر بنے تھے۔ اپنی شدید اور بے غرض وطن دوستی کے لئے ممتاز تھے۔ یہ ایسے لوگ تھے۔ کہ جس غیر ملکی شخص کو بھی ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ ان کا احترام اور تعریف و توصیف کرنے پر مجبور ہوا۔ یہ انقلاب نیچے سے یعنی ذلیل شہری مخلوق یا جاہل کسانوں سے شروع نہیں ہوا۔ بلکہ اوپر سے آیا۔ جو ترکی کا بہترین حصہ تھا۔"

آخر سالونیکا کمیٹی نے ماحول پر گہری نظر ڈالنے کے بعد اعلان انقلاب کا اعلان انقلاب کا حکم صادر کر دیا۔ جس کے مطابق ۵ جولائی ۱۹۰۸ء کو میجر نیازی بے نے دوسو اشخاص ہمراہ لے کر رسنایا کی پہاڑیوں پر سلطان عبدالحمید کے استبداد کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ اور آن کی آن میں ہر طرف انقلاب کی ہوا میں چلنے لگیں۔ اس پر سلطان نے اس تحریک کو فنا کر دینے پر کمر باندھ لی۔

سلطان کی امکافی سعی و جہد نقش بر آب ثابت ہوئی۔ لہذا اس نے "انجمن اتحاد و ترقی" کی انقلاب انگیز

اور خونیں سرگرمیوں سے مرعوب ہو کر مجلس وزارت کے ایک فوری اجلاس کے اس فیصلے پر کہ دستوری حکومت کا اعلان کر دیا جائے۔ مستوری کی مہر ثبت کر دی۔

۲۳۔ جولائی کو انجمن اتحاد و ترقی کے نام تازہ بھیجا گیا۔ کہ سلطان نے دستوری حکومت کا قیام منظور فرمایا۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی مملکت اسلامیہ کی فضا شادیانوں کی فردوس گوش آواز سے لبریز ہو گئی۔ اور بے نے اعلان کیا:-

” استبدادی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور آج سے ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ اب نہ

کوئی بلغاری ہے۔ نہ یونانی۔ نہ رومانی ہے۔ نہ یہودی۔ نہ ترک۔ اس نیل گوں آسمان

کے نیچے ہم سب برابر ہیں۔ اور صرف عثمانی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔“

دستوری حکومت کے اعلان سے ترکوں کو علی الخصوص مسرت و شادمانی حاصل ہوئی

کیونکہ سلطانی استبداد کی بجلیاں زیادہ تر انھیں پر گرتی تھیں۔ بکشن تحریر کرتا ہے:-

” بڑے سے بڑا ترک بھی جاسوسی کی زد سے محفوظ نہ تھا۔ اور چھوٹے سے چھوٹا

سخت گیری سے۔ تعلیم یافتہ طبقوں میں مشکل سے کوئی گھرا یا تھا۔ جہاں کسی فرد

خاندان کی مشتبہ موت کا ماتم یا اس کی ناگہانی جلا وطنی کی یاد تازہ نہ رہی ہو۔ اب

یہ تمام باتیں رخصت ہو گئیں۔ لوگ آزادی سے سانس لینے لگے۔ تیس برس کے

بعد پہلی بار وہ گھل کر باتیں کر سکتے تھے۔ پڑھ سکتے تھے۔ اپنے دوستوں سے ملاقاتیں

کر سکتے تھے۔ غیر ملکوں سے بل جمل سکتے تھے۔ اور ادھر ادھر سفر کر سکتے تھے۔

ایک نوجوان ترک نے مجھ سے بیان کیا۔ اب تک میں زندہ تھا ہی نہیں۔“

لیکن اس و فور شادمانی کے باوجود ترک اپنی فطری متانت کی حد سے ایک ایچ بچ

ادھر ادھر نہ ہوئے۔ مسٹر نائٹ عینی شہادت کی بنا پر لکھتے ہیں:-

” قسطنطنیہ نے اپنے انقلاب کا خیر مقدم غاقلانہ طریق پر کیا۔ تمام پرانی بندشیں ٹوٹ

چکی تھیں۔ لیکن آزادی نے مطلق العنانی کی صورت اختیار نہ کی تھی۔ اگرچہ اب

مطبوعات کا احتساب نہ تھا۔ پھر بھی ترکی اخبارات اپنے لب و لہجہ میں باوقار

اعتدال برت رہے تھے۔ دارالخلافہ میں ہجوم کا ہجوم سیاسی جلسوں میں شریک

ہوتا تھا۔ لیکن نہ کوئی نقص امن تھا۔ نہ پولیس یا فوج کی ضرورت تھی۔ بجز اس موقع

کے جب یونانیوں نے انتخابات کے دوران میں مظاہرے کئے۔ یہ لوگ اس وقت

تک خوش نہیں رہ سکتے۔ جب تک انہیں شور و غل مچانے کے لئے کوئی حقیقی یا خیالی شکایت حاصل نہ ہو۔“

یکم اگست ۱۹۰۸ء کو سلطان عبدالحمید خاں نے ایک فرمان جاری کیا۔
خط ہمایوں جس میں حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱) تمام عثمانی رعایا کو کسی نسلی امتیاز کے بغیر ذاتی آزادی حاصل ہوگی۔ اور حقوق اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے سب برابر ہوں گے۔

(۲) قانونی وجوہ کے بغیر نہ کسی شخص سے مواخذہ کیا جائے گا۔ نہ اسے گرفتار یا قید کیا جائے گا۔ اور نہ کسی طریق پر مزادی جائے گی۔

(۳) غیر معمولی عدالتیں بند کر دی جائیں گی۔ اور عدالت مجاز کے شعبے سے باہر کوئی شخص قانوناً طلب نہ کیا جائے گا۔

(۴) قانونی صورت کے سوا کسی شخص کے مکان میں داخل ہونے یا مکان کی نگرانی کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۵) حکومت کے چھوٹے یا بڑے عہدہ دار کسی شخص کو قتل کی سزا نہ دیں گے۔ سوا اس صورت کے جس کی تصریح قانون نے کر دی ہو۔

(۶) سلطان کی رعایا کا ہر فرد مجاز ہوگا۔ کہ جہاں چاہے رہے۔ اور جس سے چاہے ربط ضبط رکھے۔

(۷) اخبارات کے احتساب پر خط نسخ کھینچ دیا جائے گا۔ خطوط اور اخبارات راستے میں روکے نہ جائیں گے۔ اخبارات کے جرائم کی تحقیقات معمولی عدالتوں میں ہوگی۔

(۸) تعلیم کا کوئی معاوضہ نہ لیا جائے گا۔

(۹) حکومت کے حکام قانون کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور خلاف قانون احکام کی تعمیل پر مجبور نہ کئے جائیں گے۔

(۱۰) شیخ الاسلام۔ وزیر جنگ اور وزیر بحریات کے سوا تمام وزیروں کا انتخاب صدر اعظم کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور وہ ان کے نام سلطان کی خدمت میں منظوری

کے لئے پیش کرے گا۔ صدر اعظم ہی سفارت خانے کے حکام۔ والیوں اور کونسل آف سٹیٹ کے ارکان کا انتخاب کرے گا۔ اور اس ضمن میں وزیر داخلہ۔ وزیر خارجہ اور پریزیڈنٹ کونسل آف سٹیٹ کی منظوری لے گا۔ جہاں تک ان سے تعلق ہوگا۔
 دفعات ۱۱ و ۱۲ میں وہ ذرائع درج تھے جن کا تعلق صوبوں کے حکام سے تھا۔
 دفعات ۱۳ میزانیہ سے متعلق تھی۔ اور اس میں وعدہ کیا گیا تھا۔ کہ میزانیہ ہر سال کے آغاز میں شائع کر دیا جائے گا۔

(۱۴) وزارتوں اور ولایتوں کی نسبت راج قوانین پر نظر ثانی کرنے کے بعد موجودہ ضروریات کے لحاظ سے ان میں تبدیلی کرنے کے لئے تجویزیں مرتب کی جائیں گی۔ تاکہ جب عنقریب مجلس نابین کا اجلاس ہو۔ تو وہ اس کے سامنے پیش کی جائیں۔
 (۱۵) فوج کو ترقی دی جائے۔ اور اسلحہ میں اصلاحات جاری کی جائیں۔

انجمن کا سیاسی نظام عمل | ۲۳۔ دسمبر کو "انجمن اتحاد و ترقی" نے اپنا سیاسی نظام عمل نشر کیا جس کی پابندی انجمن کے ہونے

والے پارلیمانی ارکان پر عائد کی گئی۔ اس نظام عمل کی اہم دفعات یہ تھیں:-

(۱) وزارت کو مجلس نابین کا جواب دہ ہونا چاہئے۔

(۲) ترکی بدستور سلطنت کی سرکاری زبان رہے گی۔

(۳) تمام اقوام کو برابر کے حقوق حاصل ہوں گے۔

(۴) غیر مسلموں پر بھی فوجی خدمت کی ذمہ داری عائد ہوگی۔

(۵) فوجی خدمت کی میعاد گھٹادی جائے گی۔

(۶) زمینوں سے محروم کسانوں کو ان کے حصول میں امداد دی جائے گی۔ لیکن اس

طرح کہ موجودہ زمینداروں کو نقصان نہ پہنچے پائے۔

(۷) تعلیم جبری ہوگی۔ اور اس کا کوئی معاوضہ نہ لیا جائے گا۔

۱۰ دسمبر ۱۹۰۸ء کو سلطان عبدالحمید خاں نے پارلیمنٹ کا

افتتاح کیا۔ اور تقریر کے دوران میں تحفظ دستور کا

پارلیمنٹ کا افتتاح

عدہ کیا۔

انجمن اتحاد و ترقی نے جاسوسوں کی بھاری فوج کو جس پر بارہ لاکھ پونڈ سالانہ کی رقم صرف ہوتی تھی۔ یکبارگی

ٹوڑ دیا۔ جس سے ہزاروں اشخاص معاش سے محروم ہو کر انجمن کی مخالفت پر تل گئے۔

جدید وزارت نے قصر پلڈیز کے زیر اثر سیکڑوں بے ضرورت آدمیوں کو جواب سے دیا تھا۔ انہوں نے بھی مخالفت پر مکر باندھ لی۔

”جمعیت محمدیہ“ دستوری حکومت کی حمایت کے ساتھ ساتھ تمام معاملات میں محض

شریعت اسلامی کا نفاذ چاہتی تھی۔ یہ اس بنا پر انجمن کے خلاف تھی۔ کہ اس کے خیال

میں انجمن کے ارکان کتاب و سنت پر عامل نہ تھے۔

ایک زبردست جماعت ”لبرل یونین“ بھی انجمن کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھی

تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ ہر فرقہ حکومت خود اختیاری کے حقوق سے بہرہ یاب

کر دیا جائے۔

ایک گروہ اس وجہ سے علم بغاوت بلند کر رہا تھا۔ کہ اسے دستوری حکومت کے دوران

میں رشوت خواری کا موقع نہ مل سکتا تھا۔

مخالفت کا یہ طوفان رنگ لایا۔ ۱۳۔ اپریل ۱۹۰۹ء کو یکایک قسطنطنیہ کی فوج

میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اور وہ پارلیمنٹ ہاؤس پر قابض ہو گئی۔

انجمن کے بہت سے ممبر جو فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ فنا کے گھاٹ اتار دئے گئے

وزیر عدالت کا کام تمام کر دیا گیا۔ وزیر بحریات پر گولی چلائی گئی۔ لیکن وہ صرف مجروح

ہوا۔ اور جان بچ گئی۔ علاوہ بریں بہت سے نوجوان ترک قتل کر دئے گئے۔ باغیوں نے

اس شورش کو مذہب کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ خالدہ ادیب خانم رقم طراز ہیں۔

”یہ بڑی خونریز اور ناپاک شورش تھی۔ بہت سے نوجوان صرف اس لئے قتل کر

دئے گئے۔ کہ وہ کالرنگتے تھے۔ کالر مذہب کی شدید مخالفت سمجھا جاتا تھا۔“

بغاوت کی بیخ کنی | بغاوت کی اطلاع پاتے ہی افواج مقدونیہ کے سالار محمود شوکت

پاشا نے قسطنطنیہ کا رخ کیا۔ وہاں پارلیمنٹ کا اجلاس منعقد کیا گیا۔ اور محمود شوکت پاشا کی یہ تجویزیں بالاتفاق منظور کی گئیں۔ کہ فوجی قانون نافذ کر دیا جائے۔ باغی کیفر کردار کو پہنچائے جائیں۔ اور قسطنطنیہ کا فوجی دستہ توڑ دیا جائے۔ چنانچہ ۲۵۔ اپریل کو محمود شوکت پاشا فوج لے کر قسطنطنیہ پہنچے۔ اور پانچ گھنٹے کی خوں ریز لڑائی کے بعد باغیوں کا قلع قمع کیا گیا۔ سرخونوں کو عبرت ناک سزائیں دی گئیں۔ اور ان کے چالیس بڑے بڑے رہنما برسرِ عام پھانسی پر لٹکائے گئے۔

۲۴۔ اپریل ۱۹۰۹ء کو مجلس ملی کے اجلاس میں رائے عامہ کے مطابق سلطان کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ اگرچہ بظاہر اس نے باغیوں کو امداد نہیں دی۔ لیکن خفیہ طور پر اس بغاوت میں اس کا ہاتھ تھا۔ شیخ الاسلام نے استفتا کے جواب میں سلطان کی معزولی کا فتویٰ دیا۔ اس پر سلطان نے بے تامل تخت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور وہ سالونیکا بھیج کر نظر بند کر دیا گیا۔ جہاں ۱۹۱۸ء میں اس نے انتقال کیا۔ مجلس ملی نے اس کے بھائی شہزادہ محمد ارشاد کو محمد خامس کے نام سے تخت نشین کیا۔

جنگِ طرابلس

افریقہ کی ساحلی حکومتیں سلطنت عثمانیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود مختاری علم بلند کرتی چلی گئیں۔ اور دولِ مغرب ان پر گدھوں کی طرح جھپٹ پڑیں۔ چنانچہ انگلستان نے مصر کو دبوچ لیا۔ اور فرانس نے تونس اور الجزائر پر دست تصرف دراز کیا۔ اب رہ گئے طرابلس۔ اسے اٹلی نے بھاگتے چور کی لنگوٹی سمجھ کر ہتھیالیا۔ ۱۹۱۰ء کے خاتمے تک حکومت اٹلی ہی اعلان کرتی آئی تھی۔ کہ وہ دولت عثمانیہ کے حصے پر نظر ہوس نہیں ڈالے گی۔ لیکن اس اعلان کے تقریباً دس ہی ماہ بعد اس نے بکایکے بےوجہ دولتِ علیا کو دعوتِ جنگ دے دی۔ اور پچاس ہزار کالشکر جرار طرابلس پر چڑھائی کی۔

کے لئے بھیج دیا۔

سلطان عبدالحمید خاں نے بحری بیڑے کو مضبوط بنانے کی طرف قطعاً توجہ نہ کی تھی۔ طرابلس میں ترکوں کا فوجی دستہ صرف بیس ہزار نوجوانوں پر مشتمل تھا۔ بحری راستے سے فوجی امداد پہنچانا غیر ممکن تھا۔ کیونکہ سمندر پر اٹلی کا قبضہ تھا۔ بری راستے سے بھی کمک نہ پہنچ سکتی تھی۔ کیونکہ مصر برطانیہ کے اقتدار میں تھا۔ اور اس نے مصر کی غیر جانبداری کا اعلان کر کے اس کے راستے سے ترکی فوجوں کو طرابلس جانے سے منع کر دیا تھا۔ ایسے ناسازگار حالات کے باوجود نوجوان ترکوں نے حیرت انگیز بہادری سے کام لے کر دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ انور بے کسی نہ کسی طرح طرابلس پہنچ گئے۔ اور انھوں نے عظیم المثال شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے محیر العقول۔ نادر الوجود اور شہرہ آفاق کارنامے انجام دیئے۔ جن کی ایک جھلک ”الہلال“ کلکتہ کے الفاظ میں یہاں دکھائی جاتی ہے۔

”انور بے نے طرابلس میں قدم رکھنے کے بعد اطراف و جوانب کے قبائل میں دعوتِ جہاد شروع کر دی۔ اور چند دنوں کے بعد حندالہی کی عظیم الشان صفیں اس کے ہمین و یسار نیزے بلند کئے ہوئے چلی آرہی تھیں۔ وہی تن تہا فرد مقدس دشمن کے بیشمار لشکر کے سامنے حریفانہ و مساویانہ آکر کھڑا ہو گیا۔ اور پھر بوسے نوہینوں کے اندر ایک دن بھی شکست و ہزیمت اس کے دامنِ عزت پر دھبانا نہ لگا سکی۔ تمام اہل عرب جن کو عثمانی خلافت کا قدیمی مخالف سمجھا جاتا تھا۔ اوامرِ سلطانی کے آگے پوری اطاعت و فرماں برداری کے ساتھ جھک گئے۔ اور آج عثمانی فوج کے مفہوم میں بلا کسی اختلاف و شبہ کے عربی افواج داخل ہیں۔ عربی فوج کے مرتب کرنے میں جو مشکلیں اجتماع کے بعد پیش آئیں۔ وہ ابتدائی مشکلات سے کم نہ تھیں۔ سب سے پہلی مشکل مختلف قبائل کی عربی عصیت اور ان کی باہمی بغض و مخالفت تھی۔ جو نسلاً بعد نسل قدیم سے چلی آتی ہے۔ انور بے نے تمام قبیلوں کو مختلف۔ موثر اور دل میں اتر جانے والے طریقے سے بھھا کر (جو اس اعجاز آفریں سحر بیان کا وصف مخصوص ہے)

ان میں باہم رشتہ دازیاں قائم کرادیں۔ اور اس طرح اس دعوتِ جہاد کی بدولت صدیوں کی عداوت اور دشمنیاں عہدِ اخوت و مودت سے بدل گئیں۔

”دوسری شکل قبائل کی بے نظمی اور اصولِ جنگ سے ناواقفیت تھی۔ غازی انور نے بغیر اس کے کہ ایک لمحہ بھی فکر و تردد میں ضائع کرتے۔ فوراً تمام قبائل کو چند پلٹنوں میں تقسیم کر دیا۔ اور ہر پلٹن کی تعلیم کے لئے ایک افسر مقرر کر کے شب و روز قواعدِ کرانی شروع کرادی۔ خود عربوں نے جب معلوم کر لیا۔ کہ بغیر ان قواعد کے سیکھے ہم دشمن کے حملے کا جواب نہ دے سکیں گے۔ اور ان کی ابتدائی دست برد کا انتقام نہیں لیا جا سکے گا۔ تو خود ان کے اندر جوش و غیرت نے ایک ایسی خارق عادت ذہانت اور قوت اخذ و تحصیل پیدا کر دی۔ کہ ہیمنوں کی مشق ایک چوبیس گھنٹے کے اندر حاصل کرنے لگے۔“

”قبائل کی باہمی رقابت سے بھی اس موقع پر بڑی مدد ملی۔ انور بے نے اعلان کر دیا۔ کہ جو قبیلہ پہلے قواعدِ جنگ کے امتحان میں کامیاب ہوگا۔ اسے عزت و ناموری کے نشان کے طور پر ایک طلاکارِ اطلس کا علم دیا جائے گا۔ یہ سنتے ہی ہر قبیلہ مسابقت کی کوشش کرنے لگا۔ اور شب و روز پورا وقت فوجی نقل و حرکت اور قواعد کے سیکھنے اور مشق میں صرف ہونے لگا۔“

”اسی اثنا میں جب اطلالیوں کی جراثون نے ایک دو قدم آگے بڑھائے۔ اور ہم کے گولے بکثرت آنے لگے۔ تو قبیلہ حسا نے ایک دن ہجوم کر کے ہتھ کر دیا۔ اور سیکڑوں اطلالیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار کر بقیۃ السیف کو کوسوں دور بھگا دیا۔ انور بے نے اس کارنامے کی بڑی قدر کی۔ اور اس قبیلے کو اپنا وضع کردہ نشانِ عزت (اطلسی علم) عطا فرمایا۔“

دوسرے قبائل نے جب قبیلہ حسا کے خیموں پر اس طلاکارِ علم کو لہراتے دیکھا۔ تو انور بے کے پاس دوڑے ہوئے آئے۔ اور کہا۔ ہم کو بھی موقع دیا جائے۔ کہ اس علم کے لینے کا استحقاق ثابت کریں۔ رات کے وقت جب اٹالین کیمپ طرابلس پر قابض ہونے کی خوشی میں بکثرت شراب پی کر بدست پڑا تھا۔ یکا یک عرب

قبائل کے صحرائی نعروں کی گونج سے ایک زلزلہ عظیم محسوس ہوا۔ چند لمحوں کے اندر بے سحابا بھاگ گئے۔ اور پورا اٹالین کیمپ خالی ہو گیا۔ اطالویوں کے جین و نامردی نے اہل عرب کو ان کے اولین حملے ہی میں فتح و نصرت کی ایسی چاٹ لگا دی۔ کہ اب میدانِ قتال ان کے لئے بچوں کا کھیل بن کر رہ گیا۔ بغیر کسی نقصان کے انھوں نے کھیلتے کودتے ایک پوری اٹالین پلٹن برباد کر دی۔ اور بکثرت مالِ غنیمت ساتھ لئے ہوئے اور وطنی گیت گاتے ہوئے عثمانی کیمپ میں واپس آکر اپنی فتوحات ڈھیر کر دیں۔ اس مالِ غنیمت میں آٹھ سو سے زیادہ تو بندوقین تھیں۔ اور اور قسم کی اشیاء اس کے علاوہ۔ ان بندوقوں کی لوٹ سے انور بے بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ عمدہ اسلحہ کی کیمپ میں بہت کمی تھی۔ انور بے نے حکومت کے نام سے فوراً ان کا نیلام کر دیا۔ اور وہ دو دو عثمانی گنی پر فروخت کر دی گئیں۔ اس خدمت کے صلے میں ان کی آرزوئے دلی کے مطابق طلاکار اٹالیسی علم ان کو عطا کیا گیا۔

”اس کے بعد تو ہر قبیلہ اس علم کے لئے اٹھنے لگا۔ اور دشمن پر برقی ہلاکت بن کر گرنے لگا۔ ہر قبیلے کی کوشش ہوتی۔ کہ دوسروں سے زیادہ تعداد میں دشمنوں کو قتل کریں۔ اور سب سے زیادہ مالِ غنیمت انور بے کے سامنے انبار کر سکیں۔ تاکہ شجاعت و وطن پرستی کا اعلیٰ سے اعلیٰ نشان اور تمغہ صرف ہمیں کو حاصل ہو۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصے کے اندر عثمانی کیمپ میں پندرہ ہزار سے زیادہ قیدی اور جدید ایجاد کی بندوقین جمع ہو گئیں۔“

اطالوی یہ رنگ دیکھ کر چوکر پی بھول گئے۔ اور اندھا دھند صلح نامہ لوزان

انسان سے درندے بن کر ترکوں پر وحشیانہ مظالم توڑنے لگے۔ یہ تیر بھی نشانے پر نہ بیٹھا۔ تو بحری جنگ پر اتر آئے۔ اور مئی ۱۹۱۲ء میں رودس اور بحیرہ ایجین کے بعض دوسرے جزیروں پر قابض ہو گئے۔ ان کا خیال تھا۔ کہ اب ترک صلح پر رضامند ہو جائیں گے۔ لیکن ترکوں نے صلح کرنے سے صاف جواب دے دیا۔

اس دوران میں البانیہ کے اندر بغاوت کی سرخ آندھیاں چلتے لگیں۔ اور بلقان کی فضا ایک متحدہ اور ہولناک جنگ کی سائیں سائیں سے گونجنے لگی۔ اس صورت حالات سے مجبور ہو کر باب عالی نے صلح کا دامن تھاما۔ اور ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو صلح نامہ لوزان پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔ جس کے رو سے طرابلس اٹلی کے دست تصرف میں آ گیا اور اٹلی نے عہد کیا۔ کہ وہ بحیرہ اربعین کے مفتوحہ جزائر باب عالی کو واپس کر دے گا۔ لیکن یہ عہد عہد محبوب کی طرح کبھی ایسا سے شناسا نہ ہوا۔

جنگ بلقان

دستوری حکومت کے رو سے سلطنت کی تمام قوموں کو مساوی حقوق سے بہراہ کیا گیا تھا۔ اور عیسائی رعایا نے انتہائی مسرت و گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ لیکن جلد ہی ان کے منافقانہ جوش پذیرائی کی قلعی کھل گئی۔ کیونکہ حقوق حاصل کرنے کے لئے تو وہ پیش پیش نظر آئے۔ لیکن جب ان فرائض کے انجام دینے کا وقت آیا۔ جن کا دامن حقوق کے دامن سے وابستہ تھا۔ تو وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ چنانچہ جب نئی حکومت نے عیسائیوں پر بھی فوجی خدمت کی پابندی لگائی۔ جو پہلے نہ تھی۔ تو وہ اسے جو رو ظلم قرار دے کر دہائی دیتے ہوئے عیسائی طاقتوں کے طالب ہوئے۔

اب ایک طرف تو بلقانی ریاستیں متحد ہو کر سلطنت عثمانیہ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں۔ دوسرے خود ترکی کی اندرونی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ترکوں کو شکست ہوئی۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لارڈ ایورسے رقم طراز ہے :-

”عثمانی فوجوں کی بد نظمی اور ابتری کے خاص اسباب کے علاوہ ایک سبب یہ بھی تھا۔ کہ سامان رسد کا انتظام بالکل نہ تھا۔ تین تین چار چار

دن تک فوجوں کا بغیر غذا کے رہ جانا کوئی استثنائی واقعہ نہ تھا۔ بلکہ بالعموم ایسا ہی ہوتا تھا۔
 ”دوسرا سبب یہ تھا۔ کہ یورپ کی اس جنگ میں عثمانی فوجوں میں بڑی تعداد دیہاتی
 عیسائیوں کی تھی۔ جو پہلی دفعہ جبری طور پر بھرتی کئے گئے تھے۔ ان کی ہمدردی کلیتہً
 دشمن کے ساتھ تھی۔ اور اس میں شبہ نہیں۔ کہ ترکی صفوں کے ٹوٹنے کے وقت
 فوج کی پراگندگی اور فرار زیادہ تر انھیں کے بھاگنے کی وجہ سے ہوتا تھا۔ جو لوگ
 باقی رہ جاتے تھے۔ وہ اپنے گھروں کو بھاگ جاتے تھے۔“

خالدہ ادیب خانم تحریر کرتی ہیں:-

”بدلتھی کے اعتبار سے جنگ بلقان سے بڑھ کر کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ حفظانِ صحت
 کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اور خطوطِ مدافعت کے پیچھے انتظامات کی اہتری نہایت افسوسناک
 تھی۔ بھیتیں گاڑیوں میں بھوکی مر رہی تھیں۔ اور آٹا گوداموں میں سڑ رہا تھا۔ لیکن
 نصف میل سے کم ہی فاصلے پر لوگ فاتے سے جان دے رہے تھے۔ جب ترک
 پناہ گیر قتل عام سے بھاگ کر سراسر قسطنطنیہ پہنچے۔ جب باہر سے آنے والوں اور
 فوج میں ہیضہ پھیلا۔ جب آبادی کی آبادی مسجدوں کے صحن میں سردی کی شدت سے
 دم توڑتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ تو قسطنطنیہ کی مصیبت کا منظر اتنا ہولناک
 تھا۔ کہ خیالی معلوم ہوتا تھا۔“

حالات کی نیرنگی | ۳۔ دسمبر ۱۹۱۲ء کو ترکی - سرودیر اور بلغاریہ کے درمیان ایک عارضی
 صلح ہو گئی۔ لیکن یونان اور مونٹی نگرو سے لڑائی جاری رہی صورت

حال یہ تھی۔ کہ مقدونیہ تقریباً سارا تھریس اور اپاترس کے علاقے ترکوں کے ہاتھ سے
 نکل چکے تھے۔ قسطنطنیہ کے علاوہ یورپ میں صرف ادرنہ - مسقوٹری اور یانینا ان کے
 پاس رہ گئے تھے۔ لیکن ان تینوں کا بھی دشمن نے محاصرہ کر رکھا تھا۔

۱۷۔ جنوری ۱۹۱۳ء کو لندن کی صلح کانفرنس کے روسے صدر اعظم کا مل پاشا دول
 عظمیٰ کے نوٹ کے مطابق اس فیصلے کو تسلیم کرنے پر آمادہ تھا۔ کہ ادرنہ ریاست ہائے بلقان
 کے سپرد کیا جائے۔ اور جزائر ایجین کا معاملہ دول عظمیٰ کے فیصلے پر چھوڑ دیا جائے۔ گویا

ترکی اپنے محض قتل پر خود اپنے خون سے مہر لگادے۔ کہ بمصداق (ع)

مردے از غیب بروں آید و کارے نہ کند۔ یکایک انور بے آ موجود ہوئے۔ اور انہوں نے مجلس وزراء کی یادداشت کو جو دولِ عظمیٰ کے پاس بھیجی جانے والی تھی۔ پرزے پرزے کر کے موجودہ وزارت کا تختہ الٹ دیا۔ اور اس کے بعد قائم ہونے والی وزارت نے حوالگی اور نے قطعاً انکار کر دیا۔ جن کے ساتھ ہی صلح کانفرنس بھی ٹوٹ گئی۔ اور جنگ نئے سرے سے شروع ہو گئی۔ ۲۶۔ مارچ کو بلغاریہ نے ادرنہ پر قبضہ کر لیا۔

اس دوران میں بلقان کے اتحادی خود برسرِ پیکار ہو گئے۔ اور یونان۔ سربوہ اور رومانیہ نے بلغاریہ کے خلاف جنگ چھیڑ دی جس میں بلغاریہ کو شکست ہوئی۔

بلغاریہ کی اس بد حالی سے ترکوں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ ۱۵۔ مارچ ۱۹۱۳ء کو انور پاشا تھریس میں داخل ہوئے۔ ۲۰ جولائی کو ادرنہ پر فتح کا پرچم لہرایا۔ اور ڈیویوٹیکا اور قرق کلیہ بھی دوبارہ زیر نگیں کر لئے۔

۱۔ اگست ۱۹۱۳ء کو ریاست ہائے بلقان کے نمائندوں نے صلح نامہ سجارسٹ پر کر دئے۔

۲۹۔ ستمبر کو باب عالی اور بلغاریہ کے درمیان بھی معاہدہ صلح قرار پایا۔ اب یورپ باب عالی کے پاس صرف ادرنہ۔ ڈیویوٹیکا اور قرق کلیہ باقی رہ گئے تھے۔ باقی سارا اعلیٰ ریاست ہائے بلقان میں تقسیم ہو گیا تھا۔

خالدہ ادیب خانم نے جنگ بلقان کے نتائج اور اثرات پر یوں روشنی ڈالی ہے ”(۱) ترکوں کی شکست سے مغربی حکومتوں کے خیالات میں بہت بڑا تغیر واقع ہوا۔ (۲) روس ترکوں کے ہارنے سے خوش ہوا۔ لیکن ان کا اس بڑی طرح ہارنا اس کی مصلحتوں کے خلاف تھا۔ جنگ بلقان کے آغاز کے وقت اسوولسکی نے لکھا تھا۔

”ترکوں کی کامل شکست سے اتحاد میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔“ وہ ترکی سلطنت کا خاتمہ بلقان کے ہاتھ سے نہیں۔ بلکہ مغربی حکومتوں کے ہاتھ سے چاہتا تھا۔

(ب) بلغاریہ والوں کی قابلیت اور سن چلے پن سے بھی روس کو اندیشہ پیدا

ہو گیا۔ اس کی اور فرانس کی نظر عنایت اب سرویہ کی طرف زیادہ ہو گئی۔ اور وہی آسٹریا کی سلطنت کا وارث قرار دیا گیا۔ بلغاریہ کی طرف سے شبہ تھا۔ کہ وہ آسٹریا سے ساز باز رکھتا ہے۔ ”(جم) فرانس اور انگلستان کو ترکی کی تباہی کا یقین ہو گیا۔ اس کی اہمیت ان کی نظر میں فوجی قوت کی وجہ سے تھی۔ اب انھیں اس سے مدد ملنے کی امید نہ رہی۔ اور انھوں نے یہ خیال چھوڑ دیا۔ کہ اس سے بین الاقوامی ریاست کے کھیل میں مہرے کا کام لیں۔

”۲) ترکوں پر اس شکست کے جو اثرات ہوئے وہ اس سے بھی زیادہ گہرے تھے۔

”۱) شکست کی بڑی وجوہ یہ تھیں۔ کامل پاشا کا ضعف جو بڑھاپے میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی خود بینی۔ اس کا مغرب کی حکومتوں پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کرنا۔ جس کی وجہ سے اس نے اپنی آزمودہ کار فوج کو منتشر کر دیا۔ پرانی طرز کے افسروں کی عام نااہلی اور بے تدبیری۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یہ پرانے لوگ سپاہی اور مدبر دونوں کی حیثیت سے بے وقعت ہو گئے۔

”۲) شکست کی مصیبت تو تھی ہی۔ اس پر طرہ یہ ہوا۔ کہ بلقانیوں نے مسلمانوں کی آبادی کو جو جنگ میں شریک نہ تھی۔ اور جس میں زیادہ تر عورتیں۔ بچے اور بوڑھے تھے۔ قتل کرنا شروع کیا۔ اور یہ لوگ بھاگ بھاگ کر ترکی میں پناہ لینے لگے۔ ایران جنگ کو قتل کرنا۔ انھیں قانون مارنا۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنا۔ عام باشندوں کو اذیت پہنچانا۔ اور ان کا خون بہانا۔ ان سب چیزوں کی ابتدا زمانہ حال کی لڑائی میں بلقانیوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں کی۔

”۳) مغرب ان ہولناک مظالم کو چپ چاپ دیکھتا رہا۔ لیکن جب بلقان کی ریاستوں نے ایک دوسری کی عیسائی رعایا کے ساتھ بھی یہی حرکتیں شروع کیں۔ تو مغرب سے مخالفت کی آواز اٹھی۔ دوسری جنگ بلقان کے بعد کارینگی نے ایک بین الاقوامی کمیشن تحقیقات کے لئے بھیجا۔

”جب ترکی عورتوں نے استنبول کے یونیورسٹی ہال میں جمع ہو کر یوزپ کی بادشاہ بیگموں سے اپیل کی تھی۔ کہ انسانی ہمدردی کی خاطر بلقان کی مسلم آبادی کی حمایت کریں تو جواب تک نہ ملا تھا۔ ترکوں نے دیکھا۔ کہ مسلمانوں کی فریاد سے یہ بے اعتنائی اور عیسائیوں کو اسی حال میں دیکھ کر یہ جوش و خروش۔ تو ان پر بہت بڑا اثر ہوا۔ مقدونیہ سے ہزاروں مسلمان بھاگ کر اناطولیہ میں آئے اور اپنی مظلومی کی داستان سناتے تھے۔ اس کی وجہ سے اناطولیہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے تعلقات جو اب تک بہت اچھے تھے۔ بہت خراب ہو گئے۔“

” (۵) ہونا تو یہ چاہئے تھا۔ کہ اس مصیبت میں سلطنت کی مسلمان رعایا کے درمیان باہمی ہمدردی اور محبت بڑھ جاتی۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ دوسرے ملکوں کے مسلمان بھائیوں کے ہم بے حد احسان مند ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہر طریق سے مدد دی۔ اور ہمدردی کا اظہار کیا۔ لیکن سلطنت کے اندر مسلمانوں میں تفریق کا رجحان اور بھی قوی ہو گیا۔“

جنگِ عظیم

ترک سالہا سال تک خونریز معرکہ آرائیوں میں مشغول رہنے کے باعث اب تھک کر چور ہو گئے تھے۔ اور امن و امان کی تلاش میں اپنی تمام قوتیں صرف کر رہے تھے یہاں تک کہ اپنے سب سے بڑے اور سب سے پڑانے دشمن روس سے بھی پیمانہ باندھنے کی کوشش کی۔ اسی طرح فرانس۔ انگلستان اور یونان کی طرف بھی دست بڑھانے کی سعی کی۔ لیکن تدبیر کند بندہ۔ تقدیر زند خندہ۔ نوجوان ترکوں کی یہ تمام مساعی مصالحت اور قیام امن کی آرزوئیں کامیاب اور شرمندہ تکمیل نہ ہو سکیں۔ اگست ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم چھڑ جانے پر انھیں حسب ذیل وجوہ سے مجبوراً اس میں شریک ہونا پڑا۔

(۱) سلطنت عثمانیہ ان پابندیوں کے طوق و سلاسل سے آزاد ہونا چاہتی تھی۔ جو یورپی طاقتوں نے مراعات خصوصی کے پردے میں اس پر عائد کر رکھی تھیں۔ دولت علیا کے طول و عرض میں یورپی قوموں کی اپنی عدالتیں قائم تھیں۔ انہیں حد سے زیادہ تجارتی آزادی حاصل تھی۔ جگہ جگہ ان کے اپنے ڈاک خانوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ان رعایتوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر یہ لوگ عیسائی رعایا میں باغیانہ خیالات پھیلاتے تھے۔ آغاز جنگ کے بعد جب انگلستان اور فرانس نے ترکی سے غیر جانب دار رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ تو اس نے اس کے معاوضے میں اتحادیوں سے مراعات پر خط نسخ کھینچ دینے کا مطالبہ کیا۔ لیکن اتحادیوں نے اسے منظور نہ کیا۔ اعتدال پسند ترک اتحادیوں کا ساتھ دینا چاہتے تھے۔ لیکن اتحادی انہیں اپنے ساتھ ملانے کے قطعاً روادار نہ تھے جس کا ایک سبب بقول خالدہ ادیب خانم یہ بھی تھا۔ کہ۔

”روس نے جو اتحادیوں میں شریک غالب کی حیثیت رکھتا تھا۔ جنگ چھیڑی ہی اس غرض سے تھی۔ کہ ترکی کے حصے بخرے کر لئے جائیں۔“

(۲) روس مدت سے اس امر کے لئے دندان آذیتز کے بیٹھا تھا۔ کہ جو وہی موقع ملے۔ قسطنطنیہ کو منہ کا نوالہ بنالے۔ لہذا ترکی کے لئے روس کی مخالف طاقت کا ساتھ دینا ضروری تھا۔

(۳) اتحادیوں نے ہمیشہ دولت عثمانیہ کی عیسائی رعایا کے لئے سربکف کوشش کی۔ کہ مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی سیاسی اور اقتصادی برتری قائم و استوار کر دیں۔ اس وجہ سے بھی ترکوں کو ان کے مخالف فریق کا ساتھ دینا پڑا۔

(۴) ترکوں کا ایک بااقتدار فریق جرمنی کا ساتھ دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ جرمنی روس کا دشمن اور روس باب عالی کا دیرینہ مخالف تھا۔ خود انور پاشا جرمنی سے اتحاد کرنے میں پیش پیش تھے۔ اور انہیں کی سرگرم کوششوں سے ۲۔ اگست ۱۹۱۴ء کو قسطنطنیہ میں جرمنی اور باب عالی کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ ہوا تھا۔ اس کے رو سے ترکوں نے انگلستان اور فرانس کے متعلق غیر جانب دار رہنے کا اظہار کیا تھا۔ اور وہ صرف روس کے مقابلے

میں جرمنی کی حمایت کے طلب گار تھے۔ معاہدے کی دوسری دفعہ یہ تھی۔ کہ روس کی طرف سے مداخلت ہونے کی صورت میں جرمنی کو آسٹریا ہنگری کی حمایت کرنی پڑی۔ تو ترکی بھی جرمنی کے دوش بدوش چلے گا۔ چنانچہ جب جرمنی نے روس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ تو ترکی کو جرمنی کی حمایت کرنی پڑی۔

(۵) ترکی ابھی تک انگلستان اور فرانس کے باب میں حسب وعدہ پوری طرح غیر جانبدار رہا تھا۔ لیکن برطانیہ نے خود اس میں زخنہ اندازی کی۔ انگلستان میں ترکی کے دو جنگی جہاز تعمیر ہو رہے تھے۔ جو آغاز جنگ سے پہلے مکمل بھی ہو چکے تھے۔ اور ترک افسرانہیں لینے کے لئے وہاں بھیج گئے تھے۔ مگر جونہی جرمنی نے اعلان جنگ کیا۔ برطانیہ نے انہیں ضبط کر لیا۔ حالانکہ ان کی رقم ادا ہو چکی تھی۔ اور اس وقت تک ترکی و برطانیہ کے درمیان لڑائی شروع نہ ہوئی تھی۔ یہ صورت حال بھی ترکوں کے لئے آتشیں و خونیں سمندر میں کودنے اور جرمنی کی حمایت کرنے کا موجب بنی۔

ترکی کے شریک جنگ ہونے کے باعث اتحادیوں کو سخت مشکلات اور دروانیال | تشویش سے دوچار ہونا پڑا۔ ترکی نے آبنائے باسفورس اور دروانیال کو حریف کے جہازوں کے لئے بند کر دیا۔ اس پر ۱۹ فروری ۱۹۱۵ء کو برطانیہ اور فرانس کے جنگی جہازوں نے دروانیال پر گولے برسائے شروع کر دیے۔ لیکن منہ کی کھائی۔ ۵ سے ۷ مارچ تک پھر یورش کی۔ مگر اب کے بھی ناکامی ہوئی۔ بلکہ اتحادیوں کے تقریباً چھاس ہزار سپاہی مارے گئے۔ اور بہت سے جنگی جہاز غرق ہوئے۔

بحری حملے میں بڑی طرح شکست کھانے کے بعد اب اتحادیوں نے بڑی حملہ گیلی پولی | کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور قرار پایا۔ کہ جزیرہ نمائے گیلی پولی کے مغربی اور جنوبی ساحلوں پر فوجیں جمع کر کے عقب سے دروانیال پر چڑھائی کی جائے۔ چنانچہ نہایت شاندار تیاریوں سے اس تجویز کو لباس عمل پہنایا گیا۔ لیکن انہیں اپنے چالیس ہزار آدمیوں کی جان گنوانے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ایشیائی ساحل پر اتنے والی فوج کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی اب ان کی قوتوں اور امیدوں کا مرکز گیلی پولی کا مغربی ساحل ہی رہ گیا تھا۔

اتحادیوں نے چار زبردست حملے کئے۔ آخر ان کی فوجیں آری برون کے مقام پر اتریں جو چنناق بیر کے دامن میں واقع ہے۔ یہ پہاڑی دریا نیال کی کنجی بھی۔ اور دریا نیال کی تسخیر گویا قسطنطنیہ کی تسخیر تھی۔ اتحادیوں نے نہایت زبردست تیاریوں کے بعد ۶۔ اگست کو انتہائی شدت سے حملہ کیا۔ اور وہ فتح حاصل کیا ہی چاہتے تھے۔ کہ ترکی اور جرمن جہازوں نے اتحادیوں کے مشہور جنگی جہاز "الزبتھ" اور دوسرے بہت سے جہازوں کو غرق کر دیا۔ اتحادی جہاز پھر گولہ باری پر اتر آئے۔ اور آری برون کی چوٹی پر قابض ہونے کے لئے تمام قوتیں صرف کرنے لگے۔ یہ ترکوں کے لئے نہایت نازک وقت تھا۔ ترکی فوجوں کے سالار اعظم جرمن جرنیل سائڈرس نے اس محاذ کی کمان مصطفیٰ کمال کے ہاتھ میں دے دی۔ بہت دنوں تک آتش و خون کا سمندر موج زن رہا۔ آخر اتحادی فوجوں کے دھوئیں اڑا دئے گئے اور وہ اتنی زبردست شکست کھانے کے بعد کہ اس سے پہلے کبھی انھیں سابقہ نہ پڑا تھا۔ ہزاروں لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس عظیم الشان معرکے کے سر کرنے میں مصطفیٰ کمال نے ایسا عظیم النظر زریں کارنامہ انجام دیا۔ کہ ساری دنیا پر ان کی غیر معمولی فوجی قابلیت اور فوق الفطرت شجاعت کی دھاک بیٹھ گئی۔

جنوری ۱۹۱۶ء کے پہلے ہفتے تک اتحادیوں کی فوجیں واپس چلی گئیں۔ ان کے ہلاک و مجروح سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ بارہ ہزار تھی۔ ترکوں نے بھی بہت زیادہ نقصان اٹھایا۔ لیکن دنیا کو معلوم ہو گیا۔ کہ یورپ کا "مرد بیمار" یعنی ترکی نہایت کمزوری کی حالت میں بھی اپنے اندر کس قدر مجیر العقول طاقت رکھتا ہے۔

اس کے بعد ایشیائے کوچک اور عراق میں ترکوں کو فتوحات حاصل نہ ہو سکیں۔ عرب میں انگریزوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت کرادی۔ مصر میں ترک قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

مارچ ۱۹۱۶ء میں روس بالشویک انقلاب کی جولان گاہ بن گیا۔ ۱۶۔ اپریل کو امریکہ نے اتحادیوں کی حمایت میں شریک جنگ ہونے کا اعلان کیا۔ روسی انقلاب سے ترکوں کو معتدبہ فائدہ پہنچا۔ اور انھوں نے روس سے اپنے تمام علاقے واپس لے لئے۔

شام اور فلسطین میں ترکوں کو بھاری شکست ہوئی۔ اور اکتوبر ۱۹۱۸ء کے آخر تک حجاز شام۔ لبنان اور عراق عرب کے تمام علاقے ترکوں کے قبضے سے نکل کر اتحادیوں کے زیر نگیں ہو گئے۔

صلح نامہ مدروس جنگ کے شروع میں ترکی نے دس لاکھ سے زیادہ فوج میدان جنگ میں روانہ کی تھی۔ جس میں سے چار لاکھ ستائیس ہزار جوان مقتول اور چار لاکھ مجروح ہوئے۔ ایک لاکھ تیرہ ہزار اسیر یا بے نشان ہو گئے۔ مال کا نقصان بے اندازہ ہوا۔ ترکی کے حلیف بلغاریہ نے اتحادیوں سے غیر مشروط اظہار اطاعت کر دیا تھا۔ جرمنی بھی جنگ سے دست کش ہو رہا تھا۔ ان حالات میں ترکی کے لئے اتحادیوں سے صلح کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ ۳۰ اکتوبر کو مدروس میں اتحادیوں اور ترکوں کے درمیان ایک معاہدہ صلح قرار پایا۔

اس دوران میں انور پاشا۔ جمال پاشا۔ طلعت پاشا اور "انجمن اتحاد و ترقی" کے بہت سے ارکان نے دیکھا۔ کہ اب ملک کا تحفظ غیر ممکن ہے۔ اور وہ اتحادیوں کی شرائط پر بھی رضامند نہیں ہو سکتے۔ تو اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہہ گئے۔ اور حکومت کی زمام تظاہر نا اہل لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ گئے۔

اتحادی بھڑیلوں کی درندگی ترکی کے فوجی زور کی شکست و ریخت اور عام بد نظمی سے فائدہ اٹھا کر اتحادی ان خفیہ معاہدوں کی تکمیل

پر تکل گئے۔ جو دوران جنگ میں کئے گئے تھے۔ اور معاہدہ قسطنطنیہ۔ معاہدہ لندن اور معاہدہ سائیکس پیکو کی شرائط کے مطابق ترکی کے مقبوضات کو دھڑی دھڑی کر کے لوٹ لیا۔

سمرنا پر یونانی تصرف پیرس کی صلح کانفرنس منعقدہ ۱۸۔ جنوری ۱۹۱۹ء میں دینزیلوس وزیر اعظم یونان نے اس مضمون کے سیکرٹوریٹ

جعلی تاریخ پیش کئے۔ کہ ترکوں نے سمرنا کے علاقے میں قتل عام کا طوفان برپا کر رکھا۔ اور اس کے ماتحتوں نے غلط نقشے پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کہ سمرنا

شہر اور علاقے میں یونانیوں کی تعداد ترکوں سے بہت زیادہ ہے۔ اتحادیوں نے وینزیکس کے بیان پر یقین کر کے یونانیوں کو سمرنا پر قابض ہونے کا حکم دے دیا۔ مسٹر ٹو ایسٹی ریمپٹران ہیں۔

” اتحادیوں کے اس فیصلے کے حقیقی مقصد دو تھے۔ (۱) یونان کو موقع دیا جائے کہ ایشیائے کوچک میں اپنی قدیم سلطنت کو دوبارہ قائم کرنے کی حسرت پوری کرے۔ (۲) اطالوی ناچار طور پر اس علاقے کو نہ ہتھیالیں جس سے بین الاقوامی سچی گیوں میں اضافہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔“

لیکن سبب یہ ظاہر کیا گیا۔ کہ اس علاقے میں ترک بدامنی پھیلا رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے یونانی باشندوں اور دوسری اقلیتوں کو شدید خطرے کا سامنا ہے۔ مگر اس ضمن میں اتحادیوں کے تحقیقاتی کمیشن کی حسب ذیل رپورٹ سے اس بیان کی صداقت کا تار و پود بکھر کر رہ جاتا ہے۔

” تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے۔ کہ عارضی صلح کے بعد سے ولایت ایدین کے عیسائیوں کی حالت قابل اطمینان رہی ہے۔ اور ان کی سلامتی خطرے میں نہ تھی۔ اگر سمرنا پر قبضے کا حکم صلح کا نفرنس نے غلط اطلاع کی بنا پر دیا۔ تو اس کی ذمہ داری سب سے پہلے ان اشخاص یا حکومتوں پر عائد ہوتی ہے۔ جنہوں نے بے پروائی سے ایسی اطلاع بہم پہنچائی۔ لہذا یہ ظاہر ہے۔ کہ اس قبضے کے لئے مطلق کوئی وجہ جواز نہ تھی۔ اور اس سے عارضی صلح کی ان شرائط کی خلاف ورزی ہوئی۔ جو دول متحدہ اور ترکی کے درمیان طے ہوئی تھیں۔“

بہر کیف ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو یونانی فوجوں نے سمرنا پہنچ کر شہر اور گرد و نواح کے تمام اہم مقامات

سمرنا میں ترکوں کا قتل عام

پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ آرم اسٹریٹنگ تحریر کرتا ہے۔

” انہوں نے ساحل پر اترنے کے بعد فوراً ہی قتل عام شروع کر دیا۔ بندرگاہ کے قریب جو برطانی جنگی جہاز لنگر انداز تھا۔ اس کے افسروں اور آدمیوں کو حکم تھا کہ

بالکل خاموش رہیں۔ حالانکہ چند ہی گز کے فاصلے پر یونانی فوجیں قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے تھیں۔ سمرنا کے بعد یونانی آگے بڑھے۔ مکانوں میں آگ لگاتے۔ لوٹ مار کرتے۔ اور عورتوں کی آبروریزی کرتے ہوئے جیسا کہ بلقان کی قومیں جنگ کی حالت میں کرتی ہیں۔

لوٹاٹھی لکھتا ہے۔

” ۱۵۔ مئی ۱۹۱۹ء کو مغربی اناطولیہ پر ایک بلائے ناگہانی نازل ہو گئی۔ جیسے کوہِ آتش نشاں پھٹتا ہے۔ اور لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ کہ یہ کیا ہو گیا۔ جنگِ یورپ کے خاتمے کے چھ ماہ بعد ایک دن دفعۃً سمرنا کی گلیوں میں شہر کے لوگوں اور بہتے سپاہیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ محلے کے محلے اور گاؤں کے گاؤں لوٹ لے گئے۔ عقبی خطے کی زرخیز وادیوں میں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اور خون کی ندیاں بہ گئیں۔ ایک فوجی دیوار گھڑی ہو گئی۔ جس نے قسطنطنیہ اور سمرنا کی بندرگاہوں کو اندرون ملک سے جدا کر کے تجارت کو تباہ کر دیا۔ لڑائی کے دوران میں مکان۔ پل اور سرنگیں مسمار کر دی گئیں۔ ملک کے باشندے تلوار کے گھاٹ اتار دئے گئے۔ اور چونچ رہے۔ وہ یا تو زبردستی فوج میں بھرتی کر لئے گئے۔ یا جلاوطن کر دئے گئے۔ بغرض قتل و غارت کا یہ سیلاب سمرنا سے شروع ہوا۔ اور دور دور تک پھیلتا چلا گیا۔“

قومی تحریک | ترکوں پر ہمت گسل اور حوصلہ شکن مصائب و حوادث کے جو پہاڑ ٹوٹے تھے۔ ان سے ان کی اجتماعی قوت میں تو ضعف آ گیا تھا۔ لیکن خودداری اور قومیت کی روح اسی طرح زندہ تھی۔ چنانچہ یونانی درندوں کے وحشیانہ مظالم کے بعد ترکوں کے متعدد عہدہ دار تھریس پہنچے۔ اور چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بنا کر رزم آرائی کرنے لگے۔ یونانیوں کا لشکر اسی ہزار سے زیادہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ سمرنا پر یونانی قبضے کی خبر جنگ کی آگ کی طرح ترکی کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ جگہ جگہ احتجاجی جلسے منعقد ہونے لگے۔ اور یکایک مملکت کے گوشے گوشے میں قومی تحریک کی روموج برق کی طرح دوڑ گئی۔ لاریب اس تحریک کی روح و رواں غازی مصطفیٰ کمال پاشا تھے۔ لیکن یونانی بھیڑیوں

کی چنگیزی خونریزیوں کا قیامت خیز طوفان سمرنا سے اٹھ کر سلطنت کے اطراف و اکناف میں بجلی کی تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ اس نے ہر ترک مرد و عورت اور بچے کے دل میں تحفظ وطن کا سچا جوش پیدا کر دیا تھا۔ اور جانناز ترکوں کی جماعت اس طوفان کو پیچھے ہٹانے کے لئے بنیان مرصوص بن کر کھڑی ہو گئی تھی۔

یہی قومی تحریک جمہوریہ ترکیہ کے ایوان فلک بوس کا سنگ بنیاد تصور کی جاتی ہے۔ کہنے کو تو سلطنت ۱۹۲۳ء تک وجود پذیر رہی۔ لیکن حق یہ ہے کہ ۱۹۱۸ء میں اتحادیوں کی خون آشام چھری اس کی شرگ حیات کاٹ چکی تھی مملکت ترکی نے تو دم توڑ دیا تھا۔ لیکن ترک قوم کی رگ رگ میں زندگی کا گرم و صالح خون دوڑ رہا تھا۔ جس کا روشن اور ناقابل تردید ثبوت آئندہ صفحات میں پیش کیا جائیگا۔

۵۲

انجمن احمدیہ
ملتان اردو
۱۲۴
۲۲ جون ۱۹۴۴ء

ایسواں باب

احرار ترک

ترکوں اور یونانیوں میں جنگ | اب ترکان احرار کے بچے بچے کی رگ حمیت پھٹک اٹھی۔ اور جون ۱۹۲۰ء میں وہ

یونانیوں کے مقابلے پر صرف آ رہے تھے۔ یونانیوں کے اسی ہزار سپاہی جدید آلات حرب سے پوری طرح نیس تھے۔ اور ترکوں کو جدید محاذ کا کافی تجربہ نہ تھا۔ اس کے ترک ناکام رہے۔ یونانیوں نے مدانیہ۔ بروصد اور اسجد پر قبضہ کر لیا۔ اور وہ اناطولیہ کی فتح کا خواب دیکھنے لگے۔

لندن کانفرنس | فریقین میں چپقلش جاری رہی۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۱ء میں لندن کانفرنس منعقد ہوئی۔ لیکن حکومت انگلورہ نے اتحادیوں کا فیصلہ منظور نہ کیا۔ اس پر دول متحدہ نے جنگ ترکی و یونان میں غیر جانبدار رہنے کا اعلان کر دیا۔

فتح سقاریہ | ۲۴۔ اگست ۱۹۲۱ء کو سقاریہ کی عظیم الشان تاریخی جنگ ہوئی جس میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے خیرت انگیز شجاعت سے کام لے کر یونانی فوج کے چھکے چھڑا دیے۔

فرانس اور اٹلی سے معاہدے | ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ترکی اور فرانس میں معاہدہ ہوا۔ جس کے رو سے فرانس

سلیشیا کا علاقہ ترکی کے حوالے کر دیا۔

اس کے علاوہ ترکی اور اٹلی کے درمیان بھی ایک معاہدہ قرار پایا۔

مارچ ۱۹۲۲ء میں پیرس کانفرنس منعقد ہوئی جس میں عارضی
پیرس کانفرنس صلح کرنے کی ترغیب دی گئی۔

۱۷۔ جولائی ۱۹۲۲ء کو یونانی ہائی کمشنر مقیم
ترکی اور یونان میں پھر جنگ سمرنا نے اعلان کیا کہ اناطولیہ کا الحاق

یونان کے ساتھ باضابطہ عمل میں لایا گیا ہے۔ حکومت انگورہ نے اس اعلان
 پر آگ بگولا ہو کر زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اب یونان نے قسطنطنیہ کو بھی ہڑپ
 کر جانے کے لئے دندان آرتیز کرنے شروع کئے۔ لیکن اس پر خود برطانیہ کی حریصانہ
 نگاہیں تھیں۔ لہذا اس نے یونان کو آنکھیں دکھا کر اس اقدام سے منع کر دیا۔ اس سے
 یونانی بھڑک اٹھے۔ اور ترکی و یونان میں پھر جنگ شروع ہو گئی۔

اس خونریز معرکے میں ترکوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ اور انھوں نے
 بروصہ۔ ایفوم قرہ حصار۔ عشاق اور سمرنا پر فتح کا پرچم لہرا دیا۔

ترک ظفر و کامرانی کے نشے میں مرشار تھریس کی جانب قدم بڑھانے
صلح نامہ مدانیہ لگے۔ تو چناق پر برطانیہ نے انھیں روک لیا۔ مگر فرانس اور اٹلی نے

اس کے اشارہ ابرو پر رقص کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں صلح نامہ مدانیہ قرار
 پایا۔ جس کے رو سے یونان نے تھریس سے دست کشی اختیار کر لی۔

دول متحدہ نے جنگ کو نازیبا سمجھتے ہوئے صلح کا دامن تھام لیا۔ اور
لوزان کانفرنس ۴۔ فروری ۱۹۲۳ء کو لوزان میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں

ترکوں نے مساوی شرائط پر صلح کرنے کی شرط پیش کی۔ اتحادی نہ مانے۔ اور کانفرنس ناکام
 ہو کر رہ گئی۔

۲۳۔ اپریل کو دوبارہ کانفرنس منعقد ہوئی جس نے تین ماہ تک طول کھینچا۔ اور ۲۴ جولائی
 کو معاہدہ لوزان مکمل ہو گیا جس کے رو سے مشرقی تھریس۔ ایڈریا نوپل اور قسطنطنیہ بھی

ترکی کی سلطنت میں شامل کر لئے گئے۔

جمہوریہ ترکیہ

جمہوریہ ترکیہ | اب ترکی کی دنیا میں نئی زندگی کا ایک جدید۔ روشن ترین اور عظیم الشان انقلاب رونما ہوا۔ جس نے اس سلطنت کو شری کی پستیوں سے ترقی

کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ یورپ کے اس "مرد بیچارہ" کو جس شہرہ آفاق اور یگانہ روزگار ہستی نے اعجازِ مسیحائی سے تندرست کر کے دنیا کی قوی ترین اقوام کی صفِ اول میں ایک ممتاز مقام پر کھڑا کر دیا۔ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا آدمی بطل جلیل غازی مصطفیٰ کمال پاشا یا کمال اتاترک تھا۔ اسی عظیم المرتبت شخصیت نے جمہوریہ ترکیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور یہی اس کے صدرِ اول قرار دئے گئے۔

تفصیحِ خلافت اور اصلاحات | نام نہاد خلافت پر خطِ نسخ کھینچ دیا گیا۔ اور ۲۹-۱۹۲۳ء کے اجلاس میں مصطفیٰ کمال نے آئین

میں حسب ذیل اصلاحات پیش کیں :-

- (۱) جمہوریت کا ایک صدر ہوگا۔ جس کا انتخاب چار سال کے لئے عمل میں آئے گا۔ اور وہ دوسری مرتبہ بھی منتخب ہو سکے گا۔
 - (۲) صدر جمہوریت مجلسِ وزارت کے صدر کو نام زد کرے گا۔
 - (۳) صدر وزارت پارلیمنٹ کی مزدور کی ^{نمایندگی} سے وزراء کا انتخاب کرے گا۔
- مصطفیٰ کمال نے اپنی صدارت کے زمانے میں متعدد اصلاحات نافذ کیں۔ جن میں چند درج ذیل ہیں :-

- (۱) ترکوں کو عہدِ اوسط کی تہذیب سے دست بردار کر کے بین الاقوامی تہذیب اختیار کرنے کی تلقین کی۔
- (۲) عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط جاری کیا۔

- (۳) عثمانی قانون کو منسوخ کر کے سوستانی قانون نافذ کیا۔
 (۴) ترک کے میں لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر کا حصہ دار قرار دیا۔
 (۵) غیر اقوام سے شادی بیاہ کے تعلقات کو مجرم ٹھہرایا۔
 (۶) پردے کی پابندی اٹھادی۔

مغرب کے معتصب اور مکار مدبرین اپنے جذبات
 مخالفت کو تسکین دینے کے لئے ترکوں کے خلاف

مخالفت الزامات کا جواب

اس قسم کے بے بنیاد الزامات عائد کرتے رہتے ہیں۔ کہ انھوں نے اسلام کو ترک کر دیا ہے
 اور وہ شریعت مقدسہ کی ہنسی اڑاتے رہتے ہیں۔ یہاں اس ددوغ بے فروغ اور جھوٹے
 پروپیگنڈے کی وجھیاں بکھیری جاتی ہیں۔

ڈاکٹر ملک عبدالرؤف اپنے سفر ترکی کے دوران میں چشم دید حالات کی بنا پر لکھتے
 ہیں۔

” ترک خواتین نے پڑانے برقع کی جگہ نئی طرز کا اصلاح یافتہ برقع اختیار کر لیا۔ عموماً
 ترک عورتیں بے پردگی کی حامی ہیں۔ اس لئے قدیم برقع کے استعمال کی ضرورت
 نئے سرے سے محسوس کی جا رہی ہے۔

جب ہماری ٹریم گاڑی جامعہ ابا صوفیہ کی سڑک سے گزری۔ تو ایک بلند مینار
 سے اللہ اکبر کی آواز سنائی دی۔ ہم نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ تو مؤذن قدیم رسم و
 رواج کے خلاف انگریزی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اور اس کی شکل و صورت یکسر یورپی
 تھی۔ مغرب کی نماز تیار تھی۔ ترک خواتین یورپی لباس میں نماز کے لئے آرہی تھیں۔
 مجھے بتایا گیا کہ یہ شجر جمہوریت کا ثمر ہے۔ کہ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ مسجد میں نماز
 کے لئے آنے لگی ہیں۔“

ایک عراقی ایڈیٹر رقم طراز ہے۔

” اس سال ہم نے اکثر ایسے مسافروں سے ملاقات کی۔ جو ترکی کے تاریخی شہروں
 قسطنطنیہ۔ انگورہ وغیرہ کی سیاحت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب

ہم قسطنطنیہ میں تھے۔ تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ تمام مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوتی تھیں۔ نماز کے اوقات میں مسجد کے اندر شکل سے جگہ ملتی ہے۔ مذہب کے معاملے میں حکومت اور قوم کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔ حکومت مذہب سے بالکل بے تعلق ہے۔ لوگوں کے مذہب کے معاملے میں حکومت قطعاً دخل نہیں دیتی۔ لیکن اذان کو عربی کی جگہ ترکی میں تبدیل کرنے کا معاملہ اس باب میں نہایت متصرفانہ اقدام ہے۔ اور اس کی مخالفت بھی ہوئی ہے۔ بروصہ میں اس مسئلے پر یہاں تک پہچان برپا ہوا۔ کہ حکومت کو گرفتاریاں بھی کرنی پڑیں۔ بایں ہمہ اسے "اصلاح" سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اسے برسرِ عت ترقی ہو رہی ہے۔"

اخبار "ہند" اپنی اشاعت مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۳۵ء میں لکھتا ہے:-

"تازہ مصری رسائل میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی دین داری سے متعلق ایک مضمون نظر سے گزرا۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

"یہ کہتا سرا سر بے بنیاد ہے۔ کہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا مادہ پرست ہیں۔ دین سے دور ہیں۔ روحانیت سے خالی ہیں۔ غازی کے متعلق یہ خیال اس لئے قائم کر لیا گیا ہے۔ کہ انھوں نے خلافت منسوخ کر دی ہے۔ مذہب کو حکومت سے علیحدہ کر دیا ہے۔ پیروں اور ملاؤں کا قلع قمع کر ڈالا ہے۔ ملک میں نئے قانون رائج کئے ہیں۔ اور مغربی لباس عام کر دیا ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود جو لوگ غازی کی نجی زندگی سے واقف ہیں۔ انھیں معلوم ہے۔ کہ وہ مذہب کے قائل اور روحانیت سے بھرپور ہیں۔"

"غازی نے ملاؤں اور پیروں کی بیخ کنی اس لئے نہیں کی۔ کہ وہ مذہب کے دشمن ہیں بلکہ انھوں نے مذہب کی دوستی کی بنا پر ایسا کیا ہے۔ غازی کا خیال ہے۔ کہ اسلام کا سرچشمہ کتاب اللہ یعنی قرآن ہے۔ لہذا اسلام کو بلا واسطہ قرآن ہی سے لینا چاہئے۔ حدیث شریف قرآن کی تفسیر و تشریح ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے۔ اس کا ماننا ضروری نہیں۔"

"ایک دفعہ غازی نے بیان کیا۔ "پیروں اور ملاؤں نے اسلام کو مسخ کر ڈالا ہے۔"

بالکل اسی طرح جس طرح عیسائی اور یہودی پیشوا اپنے اپنے دین مسخ کر چکے ہیں۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کو قرآن و حدیث سے بہت دُور کر دیا ہے۔ تاکہ انھیں جس طرح چاہیں۔ گمراہ کر سکیں۔ اور جس طرح چاہیں ٹوٹ سکیں۔ میں نے ترکی میں ان لوگوں کا خاتمہ کر ڈالا ہے۔ تاکہ ترک بلا واسطہ قرآن و حدیث سے ہدایت حاصل کر سکیں۔

”مذہب کو حکومت سے علیحدہ کرنے کی نسبت غازی نے فرمایا: ”بادشاہوں نے دین کو اپنی سیاسی اغراض کا آلہ بنا رکھا تھا۔ اور اس طرح دین میں بہت سی بے دینیاں پیدا کر دی تھیں۔ میں نے دین کو حکومت سے علیحدہ کر دیا ہے۔ تاکہ ترک سیاسی اغراض و مقاصد سے الگ ہو کر دین کا مطالعہ کریں۔ اور اس کے احکام بجالائیں۔

”یہ واقعہ ہے۔ کہ غازی پر اسلام کا بہت اثر ہے۔ اور ان کا دل روحانیت سے لبریز ہے۔ غازی کے خاص کمرے میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلی نظر ایک ادبچی تپائی پر پڑتی ہے۔ جس پر بیش قیمت ریشمی رومال پڑا رہتا ہے۔ رومال کے نیچے قرآن حکیم کا ایک حسین ترین نسخہ رکھا ہوا ہے۔ جسے مصطفیٰ کمال ہر روز بے ناغہ تلاوت کرتے ہیں۔

”اب اس قرآن کو تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ کیونکہ یہ تمام جنگوں میں غازی کے ساتھ رہا ہے۔ اور لوگوں کو یہ معلوم کر کے بے شک بہت تعجب ہو گا۔ کہ غازی کے خیال میں انھیں تمام فتوحات اسی کتاب کی برکت سے حاصل ہوئی ہیں۔ اگرچہ ان کا یہ خیال ضعف اعتقاد بلکہ توہم پرستی کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان پر مذہب کا غیر معمولی اثر ہے۔ اگر وہ بے دین ہوتے۔ تو ہرگز اس قسم کا خیال نہ رکھ سکتے تھے۔ غازی کے جاننے والوں کا یہ بھی بیان ہے۔ کہ غازی نے اپنی تمام جنگیں شروع کرتے وقت پہلے قرآن عزیز کی تلاوت کی ہے۔ اس کے بعد جملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

”سقاریہ کی فیصلہ کن جنگ نہایت ہولناک تھی۔ اسی جنگ میں غازی نے یونانیوں کو ہنس ہنس کر ڈالا۔ مگر اس جنگ کو شروع کرنے سے پہلے انھوں نے

انتہائی خضوع و خشوع سے قرآن مجید کی تلاوت کی تھی۔ پھر حکم دیا تھا۔ کہ حملہ جاری کیا جائے۔ غازی کی والدہ حد سے زیادہ مذہبی خاتون تھیں۔ علوم و صلوٰۃ کی بے حد پابند تھیں۔ غازی کو بہت چاہتی تھیں۔ اور انھیں نے ان کے دل میں دینداری استوار کر دی تھی۔ جواب تک باقی ہے۔ اور ہر موقع پر ظاہر ہو جایا کرتی ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے۔ کہ غازی رھلیا کاری کو اچھا نہیں سمجھتے۔ انھوں نے آج تک کبھی لوگوں کو یہ دکھانے کی کوشش نہیں کی۔ کہ وہ مذہب کے کس قدر دل واہ ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ غازی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اپنے نقطہ نظر سے مرتب کی ہے۔ جسے ترکی حکومت جلد شائع کرنے والی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ یہ کتاب بہت محققانہ ہوگی۔ اور علمی دنیا میں ہل چل ڈال دے گی۔

” اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ غازی کے خیال میں انھیں تمام جنگی فتوحات صرف قرآن پاک کی برکت سے حاصل ہوئی ہیں۔ اسی قسم کی ایک اور روایت بھی ان کے جاننے والے بیان کرتے ہیں۔ اور اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ غازی خوش عقیدہ واقع ہوئے ہیں۔

” واقعہ یہ ہے۔ پچھلے دنوں غازی کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ اور اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ کہ کہیں وفات نہ پا جائیں۔ یورپ والوں نے ان کی بیماری کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ اور مشہور کر دیا۔ کہ مصطفیٰ کمال جلد انتقال کرنے والے ہیں۔ ان کے بعد ترکی میں پھر انقلاب آجائے گا۔ اسی قدر نہیں۔ بلکہ ترکی کے دشمنوں نے فوراً اپنی سازش کا جال بچھا دیا۔ اور فتنہ پسند عناصر سر اٹھانے لگے۔ لیکن غازی نے اپنی بیماری حیرت انگیز طور پر دور کر دی۔ کس طرح؟ کہتے ہیں۔ کہ غازی کو ایک ترک بزرگ سے عقیدت ہے۔ جو کسی دور دراز گاؤں میں رہتے ہیں۔ غازی نے حکم دیا۔ کہ ہوائی جہاز جائے۔ اور بزرگ کو ان کے پاس انگوڑے لے آئے۔ چنانچہ جہاز گیا۔ اور بزرگ کو لے آیا۔ غازی نے ان سے درخواست

کی۔ کہ میرے روبرو اپنی زبان سے قرآن کی تلاوت کیجئے۔ پھر دعا کیجئے۔ کہ میں اچھا ہو جاؤں۔ بزرگ نے یہی کیا۔ دعا ختم ہوتے ہی غازی اچھے ہو گئے۔ فوراً اٹھ بیٹھے۔ اور عام مجمع میں بہت پُر زور تقریر کی۔ جسے سن کر تمام لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ کیونکہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ غازی بالکل تندرست ہیں۔“

علمی ترقی | جدید ترکی نے تعلیم کے میدان میں بڑی سبک گامی سے کام لیا۔ اور قانوناً ہر ترکی باشندے کے لئے تعلیم لازمی کر دی۔ دینی تعلیم الگ کر لی گئی۔ اور اس کے حصول و ترقی کے لئے استنبول میں ”شعبہ دینیات“ کے نام سے ایک عظیم الشان ادارہ کھولا گیا۔ جہاں طلبہ خالص مذہبی تعلیم کے زیور سے آراستہ لئے جاتے ہیں۔ سرکاری درس گاہوں میں عام تعلیم دی جاتی ہے۔

۱۹۳۶ء میں یونیورسٹی کے طلبہ اور طالبات کی تعداد علی الترتیب چار ہزار اور پندرہ ہزار تھی۔ لیکن تعلیم کا شوق بھلی کی سی تیز رفتاری سے بڑھتا گیا۔ اور حکومت نے بھی معتدبہ امداد دی۔ جس کا یہ شاندار نتیجہ رونما ہوا۔ کہ آج ان لڑکوں اور لڑکیوں کا کل تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ ہو چکی ہے۔ استنبول اور انگورہ میں ایک ہزار سو لڑکے حکومت کے مصارف پر اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ انجینئرنگ کالج کے طلبہ کی تعداد پان سو اور پروفیسروں کی پچاس ہے۔ تجارتی مدرسے میں سات سو پچیس طلبہ پڑھتے ہیں۔ جن کے لئے بیس پروفیسر مقرر ہیں۔ زراعتی کالج صنعتی کالج۔ سیاسی کالج۔ طبیہ کالج۔ فوجی کالج وغیرہ ان کے علاوہ ہیں۔

مسٹر ویسٹر رقم طراز ہیں:-

۱۹۳۳ء میں ترکی کے ستاون صوبوں میں سے اکیس صوبوں میں سات سو دارالمطالعے قائم تھے۔ کتب خانے ایک سو دو ہیں۔ پڑھنے والوں میں ۲۵ فیصدی طالب علم۔ ۲۷ فی صدی استاد۔ ۱۳ فی صدی سول اور فوجی افسر۔ ۵ فی صدی خواتین اور باقی عام لوگ تھے۔ کتب خانوں کے لئے حکومت ہر سال ایک لاکھ تیرہ ہزار پونڈ کی امداد دیتی ہے۔ اور عوام کے چندوں سے بھی لاکھوں پونڈ کی

آمدنی ہو جاتی ہے۔“

ترکی کی مالی ترقی نہایت امید افزا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں حکومت کا میزانیہ دو کروڑ روپے کی مالیت پر ۱۹۳۹ء میں ۲۵ کروڑ تھا۔ ۱۹۲۸ء میں یہ رقم ۱۰۰ کروڑ تک

مالی ترقی

جا پہنچی۔

ترکی کے بنکوں میں تقریباً ۴۰ کروڑ ترکی پونڈ کا خالص سونا زر محفوظ کی صورت میں موجود ہے۔ اور پچاس کروڑ کا سرمایہ حساب رواں میں ہے۔ آٹھ بہت بڑے اور مشہور بنکوں

علاوہ اور بھی بہت سے بنک قائم ہیں۔ چالیس نیشنل بنک ہیں۔ جن کا سرمایہ ۳۰ کروڑ ترکی پونڈ ہے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۹ء کو ترکی میں ۲۸ کروڑ پونڈ کے نوٹ چل رہے تھے۔ طوائف کے تعداد

دو کروڑ ساٹھ لاکھ تھے۔ ۳۰ کروڑ پونڈ سیدنگ بنک میں اور ۱۰ کروڑ پونڈ حکومت کی طرف سے پر قومی قرضہ وصول ہوا تھا۔ اس کے بعد سال بہ سال سرمائے میں نمایاں اضافہ ہوتا رہا

کوہا اور کوئلہ صنعتی ترقی کے قالب میں روح کا حکم رکھتے ہیں۔ اور وہ

صنعتی ترقی

حقیقی نے ترکی کو یہ دونوں چیزیں وافر مقدار میں عطا فرما رکھی ہیں۔

کازلو۔ زنگلاک اور ارض روم میں کوئلے کی زبردست کانیں ہیں۔ جہاں سے تقریباً

ٹن زائد کوئلہ نکالنے کا انتظام کر لیا گیا ہے۔

قراہک لوہے کی کانوں کا خزانہ ہے۔ اس لئے وہاں ایک بہت بڑا کارخانہ قائم

کیا ہے۔ جہاں طرح طرح کے آلات حرب اور سامان جنگ تیار کیا جاتا ہے۔

خرپت۔ ارغانہ اور دیار بکر میں تانبہ۔ بولگیر میں جست۔ رانگ۔ ٹین۔ ورائنگ۔ کیسی برلو میں گندھک۔ طرابزون میں سنگ سلیمان۔ عقیق۔ یشب۔ بروصہ اور قراہک میں دو دھیا اور دوسرے قیمتی پتھر۔ ساحل بحیرہ اسود پر عنبر۔ کستامونی اور سرت میں اور چار مقامات پر چاندی کثرت سے ملتی ہے۔ سنگ مرمر بڑی بھاری مقدار میں نکالتا جاتا ہے۔ علاوہ میں سلسہ۔ کرنڈ۔ بورکس۔ پارہ۔ سرمہ وغیرہ کی کانیں بھی موجود ہیں۔ سینٹ کے کارخانے ترکی کے گوشے گوشے میں قائم ہیں۔ جن سے تین لاکھ سالانہ سینٹ تیار ہوتا ہے۔

قالین سازی کی صنعت بھی زوروں پر ہے۔ اور اب کثیر تعداد میں ترکی قالینوں کی برآمد کا سلسلہ جاری ہے۔

۱۹۳۳ء تک ترکی میں ۱۲۰۰ کارخانے تھے۔ جن میں چھ لاکھ مزدور کام کرتے تھے۔ اب کارخانوں کے ساتھ مزدوروں کی تعداد میں بھی نمایاں اضافہ ہو گیا ہے۔

قیصریہ کے ایک زبردست کارخانے میں جنگی ہوائی جہاز تیار کئے جاتے ہیں۔ جن کی تعداد دوسو سے زائد ہے۔ اس کارخانے سے بارہ ہزار مزدوروں کا پیٹ پلتا ہے۔

تجارتی ترقی پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکی کی تجارت تباہی کی ہولناک چٹان سے ٹکرائی گئی۔ جو نہی فاتح اقوام کے ساتھ معاہدوں کی میعاد ختم ہوئی۔ جدید ترکی ترقی کے میدان میں طرارے بھرنے لگا۔ اور انقرہ میں خارجہ تجارت سے متعلق ایک علیحدہ دفتر قائم کیا گیا۔

۱۹۳۸ء میں ترکی کی خارجہ تجارت تقریباً ۴۰ ارب ترکی پونڈ تھی۔ جو بعد میں بہت زیادہ ترقی کر گئی۔ اس کی تجارت برآمد میں یہ چیزیں شامل ہیں:-

انقرہ کی بکری کا اون۔ کھالیں سیوت۔ انڈا۔ مچھلی۔ گندم۔ جو۔ منیدہ۔ کنگنی۔ زیتون تیل۔ انجیر۔ بادام اور سمنا کی کشمش۔

آمدورفت کا انتظام ترکی نے پرانی سڑکوں کی مرمت کے علاوہ نئی سڑکیں اور ریلوے لائنیں بھی بکثرت اور خاص توجہ سے بنوائیں۔

پہلی بڑی سڑک استنبول سے بلغاریہ تک ۶۱۶ کیلومیٹر لمبی اور دوسری ایران سے طرابزون تک ۶۲۵ کیلومیٹر طویل ہے۔ ملک بھر میں کئی سڑکوں کی لمبائی ۱۹۶۲۱ کیلومیٹر ہے۔ ایک اور نئی سڑک لاکھوں پونڈ کے خرچ سے استنبول سے انقرہ تک تیار کی گئی ہے۔

۱۹۳۵ء میں ترکی کی موٹروں اور لاریوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔ ۱۹۳۸ء میں تیس ہزار سے بھی بڑھ گئی۔

۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۹ء تک ۵ کروڑ کی پونڈ کے صرف سے ۸۶ پل بنوائے گئے۔

جمہوریہ ترکیہ کے قیام پر ترکی کی ریلوے لائنیں ۲۵۳۷ میل میں پھیلی ہوئی تھیں۔ جدید ترکی نے اس سلسلے میں ایسی زبردست مستعدی سے کام لیا۔ کہ ۱۹۲۰ء میں ریلوں کا طول ۱۵۸۷ میل تک پہنچ گیا۔ اور ۱۹۳۸ء میں آٹھ ہزار سے بھی بڑھ گیا۔

کبھی ترکی کا بحری بیڑا یوزپ بھر میں بے مثال تھا۔ بحیرہ روم اس کے زیر اقتدار ہو جانے کی وجہ سے مصر۔ سویز۔ طرابلس۔ یونان اور بلقان

سب اس کے قبضے میں تھے۔ لیکن بعد میں غفلت اور داخلی بد نظمی نے اسے اس اعتبار سے تعزیتی میں گرا دیا۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے رادھر توجہ کر کے اسے زوال کے گڑھے سے نکال کر عروج کی بلندیوں پر پہنچایا۔ حسب ذیل اعداد و شمار ترکی بیڑے کی قوت پر دھندلی سی روشنی ڈالتے ہیں :-

ایک - ۲۶ ہزار ٹن کا	(۱) بڑا جنگی کروزر (گوبن)
۴ فی ۶ سے ۸ ہزار ٹن	(۲) جنگی جہاز
۲ فی ۳ سے ۵ ہزار ٹن	(۳) ہلکے کروزر
۱۶	(۴) تباہ کن جہاز
۲۰	(۵) آب دوزیں

ان کے علاوہ سیر و سفر کے - بار برداری کے - سرنگیں بچھانے والے - سرنگیں کرنے والے - کونٹہ اور تیل لے جانے والے - گن بوٹ اور طلائیہ کے جہاز بھی ہیں۔ ترکی میں ایک اعلیٰ درجے کا بحری کالج ہے جس سے ملاح اور افسر فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں۔ موجودہ ترکی بیڑا ساٹھ ہزار سپاہیوں اور بارہ سو افسروں پر مشتمل ہے۔ ترکی نے بحری بیڑے کی ترقی کے ضمن میں ایسا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہے کہ آج ۱۹۳۸ء میں روس کے سوا کوئی طاقت ترکی کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکتی۔

ترکی نے ہوائی تعلیم و تربیت کے لئے فوجی کالج قائم کئے۔ ہزاروں سے زیادہ طلبہ ہوائی فوجی تربیت حاصل کرنے کے لئے

انگلستان روانہ کئے۔ ۱۹۳۸ء میں ترکی میں چار ہزار ہوا باز تھے۔ اور اب یہ تعداد

س ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے۔ ڈیڑھ ہزار ہوائی جنگی جہاز ہیں۔ طیارہ سازی کے آٹھ کارخانے بولے گئے ہیں۔ جنہیں زیادہ سے زیادہ وسعت دی جا رہی ہے۔

اس میدان میں ترکی کا تو سن ترقی طرارے بھرتا۔ لبیاں لبتا اور اڑتا
زی طاقت چلا جاتا ہے۔ اور اسی کمال کے تابناک جلووں سے اس کا آفتاب

ہرت و عظمت عروج کے نصف النہار پر چمک رہا ہے۔ ترکی میں بہت سے فوجی لہج ہیں۔ جن کا طریق تربیت جرمنی اور امریکہ سے ٹکراتا ہے۔ فوجی خدمت لازمی دی گئی ہے۔ دو سال تک ہر شخص کو فوجی تربیت ضرور حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اس نت ترکی میں تربیت یافتہ آدمیوں کی تعداد ۲۵ لاکھ ہے۔ جن میں سے سات لاکھ ت دن صرف جنگی مشق کرتے رہتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر ترکی کے دس پندرہ لاکھ سپاہی میدان میں آسکتے ہیں۔ اب امریکی ماہرین جنگ کے ترکی پہنچ جانے سے اس بڑی طاقت یقیناً رشک انگیز طریق سے بڑھ جائے گی۔

اس پہلو میں ترکی کی معجزانہ ترقی دیکھ کر یورپ جیسے عروج یافتہ
ہوائی ترقی براعظم کی بھی آنکھیں فرط حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئی ہیں۔

ی طلبہ اور متعلقات دونوں ساتھ ساتھ تعلیم پاتے ہیں۔ لیکن نشستیں علیحدہ علیحدہ ہوتی ہیں۔ دس سال کی ترقی کے اعداد و شمار یہ ہیں:-

۱۹۳۳ء	۱۹۲۳ء	
۲۰۵۹۲۲	۶۲۹۵۲	پرائمری تعلیم میں متعلقات
۱۱۳۷۶	۲۰۷۲	ثانوی مدارس
۲۳۲۱	۶۱۲	سرکاری ثانوی مدارس
۹۳۳	۳۸۵	یونیورسٹی تعلیم
۹۹۰	۵۹۲	صنعتی مدارس
۲۵۳۷	۷۸۲	استانیوں کے مدارس

۱۹۳۳ء سے ۱۹۲۳ء تک کی ترقی بالا و وسط و دس گنی قرار دی جا سکتی ہے۔

تعلیم میں کھانا پکانا۔ سینا پرونا۔ بچوں کی پرورش وغیرہ گھریلو کام لازمی کر دئے گئے ہیں۔

صحت کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے ورزش لازم قرار دی گئی ہے اس ضمن میں ایک ترک خاتون لکھتی ہیں:-

"کمال اتاترک نے زمام اقتدار ہاتھ میں لیتے ہی عورتوں کو قیود سے آزاد کر دیا۔ ۱۹۲۶ء کے سول قانون نے کثرت ازدواج کو نہ صرف متروک بلکہ خلاف قانون قرار دیا۔ غلامی اور خلع کا اختیار عدالتوں کے سپرد کر دیا۔ عورتوں کو تمام حقوق عطا کئے۔ اور وراثت کے باب میں بھی عورتوں کو مردوں کے ساتھ حقوق سے حصہ یاب کیا۔ قوم کی زندگی میں ان کا کھویا ہوا درجہ بحال کیا۔ عورتیں بھی ان حقوق سے مستفید ہوئیں۔ وہ اپنی قوتوں کو جو چھ سو سال سے بیکار پڑی تھیں۔ کام میں لائیں۔ اور دنیا کو مسخر کرنے کے لئے تیار ہو گئیں۔ عورتوں میں عظیم ترین انقلاب یہ نہیں ہوا۔ کہ وہ کاموں میں حصہ لینے لگیں۔ بلکہ یہ کہ مردان کی رائے کو وقیح سمجھنے اور انھیں اپنا رفیق و مددگار جاننے لگے ہیں۔ آج ترک عورتیں مردوں کے شانہ بہ شانہ ڈاکٹر۔ استانی۔ وکیل۔ انجنیر۔ ٹیلیفون اوپریٹر وغیرہ کے فرائض ادا کرنے کے علاوہ ہوائی اور بری فوج میں بھی برابر کام کر رہی ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں ہیں۔"

طب کے شعبے میں بھی عورتیں نہایت سرگرمی سے قابل قدر خدمات انجام دیتی ہیں۔ وہ شفا خانوں کے انتظام۔ بیماروں کی عیادت اور زخمیوں کی مرہم پٹی میں نمایاں حصہ لیتی اور بے حد انہماک کا اظہار کرتی ہیں۔ ترکی میں سو سے زائد وکیل عورتیں ہیں ترکی کی مجلس دستور ساز میں ۷۱ خواتین رکن منتخب کی گئی ہیں۔ فوجی درسگاہوں کی کیفیت یہ ہے:-

فوجی افسروں کے امتحان میں ۳۰۴۳ طلبہ اور ۱۰۲۰ متعلقات شریک ہوئیں ہو ایازوں کے امتحان میں ۲۷۰۰ طلبہ اور ۹۲ متعلقات اور عام فوجی تعلیم میں ۱۰۰۰

ایک فوجی اجتماع میں ایک خاتون نے تقریر کرتے ہوئے بیان کیا :-
 "ہم نے یہ فوجی تعلیم اس لئے حاصل کی ہے۔ کہ ملک کے سپاہیوں کی دیکھ بھال
 کریں۔ اگر ہم دیکھیں۔ کہ ان سے ملک کی حفاظت میں کوتاہی ہو رہی ہے۔ تو ہم
 وہ بار اپنے دوش پر اٹھالیں۔ ہماری تعلیم کی غرض محض یہ نہیں۔ کہ میدان کارنٹ
 میں جا کر لڑیں۔ بلکہ یہ بھی ہے۔ کہ اپنی قومی روایات قائم رکھیں۔ اور وہ یہ ہیں۔
 کہ ہمارا بچہ بچہ فوجی ہے۔ اور جو فوجی نہیں۔ وہ ہماری قوم سے نہیں۔ ہمارے
 لئے میدان جنگ میں جانا ضروری نہیں۔ لیکن جب گھر ہی میدان بن جائے۔
 تو پھر ترک خاتون کا یہ کام نہیں۔ کہ وہ پیچھے رہ جائے۔ ہماری تعلیم کا مدعا
 محض یہ ہے۔ کہ مصیبت کے وقت عورت بے بس ثابت نہ ہو۔ اور وہ اپنا بار
 مردوں پر نہ ڈالے۔ بلکہ اپنی حفاظت آپ کر سکے۔"

مجلسی ترقی | ترکوں کو مجلسی ترقی کا بھی خاص خیال رہتا ہے۔ "کوکلر کوٹم" ان
 کی ایک تربیت گاہ ہے۔ جس میں آوارہ گرد لاوارث داخل کئے
 جاتے ہیں۔ ایک ماہر نفسیات معلم رکھا گیا ہے۔ جو ان کی خرابیاں دور کر کے انہیں
 مفید شہری بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور روزی کمانے کے لئے کوئی ہنر بھی سکھا
 دیتا ہے۔

بالغوں کی تعلیم سے بہرہ اندوز کرنے کے لئے انجمن "خانہائے عوام" قائم کی گئی ہے۔
 اس نے دس سال تک گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ترکی کے دیہات میں کوئی ناخواند
 آدمی ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔

ایک قابل قدر جماعت "فلاح عام" ہے جس کی دو شاخیں ہیں (۱) فلاح اطفال
 اور (۲) فلاح زچگان۔

"فلاح اطفال" کے فرائض یہ ہیں۔ کہ ابتدائی اور وسطی جماعت کے طلبہ کے لئے
 کتب خانے اور دارالمطالعے قائم کرے۔ غریب بچوں کے لئے انجمن خود خوراک۔ لباس

اور کتابیں مفت مہیا کرتی۔ اور سیر و تفریح کا انتظام کیا جاتا ہے۔
 ”فلاح زوجگان“ خواتین کے زیر انتظام ہے۔ یہ انجمن عورتوں کو علم کے زیور
 سے آراستہ کرنے میں سرگرم جدوجہد کرتی اور حاملہ عورتوں کو ضروری امداد دیتی ہے۔
 ”انجمن ہلالِ احمر“ دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اس کا وقار اور اثر ایسا زبردست
 ہے۔ کہ اس کے ایک ہی اشارے سے ستر ہزار خواتین بیماروں کی عیادت کے
 لئے آسکتی ہیں۔ یہ تمام عورتیں امداد اولین مجروحین اور دوسری ضروری تعلیم کی
 دولت سے مالا مال ہیں۔

غازی عصمت اینولونو

نومبر ۱۹۳۸ء میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان
 کی جگہ غازی عصمت اینولونو جمہوریہ ترکیہ کے صدر منتخب کئے گئے۔
 جس زمانے میں اتحادیوں نے قبر و تشدد سے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایک
 دن غازی عصمت پاشا نے اندھی بھکارن کے بھیس میں قسطنطنیہ کو خیر باد کہی
 وہ اتاترک کی فوج میں شامل ہو گیا۔

اب یہ دونوں بہادر تسخیر بلاد کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور جگہ جگہ فتح مندیاروں
 کامیابیاں ان کے قدم چومنے لگیں۔ غازی عصمت پاشا نے اینولونو کے مقام
 یونانیوں کو بھاری شکست دی۔ جس کے بعد وہ عصمت اینولونو کہلانے لگے۔
 جب عصمت پاشا لوزان کانفرنس سے کامیاب واپس آئے۔ تو وزیر اعظم
 کئے گئے۔ اور پندرہ سال تک انتہائی قابلیت سے اپنے فرائض منصبی ادا کئے۔
 عصمت پاشا نے ترکی کے ہمسایہ ملکوں سے خوش گوار تعلقات پیدا کیے۔
 ترکی۔ برطانیہ اور فرانس میں ایک معاہدہ ہوا تھا۔ جس کے رو سے تینوں کو
 ایک حریف سے مل کر دشمن کے مقابلے میں جنگ آزما ہونا پڑتا تھا۔

جنگ یورپ کے آغاز میں برطانیہ اور فرانس نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ترکی کو جرمنی سے ایسا معاہدہ کرنے پر راضی کیا جس میں وہ غیر جانبدار رہنے کا عہد کرے۔ ترکی نے اتحادیوں کا کہنا مان کر جرمنی سے ایسا معاہدہ کر لیا۔ عصمت اینونو معاہدوں کے بھی پابند رہے۔ اور حفظاً تقدم کے طور پر دفاع کے لئے ایک لشکر جرّار بھی تیار کر لیا۔ چنانچہ آج ترکی میں آٹھ لاکھ بہادروں کی فوج ظفر موج جدید آلات جنگ سے مسلح موجود ہے۔

اب ترکی اور امریکہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔ جس کے رو سے امریکہ ترکی کو دو ارب روپیہ اس کی فوجی طاقت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کے لئے مدد دیگا اور جدید آلات حرب کا استعمال سکھانے کی غرض سے اپنے ماہرین فن کو بھی وہاں بھیجے گا۔ امریکہ کا مقصد یہ ہے۔ کہ درو انیال اور ترکی کی سرحدیں پوری طرح مضبوط ہو جائیں۔ اور اگر روس جنگ و جدل کا بازار گرم کرے۔ تو برطانیہ اور امریکہ اس کے خلاف ترکی میں نبرد آزما ہو سکیں۔

R. Atka
Ch. Malik M. Shrivastava
Advocate, Lucknow-8.

عائقہ

بائیسواں باب

مسلسلہ
P. Box No 222
5-12-59.

مصر

انیسویں صدی کے صنعتی انقلاب سے پہلے مصر کو دنیا صرف اس حیثیت سے جانتی تھی کہ وہاں فرعون کی حکومت ہے۔ اور اس کے مشہور تاریخی مینار اہرام کے نام سے عجائبات عالم میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن یورپ میں صنعتی انقلاب آجانے پر ہر قوم یورپ اور ایشیا کے اس درمیانی دروازے پر قبضہ کرنے کے لئے آگے بڑھی۔ چنانچہ ۱۷۹۸ء میں نپولین نے اس پر فوج کشی کر کے اسے فتح کر لیا۔ لیکن وہ یورپ کے بکھیروں کے باعث زیادہ عرصے تک اسے زیر نگین نہ رکھ سکا۔ ۱۸۰۵ء میں محمد علی پاشا نے اسے مسخر کیا جس پر سلطان ترکی نے اسے والی مصر بنا کر "پاشا" کا خطاب دیا۔

اس کے باوجود دول یورپ مصر کو زیر اقتدار لانے کے لئے جوڑ توڑ کرتی رہیں۔ جن میں برطانیہ، فرانس اور اٹلی پیش پیش تھے۔ محمد علی پاشا نے تو ان طاقتوں کا زور نہ چلے دیا۔ لیکن اس کے بعد ان کی متصرفانہ ریشہ دوانیاں خوب رنگ لائیں۔ ۱۸۶۳ء میں جب مصر کی زمام حکومت اسمعیل پاشا کے ہاتھ میں آئی۔ تو اس کے عہد میں نہر سویز کا کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

اسمعیل پاشا کے سامنے ایک عظیم الشان تعمیری نظام عمل تھا۔ چنانچہ اس نے بے دریغ روپیہ لگانا شروع کر دیا۔ لیکن روپیہ تو ختم ہو گیا۔ اور اس کا کام ابھی باقی تھا۔ ۱۸۶۵ء میں اس نے نہر سویز سے متعلق مصر کے ایک لاکھ ستر ہزار حصے برطانیہ کے ہاتھ صرف چالیس لاکھ گنی میں فروخت کر دئے۔ اب برطانیہ کی پانچوں انگلیاں گھی میں تھیں۔ چنانچہ اس

نے نہر کی دیکھ بھال کے بہانے سے اپنی فوجیں مصر میں داخل کر دیں۔

نہر سوئز کو فروخت کر ڈالنے کے باوجود والی مصر کی گردن سے قرض کا بھاری بوجھ نہ اتر سکا۔ اس کا افسوس ناک نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مصر کی ساری آمدنی برطانیہ اور فرانس کی ملی بھگت سے ان دونوں حکومتوں کے خزانوں میں جمع ہونے لگی۔ اس طرح برطانیہ نے مصر پر قابض ہونے کی داغ بیل ڈال دی۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ برطانیہ کی بیدار بختی سے دو موقعے ایسے آئے۔ جن سے فائدہ اٹھا کر اس نے مصر کو تسلطاً اقتدار کی فولادی زنجیروں میں مضبوطی سے جکڑ لیا۔

پہلا موقع ۱۸۸۲ء میں رو پذیر ہوا۔ جب مصریوں نے عربی پاشا وزیر جنگ کے زیر قیادت ترکی اور فرنگی دونوں اقتداروں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ برطانیہ نے والی مصر۔ ترکی اور فرانس کے سامنے اس بغاوت کو نہایت برے رنگ میں پیش کر کے ان کی امداد حاصل کی۔ اور مصر کی اس پہلی تحریک آزادی کو کچل کر رکھ دیا۔

دوسرا موقع ہمدی سودانی کے مقابلے کے وقت صورت نما ہوا۔ اس کا اصلی نام محمد احمد تھا۔ ۱۸۸۱ء میں اس نے اعلان کر دیا۔ کہ ہمدی موعود میں ہی ہوں۔ چنانچہ لوگوں نے انھیں اپنا رہنما تسلیم کر کے تحریک آزادی کو دوبارہ فروغ دینا شروع کیا۔ ہمدی نے اپنے بے شمار پیروؤں کا ایک لشکر جہاز تیار کر کے سودان کو مسخر کرنے کی مہم شروع کر دی۔ یہ تحریک مصر۔ ترکی اور برطانیہ تینوں حکومتوں کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگی۔ مصر اور ترکی میں اس آتش بغاوت کو ٹھنڈا کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے برطانیہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ۱۸۸۹ء میں حکومت مصر سے سودان کی نگرانی اپنی جانب منتقل کرالی۔

۱۸۸۹ء میں برطانیہ اور مصر کے درمیان ایک معاہدہ قرار پایا۔ جس کے رو سے سودان کا تقریباً پورا اقتدار برطانیہ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ اور مصر میں حکومت کی دیکھ بھال کے لئے برطانیہ کی طرف سے لارڈ کچنر کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔

اب مصر اور سودان دونوں حقیقتاً برطانیہ کے زیر اقتدار تھے۔ لیکن دنیا کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کے لئے مصر کو ترکی کا ایک صوبہ ظاہر کیا جاتا تھا۔ برطانی ایجنٹ کے ماتحت مصر کی حکومت کا زہرہ گداز نقشہ برطانیہ کے مشہور فلسفی شاعر اور ادیب نارڈ شائے اپنے ایک ڈرامے کے دیباچے میں یوں کھینچا ہے:-

"۱۳۔ جون ۱۹۰۶ء کو پانچ انگریز افسر خاکی لباس پہنے ایک گاؤں میں پہنچے۔ اور کبوتروں کا شکار کرنا چاہا۔ مصر میں رواج ہے۔ کہ دیہاتی لوگ گاؤں کے آس پاس کچی اینٹوں کے گنبد بنا کر ان میں کبوتر پالتے ہیں۔ یہ کبوتر دیہاتیوں کی معاش کا بہت بڑا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انگریز افسروں کو حکم تھا۔ کہ وہ گاؤں کے "چودھری" سے اجازت لئے بغیر کبوتروں کا شکار نہ کریں۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا۔ کہ گاؤں کا "چودھری" انھیں بتا سکے۔ فلاں حد تک جو کبوتر ہیں۔ وہ کاشت کاروں سے متعلق ہیں۔ اس لئے اس حد کے اندر کسی کبوتر پر گولی نہ چلائیں۔ یا اگر وہ اسے بھی نامناسب سمجھے۔ تو شکار کی اجازت ہی نہ دے۔"

"جب یہ انگریز افسر گاؤں میں پہنچے، تو اتفاق سے اس وقت "چودھری" موجود نہ تھا۔ اس لئے وہ "نائب چودھری" کے پاس گئے۔ اور اُسے ڈانٹ ڈپٹ کر اجازت چاہی۔ اس بیچارے نے ڈر کر کہا۔ کہ گاؤں کے اندر تو نہیں۔ البتہ گاؤں کی حدود سے کافی فاصلے پر آپ شکار کر سکتے ہیں۔ یہ اجازت پا کر انھوں نے گاؤں سے صرف سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر پہنچ کر دنا دن بندوقیں چلائی شروع کر دیں۔ قدرتاً اتنی دور تک کبوتر اڑتے ہی رہتے ہیں۔ اور اگر نہ بھی اڑیں۔ تو گولی ان تک اڑ کر جاسکتی ہے۔ گاؤں کے قریب کسانوں نے جب اپنی جائداد یوں گولیوں کا نشانہ بنتے دیکھی تو پہلے بہت کچھ چیخ پکار کی۔ لیکن جب ان کی کسی نے نہ سنی۔ تو انھوں نے ایک نوجوان افسر کے ہاتھ سے بندوق چھیننی چاہی۔ اس چھین جھپٹ میں بندوق چل گئی۔ جس سے تین مصری کسان اور ایک نوجوان لڑکی زخمی ہو گئے۔ لیکن لڑکی کا زخم چونکہ ٹھیک چھاتی پر تھا۔ اس لئے وہ جانبر نہ ہو سکی۔ اور کچھ دیر

بعد مر گئی۔ ادھر اس لڑکی کے نوجوان شوہر عبدالنبی کے غلہ گاہنے کے فرش میں آگ لگ گئی۔ اس پر سارا گاؤں بھڑک اٹھا۔ اور تمام چھوٹے بڑے بوڑھے جوان اکٹھے ہو گئے۔ عبدالنبی نے مشتعل ہو کر اپنی بیوی کے قاتل پر لاٹھی سے حملہ کیا۔ ایک اور شخص حسن محفوظ نے بھی جس کی عمر ساٹھ سال تھی۔ اور جو کبوتروں کے شکار اور انگریزوں کے طریق عمل سے تنگ آچکا تھا۔ لاٹھی سلجھالی۔ لڑکوں نے پتھر اور اینٹیں پھینکیں ان افسروں میں دو آئرلینڈ کے رہنے والے تھے۔ اور ایک انگلستان کا۔ جب ہجوم بہت ہو گیا۔ تو دو افسر بھاگے۔ تاکہ مدد لے کر آئیں۔ لیکن موسم چونکہ سخت گرمی کا تھا۔ اس لئے ایک افسر کو تو لو لگ گئی۔ اور وہ قریب کے ایک گاؤں تک جاتے جاتے مر گیا۔ دوسرا پولیس کی چوکی تک پہنچا۔ اور مدد لے کر روانہ ہوا۔ اس دوران میں باقی تین افسروں کو گاؤں کے چودھری اور بعض دوسرے بوڑھے مصری کسانوں نے ہجوم کے نرغے سے چھڑا کر اپنے گھر میں پناہ دے دی تھی۔ البتہ اس وقت ہجوم نے ان کی خوب مرمت کر دی تھی۔ جس کی وجہ سے ایک افسر کی بڑی پیچھے کے قریب سے ٹوٹ گئی۔ تھی۔ لیکن جب انھیں چھڑا لیا گیا۔ تو فوراً ہی بہ حفاظت تمام ایک گاڑی میں بٹھا کر ان کے کیمپ میں پہنچا دیا گیا۔

انگریز ایجنٹ لارڈ کرومر اس واقعے کی اطلاع پاتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ فوراً تمام دیہاتی گرفتار کر لئے گئے۔ اور سرسری تفتیش کے بعد حسب ذیل تفصیل سے سزائیں دی گئیں۔

”عبدالنبی کو عمر بھر کی قید بامشقت۔ اس کے ساتھ ایک اور۔ ۲ سالہ نوجوان کو بھی یہی سزا۔ ۶۰ سالہ حسن محفوظ کو پھانسی۔ اور وہ بھی اس کے گھر کے سامنے۔ جہاں اس کے عزیزوں نے چھت پر کھڑے ہو کر یہ دل دوز منظر دیکھا۔ علاوہ بریں تین اور دیہاتیوں کو حوالہ دار درسن کیا گیا۔ جن کی عمریں پچاس۔ بائیس اور بیس سال تھیں۔ پھر پھانسی دینے کا طریقہ یہ رکھا گیا۔ کہ ہر پھانسی پانے والے کو آدھ گھنٹہ تک لٹکا رہنے دیا جاتا تھا۔ اور اس آدھ گھنٹے کے دوران میں باقی کسانوں کو

پچاس پچاس کوڑے مارے جاتے تھے۔ پھانسی اور عمر قید کی ان سزاؤں کے علاوہ ایک کو پندرہ سال قید سخت۔ چھ کو سات سات سال قید سخت۔ تین کو ایک ایک سال قید سخت اور پچاس پچاس کوڑے اور پانچ کو صرف پچاس پچاس کوڑے۔“

اسی سیاسی بد نظمی کے زمانے میں عالم گیر اتحاد اسلامی
جمال الدین افغانی کے رہنمائے اعظم سید جمال الدین افغانی مصر پہنچے۔ اسماعیل

پاشا کی بے راہہ روی سے مصر کے گوشے گوشے میں تباہی و بربادی کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ملک کے باشندوں نے جمال الدین کی ذات گرامی کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ان کے خیر مقدم کے لئے دیدہ و دل فرس راہ کر دیے۔ انھوں نے اپنی ہر دل عزیز کا صحیح اندازہ کر کے ایک سیاسی انجن کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور ان کا حیات افروز پیغام ہر مرد وزن اور ہر پیر و جوان کی رگ رگ میں خون بن کر دوڑنے لگا۔

اسماعیل پاشا کے بعد اس کے بیٹے توفیق پاشا نے جمال الدین کا عقیدت مند ہونے کے باوجود اپنی بے دست و پائی کے احساس اور معزولی کے خوف سے مشاغل ہو کر انھیں جلا وطن کرنے کا حکم دے دیا۔ انھوں نے پیرس سے العروۃ الوثقیٰ کے نام سے ایک اخبار شائع کیا۔ جس کے مطالعے نے مصری نوجوانوں کے سینوں میں سیاسی بیداری اور حیات تازہ کی بجلیاں بھر دیں۔

۱۹۱۳ء میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ تو برطانیہ نے مصر کے متعلق
جنگ عظیم حسب ذیل اعلان کیا:-

”مصر کو ملک معظم کی حمایت میں لیا جاتا ہے۔ آج کے بعد اسے برطانیہ کا زیر حمایت علاقہ سمجھا جائے گا۔“

اس اعلان اور بعد میں برطانیہ کے حریت کش طریق عمل سے مصر کے طول و عرض میں غیظ و غضب کے انگارے برسے لگے۔ اس وقت کے سب سے بڑے رہنما سعد زاعلول پاشا نے مصر کے مطالبہ آزادی کو تسلیم کرانے کے لئے ”وفد“ کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کی۔ جس نے ملک بھر میں ایک انقلاب عظیم پیدا

کر دیا۔ یہ دیکھ کر برطانیہ نے مارچ ۱۹۱۹ء میں زانغلول پاشا اور ان کے تین جلیل القدر وفداؤں کو وطن رفقار کو گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا۔

مصری پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے۔ اب ان رہنماؤں کی گرفتاری اور جلا وطنی سے مجروح دلوں پر اور بھی چر کے لگے۔ تو ان کے اشتعال و غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ عوام کے جذبات قابو سے باہر ہو گئے۔ اور انہوں نے "شکست و ریخت کا جہاد" پوری شدت اور تیزی سے شروع کر دیا۔ بجلی کے تار کاٹ دئے گئے۔ ریلوں کی پٹریاں اکھاڑ دی گئیں۔ اور وائریس کا سلسلہ تباہ کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن امن و سکون سے اور قتل و غارت کے بغیر۔ البتہ صرف ایک گاؤں میں عوام نے و فوجوں سے بے قابو ہو کر قتل کی کچھ وارداتیں کر ڈالی تھیں۔

برطانیہ نے لارڈ ایلن بائی کو ہائی کمشنر متعین کیا۔ اس نے تشدد کے بجائے مفاہمت سے کام لے کر زانغلول پاشا اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیا۔ پھر رہنماؤں کا ایک اجلاس طلب کر کے اپیل کی۔ کہ اگر موجودہ بد نظمی بند کر دی جائے۔ تو برطانیہ مصر کا مطالبہ آزادی پورا کر دے گا۔

۱۹۲۲ء
اپیل پر شکست و ریخت کا جہاد بند کر دیا گیا۔ اور ۲۸ فروری
آزادی کا اعلان کو برطانیہ نے حسب ذیل شرائط کے ساتھ مصر کی آزادی کا اعلان کر دیا۔

۱۔ جب تک وہ وقت آئے۔ کہ فریقین کی آزادانہ گفت و شنید اور دوستانہ صلح جوئی سے کوئی مفاہمت ہو۔ حسب ذیل امور پوری طرح برطانی اختیار میں رہیں گے۔

۲۔ سلطنت برطانیہ کے مصری ذرائع کی نگرانی۔
۳۔ مصر پر حملہ یا ممانعت کرنے والی ہر اجنبی طاقت کا مقابلہ۔ خواہ یہ حملہ یا مداخلت بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ۔

۴۔ اقلیتوں کا تحفظ اور مصر کے خارجی معاملات کا فیصلہ۔

۵۔ سودان کی حکومت۔

ان شرائط پر مصریوں نے چراغ پا ہو کر جوش و عقہ کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ اس مشروط آزادی کے بعد اپریل ۱۹۲۳ء میں فواد پاشا مصر کی طرف سے ایک جمہوری دستور حکومت کا اعلان کیا گیا۔ جس کے مطابق دو ایوان قائم کئے گئے (۱) مجلس الشیوخ (اوپر چیمبر) اور (۲) مجلس النواب (لوئر چیمبر)۔ مصری پارلیمنٹ کے پہلے انتخاب میں وفد پارٹی کے نمائندے بہت بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ اور سعد زاعقل پاشا وزیر اعظم کی حیثیت سے وزارت قائم کی۔

مصر کامل آزادی طلب کرتا تھا۔ زاعقل پاشا نے اس نازک۔ پیچیدہ اور اہم عقیدے کو بہ طریق احسن سلجھانے کے لئے برطانیہ کے سامنے متعدد معقول حل پیش کئے۔ لیکن برطانیہ برابر "میں نہ مانوں" کی رٹ لگاتا گیا۔ اس کا الم ناک نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عوام کے مشتعل جذبات قابو سے باہر ہو گئے۔ اور ملک کے طول و عرض میں دہشت انگیزی اور قتل و جرح کی خونیں آندھیاں چلنے لگیں۔ حتیٰ کہ ۱۹۲۳ء میں مصری افواج کا کمان دار اعظم اور سودان کا گورنر جنرل بھی فتنہ کے گھاٹ اتار دئے گئے۔ اس پر برطانیہ میں شور و غوغا کا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور سارا الزام زاعقل پاشا پر عائد کیا گیا۔ چنانچہ انھیں مجبور کر کے وزارت عظمیٰ سے استعفا دلا دیا گیا۔

اب شاہ فواد نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور وہ ظلم و تشدد کا دور من مانی کارروائیاں کرنے لگا۔ اس کے دور میں ظلم و تشدد کا سیلاب امنڈ آیا۔ پاشا کی ہاں میں ہاں ملانے والے لوگ دزیر بنائے گئے۔ اور برطانیہ کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔

۱۹۲۶ء تک اسی طرح استبداد کی زہریلی ہوائیں چلتی رہیں۔ یہاں تک کہ پھر انتخاب کا وقت آیا۔ اور وفد پارٹی کے ارکان نے پالا مار لیا۔ مصر کا ہائی کمشنر لارڈ لائیڈ زاعقل پاشا کو وزارت عظمیٰ کے منصب پر نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے پھر "سرکاری وزارت" مرتب کی گئی۔ اور خلاف آئین طور پر وفد پارٹی کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا۔ ۱۹۲۶ء میں سعد زاعقل پاشا کا انتقال ہو گیا۔

مصر کے بام و در سے ناکہ ماتم بلند ہوا۔ اب اگرچہ مصریوں کا محبوب و حلیل المرتبت رہنما ان میں موجود نہ تھا۔ لیکن اس کا پیدا کیا ہوا ولولہ بیداری جوش زندگی اور جذبہ آزادی ان کے رگ و پے میں کروٹیں لے رہا تھا۔ برطانیہ نے ان کے اس ابھرے ہوئے سیاسی شعور کو دبانے کی لاکھ کوشش کی۔ لیکن جتنے زور سے اسے دبایا جاتا تھا۔ اس سے کئی گنا زور کے ساتھ وہ پھرا بھرا آتا تھا۔ آخر ۱۹۲۹ء میں ریزے میکلڈانلڈ کی مزدور حکومت نے مصر سے ایک اور سمجھوتا کیا۔ لیکن وہ بھی "شرائط" کی تلخ آمیزش کے باعث بے اثر ہو کر رہ گیا۔

شاہ فواد نے اپنے ایک مصاحب صدیقی پاشا کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ اس نے یہاں تک پاؤں پھیلائے۔ کہ ۱۹۳۱ء میں انتخاب کے موقع پر سرکاری ارکان اکثریت کے ساتھ کامیاب کرادئے۔ اور دیو استبداد جمہوریت کی قبا پہن کر پاکوبی کرنے لگا۔

مصر کا جہاد آزادی برابر جاری رہا۔ اور سعد زانفلول پاشا **آزادی کا دوسرا اعلان** کے بعد نحاس پاشا نے وفد پارٹی کی عنان قیادت ہاتھ میں لی۔ ۱۹۳۵ء میں شاہ فواد نے ۱۹۲۳ء کے منسوخ شدہ جمہوری آئین کے نکر اجرا کا اعلان کیا۔ جس سے وفد پارٹی پھر برسر اقتدار آگئی۔ اس پر وطنیت پرستوں اور سرکار پرستوں میں معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ آخر ایک غیر جانبدار وزارت کے ذریعے سے ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۷ء میں برطانیہ نے مصر سے معاہدے کئے۔ جن کے رو سے قرار پایا۔ کہ:-

- (۱) برطانیہ مصر سے اپنی فوجیں نکال لے گا۔
- (۲) نہر سویز کی حفاظت کے لئے کچھ برطانی فوج رہے گی۔ لیکن جب مصری فوج طاقت حاصل کر کے اس کی حفاظت بطور خود کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ تو برطانی فوج واپس بلالی جائے گی۔
- (۳) سوڈان کی حکومت ۱۸۹۹ء کی مفاہمت کے مطابق بدستور انگریزوں کے ہاتھ میں رہے گی۔

(۱۲) یورپی باشندوں سے جو امتیازی سلوک روارکھا جاتا ہے۔ اسے ختم کر دیا جائے گا اور مصری قانون کا اطلاق تمام ملکی اور غیر ملکی باشندوں پر یکساں ہوگا۔ حکومت مصر کوئی ایسا قانون منظور نہ کر سکے گی جس کا اطلاق صرف غیر مصریوں پر ہوتا ہو۔

۱۹۳۶ء میں شاہ فواد نے وفات پائی۔ اور اس کے بیٹا شاہ فاروق تخت نشین ہوا۔ لیکن اس کی نابالغ

دوسری جنگ عظیم اور مصر

کے باعث حکومت کا انتظام رجمنسی کے سپرد کیا گیا۔ ۱۹۳۹ء میں جب برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ تو مصر کو جرمنی اور اٹلی دونوں سے اپنے تعلقات منقطع کر لینے پر مجبور کیا گیا۔

اس دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ کی طرف سے یہ ظاہر کیا گیا۔ کہ مصر برطانیہ کی حلیف کی حیثیت سے جرمنی کے خلاف نبرد آزما ہونے کا آرزو مند ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ مصر نے جنگ کے نماتے سے کچھ عرصہ پہلے تک اپنی غیر جانبداری قائم رکھی تھی۔ مصر کی آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ہے جس میں صرف دس لاکھ مسیحی ہیں۔ باقی تمام مسلمان۔

متفرق حالات

مصر میں فوجی تربیت کا کام بخوبی انجام پا رہا ہے۔ پانچ لاکھ آدمی تربیت پا رہے ہیں۔ چار سو کے قریب ہوائی جہاز ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں حکومت مصر کی آمدنی ۵ کروڑ روپے اور خرچ ۱۳ کروڑ روپے تھا۔ اب ۱۹۴۸ء میں معتدبہ اضافہ ہو گیا ہے۔ مصر میں دو عظیم الشان درس گاہیں ہیں۔ (۱) سرکاری یونیورسٹی اور (۲) جامعہ انوار۔ جامعہ انوار ہر دنیا کی قدیم ترین درس گاہوں میں ہے۔ یہ ۱۹۴۲ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس میں ہزار ہا طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔

۱۹۳۳ء سے کم سن بچوں کے لئے تعلیم جبری کر دی گئی۔ ۱۹۳۰-۳۱ء میں ابتدائی اسکولوں کی تعداد ۹۶ ہزار تھی۔ جن میں ۷۲ ہزار لڑکوں کے اور ۲۴ ہزار لڑکیوں کے تھے۔ ان اسکولوں کا خرچ قومی چندوں سے پورا کیا جاتا ہے۔ حکومت سے بھی ایک قلیل رقم بطور اضافہ

ملتی ہے۔

۱۹۲۰-۲۱ء میں سرکاری یونیورسٹی کے گریجویٹ درجوں میں متعلمین اور متعلقات کی تعداد

یہ تھی۔

متعلقات	متعلمین	
۳۴	۲۴۰۸	۱۔ قانون (ایل۔ ایل۔ بی)
۵۵	۶۹۳	۲۔ سائنس (بی۔ ایس۔ سی اور ایم۔ ایس۔ سی)
۲۰۴	۱۱۹۳	۳۔ آرٹس (بی۔ اے اور ایم۔ اے)
۶	۵۱	۴۔ تحقیقات آثارِ قدیمہ (آرکیالوجی)
۷۲	۸۲۸	۵۔ معالجات (ایم۔ بی۔ بی۔ ایس)
۳۵۲	.	۶۔ نرسنگ
۳	۵۶	۷۔ دندان سازی
۲	۱۵۷	۸۔ دوا سازی

یہ تو اعلیٰ تعلیم کی کیفیت تھی جس میں طالبات کی تعداد طلبہ سے کم ہے۔ لیکن ابتدائی تعلیم میں متعلمین اور متعلقات کا تناسب تقریباً برابر ہے۔ چنانچہ جبری ابتدائی مکتبوں میں اسی یونیورسٹی کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد حسب ذیل تھی:-

لڑکے	لڑکیاں
۲۴۲۹۵	۱۹۳۲۵

مصر میں بیس سے زیادہ اخبارات کی اشاعت پانچ ہزار سے پچاس ہزار تک ہے۔ "الاسلام" اور "البلاغ" کی اشاعت سب سے زیادہ ہے۔ وفدِ پاپائی کے خاص جریدے "المصری" اور "الوفد المصری" ہیں۔

انگریزی۔ فرانسیسی اور یونانی میں بھی اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ جن کی کافی اشاعت ہے۔ "المقطم" عربی کا اخبار ہے۔ مگر برطانیہ کی حمایت کرتا ہے۔

یہاں کی خاص پیداوار اعلیٰ قسم کی روئی ہے۔ جو مصر اور سوڈان کے سوا دنیا کے

کسی حصے میں پیدا نہیں ہوتی۔ ۱۹۳۱ء میں مصر نے دو کروڑ پونڈ سے زیادہ کی روٹی برآمد کی تھی۔ اس کے سوا دوسری تجارتی اشیاء بہت کم ہوتی ہیں۔ چنانچہ سال مذکور میں دوسری چیزوں کی قیمت برآمد ۳ لاکھ ۱۱ ہزار پونڈ سے زائد نہ تھی۔

غلہ اس قدر پیدا ہوتا ہے۔ جو اہل مصر کی شکم پُری کے لئے بالکل کافی ہے۔ مویشی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

ریلوے کا محکمہ حکومت کے قبضے میں ہے۔ ۱۹۳۰-۳۱ء میں ۳۶۸۶ میل کی ریلوے لائن موجود تھی۔ علاوہ بریں کارخانوں کے لئے تقریباً ۹۰۰ میل چھوٹی لائن بھی ہے جو کارخانہ داروں کی ذاتی ملکیت خیال کی جاتی ہے۔ اور صرف سامان لے جاتی ہے۔

سودان

محمد احمد مہدی سودانی مارچ ۱۸۴۸ء میں مقام جزیرہ بنت پیدا ہوا۔ ہونہار برو کے چکنے چکنے پات۔ اس نے چھوٹی ہی عمر میں علوم دینیہ پر فاضلانہ قدرت حاصل کر لی پھر علوم باطنیہ میں مہارت تامہ پیدا کر کے سارے علاقے کو اپنے حلقہ ارادت میں لے لیا۔ اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

مہدی نے حیرت انگیز ہمت و دلاوری سے کام لے کر خرطوم کو زیر نگین کیا۔ تو مصر اور برطانیہ کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ مہدی نے پیش قدمی کی رفت تیز سے تیز تر کر کے سودان کے چپے چپے پر قبضہ کر لیا۔ اس نے قرآن و حدیث کی روش میں ”دولت درویشیہ“ کے نام سے ایک نہایت طاقت ور حکومت قائم کی۔ اور تمام سریفوں سے اپنی تیغ شجاعت اور شمشیر نظام کالو ہا منوالیا۔

کچھ عرصے کے بعد یکایک مہدی کی طبیعت نے ماش کی۔ اور وہ صاحب فراش ہو گیا۔ متعدد ماہر فن معالجوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن (ع) مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر بیماری خطرناک درجے میں پہنچ گئی۔ اور اسے اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ
 اس نے امرائے سلطنت کو طلب کر کے عبداللہ التعاشی کو اپنی نیابت کا منصب عطا
 لیا۔ التعاشی بیعت لینے میں مصروف ہو گیا۔ اور مہدی نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند
 کر لیں۔

مہدی کے خلفاء میں پھوٹ پر گئی۔ "دولت درویشیہ" کا ستارہ اقبال دیکھتے
 دیکھتے ڈوب گیا۔ اور ۱۸۹۹ء میں اس اسلامی حکومت نے دم توڑ دیا۔

تینیسواں باب

جزیرۃ العرب

نجد و حجاز

تیسواں باب

اٹھارھویں صدی کی ابتدا سے نجدی حکومت کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔
 میں محمد بن عبدالوہاب نجدی نے عرب میں احیائے سنت کی دعوت کی داغ بیل
 ڈالی۔ اور ۱۱۷۱ھ میں درعیہ کا شیخ محمد بن سعود اس دعوت میں شامل ہوا۔
 میں آس پاس کے قبیلوں سے ان کی جنگ شروع ہو گئی۔ اور ان کا اثر و اقتدار
 کرنے لگا۔ حتیٰ کہ شرفائے مکہ نے انھیں حج سے منع کر دیا۔

۱۷۹۸ء میں شریف مکہ نے مجبوراً محمد بن سعود کے بیٹے عبدالعزیز کو حج کرنے

اجازت دے دی۔ پھر وقتاً فوقتاً وہابیوں اور شرفائے مکہ میں لڑائیاں ہوتی رہیں۔ تاہم

نجدیوں نے کربلا۔ طائف اور بحرین پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۰۵ء میں سعود بن عبدالعزیز

نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو زیر نگیں کر کے شریف غالب کو مطیع و منقاد بنایا۔

اس کے بعد کچھ عرصے تک محمد علی پاشا والی مصر اور نجدیوں کے درمیان حربہ

ضرب کا بازار گرم رہا۔ ۱۸۳۰ء میں نجدی حکومت کا صدر مقام درعیہ کے بجائے

ریاض مقرر کیا گیا۔

سلطان عبدالعزیز والی نجد و حجاز | آج کل اسی سلسلے کے روشن

حکم ران سلطان ابن سعود نجد و حجاز کے تخت حکومت پر متمکن ہیں۔ انہوں نے سال ۱۹۱۶ء میں محمد بن رشید سے ریاض کو واپس لے کر اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ جنگِ عظیم سے پہلے انگریزوں کے ساتھ سلطان کے تعلقات خوش گوار تھے۔ بعد میں وہ بات نہ رہی۔

سلطان ابن سعود اتحاد عرب کے لئے نہایت سرگرم کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے۔ کہ تمام اسلامی حکومتیں متحد ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ اور اگر کوئی اجنبی طاقت ان سے ٹکرانے کا اقدام کرے۔ تو وہ خود ہی پاش پاش ہو کر رہ جائے۔

نظامِ حکومت | ملک کی حکومت مختلف اضلاع پر منقسم ہے۔ ہر صدر مقام میں ایک اعلیٰ حاکم رہتا ہے۔ نظامِ سلطنت شریعتِ اسلامی کے مطابق ہے۔ اس لئے مملکت کے گوشے گوشے میں امن و امان اور عدل و انصاف کے پھول بستے ہیں۔

فوج | فوج کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ مشہور مقامات پر قیام امن کے لئے تھوڑی بہت فوج مقرر ہے۔ لیکن ضرورت پڑنے پر "مجنون اخوان" کی جماعت سے فوجی خدمت لی جاتی ہے۔ یہ رضا کاروں کی ایک زبردست جمعیت ہے۔ جو زمانہ جنگ میں منادی ہو جانے پر ملک کے کونے کونے سے سمٹ کر کثیر تعداد میں جمع ہو جاتی ہے۔

جذبہ جہاد اس فوج کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ خدا اور رسولؐ کے نام پر پروانہ وادفہ ہو جانے کا مرغوب ترین کھیل ہے۔ لیلائے توحید و رسالت کے یہ مجنون فتح سے زیادہ شہادت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ دور گشت و خون میں ان کا دلولہ انگیز نعرہ یہ ہوتا ہے۔

"جنت کی ہوا چل رہی ہے۔ اس کا طالب کہاں ہے؟"

آمدنی | زکوٰۃ اور پیداوار کے دسویں حصے سے کافی آمدنی ہو جاتی ہے۔ ٹیکسوں سے بھی معقول رقم فراہم کر لی جاتی ہے۔ بازار بھی معتدبہ آمدنی کا زبردست ذریعہ ہیں۔ حجاز سے لاکھوں روپے سالانہ موصول ہو جاتے ہیں۔

تعلیم اور دوسری اصلاحات | تعلیم کا انتظام خاص ہے۔ اخوان کا ایک طبقہ

"مطاوعہ" مذہبی تعلیم کا ذمہ دار ہے۔ عینزہ اور دوسرے خاص مقامات میں تعلیم کی رفتار اچھی ہے۔ شاہی خاندان میں تعلیم نہایت اعلیٰ پیمانے پر پہنچی ہوئی ہے۔ خود سلطان کے فرزند مصر میں جدید تعلیم پارتے ہیں۔

حفظانِ صحت اور تعمیرات کے لئے قابل ڈاکٹر اور انجینئر مقرر کئے گئے ہیں۔ "ہجر" کے نام سے چھوٹی چھوٹی بستیاں تعمیر کی جا رہی ہیں۔ جن میں فارغ التحصیل لوگ آکر آباد ہو جاتے ہیں۔

نجد کے باشندے تین طبقات پر منقسم ہیں۔ (۱) وحشی اور مجنون نجدی، ان میں عقل اور روحانیت نام کو نہیں۔ یہ لوگ فوج میں بھرتی کئے جاتے ہیں۔

(۲) معتدل۔ یہ لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔

(۳) سست اور بے عمل۔ ان سے تجارتی اور سیاسی خدمت لی جاتی ہے۔

مکس

حکومت یمن عرب کی ایک ماہرہ الامتیاز حکومت ہے۔ اس کی زمام نظام امام یحییٰ بن حمید الدین زیدی کے ہاتھ میں ہے۔ شیعوں کی زیدی جماعت زید بن علی زین العابدین کی طرف منسوب ہے۔

یہاں تیسری صدی ہجری میں زیدی مذہب کی دعوت کا آغاز ہوا تھا۔ سید یحییٰ بن حسین رستی اس کے اولین مبلغ تھے۔ پھر ان کی اولاد میں سے قاسم بن محمد رستی نے قائم کی۔ ازمنہ ماضیہ میں زیدی حکومت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک جانب عراق اور حرم موت سے حجاز تک اور دوسری جانب عسیر اور تہامہ تک یہ سلسلہ چلا جاتا تھا۔ زیدیوں کو وقتاً فوقتاً ترکوں اور سادات سے بھی جنگ کرنی پڑی۔ موجودہ امام یحییٰ زیدی ۱۹۰۲ء میں سریر آمانے سلطنت ہوئے۔

نظام حکومت | امام یمن بہت مدبر اور بالغ نظر حکم ران ہیں۔ فطرت میں تعصب نام دیتے ہیں۔ ظلم و جور کو مٹانے اور رعایا کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے وہ دربار کے علاوہ دن کے کسی حصے میں محل سے باہر جا کر کھلے میدان میں یا کسی درخت کے نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔ تاکہ غریب اور بے وسیلہ مظلوم بے روک لوگ اپنی اپنی شکایات پیش کر سکیں۔ امام نہایت لطف و کرم سے ان کی داد دہی کرتے ہیں۔

آمدنی | یمن کی زمین زرخیز ہے۔ اناج کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ باغات ہر قسم کے پھلوں سے مالا مال ہیں۔ پیداوار کا دسواں حصہ حکومت لیتی ہے۔ رعایا سے مختلف قسم کے بہت سے ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں۔ علاوہ بریں زکوٰۃ۔ صدقہ نظر اور جنگی ضروریات کا چندہ لیا جاتا ہے۔ ان گوناگوں محاصل سے حکومت کا خزانہ بھرا رہتا ہے۔

صنعتی اور تجارتی ترقی | یمن نے صنعت و حرفت اور تجارت میں خاصی ترقی کی ہے۔ یمن کا ایک خاص کپڑا جو مصر میں غزنیہ اور شام میں دیمہ کہلاتا ہے۔ بہت مشہور ہے۔ ازار اور سادہ و رنگین فرش نہایت نفیس تیار کئے جاتے ہیں۔ تانبا کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس پر قابل تعریف سادہ اور نقشی کام کیا جاتا ہے۔ متعدد مقامات میں کپڑا بننے کے کارخانے ہیں۔

فوج | فوج کی مجموعی تعداد تین لاکھ کے قریب ہے۔ جو تمام بڑے بڑے مرکزوں پر متعین ہے۔ اسلحہ خانے میں چار لاکھ بندوقیں اور دو سو توپیں ہیں۔ کار تو س سازی کا ایک کارخانہ ہے۔ جس میں چار ہزار کار تو س ہر روز تیار کئے جاتے ہیں۔ بہر کیف امام کی فوجی طاقت زبردست ہے۔

تعلیم | ملک میں تعلیم کا خوب چرچا ہے۔ جگہ جگہ مدرسوں کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ دارالخلافت میں ایک عظیم الشان تربیتی درس گاہ ہے۔ ایک بڑا فوجی کالج اور ایک مدرسہ شبینہ ہے۔

صنعار | صنعار بین کا دار الحکومت ہے۔ جس کا دامن قدرتی نعمتوں سے مالا مال ہے۔
صنعار | آب و ہوا خوش گو اور موسم روح افزا ہے۔ باشندے ذہین۔ عمارتیں عالیشان
 اور سڑکیں وسیع ہیں۔

اوصاف | عرب کے تمام فرماں رواؤں میں امام یحییٰ تدبیر اور علو نظر کے اعتبار سے
 ممتاز ہیں۔ ادب و شعر میں عالی پایہ رکھتے ہیں۔ اور یورپ کی جدید
 سیایات سے بخوبی آگاہ ہیں۔

بحرین

بحرین خلیج فارس کا ایک مشہور جزیرہ ہے۔ اس خلیج کی زبردست تاریخی اہمیت
 رولینسن کے حسب ذیل قول سے جو اس نے مستند حوالوں سے نقل کیا ہے۔ واضح
 ہوتی ہے۔

” سب سے قدیم ایشیائی سلطنت خلیج فارس ہی کے ذہانے پر قائم ہوئی تھی۔“

تاریخ اسلام کے آغاز سے تا تاریخوں کے آشوب تک بحرین پر مختلف اسلامی
 فرماں رواؤں اور امراء نے عرب کی حکومت رہی۔ آخر تیمور لنگ نے اس پر دست تصرف
 دراز کیا۔ پھر یورپ کے جہازیوں نے ادھر توجہ کی۔ تو یہ علاقہ پرتگالیوں کے قبضے میں
 آ گیا۔

چالیس سال کے بعد پرتگالیوں نے بھی یہاں سے بوریاً بدھنا اٹھا لیا۔ بحرین کے
 شیخہ امراء اور پرتگالیوں میں آن بن ہو گئی۔ شیخہ امرانے شاہ عباس حاکم ایران سے اہتمام
 کی۔ شاہ عباس نے انھیں پرتگالیوں کے پنجے سے تو رہائی دلا دی۔ لیکن خود ان پر
 اپنے فولادی پنجے گاڑ کر بحرین پر قبضہ کر لیا۔ آخر ۱۶۸۲ء میں شیخ احمد قاسم آل خلیفہ
 نے ایرانی حاکم شیخ نصر کو شکست دے کر اپنی آزاد حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔
 مدت دراز تک بحرین مختلف حملہ آوروں کی جولان گاہ بنا رہا۔ تا آنکہ خود آل خلیفہ

میں دو حریف جماعتیں پیدا ہو گئیں (۱) آل عبداللہ اور (۲) آل سلیمان۔ انگریزوں نے اس پھوٹ سے فائدہ اٹھا کر دخل اندازی شروع کر دی۔ ان دنوں شیخ محمد بحرین کا حکم ران تھا۔

انگریزوں نے بو شہر سے اپنے پولیٹیکل ایجنٹ کو امیر بحرین کے پاس روانہ کیا۔ اس نے برطانیہ کی طرف سے اس مضمون کا ایک معاہدہ پیش کیا۔ کہ شیخ محمد حکومت برطانیہ کی امداد کریں۔ اس کے صلے میں وہ ان کے ملک میں امن قائم کرنے کی ذمہ دار ہوگی معاہدہ کی ایک دفعہ کے الفاظ یہ بھی تھے :-

”چونکہ حکومت برطانیہ بحرین پر بحری جہلوں کی مدافعت کی ذمہ دار ہے۔ اس لئے

شیخ محمد کو بحری فوج اور جنگی بیڑا رکھنے کی ضرورت نہیں۔“

اب انگریزوں نے اپنی رسوائی عالم پالیسی کے گولے برسانے شروع کر دیے۔ اور قسم قسم کی ریشہ دوانیوں سے کام لے کر شیخ عیسیٰ کو جو شیخ علی کے بعد تخت حکومت پر بیٹھا تھا۔ معزول کر کے اس کی جگہ شیخ حمدون کو تخت نشین کیا۔ اس کے بعد بحرین کا نظام حکومت بالکل بدل گیا۔ اور برطانیہ نے ایک مخلوط عدالت قائم کر کے جس میں شیخ حمدون اور انگریز پولیٹیکل ایجنٹ دونوں مل کر بحرین کے داخلی معاملات کی سماعت کرتے تھے۔ بحرین کی برائے نام آزادی کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا۔

بحرین کے موتی دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ یہاں کے مخزن سے تین کروڑ سالانہ تجارت کے موتی نکلتے ہیں۔ موتیوں کے علاوہ دوسری تمام تجارتی اشیاء کی بھی گرم بازاری رہتی ہے۔

بحرین تعلیم کے باب میں عرب کے دوسرے حصوں سے گونے سبقت لے گیا ہے۔ ادب اور شاعری کے نشے میں تو ہر کس و نا کس چور نظر آتا ہے۔ وہاں بہت سے دارالمطالعے۔ کتب خانے اور درس گاہیں ہیں۔

عراق

پہلی جنگِ عظیم کے آغاز تک عراق بابِ عالی کے ماتحت تھا۔ لیکن جنگ کے دوران میں برطانیہ نے اس پر ایسا روغنِ قاز ملا کہ "آزاد حکومت" کی جھلک دکھا کر اس پری کو شیشے میں اتار لیا۔ اب عراق بھی اتحادیوں کا کلمہ پڑھنے لگا۔

۱۹۱۸ء میں جنگ کے خاتمے پر دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو گیا۔ اور عراق کو آزادی کے بدلے انگریزوں کی "فوجی حکومت" کی غلامی نصیب ہوئی۔

دو سال کے بعد عراق کے مسئلے کا فیصلہ ہوا۔ تو اسے انتداب کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ اس فیصلے سے عراق کے طول و عرض میں شورش و بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے اور قتل و جرح کا بازار گرم ہو گیا۔ دو ہزار برطانی سپاہی ہلاک و مجروح ہوئے۔ عربوں کے آٹھ ہزار چار سو چھاس سپاہی مقتول اور زخمی ہوئے۔

برطانیہ کو یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑی۔ کہ عراق کی ہمدردی حاصل کئے بغیر اس پر حکومت کرنا غیر ممکن ہے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں ہائی کمشنر نے عراقی رہنماؤں کو طلب کر کے ان کی وزارت بنائی۔ اور وعدہ کیا۔ کہ تاجِ حکومت بھی کسی عراقی ہی کے سر پر رکھا جائے گا۔ برطانیہ نے اپنی معروف حکمتِ عملی سے کام لے کر اہل عراق کے انتخاب کئے ہوئے امیدوار کو جلا وطن کرنے کے بعد ۲۳ اگست ۱۹۲۱ء کو اپنے وفادار اور معتد علیہ فیصل کو سربراہانے سلطنت کر دیا۔

جون ۱۹۲۲ء میں عراق کے لئے ایک دستور اساسی مرتب کیا گیا۔ جس کے رو سے عراق کی مجلسِ آئین ساز دو ایوانوں پر مشتمل ہے۔ (۱) مجلسِ نواب (لوئر ہاؤس) اور (۲) مجلسِ اعیان (اپر ہاؤس)۔ اس آئین کے مطابق عراق پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس ۱۹۲۵ء میں منعقد ہوا۔

انقلاب پسند اور آزادی خواہ عراقی کامل آزادی کے طلب گار تھے۔ وہ برطانیہ انتداب سے طوق بہ گلو اور پابہ جولاں ہونے کو ہرگز تیار نہ تھے۔ ان لوگوں نے اپنی

سرگرمیوں کی رفتار تیز کر دی۔ اس پر ۱۹۲۶ء میں برطانیہ نے عراق سے ایک اور معاہدہ کر لیا۔ اور اسے جمعیت الاقوام کا رکن بنانے کی سفارش کے لئے ہامی بھری۔ لیکن سفارش کا معاملہ پانچ سال تک کھٹائی میں پڑا رہا۔ اور ۱۹۳۲ء میں عراق اس رکنیت سے بہرہ اندوز ہوا۔ مگر معاہدہ مذکور کے رو سے برطانیہ اس امر کا مجاز قرار دیا گیا۔ کہ عراق میں ہوائی جہاز کے سٹیشن تعمیر کر لے۔ اور ان کی حفاظت کے لئے تھوڑی سی فوج بھی رکھ لے۔ یہ بھی قرار پایا۔ کہ حکومت عراق میں بعض انگریز مشیر رکھے جائیں گے چنانچہ آج تک فوجی وزارت کے سر پر "برٹش ملٹری مشن" کی تنگی تلوار لٹک رہی ہے۔ خفیہ پولیس میں بھی دو تین انگریز اعلیٰ افسر متعین ہیں۔

تیل کے چشمے | عراق میں بہت سے تیل کے چشمے پائے جاتے ہیں جس نے دنیا بھر میں اس کی اہمیت کو چار چاند لگا دئے ہیں۔ برطانیہ اور فرانس اس شمع پر پروانوں کی طرح گرے۔ اور باہم بندر بانٹ کر لی۔

تجارت | عراق ایک زرعی ملک ہے۔ صنعت و حرفت ابتدائی حالت میں ہے۔ اسی لئے یہاں برآمد سے درآمد زیادہ ہوتی ہے۔ برآمد تجارت کی اشیا یہ ہیں۔ جئی۔ جو۔ رُوئی۔ اُون۔ چمڑا۔ مویشی۔ کھجوروں کی تجارت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

آمدورفت اور تعلیم | بغداد ریلوے تقویم پارینہ ہو گئی۔ آج کل بصرہ سے بغداد اور وہاں سے ترکی ہوتے ہوئے یورپ کے دہ دراز مقامات تک ریل کی سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔

عراق میں ایک یونیورسٹی اور متعدد کالج ہیں۔ ابتدائی تعلیم کا جبری قانون نافذ ہے۔ انجیری۔ فوجی اور طبی کالجوں کے سوا باقی تمام کالجوں میں طلبہ اور طالبات یک جا تعلیم پاتے ہیں۔

فیصل | عراق کا پہلا حکم ران فیصل بڑا مدبر اور بالغ نظر تھا۔ اگرچہ سارا زمانہ اس کے خلاف تھا۔ لیکن اس نے دور رس حکمت عملی سے ہر ایک کو خوش

کرنے کی سعی کی۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں فیصل کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کے بیٹے شاہ غازی نے زمام حکومت ہاتھ میں لی۔ ابھی اس کی سلطنت گھٹنوں ہی چل رہی تھی۔ کہ ۴۔ اپریل ۱۹۳۹ء کو ایک اچانک حادثے کے باعث اس نے وفات پائی۔ اور اس کا بیٹا فیصل دوم تخت نشین ہوا۔

شرق اردن

برطانیہ اور فرانس نے عرب حکومتوں کو اپنی سیاسی منصوبہ ساز یوں کا بازیچہ بناتے ہوئے فیصل کو عراق۔ حسین کو حجاز اور عبداللہ کو شرق اردن کا علاقہ دے دیا۔ چنانچہ اپریل ۱۹۲۱ء میں بمقام عمان عبداللہ کی تقریب سریر آرائی منائی گئی۔

اپریل ۱۹۲۳ء میں جمعیت الاقوام کی منظوری سے شرق اردن کی مکمل آزادی تسلیم کر لی گئی۔

۱۹۲۹ء میں برطانیہ ہائی کمشنر کے حسب ہدایات ایک دستور اساسی وضع کیا گیا۔ اور اسے برطانیہ انتداب کی ”نعمت“ سے نوازا گیا۔

۱۹۳۹-۴۰ء میں شرق اردن کا میزانیہ ۵ لاکھ ۱۳ ہزار پونڈ تھا۔ برطانیہ بھی اسے تھوڑی سی مالی امداد دیتا ہے۔

تعلیمی رفتار سست ہے۔ کالج کوئی نہیں۔ سکول جاری ہیں۔

۲۵۔ مئی ۱۹۴۶ء کو امیر عبداللہ ”والی“ سے ”سلطان“ بن کر آزاد بادشاہ تسلیم کے

گئے۔ اور انھیں ۱۰۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔



۱۹۴۶ء کو امیر عبداللہ ”والی“ سے ”سلطان“ بن کر آزاد بادشاہ تسلیم کے گئے۔ اور انھیں ۱۰۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔

شام

۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم سے قبل شام کا علاقہ سلطانِ ترکی کے ماتحت تھا۔ لیکن اتحادیوں نے اہل شام سے وعدہ کیا۔ کہ اگر وہ ترکوں کے خلاف ان کی امداد کریں گے۔ تو جنگ کے خاتمے پر انھیں کامل آزادی عطا کر دی جائے گی۔ ایک تو عربوں کے دل میں ترکوں سے دیرینہ عداوت کے جذبات پرورش پارہے تھے۔ دوسرے آزاد حکومت کے لالچ سے ان کے منہ میں پانی بھر آیا۔ چنانچہ چار لاکھ سے زائد عرب جو ترکوں کی فوج میں شامل تھے۔ علمِ بغاوت بلند کر کے اتحادیوں کے ساتھ مل گئے۔

برطانیہ اور فرانس نے ایک خفیہ معاہدے کے رو سے طے کیا۔ کہ :-

(۱) فلسطین کا علاقہ بین الاقوامی بنا دیا جائے گا۔

(۲) حیفہ کی فلسطینی بندرگاہ اور بغداد و بصرہ کے علاقے پر خلیج فارس کے ساحل تک برطانی قبضہ ہوگا۔

(۳) شام کا ساحلی علاقہ فرانس کے زیر نگیں ہوگا۔

(۴) ساحل شام کا مشرقی علاقہ۔ حلب اور دمشق سے موصل تک۔ آزاد عرب ریاست بنا دیا جائے گا۔ لیکن اس "آزاد ریاست" کا جنوبی حصہ برطانیہ کے زیر اثر ہے گا۔ اور اس کے لئے برطانیہ سیاسی مشیر مہیا کیا کرے گا۔

شمالی علاقے میں یہی حق فرانس کو حاصل ہوگا۔

عرب اس معاہدے سے بالکل بے خبر تھے۔ مصر کے برطانی ہائی کمشنر سر ہنری میکین نے حسین شریف مکہ سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اس کی متعینہ حدود عرب کی آزادی تسلیم کر لی جائے گی۔ اور عربوں کی جنگِ آزادی میں اسے مدد دی جائے گی۔

۱۹۱۶ء میں جب روس کے اندر انقلاب کا کوہِ آتش فشاں پھٹ پڑا۔ اور زار کی حکومت کا تختہ الٹ کر عوام کی اشتراکی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ تو اس جدید سلطنت نے برطانیہ و فرانس کے اس خفیہ معاہدے کا بھانڈا چور ہے میں پھوڑ دیا۔ اسی سال

لارڈ بالفور وزیر خارجہ برطانیہ نے اعلان کر دیا۔ کہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنایا جائے گا۔ ان حالات نے عربوں کے جذبات مشتعل کر دیے۔ اس پر ۹ نومبر ۱۹۱۸ء کو برطانیہ و فرانس نے یک جائی اعلان کے چھینٹوں سے عربوں کی شعلہ افروز آتش اضطراب کو سرد کر دیا۔

جنگ کے اختتام پر سادہ لوح عرب یہ خیال کر کے خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے کہ اب وہ لیلائے آزادی سے ہم آغوش ہو کر ڈرہائے مقصود سے دامن بھریں گے۔ لیکن جب اتحادیوں کی تماشگاہ کا پردہ اٹھا۔ تو عرب یہ دیکھ کر مبہوت و شش در رہ گئے۔ کہ پردہ سیمین پر آرزو کی پرہی کے بجائے خون آرزو کا دیو سامعہ خراش صداؤں کے ساتھ رقص کر رہا ہے۔ اس وقت انھیں برطانیہ و فرانس کے چکنے چپڑے وعدوں کی حقیقت معلوم ہوئی۔ اور انھوں نے چشم یقین سے دیکھ لیا۔ کہ وہ اب تک احمقوں کی جنت میں گھوم رہے ہیں۔ غرض ہزار شیوہ اتحادیوں نے جادو کی چٹاری سے انتداب کا ایک عجیب الہیت جانور نکالا۔ جس نے جدید اور مخصوص بولی میں دنیا کو اور خاص طور پر عربوں کو بتایا۔ کہ جو نو آبادیاں اور علاقے زمانے کی موجودہ کشمکش میں اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ انھیں ترقی یافتہ ممالک کی سرپرستی میں دے دیا جائے تاکہ وہ جمعیت اقوام کی طرف سے انھیں اپنی حکومت کے سائے میں لے لیں۔

آخر ۱۹۲۰ء میں یہ فیصلہ کن اعلان کیا گیا۔ کہ عراق برطانیہ کے زیر انتداب رہے گا۔ شام کے ساحل پر جو لبنان اور اس کے شمالی علاقے پر مشتمل ہے۔ فرانس کا انتداب قائم ہوگا۔ لیکن شام سے فلسطین اور شرق اردن کے علاقے علیحدہ کر دیے جائیں گے۔ اور ان علاقوں پر برطانیہ کا قبضہ ہوگا۔ حسین کو والی حجاز۔ اس کے ایک بیٹے عبداللہ کو شاہ عراق اور دوسرے بیٹے فیصل کو فرماں روائے شام بنایا جائے گا۔

اس فیصلے کے مطابق فرانس شام کے ساحل پر قابض ہو گیا۔ لیکن وہ پورے شام کو زیر نگیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے حکومت فیصل کو غیر منصفانہ قرار دیتے ہوئے ملک میں بدامنی پھوٹ پڑنے کا بہانہ کر کے شام پر فوج کشی کر دی

اور پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔

شام کے آزادی خواہ عوام نے ملک کے طول و عرض میں بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔ فرانس نے جواب میں ۸ م گھنٹوں تک دمشق میں گولہ باری کر کے دنیا کے اس قدیم ترین اور حسین و شاداب شہر کو تباہ و برباد کر دیا۔

شام کی تحریک آزادی برابر جاری رہی۔ آخر ۱۹۳۶ء میں فرانس نے ایک صلح نامہ کے رو سے شام کی آزادی کو تسلیم کر لیا۔

شام میں تعلیم کی رفتار اطمینان بخش ہے۔ ۱۹۳۸ء میں یہاں ۳۲۰۰ مدارس قائم تھے۔ جن میں تین لاکھ کے قریب طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔

اس علاقے میں اشیائے تجارت کی درآمد زیادہ ہوتی ہے۔ اور برآمد کم۔

لبنان

لبنان شام ہی کا ایک صوبہ ہے۔ جس پر فرانس کا انتداب قائم ہے۔

یہاں کی ایک آزادی پسند جماعت مدت سے مستقل حکومت کے لئے سرگرم کوشش کر رہی تھی۔ چنانچہ جولائی ۱۹۲۰ء میں فرانس نے اپنے ماتحت لبنان میں ایک مستقل حکومت قائم کر دی۔ اور اس کی پہلی حدیں جبل عامل۔ وادی تیم۔ بعلبک۔ بقاع۔ طرابلس۔ عکا اور حصن صافیا تک بڑھادیں۔

ان علاقوں کے باشندوں نے فرانس کی خلاف ورزی اعلان کی بنا پر پُر زور صدائے احتجاج بلند کی۔ لیکن صدابہ صحرائی ثابت ہوئی۔

مستقل حکومت قائم ہونے کے بعد لبنان میں یہ مشکل پیش آئی۔ کہ یہاں کی مختلف جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت سے مقرر کیا ہوا حاکم تمام جماعتوں کو خوش اور مطمئن رکھنے سے قاصر رہتا۔ اس لئے حکومت فرانس نے فرانسیسی حاکم مقرر کر دئے۔

لبنان میں ایک پارلیمنٹ قائم ہے۔ جو جمہوریہ فرانس کے ماتحت لبنان کا انتظام

کرتی اور قانون بناتی ہے۔

مرکزی مقام بیروت ہے۔ اگرچہ مرکزی حکومت کی باگ ملکی آدمیوں کے ہاتھ میں ہے پھر بھی ان کے ساتھ ایک ایک فرانسیسی مشیر مقرر ہے۔

فلسطین

فلسطین شام کا ایک ضلع ہے۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۰ء میں عرب کی نئی تقسیم کے مطابق اسے شام سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اور دنیا بھر کے یہودیوں کو یہاں لا کر آباد کر دینے کا اعلان کیا گیا۔ جولائی ۱۹۲۲ء میں جمعیت الاقوام نے اس علاقے پر برطانیہ کا انتداب منظور کر لیا۔

فلسطین پر برطانیہ کا انتداب عربوں کے خرمین امید پر برق ہلاکت بن کر گرا۔ چنانچہ اس کے گوشے گوشے میں بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اور جگہ جگہ فساد۔ بلوے اور لوٹ مار شروع ہو گئی۔ فلسطین کے برطانی اور یہودی ہائی کمشنر سر ہربرٹ سیموئل نے قیام امن کے لئے سرگرم کوشش کی۔ مگر بے سود۔

۱۹۲۵ء میں سر سیموئل کو واپس بلا کر اس کے بجائے لارڈ پلوا کو ہائی کمشنر مقرر کیا گیا۔ اس نے مدوح الطرفین ہونے کی غرض سے عربوں اور یہودیوں کا دل مٹھی میں لینے کی کوشش کی۔ لیکن وہ کسی جماعت کو بھی مطمئن نہ کر سکا۔ ۱۹۲۶ء میں لارڈ پلور نے یہودیوں کو ایسے حقوق عطا کئے۔ جن سے فلسطین میں ان کی حیثیت بہت مضبوط ہو گئی۔ لیکن عرب بگڑ بیٹھے۔ اور ملک بھر میں بغاوت اور شور و ہنگامہ کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ ۱۹۲۹ء میں پلور مستعفی ہو گیا۔ اور برطانیہ نے حالات کا رخ دیکھ کر اپنی پالیسی میں تبدیلی پیدا کر لی چنانچہ اس نے ایک تحقیقاتی کمیشن روانہ کیا۔ اور اس کی رپورٹ پر پارلیمنٹ کی طرف سے ایک اعلان (قرطاس ابیض) شائع کیا گیا۔ جس کا مفہوم یہ تھا۔ کہ۔

"اعلان بالفور کی سپرٹ کے مطابق عربوں کا مفاد ملحوظ رکھتے ہوئے یہودیوں کی

آمد محدود کر دی جائے گی۔ یعنی ان کا جو طوفان بے مزاحمت چلا آرہا ہے۔ اس پر ایک پابندی عائد کر دی جائے گی۔“

اس پر یہودی جوہر غضب سے آگ بگولا ہو گئے۔ اور شورش و بغاوت کے زبردست ہنگاموں سے حکومت برطانیہ کا ناک میں دم کر دیا۔ چنانچہ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ وزیر اعظم نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے اس اعلان کی تشریح پڑتاج الفاظ میں کر کے اسے بے اثر بنا دیا۔

بتی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ یہودیوں کی بن آئی۔ سوکھے دھانوں پانی پڑا۔ دیوانے کتے کھلے چھوڑ دئے گئے۔ اور یہودیوں نے اپنی واحد نمائندہ جماعت یعنی دنیا بھر کے یہودیوں کی صیہونی انجمن کا دامن تھام کر اطراف و اکناف عالم سے ٹڈی دل کی طرح انبوہ در انبوہ آکر فلسطین میں آباد ہونا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ۱۹۲۲ء کی پہلی مردم شماری میں فلسطین کے یہودیوں کی تعداد ساڑھے سات لاکھ کی کل آبادی میں ایک لاکھ سے بھی کم تھی۔ اور بیس سال کے بعد ۱۹۴۲ء میں سولہ لاکھ کی کل آبادی میں ان کی تعداد پانچ لاکھ سے بھی زائد ہو گئی۔

ان حالات کا قدرتی نتیجہ اس صورت میں رونما ہوا۔ کہ اعراب فلسطین نے آزادی کی خفیہ اور علانیہ تحریکوں سے دہشت انگیز فضا پیدا کر دی۔ آخر ۱۹۳۷ء میں تحقیقات کے لئے ایک شاہی کمیشن مقرر ہوا۔ جس نے اپنی رپورٹ میں تسلیم کیا۔ کہ فلسطین کی اقتصادی حالت کے پیش نظر یہودیوں کی آزادانہ آمد پر پابندی عائد کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اور ایک محدود تعداد کے بعد مزید نوآباد کاروں کو اس ملک میں بسنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔

عربوں اور یہودیوں دونوں نے اس سفارش کو ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا۔ عربوں کا مطالبہ تھا۔ کہ یہودیوں کا داخلہ فوراً بند کر دینا چاہئے۔ اور فلسطین کو فی الفور آزاد کر دیا جائے۔ یہودیوں نے اقلیت میں ہونے کی بنا پر آزادی فلسطین کی زبردست مخالفت کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی۔ کہ فلسطین کو اس صورت میں آزادی دے دی

جائے۔ کہ یہودی اکثریت کے علاقے قطع کر کے ایک علیحدہ حکومت میں تبدیل کر دئے جائیں۔ برطانیہ نے یہودیوں کی اس تجویز کو گوش قبول سے سُننے ہوئے ۱۹۳۸ء میں اس قضیے کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک شاہی کمیشن بھیجا۔ جس نے اپنی رپورٹ میں یہودیوں کے مطالبہ تقسیم کو حق بجانب قرار دینے کی کوشش کی۔

۱۹۳۹ء کی دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں عربوں کی تحریک ہدایت زوروں پر تھی۔ لیکن اس کے رہنما مفتی امین الحسینی نے برطانیہ اور اتحادیوں کی اخلاقی ہمدردی حاصل کرنے کی غرض سے اعلان کر دیا۔ کہ جنگ کے جاری رہنے تک تحریک کے متعلق ہر جہت بند رکھی جائے گی۔ چنانچہ فلسطین میں کامل امن و سکون قائم ہو گیا۔

برطانیہ اور امریکہ نے اپنے اپنے حفظ مفاد کے لئے جلد ہی امن و سکون کا یہ سلسلہ درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اور یہودیوں کی پیٹھ کھونک کر انھیں وہاں آباد کرنے کے لئے برابر امداد دیتے رہے۔ تقسیم فلسطین کے فیصلے پر عربوں نے زبردست صدائے مخالفت بلند کرتے ہوئے جہاد کا اعلان کر دیا۔ فلسطین کے طول و عرض میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان حرب و ضرب کا بازار گرم ہو گیا۔ آتش و خون کے اس طوفان کو روکنے کے لئے مجلس اقوام متحدہ قائم ہوئی۔ جس نے اس نازک مسئلے کو حل کرنے کی موثر تدابیر سوچنے کے لئے فریقین کو جنگ سے دست کش ہو جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ جنگ بند ہو گئی۔ لیکن یہودیوں کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی جاری رہی۔ کچھ عرصے کے بعد مجلس مذکورہ نے اس ملک کو تقسیم کر کے افلاس تدبیر کا افسوس ناک ثبوت پیش کیا۔ اور جزیرہ فلسطین کے گوشے گوشے میں غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ ✓

۳۔ نومبر ۱۹۴۷ء کو عرب لیگ کے جنرل سکرٹری عبدالرحمن عظام پاشا نے حسب ذیل اعلان کیا۔

”عرب ممالک کسی ملک کے خلاف فوجی کارروائی کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن اگر ہمیں

مجبور کیا گیا۔ تو ہم حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تمام قوتیں محترف کر دیں گے۔“

۱۹۔ نومبر کو مجلس اقوام متحدہ کے عرب نمائندوں نے مندرجہ ذیل مشترکہ اعلان کیا۔

”مجلس کو تقسیم فلسطین کا کوئی حق حاصل نہیں۔ فلسطین ہر حالت میں متحد رہے گا۔“

تقسیم فلسطین کی تجویز دستور انتداب کے خلاف ہے۔ اور اس کے ذریعے سے اقوام متحدہ کی منشور شکنی کی گئی ہے۔ فلسطین میں عرب حکومت کا مطالبہ جائز اور معقول ہے۔

اعلان بالفور اور انتداب کے معاملے کو بین الاقوامی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔“

۲۱۔ نومبر کو سلطان ابن سعود نے صدر ٹرومین کو اس مضمون کا ایک مکتوب ارسال

کیا۔ کہ ”اگر امریکہ فلسطین سے متعلق موجودہ حکمت عملی پر کار بند رہا۔ تو عرب جہاد کا اعلان

کر دیں گے۔“ ۲۶۔ نومبر کو جمال الحسینی نے فلسطین میں کمیٹی کے اجلاس کے بعد اعلان

کیا۔ کہ ”عرب تقسیم فلسطین کی مخالفت پر عمل گئے ہیں۔ فلسطین کا آخری فیصلہ نیویارک میں

ہیں۔ بلکہ فلسطین ہی میں ہوگا۔“ مصری نمائندے نے کہا۔ ”عربوں کو مجلس اقوام متحدہ

پر ذرا اعتماد نہیں رہا۔ اور وہ فلسطین کی مقدس سر زمین کو یہودیوں کے ناپاک قدموں سے

پاک کرنے کا آخری فیصلہ کر چکے ہیں۔“ ۲۹۔ نومبر کو عبدالرحمن عظام پاشا نے کہا۔ ”اگر

مجلس اقوام متحدہ نے تقسیم فلسطین کے حق میں فیصلہ کیا۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے۔

کہ عرب ممالک یہودیوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے۔“

اسی تاریخ کو مجلس مذکورہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو تقسیم کر دینے کا فیصلہ کر دیا۔

تاکہ عربوں اور یہودیوں کی علیحدہ علیحدہ آزاد حکومتیں قائم کر دی جائیں۔

یکم دسمبر کو عرب مجلس اعلیٰ نے اعلان کیا۔ کہ یہودیوں کا مکمل مقاطعہ کیا جائے۔ اور

ان سے لین دین کرنے والوں کو غدار قوم تصور کیا جائے۔ فیصلہ کیا گیا۔ کہ جب تک ملک

میں ہنگامی حالات کا اعلان نہ کر دیا جائے۔ مقاطعہ بدستور جاری رکھا جائے۔ مجلس نے

تقسیم فلسطین کے فیصلے یکسر نامنظور کر دئے۔ اور ملک میں ۲۔ دسمبر سے تین دن کی عام اجتماع

سڑتال کا اعلان کر دیا گیا۔ ۴۔ دسمبر کو شام کے عرب گروہ درگروہ فلسطین میں آنے لگے۔

۶۔ دسمبر کو حکومت لبنان نے فلسطین کے لئے دس لاکھ پونڈ کی منظوری دی۔

۲۱۔ جنوری ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کے فلسطین کمیشن نے فوجیں روانہ کرنے کی سکیم پر

غور و خوض کیا۔ ۲۷۔ جنوری کو عربوں نے پندرہ ہزار یہودیوں کا محاصرہ کر لیا۔

۲۶۔ فروری کو لیک سکس کے یہودیوں نے حکومت امریکہ پر الزام عائد کیا۔ کہ اس نے فلسطین کے باب میں یک بام و دو ہوا کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ اگر وہ عربوں کے خلاف کوئی آواز بلند کرے۔ تو اسے تیل سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ اگر یہودیوں کو چھوڑے تو مشرق اوسط میں دخل سے محرومی کا خطرہ ہے۔ لیکن جب عربوں کو یہود نواز اقوام متحدہ کے خفیہ عزائم سے آگاہی ہوئی۔ تو مسلح عربوں اور سامان جنگ سے لدی ہوئی لاریاں فلسطین میں داخل ہو گئیں۔ اور تقریباً سو عربوں نے یہودی پولیس کو لے جانے والی لاری پر حملہ کر کے دو سو کے قریب یہودیوں کو ڈھیر کر دیا۔

۳۰۔ مارچ کو سلامتی کونسل کے اجلاس میں امریکی وفد نے یہ تجاویز پیش کیں۔ کہ

(۱) فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان صلح کرائی جائے۔

(۲) فلسطین کو تولیت میں دینے کی تجویز پر غور کرنے کے لئے جنرل اسمبلی کا اجلاس طلب

کیا جائے۔

اپریل کے پہلے ہفتے تک روس تقسیم کا حامی۔ امریکہ تولیت کی سکیم کا آرزو مند اور برطانیہ فلسطین خالی کرنے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ عربوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے لئے یہودیوں کی ناکہ بندی کر دی۔

۱۵۔ اپریل کو مجلس متحدہ کے فلسطینی کمیشن نے عربوں اور یہودیوں سے حسب ذیل

مطالبہ کیا۔

(۱) وہ فی الفور فوجی اور نیم فوجی سرگرمیاں ترک کر دیں۔

(۲) فلسطین میں مسلح گروہوں کی درآمد روک دیں۔

(۳) جنگی سامان حاصل کرنے۔ اس کے حصول میں امداد دینے یا اس کی درآمد کی حوصلہ

افزائی کا سلسلہ بند کر دیں۔

۱۷۔ اپریل کو سلامتی کونسل کے عام اجلاس میں عربوں اور یہودیوں میں عارضی

صلح کرانے کی تجویز پر بحث ہوئی۔

۲۔ مئی کو جنرل اسمبلی۔ برطانیہ دارالعوام۔ تولیتی کونسل۔ سلامتی کونسل۔ یہودیوں

اور عرب نمائندوں کے اجلاس منعقد ہوئے۔

عرب ممالک نے فیصلہ کیا۔ کہ:-

(۱) شامی اور لبنانی دستے شمالی فلسطین پر حملہ کریں۔

(۲) شرق اردن کی عرب فوج اور عراقی دستے وسطی فلسطین پر ہتھ بول دیں۔

(۳) پندرہ ہزار مصری دستے جنوبی فلسطین پر یورش کریں۔

۱۰۔ مئی کو مصری فوجیں فلسطین میں ۵۷ میل چلی گئیں۔ ۱۲۔ مئی تک عارضی صلح کی ساری

گفت و شنیدنا کام ہو کر رہ گئی۔ مصری پارلیمنٹ نے فلسطین پر مصری فوجوں کے حملہ اور ہونے

کی تجویز پیش کر دی۔ یہودیوں نے اسرائیلی حکومت کے اعلان قیام کی تیاری مکمل کر لی۔ ۱۲۔ مئی

کو سلامتی کونسل کے اجلاس میں تو لیتی کمیشن کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۵۔ مئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ نے دم توڑ دیا۔ یہودی ریاست کے قیام کا اعلان

ہو گیا۔ متحدہ فلسطین کا مطالبہ دہرایا گیا۔ فلسطین کمیشن کی رپورٹیں تلف ہو گئیں تقسیم فلسطین

کی سکیم نامنظور ہو گئی۔

اس کے بعد عربوں اور یہودیوں نے اتحادیوں کے ثالث کی تجویز کے مطابق جنگ

بند کر دی۔ لیکن اس نازک واہم مسئلے کا صحیح حل ابھی دریافت نہیں ہو سکا۔

طرابلس الغرب

۱۹۱۲ء میں انگلستان۔ فرانس اور اٹلی نے ایک خفیہ مفاہمت کے رو سے فیصلہ

کیا۔ کہ اٹلی طرابلس پر۔ فرانس مراکش پر اور انگلستان مصر پر قبضہ کرے۔ اور ان میں سے کوئی

طاقت کسی کے خلاف نہ بولے۔ چنانچہ اٹلی نے طرابلس پر یورش کر کے اسے فتح کر لیا۔ ان

دنوں ترکی کا آفتاب اقتدار ڈھل رہا تھا۔ اس لئے وہ اس صوبے کو اطالوی حملہ آوروں

سے بچانہ سکا۔ لیکن طرابلس کے آزادی پسند طبقے برابر مقابلے پر ڈٹے رہے۔

پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر اتحادیوں نے ترکی سے معاہدہ کیا۔ تو سب نے طرابلس

پراٹلی کا قبضہ تسلیم کر لیا۔ لیکن طرابلس کے پروانگان حریت نے اس معاہدے کو پرکاش سے بھی زیادہ وقعت نہ دی۔ اور جدوجہد کی رفتار تیز تر کر دی۔ اس جنگ آزادی کی روح ورواں سنوسی تحریک تھی۔

سنوسی تحریک کے بانی سید محمد بن علی تھے۔ جو اٹھارھویں صدی کے آخر میں الجزائر کے قصبہ سنوس میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے انیسویں صدی کے نصف اول میں سنوسی جماعت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کے اصول یہ تھے۔ کہ سنت و شریعت پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ کام شروع کرنے کا طریق یہ تھا۔ کہ عوام کی اصلاح و ترقی کے لئے ایک ”تربیت گاہ“ قائم کی جاتی تھی۔ جس میں ہر شخص اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتا تھا۔ عبادت کے علاوہ مذہبی اور فوجی تعلیم پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ یہ ”تربیت گاہیں“ بہت جلد مقبول ہو گئیں۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں مصر۔ سودان اور حجاز تک ان کے جال بچھاوئے گئے۔

اٹلی کا مختار مطلق مسولینی سنوسیوں کے جہاد سے سخت پریشان ہوا۔ تو اس نے ان کے خلاف سارے یورپ میں یہ مخالفانہ پروپیگنڈا کیا۔ کہ سنوسی تحریک روئے زمین سے عیسائیت کا نام و نشان تک مٹا دینا چاہتی ہے۔ برطانیہ اور فرانس نے اپنے مفاد کے پیش نظر اس پروپیگنڈے کو وسیع کرنے میں زبردست امداد دی۔ اٹلی نے ان طاقتوں کی شہ پا کر اس تحریک کو فنا کرنے کا بیڑا اٹھالیا۔ اہل طرابلس سنوسی رہنماؤں کی تائید و حمایت سے بنیان مرصوص بن کر اٹلی کے مقابلے میں ڈٹے رہے۔ لیکن اٹلی کی پشت پر سارا یورپ تھا۔ اور سنوسیوں کو کہیں سے بھی جنگی اور مالی امداد میسر نہ تھی۔ اس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ۱۳۔ جنوری ۱۹۳۱ء کو اطالوی فوج نے سنوسی تحریک کے مرکزی مقام کفرہ پر قبضہ کر لیا۔

اس تصرف کے بعد اطالوی درندوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔ قرآن عزیز کی جلدیں اٹھا اٹھا کر زمین پر پھینکی اور پاؤں سے مسلی گئیں۔ مذہبی کتابیں شراب میں تر کی گئیں۔ بڑے بڑے علماء کو ہوائی جہازوں میں سوا

کرا کے یکے بعد دیگرے بلندی سے نیچے گرا دیا گیا۔ مسجدیں۔ عبادت گاہیں اور خانقاہیں توڑ پھوڑ کر تباہ و برباد کر دی گئیں۔

یورپی طاقتیں تو اٹلی کے ان وحشیانہ مظالم پر منہ میں گھنگنیاں بھر کر بیٹھی رہیں لیکن دنیاے اسلام میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک غیظ و غضب اور جوش و خروش نہ ہوا۔ اس کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اور اطالوی مال کے مقاطعے کی تحریک پورے زور سے شروع کر دی گئی۔ اب اٹلی کو ہوش آیا۔ اور اس نے خونچکاں واقعات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لاکھوں بے خانماں مسلمانوں کو ان کے وطن میں واپس بلانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن تیرکمان سے نکال چکا تھا صرف تھوڑے سے لوگ واپس گئے۔ جنہیں زمینوں پر محنت مزدوری کرنے کا کام دیا گیا۔

۱۹۲۳ء میں اتحادی فوجوں نے طرابلس پر قبضہ کر لیا۔

تونس

مدت سے فرانس شمالی افریقہ پر دندانِ حرص و آرتیز کے بیٹھا تھا۔ چنانچہ ۱۸۸۱ء میں اس نے تونس پر فوج کشی کر دی۔ حالانکہ اس سے ایک سال قبل اس نے صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ اسے تونس پر دست درازی کا کوئی خیال نہیں۔ فرانس کے اس حملے سے یورپ کے طول و عرض میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ لیکن اس نے مشہور طاقتوں سے خفیہ معاہدے کر کے ان کے لبوں پر مہر سکوت لگا دی۔

آخر یہ راز بے نقاب ہو گیا۔ اور ۱۸۹۳ء میں فرانس کے ایک وزیر ویدنگٹن نے ٹونکے کی چوٹ کہہ دیا۔ کہ۔۔۔

”ہم نے انگلستان سے ایک خفیہ معاہدہ کر کے تونس کے تمام حقوق فرانس کے واسطے حاصل کر لئے تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب ہم نے اس پر اپنا جھنڈا لہرایا۔ تو یورپ میں کوئی خاص مخالفت نہ ہوئی۔“

دول یورپ کی اس ساز باز کا یہ دردناک نتیجہ رونما ہوا۔ کہ تونس کا سلطان فرانسس سرپرستی میں دے دیا گیا۔ ترکی میں ہنگامہ آرائی کا دم خم ہی نہ تھا۔ اس لئے مغربی طاقتوں نے فرعونی و نمرودی روش سے کام لے کر من مانی کارروائیاں کر لیں۔ اس وقت سے اب تک یہاں ایک نام نہاد سلطان تخت حکومت پر متمکن چلا آتا ہے۔ لیکن عملاً نظم و نسق کی باگ فرانس کے ہاتھ میں ہے۔

۱۹۱۳ء کی پہلی جنگ عظیم میں فرانس نے تونس کو یقین دلایا۔ کہ اگر یہاں کے باشندے فوجی بھرتی اور چندے سے زبردست امداد دیں گے۔ تو ان کا دامن تمنا اصلاحات کے نعل و گوہر سے یوں بھر دیا جائے گا۔ کہ ان کی کھوئی ہوئی آزادی انھیں واپس مل جائے گی۔ اہل تونس نے فرانس کے بھڑوں میں آکر پوری قوت سے اسے جانی و مالی امداد دی۔ لیکن ادھر جنگ ختم ہوئی۔ اور ادھر فرانس نے طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیں۔ اس پر عوام میں ایک ہیجان برپا ہو گیا۔ لیکن فرانس نے روغن قازل کر جمہوری اصلاحات کے نفاذ کا وعدہ کرتے ہوئے اس آتش غیظ و غضب کو ٹھنڈا کیا۔ ۱۹۲۲ء میں یہ وعدہ یوں ایفا کیا گیا۔ کہ ایک "مجلس کبیر" قائم کی گئی جس کی مستقل اور دائمی صدارت فرانسس کے ریپبلیکنٹ جنرل کو عطا کی گئی۔ اور اس کے گیارہ ارکان میں سے آٹھ تو ۲۰ ویں صدی فرانسس آبادی اور صرف تین ۹۳ فی صدی عرب آبادی سے لئے گئے۔

فرانس کے لئے تونس کی زبردست اہمیت کا اندازہ چیمبرس انسائیکلو پیڈیا کے حسب ذیل الفاظ سے بخوبی ہو سکتا ہے :-

"فرانس کے تمام مقبوضات میں تونس بے حد اہم ہے۔ تونس کی وجہ سے فرانس کو ایک بہت بڑا بحری ساحل حاصل ہے۔ جس کی بہت سی محفوظ بندرگاہوں کی بدولت فرانس کو "شمالی افریقہ کی ملکہ" کا درجہ مل گیا ہے۔ بحیرہ روم میں تونس کا محل وقوع اتنا اہم ہے۔ کہ جبل الطارق اور مالٹا بھی اس کے آگے دوم درجے کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

مراکش

یہ بحیرہ روم کے مغربی دروازے پر ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ جس کے ایک حصے پر فرانس اور دوسرے پر ہسپانیہ قابض ہے۔ مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں اسے زیر نگین کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں ایک زبردست حکومت قائم کر لی۔ ہسپانیہ میں اسلامی سلطنت کا علم اقتدار سرنگوں ہوا۔ تو مراکش پر بھی سیاسی ابتری کی گھٹائیں چھا گئیں۔ اور ایک صدی سے زیادہ عرصے تک خانہ جنگیوں کی آگ بھڑکتی رہی۔ آخر سترھویں صدی عیسوی کے آخر میں مولائے اسماعیل نے فساد و بد نظمی کے شعلے امن و نظام کے پانی سے بجھائے۔ ۱۹۱۲ء میں سلطان حسن کی وفات کے بعد اس کا کم سن بیٹا عبدالعزیز سربراہانے سلطنت ہوا۔ لیکن اس کی نابالغی کے باعث نظام حکومت ایک ریجنسی کی تحویل میں دے دیا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں عمان حکومت عبدالعزیز کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ اس نوجوان نے رنگ برنگ کے شوق پورے کرنے کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کرنا شروع کر دیا۔ تو عوام میں جوش و اضطراب پھیل گیا۔ اور بعض قبائل کے درمیان شورش و بغاوت کے شرارے اڑنے لگے۔

اندھا کیا چاہے۔ دو آنکھیں۔ فرانس کے گھر میں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ اور اسے مراکش پر تسلط ٹھانے کے لئے ایک زرین موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ اس نے برطانیہ ہسپانیہ اور اٹلی سے خفیہ سازش کی۔ اور ایک وفد کے ذریعے سے سلطان مراکش کو پیغام بھیجا۔ کہ ”آپ کے ملک میں بد امنی کا دور دورہ ہے۔ جس سے فرانس کو دکھ پہنچ رہا ہے۔ لہذا وہ نہایت خوشی سے اس صورت میں اپنی خدمات پیش کرنے پر آمادہ ہے۔ کہ آپ کی پولیس کو جدید طریقوں کے مطابق تربیت دینے کے لئے بعض فرانسیسی انسپیکٹرز بھیج دئے جائیں گے۔ اور سڑکوں۔ برقی نظام اور بنک کے سلسلے میں بھی فرانس آپ کی مدد کے لئے شوق سے حاضر ہے۔“

اس کے بعد فرانس نے سلطان کو سیاسی اصلاحات جاری کرنے کے لئے دو کروڑ بیس

لاکھ فرانک قرض دیا۔ اور مراکش کے سیاہ و سپید پر قابض ہو جانے کا انتظام کر لیا۔
 اگرچہ بظاہر اہل مراکش مغلوب کر لئے گئے۔ لیکن ان کے دلیرانہ جذبہ آزادی پر کوئی طاقت
 غلبہ نہ پاسکی۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں یہاں بغاوت کا بازار پوری شدت سے گرم ہو گیا۔ اور کوہستان
 ریف کے بہادر قومی رہنما غازی عبدالکریم نے دشمن کی فوج کو شکست فاش دے کر لاکھوں کے
 سامان جنگ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ۱۹۲۶ء میں فرانس اور ہسپانیہ دونوں نے مل کر بے پناہ یورش
 کر دی۔ اور غازی سپر ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

آج کل فرانسیسی مراکش اور ہسپانوی مراکش دونوں کی یہ حالت ہے۔ کہ بظاہر تو سلطان
 حکمران ہے۔ لیکن دراصل فرانس اور ہسپانیہ کو اپنے اپنے علاقوں میں تمام محکموں پر پورا
 پورا قبضہ اور اقتدار حاصل ہے۔

الجزائر

الجزائر مراکش کے مشرق میں واقع ہے۔ اٹیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک اس
 پر ترکی کا پرچم اقتدار لہرا رہا تھا۔ لیکن ترکی آئے دن زوال کے گڑھے میں گر رہا تھا۔ اس
 لئے ۱۸۳۰ء میں فرانس نے اس پر فوج کشی کر دی۔ ترکوں نے کسی قدر مقابلہ کیا۔ لیکن
 فرانس کی زبردست و جدید تیاریوں کے باعث انھیں کامیابی نہ ہوئی۔ اور وہ راہ فرار
 اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ترکی نے تو الجزائر کو فرانس کے رحم پر چھوڑ کر جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور الجزائر کے
 باشندے فرانس کے محکوم ہو گئے۔ لیکن ان کے جوش آزادی میں ذرا فرق نہ آیا۔ چنانچہ ان
 کی تحریک آزادی کے سب سے بڑے رہنما سید عبدالقادر نے تخت یا تختے کے اصول پر
 غلامی کی زنجیریں ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے لئے کمر ہمت باندھ لی۔ اور تھوڑی سی فوج کے
 ساتھ ایسی بے جگری سے فرانس کے ٹڈی دل لشکر کا مقابلہ کیا۔ کہ دنیا انگشت بدندان
 رو گئی۔ عبدالقادر عرصے تک پٹے کے ہاتھ دکھا کر فرانس کو تگنی کا ناچ نچاتا رہا۔ لیکن فرانس

کی پشت پر دنیا بھر کی طاقت ور حکومتیں تھیں۔ اور الجزائر یکہ و تنہا تھا۔ آخر ۱۸۳۰ء میں عبدالقادر کو قیدی کی حیثیت سے فرانس لے گئے۔ اور وہیں وہ مع اہل و عیال نظر بند کر دیا گیا۔

عبدالقادر کے بعد بھی اس کی پیدا کی ہوئی روح آزادی عوام میں شدت سے کار فرما رہی۔ چنانچہ ۱۸۵۰-۱۸۵۶ء میں نہایت ہولناک خون ریز لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن فرانس نے انتہائی جبر و تشدد اور بنیاد و حشت و بربریت کا مظاہرہ کر کے عارضی طور پر آتش بغاوت فرو کر دی۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح ہندوستان میں برطانیہ نے جنگ آزادی کے خونیں سیلاب کو وقتی طریق پر روک دیا تھا۔

جب فرانس نے دیکھا۔ کہ الجزائر پر تصرف کرنے کا کوئی معقول بہانہ نہیں۔ تو اس کے فریب کار اور حیلہ ساز داغ نے یہ تدبیر سوچی۔ کہ ادنیٰ درجے کے یورپیوں کو الجزائر کے شمالی حصے میں آباد کر کے وہاں ایک جدید اقلیت کی تخلیق کر لی جائے۔ اور اس اقلیت کی آڑ میں الجزائر کو تونس کا ایک حصہ ظاہر کیا جائے۔ یہ تیر نشانے پر بیٹھا۔ اور ۱۸۶۳ء میں نیولین ثالث کے ایک شاہی اعلان کے ذریعے سے الجزائر کو فرانس کا ایک صوبہ قرار دے دیا گیا۔

اس کے بعد وقتاً فوقتاً اہل الجزائر نے حصول آزادی کے لئے ہنگامہ خیز معرکے لڑائیاں کیں۔ لیکن انھیں کوئی قابل ذکر کامیابی نہ ہوئی۔ اب فرانس نے گونا گوں سختیوں اور بیداد آرائیوں سے الجزائر کی تمام قوتیں شل کر دینے کی کوشش کی۔ جس سے وہاں مدت تک ایک طرح کا سکون طاری رہا۔ ۱۹۱۲ء میں جنگ عظیم کے چھڑ جانے پر فرانس کو الجزائر سے مدد لینے کی ضرورت پیش آئی۔ تو اس نے آزادی دے دینے کا اعلان کر کے وہاں کے باشندوں کو جانی و مالی قربانی کے میدان میں اتر آنے پر آمادہ کیا۔ انھوں نے آزادی کا گہر مقصود حاصل کرنے کے لئے آتش و خون کے بھیانک طوفانی سمندر میں غوطہ زنی کی۔ اور ۶۲ ہزار آدمی آزادی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گئے۔ لیکن جنگ کے خاتمے پر پُرسور ہنگامہ آرائی کے بعد کمال آزادی کے بجائے ان کی جھولی میں تین قسم کی اصلاحات

کے ٹکڑے ڈال دئے گئے۔ (۱) قصبوں اور شہروں کے نظم و نسق سے متعلق محدود الاختیارات
 بلدیات۔ (۲) فوج میں الجزائر یوں کو معمولی عہدے پالینے کا حق اور (۳) فرانسیسی شہریت
 کے حقوق۔

غرض آج کل الجزائر فرانسیسی اقتدار کے ماتحت غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ اور
 فرانس نے اسے جمہوریت کا نام دے رکھا ہے۔

چوبیسواں باب

ایران

۱۸۵۰ء کے بعد سلطنت ایران کی فضا بادشاہ کی عیش پرستیوں کے باعث ابتری و ربد نظمی کے گرد و غبار سے لبریز ہو گئی۔ یورپی سرمایہ داروں نے یہاں کی سرزمین کو تیل اور تمباکو سے مالا مال دیکھ کر ان دونوں چیزوں کی تجارت پر قابض ہو جانے کے لئے سرگرم جدوجہد شروع کر دی۔ شاہ قاجار حاکم ایران نے اسمعیل خدیو مسخر کی طرح حکومت کے ادارے رہن رکھ کر قرض لینا شروع کر دیا۔ لیکن جب ۱۸۹۰ء میں سارے ایرانی تمباکو کی کاشت، فروخت اور برآمد کا ٹھیکہ ایک انگریز کمپنی کو دیا گیا۔ تو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بیجان و اضطراب کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔

اسی زمانے میں سید جمال الدین افغانی نے ایران پہنچ کر حالات کو درست کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بادشاہ نے انھیں اپنے ڈھب کا نہ پا کر گرفتار کرنے کے بعد جلا وطن کر دیا۔ انھوں نے حاجی مرزا حسن شیرازی مجتہد اعظم کے نام ایک مکتوب میں ایران کے سب ذیل چشم دید حالات تحریر کئے :-

”اسے پیشواے اعظم الارباب بادشاہ کا دل و دماغ کمزور ہے۔ اس کی سیرت نہایت بڑی اور دل ناپاک ہے۔ وہ ملک پر حکومت اور رعایا کی اصلاح کرنے کا ہرگز اہل نہیں۔ اس نے فاسق و فاجر اور ظالم و سیاہ باطن افراد کے ہاتھ میں زمام اختیار و اقتدار سے رکھی ہے۔ وہ رسول کریم کا مسخک اڑاتا اور آئین شریعت کی توہین کرتا ہے۔ وہ شریعت

کے نافذ کرنے والوں کی تحقیر اور علمائے اسلام کو نفرت سے یاد کرتا ہے۔ وہ نیک و پرہیزگار اشخاص کی بے عزتی کرتا ہے۔ اور آل رسولؐ سے تعلق رکھنے والے افراد کی تذلیل سے باز نہیں آتا۔ علاوہ بریں جب سے وہ کفار کے ملک سے واپس آیا ہے۔ یکسر شرابے ہمار ہو گیا ہے۔ گھلے بندوں شراب پیتا اور بے دینوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا ہے۔ اس نے ایران کا ایک طویل و عزیز علاقہ اس کے تمام منافع کے ساتھ کفار کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ نیز سڑکیں۔ کارواں سرائے۔ باغ اور کھیت سب کے سب ان کے سپرد کر دیے ہیں۔

”تمباکو کی ساری کاشت مع کھیتوں کے۔ انگوروں کے تمام باغ۔ صابون۔ موم بتیاں اور شکر سازی کے تمام کارخانے کفار کو دے ڈالے ہیں۔ یہاں تک کہ بنگ بھی۔ میں آپ کو کیونکر بتاؤں۔ کہ بنگ کیا ہے۔ مختصر یہ کہ ساری سلطنت اعدائے اسلام کی تحویل میں ڈی ہے۔ اس کے بعد جو باقی بچا۔ وہ روس کے حوالے کر دیا گیا۔ یعنی مندب رشت۔ دریائے طبرستان۔ انزالی اور خراسان کی درمیانی سڑک۔ اس کے ساتھ آس پاس کے تمام مکانات۔ کارواں سرائے اور قابل کاشت زمین بھی دے دی گئی۔ لیکن روس اب بھی مطمئن نہیں۔ وہ تو خراسان۔ آذربائیجان اور ماژندران کے پورے صوبوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

”اس بلعون نے مجھے اس وقت گرفتار کر لیا۔ جب میں خانقاہ عبدالعظیم میں مقیم اور سخت بیمار تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے حکام نے جاڑے کے موسم میں طہران کی اس سڑک پر جو برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ مجھے گھسیٹا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے حکام نے میری بیماری کی پروا نہ کرتے ہوئے ایک لٹو ٹو پر مجھے بٹھایا۔ اور زنجیروں میں جکڑ دیا۔ اور جب جاڑے کی ٹھٹھرا دینے والی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اور ہر طرف برف ہی برف پڑ رہی تھی۔ مجھے خانقین پہنچایا گیا۔ اور یہاں سے بصرہ بھیج دیا گیا۔ ایران سے جلا وطن ہو کر سید جمال الدین لندن پہنچے۔ اور رسالہ ”غیاۃ الخائفین“ شکر کے ایران کی رائے عامہ کو بیدار و تیار کیا۔

اس داخلی و خارجی شورش کا یہ اثر ہوا۔ کہ علماء ایران نے تمباکو پینے کے خلاف ایک متفقہ فتویٰ شائع کیا جس سے شاہ ایران کے خدام تک نے اسے حقہ بھر کر دینے سے انکار کر دیا۔ شاہ کو مجبوراً تمباکو کا ٹھیکہ منسوخ کرنا پڑا۔

اس تدبیر سے عوام کا اضطراب کم نہ ہوا۔ کیونکہ ابھی دوسرے ذرائع معاش برابر برطانی اور روسی سرمایہ داروں کے قبضے میں تھے۔ آخر ۱۸۹۶ء میں ایک شخص مزار رضاخان نے شاہ ایران کو ہتھیار کر دیا۔ اور گرفتاری کے بعد عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا۔

”..... سید جمال الدین نے سچی باتوں کے سوا اور کیا کہا تھا؟ لیکن اس کی پاداش میں ان کی یہ درگت بنائی گئی۔ کہ اسے جو آل رسول سے تھا۔ ایک مقدس خانقاہ کی چار دیواری سے اس بے رحمی کے ساتھ گھسیٹ کر نکالا گیا۔ کہ اس کے کپڑے تک پھٹ گئے۔

میں نے جن احساسات کی بنا پر یہ قتل کیا ہے۔ ان میں میرے ساتھ ایران کے بے شمار افراد شریک ہیں۔ جن میں علماء بھی ہیں۔ امار بھی۔ تاجر بھی ہیں اور مزدور بھی۔

اب تو ہر شخص کے جذبات و احساسات وہی ہیں۔ جو میرے ہیں۔ لیکن میں اس خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں۔ جو سید جمال کا اور تمام انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ کہ میں نے سید جمال الدین کے سوا اس قتل کے ارادے کی اطلاع اور کسی کو دیا ہی نہیں۔ مگر سید صاحب تو اب قسطنطنیہ میں ہیں۔ جو کچھ تم کر سکتے ہو کرو۔“

قتل شاہ کے باوجود نظام حکومت جوں کا توں رہا۔ اور حالات میں کوئی تغیر رونما نہ ہوا۔ پرو فیسر براؤن رقم طراز ہیں:-

”نیا بادشاہ بھی اپنے پیش رو کے رنگ میں رنگا گیا۔ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی۔ کہ یورپ کی رنگین فضاؤں میں رنگ رلیاں منانے کا شوق ان بادشاہوں کو بار بار قرض لینے پر مجبور کرتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۰۰ء میں روس سے دو کروڑ پچیس لاکھ روپے لیا گیا۔ پھر دو سال بعد ۱۹۰۲ء میں اس پر ایک کروڑ کا اضافہ ہوا۔ اس قرض کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ حکومت کے محکمے تو روسی کفالت میں بطور ضمانت چلے جاتے تھے۔ اور قرض کی رقم یورپ کے ہوٹلوں کی نذر ہو جاتی تھی۔ جہاں ایک ایک دن کے مصارف کا بل چھ چھ ہزار فرانک (تقریباً

چار ہزار روپیہ تک پہنچتا تھا۔

کاغذ کی ناؤ کب تک بہتی۔ رعایا راعی کے ہولناک مظالم کب تک بہتی؟ آخر شورش و بغاوت کے زلزلے آنے لگے۔ اور بادشاہ کو عوام کے مطالبہ حکومت دستوری کے آگے جھکنا پڑا۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء میں ایک نمائندہ عوام مجلس نے دستور اساسی مرتب کیا جس کے رو سے بادشاہ کے اختیارات کو آئین و دستور کا پابند بنانے کی سہمی کی گئی۔

اس پر روس اور برطانیہ کے کان کھڑے ہوئے۔ اور انھوں نے اپنے اپنے آبگینہ مفاد کو ٹھیس سے بچانے کے لئے ۱۹۰۷ء میں شاہ ایران کو ایک معاہدہ کرنے پر مجبور کیا۔ جس کے رو سے ایران کے ذرائع معاش و حصوں میں بانٹ دئے گئے۔ (۱) شمالی اور (۲) جنوبی شمالی حصے کے معاشی ذرائع پر روس کو اور جنوبی حصے پر برطانیہ کو مختار بنا دیا گیا۔ اس معاہدے نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ عوام کے جذبات حد سے زیادہ بھڑک اٹھے۔ بادشاہ نے رہنماؤں کو نذر و دار کر دیا۔ اور لوگوں کے گھر ٹوٹ لئے گئے۔ اس پر آتش انقلاب کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ بغاوت کی سرصر نے پورے زور سے سائیں سائیں کر کے دلوں کو ہلا دیا۔ آخر ۱۹۰۶ء میں شاہ نے راہ فرار اختیار کر کے جان بچائی۔ اور تاج و تخت اس کے بیٹے سلطان احمد کے سپرد کیا گیا۔

۱۹۱۶ء میں روس کی سرزمین تو سن انقلاب کی ٹاپوں سے پامال ہو گئی۔ اور زاریت کو تختہ الٹ کر بالشویت کا طوطی بولنے لگا۔ روس کی جدید حکومت ایران پر قبضہ قائم نہ رکھ سکی۔ وہاں سے روسی اقتدار کے اٹھ جانے کا اعلان کر دیا گیا۔

ہلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ برطانیہ کی منہ مانگی مراد برآئی۔ اور ۱۹۱۹ء میں اس کے وزیر خارجہ لارڈ کورڈن نے شاہ ایران سے ایک معاہدے پر دستخط کرا کے اس کے سارے ملک کو برطانیہ کے فوجی اور سیاسی اقتدار کی بھٹی میں جھونک دیا۔ اب عام طور پر یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ایران کے شمال میں اشتراکیت کا پھر برا اٹھے گا۔ اور جنوب میں برطانیہ اپنے اقتدار کو سکھ بٹھائے گا۔

رضا شاہ پہلوی | اسی دوران میں ایک گم نام فوجی افسر رضا شاہ پہلوی نے ۱۹۲۱ء میں

تھوڑی سی فوج لے کر قصر شاہی پر چڑھائی کر دی۔ شاہ ایران نے اسے طلب کر کے اس سے گفتگو کی۔ اس نے باتوں باتوں میں کہہ دیا۔ کہ :-

”ایران کا مطلع سیاست مکدر ہو چکا ہے۔ اور وہ دن دور نہیں۔ کہ یہ نام تہاد شاہی بھی آخری بچکی لے کر دم توڑ دے۔ ایران پر اجنبی طاقتوں کے بھیانک سائے پڑ رہے ہیں۔ جن سے نجات پانے کی یہی واحد صورت ہے۔ کہ آپ مجھے مقدر آزمائی کا موقع دیں۔ اور موجودہ کمان دار اعظم اور وزیر اعظم کو معزول کر کے ان کا کام میری تحویل میں دے دیں۔“

شاہ ایران نے بے بسی کی حالت میں رضا شاہ کا مطالبہ منظور کر لیا۔ اور ملک گونا گوں و روز افزوں مشکلات کے گرداب میں پھنس کر ساحل پر ابھرا آیا۔ برطانی فوجیں ایران سے لوٹ گئیں۔ اور ایران پر پھر ایرانیوں کے اقتدار کا پرچم لہرانے لگا۔

دسمبر ۱۹۲۵ء میں شاہ ایران کو معزول کر کے شاہی اختیارات کی باگ رضا شاہ کے ہاتھ میں دے دی گئی۔

اب رضا شاہ کو دو سب سے بڑے مسئلے حل کرنے تھے۔ (۱) امن عامہ کا قیام اور (۲) ملک کی معاشی حالت کی اصلاح۔ چنانچہ پہلے اس نے فوج کی تائید و حمایت سے ایران میں امن و امان کی فضا پیدا کی۔

اس کے بعد وہ معاشی حالت کو درست کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن اس کی پوری اصلاح کوئی منہ کا نوالہ نہ تھی۔ صنعت و حرفت کے میدان میں وہ تیزی سے گرم جولان سے قالین۔ شال اور ریشمی کپڑے نہایت نفاست و کثرت سے تیار کئے جاتے ہیں۔ زرکاری بھی بہت اچھی کی جاتی ہے۔ ابلد مشین بنانے کی رفتار سست ہے۔ شکر۔ دیاسلانی اور کپڑے کے کچھ کارخانے قائم کئے گئے ہیں۔ لیکن دوسری مصنوعات کے باب میں ایران ابھی یورپ سے بے نیار نہیں ہوا۔ پھر بھی ایران کی عام حالت ہندوستان سے مقابلہ بہتر ہے۔ اے۔ ٹی۔ ولسن کا بیان ہے :-

”ایران کا معیار زندگی ہندوستان سے بلند ہے۔ اگرچہ یورپ کا مقابلہ نہیں کرتا۔“

ایران کے معمولی خوش حال کسان اور دیہاتی بھی خمیری روٹی، پتھر، گوشت، چاول، مرغ اور انڈے استعمال کرتے ہیں۔ البتہ زیادہ غریب دیہاتیوں کی گزران صرف جوگی روٹی پر ہوتی ہے۔ شکر اور چائے کا استعمال ایران میں بہت زیادہ ہے۔ لوگ بالعموم خوش پوش ہیں۔ اور بہت کم چہروں پر مفلسی کی مردنی نظر آتی ہے۔ ایران میں انتہائی غریبی اور انتہائی دولت کے نظارے بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ صنعتی یورپ میں دیکھے جاتے ہیں۔ یہاں کا عام معیار زندگی سادہ ہے۔ لیکن ایسا جو انسانی ضروریات کی کافی تکمیل کرتا ہے۔

جنوبی ساحل کے قریب تیل کے چشمے ہیں۔ اور اس انتہائی نفع بخش چیز کی بنا پر ایران کو دنیا بھر میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن ان چشموں کی آمدنی سے بہت زیادہ فائدہ برطانیہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں ایران اور برطانیہ دونوں کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔ اور ایرانی سرمایہ برطانیہ سرمایے کا چوتھا حصہ ہے۔

مذہبی تعصب کے باعث اسلامی ممالک سے ایران کے افسوس ناک انقطاع کو شاہ ایران نے سختی سے محسوس کر کے ۱۹۳۷ء میں افغانستان، عراق اور ترکی کے ساتھ معاہدہ مودت کیا۔ جو میثاق سعدآباد کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدے سے عالم اسلام کے ساتھ ایران کے تعلقات دوستانہ ہو گئے۔

تعلیمی حالت پہلے سے بہت اچھی ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں یہاں صرف ۶۱۲ مدرسے تھے۔ جن میں ۵۵ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ لیکن ۱۹۳۷ء میں مدارس کی تعداد پانچ ہزار اور طلبہ کی پونے تین لاکھ ہو گئی۔

فوجی حالت بھی بہتر ہے۔ اکیس سال سے زیادہ عمر والوں کے لئے فوجی تربیت لازمی اور جبری کر دی گئی ہے۔ ہوائی فوج بھی ہے۔ جس کے سپاہیوں کو تربیت کے لئے یورپ بھیجا جاتا ہے۔

۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ اور ۱۹۴۱ء میں اتحادی فوجوں نے اس کی حدود میں ڈیرے ڈال دیے۔ آج کل ایران کو روس کی طرف سے بھی خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اور وہ گونا گوں سیاسی و معاشی الجھنوں میں پھنسا ہوا ہے۔

پچیسواں باب

افغانستان

برطانیہ نے جس طرح ہندوستان کا مشرقی بازو مضبوط کرنے کے لئے برما کو زیر نگین کیا۔ اسی طرح اس کے مغربی بازو کو تقویت پہنچانے کی خاطر افغانستان پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ۱۸۳۸ء میں پہلی مرتبہ ادھر کا رخ کیا۔ اور چار سال تک حرب و ضرب کا بازار گرم رکھا۔ لیکن ہندوستان کی طرح چونکہ وہاں رنگ رنگ کی قومیں نہیں بستیں۔ اور بھانت بھانت کی بولیاں نہیں بولی جاتیں۔ لہذا انگریزوں کی اس رسوائے عالم پالیسی کا کہ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو"۔ زہریلا پودا افغانستان کی سرزمین میں کامیابی کے برگ و بار نہ لاسکا۔ اگرچہ برطانی فوجوں نے متعدد مرتبہ یورش کر کے افغانستان کے بعض اہم مقامات کو زیر نگین کر لیا۔ لیکن ان پر قبضہ قائم نہ رہ سکا۔ اور انھیں ہر دفعہ واپس ہٹ جانا پڑا۔

اٹھارھویں صدی تک افغانستان کے مغربی حصے پر حکومت ایران کے جھنڈے لٹے ہوئے تھے۔ اور مشرقی حصہ دولتِ مغلیہ کے زیر تصرف تھا۔ لیکن نادر شاہ اور اورنگ زیب کے بعد افغانستان پر ایران اور ہندوستان کے اقتدار کی کڑیاں بوسیدہ ہو کر ٹوٹنے لگیں۔ اور سو سال تک یہاں خانہ جنگیوں کے ہولناک طوفان قیامتیں برساتے رہے۔ برطانیہ چابک دست عیاد کی طرح کمان میں تیر جوڑے مکین گاہ میں بیٹھا شکار کے زور پر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر انیسویں صدی کے نصف اول میں انگریزوں نے خفیہ طور پر سکھ حکم ران رنجیت سنگھ کی امداد کر کے افغانستان پر دستِ مہازی کرنی چاہی۔ مگر

۱۸۳۲ء میں امیر دوست محمد خاں نے سکھوں کے دھوئیں اڑا کر انھیں ایسے ناک چنے چبوائے۔ کہ افغانستان کو منہ کا نوالہ بنانے سے متعلق برطانیہ کے تمام ہوائی قلعے دھڑام سے زمین پر آ رہے۔ بلکہ الٹا اس کے سر پر افغانستان کی بڑھتی ہوئی طاقت کا دہشت انگ بھوت سوار ہو گیا۔ اور ۱۸۳۸ء میں اس نے اسی بوکھلاہٹ کے جوش میں رنجیت سنگھ کے ساتھ اپنی دوستی کا بہانہ بنا کر افغانستان پر فوج کشی کر دی۔ اور برطانی لشکر نے جس میں انگریزوں کی نسبت ہندوستانی سپاہی تعداد میں زیادہ تھے۔ یہاں کے مشہور مقامات پر تسلط بٹھالیا۔

کہنے کو تو انگریزوں نے افغانستان پر قبضہ جمالیا۔ لیکن یہاں کے حالات ہندوستان سے مختلف تھے۔ چنانچہ اس کے چپے چپے پر بغاوت کے جراثیم پرورش پاتے رہے۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں شورش کی چنگاریاں فلک بوس شعلوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ہزاروں سلاح بند افغانیوں نے بے شمار انگریز افسروں اور سپاہیوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالا۔

اب برطانیہ کو ہوش آیا۔ اور اس نے افغانستان میں عدم مداخلت کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کیا۔ لیکن کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس خطرے کے پیش نظر کہیں روس کا اثر افغانستان سے آگے بڑھ کر ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ وہ پھر پاؤں پھیلانے لگا۔ اور ۱۸۸۷ء میں مکرر افغانستان پر یلغار کر کے اس کے مشہور شہر سرکرہ مگراب کے بھی وہ افغانیوں کو مغلوب کرنے میں ناکام رہا۔ اور ہزاروں مسلح افغانیوں نے کابل کی ریزیدنسی پر دھاوا بول کر ریزیدنٹ اور اس کے عمل کو نکال دیا۔ اس دوران شکن شکست سے انگریزوں کو پورا پورا یقین ہو گیا۔ کہ افغانستان غلامی کی کندیں پھینکتا ان کی طاقت سے باہر ہے۔ چنانچہ انھوں نے ہوا کا رخ پہچانتے ہی یہاں کی حکومت سے دوستی کی پینگیں بڑھانی شروع کیں۔

۱۸۸۰ء میں امیر عبدالرحمن خاں تخت حکومت پر متمک ہوئے۔ جو بہت بڑے مدبر۔ بالغ نظر۔ باہر سیاسی

امیر عبدالرحمن خاں

اور عالی دماغ شخص تھے۔ وہ باتوں باتوں میں انگریزوں کو اپنے ڈھب پر لے آئے۔ اور ایک ہی سال کے بعد برطانیہ نے اپنی تمام فوجیں افغانستان سے واپس بلا لیں۔

امیر عبدالرحمن خاں کے دور حکومت نے افغانستان کی تاریخ ہی بدل کر رکھ دی۔ اور اس سرزمین کے تاریک افق سے روشن آفتاب ابھر آیا۔ یہ افغانستان کے پہلے حکم ران ہیں۔ جنہوں نے روس اور برطانیہ کے ساتھ اچھے مراسم پیدا کر کے بیرونی مداخلت کا دروازہ بند کیا۔ اور بکھرے ہوئے قبائل کو مجتمع کر کے ایک ناقابل تسخیر جمعیت میں منتقل کر دیا۔

امیر عبدالرحمن خاں جدید شہنشاہیت کے پراسرار ہتھکنڈوں سے کماحقہ آگاہ تھے۔ اس لئے انہوں نے روس اور برطانیہ دونوں کے تعلیمی۔ تجارتی۔ معاشی اور تبلیغی کارندوں کے لئے اپنے ملک میں داخل ہونے کی تمام راہیں مسدود کر دیں۔ اس پر انہیں بیگانگی تہذیب اور گنوار پن کے تیروں کی آماج گاہ بنایا گیا۔ لیکن انہوں نے یہ جواب دیا۔

"میں یہ گوارا کرتا ہوں۔ کہ اہل یورپ افغانستان کو جاہل اور گنوار کہیں۔ لیکن یہ گوارا نہیں کر سکتا

کہ اپنی آزادی و خود مختاری فروخت کر کے تہذیب و تعلیم کا سبق حاصل کیا جائے۔"

۱۹۰۱ء میں امیر عبدالرحمن خاں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

امیر حبیب اللہ خاں

اور ان کے فرزند امیر حبیب اللہ خاں سربراہان سلطنت

ہوئے۔ وہ سیاسی معاملہ فہمی کی منزل میں اپنے والد سے پیچھے تھے۔ اس لئے انگریزوں نے انہیں نہایت آسانی کے ساتھ "تہذیب و تعلیم" کے جاوہ سے سورا کر لیا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں برطانیہ کارندے "تہذیب و ترقی" کی شعلیں ہاتھوں میں لئے افغانستان کے گوشے گوشے میں دندنانے لگے۔ حریت خواہ افغانیوں کی غیرت نے انگریزوں کی یہ مداخلت بے جا گوارا نہ کی۔ اور ملک کی سیاسی فضا کے پرسکون سمندر میں اضطراب و اشتعال کی موجیں اٹھنے لگیں۔

آخر ۱۹۰۷ء میں انگریزوں کے ساتھ ایک جدید معاہدہ قرار پایا جس سے بے چینی کے مدد سے جزا کی صورت اختیار کر لی۔ لیکن اب بھی افغانستان کے مراسم برطانیہ کے ساتھ قائم تھے۔

افغانستان کے عوام لیلائے آزادی کے دیوانے تھے۔ اور اپنے امیر امان اللہ خاں وطن پر برطانیہ کی گرفت کسی صورت گوارا نہ کر سکتے تھے چنانچہ امیر حبیب اللہ خاں کے خلاف ناراضی کے جذبات برانگیختہ ہوتے رہے۔ آخر ۱۹۱۹ء میں انھیں قتل کر دیا گیا۔ اور امیر امان اللہ خاں تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے عامۃ الناس سے وعدہ کیا۔ کہ وہ افغانستان کو انگریزوں کے اثر و اقتدار کی زنجیروں سے یکسر آزاد کرادیں گے۔ اور عوام کا دل مٹھی میں لینے کے لئے ہندوستان پر یورش بھی کر دی۔

۱۹۲۱ء میں ایک جدید معاہدہ مرتب ہوا جس کے رو سے افغانستان نے برطانیہ اثرات کی قبا کو تار کر پارہ پارہ کر دیا۔ اور سرحدی مسائل کا مساویانہ تصفیہ عمل میں آیا۔ اس وقت تک افغانستان کے حکم ران کو "امیر" کہا جاتا تھا۔ لیکن ۱۹۲۶ء میں امان اللہ خاں نے "بادشاہ" کا لقب اختیار کیا۔ اور تمام سلطنتوں نے شاہ افغانستان کو شاہ برطانیہ کا ہم پد تسلیم کر لیا۔

امان اللہ خاں چاہتے تھے۔ کہ وہ بھی افغانستان کو ترکی اور ایران کی طرح ترقی کی شاہراہ پر ڈال دیں۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں افغانستان کا اولین "دستور اساسی" مرتب ہوا جس کے مطابق بادشاہ کے اختیارات کو آئین و قوانین کی قید میں لایا گیا۔ اور عوام کے لئے نظام حکومت میں داخل ہونے کے دروازے کھول دئے گئے۔

ساتھ ہی امان اللہ خاں نے معاشرتی اصلاح کا بیڑا بھی اٹھا لیا۔ لیکن افغانستان کے عوام ان جدید اصلاحات کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ملک بھر میں شورش اور بیجان برپا ہو گیا۔ برطانیہ کے دل میں یہ کاٹنا خلش افزا تھا کہ معاہدہ ۱۹۲۱ء کے مطابق افغانستان سے برطانیہ کا جنازہ نکل گیا تھا۔ غرض ان وجوہ سے بغاوت کی خونیں آندھیاں اٹھیں۔ بد نظمی کے سیلاب اُٹھے۔ اتری کے بادل گرے۔ اور

ہولناک تباہی و بربادی کی لگاتار اور موسلا دھار بارشیں ہوئیں۔ امان اللہ خاں کو مجبوراً افغانستان سے بھاگنا پڑا۔

ناور خاں | جنرل ناور خاں (مقیم یورپ) افغانستان لوٹے۔ اور بغاوت کا گلا گھونٹ کر امان اللہ خاں کے بجائے اپنے تخت پر ٹکن ہونے کا اعلان کر دیا۔ انگریزوں نے ناور خاں کو ساڑھے سات سو پونڈ قرض بے سود۔ دس ہزار ٹن نفلیں اور پچاس لاکھ کارٹوس دے کر رام کر لیا۔

ظاہر شاہ | انگریزوں کے ساتھ جنرل ناور خاں کے مراسم خوش گوار تھے۔ مگر ان کی یہ پالیسی ان کے لئے سازگار ثابت نہ ہوئی۔ اور ۱۹۳۳ء میں کسی دشمن کے ہاتھوں تہ تیغ کر دئے گئے۔ ان کے بعد ان کا فرزند ظاہر شاہ سر پر آرائے سلطنت ہوا۔ افغانستان کا ہر باشندہ پیدائشی سپاہی ہے۔ لیکن جدید تعلیم و تربیت کی کمی کے باعث وہ سائنس کی نئی روشنی کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتا۔ بہر نوع رفتہ رفتہ سیاسی شعور ترقی کر رہا ہے۔ اور ننانوہ ششاس درویش دماغ شخصیتیں پیدا ہو رہی ہیں۔

فوج | یہاں باقاعدہ تنخواہ دار فوج کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔ قبائلی علاقے ہر وقت سلاح بند رہتے ہیں۔ اور ضرورت پڑنے پر وہ لوگ فوراً طلب کر لئے جاتے ہیں۔

تعلیم | پہلے تو تعلیمی حالت مایوس کن تھی۔ اب چند سال سے امید افزا رفتار کے ساتھ ترقی کر رہی ہے۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم مفت دی جاتی ہے۔ ۱۹۳۷ء میں بمقام کابل ایک ادارہ العلوم قائم کیا گیا جس میں سائنس۔ کیمسٹری۔ ڈاکٹری اور قانون کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔

صنعت و حرفت | صنعتی میدان میں افغانستان ابھی بہت پیچھے ہے۔ صنعت و حرفت سے تعلق رکھنے والے لوگ نفرت و حقارت سے دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن اب لوگوں کا رجحان اس طرف ہونے لگا ہے۔ چنانچہ ٹین۔ دیاسلانی۔ چمڑا۔ جوتا۔ مکان کی آرائش کا سامان۔ شکر۔ سوت۔ اون وغیرہ چیزوں

کے کارخانے قائم کئے گئے ہیں۔ موٹر کا ایک معمولی سا کارخانہ بھی کھولا گیا ہے۔ علاوہ برقی
 مشینک سرہانے کی کمپنیوں کی صورت میں پھل۔ چمڑے۔ اون وغیرہ کی داخلی و خارجی
 تجارت بھی اعلیٰ پیمانے پر کی جاتی ہے۔
 میزانیہ۔ حکومت کا سالانہ میزانیہ تخمیناً اٹھارہ کروڑ افغانی ہے۔

بلند کر دیا۔ اور ایک خاص علاقے میں اپنی حکومت کی داغ بیل ڈال دی۔ جمہوریہ کی مرکزی حکومت اور اشتراکیوں میں خانہ جنگی کا بازار گرم ہو گیا۔

ڈچ حکومت کی فوج کشی | دوسری جانب ڈچ حکومت نے جمہوریہ کے سامنے یہ شرط پیش کی۔ کہ جمہوریہ کی فوج پوری طرح ڈچ حکومت کے قبضے میں ہو۔ ڈاکٹر محمد حسی (۹) یہ خلا مانہ شرط مان لینے پر بھی آمادہ تھے کہ جمہوریہ کی فوج دونوں کے زیر اقتدار رہے۔ لیکن ڈچ حکومت یہ بھی نہ مانی۔ اور بے اطلاع فوج کشی کر دی۔

گونا گوں ترقیاں | انڈونیشیا کی نوخیز مسلم جمہوریہ نے ترقی کے میدان میں تیزی سے گام زن ہونا شروع کر دیا ہے۔ مغربی علوم و فنون کا شوق روز افزا ہے۔ تعلیمی ترقی کی رفتار امید افزا ہے۔ کتب خانے بہت سے ہیں۔ ۱۹۳۰ء تک ۲۶۸۶ کتب خانے قائم تھے۔ بعض شہروں میں متحرک کتب خانوں کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

اعمال ڈاکٹر انیس ادیسٹونز لال انیس

ڈاکٹر انیس ادیسٹونز لال انیس
نو تیسری کرنی ہے سالی!

۱۹۵۰ء
کنستبل

ستائیسواں باب

ہندوستان اسلامی عہدیں

۶۵۰ء میں اموی بادشاہ ولید بن عبد الملک کے
اسلامی حکومت کا آغاز | ماتحت حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا حاکم تھا۔ اور

سندھ۔ مکران اور بلوچستان کے سرحدی علاقے بھی اس کے زیر نگیں تھے چونکہ ان
دلوں ایشیا۔ یورپ اور افریقہ میں اسلامی حکومت کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے
اس لئے مختلف ممالک کے حکمران دربار خلافت میں تحفوں کے ساتھ اپنے سفیر روانہ
کرتے تھے۔ چنانچہ لنکا کے راجے نے اپنے ملک کے متوفی عرب تاجروں کی عورتیں مختلف
تحائف کے ساتھ حجاج بن یوسف کی وساطت سے خلیفہ اسلام کی خدمت میں روانہ
کیں۔

سندھیوں نے دیبل کے پاس اس قافلے کے جہاز ٹوٹ لئے۔ حجاج نے راجہ داہر
کو اس واقعے کی اطلاع دے کر عرب خواتین کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ لیکن راجہ نے
انکار کر دیا۔

حجاج نے سرحد کے افسر عبداللہ کے نام حکم صادر کر کے اسے اس بحری رستے میں
امن قائم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن وہ جنگ میں کام آیا۔ اس کے بعد یہ فریقہ بدیل
کے سپرد کیا گیا۔ مگر اس کے گھوڑے نے سکندری کھائی۔ اور بدیل اس پر سے گرتے ہوئے
جان بحق ہو گیا۔ پھر حجاج نے محمد بن قاسم ثقفی کو اس مہم پر بھیجا۔

712ء میں محمد بن قاسم نے دیبل کا قلعہ سر کر لیا۔ پھر نیروں پر قبضہ کیا۔ اور رفتہ رفتہ سندھ کو زیر نگین کرنا شروع کر دیا۔ تین ہی سال میں کشمیر سے کچھ اور بھیرہ عرب سے مالوہ۔ راجپوتانہ۔ مارواڑ اور دیانے راوی کے ساحل تک کا علاقہ فتح کر لیا۔

محمد بن قاسم کے بعد متعدد اشخاص یکے بعد دیگرے سندھ کے حاکم مقرر ہوئے۔ ۸۲۹ء میں سندھ کی تمام حکومت ہارون کے ہاتھ میں تھی۔ اس سے حجازیوں اور

یمنیوں کا توازن قائم نہ رہ سکا جس کی بنا پر حجازیوں کا سردار عمر بن عبدالعزیز ہبیاری اسے ہتھیار کر کے خلیفہ متوکل سے فرمان حاصل کرنے کے بعد سربراہانے سلطنت ہوا۔

۹۰۲ء میں سندھ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ شمالی حصے کا صدر مقام ملتان اور جنوبی حصے کا منصورہ مقرر ہوا۔ ہبیاری خاندان ۹۸۵ء تک یہاں حکومت کرتا رہا۔

بعد ازاں اسمعیلی فرقے نے اقتدار حاصل کیا۔ جس کا پہلا حکم ران جلم بن شیبان تھا پھر شیخ حمید۔ شیخ نصر اور داؤد ایک دوسرے کے بعد تخت نشین ہوئے۔

داؤد نے محمود غزنوی کے خلاف راجہ جے پال کو فوجی کمک ہم پہنچائی تھی۔ اس لئے ۱۰۱۰ء میں محمود ملتان کو مسخر کر کے داؤد کو غزنہ لے گیا۔ جہاں چند روز کے بعد اس نے

وفات پائی۔ ملتان سے اسمعیلیوں نے منصورہ کا رخ کیا۔ لیکن ۱۰۲۵ء میں محمود غزنوی نے ریاست منصورہ پر بھی اپنا پرچم اٹھایا۔ اس زمانے سے سندھ کے سارے علاقے

پر غزنوی بادشاہوں کی حکومت کا طوطی بولنے لگا۔

اسمعیلی سامانی حاکم بخارا کے ترک امیر البتگین نے غزنہ میں ایک خود مختار حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ اس کی وفات پر اس کے

داماد بکتگین نے عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ جو کابل اور پشاور پر بھی قابض ہو گیا۔ اسی بکتگین کا بیٹا محمود غزنوی تھا۔ جس کے بہادرانہ ذریعے کارنامے شہرہ آفاق ہیں۔ محمود

پہلا بادشاہ تھا جس نے ہندوستان کے شمال میں اسلامی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ جب حملہ کرتا تھا۔ تو سارے ہندوستان کے درو دیوار لرز جاتے تھے۔ ۱۰۲۵ء میں اس کا مشہور حملہ سومنات (گجرات) پر ہوا۔ جہاں اس نے زروچو اسر سے لدا ہوا بیت توڑ کر

”بت شکن“ کا خطاب حاصل کیا۔ سونے کا بت کہاں تھا؟

اس کے بعد غزنوی خاندان کے حسب ذیل بادشاہ کیے بعد و گئے تخت پر بیٹھے۔

محمد - مسعود - مودود - علی - عبدالرشید - فرخ زاد - ابراہیم - مسعود بن ابراہیم - بہرام شاہ

خسرو شاہ - خسرو ملک -

کابل کی حدود میں غزنہ سے آگے ایک پہاڑ غورے

جہاں مدت سے شہاب الدین محمد کا خاندان بود و باش

غوری اور ان کے غلام

رکھتا تھا۔ جب غزنہ کے حکم ران خاندان کا آفتاب اقبال ڈھل گیا۔ تو غوری خاندان

نے قوت پا کر غزنہ اور ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ ۱۱۷۵ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری

نے ملتان پر حملہ کیا۔ پھر سندھ کے شہر اوج پر قبضہ کیا۔ ۱۱۷۷ء میں گجرات پر چڑھائی کی

لیکن شکست کھائی۔ ۱۱۸۶ء میں لاہور فتح ہوا۔ ۱۱۹۲ء میں اس نے بھٹنڈا کو زیر نگین کیا۔

جو دہلی کے راجہ رائے پتھوراکے زیر اقتدار تھا۔ راجہ لڑائی پر تل گیا۔ ترابین میں فریقین

کے درمیان مقابلہ ہوا۔ محمد غوری کو ناکامی ہوئی۔ ۱۱۹۳ء میں محمد غوری نے پھر اسی میدان

میں پوری تیاری سے نبرد آزما ہو کر حریت کے چھکے چھڑا دیے۔ رائے پتھوراکے تلوار کے گھا

اتار گیا۔ اور دہلی پر محمد غوری کا پرچم تسلط لہرانے لگا۔

۱۱۹۵ء میں محمد غوری نے جے چند راجہ قنوج کو شکست دی۔ اور قنوج سے بنا کر

مک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ۱۲۰۶ء میں ایک کھوکرا سمعیلی کے ہاتھ سے جام شہادت

نوش کیا۔

محمد غوری کے بعد اس کے غلاموں نے نہایت قابلیت سے فرائض سلطنت انجام

دئے۔ جن میں سے حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:-

قطب الدین ایبک - شمس الدین التمش - رضیہ بیگم - ناصر الدین محمود - غیاث الدین

بلبن - معز الدین کیقباد۔

خلج ترکستان کے ایک قبیلے کا نام تھا۔ اس قبیلے کے لوگوں -

غزنویوں اور غوریوں کے زلمے میں زبردست ترقی کر کے بڑے

خلجی خاندان

منصب حاصل کئے۔ معز الدین کی قباد کے زمانے میں فیروز خلجی وزارت کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوا۔ اور بادشاہ کے انتقال پر سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی جلال الدین لقب اختیار کیا۔ سب سے پہلے اس نے بنغازیوں کا قلع قمع کیا۔ اور مالوہ پر دوبارہ تسلط بٹھایا۔ ۱۲۹۱ء میں مغلوں نے پنجاب کو تاخت و تاراج کرنا شروع کیا۔ تو جلال الدین فیروز خلجی نے خود لاہور پہنچ کر ان کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ رحم دل بادشاہ نے ہزاروں مغل قیدیوں کو معاف کر کے مراجعت وطن کی اجازت دے دی۔ جس سے متاثر ہو کر وہ داخل اسلام ہو گئے۔

فیروز خلجی کو اپنے بھتیجے اور داماد علاء الدین سے بڑی محبت تھی۔ بادشاہ نے اسے کراچی حکومت سپرد کی۔ اس نے بہت سے قلعے سر کئے۔ اور ہر طرف امن و امان قائم کیا۔ جلال الدین اس کی بہادری سے بے حد مسرور ہوا۔ علاء الدین نے کراچی سے دکن کی جانب پیش قدمی کی۔ اور قلیل فوج اور معمولی ساز و سامان سے ایسی عظیم الشان فتح حاصل کی جو تاریخ کے صفحات پر زردیوں میں ثبت ہے۔

جلال الدین کراچی میں علاء الدین سے ملنے گیا۔ تو اس کے آدمیوں نے بادشاہ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد ۱۲۹۶ء میں سلطان علاء الدین خلجی دہلی کے تخت حکومت پر مستکن ہوا۔ اس نے ملک پر ملک فتح کر کے اپنی سلطنت کو یہاں تک وسیع کیا۔ کہ بنگال سے گجرات اور پنجاب سے دکن تک اس کی ملک گیری کے ڈنکے بجنے لگے۔ علاء الدین گویا سارے ہندوستان کا پہلا مسلمان شہنشاہ تھا۔

تغلق خاندان ملک تغلق علاء الدین خلجی کے بھائی ارغ خان کی فوج میں ایک معمولی سپاہی تھا۔ لیکن حیرت انگیز ذاتی قابلیت کے زور و قوت سے پہلے سرحدی صوبے کا گورنر۔ پھر ۱۳۲۰ء میں ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ اور غیاث الدین لقب اختیار کیا۔

سلطان غیاث الدین تغلق نے دہلی کے انتظام سے فراغت حاصل کر کے صوبوں کے نظم و نسق پر توجہ مبذول کی۔ اور شمالی ہندوستان کے صوبوں میں معتبر افسر مقرر کئے۔

دکن کے راجوں نے علم بغاوت بلند کرنے کے ادائے خراج سے انکار کر دیا تھا۔ غیاث الدین نے اپنے فرزند محمد جو ناگوا ایک زبردست فوج دے کر ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ وہ قلعہ پر قلعہ سر کر رہا ہوا ۱۳۲۳ء میں سارے دکن کو مسخر کر کے راجوں کو مطیع و منقاد بنانے کے بعد واپس آیا۔

تغلق خاندان نے تقریباً سو برس تک ہندوستان میں کوس لمن الملک بجایا۔ اور سلطنت کا دامن گونا گوں ترقیوں کے لعل و گوہر سے مالامال کر دیا۔ ۱۳۲۴ء میں غیاث الدین تغلق ایک عارضی چوہی مسکان کی چھت گر پڑنے سے دب کر ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد اس خاندان کے مندرجہ تحت بادشاہ تخت حکومت پر تلگن ہوئے :-
محمد تغلق - فیروز شاہ تغلق - محمد شاہ - محمود شاہ -

۱۳۱۳ء میں خضر خاں حاکم پنجاب نے دہلی کے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور عمر بھر باغیوں سے جنگ کرتا رہا۔

۱۳۲۱ء میں اس کے بیٹے مبارک شاہ نے تخت سلطنت کو زینت دی۔ اور دھام سے پنجاب پر حکومت کرتا رہا۔

۱۳۲۵ء میں مبارک شاہ امرا و وزراء کی سازش سے ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اور خضر خاں کے ایک پوتے کو محمد شاہ نام سے تخت حکومت پر تلگن کیا۔ ۱۳۲۵ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

بعد ازاں اس کے بیٹے علاء الدین نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ لیکن وہ نااہل تھا۔ اس لئے دہلی کے سوا سب کچھ ہاتھ سے کھو بیٹھا۔ آخر دہلی بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اور اس نے بدایوں جاگر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

۱۳۶۸ء میں اس نے وفات پائی۔ اور دہلی پر بہلول خاں لودھی نے دست تصرف دراز کیا۔

بہلول لودھی نے مالوہ کی جنگ میں تیغ شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ جس پر محمد شاہ نے اسے پنجاب کی حکومت تفویض کر دی۔ اس کو

سلطنت کی وسعت پنجاب سے بہار تک تھی۔ علاء الدین بدایوں چلا گیا۔ تو اسے دہلی کی حکومت مل گئی۔ پھر اس نے جون پور پر قبضہ کر لیا۔ ۱۵۰۸ء میں وہ چل بسا۔
 پہلولوڈھی کے بعد اس کا بیٹا سکندر لوڈھی تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنی حکومت
 مالوہ سے بنگال تک وسعت دی۔ اور آتش بغاوت فرو کر کے امن قائم کیا۔ ۱۵۱۶ء میں
 فات پائی۔

سکندر لوڈھی کے بعد اس کا فرزند ابراہیم لوڈھی سریر آرائے سلطنت ہوا۔ پہلے تو
 اس نے جون پور فتح کیا۔ پھر گوالیار کے قلعے پر تسلط بٹھایا۔
 دولت خاں لوڈھی حاکم لاہور نے مغلوں کے سردار بابر بادشاہ حاکم کابل کو تیسرا دہلی
 کے لئے طلب کیا۔ بابر نے آتے ہی پہلے تو دولت خاں کو جس نے اس کی مخالفت پر
 ربا مہولی تھی۔ نیچا دکھا کر لاہور کو زیر نگین کیا۔ پھر دہلی کی جانب اقدام کیا۔ ابراہیم لوڈھی
 می مقابلے کے لئے نکلا۔ ۱۵۲۶ء میں پانی پت کا میدان آگ اور خون کا سمندر بن گیا۔
 ابراہیم کی فوج تعداد میں زیادہ لیکن تجربے میں کم تھی۔ بابر کی فوج بھی تجربہ کار تھی۔ اور اس
 کے پاس ایک زبردست توپ خانہ بھی تھا۔ طرفین میں گھسان کارن پڑا۔ کشتوں کے
 شے لگ گئے۔ آخر افغانوں کی فوج کے پھٹے چھوٹ گئے۔ اور نصرت الہی نے آگے بڑھ
 بابر کے لئے فتح و ظفر کے دروازے کھول دئے۔

ظہیر الدین بابر

مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر آگرہ پہنچ کر حکومت کے نظم و نسق میں مصروف ہو گیا۔ چند
 دنوں کے بعد اسے اطلاع ملی۔ کہ راجہ سا نگا جو قوی ترین ہندو راجہ ہے۔ راجپوتانہ سے
 لڑی دل لشکر لے کر آگرہ کی جانب بڑھا چلا آ رہا ہے۔ بابر نے بھی برگزیدہ سواروں اور
 پ خانے کے ہمراہ اجمیر کی جانب باگ اٹھائی۔ بیانہ کے پاس فریقین میں رزم آرائی
 ہوئی۔ جس میں فتح و کامرانی بابر کے قدموں پر نشاہ ہوئی۔ راجہ سا نگا نے مجروح ہو کر راہ فرار

اختیار کی۔ اور گھر پہنچے ہی ختم ہو گیا۔

بابر نے مالوہ کے پاس چندیری کا قلعہ بھی سر کر لیا۔ اور اب اس کی حدود سلطنت جون پور سے بنگالہ تک وسیع ہو گئیں۔ لیکن عمر نے وفاتہ کی۔ اور ۱۵۳۱ء میں پچاس سال کی عمر یا کر سفر آخرت اختیار کیا۔

ظہیر الدین بابر

نصیر الدین ہمایوں

ظہیر الدین بابر بادشاہ کے بعد اس کے فرزند اکبر نصیر الدین ہمایوں نے تاج سلطنت زیب سر کیا۔ اور مختلف صوبوں کی حکومتیں بھائیوں میں تقسیم کر کے کانبھج کا محاصرہ کرنے پھر باغیوں کی گوشمالی کے لئے جون پور اور چنار گڑھ کی راہ لی۔ جہاں سے وہ شیر شاہ کو مغلوب کر کے واپس آیا۔ ۱۵۳۲ء میں بہادر شاہ والی گجرات سے جنگ آزما ہوا۔ کیونکہ نے بعض باغی مغلوں کو پتہ دی تھی۔ اسی دوران میں اسے بہار سے شیر شاہ کے ہار ہونے کی خبر ملی۔ ہمایوں نے بہار کی طرف باگ اٹھائی۔ لیکن شیر شاہ بھاگ گیا۔ شیر شاہ نے بہار سے جون پور کا رخ کیا۔ ہمایوں چل دیا۔ لیکن گنگا کے گھاٹ آکر پتا چلا کہ شیر شاہ نے وہاں سے لوٹ کر ناکا بندی کر رکھی ہے۔ شیر شاہ نے موقع شناسی سے کام لے کر صلح کا دامن پھیلایا۔ ہمایوں رضامند ہو گیا۔ لیکن شیر شاہ نے مغل فوراً کو غافل پا کر دھوکے سے شب خون مارا۔ جس سے ہزاروں مغل سپاہی کھیت رہے۔ ہمایوں سخت دشواری سے ساحل دریا پر پہنچا۔

اس کے بعد ہمایوں آگرہ سے پہلی ہوتے ہوئے پنجاب میں داخل ہوا۔ لیکن تھانہ بھائی برادران یوسف ثابت ہوئے۔ اور شیر شاہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے پنجاب تک آ گیا۔ ہمایوں راجپوتانہ کی راہ بندھ چلا گیا۔ وہ امرکوٹ میں اقامت گزیں کر کے اکبر پیدا ہوا۔ اور کمر سے مشک نافہ کھول کر لوگوں میں تقسیم کیا۔ اس کی روح افزا خواہش ہوا کے دوش پر اڑ کر چالوں طرف پھیل گئی۔ جسے تمام لوگوں نے نیک فکون خیال

ہمایوں نے سندھ سے قندھار کی طرف باگ اٹھائی۔ جہاں کی عنان حکومت اس کے بھائی کے ہاتھ میں تھی۔ پھر اس سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے ایران پہنچ گیا۔ وہاں کے حکمران نے اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہوئے انتہائی قدر و منزلت کی۔ وہ مدت تک وہاں مہمان کی حیثیت سے مقیم رہ کر موقع تلاش کرتا رہا۔

سوری پٹھان

شیر شاہ سوری | فرید خاں نے بنگال اور بہار کے علاوہ جون پور۔ آگرہ۔ دہلی اور پنجاب کو بھی دست تصرف میں لاکر شیر شاہ کا لقب اختیار کرتے ہوئے دہلی کے تخت سلطنت پر قدم رکھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں مالوہ اور راجپوتانہ کے بھی متعدد قلعے سر کر لئے۔

شیر شاہ نے کابل کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ کہ بارود میں آگ لگ گئی جس نے شیر شاہ کے خرمین زندگی کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اور ۱۵۴۵ء میں اودھر قلعہ سر ہوا۔ اودھر شاہ کا قصر حیات زمیں بوس ہوا۔

شیر شاہ نے بنگال سے پنجاب تک ایک طویل و عریض سڑک بنوائی۔ دونوں طرف سایہ دار درخت لگوائے۔ ہر کوس پر سرائے۔ کنواں اور مسجد تعمیر کرائی۔ سرائے میں ہر شخص کو بے امتیاز مذہب و ملت سرکاری کھانا ملتا تھا۔ اس کا عدل و آئین مشہور ہے۔

اس کے بعد سوری خاندان کے حسب ذیل بادشاہ تخت نشین ہوئے :-
سلیم شاہ۔ محمد شاہ عادل۔ ابراہیم سوری۔ سکندر سوری۔

شیر شاہ

خود مختار ریاستیں

اودھ تعلق خاندان کی حکومت نے آخری ہجکی لی۔ اودھ صوبوں کے حاکم خود مختاری کی بلند فضاؤں میں پرواز کرنے لگے۔ دہلی کی سلطنت قرب و جوار کے صوبوں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ شیر شاہ نے بدتمیزی کے شعلوں کو آپ تدبیر کی بوچھاڑ سے ٹھنڈا کرنے کی انتہائی جدوجہد کی۔ لیکن حیات مستعار نے اسے زیادہ مہلت نہ دی۔ اور اس کے بعد تو سورپوں کا ستارہ اقبال آفتاب لب بام ہو گیا۔

جس زمانے میں سوری خاندان زوال کی پستیوں میں گرتا چلا جا رہا تھا۔ سندھ میں ارغون خاندان عروج کی بلندیوں پر ٹنگن تھا۔ ملتان میں خاندان لنگاہ۔ دہلی۔ آگرہ اور جون پور میں عادل شاہ کا وزیر ہیمو بقال۔ بہار اور بنگال میں پٹھان برسر اقتدار تھے۔ مارواڑ اور راجپوتانہ راجپوتوں کے زیر نگیں تھے۔ مالوہ کی علیحدہ ایک اسلامی ریاست تھی۔ گجرات پر مظفر شاہ کا قبضہ تھا۔ بہمنی خاندان کے خاتمے پر دکن میں پانچ ریاستیں بن گئی تھیں۔ بیجاپور میں عادل شاہی۔ گول کنڈا میں قطب شاہی۔ احمد نگر میں نظام شاہی۔ بیدر میں برید شاہی اور برار میں عماد شاہی خاندان کے اقتدار کا سکہ چل رہا تھا۔ ہندوؤں کی زبردست سلطنت وجیانگر کو دکن کی اسلامی ریاستوں نے مسخر کر کے اس کے حصے بخرے کر لینے کے بعد اپنے اپنے علاقے میں شامل کر لیا۔ اورنگ زیب کے عہد سلطنت میں دکن کا سارا علاقہ سلطنت مغلیہ میں شامل ہو گیا۔

خاندان مغلیہ

ظہیر الدین بابر

۱۵۲۵ء میں ہمایوں ایران سے ۳۱ ہزار جانباز سپاہیوں

ہمایوں کی مراجعت

کا لشکر لے کر قندھار آیا۔ اور تقریباً دس سال کے دوران

میں کابل۔ سیستان اور بدخشاں کو زیر نگیں کیا۔

۱۵۵۳ء میں تمام بھائیوں کی طرف سے اطمینان حاصل کر کے ۱۵ ہزار سواروں سے لاہور کا قلعہ سر کیا۔ اور سر ہند کے قریب سکندر سوری کے بھی چھکے چھڑا دئے۔

اب ہمایوں کا آفتاب اقبال دہلی اور آگرہ کی دستوں پر شاہانہ جاہ و جلال کی تجلیاں برسا رہا تھا۔ سکندر سوری میں ابھی دم خم باقی تھا۔ اور وہ حکومت کے ساتھ ٹکڑگانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس لئے ہمایوں نے شہزادہ اکبر کو اس کے اتالیق بیرم خاں کی معیت میں سکندر سوری کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ انھیں دنوں ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے بمقام دہلی داعی اجل کو لبیک کہا۔

اسی سال اکبر نے تیرہ سال نو ماہ کی عمر میں بمقام کلا نورتاج سلطنت جلال الدین اکبر زینب سر کیا۔ اور جلال الدین لقب اختیار کیا۔

بیرم خاں نے مغل فوج کو لے کر دہلی کی جانب پیش قدمی کی۔ اور ہیمو بقال بھی اکبر کو پنجاب سے نکالنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ ۱۵۵۶ء میں پانی پت کا میدان فریقین کی رزم گاہ قرار پایا۔ مغل بہادروں نے ہیمو کی فوج کے دھوئیں اڑا کر رکھ دئے۔ ہیمو گرفتار ہو کر تہ تیغ کیا گیا۔ اور دہلی پر اکبر کا پرچم فتح لہرانے لگا۔

بیرم خاں جج کو جاتے ہوئے ایک پٹھان کے ہاتھ سے جس کے باپ کو اس نے کسی زمانے میں مار ڈالا تھا۔ فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ تو امور مملکت کا سارا بوجھ اکبر کی گردن پر آپڑا۔ لیکن اس نے بہادری اور دانش مندی سے تمام مشکلات کا مقابلہ کیا۔ جب اکبر نے دیکھا کہ پنجاب پر حکیم مرزا نے ہڈ بول دیا ہے۔ مالوہ میں ادھم خاں نے علم خود مختاری بلند کر دیا ہے۔ اور اودھ و قنوج پر خان زماں نے دست درازی شروع کر دی ہے۔ تو ہر مقام پر خود جا کر باغیوں کو نیچا دکھایا۔ پھر چتوڑ کے مشہور و مضبوط قلعے کو مسخر کیا۔

بعد ازاں اس کم سن مگر صاحب عزم۔ بامدبیر اور جوان ہمت بادشاہ نے گجرات۔ بہار۔ بنگال۔ کشمیر۔ قندھار۔ سندھ۔ ہمار۔ خاندیش اور احمد نگر کا کچھ حصہ فتح کر کے ان تمام علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ گویا اکبر کے عہد میں ہندوستان کی متحدہ سلطنت کا قیام دوبارہ عمل میں آیا۔

اکبر نے ۳۹ سال سلطنت کی۔ اور ۱۶۰۵ء میں ۶۳ سال کی عمر پا کر سفر آخرت اختیار کیا۔

اکبر ناخواندہ لیکن بلا کا ذہین۔ مدبر اور بہادر تھا۔ اگرچہ آخر عمر میں اس کے مذہبی خیالات نے اور ہی رنگ اختیار کر لیا تھا۔ لیکن زبردست ملکی اور جنگی نظام قائم کرنے کے اعتبار سے ہندوستان بھر میں اس کا کوئی حریف نہ تھا۔

۱۶۰۵ء میں اکبر کا بیٹا سلیم سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اور نور الدین جہانگیر لقب اختیار کیا۔ جہانگیر کے بیٹے خسرو نے علم بغاوت بلند کیا۔ لیکن گرفتار ہو کر نظر بند ہوا۔ اور اسی حالت میں انتقال کیا۔

۱۶۱۳ء میں شہزادہ خرم نے رانا اودے پور سے اظہار اطاعت کر کے اسے دربار میں حاضر کیا۔ ۱۶۲۵ء میں دکن جا کر سلطنت احمد نگر کو زیر نگین کیا۔ اور نظام شاہیوں کے باغی سالار فوج ملک عزیز حبشی کی سرکوبی کر کے اسے صلح پر مجبور کیا۔

ایرانیوں نے قندھار پر قبضہ کر لیا۔ جہانگیر نے خرم کو اس ہم کے سر کرنے کا حکم دیا۔ خرم نے خیال کیا۔ کہ نور جہاں اسے اس تدبیر سے محروم تخت و تاج کرنا چاہتی ہے۔ لہذا اس نے آگرہ کی جانب پیش قدمی کی۔ مہابت خاں سپہ سالار نے جنگ کر کے اسے شکست دی۔ لیکن خود مہابت خاں شہزادہ پر دیز کا حامی تھا۔ نور جہاں نے اس پتھر کو بھی راستے سے ہٹا دینا چاہا۔ مہابت خاں پانچ ہزار کی فوج لے کر آ پہنچا۔ اور موقع پا کر بادشاہ کو نظر بند کر دیا۔ مہابت خاں کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور باہم سر پھٹوں ہونے لگی۔ لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر بادشاہ کو رہا کر لیا۔ نور جہاں نے مہابت خاں کو اس شرط پر معافی دی کہ وہ خرم کو گرفتار کر لائے۔ لیکن مہابت خاں نے خرم سے ساز باز کر لی۔ ۱۶۲۶ء میں شہزادہ پر دیز نے دکن میں وفات پائی۔ اور ۱۶۲۶ء میں خود بادشاہ نے کشمیر سے واپس آتے ہوئے لاہور پہنچ کر انتقال کیا۔

جہانگیر حسن ذوق میں اپنی نظیر آپ تھا۔ علمی مذاق ایسا تھا۔ کہ اس نے تزک جہانگیری تصنیف کی۔ اس کی بیگم نور جہاں بھی علم پرورد جدت پسند تھی۔ چنانچہ گلاب کا عطر اور چاندنی کا فرش اس کی مشہور ایجادیں ہیں۔

شہاب الدین شاہ جہاں

۱۶۱۷ء میں جہانگیر کا بیٹا خرم شہاب الدین شاہ جہاں کے لقب سے تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔

۱۶۳۱ء میں خان جہاں لودھی حاکم دکن نے علم بغاوت بلند کیا۔ لیکن اسے ٹھکانے لگا دیا گیا۔ ۱۶۳۱ء میں دولت آباد اور احمد نگر کی سلطنت پوری طرح سلطنت مغلیہ میں شامل کر لی گئی۔ تھوڑے ہی عرصے میں دکن کی بغاوت کا استیصال کر دیا گیا۔ اور ۱۶۳۶ء میں شہزادہ اورنگ زیب کو دکن کی صوبہ داری پر مامور کیا گیا۔

ہنگلی میں پرتگیزیوں کی چیرہ دستی کو آغوشِ لحد میں لٹا کر قلعے پر قبضہ کر لیا گیا۔ ۱۶۳۳ء میں قندھار کو زیر نگین کیا گیا۔

۱۶۵۶ء میں شاہ جہاں کی طبیعت بہت زیادہ طویل ہو گئی۔ اور شہزادہ داراشکوہ نے عنانِ سلطنت ہاتھ میں لے لی۔ یہ دیکھ کر ہر بھائی تاج و تخت پر قابض ہونے کے لئے کوشش کرنے لگا۔ اور ان میں زبردست خانہ جنگی ہوئی۔ آخر عالم گیر نے آگرہ پر قبضہ کر لیا۔

عالم گیر نے مصلحتِ ملکی کے پیش نظر شاہ جہاں کو آگرہ کے قلعے میں نظر بند کر دیا اور سات سال کے بعد شاہ جہاں نے عالم بفا کی ماہ لی۔
 شاہ جہاں نے بہت سی عظیم الشان عمارتیں بنوائیں۔ جن میں آگرہ کا تاج محل۔ دہلی کا لال قلعہ اور جامع مسجد بہت مشہور اور بے نظیر ہیں۔ مقدم الذکر عمارت تو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتی ہے۔

شاہ جہاں کا تخت طاؤس شہرہ آفاق ہے۔ جس پر کروڑوں روپے صرف ہوئے۔ اس کے دورِ سلطنت میں ہندوستان کی مال گزاری ۳۷ کروڑ روپیہ تھی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس بادشاہ کا عہد "عہدِ زرّیں" کہلاتا ہے۔

محمی الدین اورنگ زیب عالم گیر داراشکوہ بھاری لشکر لے لاپور میں پڑا تھا۔ اورنگ زیب اپنے بھائی مراد کو ساتھ لے کر آگرہ سے لاپور کی جانب روانہ ہوا۔ لیکن مراد وعدے سے پھر گیا۔ اس

لئے اسے قید کر کے یلغار کرتا ہوا لاہور چلا۔ داراشکوہ کو خبر ہوئی۔ تو وہ عازم ملتان ہو گیا۔ عالم گیر نے بھی ادھر کا رخ کیا۔ داراشکوہ کو پھر پوچھ لگا۔ تو اس نے ملتان سے سندھ کی راہ لی۔ عالم گیر دو تین افسروں کو ادھر بھیج کر خود دہلی لوٹ آیا۔

یہاں آکر پتا چلا۔ کہ شہزادہ شجاع نقض عہد کر کے لشکر لے بنا اس تک آپہنچا ہے۔ عالم گیر اسے روکنے کے لئے چلا۔ اٹاواہ کے قریب طرفین میں میدان کا زار گرم ہوا۔ جس میں شہزادہ شجاع کو شکست فاش ہوئی۔ عالم گیر تو دہلی لوٹ آیا۔ اور میر جلد سالار فوج کو شجاع کے تعاقب میں بھیجا۔ اس نے شجاع کو بنگال سے نکال کر کوچ بہار۔ آسام اور چاٹگام کو فتح کرنے کے بعد سلطنت مغلیہ میں شامل کر لیا۔ شجاع برا پہنچا۔ جہاں سے وہ عازم پیگو ہونا چاہتا تھا۔ لیکن راستے ہی میں مارا گیا۔

داراشکوہ سندھ سے گجرات گیا۔ عالم گیر نے ادھر فوج بھیجی جس نے اجیر کے پاس داراشکوہ کو بچا دیا۔ دارا پھر سندھ پہنچا۔ لیکن وہاں کے ایک زمیندار جیون نے اسے گرفتار کر کے عالم گیر کے پاس روانہ کر دیا۔ اور وہ تہ تیغ کر دیا گیا۔

۱۶۵۸ء میں عالم گیر نے بھائیوں کی بغاوت کا خاتمہ کر کے سلطنت ہندوستان کا تاج زیب سر کیا۔ ۱۶۶۲ء میں حاکم کشمیر ۱۶۶۹ء میں افغان اور ۱۶۷۱ء میں ست نامی فقیر علم افراز بغاوت ہوئے۔ عالم گیر نے انھیں مغلوب کیا۔

۱۶۷۸ء میں اس راجہ نے جو دھپور کی بغاوت کا استیصال کیا۔

اس کے بعد اسے دکن کے مرہٹوں سے جنگ کرنی پڑی۔ ان کا سردار سیوا جی بڑا حیلہ ساز اور فتنہ پرداز تھا۔ اورنگ زیب نے اسے شکست پر شکست دی۔ لیکن اس نے بھی ہمت نہ ہاری۔ اور برابر مفسدہ انگیزیوں میں مصروف رہا۔ آخر ۱۷۰۲ء میں تمام مرہٹوں نے سپردال دی۔ اور دکن اور مرہٹوں کا ملک پوری طرح سلطنت مغلیہ میں شامل کر لئے گئے۔

۱۷۰۶ء میں اورنگ زیب نے دارفانی سے عالم باقی کی طرف رحلت کی۔

ہندوستان میں زمانہ قدیم سے آج تک محی الدین اورنگ زیب عالم گیر جیسا

عظیم الشان بادشاہ کوئی نہیں گزرا۔ اس نے ۵۰ سال سے زیادہ عرصے تک ہندوستان میں حکومت کا ڈنکا بجایا۔ اس کی حدود سلطنت بلخ سے راس کماری اور کراچی سے آسام تک پھیلی ہوئی تھیں۔

کوئی ثبوت

اوزنگ زیب ایک پکا اور سچا مسلمان۔ خداترس۔ صاحب دل۔ صاحب نظر۔ عالی فکر۔ ماہر سیاسیات اور مستقل مزاج تھا۔ عالم ہونے کے ساتھ علم نواز بھی تھا۔ فارسی کا بلند پایہ ادیب تھا۔ جس کی شہادت کے لئے رقعات عالم گیری کے صفحات کافی ہیں۔ اس نے اپنے عہد سلطنت میں ہندوؤں پر مناصب جلیلہ کی نعمتوں کا مینہ برسایا۔ اور ہندوؤں کے لئے متعویذ جاگیریں وقف کیں۔

محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ اول

اوزنگ زیب کے انتقال کے بعد اس کے بیٹوں شہزادہ معظم اور شہزادہ اعظم میں شدید

جنگ ہوئی۔ جس میں اعظم مارا گیا۔ اور معظم "شاہ عالم بہادر شاہ" کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اسے متعدد راجوں کی بغاوتیں فرو کرنی پڑیں۔

سالار میں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس کے بعد جہاں دار شاہ۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ شاہ عالم دوم اور معین الدین اکبر دوم کے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے۔

ریاست میسور کی تسخیر

ہندوستان کے عین جنوب میں میسور ایک ہندو ریاست تھی۔ راجہ کی حکمرانی تو برائے نام تھی۔ حقیقتہً حکومت کی باگ وزیر "دلوائی" کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی فوج میں حیدر علی ایک رسال دار تھا۔ جس نے مستعدی اور بہادری کے باعث طاقت حاصل کر لی۔ وزیر نے اسے برطرف کرنے کی ٹھان لی۔ حیدر علی کو پتا چل گیا۔ ان بن نے لڑائی کی صورت اختیار کر لی۔ حیدر علی کو فتح حاصل ہوئی۔ اس نے راجہ اور وزیر دونوں کو دودھ

کی مکھی کی طرح نکال باہر کیا۔ اور خود سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک بن گیا۔

۱۷۶۵ء میں انگریزوں نے نظام حیدر آباد اور مرہٹوں کی مدد سے حیدر علی کو زک

دینی چاہی۔ لیکن حیدر علی نے خود اس جاگر انگریزوں کو صلح پر مجبور کر دیا۔ ۱۷۸۱ء

میں انگریزوں نے شرائط صلح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ماہی بندر کو ہتھیایا جس

پر حیدر علی نے جنگ چھیڑ دی۔ لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ اور وہ میسور لوٹ آیا۔ اسی سال

اسی سال کی عمر میں حیدر علی نے کنج نحد میں پناہ لی۔

اس کے بعد اس کے بیٹے فتح علی نے جسے عوام ٹیپو سلطان کے نام سے جانتے

ہیں۔ میسور کے تحت حکومت پر قدم رکھا۔ ۱۷۸۱ء

ٹیپو غیر معمولی شجاع اور جانناز مجاہد تھا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصے میں بہت

سے مقامات مسخر کئے۔ جب بنگلور پر پرچم فتح لہرایا۔ تو انگریزوں سے مصالحت ہو

گئی۔ جب ٹیپو نے جرم نافرمانی کا مزہ چکھانے کے لئے راجہ ٹراونکور کی گوشمالی پر کرباندگی

تو انگریز اس کی ہوا خواہی کا دم بھرتے ہوئے میدان میں آگودے۔ اور نظام الملک

کی مدد سے ٹیپو کو گھیر لیا۔ پھر نصف سلطنت لے کر اس سے پیمان مصالحت استوار کیا۔

۱۷۹۸ء میں لارڈ ولزلی گورنر جنرل نے ہندوستان کی تمام ریاستوں کا صفایا کرنے

کی ٹھان لی۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے ٹیپو سلطان سے جنگ کی طرح ڈال دی۔

اور نظام الملک سے ساز باز کر کے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اس طرح ٹیپو سلطان گھر

گیا۔ مزید برآں سلطان کے معتد خاص میر صادق علی نے غداری سے کام لیا۔ جس سے

انگریز قلعے میں دراندہ چلے آئے۔ سلطان نے شیر کی طرح بہادرانہ مقابلہ کیا۔ اور لڑتے

لڑتے جام شہادت نوش کیا۔

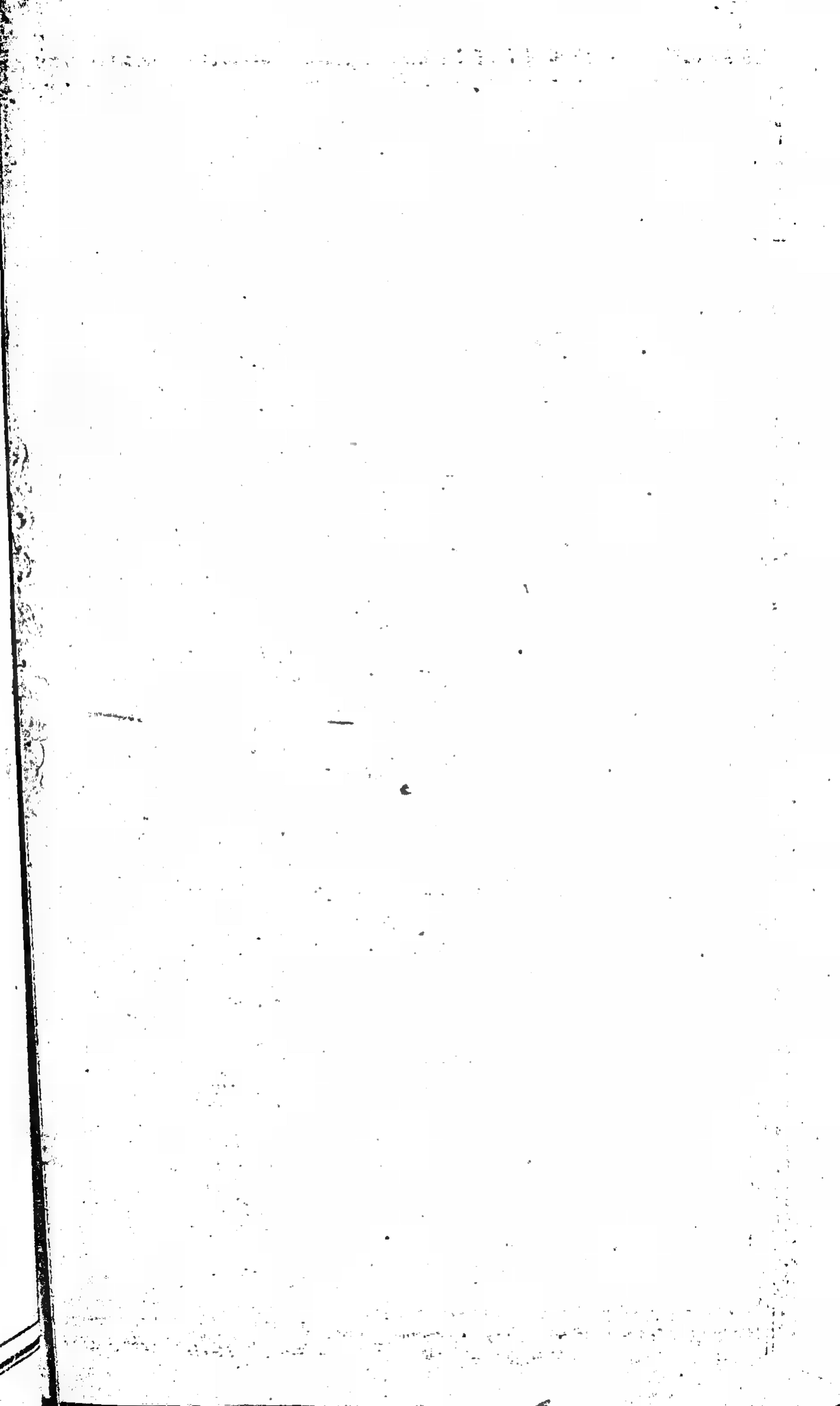
سلطنت مغلیہ کا خاتمہ

۱۸۳۷ء میں معین الدین اکبر دوم نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ تو اس کا بیٹا سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ دوم تخت نشین ہوا۔ انگریزوں نے اس کے باپ کی طرح اسے بھی سالانہ وظیفہ عطا کیا۔ اور ۱۸۵۷ء تک وہ دہلی کے لال قلعہ میں مقیم رہا۔

یوں تو لارڈ ڈولہوزی کی ظالمانہ روش سے ہندوستانی لوگوں کے دلوں میں انگریزوں سے نفرت کے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ لیکن لارڈ کیننگ کے زمانے میں ان شعلوں نے قیامت خیز آگ کی صورت اختیار کر لی۔ وہ اس طرح کہ انگریزوں نے ایک عجیب و غریب کار توں ایجاد کیا۔ جسے چاقو کے بجائے دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ اس پر یہ خبر گرم ہو گئی۔ کہ کار توں گائے اور خنزیر کی چربی سے بنایا جاتا ہے۔ اس سے ہر مذہب کے فوجیوں کے جذبات اشتعال کی انتہائی حد تک پہنچ گئے۔

۱۸۵۷ء میں ان لوگوں نے بہادر شاہ کے زیر قیادت عظیم بغاوت بلند کر دیا جس سے بے شمار انگریز موت کے گھاٹ اتار دئے گئے۔ انگریزوں نے نظام دکن۔ راجہ نیپال اور سکھوں سے مدد لے کر اس بغاوت کو رفع کیا۔ مغل شہزادے نہایت سنگ دلی سے قتل کر دئے گئے۔ اور ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا۔

اس جنگ آزادی کے بعد ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے براہ راست برطانیہ کا پرچم سلطنت لہرانے لگا۔



چھٹی جلد

Asif

Asif

Amir
Aslam

پاکستان

پاکستان

پاکستان
پاکستان

پاکستان

پاکستان

Pakistan

پاکستان

پاکستان

Pakistan

پاکستان

اٹھائیسواں باب

پاکستان

انگریزوں نے ہندوستان کی عنان سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی یہ حقیقت بخوبی محسوس کر لی۔ کہ اس ملک میں بہت سی قومیں آباد ہیں۔ اور سیکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ گویا یہ ایک بڑا صغیر ہے۔ اس کی حیرت انگیز زرخیزی دیکھ کر برطانیہ کے منہ میں پانی بھرا آیا۔ حکم ران قوم نے دیکھا۔ کہ یہاں سب سے بڑی دو قومیں آباد ہیں (۱) ہندو اور (۲) مسلمان۔ ان میں مذہبی۔ تمدنی اور ثقافتی اعتبار سے زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہندوؤں کے متعلق تو اس نے خیال کیا۔ کہ یہ صدیوں سے محکوم چلے آتے ہیں۔ ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ البتہ مسلمانوں کے باب میں گونا گوں ہول آفریں خیالات اس کے دماغ میں موج زن ہونے لگے۔ حکومت سوچنے لگی۔ کہ ایک تو مسلمان تقریباً ہزار سال تک یہاں نہایت تزک و اعترام اور جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کر چکے ہیں۔ اور ابھی ان کے دماغوں میں سطوت شاہانہ کا اثر باقی ہے۔ دوسرے ان کے مذہبی صحیفہ قرآن میں جہاد کی تعلیم بڑے زور شور سے دی گئی ہے۔ لہذا اس نے مسلمانوں کی شاہی تمکنت کی روح۔ زور و قوت۔ عام مذہبی جوش اور جذبہ جہاد کو فنا کرنے کے لئے مختلف سکیں تیار کیں۔ مثلاً اس نے ترقی اور روشنی کے دل فریب پردوں میں ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک الحاد آموز درس گاہوں کا جال بچھا دیا۔ نصاب کی کتابوں میں مذہبی تعلیم کا نام و نشان تک باقی نہ رکھا۔ اور اپنی ”پھوٹ ڈالو اور حکومت

کرو۔" کی رسوائی عالم پالیسی کے پیش نظر تاریخ ہند میں فرضی باتوں اور جھوٹے افسانوں کو سچے واقعات کا رنگ دے کر اس طرح بیان کیا کہ ہندو مسلمان سکھ اور عیسائی رعایا کے افراد ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے خون کے پیانے ہو جائیں۔

پھر ہندوستان کا اربوں من غلہ اور دوسری اُن گنت اور انمول پیداوار انگلستان اور اپنی سلطنت کے دوسرے ملکوں میں لے جانے کے لئے ریل گاڑیاں اور جہاز چلائے گئے۔ نیز انگریزی تعلیم اور یورپی تہذیب کی زبردست نشر و اشاعت کی گئی۔ ان دوروں میں تدارک کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوستان میں بسنے والی عام اقوام بالعموم اور ہندو سکھ مسلمان قومیں بالخصوص آپس میں جانی دشمن ہو کر ایک دوسری کو نیست و نابود کر دینے پر تل گئیں۔ ہندوستان جو راج مسکون میں "سونے کی چڑیا" کے نام سے مشہور تھا۔ اور جس میں مال و دولت کے دریا بہتے تھے۔ غریب۔ تنگ دست اور انگریز کا محتاج ہو گیا۔ اور اس ملک کے تمام باشندے اپنے اپنے مذہب سے بیگانہ ہو کر فرنگی تہذیب و تمدن کی رنگینیوں میں کھو گئے۔

انگریزی تعلیم نے سالہا سال کے بعد "جاہل" اہل ہند کو رفتہ رفتہ اس قدر باخبر کر دیا کہ وہ دنیا بھر کی سیاسیات کو سمجھنے اور تبصرہ کرنے کے قابل ہو گئے۔ اسی زمانے میں ہندوستان کی قدیم ترین اور سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس کی داغ بیل ڈالی گئی۔ جس کے مقصد آزادی کا حصول قرار دیا گیا۔ کانگریس میں مذہب و ملت کی تفریق کے بغیر تمام قوموں کے نمائندے شامل ہوئے۔ لیکن برسوں کے تلخ تجربات کے بعد مسلمانوں اپنے حقوق کی پامالی دیکھتے ہوئے دسمبر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا سنگ بنیاد رکھا۔ مسلم ہند نے تین سال تک اپنی اس عظیم ترین سیاسی اور قومی نمائندہ جماعت کے ماتحت زبردست سرگرمیاں دکھائیں۔ اور حریت افروز مظاہرے کئے۔ جن کا یہ اثر ہوا کہ ۱۹۰۹ء میں منٹو مارے اصلاحات میں پہلی بار مسلمانوں کا علیحدہ سیاسی وجود تسلیم کیا گیا۔ اور انھیں جداگانہ انتخاب کا حق عطا کیا گیا۔ جداگانہ انتخاب کا یہی حق ہندوستان میں دو قوموں کے نظریے کی بنیاد قرار پایا۔

اس کے بعد مسلم رہنماؤں نے ہندوؤں سے سفاهت کی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ اور ۱۹۱۷ء میں بمقام الہ آباد اتحاد کانفرنس ہوئی۔ تقسیم بنگال۔ جنگ طرابلس وغیرہ سے مسلمانوں میں انگریزوں کی دشمنی کا جو زبردست جذبہ پیدا ہوا۔ اس نے مسلمان رہنماؤں کو اور بھی تقویت پہنچائی۔ مسلم لیگ کی یہ معقول روش اوسے نچے اسلامی طبقوں میں بھروسہ کی گئی۔ چنانچہ قائد اعظم بھی جو مدت سے کانگریس میں کام کر رہے تھے۔ مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے۔ اور رکنیت قبول کر لینے کے بعد اس کا نظام عمل بھی تبدیل کر دیا۔ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۰ء تک کے سیاسی حالات مسلم رہنماؤں کی سادہ طبعی اور فریب خوردگی کا اعلان کر رہے ہیں۔ ہندو برابر اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔ کہ آزادی حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں کو ہندوؤں کا غلام بنا کر رکھا جائے گا۔ لیکن مسلمان متواتر ہندو مسلم اتحاد کی رٹ لگائے جا رہے تھے۔

کانگریسی ہندو بظاہر مسلمانوں کی دوستی کا دم بھر کر انھیں انگریزوں سے ٹکرا رہے تھے۔ تاکہ ان کی قربانیوں سے نخل آزادی کی آب یاری کی جائے۔ غیر کانگریسی ہندو مسلمانوں کی قربانیوں کو بے اثر بناتے ہوئے ہندوؤں کو مسلمانوں کا دشمن بنا رہے تھے۔ ہانکے پکارے کہہ رہے تھے۔ کہ آزادی حاصل کرنے کے بعد یا تو مسلمان ہندوستان سے خارج کر دئے جائیں گے۔ یا غلام بنا کر رکھے جائیں گے۔ اور اگر مسلمانوں نے ان دونوں میں سے کوئی بھی بات نہ مانی۔ تو وہ ہندو بنائے جائیں گے۔ یا گاجرمولی کی طرح کاٹ کر رکھ دئے جائیں گے۔

جمہوری آزادی کی منزل مقصود کی طرف گام زن ہوتے ہوئے ہر مرحلے پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان سیاسی حقوق کی تقسیم کا سوال سامنے آیا۔ لیکن ہندوؤں نے قدم قدم پر مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دینے کی زبردست مخالفت کی۔

اسی تقسیم حقوق کے سلسلے میں مسلمانوں نے خیال کیا۔ کہ حصول آزادی کی صورت میں ہندوؤں کی بے پناہ اکثریت کے تباہ کن سیلاب سے محفوظ رہنے کے لئے

مسلمانوں کی اکثریت والے علاقوں کو علیحدہ کر کے ایک آزاد سلطنت قائم کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ہندو بھی اپنی اکثریت والے صوبوں میں آزاد مملکت بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ چودھری رحمت علی لائل پوری نے مسلمانوں کی آزاد سلطنت کا نام "پاکستان" تجویز کیا۔ اور اس کی توضیح یوں کی کہ "پ" سے پنجاب۔ "الف" سے افغانستان۔ "ک" سے کشمیر۔ "س" سے سندھ۔ "تان" سے بلوچستان مراد ہے۔ ۱۹۳۱ء میں حضرت علامہ سراقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کا خطبہ عداوت ارشاد فرماتے ہوئے یہ تختیل مسلمانان ہند کے سلسلے میں پیش کیا۔ اور ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے سالانہ اجلاس میں جو بمقام لاہور قائم محمد علی جناح کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ سر سکندر حیات خاں مرحوم (وزیر اعظم پنجاب) کی تحریک پر اس تختیل کو کلمہ گویان ہند کا نصب العین قرار دے دیا۔ قرارداد کے الفاظ یہ تھے:-

"قرار پایا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی چھیٹی راہی یہ ہے۔ کہ اس ملک میں دستور بندی کی کوئی تجویز جو مندرجہ تحت بنیادی اصول پر وضع نہ کی جائے گی۔ کسی صورت میں قابل عمل یا مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

اصول یہ ہے۔ کہ جغرافیائی لحاظ سے متصل واقع ہونے والے قطعاً ملکی کو الگ الگ حلقے قرار دے کر ان کی حد بندی مناسب دروست کے ساتھ اس طریق سے کر دی جائے۔ کہ وہ رقبے جن میں مسلمان بہ اعتبار تعداد آبادی کی اکثریت رکھتے ہیں۔ آزاد ریاستیں قائم کر سکیں۔ مثلاً وہ منطقے جو ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق میں واقع ہیں۔ اس مقصد کے لئے الگ الگ کر دئے جائیں۔ اور ان منطقوں کے داخلی اجزاء اپنی اپنی جگہ خود مختار اور باسیادت سمجھے جائیں۔"

اس پر کانگریس غم و غصہ سے سانپ کی طرح بل کھانے لگی۔ اور ہندوؤں نے "پاکت" کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگانا شروع کر دیا۔ غرض ۱۹۳۰ء کے بعد کانگریس نے اپنے سیاسی نصب العین "اکھنڈ ہندوستان" اور مسلم لیگ نے "پاکستان" حاصل کرنے بیڑا اٹھایا۔

۱۹۴۶ء میں حکومت برطانیہ کے حسب وعدہ نئے انتخابات کانگریسی اور لیگی وزارتیں کرائے گئے۔ جن کی بنا پر ہندو اکثریت والے صوبوں مثلاً

صوبہ بجات متحدہ۔ بہار۔ صوبہ بجات متوسط۔ بمبئی۔ مداس اور اڑیسہ میں بروئے آئین ۱۹۳۵ء کانگریسی وزارتیں اور سندھ و بنگال میں لیگی وزارتیں قائم کی گئیں۔ صوبہ سرحد میں کانگریسی مسلمانوں نے وزارت بنائی۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی وزارت کا قیام عمل میں آیا۔ آسام میں کانگریس پارٹی کو وزارت کا ڈول ڈالنے میں کامیابی ہوئی۔

۳۔ اپریل ۱۹۴۶ء کو پنڈت جواہر لال نہرو نے ایسوسی ایٹڈ

پریس امریکہ اور رائٹرز ایجنسی کو بیانات دیتے ہوئے قائد اعظم کے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی اور حسب ذیل اعلان کیا:-

”کانگریس چاہتی ہے کہ موجودہ گفتگوؤں کے ذریعے سے تمام معاملات پرامن طریق پر طے ہو جائیں۔ لیکن اگر تاخیر ہوئی۔ تو زبردست ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ اور خود کانگریس بھی اس پر قابو نہ پاسکے گی۔“

اپریل کو پنڈت نہرو نے اخبارات کے نام مندرجہ تحت بیان جاری کیا:-
 ”مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کو کانگریس کسی صورت قبول نہیں کر سکتی۔ اگر برطانیہ کا بیٹہ نے اسے منظور بھی کر لیا۔ تو بھی ہم اسے مسترد کر دیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت حتیٰ کہ یو۔ این۔ او (متحدہ نظام اقوام) بھی اس پاکستان کو معرض وجود میں نہیں لاسکتی جس کا مطالبہ سطر جناح کر رہے ہیں۔ اگر ملک کا کوئی حصہ ہمارے خلاف اپنے آپ کو مسلح کرنا شروع کر دے گا۔ تو ہماری طرف سے اعلیٰ درجے کی اسلحہ بندی معرض وجود میں آجائے گی۔ آئندہ ایٹم بم جنگوں کا فیصلہ کیا کرے گا۔“

مسلم لیگ کا اعلان
 مسلم لیگ نے حکومت برطانیہ اور اس کے وزارتیں مشن پر دس کروڑ مسلمانان ہند کے عزم راسخ کا اظہار کرنے کے لئے دہلی میں صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے مسلم ارکان کا ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کیا۔

جو تین دن ۸-۹-۱۰۔ اپریل تک جاری رہا۔ اس میں حسب ذیل صاف اور کھلے الفاظوں میں اعلان کیا گیا۔

” اگر حکومت برطانیہ اور ہندو کانگریس کی ملی بھگت نے ہندوستان میں عارضی یا مستقل طور پر ہندو راج قائم کرنے کی کوشش کی۔ اور مسلمانوں کو پاکستان نہ دیا۔ تو مسلمان ہر طریق سے اس کی مزاحمت کریں گے۔ اور اس ماہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ بعض مسلم رہنماؤں نے نہایت زبردست تقریریں کر کے یہ اعلان کر دیا۔“

” اگر حکومت برطانیہ نے ملکی اقتدار کی باگ کانگریس کے ہاتھ میں دے کر سارے ہندوستان پر ہندو اکثریت کا راج قائم کرنے کا اقدام کر لیا۔ تو مسلمان جہاد حریت کے لئے تیار ہو جائیں گے۔“

اس کے بعد وزارتی مشن نے آزادی ہند کے متعلق حسب ذیل تجویز پیش کی :-

” (۱) ہندوستان میں ایک یونین گورنمنٹ قائم کی جائے جس میں ویسی ریاستیں بھی شامل ہوں۔ یہ یونین گورنمنٹ دفاع۔ رسل و رسائل اور امور خارجہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھے۔“

” (۲) آزاد ملک کا بنیادی آئین بنانے کے لئے ایک دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے۔ جسے تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ سیکشن ”الف“ مدراس۔ بمبئی۔ صوبجات متحدہ۔ صوبجات متوسط۔ بہار۔ اڑیسہ۔ دہلی اور اجیر کے نائندوں پر۔ سیکشن ”ب“ پنجاب۔ سرحد۔ اور بلوچستان پر اور سیکشن ”ج“ بنگال اور آسام پر مشتمل ہو۔ یہ سیکشن اپنی اپنی مرضی کے مطابق آئین بنائیں۔ نیز فیصلہ کریں۔ کہ آیا انھیں کوئی متحدہ آئین بھی بنانا ہے یا نہیں۔ اگر متحد رہنا ہے۔ تو صوبوں اور گروپ کے درمیان تقسیم اختیارات کی صورت کیا ہو۔“

” (۳) جب یہ سیکشن اپنے اپنے گروپ اور اس گروپ کے صوبوں کے لئے آئین بنالیں اور اس آئین کے مطابق صوبوں میں پہلا انتخابی مرحلہ طے ہو جائے۔ تو ہر صوبے کو اس امر کا اختیار ہو۔ کہ آیا وہ گروپ میں شامل رہنا چاہتا ہے یا نہیں۔“

” (۴) دستور ساز اسمبلی اپنی مکمل صورت میں یونین گورنمنٹ کا آئین بنائے۔ جس میں

con
govt
const
Baha
استان

ریاستوں کے نمائندے بھی شامل ہوں۔

۵۱، بنیادی قانون میں ایک شرط اس مطلب کی رکھی جائے۔ کہ ہر صوبے کو ہر دو

سال کے بعد دستور سیاسی پر از سر نو غور کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اس تجویز کے ساتھ ہی وزارتی مشن نے اعلان کیا۔ کہ سر دست ہندوستان میں ایک

عارضی عبوری حکومت قائم کر دی جائے گی۔ مشن نے تجویز کے آخر میں رہنمایان ہند سے اسے منظور کر لینے کی اپیل کرتے ہوئے یہ تنبیہ بھی کر دی :-

”آپ اس صورت پر بھی غور فرمائیں۔ جو ان تجاویز کو قبول نہ کرنے کی صورت میں رونما

ہو کر رہے گی۔ ہم صاف طور پر کہہ دینا چاہتے ہیں۔ ہماری رائے میں اس بات کی بہت

کم امید ہے۔ کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں بطور خود کسی مفاہمت کے ذریعے سے

کسی پرامن تصفیے پر پہنچ سکیں۔ لہذا دوسری صورت فقط یہ ہے۔ کہ ملک میں تشدد

بد نظمی۔ بلکہ خانہ جنگی رونما ہو جائے۔ یہ اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ایسی بد امنی کا نتیجہ کس

شکل میں برآمد ہو۔ اور وہ کب تک جاری رہے۔ لیکن ایک بات یقینی ہے۔ کہ ایسی بد امنی

لاکھوں مردوں۔ عورتوں اور بچوں کے لئے تباہی کا باعث ہوگی۔ یہ ایک ایسی امکانی

صورت ہے۔ جسے اہل ہند۔ ہمارے ہم وطن اور ساری دنیا کے لوگ یہ حیثیت مجموعی

یکساں طور پر نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔“

جون ۱۹۴۶ء کے آغاز میں مسلم لیگ | سکیم کی منظوری | کونسل کا ایک اجلاس منعقد

ہوا۔ جس نے ایک قرارداد منظور کر کے حسب ذیل اعلان کیا :-

”مسلمانوں کے جذبات کو ان نامناسب الفاظ سے جو وزارتی مشن کے بیان میں موجود

ہیں۔ سخت صدمہ پہنچا ہے۔ لیکن مشن کی تجویز میں چھ مسلم صوبوں کو ”ب“ اور ”ج“

کے لازمی گروپوں میں رکھ کر پاکستان کا بنیادی اصول تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور لیگ

مجوزہ دستور ساز اسمبلی کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے آمادہ ہو گئی ہے۔ مسلم لیگ

کو توقع ہے۔ کہ اس کا نتیجہ آزاد پاکستان کے قیام کی صورت میں رونما ہوگا۔ ساتھ ہی

اس وسیع براعظم کی دونوں بڑی قومیں اور اس کے تمام باشندے آزادی کی منزل تک پہنچ جائیں گے۔ یہ ہیں وہ وجوہ جن کی بنا پر مسلم لیگ یہ سکیم منظور کر رہی ہے۔ مسلم لیگ دستور ساز اسمبلی میں شامل ہوگی۔ اور علیحدگی کا اختیار بہ حق خود محفوظ رکھے گی۔

کانگریس نے ابھی اس سکیم کے باب میں اپنے فیصلے کا اعلان نہ کیا تھا۔ کہ ۱۶ جون ۱۹۴۶ء کو وائسرائے نے عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔

۲۵ جون ۱۹۴۶ء کو کانگریس نے وائسرائے کو اطلاع دی۔ کہ کانگریس ۱۶ مئی کی سکیم کی ان پیش نہادوں کو قبول کرتی ہے۔ جو دستور سازی سے متعلق ہیں۔ لیکن عبوری حکومت کے قیام کی تجویز سے متفق نہیں۔

۲۶ جون کو وائسرائے اور وزارتی مشن کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا:۔

”موجودہ صورت میں عبوری حکومت کی تشکیل ممکن نہیں۔ پھر بھی اس کے قیام کے لئے کوشش جاری رہے گی۔ اور جب تک عبوری حکومت نہیں بنتی۔ اس وقت تک وائسرائے سرکاری عہدہ داروں کی عارضی حکومت بنا کر کام چلائیں گے۔“

اس اعلان سے مسلم لیگ کے رہنما سخت مایوس ہوئے۔

اب مسلم لیگ اپنے طریق عمل پر نئے سرے سے غور کرنے کے لئے ڈائریکٹ ایکشن مجبور ہو گئی۔ چنانچہ ۲۴ جولائی ۱۹۴۶ء کو بمبئی میں مسلم لیگ نے

اپنے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کر کے حسب ذیل اعلان کیا:۔

”حکومت برطانیہ کانگریس کو خوش رکھنے کے لئے ان تمام وعدوں سے پھر گئی

ہے۔ جو اس نے وقتاً فوقتاً مسلمانوں سے کئے تھے۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے

اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔ کہ مجوزہ دستور ساز اسمبلی میں مسلمانوں کی

شرکت خطرے سے خالی نہیں۔ اندرین حالات وہ موجودہ قرارداد کے رو سے

اپنی اس منظوری کو واپس لیتی ہے۔ جو ۶ جون کو وزارتی مشن کی تجاویز (مجرہ

۱۶ مئی) کے متعلق صادر کی گئی تھی۔ اور جس کی اطلاع مسلم لیگ کے صدر نے

اپنے مکتوب مورخہ ۶ جون ۱۹۴۶ء کے ذریعے سے وزیر ہند کو دے دی تھی۔“

اس اجلاس میں مسلم لیگ کے تمام خطاب یافتہ رہنماؤں نے اپنے خطابات ترک کر دینے کا اعلان کیا۔ اور فیصلہ ہوا۔ کہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ مسلمانوں کے لئے ڈائریکٹ ایکشن (براہ راست عمل) کا کوئی پروگرام مرتب کرے۔ اجلاس کے اختتام پر قائد اعظم نے ایک تقریر کے دوران میں فرمایا:-

"آج کا کارنامہ ہماری اس تاریخ میں بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ مسلم لیگ کی ساری زندگی میں ہم نے آئین پسندی کے سوا اور کوئی طریق کار اختیار نہیں کیا۔ لیکن آج ہم مجبور ہو چکے ہیں۔ اور ہمیں اضطراری حالت میں یہ پوزیشن اختیار کرنی پڑی ہے۔ آج ہم آئینی طریق کار کو دداعی سلام عرض کر رہے ہیں۔ برطانیہ اور کانگریس دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک پستول ہوا کرتا تھا۔ برطانیہ کے ہاتھ میں حکومت اور اسلحہ کا اور کانگریس کے ہاتھ میں عمومی جدوجہد اور عدم تعاون کا۔ آج ہم نے بھی ایک پستول بنالیا ہے۔ جسے استعمال کرنے کے لئے ہم تیار ہو چکے ہیں۔"

اس کے بعد کونسل نے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام کی تیاری کا حکم دے دیا۔

۱۹۳۶ء کے شروع میں انتخابات کی معرکہ آرائی اکھنڈ ہندوستان اور پاکستان کے ٹکٹوں پر عمل میں آئی۔ اس لئے اخبارات اور

فسادات کے شعلے

جلسوں میں تحریروں و تقریر کے اسلحہ سے شدید رزم آرائی ہوئی۔ عوام کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ اور جگہ جگہ فسادات کے شعلے بھڑکنے لگے۔ گوالیار۔ احمد آباد۔ گجرات۔ دہلی۔ بریلی۔ الہ آباد۔ بمبئی۔ بہار وغیرہ میں قرآن عزیز کو نذر آتش کرنے۔ مسجدوں کو گرانے اور چھرا گھونپ کر مسلمانوں کو ہلاک کر دینے کے واقعات رو پندیر ہونے لگے۔ یہ فسادات زیادہ تر ان صوبوں میں صورت نہا ہورہے تھے۔ جن میں کانگریسی وزارتیں قائم ہو چکی تھیں انھیں فسادات کے دوران میں یہ بات عوام پر ظاہر ہوئی۔ کہ ہندوؤں کی ایک جماعت راشٹریہ سیکونگ کے نام سے قائم ہوئی ہے۔ جو تیز دھار والے آلات کے استعمال کی مشق کر رہی ہے۔

۳۔ اگست ۱۹۲۶ء کو وائسرائے نے عبوری
مرکزی وزارت کانگریس کے ہاتھ میں حکومت کے قیام کی ایک اور صورت پیش

کرتے ہوئے اعلان کیا۔ کہ اس حکومت میں کانگریس کے چھ اور مسلم لیگ کے پانچ نمائندے
لئے جائیں گے۔ ایک اینگلو انڈین نمائندہ مزید ہوگا۔ مسلم لیگ تو پہلے ہی عبوری حکومت اور
دستور ساز اسمبلی سے علیحدہ رہنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اور کانگریس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے
ہوئے وائسرائے کی اس پیش کش کو منظور کر لیا۔

۱۵۔ اگست کو پنڈت نہرو نے قائد اعظم سے ملاقات کے دوران میں کہا۔ کہ وہ عبوری
حکومت کی پانچ نشستوں پر راضی ہو جائیں۔ اور ان میں سے ایک نشست کانگریسی مسلمانوں
کو دے دیں۔ قائد اعظم رضامند نہ ہوئے۔ اور ۲۲۔ اگست کو وائسرائے نے عبوری حکومت
کے قیام کا اعلان کر کے کانگریس پارٹی کو اس کے سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔ قرار پایا۔ کہ اس
حکومت کے ارکان چودہ ہوں گے۔ جن میں سے نو کانگریسی۔ دو ایسے مسلمان جو نہ کانگریسی ہوں
نہ لیگی۔ ایک سکھ۔ ایک عیسائی اور ایک پارسی ہوگا۔ علاوہ بریں کانگریس کی اس عبوری حکومت
کو نصب کرنے کے لئے ۲۔ ستمبر ۱۹۲۶ء کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

اس موقع پر یہ حقیقت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کہ جب کانگریس نے عبوری حکومت
کی شمولیت سے انکار کیا تھا۔ تو حکومت برطانیہ نے مرکزی وزارت کے کئی اختیارات مسلم
لیگ کو تفویض نہ کئے تھے۔ لیکن جب مسلم لیگ نے انکار کیا۔ تو اسی وقت کانگریسی وزارت
قائم کر دی گئی۔

۱۲۔ اگست کو قائد اعظم نے ایک اعلان میں مسلمانان ہند سے اپیل کی تھی۔ کہ
یومِ عمل ۱۶۔ اگست کو کامل ضبط و قلم اور امن وامان سے "یومِ عمل" منائیں۔ چنانچہ
ملک بھر میں مسلمانوں نے پرامن طریق پر یہ دن منایا۔ جلسے کئے۔ جلوس نکالے۔ مکانوں
اور دکانوں پر جھنڈیاں لہرائیں۔

یہ دن ہندوستان کے اورتھام مقامات پر تو امن سے گزر گیا۔
کلکتہ میں فساد لیکن کلکتہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہولناک فساد

ہو گیا۔ جو گیارہ دن تک تہایت شدت سے جاری رہا۔ فساد کی ابتدا ہندوؤں نے کی جنہوں نے مسلمانوں کے پُر امن جلوسوں پر اینٹ پتھر برسائے۔ ۲۷۔ اگست کو آتش فساد کسی قدر فرو ہونے لگی۔ اس فساد میں سرکاری اطلاع کے مطابق ۳۸۴ آدمی ہلاک اور ۲۲۲۱ مجروح ہوئے۔ بارہ سو سے زیادہ مقالات پر آتش زنی اور بہت سی جگہوں میں ٹورٹ مار کی وارداتیں رونما ہوئیں۔ ہندو غنڈوں نے مسلمانوں کو چن چن کر قتل کیا۔ سکھ و رندوں نے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دیں۔ جن میں ان کی کرپانیں سرخ پھلیاں بن کر تیرنے لگیں۔ اسی اگست کے آخری ہفتے میں پٹنہ۔ ڈھاکہ۔ چائینگام اور دہلی میں بھی فسادات کی خونیں آندھیاں اٹھیں۔

یوم ماتم | ۲۔ ستمبر ۱۹۴۶ء کو عبوری حکومت کی زمامِ انتظام باضابطہ پنڈت نہرو اور ان کے رفقاء کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ اُدھر مسلم لیگ نے اسی دن کو مسلمانوں کے لئے یوم ماتم قرار دے رکھا تھا۔ اور نواب زادہ لیاقت علی خاں جنرل سکریٹری نے حسب ذیل ہدایات جاری کر دی تھیں :-

”مسلمان ۲۔ ستمبر کو اپنے گھروں۔ مکانوں۔ دکانوں۔ اداروں۔ سکولوں اور کالجوں پر سیاہ جھنڈے لہرائیں۔ تاکہ وہ کانگریسی حکومت کے قیام کے خلاف دلی نفرت کا اظہار کر سکیں۔ مسجدوں میں جا کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں۔ کہ وہ ہمیں اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کی جرأت و طاقت عطا فرمائے۔ تاکہ وہ اس بے انصافی اور کوشش کو جو ان کے گلوں میں ہمیشہ کے لئے غلامی کا طوق پہنانے کی غرض سے کی گئی ہے۔ ناکام بنا سکیں۔“

مسلمانوں نے ملک بھر میں ان ہدایات کے مطابق بڑے زور شور سے ”یوم ماتم“ منایا۔

بمبئی میں فساد | ۱۶۔ اگست کے ”یوم عمل“ پر ہندوؤں نے کلکتہ میں جہاں ان کی آبادی ستر فی صدی سے زائد تھی۔ فسادات برپا کر کے مسلمانوں

کے خون سے ہولی کھیلی تھی۔ اور ۲۔ ستمبر کے ”یوم ماتم“ پر بمبئی میں جہاں ہندوؤں کی بھاری اکثریت تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے قتل و ترح کی مہم شروع کر کے اپنی وحشت و بربریت کا ثبوت پیش کیا۔ ۳۔ ستمبر کو فسادات نے زیادہ ہولناک صورت اختیار کر لی۔

چند روز تک تو خون و آتش کا یہ کھیل بڑی شدت سے جاری رہا۔ لیکن پھر اس میں کچھ تخفیف ہو گئی۔ اس کے بعد فسادات کا یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا۔ کبھی اس کی رفتار تیز ہو جاتی تھی کبھی مدہم۔

۱۳۔ ستمبر کو کلکتہ کی فضا پھر فسادات کی زہریلی ہواؤں سے لبریز ہو گئی۔ اور یہ خونیں ہنگامے بمبئی کی طرح عمل جاری بن گئے۔

۱۴۔ ستمبر کو احمد آباد میں اور ۱۹۔ ستمبر کو ڈھاکہ اور اس کے قریبی دیہات میں فسادات کے سرخ چٹے پھوٹ پڑے۔

مسلم لیگ عبوری حکومت میں | والسرائے اور کانگریس نے مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل کرنے کے لئے زبردست جدوجہد جاری

رکھی۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۴۶ء کے آخری ہفتے میں قائد اعظم اور والسرائے کے درمیان متعدد مذاقات ہوئیں۔ اور موضوع گفتگو یہ تھا کہ مسلم لیگ کن شرائط پر عبوری حکومت میں شامل ہونی چاہتی ہے۔ اپنی پانچ نشستوں میں سے ایک دو کانگریسی مسلمانوں کو دے یا نہ دے۔ اور کون کون سے صیغوں کی عنان نظام ہاتھ میں لے۔

آخر مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے عبوری حکومت میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا۔ اور قائد اعظم نے والسرائے کو اس فیصلے سے مطلع کر دیا۔ ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو نئی دہلی سے یہ سرکاری اعلان جاری ہوا۔

”مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور ہر سبھی ملک معظم نے

ازراہ مسرت مندرجہ تحت حضرات کو عبوری حکومت کا ممبر مقرر فرمایا ہے۔

”مسٹر لیاقت علی خاں۔ مسٹر آئی آئی چندریگر۔ مسٹر عبدالرب نثر۔ مسٹر غضنفر علی خاں۔ مسٹر

جوگندر ناتھ منڈل۔“

”کابینہ میں اصلاح کے کام چھوکن بنانے کے لئے حسب ذیل ارکان نے استعفا دے دیا ہے۔

مسٹر مسرت چند بوس۔ مسٹر شفاعت احمد خاں۔ سید علی ظہیر۔

”موجودہ کابینہ کے مندرجہ ذیل ارکان اپنے مناصب پر بدستور فائز رہیں گے۔

"پنڈت جواہر لال نہرو۔ مسٹر ولیم بھائی پٹیل۔ ڈاکٹر اجندر پرشاد۔ مسٹر آصف علی۔ مسٹر سی راج گوپال اچاریہ۔ ڈاکٹر جان مٹھائی۔ سردار بلدیو سنگھ۔ مسٹر جگ جیون رام۔ مسٹر کورجی ہرمزجی۔"

مسلم لیگ کے نمائندوں کو یہ محکمے تفویض کئے گئے۔

خزانہ۔ ڈاک۔ تجارت۔ انتظام مجالس۔ وضع قوانین۔ حفظان صحت۔ کانگریس نے حسب ذیل صیغے اپنے ہاتھ میں رکھے۔

دفاع۔ صنعت و حرفت اور سپلائی۔ تعلیم۔ امور خارجہ۔ امور داخلہ و تشریحات۔ خوراک و زراعت۔ ریلوے اور ٹرانسپورٹ۔ تعمیرات و معدنیات۔

کلکتہ۔ بمبئی اور دوسرے مقامات میں ابھی فسادات کی آگ بھڑک رہی تھی۔ ادا ایل اکتوبر میں ہنزہائی نس نواب حمید اللہ خاں والی بھوپال

کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کرانے کی زبردست کوشش کر رہے تھے۔ کہ ۱۔ اکتوبر کو مشرقی بنگال کے ضلع نواکھلی میں فرقہ دار فساد کا طوفان امنڈ پڑا۔ اس ضلع میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اس کی دو تحصیلوں فیسی اور چاند پور میں مسلمان بلوائیوں نے ہندوؤں پر حملے کئے۔ حملہ آور کہہ رہے تھے۔ کہ ہم ان مظالم کا بدلہ لے رہے ہیں۔ جو کلکتہ کے ہندو مسلمانوں پر ڈھا رہے ہیں۔ اس فساد میں پان سو کے قریب آدمی ہلاک ہوئے۔ اور بعض مقامات پر مکان بھی جلائے گئے۔

کانگریسی اور جہاں بھائی رہنماؤں۔ ہندو اخباریوں اور ہندوؤں کی خبر رساں ایجنسیوں نے رائی کا پہاڑ بنا کر واقعات کو نہایت اشتعال انگیز رنگ میں پیش کرتے ہوئے ہندوؤں کو اس بات پر ابھارا۔ کہ وہ تنظیم اور طاقت کے بل پر مسلمانوں سے نواکھلی کا بدلہ لیں۔

پنڈت نہرو کا اعلان جنگ | اس دوران میں ۱۶۔ اکتوبر کو پنڈت نہرو شمال مغربی سرحد کے قبائلی علاقے کے دورے پر روانہ ہوئے۔ لیکن

جہاں کہیں گئے۔ ان کا استقبال سیاہ جھنڈیوں سے کیا گیا۔ اور انھیں مسلمانوں کا دشمن کہہ کر قبائلی علاقے میں دورے کا خیال ترک کرنے کے لئے انتباہ کیا گیا۔ لیکن وہ باز نہ آئے۔

اور برطانوی فوجوں کی سکینوں کے سائے میں دورہ جاری رکھا۔ واپسی پر انھوں نے کانگریسی پٹھانوں کے ایک جلسے میں پرغضب تقریر کرتے ہوئے آخر میں یہ الفاظ بھی کہے دئے۔

”جو لوگ لڑائی کا راستہ دکھا رہے ہیں۔ وہ لڑائی میں مبتلا کئے جائیں گے۔“

مسلمانان ہند کو پنڈت نہرو کے اس اعلان جنگ

بہار میں مسلمانوں کا قتل عام

کے بعد ان کے واپس دہلی پہنچنے پر ۲۳۔ اکتوبر

کو کانگریس کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں پنڈت جی نے کانگریسی رہنماؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے ہولناک انتقام لینے کے لئے ایک زبردست سازش تیار کی۔ اور اسے لباس عمل پہنانے کے لئے ۱۲ فی صدی مسلم آبادی کے علاقہ بہار پر نظر انتخاب ڈالی گئی۔

بہار میں ۲۵۔ اکتوبر کو ہندوؤں نے ”نواکھلی کا دن“ منایا۔ اور جگہ جگہ جلسے کر کے نہایت اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ ۱۶۔ اکتوبر کو چھپرا میں ہندو بلوائیوں نے فساد کی آگ بھڑکادی دوسرے دن بہار کے کانگریسی وزیر اعظم مسٹر سنہا نے چھپرا جا کر ہندوؤں کے ایک عام جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

”لوگوں کو فساد سے باز رہنا اور حکومت کا حکم ماننا چاہئے۔ کیونکہ یہ حکومت جو ان کی اپنی ہے۔ فساد یوں کو پہلی پریشی سرکار کی طرح بندوق کی گولیوں کا نشانہ نہیں بنا سکتی۔“

پٹی کے بھاگوں چھینکا ڈھوا۔ مسٹر سنہا کے اس فقرے سے کہ حکومت فساد یوں پر گولی نہ چلائے گی۔ ہندوؤں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اور انھوں نے ہر شہر ہر قصبے اور ہر گاؤں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ہندو اور سکھ درندوں نے مسلمان مردوں۔ عورتوں۔ بچوں۔ بوڑھوں۔ بیاروں اور تندرستوں کو بے فرق و امتیاز وحشیانہ سنگ دلی سے گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ سامان لوٹ لیا۔ اور مکانات کو آگ لگا دی۔

زیبر ۱۹۴۶ء میں دہلی۔ میرٹھ۔ غازی آباد۔ کانپور۔ بنارس۔ صوبجات متوسط کے بعض مقامات رہتک اور گڑھ مکتیشور کی سرزمین کو بھی مسلمانوں کے خون سے لالہ زار کیا گیا۔

۲۰۔ فروری ۱۹۴۷ء کو مسٹر اٹلی وزیر اعظم
برطانیہ نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا

انتقال اختیارات اور وائسرائے کی تبدیلی

کہ حکومت برطانیہ جون ۱۹۴۷ء تک حکومت ہند کے کئی اختیارات ہندوستانوں کے ہاتھ میں منتقل کر دینے کا حتمی ارادہ کر چکی ہے۔ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ویول کی میعاد حکومت ختم کر دی گئی ہے۔ اور اب ان کی جگہ وائی کاؤنٹ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل مقرر کئے گئے ہیں۔ جو مارچ میں لارڈ ویول سے اپنے عہدے کا چارج لے لیں گے۔

۳۔ مارچ کو لاہور میں ہندوؤں نے ایک مسلمان کو شاہ عالمی
دروازہ کے باہر مسجد کے اندر ادا کے نماز کے دوران میں چھرا

پنجاب میں فسادات

گھونپ کر ہلاک کر دیا۔ پھی ہٹے میں بھی ایک مسلمان مارا گیا۔ اس پر شہر کے اندرونی حصے میں عام فساد شروع ہو گیا۔ ۵۔ مارچ کو سارا لاہور قتل و خونریزی کی لپیٹ میں آ گیا۔ پھر امرتسر، گوجرانوالہ، راولپنڈی، ملتان وغیرہ میں انسان درندے بن کر ایک دوسرے کو چیرنے پھاڑنے لگے۔

۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کا آفتاب ضیا افروز ہوا۔ تو کراچی
میں پاکستان کا ہلالی پرچم اور دہلی میں ہندوستان کا ترنگا جھنڈا

ہندوستان اور پاکستان

لہرانے لگا۔ لیکن ان دونوں آزاد سلطنتوں کی حد بندی کا اعلان ۱۷۔ اگست ۱۹۴۷ء کو کیا گیا۔ اس کے روزے پاکستان دو حصوں میں منقسم ہوا۔ (۱) مغربی پاکستان جس میں مغربی پنجاب، صوبہ سرحد، صوبہ سندھ اور بلوچستان شامل ہیں (۲) مشرقی پاکستان جو مشرقی بنگال اور سلہٹ پر مشتمل ہے۔

ریاستوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا۔ کہ وہ جغرافیائی حدود کی پابندی کرتے ہوئے خواہ پاکستان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ خواہ ہندوستان کے ساتھ۔ یا ان کے حکمران اپنی اپنی ریاست کو آزاد مملکت بنالیں۔

مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام
حد بندی کا اعلان ہوتے ہی ہندو اور سکھ درندوں نے مشرقی پنجاب میں

مسلمانوں کے قتل عام کی قیامت خیز مہم نہایت وسیع پیمانے پر شروع کر دی جس کی ایک حذرت
سی تصویر مؤلف "اخراج اسلام از ہند" کے موقلم سے یہاں پیش کی جاتی ہے:-

"۱۶-۱۸-۱۹۔ اگست کو ماسٹر تارا سنگھ کی پرائیویٹ آرمی "اکال سینا" کے دستے مشرقی
پنجاب میں جا بجا حرکت میں آئے۔ ان جتھوں کو فرید کوٹ۔ پیالہ۔ جیند۔ نابھ اور کپور تھلہ
کی سکھ ریاستوں کی باقاعدہ افواج کی..... ملک حاصل تھی۔ اور انھیں امرتسر شہر میں
عملی طور پر اور دیگر مقامات پر زبانی طور پر یقین دلایا جا چکا تھا۔ کہ ان سرحدی افواج کے جو
پنجاب کے بارہ اضلاع میں امن قائم کرنے کی ذمہ دار ہیں۔ تین چوتھائی ہندو اور سکھ جوان
اڑے وقت پر تمھاری امداد کریں گے۔

"سکھوں کے جتھے اکال سینا کے دستوں کی قیادت میں مسلمانوں کے دیہات پر دن
دہاڑے حملے کرتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے دیہات کی آبادیاں گاؤں خالی کر کے بھاگ جاتی
تھیں۔ اس گاؤں کو آگ لگا دیتے تھے۔ اور اگر کوئی بچا کچھ عمرو۔ عورت یا بچہ مل جاتا تھا۔
تو اسے بیدردی کے ساتھ قتل کر دیتے تھے۔ کسی قصبے میں مسلمانوں کی جمعیت سے مقابلہ
آن پڑتا۔ گھنٹوں دونوں طرف سے بندو توں کے فریاد ہوتے۔ اور کہیں کہیں نیزوں۔ بھالوں۔
تلواروں اور کلہاڑیوں سے دست بدست لڑائی کی نوبت آ جاتی۔ جن مقامات پر سکھوں کی
جمعیتیں شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتیں۔ وہاں اسی دن یا اس سے اگلے
دن سرحدی فوج آ جاتی۔ جو مسلمان آبادی کو مشین گنیوں۔ برین گنیوں اور رائفلوں کی بناہ
آگ کے آگے دھر کر جھون ڈالتی۔ پہلے دن کے فاتح مسلمان بھاری جانی نقصان اٹھا کر
بھاگنے پر مجبور ہو جاتے۔

"جس مقام پر سکھوں کی جمعیت مسلمانوں پر غالب آ جاتی۔ وہاں سکھ قصبے میں گھس کر
ہر مسلمان کو جو انھیں ملتا۔ قتل کر دیتے۔ زندہ بچوں کو نیزوں میں پرد کر اور پراٹھلتے۔ عورتوں
کو ذبح کر دیتے اور جہان لڑکیوں کو اپنے ساتھ گھسیٹ لے جاتے۔

"اس قسم کے واقعات کے بکثرت ظہور کے باعث مشرقی پنجاب کے مسلمانوں میں ایک
سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ہراس پھیل گیا۔ انھوں نے بھی نیزے۔ بھالے۔

خبر۔ تلواریں نور لکھوے وغیرہ بنانے کی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ بعض مقامات پر ہندوؤں کے تہذیب میں بارود سے چلنے والی نالیاں بھی بنتے لگیں۔ یعنی ہر جگہ کے مسلمان یہ سمجھ کر کہ ایک دن ایک دن ان پر بھی حملہ ہو کر رہے گا۔ مقابلے اور دفاع کی تیاری کرنے لگے۔ قریب قریب کے دیہات نے فیصلہ کیا۔ کہ خطرے کے وقت نقاسے بجائے جائیں۔ اور جس طرف سے نقاسے کی آواز آئے۔ لڑنے والے جوان فی الفور اس طرف ٹوٹ پڑیں۔ اور سکھوں کا مقابلہ کریں۔

"مسلمانوں کے اکثر دیہات نے جن پر عام سکھ جتھوں نے ماسٹر تارا سنگھ کی اکال سینا کی سرکردگی میں حملہ کیا۔ سکھوں کا منہ موڑ دیا۔ سکھوں نے بھاری جانی نقصان اٹھا کر راہ فرار اختیار کی۔ لیکن لٹری یعنی سرکار کی فوج کا مقابلہ کرنا نہ تھے۔ بے سرو سامان اور غیر منظم مسلمانوں کے لئے مشکل تھا۔ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا۔ کہ انھیں کبھی سرکار ہند کی فوجوں کا مقابلہ بھی کرنا پڑے گا۔ یہ لوگ چار پانچ پشتوں سے امن و عافیت کی زندگی بسر کرتے چلے آئے تھے۔ رائفل اور مشین گن کے فیران کے لئے بالکل نئی بات تھی۔ عسکری تنظیم کے نام تک سے واقف نہ تھے ماس علاقے کے سکھ بھی ان سے مختلف نہ تھے۔ لہذا اگر مقابلہ محض سکھ آبادی کے فساد ہی عنصر سے ہوتا۔ تو مسلمان اس سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکتے تھے۔ لیکن جب انھیں سکھ جتھوں کے علاوہ ریاستی بھگتوں (سکھ ریاستوں سے بھاگے ہوئے سپاہی) اور (ضلع جانے کس سرکار کی) سرحدی فوج سے واسطہ پڑنے لگا۔ تو وہ اپنے آبائی گھروں۔ گاؤں اور زمینوں کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگنے لگے۔ اور ایسے اقطاع میں پہنچنے لگے۔ جہاں کی مسلم آبادیاں ابھی حملوں سے محفوظ تھیں۔

اس کے ساتھ ہی سکھوں کے منظم جتھوں نے مسلمان مسافروں کا قتل عام کرنے کے لئے ریلوے ٹرینوں کو روکنا شروع کر دیا۔ ریلوے سٹیشنوں کے باوجود جتھوں سے مل کر ٹرین روک لیتے تھے یا جس جگہ حملہ کرنا ہوتا تھا۔ وہاں سے لائن اکھاڑ دیتے تھے۔ ریل گاڑی کو روک کر ہندو اور سکھ مسافروں کو اتار لیتے تھے۔ اور تمام مسلمان مسافروں

کو کرپانوں۔ نیزوں اور برچھوں سے پھید ڈالتے تھے۔

”مسلمانوں کے قتل عام کی یہ مہم ۱۸۔ اگست کو فیروز پور۔ جالندھر۔ ہوشیار پور۔ امرتسر اور گورداس پور کے اضلاع میں بیک وقت جس وسیع پیمانے پر نہایت تیزی اور شدت کے ساتھ اختیار کی گئی۔ اس پر ہم سب کو ماسٹر تارا سنگھ کی عظیمی قابلیتوں کی داد دینی چاہئے۔ ماسٹر موصوف نے ۲۲۔ جولائی کو اعلان کر دیا تھا۔ کہ سکھ مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو باہر نکال دینے کی طاقت و صلاحیت رکھتے ہیں۔“ اس کا یہ کہنا اس جتنا بندی اور تیاری کے بل پر تھا۔ جو سکھ قوم اس دن کے لئے پایہ تکمیل تک پہنچا چکی تھی۔ اور جس کے لئے سکھ لیڈروں نے شب و روز ایک کر کے مہینوں کا کام کیا تھا۔ سکھ ریاستوں کے راجاؤں اور مہاراجاؤں تک کو اپنی سازش کا شریک بنا لیا تھا۔ ہندو استھان کے ہندو لیڈروں کو گانٹھ رکھا تھا۔ بلکہ ریڈ کلنٹ صاحب تک کو اس بات پر آمادہ کر لیا۔ کہ وہ حد بندی کے متعلق اپنے فیصلے کا اعلان اس تاریخ کو کریں۔ جسے سکھ لیڈر مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کی مہم شروع کرنے کے لئے مقرر کر چکے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔

”اس کے برعکس مسلمان لیڈروں نے یہ سوچنے کی زحمت تک گوارا نہ کی تھی۔ کہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا مستقبل کیا ہوگا۔ چہ جائیکہ وہ انھیں از طریق رہنمائی کچھ راہ عمل یا راہ عمل نہ سہی۔ راہ فرار ہی بتا چکے ہوتے۔

”ہاں تو ۱۸۔ اگست کے بعد مشرقی پنجاب کے شہروں۔ قصبوں اور گاؤں میں مسلمانوں کے گھروں سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ دیہات کے دیہات اور محلوں کے محلے و خرابادھڑ جلتے نظر آنے لگے۔ فضائیں آگ کی لپٹوں اور دھوؤں سے تیرہ و تار ہونے لگیں۔ مشرقی پنجاب کی خاک مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوتی گئی مسلمانوں کی نعشیں کس میسرسی کے عالم میں پڑی سرٹنے لگیں۔ اور کتوں۔ گدھوں۔ چیلوں اور کتوں کی خوراک بن گئیں۔ قتل عام کی مہم ایسی تیز اور ہمہ گیر تھی۔ کہ مردوں۔ عورتوں۔ بچوں۔ بوڑھوں۔ بیماروں۔ اپاہجوں اور درویشوں سب کو بلا امتیاز تہ تیغ کیا گیا۔

جوان حورتوں کی آمد دیر ہی ایسے ایسے ہیما نہ طریقوں سے کی گئی۔ کہ بیچاری کے بعد دیگرے درجنوں مردوں کا تختہ مشق بننے کے باعث نیم جاں ہو گئیں۔ یا مر گئیں بمعصوم بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے نیزوں میں پرو پر دکر "پاکستان کے جھنڈے" بنائے گئے۔ بچوں کو یک جا کر کے بھڑکائی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمانہ قبل از تاریخ کی کسی وحشی قوم کے غول بیسیوں صدی مسیحی کی مہذب لیکن نہتی آبادیوں پر چھوڑ دئے گئے ہیں۔ یا سدھائے ہوئے شکاری کتے پالتو خرگوشوں کے دڑبوں پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ یا بھوکے بھیرپوں کے غول بھیردوں اور بکریوں کے گلوں میں گھس آئے ہیں۔

ان مثالوں سے یہ نہ سمجھا جائے۔ کہ یہ سکھ لوگ جنگی میدان کے مردان کا رتھے۔ یا وہ بہادر لڑاکے تھے۔ جن کی شجاعت و پامردی کے آگے مسلمان عاجز آ گئے۔ نہیں۔ بلکہ ہمارا سنگھ کا یہ لشکر حقیقی جنگ کے میدان کا ایک نہایت ہی ڈرپوک جانور تھا۔ مقابلے سے جی چراتا تھا۔ مگر ہوجانے پر دم دبا کر بھاگ کھڑا ہوتا تھا۔ لیکن اس کے سفاکانہ کارناموں کا مدار محض ہندوستان کی حکومت کی پولیس۔ جنرل ریس کی سرحدی فوج۔ سرکار ہند کے ملکی حکام اور سکھ ریاستوں کی طرف سے آئے ہوئے گلی دستوں پر تھا۔ جن سب کی کھلم کھلا امداد سے حاصل تھی۔ یہ عناصر جدید ترین آتشیں اسلحہ رکھتے تھے۔ مسلمانوں کے پاس لائسنس کی سرکاری بندو قوں یا اپنی بنائی ہوئی بارود سے چلنے والی نالیوں کے سوا اور کوئی آتش بار ہتھیار نہ تھا۔ اور ان بندو قوں اور نالیوں کی تعداد بھی بہت ہی کم تھی۔ مثلاً چار پانچ دیہات میں ایک شکاری بندو ق اور چار پانچ نالیاں۔ ان عناصر کی بدولت سکھ وحشیوں کے ہتھے مسلمانوں پر غالب آجاتے تھے۔ اور غالب آجانے کے بعد وہ ان بے بس مردوں جو رتوں بچوں بوڑھوں اور بیماروں کی تکابوئی کر دیتے تھے۔ جوان کے ہاتھ لگ جاتے تھے۔

اس طرح سکھوں کے گروہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے شہروں۔ قصبوں۔ اور گاؤں کو بڑی تیز رفتاری کے ساتھ نذر آتش کرنے لگے۔ مسلمان غیر مسلم بلٹری کی

آد پر جب گولیوں کی بے پناہ بارش کے سامنے دھرتے جاتے۔ تو اپنے مساکن کو چھوڑ کر سرسیمہ ہو کر بھاگتے۔ ان کی جمعیتیں باہر کھیتوں میں جنگلوں میں اور دریاؤں کے قریب دریاؤں کے جزیروں میں پناہ لیتیں۔ یا ایسے اقطاع کی طرف چلی جاتیں۔ جہاں ابھی مسلمانوں کی آبادیوں کے ساتھ پھیڑ پھاڑ نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح مشرقی پنجاب میں جا بجا بے خانمان مسلمانوں کے کیمپ بننے لگے۔

لیکن مسلمانوں کو اپنے گھروں سے بے دخل کرنے پر بھی اکتفا نہیں کیا جاتا تھا۔ ماسٹر تارا سنگھ کے لشکر جو سرکاری فوجی دستوں۔ پولیس کے جوانوں۔ اکال سینا کی مسلح ٹولیوں۔ ریاستی فوجوں اور عام سکھوں کے جتھوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ مسلمانوں کے قافلوں اور کیمپوں پر حملے کر کے انسانی جانوں کا شکار کھیلتے تھے۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں قتل کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس بے پناہ خون ریزی سے وہ یرغم خود مشرقی پنجاب کے ان سکھوں کا بدلہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں سے لے رہے تھے جنہیں مارچ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں مسلمانوں کے ہاتھ سے گزند پہنچا تھا۔ جو ماسٹر تارا سنگھ نے اسمبلی چیمبر کی سیڑھیوں پر ننگی کرپان کا منظر ہرہ کر کے شروع کئے تھے۔ سکھ اب مسلمانوں سے سود و رسود کے حساب سے بدلے رہے تھے۔ کیونکہ اب ملک کی حکومت ہندوستان کی ساری فوجی طاقت۔ پولیس کی جمعیت۔ حکام اور ریاستی افواج کی پوری پوری امداد انھیں حاصل ہو گئی تھی۔ اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس۔ ان مسلمانوں کے پاس جنہیں ان کے لیڈروں نے اپنے حصول اقتدار کی خاطر کمال بے اعتنائی سے بھیڑوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اپنی حفاظت و مدافعت کے لئے نیزوں۔ بھالوں اور لاٹھیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ دفاعی تنظیمات اور حفاظتی جتھابندی کے گروں سے وہ نا آشنائے محض تھے۔ لیڈروں نے انھیں ان باتوں سے واقف بنانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ اس موقع پر مجھے نہایت شرمساری کے ساتھ اس امر کا اعتراف بھی کرنا ہے۔ کہ مشرقی پنجاب کے امن پسند۔ عاقبت پیشہ اور صلح جو مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی۔ جنہیں ”بزول۔ ڈرپوک اور نامرد“ کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا دتیرہ یہ تھا۔ کہ اگر حملے

کا خطرہ گاؤں کے شمال کی جانب سے ہو۔ تو یہ حضرات جنوب کی سمت کے "نا۔ کے روکنے کے لئے" جلد بازی سے کام لیتے تھے۔ اور جب کسی ڈور کے گاؤں کی مدد کے لئے جہاں جنگ جاری ہوتی تھی۔ جاتے تھے۔ تو کسی نہ کسی بہانے سے راستے ہی سے لوٹ آتے تھے۔ موت چاروں طرف سے ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ لیکن ایسے لوگ مردانہ و مقابلہ کر کے جان دینے کا فیصلہ کرنے کے بجائے چوہوں کی طرح جان بچانے کے لئے ریل ڈھونڈتے پھرتے تھے۔

"..... اور ہاں مسلمانوں کی قوم ایسے بہادر مردوں اور بہادر عورتوں کے وجود سے بھی خالی نہ تھی۔ جنہوں نے ہتھی جو اں مردی اور حقیقی اسلامی شجاعت سے کام لیا۔ جو گولیوں کی بارش کے سامنے سینہ سپر ہو کر لڑے اور شہید ہوئے۔ جنہوں نے سکھوں کو اپنے برچھوں اور نیزوں پر دھریا۔ اور انہیں شکستیں دیں۔ جنہوں نے کئی کئی دن تک ہزاروں کی جمیعتوں کے ساتھ مقابلے جاری رکھے۔ اور ہندو اور سکھ ملٹری تک کے منہ موڑ دئے۔

"اسلام کی وہ بہادر خواتین ہماری تاریخ کے لئے مایہ ناز ہیں۔ جنہوں نے جو انہروں کی طرح وحشی سکھوں سے لڑ کر جام ہائے شہادت نوش کئے۔ جو اپنی عزت و آبرو بچانے کی خاطر دریاؤں میں کود پڑیں۔ اور ان کی لہروں میں ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئیں۔ جنہوں نے مصور ہو جانے کی صورت میں گھر کی دوسری اور تیسری منزل پر چڑھ کر چھلانگیں لگا دیں۔ تاکہ دشمن ان کے جیتے جی ان کے پاک جسموں کو ہاتھ نہ لگانے پائیں۔ جنہوں نے کنوؤں میں کود کر اپنی زندگیوں کا خاتمہ کرنے کی ٹھان لی۔ لیکن دشمن کے ہاتھ قید ہونا گوارا نہ کیا۔ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں میں ایسے بہادر عنصر کی کمی نہ تھی۔ کاش اسے پہلے سے متعلم و مسلح کیا ہوتا۔ یا اسے بروقت کسی طرف سے سہارا مل سکتا۔ اگر یہ میسر آ جاتا۔ تو مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی تاریخ کا رنگ یکسر دوسرا ہوتا۔

"اگست کے اخیر تک امرتسر۔ گورداس پور۔ فیروز پور۔ جالندھر۔ ہوشیار پور اور لدھیانہ کے اضلاع سے مسلم آبادیوں کا حصہ غالب اپنے گھروں۔ زمینوں اور جائیدادوں سے بیدخل

ہو کر کامل بے سرو سامانی کی حالت میں کیمپوں میں جمع ہو رہا تھا۔ ان میں سے پانچ لاکھ خانہ
برباد مسلسل چلنے والے قافلوں کی صورت میں چل کر پاکستان کی حدود میں داخل ہو چکے
تھے۔ اور لاکھوں مسلمان کیمپوں میں پڑے پاکستان کی طرف روانہ ہونے کا انتظار کر رہے
تھے۔ مسلمانوں کے شہر۔ محلے۔ قصبے اور دیہات نذر آتش کر دیئے گئے تھے یا لوٹے
جا چکے تھے۔ کہیں کہیں مسلمان آبادیوں کا کوئی اجتماع محفوظ بیٹھا اس ساعت کا انتظار کر رہا
تھا۔ جب سکھ لشکر دوسرے مقامات سے فارغ ہو کر ان کی خبر لینے کے لئے آگے بڑھے۔
سکھوں کی طرف سے مسلمانوں کے قتل عام کا پروگرام برابر جاری تھا۔ اگر مشرقی پنجاب
سے مسلمانوں کو بے دخل کرنا اور نکالنا مقصود تھا۔ تو وہ انڈین یونین کی آزاد حکومت
اور سکھ ریاستوں کی امداد سے اس مقصد میں بہت بڑی حد تک کامیاب ہو چکے تھے۔
لیکن ان کا مقصود صرف یہ نہ تھا۔ وہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نابود کر دینا چاہتے تھے۔
اس لئے انھیں گھروں سے نکال دینے کے باوجود ان کا شکار کھیل رہے تھے۔ ان کی بھی
کچھی آبادیوں کو اجاڑ دینے کے درپے تھے۔ ان کے بھاگتے ہوئے قافلوں پر حملے کرتے
تھے۔ ان کے اجتماعوں اور کیمپوں پر شب خون مارتے تھے۔ ان کاموں سے انھیں روکنے
والا کوئی نہ تھا۔ بلکہ ہندوستان کی حکومت کی فوج اور پولیس انھیں کھلم کھلا امداد سے
رہی تھی۔ حکام ان کی پیٹھ ٹھونکتے تھے۔ وحشت و بربریت۔ سفاکی و درندگی کے کارناموں
پر انھیں شاباش دی جا رہی تھی۔ اس وقت سکھ ایسی وحشی قوم کو انسانیت سوز مظالم
سے روکنے کا طریق صرف یہ تھا۔ کہ پاکستان کی فوجیں مشرقی پنجاب پر چڑھائی کر دیتیں۔
پاکستان کی حکومت ہندوستان کی حکومت کو جنگ کا باقاعدہ الٹی میٹم بھیج کر جواب
طلب کرتی۔ کہ اس کی سر زمین میں زمانہ قبل از تاریخ کے یہ وحشیانہ کھیل کیوں کھیلے
جا رہے ہیں۔ لیکن اس طرف الٹی میٹم دینے اور جواب طلب کرنے کی ہمت کسے ہو سکتی
تھی۔ پاکستان کے حکم ران تو صرف عہدے اور اقتدار لے کر آئے تھے۔ فوجیں دور دراز
مقامات پر بکھری پڑی تھیں۔ جنگی ساز و سامان کا بیشتر حصہ ابھی ہندوستان میں ٹنگ
رہا تھا۔ خزانے کا بچپن کروڑ روپیہ حریفوں کے ہاتھ میں تھا۔ راقم الحروف کا خیال

ہے۔ کہ ان غفلتوں اور فروگزاشتوں کے باوجود اگر پاکستان کے حکم ران ہمت سے کام لیتے۔ تو وہ ہندوستان کو جنگ کا الٹی میٹم دے کر عام مسلمانوں کو مشرقی پنجاب پر چڑھائی کرنے کی اجازت دے سکتے تھے۔ اس صورت میں ماسٹر تارا سنگھ کے سکھوں پر فی الفور اس طاری ہو جاتا۔ انھیں مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے بجائے اپنی جان کے لالے چڑھاتے۔ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کے پاؤں جم جاتے۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک صحیح صاف اور ستھری جنگ شروع ہو جاتی جس کے نتائج خدائے عزوجل کی طرف سے آنے والی نصرت کے طفیل مسلمانوں کے حق میں بدرجہا بہتر نکلتے۔ مسلمان اس جنگ میں فتح یاب ہوتے یا مردانہ وار لڑ کر مرٹ جاتے۔ لیکن اس ذلت و نامرادی کا کلنگ اپنے ماتھے پر لگوانے سے بچے رہتے۔ جو انھیں اپنے ارباب اقتدار کی عاقبت نااندیشیوں کے باعث جھیلنی پڑی۔

”سارے مشرقی پنجاب میں بڑے وسیع پیمانے پر انتہائی تندی اور تیز رفتاری کے ساتھ مسلمانوں کے قتل عام کی ہم جاری تھی۔ اور ہندوستان کے ارباب اقتدار نے یہ انتظام کر رکھا تھا۔ کہ خبریں نشر نہ ہونے پائیں۔ مشرقی پنجاب میں آمدورفت کی تمام راہیں مخدوش اور پرخطر ہو چکی تھیں۔ اس لئے ضلع کے ایک گوشے کے حالات کی صحیح صحیح خبریں دوسرے گوشے تک پہنچنی ناممکن ہو گئی تھیں۔ چہ جائیکہ یہ معلوم ہو سکتا کہ دور افتادہ اقطاع میں مسلمانوں پر کیا گزند رہی ہے۔ ان اضلاع میں امن قائم رکھنے کی ذمہ دار میجر جنرل ریس کی سرحدی افواج تھیں۔ جو چار ہٹالینوں پر مشتمل تھیں۔ اور بارہ اضلاع کے وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان افواج کا ۵۷ فی صد ہندو اور سکھ عنصر صحیح طور پر اپنے ہم قوموں کی امداد کر رہا تھا۔ ان افواج کی ٹولیاں جس فساد زدہ رقبے میں جاتی تھیں۔ مسلمانوں ہی کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنالیتی تھیں۔ سکھوں اور ہندوؤں سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتی تھیں۔ کیفیت یہ تھی۔ لیکن میجر جنرل ریس کے ہیڈ کوارٹرز سے ۱۹۔ اگست کو یہ اعلان جاری کیا گیا۔

”سرحدی افواج نے ایسے جتھوں کو جن سے ان کی بڑ بھیر ہوئی۔ غیر جانب دار

رہ کر نقصان پہنچایا ہے۔ یہ افواج آئندہ بھی ایسے فساد جتھوں کو بے طرف رہتے ہوئے
فساد سے باز رکھنے کی کوشش کریں گی۔ بشرطیکہ ان کی موجودگی کی اطلاع ٹھیک وقت
پر مل جائے۔“

”عامۃ المسلمین کے لئے اس اعلان کی آخری شرط کا پورا کرنا ہی قریب قریب غیر ممکن
تھا۔ کیونکہ دیہات میں خبر تک نہ دی گئی تھی۔ کہ ان افواج کی چوکیاں کہاں کہاں ہیں۔
مزید برآں قبل اس کے کہ سرحدی افواج کی کسی چوکی کو اطلاع بہم پہنچی۔ سکھ جتنے
اپنا کام کر کے دوسری اطراف کا رخ کر لیتے۔ اور اطلاع ملنے پر بھی یہ فوجیں مسلمان
آبادیوں ہی کو اپنے فیروں اور اپنی دوسری تشدد آمیز کارگزاریوں کا تختہ مشق بنا
لیتی تھیں۔ جن اقطاع پر سکھوں کو دوسرے دوسرے دن حملہ کرنا ہوتا تھا۔ ان کے
سرکردہ مسلمانوں کو پہلے ہی گرفتار کر کے لے جاتی تھیں۔ اور ان اقطاع کے مسلمانوں
سے ہتھیار چھین کر انھیں نہتا اور بے بس بنا دیتی تھیں۔ حالت یہ تھی۔ لیکن ان افواج
کا ہیڈ کوارٹر مغربی پنجاب کے مسلمانوں اور دنیا کو فریب دینے کے لئے بڑی ڈھٹائی
اور ستم ظریفی کے ساتھ اعلان جاری کر رہا تھا۔ کہ یہ فوجیں غیر جانب دارہ کر اپنا کام کر
رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ان فوجوں کے ہیڈ کوارٹر سے کیفیت حال کی جو اطلاعات
نشر کی جاتی تھیں۔ ان میں بھی صحیح حالات پر پروردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اور
یہ ظاہر کیا جاتا تھا۔ کہ مشرقی پنجاب کے فسادات بہت معمولی نوعیت کے ہیں۔
”ادھر ۱۸۔ اگست کو منظم سازش کے ماتحت مسلمانوں کے قتل عام کی مہم شروع
کی گئی۔ اُدھر ماسٹر تارا سنگھ۔ گیانی کرتا سنگھ اور دوسرے سکھ لیڈروں نے قیام امن
کے بہانے سے ان اضلاع کے دورے شروع کر دئے۔ جن کا مقصد آتش فساد کو
تیز تر کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہ لیڈر جہاں جہاں گئے۔ سکھوں نے وہاں مسلمانوں
کے قتل عام کی مہم کے سلسلے میں اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔“

”پاکستان کے عام مسلمانوں بلکہ ان کے اکابر کو مشرقی پنجاب کے حالات کی اطلاع
محض پناہ گیروں کے ان قافلوں کی حالت سے ملتی تھی۔ جو جوق در جوق پاکستان کی

حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ لیکن ان سے بھی وہ ہولناک کیفیات کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر تھے۔ ادھر ہمہ گیر سازش اور مکمل تیاری کے ساتھ بڑی سرعت سے مسلمانوں کو کئی طور پر فنا کر دینے کی مہم پورے زور شور سے جاری تھی۔ ادھر پاکستان اور مغربی پنجاب کے ارباب اقتدار مبہوت اور دم بخود کھڑے تماشادیکھ رہے تھے۔ ان کے دماغ معطل ہو چکے تھے۔ ان کے قوائے فکر و عمل جواب دے چکے تھے۔ انہوں نے حالات کے ارتقا کے اس پہلو پر کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ کہ لنگڑے اور اپنا بیچ پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی ان کے حریف مشرقی پنجاب اور ہندوستان میں مسلمانوں کے قتل عام۔ اخراج اور افتنا کی مہم شروع کر دیں گے۔ حالانکہ حالات و واقعات کی رفتار المیہ بہار کے وقت ہی سے انتباہ پر انتباہ کرتی چلی آرہی تھی۔ اور ماسٹر مارا سنگھ لگی لپٹی رکھے بغیر اعلان کر چکے تھے۔ کہ سکھ مسلمانوں کو نہ صرف مشرقی پنجاب سے نکال کر دیں گے۔ بلکہ وہ انہیں مغربی پنجاب سے بھی بے دخل کرنے کی کوشش کریں گے۔

”پاکستان کے اکابر کی آنکھیں اُس وقت کھلیں۔ جب مشرقی پنجاب میں سکھ اپنا کام کر چکے تھے۔ ۲۲۔ اگست کو مغربی پنجاب کے وزراء نے مشرقی پنجاب کے وزیروں کے ساتھ لاسکی پر نامہ و پیام کیا۔ تو ادھر سے یہ جواب آیا۔

”آپ فکر نہ کریں۔ ہم قیام امن کے لئے جالندھر پہنچ رہے ہیں۔ آپ مغربی پنجاب میں امن قائم رکھئے۔“

اس روز مشرقی اور مغربی پنجاب کے وزراء کی ایک کانفرنس جالندھر میں منعقد ہوئی۔ لیکن نتیجہ معلوم۔ ۲۶۔ اگست کو پاکستان ریڈیو پر پہلی دفعہ یہ اعلان کیا گیا۔ کہ مشرقی پنجاب میں سکھوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر رکھا ہے۔ اس مہم کو شروع ہونے سے سات آٹھ دن گزر چکے تھے۔ اور سکھوں کو اپنے مقصد میں بہت بڑی حد تک کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ اور قتل عام کی مہم زوروں پر جاری تھی۔ لیکن مشرقی پنجاب کے وزیر سورن سنگھ نے ۲۷۔ اگست کو

ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ مغربی پنجاب کی حکومت مشرقی پنجاب کے فسادات کو مسلمانوں کا قتل عام ظاہر کر رہی ہے۔ حالانکہ اس طرف محض فساد کے معمولی سے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ کہیں کہیں قتل کی کوئی واردات ہو جاتی ہے۔ ویسے سب خیریت ہے۔

”۲۹۔ اگست کو لاہور میں قائد اعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان اور لارڈ مونٹ بیٹن گورنر جنرل ہندوستان کے درمیان کانفرنس ہوئی۔ اور یہ بات طے کر لی گئی کہ ضلع امرتسر۔ گوردسپور اور جالندھر ڈویژن یعنی اضلاع فیروزپور۔ لدھیانہ و جالندھر و ہوشیارپور کانگریہ مسلمان آبادی کو پاکستان کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ اور مغربی پنجاب کے اضلاع سے ہندوؤں اور سکھوں کو ہندوستان کی طرف بھیج دیا جائے۔“

”اس کانفرنس کے بعد پاکستان کے وزیر اعظم سٹریلیٹ علی خاں ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی معیت میں مشرقی پنجاب کے فساد زدہ اضلاع کا دورہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ دونوں بزرگ ضلع ہوشیارپور کے ایک گاؤں موضع کپور میں پہنچے۔ تو وہاں کے خوف زدہ مسلمان اہل کے گرد جمع ہو گئے۔ پنڈت نہرو نے وہاں ایک تقریر ارشاد فرمائی۔ اور کہا۔“

”تم اس قدر بدحواس کیوں ہو رہے ہو۔ اگر تم میں سے کسی کو گوند پہنچا۔ تو میں انتہائی فوجی کارروائی کرنے میں بھی تامل سے کام نہ لوں گا۔ اس بدبخت ضلع میں جو کچھ ہو چکا ہے مجھے اس کا علم ہے۔ ہم اس بربریت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم امن قائم کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ جو شخص مشرقی پنجاب میں رہنے کا خواہش مند ہوگا۔ اس کی حفاظت کی جائے گی۔“

”کیا ستم ظریفی اور زخموں پر نہک پاشی کی اس سے روشن تر مثال کوئی ہو سکتی ہے؟“

”وحشت و بربریت کے اس معجزے کی اطلاعات جو ہمہ گیر منظم سازش کے ماتحت

انتہائی شدت اور سرعت رفتار کے ساتھ جاری کیا گیا تھا۔ ہندوستان کے اخبارات

میں تو شائع ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔ کیونکہ وہ بھی اپنی حکومت کی طرح اس سازش

میں شریک تھے۔ مزید برآں دور افتادہ مقامات تک صحیح حالات کی خبریں پہنچنا ایک محال امر تھا۔ پاکستان کے اخبارات تو کیا۔ اکابر حکمران بھی صحیح طور پر اندازہ کرنے سے قاصر تھے۔ کہ مشرقی پنجاب میں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ صرف برطانی اور امریکی اخبارات کے نمائندوں نے جو ان دنوں مشرقی پنجاب میں موجود تھے۔ یا فسادات کی اطلاع پا کر اپنے فرض منصبی کی بجا آوری کی خاطر بھلے بھالے مشرقی پنجاب میں پہنچے۔ اپنے اخبارات کو ایسی اطلاعات بھیجیں۔ جو حقیقت حال کی جھلک دکھا رہی تھیں۔ ان خبروں کی شائبہ پر ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو بہت برہم ہوئے۔ انھوں نے ۲۹ اگست کو ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا:-

” ان حضرات نے (غیر ملکی اخبارات کے نامہ نگاروں نے) مشرقی پنجاب کے واقعات کی اطلاعات اپنے اخبارات کو بھیج کر ہندوستان کی ہمان نوازی سے سراسر ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔“

” یعنی ہندوستان کا وزیر اعظم یہ چاہتا تھا۔ کہ غیر ملکی لوگ بھی مسلمانوں کے قتل عام کی اسی سازش میں ہندوستان کے حکمرانوں کے شریک حال بن جاتے۔ تاکہ مشرقی پنجاب کے بے گناہ مسلمانوں کے خون ناحق پر شہادت دینے والا ایک متنفس بھی حاضر نہ ہو سکتا۔“

”حقیقت یہ ہے۔ کہ سکھوں اور ہندوؤں نے آزادی حاصل کر لینے کے نشے سے بدست ہو کر سفاکی۔ خون ریزی۔ غارت گری اور درندگی کے جن وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کیا۔ انھیں کسی مورخ یا ادیب کا قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ چہ جائیکہ ان کی صحیح تصویر کھینچ کر دکھائی جاسکے۔ جینٹل کے درندے اور کوہستانوں کے بھوکے بھیڑیے تو اپنے شکار کو محض چیر پھاٹنے ہی تک اکتفا کرتے ہیں۔ لیکن شمالی ہند کے ان آدم نما حیوانوں نے صنعت نازک پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے۔ جو ازمنہ قبل از تاریخ کے وحشی انسانوں کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے ہوں گے۔ دور وحشت کا انسان بھی عورتوں پر بے جا دست درازی کرنے سے طبعاً ہچکچاتا تھا۔ لیکن سکھوں اور ہندوؤں نے بیسویں صدی مسیحی کے دور تہذیب میں وہ کچھ کر دکھایا۔ جس پر انسانیت قیامت تک اپنا سوہستی

رہے گی۔ آئندہ ادوار کے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے۔ کہ آیا انسانوں کی کوئی جماعت منظم سازش اور معصوم ارادے کے ساتھ ان تنگ انسانیت انفعال کا ارتکاب کر سکتی ہے۔ جو ۱۹۴۷ء کے تین چار ہفتوں میں دریائے تواج کی سی روانی اور بحر زخار کی سی فریبانی کے ساتھ صفحہ ایام پر ثبت کر کے دکھائے گئے۔ اس سلسلے میں جو تصویر ہم کھینچ رہے ہیں۔ اسے حقیقت حال کا ایک بھل سا خاکہ سمجھنا چاہیے۔ اس تصویر کا ایک ایک خط سیکڑوں بلکہ ہزاروں واقعات کی نمائندگی کر رہا ہے۔ اور ان سچی اور صحیح اطلاعات پر مبنی ہے۔ جو ہزاروں انسانوں نے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بیان کی ہیں۔

”حکومت کی فوج بعد پولیس نے عاصمہ الناس کے لشکروں سے مل کر نہتے۔ بے بس اور بے خبر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لے کر بند دقوں۔ رائفلوں۔ برین گنوں۔ بٹین گنوں۔ بموں۔ ہتھ گولوں۔ برچھیوں۔ نیزوں۔ تلواروں۔ کلہاڑیوں اور دوسرے ہتھیاروں سے بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا۔ قتل عام کیا۔ اور خاک و خون میں لوٹایا۔

”اس قتل عام میں بوڑھوں۔ عورتوں اور بچوں تک کو تہ تیغ کر ڈالا گیا۔ بلکہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے جنینوں تک کو نیزوں کی اینٹوں پر لٹکایا گیا۔

”مسلمان مردوں۔ عورتوں اور بچوں کو زندہ آتش کر دیا گیا۔ بچوں کو زندہ اس آگ کے شعلوں میں پھینکا گیا۔ جوان وحشیوں نے مکانات اور گھروں کو جلانے کے لئے بھڑکائی تھی۔ زخمیوں کو زندہ دفن کر دیا گیا۔

”لاشوں کے ٹکڑے کر ڈالے گئے۔ اعضاء و جوارح کاٹ کاٹ کر الگ الگ پھینک دئے گئے۔ مردوں کے آلات تناسل کاٹ کر ان کے منہوں میں ڈال دئے گئے۔

”بچوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت ان کی ماؤں کے منہوں میں ٹھونسایا گیا۔ اور ماؤں کو اپنے بچوں کا خون پینے پر مجبور کیا گیا۔

”دودھ پیتے بچوں کو کیلیں ٹھونک کر دیواروں سے ٹانگ دیا گیا۔ اور ان کے تڑپ تڑپ کر جان دینے کا تماشا دیکھا گیا۔

”عورتوں کی چھاتیاں کاٹ دی گئیں۔ اور سکھ درندوں نے ان کٹی ہوئی چھاتیوں

کے بار پروردگراپنے لگوں میں ڈالے۔

”بے بس عورتوں کو مادرزاد برہنہ کر کے ان کے جلوس نکالے گئے۔ اور ان کے ساتھ

ایسی ایسی وحشیانہ حرکات کی گئیں۔ جو سراسر ناقابل بیان ہیں۔“

”یہ نہ سمجھا جائے۔ کہ ہم نے اکاڈ کا واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ نہیں۔ بلکہ ایسے وحشت انگیز

اور بربریت خیز جرائم کا ارتکاب مشرقی پنجاب۔ دہلی اور ریاستوں میں جا بجا بہت وسیع پیمانے پر کیا گیا۔ مسلمانوں کی تذلیل کی اس ہم کے نمایاں خط و خال یہ تھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سفاکوں اور وندوں کو خاص طور پر ایسی ایسی حرکات کے ارتکاب کی ہدایات دی گئی تھیں۔“

ریاست جموں و کشمیر

ریاست جموں و کشمیر کی عنان حکومت ہندو ڈوگرہ راجے کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں اسی فی صدی مسلمان آباد ہیں۔ دنیا کے دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی آزادی کی تحریک مدت دراز سے جاری تھی۔ جب ۳۔ جون ۱۹۴۷ء کو حکومت برطانیہ کے اس فیصلے کا اعلان کیا گیا کہ ہندوستان اور پاکستان میں بہت جلد درجہ مستعمرات کی آزاد حکومتیں قائم کر دی جائیں گی۔ تو کشمیر کے راجے نے اپنی رعایا کو گونا گوں مظالم کا تختہ مشق بنا رکھا تھا۔ خصوصاً ڈوگرہ فوج اہل پونچھ پر جبر و تشدد کی بجلیاں گرا رہی تھی۔

اعلان تقسیم ہند کے ساتھ ہی مشرقی پنجاب اور شمالی ہند کی غیر مسلم ریاستوں کی طرح اس ریاست میں بھی مسلمانوں کے قتل عام اور اخراج کا ہولناک کھیل شروع کر دیا گیا۔ ڈوگرہ فوج کے افسانہ نادرندے مسلمانوں کے گھروں میں زبردستی داخل ہو کر انھیں موت کے گھاٹ اتارنے اور مکانوں کو نذر آتش کرنے لگے۔ اکتوبر میں ۱۴ ہزار۔ جنوں میں تقریباً ۲۵ ہزار۔ ساتھ میں ۱۴ ہزار اور کٹھوعہ میں آٹھ ہزار مسلمان تہ تیغ کئے گئے۔ مجاہدین پونچھ نے یہ خونیں اطلاعات سنیں۔ تو انھوں نے ڈوگرہ فوج سے صف آرا ہو کر ان کے چھٹے چھڑا دئے۔

راجہ کشمیر نے اپنی فوج کی تباہی و بربادی پر نظر ڈالی۔ تو وہ چوکڑی بھول گیا۔ اور الحاق

ریاست کی پیش کش کرتے ہوئے انڈین یونین سے استمداد کی۔ چنانچہ ہندوستان کی ملٹی دل فوجیں مجاہدین سے نبرد آزما ہونے کے لئے کشمیر کے جنگی میدانوں میں پہنچ گئیں۔

عرصے تک فریقین میں کشت و خون کا بازار گرم رہا۔ آخر ۴۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر میں آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ جس کے صدر سردار محمد ابراہیم قرار پائے۔ اس آزاد حکومت نے اپنے اولین سرکاری اعلان میں تمام غیر مسلمانوں کے نام حسب ذیل احکام صادر کئے۔

(۱) ۴۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے بعد ہری سنگھ یا کسی اور شخص یا اشخاص نے ہری سنگھ کی ہدایات کے مطابق کشمیر پر حکومت کرنے کا دعویٰ کیا۔ تو اسے جمہوری حکومت کے قوانین کے ماتحت سزا دی جائے گی۔

(۲) ریاست کا کوئی شخص ہری سنگھ۔ اس کے رشتہ دار۔ دوست یا اس کے کسی گھنٹے یا مقرر کئے ہوئے افسر کے حکم کی تعمیل نہ کرے۔

(۳) ریاست کے تمام باشندے آزاد حکومت کے ان احکام پر عمل کریں۔ جو وہ آج کے بعد جاری کرے گی۔

سٹر لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان نے ایک نشری تقریر کے دوران میں کشمیر سے متعلق مفصل بیان دیتے ہوئے کہا۔

" آج کشمیر کے عوام اپنی آزادی ہی کے لئے نہیں لڑ رہے۔ بلکہ وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی جو بڑی سکیم تیار کی گئی تھی۔ اور جو الور۔ بھرت پور۔ پٹیالہ۔ فریدکوٹ اور کپور تھلہ میں پایہ تکمیل کو پہنچائی گئی۔ اس میں کشمیر کے مسلمانوں کو بھی شامل کر لیا گیا۔ اور اس سکیم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کشمیر کی بزدل حکومت نے انڈین یونین میں شمولیت کا اعلان کر کے فوجی امداد حاصل کی۔ تاکہ کشمیر کی حسین و جمیل وادی کو بے گناہ مسلمانوں کے خون سے گل رنگ بنا دیا جائے۔ مشرقی پنجاب اور پنجاب کی ریاستوں میں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلنے کے بعد ان تباہ کن طاقتوں نے کشمیر کا رخ کیا۔ ستمبر کے اواخر میں آئی۔ این۔ اے اور راشٹریہ سیکورٹی فورسز کے ہیڈ کوارٹر امرتسر سے

جموں منتقل کر دئے گئے۔ اور ہزاروں نام نہاد پناہ گزین سکھ جدید آلات حرب سے لیس ہلو کشمیر میں داخل ہو گئے۔ یہ لوگ مغربی پنجاب کے راستے سے نہیں بلکہ مشرقی پنجاب سے کشمیر میں داخل ہوئے۔ یہ لوگ خود بخود چلنے والے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ اور انھیں مزید ہتھیار حکومت کے حکام نے ہم پہنچائے۔ اور ان درندوں نے جموں اور پونچھ میں اس خوبی ڈرامے کو دہرانا چاہا۔ جو اس سے قبل وہ مشرقی پنجاب اور سکھ اور جاٹ ریاستوں میں کھیل چکے تھے۔ ان لوگوں نے جموں اور پونچھ کے معصوم باشندوں کا خون بہانا شروع کر دیا۔ پونچھ میں ان کے مکانات جلا دئے گئے۔ ان دیہات کے شعلے مری اور کوالہ سے نظر آتے تھے۔ جبر و تشدد اور وحشت و بربریت کی ان طاقتوں نے پونچھ اور کشمیر کے لوگوں کو مجبور کر دیا۔ کہ وہ اپنے عزت و ناموس اور زندگیوں کو بچانے کے لئے اس طاقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ جو ایک صدی سے انھیں کچل رہی تھی۔ اور اپنا غلام بنائے ہوئے ہے۔

"انڈین یونین کی فوجیں ان لوگوں کو غلام بنانے اور ختم کرنے کے لئے جو اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ کشمیر اور جموں کے ظالموں کی مدد کر رہی ہیں۔ انڈین یونین گورنمنٹ کا مقصد وحید یہ ہے۔ کہ وہ راجہ کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتی ہے۔ جس کے باب میں ہندوستان کے لیڈر بخوبی جانتے ہیں۔ گو آج وہ ان حقائق کو فراموش کر دیں۔ انڈین یونین گورنمنٹ دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنے اور دھوکا دینے کے لئے کشمیریوں کی جنگ استقلال وطن کو بغاوت سے تعبیر کر رہی ہے۔ اور مہاجن وطن کو حملہ آور کے الفاظ سے پکار رہی ہے۔ اور یہ الزام حکومت پاکستان پر لگایا جا رہا ہے۔ کہ وہ مہاجن وطن کی امداد کر رہی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ پونچھ کے ساٹھ ہزار سابق فوجیوں نے جو اسلحہ کا استعمال بخوبی جانتے اور ہندوستان کی حملہ آور فوج سے ہتھیار چھیننے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ حملہ آوروں اور ڈوگرہ فوجوں سے بھاری تعداد میں ہتھیار چھینے اور وہ انھیں ہتھیاروں کو استعمال میں لارہے ہیں۔"

"انڈین یونین کی فوجیں جو ناگڑھ اور مناؤدر کی پاکستانی ریاستوں میں داخل ہو گئی

ہیں۔ پاکستانی فوجیں کشمیر میں داخل نہیں ہوئیں۔ ہندوستانی حکومت نے ریاست جوناگڑھ کے پاکستان میں شمول کو اپنی سلامتی کے لئے خطرہ قرار دیا تھا۔ لیکن کشمیر کا انڈین یونین میں شامل ہو جانا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ کشمیریوں کی قوم کو جو بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں کی مالک ہے۔ آج انڈین یونین کے طیارے بم باری اور اس کی فوجیں آتش باری کر کے ختم کر رہی ہیں۔ ایک صدی کا ذکر ہے۔ کہ انگریزوں نے امرتسر کے رسوائے عالم معاہدے کے رو سے ۷۵ لاکھ روپے کے عوض کشمیر کو موجودہ راجے کے جدا مجد کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ اخلاقی اور قانونی طور پر یہ معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ اور موجودہ بزدل حکم ران کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ کہ وہ چالیس لاکھ انسانوں کو اپنی غلامی کے چنگل میں بہ نوک سنگین پھنسائے رکھے۔

”کشمیر کے لوگوں نے ڈوگرہ شاہی کے خلاف گزشتہ چند سال میں بہت دفعہ حصول آزادی کے لئے کوشش کی۔ لیکن انھیں فوجی طاقت کے بل پر دبا دیا گیا۔ ایک صدی کے کچلے ہوئے چالیس لاکھ انسان مجبور ہو گئے۔ کہ وہ ڈوگرہ غلامی کا جو اتار پھینکیں۔ وہ اس وقت زندگی اور موت کی جنگ میں مصروف ہیں۔ اگر وہ اس جنگ میں ناکام رہے۔ تو مٹا دئے جائیں گے۔ اور ان کا نام تک باقی نہ رہے گا۔ مجھے یقین ہے۔ کہ کشمیر کے مہمان وطن جو اپنی آزادی اور تحفظ حیات کے لئے نبرد آزما ہیں۔ بالآخر تمام رکاوٹوں کو پا مال کرتے ہوئے کامیابی۔ نصرت اور فتح کی منزل سے ہم کنار ہو جائیں گے۔ ہمارا دل اس وقت ان مجاہدین کے درمیان میں۔ جو وادی کشمیر میں اپنی آزادی اور زندگی کے لئے لڑ رہے ہیں۔

”پونچھ کے باشندوں پر جو مظالم ڈھائے گئے۔ اور جو تشدد ان کے خلاف روا رکھا گیا۔ اس کی وجہ سے ہزارہ اور مغربی پنجاب میں آباد پونچھیوں کے رشتہ داروں میں جوش پھیل گیا۔ اس کا اثر قبائل پر بھی پڑا۔ اور تھوڑی تعداد میں یہ لوگ اپنے پونچھی عزیزوں کی امداد کے لئے ریاست میں داخل ہو گئے۔ انڈین یونین انھیں حملہ آور کے نام نہاد خطاب سے پکار رہی ہے۔ حالانکہ حملہ آور انڈین یونین کی فوج راتر یہ سبک

اور وہ ہزاروں سکھ ہیں۔ جو مشرقی پنجاب کے بسنے والے کشمیر میں داخل ہوئے۔ جب اور بھرت پور۔ پٹیالہ۔ فریدکوٹ اور کپور تھلہ میں مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا تھا۔ تو ہم نے انڈین یونین گورنمنٹ سے مطالبہ کیا۔ کہ وہ ان ریاستوں میں مسلمانوں کو تیار ہی اور ہلاکت کے منہ سے بچائے۔ لیکن انڈین یونین گورنمنٹ نے اس کا یہ جواب دیا کہ وہ ریاستوں کے داخلی معاملات میں مداخلت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن اب وہی حکومت کشمیر کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہی ہے۔ اور فوجی امداد کے ذریعے سے مسلمانان کشمیر کو موت کی نیند سلا دینا چاہتی ہے۔ انڈین یونین گورنمنٹ نے دنیا کو دھوکا دینے کے لئے جو یہ رٹ لگائی ہے۔ کہ کشمیر پر باہر سے حملہ ہوتا ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ بنیاد اور جھوٹ ہے۔ ایسا کہنا نہایت بددیانتی ہوگی۔

"میں تمام واقعات کی تفصیل سامنے لانا چاہتا ہوں۔ تاکہ دنیا پر حقیقت حال واضح ہو جائے۔ کشمیر کے شہرکت ہندوستان کے دھوکے کو پاکستان کی حکومت کبھی منظور نہ کرے گی۔ کشمیر کے بزدل اور ظالم حکمران نے کشمیریوں کو غلام بنانے کے لئے انڈین یونین کی طرف سے فوجی امداد لی ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے۔ کہ محبتان وطن کا عزم و استقلال تمام رکاوٹوں پر غالب آجائے گا۔ اور وہ کامیاب ہوں گے۔"

غرض جہاد کشمیر نہایت کامیابی سے جاری رہا۔ اور قدم قدم پر فتح و ظفر مجاہدین کے قدم چومنے لگی۔ جب انڈین یونین نے دیکھا۔ کہ اب تو کشمیر ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ تو اس نے حسب معمول انگریزوں کے آگے ہاتھ جوڑے۔ چنانچہ یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں پیش کر دیا گیا۔ اور آخری فیصلہ کا انتظار کرنے کے لئے دونوں طرف سے جنگ بند کر دی گئی۔ سلامتی کونسل نے متعدد اجلاس منعقد کئے۔ اور ۲۲۔ اپریل ۱۹۴۸ء کو آخری فیصلہ کر کے کشمیر کمیشن کے تقرر کی سفارش کی۔ دسمبر ۱۹۴۸ء کے اختتام تک مسئلہ کشمیر اس مرحلے پر پہنچ گیا۔ کہ کمیشن نے گہرے تدبیر سے کام لے کر فریقین سے گفت و شنید کرنے کے بعد اپنی طویل رپورٹ مرتب کی۔ لیکن معاملہ بدستور فیصلہ طلب رہا۔ پھر نئے کمیشن کا بیان ہے۔ کہ وہ ابھی مایوس نہیں ہوا۔ اور کوئی ایسا حل منظر عام پر لانے کے لئے جو فریقین کے لئے قابل قبول ہو۔ شب روز اتہائی جدوجہد سے گرم عمل ہے۔

حیدرآباد پر حملہ

ہندوستان اور پاکستان کو آزاد حکومتیں مل جانے کے بعد کلکتہ میں ان دونوں کے درمیان ایک معاہدہ قرار پایا۔ کہ جو ہوا۔ سو ہوا۔ اب ان دونوں آزاد ہمسایہ سلطنتوں کو ایک دوسری کی دوست اور خیر اندیش بن کر ترقی کی راہ میں گام زن ہونا چاہئے۔ اس معاہدے کی ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ دستاویز آزادی کے روسے ریاستوں کے معاملات میں مداخلت نہ کی جائے۔ اور انھیں خود مختار رہنے یا کسی ایک سلطنت کے ساتھ الحاق کرنے کے باب میں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن ہندوستان نے نقص عہد کرتے ہوئے اپنی جوع الارض کی آگ بجھانے کے لئے پہلے جو ناگڑھ کی اسلامی ریاست کو منہ کا نوالہ بنا لیا۔ پھر ادھر ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائد اعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان عازم فرانس ہوئے۔ اور ۱۲ ستمبر کو ان کی جگہ خواجہ ناظم الدین بالقاء کا تقرر عمل میں آیا۔ اور ادھر ہندوستان نے ملک کی سب سے بڑی اسلامی ریاست حیدرآباد (دکن) پر حملہ کر دیا۔

مشرقی پنجاب اور ہندو سکھ ریاستوں کی طرح یہاں بھی ہندو سکھ غنڈوں اور انسانوں نے درندوں نے مسلمانوں کا قتل عام کرتے ہوئے ان کے خون سے ہولی کھیلی۔ غرض اس امر کا مناققانہ اور بلند بانگ نعرہ لگانے والے نہرو نے ریاست حیدرآباد کے رشک جناب جہ کو بھیانک ویرانہ بنا دیا۔ نظام کو تمام اختیارات سے محروم کر کے ریاست کے سیاہ و سپد پر غاصبانہ قبضہ جما لیا۔ امراء و وزراء کی جائزادیں ضبط کر لیں۔ ان پر مقدمے دائر کر دیئے۔ ان کے مخلص فداکاروں اور آزادی کی حقیقی ترپ رکھنے والے قابل صدا احترام رہنماؤں کو گولہ جبر و تشدد کا تختہ مشق بنایا۔ اور ریاست کے درو دیوار سے اسلام کا ہر نقش و رنگ مٹا کر اسے تمام پہلوؤں سے ایک ہندو ریاست بنا لیا۔

پاکستان ایک نظر میں

مغربی پنجاب میں آزادی کا پہلا سال | محکمہ ابط عامہ کے ڈائریکٹر میر سید نور احمد صاحب رقم طراد ہیں۔

”پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی ۱۵- اگست ۱۹۴۷ء کو مغربی پنجاب کا نیا صوبہ معرض وجود میں آیا۔ جو پہلے پنجاب کا ایک حصہ تھا۔ ۱۸- اگست کو تعین سرحدات کے رو سے توقعات کے خلاف پہلے سے اعلان کردہ اصولوں کے برعکس اود حق و انصاف کے تمام قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مسلسل مسلم آبادی کے بڑے بڑے قطعات جو مغربی پنجاب کی معاشی زندگی کے اہم اجزا ہیں۔ اس صوبے سے کاٹ کر ہندوستانی یونین کے حوالے کر دئے گئے۔

”اس علاقائی قطع و برید ہی کے نتائج صوبے اور اس کے نظم و نسق کے لئے کافی تشویش ناک ہوتے۔ لیکن پیدا ہوتے ہی صوبے کو جن دوسرے مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کے سامنے ان کی کچھ حقیقت نہ رہی۔ ایک مسئلہ یہ تھا کہ مشرقی پنجاب کے جہنم کدے سے لاکھوں مسلمانوں کو نکالا جائے۔ اور انھیں پناہ دی جائے۔ پھر اپنی سرحدوں کے اندر قیام امن کا مسئلہ تھا ایک اور اہم مسئلہ یہ تھا کہ تجارت اور کاروبار کے میدان سے ہندوؤں اور سکھوں کے یکایک غائب ہو جانے کے بعد صوبے کے نظم و نسق اور معاشی زندگی کو تباہ و برباد ہونے سے بچایا جائے۔

مشرقی پنجاب کی حشر ساماں خونیں مہم

”مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کی مشہور مہم میں پہلی گولیاں ۱۰- اگست ۱۹۴۷ء کے لگ بھگ چلائی گئیں۔ اس مہم کے دوران میں مشرقی پنجاب کی مسلم

اقلیت پر جو مظالم توڑے گئے۔ ان کی داستان بیان اور تفصیل کی محتاج نہیں شروع شروع میں مسلمان ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن پولیس اور فوج کے باقاعدہ حملوں اور قاتلوں اور لٹیروں کے ساتھ تمام شہری حکام کی کھل ساز باز نے ان کے حوصلے توڑ دیے۔ اور انھیں ہزاروں کی تعداد میں مغربی پنجاب کی طرف بھاگنا پڑا۔

نئی وزارت کی مشکلات

”جب خان افتخار حسین خاں مدوٹ کی قیادت میں پہلی مسلم لیگی وزارت نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو مغربی پنجاب کے نظم و نسق کی ذمہ داری سنبھالی۔ تو مشرقی پنجاب کے ہزاروں مسلم پناہ گیر اس صوبے میں آچکے تھے۔ اور لحوہ بہ لحوہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مشرقی پنجاب کے ہولناک واقعات کا رد عمل سرحد کے اس طرف بھی ظاہر ہوا۔ اور خود یہ صوبہ بھی وسیع پیمانے پر فرقہ واریت کی آگ لگنے کا شکار بن گیا۔ ہندو اور سکھ یہاں کی تجارت اور کاروبار کے اجارہ دار تھے۔ اور جو تھوڑی بہت صنعت و حرفت صوبے میں موجود تھی۔ وہ بھی زیادہ تر انھیں کے دم قدم سے تھی۔ فسادات کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ انھوں نے تمام بینک۔ دکانیں اور کارخانے بند کر دیے۔ اور خود یا تو گھروں میں بیٹھ گئے۔ یا غیر مسلموں کے کیمپوں میں پہنچ گئے۔ اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں کی لاکھوں ایکڑ زمین بھی اپنے حال پر چھوڑ دی گئی۔ اور منڈیاں اور اجناس کی تقسیم کے عام ذرائع مسدود ہو گئے۔ ریل اور سڑک کے ذریعے سے نقل و حرکت کا کام بھی تلیٹ ہو گیا۔ اور صوبے کی معاشی زندگی میں ایک جمود سا پیدا ہو گیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ نئی وزارت کے پاس ان خوفناک حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے جو انتظامیہ شیشیز تھی۔ وہ بھی کسی طرح منظم نہ تھی۔ ہندو اور سکھ مشرقی پنجاب میں ملازمت کو ہونے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اور یہاں اپنی ملازمتیں چھوڑ چکے تھے۔ متعدد محکمے ایسے تھے جن میں مسلمان افسر خال خال تھے۔ مثلاً میڈیکل اور آب پاشی کے محکمے۔“

ان عظیم مسائل کے پہاڑ کے سائے میں مسلمان وزراء اور اعلیٰ افسروں کا ایک اجلاس ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو سول سکرٹریٹ میں منعقد ہوا جس میں یہ عزم کیا گیا کہ پوری جدوجہد سے نامساعد حالات کی انتہائی مشکلات کا مقابلہ کیا جائے۔

پناہ گیروں کا انخلا اور امداد

”چنانچہ انھوں نے خدا کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ سرحد پار سے آنے والے مسلمان پناہ گیروں کے لئے کیمپ قائم کئے گئے۔ اور یہاں کے ہندوؤں اور سکھوں کو بھی کیمپوں کی صورت میں محفوظ کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ اپنے گھروں میں غیر محفوظ ہو چکے تھے۔ اب ان دونوں قسم کے پناہ گیروں کی خوراک اور دوسری ضروریات زندگی کی بہم رسانی کا سوال تھا۔ اور اس سے زیادہ ضروری اور مشکل کام مشرقی پنجاب سے آنے والے زخمیوں اور بیماروں کی فوری طبی امداد اور دیکھ بھال کا تھا۔ ڈاکٹروں اور ادویہ کی سخت قلت تھی۔ اناج اور ایندھن کے ذخیرے ناکافی اور وہ بھی ضرورت کے مقامات سے کافی دور تھے۔ موٹروں۔ ٹرکوں اور دوسرے ذرائع نقل و حمل کی سخت کمی تھی۔ موٹروں اور لاریوں کے ہندو سکھ مالک اپنی گاڑیوں کے ساتھ صوبے سے رخصت ہو چکے تھے۔ دکانیں اور کارخانے تمام کے تمام بند ہو چکے تھے۔ ان حالات میں جو بھی ذرائع موجود تھے۔ انھیں منظم کر کے کام میں لایا گیا۔ ابھی ان مسلمانوں کے لئے بھی گاڑیاں مہیا کرنا ضروری تھا۔ جو مشرقی پنجاب میں گرفتار بلا تھے۔ پناہ گیروں کی ہر لہر اپنے ساتھ کشت و خون کی طویل داستانیں سنانے کو لاتی۔ جو اس وقت مشرقی پنجاب کے مختلف حصوں میں جاری تھا۔ اور ہر روز مغربی پنجاب کے وزراء کے دفتر اور کوٹھیوں کے باہر ایسے لوگوں کا ہجوم رہتا۔ جو خطرے میں گھرے ہوئے لوگوں کے فوری انخلا کے لئے بیتاب تھا۔

لوگ اپنے پیچھے رہنے والے عزیزوں اور قرابت داروں کے متعلق اضطراب انگیز تشویش کے باعث ٹرک حاصل کرنے کے لئے دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔

ہر شخص کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ موٹر ٹرک خاص اس کے گاؤں تک پہنچے۔ کبھی وہ وزیروں کی منت سماجت کرتے۔ کبھی ان سے بحث کرتے۔ اور کبھی انھیں کو سنا شروع کر دیتے۔ لیکن انھیں یہ کون سمجھاتا۔ کہ ان تمام کے مطالبات کو ایک ہی وقت میں پورا کر دینے کا معجزہ کوئی نہیں دکھا سکتا۔ ایک نظام ایسا قائم کیا گیا۔ جو مشرقی پنجاب کے دور افتادہ کونوں اور رقبوں سے مسلمانوں کو نکالنے کے سلسلے میں پناہ گیروں کے مطالبات اور تجاویز کو جمع کرتا گیا۔ ان اطلاعات کی بنا پر ایک خاص افسر اور اس کا عملہ گاڑیوں کا انتظام کرنے لگا۔ اور حکام کو مشورہ دینے لگا۔ جو انتحلا کے اصل کام پر مامور تھے۔ اور ہندوستانی حکام بھی مغربی پنجاب سے ہندوؤں اور سکھوں کو نکالنے کے لئے بیتاب تھے۔ ان کے ساتھ مل کر ایسا انتظام کیا گیا۔ کہ ریل اور ٹرک کے ذریعے سے اور بعد ازاں پیدل قافلوں کی صورت میں کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ آدمیوں کی نقل و حرکت عمل میں آسکے۔ تجربے کی روشنی میں رفتہ رفتہ اس انتظام میں اصلاح اور ضروری ترمیم ہونے لگی۔

۵۱ ہزار پناہ گیر فی یوم

”اس افراتفری کے عالم میں مہاجرین کے بڑھتے ہوئے ہجوم کو صوبے کے مختلف حصوں میں پھیلا دینے کے انتظام کئے گئے۔ ان میں سے ہزاروں لوگ اپنی مرضی ہی سے صوبے کے مختلف حصوں میں پہنچ گئے۔ ان لوگوں کے گھر چھوڑنے کے حالات۔ ان کی کثیر تعداد اور دوسرے اسباب کے پیش نظر یہ غیر ممکن تھا۔ کہ اس عظیم آبادی کی بحالی کسی قاعدے اور گروہ بندی کے مطابق ہوتی۔ بلکہ فی الحقیقت مہاجرین کی کثیر تعداد اس گروہ بندی اور انتخاب کا انتظار ہی نہ کر سکتی تھی۔ اور وہ خود بخود صوبے کے طول و عرض بالخصوص نہری نوآبادیوں میں پھیلتی چلی گئی۔ یہ صورت حال جاری رہی۔ ستمبر اور اکتوبر میں سخت بارشوں اور سیلاب نے دونوں طرف سے پناہ گروں کی نقل و حرکت کے کام کی رفتار بہت مدہم کر دی۔“

” اس وقت ۱۹ لاکھ کے قریب مسلمان اضلاع امرتسر و گودا سپور اور جالندھر ڈیرن سے لائے جا چکے تھے۔ ان کی آمد کا روزانہ اوسط پیدل دستوں کے شمول کے ساتھ ۵۱ ہزار تھا۔

عظیم الشان کارنامہ

” کل ۵۵ لاکھ مسلمان جن پر ان کے وطن بالوت میں عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ سرحد کو عبور کر کے مغربی پنجاب پہنچ چکے تھے۔ اس عرصے میں ۲۵ لاکھ کے قریب ہندو اور سکھ ہندوستان جا چکے تھے۔ یہ کام اتنا بڑا تھا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کام کو اتنے قلیل عرصے میں ختم کرنا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اس تیزی کے باوجود مشرقی پنجاب میں لاکھوں مسلمان قتل اور غارتگری کی مہم کا نشانہ بن گئے۔ ان فسادات کے دوران میں مشرقی پنجاب اور الودہ بھرت پور پٹیالہ۔ فریدکوٹ۔ نابھ۔ کپور تھلہ وغیرہ ہندوستانی ریاستوں میں جو مسلمان ختم ہوئے۔ ان کی صحیح تعداد غالباً کبھی معلوم نہ ہو سکے گی۔ بڑے محتاط تخمینے کے مطابق یہ تعداد پانچ لاکھ سے کسی صورت کم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ گمان غالب ہے۔ کہ دس لاکھ کے لگ بھگ ہوگی۔ ان کے علاوہ پچاس ہزار سے زیادہ مسلمان عورتوں کو ان کے کنیوں سے حصین کر غائب کر دیا گیا۔ ان میں سے اب تک دونوں ملکوں سے بچھڑی ہوئی عورتوں اور بچوں کی بازیابی کی مہم کے سلسلے میں تقریباً ۸۲۲۵ عورتیں واپس لائی جا چکی ہیں۔ یہ کام دونوں طرف کے درددل رکھنے والے افراد نے شروع کر رکھا ہے۔ اب تک مغربی پنجاب سے تقریباً ۵۹۵۲ غیر مسلم بچھڑی ہوئی عورتیں ہندوستان پہنچائی جا چکی ہیں۔

طبی امداد کی توسیع

” مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کا انخلاء تو سارے ممالک کا صرف ایک حصہ تھا۔

دوسرا زیادہ مشکل حصہ مہاجرین کی کثیر تعداد کے لئے طعام - قیام - طبی امداد کا انتظام کرنے اور انھیں جلد از جلد صوبے کے طول و عرض میں پھیلانے پر مشتمل تھا۔

” اس وقت صوبے میں صرف ایک میڈیکل کالج ہے۔ جو نہ صرف مغربی پنجاب کے لئے ہے۔ بلکہ صوبہ سرحد، بلوچستان اور پاکستانی ریاستوں کی ضروریات کا بھی کفیل ہے۔ صوبائی حکومت اب لاہور میں ایک زمانہ میڈیکل کالج کے قیام کی تجویز پر غور کر رہی ہے۔ اس کالج میں میڈیکل اور ہیلتھ اسٹنڈنٹوں کی کلاس بھی ہوگی۔ جس میں مختلف ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کے لئے امدادی کاموں کی ترتیب دی جائے گی۔“

خون کے بنک

” صوبے میں جدید طرز کے طبی انتظامات کو مکمل کرنے کے سلسلے میں صوبہ بھر میں انتقال خون کے ادارے قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ یہ سکیم تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ لاہور میں انتقال خون کے ایک صوبائی انسٹاٹوٹ کا تقرر عمل میں آچکا ہے۔“

دوسرے مفید محکمے اور بجلی کی بہم رسانی

” ڈاکٹروں اور میڈیکل محکمے کی طرح تعمیرات عامہ کے محکمے اور انجنیئرنگ کے پیشے میں بھی تقسیم سے پہلے غیر مسلموں کی اکثریت ہوا کرتی تھی۔ ان کے چلے جانے کے بعد بھی جن مٹھی بھر مسلمان انجنیئروں کے فتنے نہروں اور بجلی کا انتظام اور سڑکوں اور سرکاری عمارتوں کی دیکھ بھال کا کام رہا۔ انھوں نے کسی نہ کسی طرح ان اہم کاموں کو چلا کر دکھا ہی دیا۔“

” تقسیم سے قبل پنجاب میں برق آبی کی بہم رسانی کا مرکز منڈی میں تھا۔ جو مشرقی پنجاب کے حصے میں آیا۔ ایک معاہدے کے رو سے مغربی پنجاب کو بجلی کا ایک حصہ ملتا رہا۔ لیکن مغربی پنجاب میں برق آبی کے اپنے وسائل مکمل کرنے

کے کام کی رفتار بھی تیز تر کر دی گئی۔ امید کی جاتی ہے۔ کہ دو سال تک رسول ہائیڈل سٹیشن سے ۳۳ ہزار کلواٹ بجلی کی طاقت جاری ہو جائے گی۔

آب پاشی

”محکمہ آب پاشی نے بھی اپنا کام نہایت خوش اسلوبی سے نبایا۔ فیصلہ کیا گیا کہ نعل پروجیکٹ کی تعمیر کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ تقسیم سے پہلے خیال تھا کہ اس پروجیکٹ کی تکمیل میں تقریباً دس سال صرف ہوں گے۔ اب اس پروجیکٹ کے افسروں اور کارکنوں نے جس بے جگری سے کام شروع کر رکھا ہے۔ اس کے پیش نظر اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ سارا کام ۱۹۵۰ء میں مکمل ہو جائے گا۔“ مکمل ہو جانے پر یہ پروجیکٹ ۱۸ لاکھ ایکڑ بنجر اراضی کو سیراب کرے گا۔ اس رقبے کی آباد کاری کی سکیم پر ابھی سے عمل شروع ہے۔ پچھلے سال ۱۵ ہزار ایکڑ کے قریب اراضی پر ربیع کی فصل گندم کی کاشت کی گئی۔ امید کی جاتی ہے۔ کہ آئندہ فصل ربیع ڈیڑھ لاکھ ایکڑ تک پھیل جائے گی۔

مہاجرین کی آباد کاری

”اب تک مغربی پنجاب کے سولہ اضلاع میں ۱۵ لاکھ سے زیادہ مہاجرین آباد کئے جا چکے ہیں۔ یہاں سے جانے والے ہندوؤں اور سکھوں کی تعداد ... ۳۵۶۵ ہے۔ ابھی ۱۲ لاکھ مہاجرین کی آبادی کا کام باقی ہے۔ یہ لوگ ابھی تک صوبے کے مختلف کیمپوں میں ہیں۔ صوبے کے زرعی کاموں کو جاری رکھنے کے لئے ناگزیر طور پر بحالی کے کام میں کسی ترتیب کے بجائے سرعت کا زیادہ خیال رکھا گیا۔ صوبائی حکومت کی پالیسی یہ تھی۔ کہ مغربی پنجاب میں چھوٹی ہوئی زرعی زمین کی الاٹمنٹ کے سلسلے میں ان مہاجرین کو ترجیح دی جائے۔ جو مشرقی پنجاب میں خود کاشت کرتے تھے۔ اس وقت اہم قومی مسئلہ یہ تھا۔ کہ کاشت کاری کا کام ہندو

اور سکھ جس مرحلے پر چھوڑ گئے ہیں۔ اسی مرحلے پر اسے کسی قسم کی تاجیک کے بغیر شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس مسئلے کی موجودگی میں متعلقہ افسر اس پالیسی پر سختی سے عمل نہ کر سکے۔ ایک اور سب سے بڑی دقت یہ تھی۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہ مل سکتا تھا۔ کہ مشرقی پنجاب میں کون شخص کاشت کار تھا۔ اور کون نہیں۔ چنانچہ اس کام میں نہ صرف بہت سی غلطیاں ہوتی گئیں۔ بلکہ افسوس سے اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ کافی پیمانے پر خویش نوازی۔ بددیانتی اور رشوت کا دور دورہ رہا۔ مغربی پنجاب کی زرین نہری آبادیوں میں زمین حاصل کرنے کا بہت زور رہا۔ اور بعض جگہ اس جدوجہد میں انصار بھی مہاجرین کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ لوگ غلط اور فرضی دعوے پیش کرتے رہے۔ اور ناجائز طور پر فائدہ پہنچانے والے ملازم ایسی باتوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

اس دوران میں وسیع قومی نقطہ نظر سے تسلی بخش امر یہ تھا۔ کہ غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی زرعی زمینیں خالی نہیں بڑی رہی تھیں۔ ایک فصل تو تیار تھی۔ اسے کاٹ لیا گیا۔ اور دوسری فصل کاشت کر دی گئی۔ اس کی پیداوار بھی معمول کے مطابق ہوئی۔ تقسیم کے بعد مغربی پنجاب کی پہلی فصل ربیع میں صرف گندم کی پیداوار ۲۲ لاکھ ٹن کے قریب تھی۔ جہاں تک زمین کی غلط تقسیم کا تعلق تھا۔ ان غلطیوں کا ازالہ بعد میں ہو سکتا تھا چنانچہ اب اس سلسلے میں بھی مناسب قدم اٹھایا جا چکا ہے۔ تقسیم اراضی کی جانچ پرتال کے لئے ایک خاص کمیٹی مقرر ہو چکی ہے۔ جس میں خاص خاص تجربہ کار افسر شامل ہیں۔ یہ کمیٹی تقسیم اراضی کی جانچ پرتال اور بے قاعدگیوں کا ازالہ کرتی ہے۔ اور زمینوں کو ناجائز قبضے سے نکال کر مستحق مہاجرین کو دے دیتی ہے۔ صرف ۲۲۔ اپریل سے ۳۰ جون تک اس خاص عمل نے ۶۶ ہزار ایکڑ سے زیادہ زمین ناجائز قبضے سے نکالی۔ ہر ضلع کے ڈپٹی کمشنر نے بھی خاص طور پر تقسیم کی جانچ پرتال کی۔ ان کی کوششوں سے کل ۳۹۳۹۹۶ ایکڑ زمین برآمد ہوئی۔ اس زمین پر ساڑھے تین لاکھ

سے زیادہ پناہ گیر آباد کئے جا چکے ہیں۔
 "اب تک تقریباً چالیس لاکھ زراعت پیشہ ہماجرین زمینوں پر آباد ہو چکے ہیں۔
 ان زمینوں پر غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی زمینوں کے علاوہ سرکاری قابل کاشت اراضی
 بھی شامل ہے۔ ہر ہماجر کنبے کو جس میں ایک کام کرنے والا شخص اور باقی اس کے
 متعلقین ہوں۔ ۵ سے ۸ ایکڑ تک نہری اور پلہ ۱۲ ایکڑ تک بارانی زمین دی گئی۔

کاشت کاروں کی امداد

ہماجر کاشت کاروں کو آباد ہونے کے لئے زمینیں دینے کے علاوہ حکومت ان کی
 مالی امداد کی طرف سے بھی غافل نہ رہی۔ کیونکہ بہت سے ہماجر مفلس اور
 قلاش ہو چکے تھے۔ اس سلسلے میں پہلا قدم یہ اٹھایا گیا۔ کہ خریف ۱۹۲۶-۲۷ کے
 لئے مالیہ اراضی اور آبیانہ وصول کرنے کے ساتھ دو آنے فی روپیہ کے حساب سے
 ہماجرین کی امداد کے لئے روپیہ جمع کیا گیا۔ پھر ۱۵ اگست ۱۹۲۶ء سے ۱۵ مارچ
 ۱۹۲۸ء تک ۲۱ لاکھ ۵۹ ہزار ۳۹۰ روپے کے تقاوی قرضوں کا انتظام کیا گیا۔
 ڈپٹی کمشنروں سے کہا گیا۔ کہ یہ قرضے ذمے وقت لمبا چوڑا طریق عمل اختیار نہ کیا
 جائے۔ بلکہ ہماجر کاشت کاروں کو زیادہ سے زیادہ آسانی کے ساتھ چار سو روپے
 تک کی رقوم ہیتا کی جائیں۔ جن سے وہ حسب ضرورت مویشی خرید سکیں۔ زراعتی
 آلات۔ بیج اور کھاد حاصل کر سکیں۔ یا کٹوؤں کی مرمت وغیرہ کر سکیں۔
 " آئندہ مالی سال کے دوران میں کاشت کاروں کے سود و بہبود کی سکیموں پر
 تین لاکھ روپیہ خرچ کیا جائے گا۔

وٹرنری محکمہ

" وٹرنری محکمہ مویشیوں کی بیماریوں۔ نسل کشی اور تحقیقاتی کاموں کے متعلق متعدد
 سکیمیں تیار کر چکا ہے۔ مقصد یہ ہے۔ کہ اعلیٰ نسل کے مویشیوں کی حوصلہ افزائی کی

جائے بھاری کی طرح مغربی پنجاب میں بھی اسی قسم کا ایک بڑا فارم قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ اس مرکزی فارم کے ماتحت صوبہ بھر میں چھوٹے فارموں اور ڈیریوں کا جال بچھا دیا جائے گا۔ ان فارموں کا کل رقبہ تقریباً ۱۲ ہزار ۷۹۲ ایکڑ ہوگا۔ اور ان میں ۱۳۵ مویشی رکھے جائیں گے۔ صوبے میں اس وقت ۱۵ ڈیریاں کام کر رہی ہیں۔ اب تجویز کی گئی ہے کہ صوبے کی دودھ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ۱۰۰ نئی ڈیریاں کھولی جائیں۔

”صوبے میں ہر سال ۷۶ لاکھ سے زیادہ مویشی چوپک یا سیتلا کی وبا سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس کی روک تھام کے لئے وسیع پیمانے پر انتظامات کئے گئے ہیں۔ اس وقت صوبے میں ۱۹۳ ہسپتال، ۶۳ ڈسپنسریاں اور ۷۵ چھوٹی ڈسپنسریاں جاری ہیں۔“

جنگلات

”جدید معیار کے مطابق کسی ملک کا ۲۰ سے ۲۵ فی صدی تک رقبہ جنگلات پر مشتمل ہونا چاہیے۔ لیکن مغربی پنجاب میں یہ رقبہ کل رقبے کا صرف ۶٪ فی صدی ہے۔ محکمہ جنگلات نے اس ہولناکی کو دور کرنے کی ایک جامع سکیم تیار کی ہے۔ جس کے ماتحت بیکار زمینوں پر سڑکوں، نہروں اور ریلوے لائنوں کے ساتھ ساتھ اور کھیتوں کے کناروں پر کثرت سے درخت اگائے جائیں گے۔ حکومت دیہات میں جنگلات پیدا کرنے کا ایک ایکٹ بھی نافذ کرنے والی ہے۔ کاشت کاروں کو درخت اگانے کے سلسلے میں ہر قسم کی سہولتیں پیش کی جائیں گی۔“

صنعت و حرفت

”صوبے کی تقسیم سے مغربی پنجاب کی صنعتی زندگی کو زبردست دھکا لگا۔ صنعت و حرفت کا بہت سا عملہ غیر مسلموں پر مشتمل تھا۔ جو سب کے سب رخصت ہو گئے۔ اس کے

علاوہ بہت سے صنعتی ادارے۔ سکول اور لیبارٹریاں مشرقی پنجاب کے حصے میں آئیں۔

”صوبے میں کپڑے کی ہولناک قلت کے پیش نظر فوری طور پر یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ گھریلو کھڈیوں اور چرخوں کے کام کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے۔ ملتان۔ لائل پور۔ جھنگ۔ اوکاڑہ۔ شاہ پور اور گوجرانوالہ میں محکمہ امداد باہمی کے تعاون سے پارچہ بانوں کی نوآبادیاں قائم کی گئیں۔ ان نوآبادیوں کی سب سے بڑی ضرورت کپاس تھی۔ لیکن کپاس کی منڈی کا نظام بالکل درہم برہم ہو چکا تھا۔ اور کپاس اوٹنے کے کارخانے اگست ۱۹۲۷ء میں بند ہو چکے تھے۔ ہماجروں نے کھیتوں سے کپاس چن لی تھی۔ لیکن اس کی فروخت کا کہیں انتظام نہ تھا۔ نہ کوئی منڈی کھلی تھی۔ اور نہ کوئی بنک۔ نہ کوئی خریدار تھا۔ اور نہ اسے کارخانوں تک پہنچانے کے لئے نقل و حمل ہی کا کوئی ذریعہ تھا۔

کپاس اوٹنا

”یہ کام بہت اہم تھا۔ سب سے پہلے اس امر کی ضرورت تھی۔ کہ کپاس اوٹنے کے کارخانے چلائے جائیں۔ مغربی پنجاب میں ان کارخانوں کی کل تعداد ۲۲۲ ہے۔ جن میں سے ہر سال پونے دو سو کے قریب کارخانوں میں پورے زور شور سے کام ہوا کرتا تھا۔ ان میں سے ۲۳ کارخانوں کے مالک ہندوستانی تھے۔ چونکہ فصل معمول سے کم تھی۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا۔ کہ صرف ۱۴۰ کارخانے چلائے جائیں۔ چنانچہ یہ کارخانے ہماجرین اور دوسرے مستحق لوگوں کو الاٹ کئے گئے۔ چند کارخانے محکمہ امداد باہمی نے سنبھال لئے۔ ریلوے سے ترجیحی نقل و حرکت کا انتظام کر کے پنجاب اور بلوچستان کا کچھ کوئلہ ان کارخانوں تک پہنچایا گیا۔ پھر ٹاٹ اور گٹھے باندھنے کے حلقے نایاب تھے۔ اور روٹی کو گھلا نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ چنانچہ تمام موجودہ ذخیروں پر قبضہ کر کے انھیں کارخانوں کے نام الاٹ کیا گیا۔ برآمد کے لئے ہر قسم

کی سہولتیں مہیا کی گئیں۔ اور گلے باندھنے کے حلقوں کے لئے آرڈرز دیا گیا۔ ان سب باتوں کا یہ اثر ہوا۔ کہ کپاس کے نرخ پھر بحال ہو گئے۔ تاہم نرخ پہلے خطرناک طور پر گر گئے تھے۔ آخری حربہ یہ استعمال کیا گیا۔ کہ حکومت خود خریداری بنی۔ اور اچھے نرخ پر بہت سی کپاس جمع کر لی گئی۔ حالات کے معمول پر آنے اور حکومت کی ان کوششوں سے امید کی جاتی ہے۔ کہ کپاس کے نرخ آئندہ نہیں گریں گے۔ اب کپاس کی آئندہ فصل کے متعلق وقت پر انتظامات کئے جا رہے ہیں۔

تعلیم

”تقسیم کے بعد پناہ گیر طلبہ اور استادوں کی بحالی کا کام بہت اہمیت رکھتا تھا۔ محکمہ تعلیم نے اس سلسلے میں ایک بنیادی پالیسی وضع کی۔ چنانچہ مشرقی پنجاب کی لوکل باڈیز (ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل کمیٹیاں وغیرہ) کے تقریباً تمام استاد مغربی پنجاب کی لوکل باڈیز میں ملازم ہو چکے ہیں۔ ایسے ۱۹۳۳ استادوں میں سے ۱۹۰۰ استاد ملازمت حاصل کر چکے ہیں۔ کل پانچ ہزار سے زائد استادوں کی بحالی کا انتظام ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ صوبے میں متعدد نئے سکول بھی کھولے گئے ہیں۔ جن میں تمام مہاجر طلبہ داخل ہو چکے ہیں۔ سرکاری ملازمت کے مہاجر معلموں کے ۲۰۷۲ روپے کے قرضے بلا سود وئے گئے۔ یہ قرضے آسان قسطوں میں وصول کئے جائیں گے۔ مشرقی پنجاب کے ۲۶ اسلامیہ سکولوں میں سے ۱۶ سکول غیر مسلم سکولوں کی عمارت میں جاری ہو چکے ہیں۔ متعدد سکولوں کی انتظامیہ کمیٹیوں کو اپنی تعلیمی سرگرمیاں وسیع تر کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔

”حکومت نے مہاجر طلبہ کی مالی امداد کی طرف بھی توجہ دی ہے۔ ہر مستحق طالب علم کو کم از کم ڈیڑھ سال تک تعلیمی مصارف سے بے نیاز کرنے کی سکیم تیار کی گئی۔ ۲۵ فی صدی مہاجر طلبہ کی پوری فیس معاف کی گئی۔ اور ۲۵ فی صدی کی نصف۔

”ان سب کاموں کے لئے حکومت نے محکمہ تعلیم کو اگست ۱۹۲۷ء سے مارچ ۱۹۲۸ء تک ۵ لاکھ اور ۱۹۲۸-۲۹ء کے مالی سال کے لئے ۹ لاکھ روپیہ دیا۔ سرکاری گرانٹ کے علاوہ غیر سرکاری امدادی فنڈ بھی جاری کئے گئے۔ ہر ضلع کے ڈپٹی کمشنر نے اس کام میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ اور ہاجرین طلبہ کی امداد کے لئے رقوم جمع کیں۔ جو ہیڈ ماسٹروں کی وساطت سے تقسیم کی گئیں۔“

نیا نصاب

”نصاب تعلیم کو بدلنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہو چکی ہے جو ملکی ضروریات کے عین مطابق نیا نصاب تجویز کرے گی۔ سکولوں میں اردو کو جلد از جلد ذریعہ تعلیم بنانے کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ ہائی کلاسوں میں اردو کو لازمی مضمون قرار دیا جا چکا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں اردو کی ایم۔ اے کی کلاس بھی کھولی جا رہی ہے۔ ایک اور فیصلہ یہ کیا گیا ہے۔ کہ پہلی سے آٹھویں جماعت تک بنیاد کی تعلیم لازمی ہوگی۔ سکولوں میں لازمی جسمانی تربیت کا خاطر خواہ انتظام کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے۔“

قانون شریعت

قانون سازی کے دائرے میں سب سے اہم کام شریعت بل ہے۔ جسے مغربی پنجاب کی قانون ساز اسمبلی نے جنوری ۱۹۲۸ء میں منظور کیا۔ اس ایکٹ کے رو سے شریعت کا قانون ہر مسلمان پر عادی ہوگا۔ چنانچہ اس صوبے کے مختلف قبیلوں کے رواجوں کو یک قلم منسوخ کر کے شادی، طلاق، وراثت، تقسیم جائداد، وقف وغیرہ کے سلسلے میں تمام مسلمانوں کے لئے ایک ہی ضابطہ مقرر ہو گیا۔ مختلف قبیلوں اور برادریوں میں جو رسوم صدیوں سے چلی آتی تھیں۔ وہ اس قانون کے ماتحت سب ختم ہو گئیں۔“

”مغربی پنجاب کی حکومت نے یکم اپریل ۱۹۴۸ء سے کھلے بندوں شراب پینے کی ممانعت کر دی ہے۔ چنانچہ اب کسی ریستوران یا دکان میں کسی گاہک کو شراب پیش کرنا جرم ہے۔ اب فیصلہ کیا جا رہا ہے کہ ۳۰ ستمبر کے بعد صوبے میں شراب کی قطعی ممانعت نافذ کر دی جائے۔ اور شراب کی فروخت اور کشید کے لئے سخت سزا دی جائے۔ اس تاریخ کے بعد کوئی مسلمان اپنے قبضے میں پینے یا بیچنے کے لئے شراب نہ رکھ سکے گا۔“

میزانیہ

”تقسیم کے بعد مغربی پنجاب کے سامنے مسائل کے پہاڑ کھڑے تھے۔ مہاجرین کے اتخلا اور آباد کاری پر بہت سا روپیہ خرچ ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میزانیہ کا توازن برابر نہ رہ سکا۔ ۳۱ مارچ ۱۹۴۸ء تک تین کروڑ روپے سے زیادہ مہاجرین پر خرچ ہو چکا تھا۔ مالی سال ۱۹۴۸-۴۹ء کے دوران میں یہ خرچ چار کروڑ تک پہنچ جائے گا۔ اگر یہ غیر متوقع خرچ نہ ہوتا تو میزانیہ میں کافی بچت ہوتی۔ اب یہ خرچ بار بار نہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ میزانیہ صوبے کی خوش حالی کا بخوبی ضامن بن سکے گا۔“

پاکستان کی صنعتی ترقی

سندھ اور مغربی پنجاب میں روئی صاف کرنے اور گائیڈ باندھنے کے تقریباً دو سو کارخانے ہیں۔ پاکستانی مالیاتی کارخانے

ایک کروڑ روپے کے سرمائے سے قائم کی گئی۔ اس وقت مشرقی پاکستان میں جوٹ کی گانٹھیں باندھنے کے کارخانے ہیں جن میں ۲۰ لاکھ گانٹھیں سالانہ باندھی جاسکتی ہیں۔ صنعتی کانفرنس منعقدہ کراچی نے سفارشات کی ہے کہ ۱۹۵۰ء تک ۳۰ لاکھ گانٹھیں سالانہ باندھنے کا انتظام کیا جائے۔

کراچی انڈسٹریل ٹریڈنگ اسٹیٹ

دسمبر ۱۹۳۶ء میں حکومت سندھ نے کارخانہ داروں کے لئے مناسب کرنے پر بجلی پائی۔ سرکاریوں، ریلوے سائڈنگ اور ڈاک کی آسانیاں مہیا کرنے کے لئے کراچی انڈسٹریل ٹریڈنگ اسٹیٹ کا افتتاح کیا گیا تھا۔ ۲۴۰ ایکڑ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس پر پے اکوڑ روپیہ صرف ہوگا۔ حکومت سوتی اور ادنی کپڑے۔ جوتے اور چھڑے کی دوسری چیزوں۔ لوہے۔ ٹیوب ٹائر۔ کیمیائی ادویہ۔ سگرٹ۔ گھڑیوں۔ بھاری آئل انجن۔ بناس پتی گھی۔ استرے۔ صابن۔ تیل۔ برش وغیرہ کے کارخانے قائم کرنے والی ہے۔

کوئلہ

پاکستان کو عموماً پے ۲ لاکھ ٹن ماہانہ کوئلے کی ضرورت تھی۔ اس میں سے حکومت ہندوستان صرف ایک لاکھ بارہ ہزار ٹن ماہانہ دے سکتی تھی۔ اور ۹۸۰۰۰ ٹن کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اب ضروری اشیاء کی رسد بھیجنے کے بین الاقوامی معاہدے کے رو سے باقی مقدار فراہم کرنے کے لئے برطانیہ سے استدعا کی گئی ہے۔

شکر۔ تمباکو۔ سیمنٹ وغیرہ کے کارخانے

پاکستان میں صرف ۲۵ ہزار ٹن سالانہ شکر پیدا ہوتی ہے۔ اور شکر کا سب سے بڑا کارخانہ مروان میں ہے۔ حکومت پاکستان نے اسے ۲۵ لاکھ روپیہ قرض دیا۔ اور باہر سے مشینری درآمد کرنے کی تمام سہولتیں مہیا کیں۔ اب امید ہے کہ یہ آئندہ رس نکالنے کی فصل میں جاری ہو جائے گا۔

۱۹۳۸-۳۹ء کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں ۱۵۶۳۰۰ ٹن سالانہ تمباکو پیدا ہوتا ہے۔ صنعتی کانفرنس نے صوبہ سرحد۔ مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال میں سگرٹ بنانے کا ایک ایک کارخانہ قائم کرنے کی سفارش کی ہے۔ اس وزارت کی کوشش سے پیرل ٹوبیکو

کپنی (ایڈیا) لمیٹڈ نے عنقریب کراچی میں سگرٹ کا کارخانہ کھولنا منظور کیا ہے۔ بعد ازاں جہلم اور چانگام میں بھی کارخانے کھولنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

پاکستان میں سینٹ ضرورت سے زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کی بیرونی تجارت کو ترقی دینے کے امکانات ہیں۔ چنانچہ ۲۰ ہزار ٹن سینٹ برآمد کرنے کے لائسنس جاری کئے جا چکے ہیں۔

پاکستان میں فولاد بنانے کا کوئی کارخانہ نہیں۔ مغربی پنجاب اور سندھ میں پُرانے لوہے سے سلاخیں بنانے کے کارخانے ہیں۔ جن میں لوہے اور فولاد کی چیزیں بنتی ہیں۔ برطانیہ۔ امریکہ۔ بلجیم اور ہندوستان سے فولاد درآمد کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

حکومت نے طبقات الارض کی پیمائش کے لئے گیارہ لاکھ روپے سالانہ کی رقم منظور کی ہے۔ محکمہ طبقات الارض کا صدر دفتر کوئٹہ میں اور ایک شاخ مشرقی پاکستان میں ہے۔ پاکستان کا باقاعدہ طبقات الارض نقشہ تیار کرنا۔ معدنیات کی تحقیقات اور ان کاموں سے متعلق سائنس کے مطابق تحقیقات کرنا اس محکمے کے فرائض میں داخل ہے۔ علاوہ بریں یہ محکمہ انجینئرنگ کے باب میں بھی مشورہ دے گا۔

ایکم مارچ ۱۹۴۸ء کو وزارت امور اقتصادی قائم کی گئی۔ یہ وزارت اقتصادی ترقی | امریکہ کے جنگی املاک کے انتظامی ادارے سے ایک کروڑ ڈالر

کی مالیت کا سامان قرض پر خریدنے کا انتظام کرنے میں کامیاب ہوئی۔ وزارت نے ۲۶ اپریل سے ۲۸ اپریل تک اقتصادی کنٹرول کانفرنس منعقد کی جس کے مقاصد حسب ذیل تھے :-

۱، اقتصادی کنٹرول پر اس نظر سے غور کرنا کہ اسے دور کر دیا جائے۔ یا اس میں نرمی پیدا کی جائے۔

۲، خصوصاً شہری علاقوں میں ضروری اشیائے غذا کی قیمتیں کیونکر کم کی جائیں۔

۳، ہاتھ کے جئے ہوئے کپڑے اور ہاتھ سے کاتے ہوئے سوت کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے طریقے تجویز کئے جائیں۔ اور ان چیزوں کے استعمال کی رغبت دلائی جائے۔